



محاکنِ ترمذی

فہمہ و شرح اہل کفر

جامعِ ترمذی

جلد سوم

مؤلف

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ

مبتدع و شراح

مفتی عظیم دارالرحمن ملتان دہشت بکاؤ



مکتبہ رحمانیہ (دہشت)

محاسنِ ترمذی

نہجہ و شرح اہکوف

جامع ترمذی

جلد سوم

مؤلف

امام ابو عیسیٰ بن عقیل ترمذی رحمہ اللہ

مبتدع و شراح

مفتی عظیم دارالرحمن ملتان دہشت بکاف

مکتبہ رحمانیہ (مدرسہ)

اقرآن سنٹر عرفی سسٹم، اڈہ بازار، لاہور
فون: 042-37224228-37355743



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

جملہ حقوق ملکیت بحق ناشر محفوظ ہیں



مکتبہ رحمانیہ (رجسٹرڈ)

نام کتاب

محاسن ترمذی رحمہ اللہ جامع ترمذی

(جلد سوم)

مؤلف

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ

ناشر

مکتبہ رحمانیہ (رجسٹرڈ)

مطبع

خضر جاوید پرنٹرز لاہور

اقرأ سنتر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

فون: 042-37224228-37355743

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لیے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسانوں کے ہاتھ ہوتا ہے اس لیے پھر بھی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

تنبیہ

ہمارے ادارے کا نام بغیر ہماری تحریری اجازت بطور ملنے کا پتہ، ڈسٹری بیوٹر، ناشر یا تقسیم کنندگان وغیرہ میں نہ لکھا جائے۔ بصورت دیگر اس کی تمام ترمیم داری کتاب طبع کروانے والے پر ہوگی۔ ادارہ ہذا اس کا جواب دہ نہ ہوگا اور ایسا کرنے والے کے خلاف ادارہ قانونی کارروائی کا حق رکھتا ہے،

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فہرست عنوانات

جس کے شوہر کا انتقال ہو جائے اس پر عدت میں سوگ

لازم ہے..... ۴۸

ظہار کرنے والا کفارہ ادا کرنے سے پہلے صحبت کرے

تو کیا حکم ہے؟..... ۵۱

ظہار کے کفارہ کا بیان..... ۵۱

ایلاء کا بیان..... ۵۳

لعان کا بیان..... ۵۴

جس عورت کے شوہر کا انتقال ہو جائے وہ عدت کہاں

گزارے؟..... ۵۶

أَبْوَابُ الْبَيْعِ

۵۸

لین دین کے بیان میں..... ۵۸

مشتبہ چیزوں سے بچنے کا بیان..... ۵۹

سود کھانا..... ۶۲

جھوٹے اور جھوٹی گواہی کی مذمت..... ۶۵

تاجروں کا نبی ﷺ کو "تجار" کا خطاب دینا..... ۶۶

کسی سامان کے بارے میں جھوٹی قسم کھانا..... ۶۸

ہج سیرے کا دوبار شروع کرنا..... ۶۸

اُدھار خریدنا جائز ہے..... ۶۹

دستادیز لکھنے کا بیان..... ۷۱

پیمانوں اور ترازو کا بیان..... ۷۲

اس کو بیع مزایدہ بھی کہتے ہیں..... ۷۲

مدبر کی بیع کا بیان..... ۷۳

أَبْوَابُ الطَّلَاقِ وَاللِّعَانِ

۱۹

طلاق و لعان کا بیان..... ۱۹

طلاق دینے کا مسنون طریقہ..... ۱۹

اگر کوئی بیوی کو لفظ البتہ سے طلاق دے تو کیا حکم ہے؟..... ۲۲

تفویض طلاق یعنی تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں کہنے

کا حکم..... ۳۱

طلاق کا اختیار دینے کا حکم..... ۳۲

مطلقہ ثلاثہ کے لیے نہ سکنی ہے نہ نفقہ..... ۳۲

نکاح سے پہلے طلاق نہیں..... ۳۵

کنیز کو دو طلاقیں دی جائیں گی..... ۳۷

طلاق کا خیال (وسوسہ) آنے سے طلاق نہیں ہوتی..... ۳۷

طلاق میں سنجیدگی اور دل لگی برابر ہیں..... ۳۸

خلع کا بیان..... ۳۹

خلع کرنے والی عورتوں کے لیے وعید..... ۴۱

عورتوں کے ساتھ رکھ رکھاؤ (خاطر داری) کا معاملہ

کرنا..... ۴۲

باپ بیوی کو طلاق دینے کے لیے کہے تو بیٹا کیا

کرے؟..... ۴۳

سوکن کا طلاق کا مطابقت کرنا..... ۴۴

طلاق کی تحدید کب عمل میں آئی؟..... ۴۴

مجنون کی طلاق کا حکم..... ۴۵

حاملہ کی عدت وضع حمل ہے..... ۴۷

کوئی شخص مقروض کے پاس اپنا مال پائے تو کیا حکم	برائے فروخت آنے والی چیزوں کا استقبال کرنا مکروہ
۱۲۰..... ہے	۷۵..... ہے
۱۲۲..... مسلمان کسی ذمی کو شراب بیچنے کے لیے نہ دے	۷۷..... شہری دیہاتی کے لیے نہ بیچے
مقروض کا کوئی مال ہاتھ لگے تو اس سے اپنا حق وصول	۷۸..... بیع مجاہلہ اور مزانہ کی ممانعت
۱۲۳..... کر سکتا ہے؟	۸۱..... کار آمد ہونے سے پہلے پھلوں کی بیع ممنوع ہے
۱۲۴..... عاریت پر لی ہوئی چیز مضمون ہے	۸۴..... حمل کے حمل کو بیچنا ممنوع ہے
۱۲۶..... ذخیرہ اندوزی کرنا	۸۴..... دھوکہ کی بیوع ممنوع ہیں
۱۲۷..... تھن میں دودھ روک کر جانور بیچنا	۸۵..... ایک بیع میں دو بیع کرنا منع ہے
۱۲۷..... جھوٹی قسم کے ذریعے مسلمان کا مال ہتھیانا	۸۶..... جو چیز آدمی کے پاس نہ ہو اس کو بیچنا جائز نہیں
جب خرید و فروخت کرنے والوں کے درمیان اختلاف	۸۹..... ولاء کی بیع اور ہبہ میں کراہیت کا بیان
ہو جائے	۹۱..... حیوان کو حیوان کے بدل ادھار بیچنا جائز نہیں
۱۲۸..... اضافی پانی فروخت کرنے کا حکم	۹۲..... ایک غلام کو دو غلاموں کے عوض خریدنا جائز ہے
۱۲۹..... نز کو جفتی کے لئے کرائے پر دینا مکروہ ہے	گیہوں سے گیہوں کا تبادلہ برابر برابر ہونا ضروری ہے
۱۳۰..... کتے کی قیمت کا حکم	۹۳..... کئی بیشی حرام ہے
۱۳۲..... بچنے لگانے والے شخص کی آمدنی کا حکم	سونے چاندی کی بیع کا بیان
۱۳۳..... بچنے لگانے کی اجازت	۹۸..... بیوند کاری کے بعد کھجوروں اور مالدار غلام کی بیع
۱۳۳..... کتے اور بلی کی قیمت کی کراہیت	۱۰۱..... بائع اور مشتری کو افتراق سے پہلے اختیار ہے
۱۳۴..... معلم کتے کی بیع جائز ہے	۱۰۳..... اختیار مجلس کے سلسلہ کا ایک اور باب
۱۳۴..... گانے بجانے والی باندیوں کی خرید و فروخت ممنوع ہے	۱۰۹..... جو شخص تجارت میں دھوکہ کھاتا ہو اس کا حکم
دو بھائیوں یا ماں اور بیٹے کو سودے میں ایک دوسرے	۱۰۹..... مصرات (دودھ روکے ہوئے جانور) کی بیع
۱۳۵..... سے الگ کرنا حرام ہے	۱۱۱..... بیع میں سواری کی شرط لگانے کا بیان
جو شخص کوئی غلام خریدے، اسے نفع حاصل کرنے کیلئے	۱۱۲..... رہن رکھی ہوئی چیز سے فائدہ اٹھانے کا بیان
۱۳۶..... خریدے پھر وہ اس میں کوئی عیب پائے	۱۱۳..... سونے اور تگینے والے ہار کو خریدنا
۱۳۷..... گزرنے والے شخص کے لئے پھل کھانے کی اجازت	۱۱۵..... بیع میں ولاء کی شرط لگانے کا بیان اور اس پر وعید
۱۳۸..... خرید و فروخت میں استثناء کی ممانعت	۱۱۶..... قربانی کے لیے رقم خاص کی پھر کچھ بیچ گئی تو اس کا حکم
اپنے قبضے میں لینے سے پہلے اناج کو (آگے) فروخت	۱۱۷..... جو مکاتب بدل کتابت ادا کرنے پر قادر ہو اس سے
۱۳۸..... کرنا حرام ہے	پردہ

۱۵۹..... قاضی کا بیان	۱۳۹..... دوسرے کے سودے پر سودا کرنے کی ممانعت
۱۶۱..... وہ قاضی جو ٹھیک فیصلہ بھی کرتا ہے اور غلطی بھی کرتا ہے	۱۳۹..... شراب کو فروخت کرنا، اس کی ممانعت
۱۶۳..... قاضی کس طرح فیصلہ کرے؟	۱۳۹..... شراب کو سرکہ بنانے کی ممانعت
۱۶۵..... عادل حکمران کی فضیلت	۱۴۰..... مالک کی اجازت کے بغیر مویشیوں کو دوہنے کا حکم
..... قاضی جب تک فریقین کی بات نہ سن لے فیصلہ نہ کرے مردہ جانوروں کی کھال اور بتوں کو فروخت کرنے کا حکم
۱۶۵..... رعایا کا حکمران	۱۴۱.....
۱۶۶..... قاضی غضب کی حالت میں فیصلہ نہ کرے	۱۴۳..... ہبہ کو واپس لینا مکروہ ہے
۱۶۷..... امراء (سرکاری اہلکاروں) کو ملنے والے تحائف کا حکم	۱۴۴..... عرایا کا حکم اور اس کے بارے میں اجازت
۱۶۷..... فیصلہ کرنے میں رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا	۱۴۸..... مصنوعی بولی لگانا حرام ہے
۱۶۸..... قضاۃ کا تحفہ قبول کرنا اور دعوت قبول کرنا وزن کرتے ہوئے ایک طرف کے پلڑے کو بھاری کرنا
..... جس شخص کے حق میں کسی چیز کا فیصلہ ہو جائے (جو غلط ہو)	۱۴۸..... تنگ دست شخص کو مہلت دینا اور اس کے ساتھ نرمی کرنا
..... تو اس شخص کے لئے اس چیز کو لینا درست نہیں ہے، اس بارے میں شدت سے تاکید	۱۴۸.....
۱۶۹..... دعویٰ کرنے والے کا ثبوت پیش کرنا لازم ہے	۱۴۹..... مالدار کا (قرض کی واپسی میں) ٹال مٹول کرنا ظلم ہے
۱۷۰..... گواہ مدعی کے ذمے اور قسم مدعی علیہ کے ذمے	۱۵۱..... بیع منابذہ اور بیع ملامسہ کا حکم
۱۷۱..... ایک گواہ کے ہمراہ قسم اٹھانا	۱۵۱..... کھجور اور غلہ پر قرض دینا یعنی بیع سلم کرنا
..... وہ غلام جو دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو اور ان میں سے ایک اپنا حصہ آزاد کر دے	۱۵۳..... مشترک زمین میں سے اپنا حصہ بیچنا
۱۷۵..... لفظ عمری سے جائداد دینے کا بیان	۱۵۴..... مخابرہ اور معاومہ کا حکم
۱۷۶..... لفظ رقبی سے جائداد دینے کا حکم	۱۵۴..... قیمتوں پر کنٹرول کا مسئلہ
۱۸۰..... لوگوں کے درمیان صلح کرنے کا بیان	۱۵۵..... خرید و فروخت میں دھوکہ دینا حرام ہے
۱۸۱..... پڑوسی کی دیوار پر شہتیر لگائے اونٹ یا کوئی بھی جانور ادھار کے طور پر لینا
..... قسم (کا وہ مفہوم مراد ہوگا) جس کی تمہارا ساتھی تصدیق کرے	۱۵۵..... خرید و فروخت اور قرض کی ادائیگی میں نرمی برتنے کی فضیلت
..... جب راستے کے بارے میں اختلاف ہو جائے، تو اسے کتنا رکھا جائے؟	۱۵۷..... مسجد میں خرید و فروخت کی ممانعت
۱۸۲.....	۱۵۸.....

۲۰۵..... درخت لگانے کی فضیلت	بچے کو اس کے ماں باپ کے درمیان (کسی ایک کے ساتھ رکھنے) کا اختیار دینا، جب ان کے درمیان علیحدگی ہو جائے..... ۱۸۲
۲۰۵..... کھیتی باڑی کا بیان	باپ اولاد کے مال میں سے لے سکتا ہے..... ۱۸۳
۲۰۶..... مزارعت (کے احکام)	جب کسی شخص کی کوئی چیز توڑ دی جائے، تو توڑنے والے کے مال میں سے اس شخص کے حق میں کیا فیصلہ دیا جائے؟..... ۱۸۴
۲۰۷..... آبواب الدیات	مرد اور عورت کے بالغ ہونے کی حد..... ۱۸۵
۲۰۷..... دیت کے بیان میں	سوتیلی ماں سے نکاح کرنے کی سزا..... ۱۸۵
۲۰۷..... اونٹ کے حساب سے کتنی دیت ہوگی؟	سینچائی میں جس کا کھیت بعد میں ہو اس کا حکم..... ۱۸۶
۲۱۲..... دراہم سے دیت کی مقدار کتنی ہے؟	جو شخص مرتے وقت اپنے غلاموں کی آزاد کر دے اور اس کے پاس ان غلاموں کے علاوہ اور کوئی مال نہ ہو..... ۱۸۸
۲۱۲..... موصحہ زخم کی دیت	جو شخص کسی محرم رشتے دار کا مالک بن جائے (ذی رحم محرم کا مالک ہونے سے وہ آزاد ہو جاتا ہے)..... ۱۹۰
۲۱۲..... انگلیوں کی دیت	جب کوئی شخص کسی دوسرے کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر کھیتی باڑی کرے..... ۱۹۰
۲۱۳..... قصاص معاف کرنے کا ثواب	عطیہ دیتے ہوئے اولاد کے درمیان برابری رکھنا..... ۱۹۱
۲۱۳..... جس کا سر پتھر سے کچل دیا جائے اس کا حکم	شفعہ کا بیان..... ۱۹۲
۲۱۶..... مؤمن کو قتل کرنے کی شدید مذمت	غیر موجود شخص کے لئے شفعہ کرنا..... ۱۹۳
۲۱۷..... خون کے بارے میں فیصلہ	جب حدود متعین ہو جائیں اور حصے ہو جائیں تو شفعہ کا حق نہیں ہوگا..... ۱۹۴
۲۱۷..... جو شخص اپنے بیٹے کو قتل کر دے، کیا اس سے قصاص لیا جائے گا یا نہیں؟	شراکت دار شفعہ کا حق رکھتا ہے..... ۱۹۵
۲۱۷..... کسی بھی مسلمان کا خون بہانا تین میں سے کسی ایک وجہ سے جائز ہے	گری ہوئی چیز، گمشدہ اونٹ یا بکری کا حکم..... ۱۹۵
۲۱۸..... جو شخص کسی معاہدہ کو قتل کر دے (اس کا حکم)	وقف کا حکم..... ۲۰۰
۲۱۹..... مقتول کے ولی کا قصاص یا معاف کرنے کا فیصلہ کرنا	جانور کے زخمی کرنے کا کوئی تاوان نہیں ہوتا..... ۲۰۲
۲۲۱..... مثلہ کرنے کی ممانعت	بنجر زمین کو آباد کرنا..... ۲۰۲
۲۲۲..... پیٹ میں موجود بچے کی دیت	جاگیر دینا..... ۲۰۳
۲۲۲..... کسی مسلمان کو کسی کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا	
۲۲۳..... کفار کی دیت کا حکم	
۲۲۳..... جو شخص اپنے غلام کو قتل کر دے	
۲۲۵..... عورت اپنے شوہر کی دیت میں وارث ہوگی	

۲۳۶.....	کتنی قیمت والی چیز کی چوری پر چور کا ہاتھ کاٹا جائے
۲۳۷.....	کٹے ہوئے ہاتھ کا ہار پہنانا
۲۳۸.....	خیانت کرنے والا، اچک کر لے جانے والا اور ڈاکو کا حکم
۲۳۸.....	پھلوں اور کھجور کے خوشوں کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا
۲۳۸.....	جنگ کے دوران ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے
۲۳۹.....	بیوی کی باندی سے صحبت کرنے کا حکم
۲۵۰.....	جب کسی عورت کے ساتھ زبردستی زنا کیا جائے
۲۵۱.....	جانور سے بعد فعلی کرنے کا حکم
۲۵۲.....	قوم لوط کا عمل کرنے والے کی سزا
۲۵۳.....	مرتد کی سزا
۲۵۴.....	جو شخص (مسلمانوں پر) ہتھیار اٹھائے
۲۵۴.....	جادو کرنے والے کی سزا
۲۵۵.....	مال غنیمت میں چوری کرنے والے کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟
۲۵۶.....	ادھڑے کہنے کی سزا
۲۵۶.....	تعزیر (گوشمالی) کا بیان

أَبْوَابُ الصَّيْدِ

۲۵۹

۲۵۹.....	شکار کرنے کا بیان
۲۵۹.....	کون سا شکار حلال ہے اور کونسا حرام؟
۲۶۱.....	مجوی کے کتے کا شکار
۲۶۱.....	باز کے شکار کا حکم
۲۶۲.....	شکار تیر کھا کر غائب ہو گیا پھر مرا ہوا ملا تو کیا حکم ہے؟
۲۶۲.....	شکار کو تیر مارا پس وہ پانی میں گر گیا اور مر گیا تو کیا حکم ہے؟

۲۲۶.....	قصاص کا حکم
۲۲۷.....	حوالات اور تہمت کی سزا
۲۲۷.....	جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے قتل ہو جائے
۲۲۷.....	وہ شہید ہے
۲۲۸.....	قسامہ (حلف برداری) کا بیان

أَبْوَابُ الْحُدُودِ

۲۳۰

۲۳۰.....	شرعی سزاؤں کا بیان
۲۳۰.....	حد کس پر واجب نہیں
۲۳۱.....	حدود کو ہٹانے کا بیان
۲۳۲.....	مسلمان کی پردہ پوشی کرنا
۲۳۲.....	حد کے بارے میں تلقین کرنا
۲۳۲.....	اعتراف کرنے والا جب رجوع کر لے تو اس سے حد کو ساقط کر دینا
۲۳۳.....	حدود کے بارے میں سفارش کرنا حرام ہے
۲۳۶.....	رجم (سنگساری) کی سزا قطعی ہے
۲۳۸.....	رجم کا حکم شادی شدہ شخص کے لئے ہے
۲۴۰.....	حاملہ ملزمہ کو بچے کی پیدائش تک رجم نہ کرنا
۲۴۰.....	اہل کتاب کو سنگسار کرنا
۲۴۲.....	جلا وطنی کا حکم
۲۴۲.....	حدود (سزا ملنے والوں) کے لئے کفارہ ہوتی ہیں
۲۴۴.....	کنیزوں پر حد جاری کرنا
۲۴۴.....	جو شخص شراب پئے اسے کوڑے لگاؤ اور جو شخص (سزا ملنے کے باوجود) چوتھی مرتبہ ایسا کرے تو اسے قتل کر دو
۲۴۵.....	مخمر کو کوڑے مارے جائیں پھر اگر چوتھی مرتبہ پیئے تو قتل کر دیا جائے

۲۷۳.....	جو کتا شکار میں سے کچھ کھالے، اس کا حکم
۲۶۴.....	لاٹھی کے ذریعے شکار کا حکم
۲۶۴.....	دھاردار پتھر سے ذبح کرنا جائز ہے
۲۶۴.....	جس جانور کو باندھ کر (نشانے بازی کے ذریعے مارا جائے) اسے کھانا حرام ہے
۲۶۵.....	جنین کو ذبح کرنا
۲۶۶.....	ہرنو کیلے دانت والے درندے اور نوکیلے بچوں والے پرندے (کو کھانا) حرام ہے
۲۶۶.....	زندہ جانور سے جو عضو کاٹا جائے وہ مردار ہے
۲۶۷.....	حلق اور لبہ میں ذبح کرنا
۲۶۸.....	چھکلی کو مارنے کا حکم
۲۶۸.....	ساینبوں کو مارنے کا حکم
۲۶۹.....	کتوں کو مارنے کا حکم
۲۷۰.....	شوقیہ کتا پالنے سے روزانہ ثواب کم ہوتا ہے؟
۲۷۰.....	بانس وغیرہ سے ذبح کرنا
۲۷۱.....	پالتو جانور بدک جائے تو اس کا حکم وحشی جانور کا ہو جاتا ہے
۲۷۲.....	
۲۷۳.....	قربانی کے بیان میں
۲۷۴.....	قربانی کرنے کی فضیلت کا بیان
۲۷۴.....	دو مینڈھوں کی قربانی کرنا
۲۷۴.....	مرحوم کی طرف سے قربانی کرنا
۲۷۵.....	کون سے جانور کی قربانی مستحب ہے؟
۲۷۵.....	کون سے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے
۲۷۶.....	کس جانور کی قربانی مکروہ ہے؟
۲۷۷.....	چھ ماہ کی بھیڑ کی قربانی
۲۷۸.....	بڑے جانور میں کتنے آدمی شریک ہو سکتے ہیں
۲۷۸.....	ٹوٹے سینگ یا کٹے کان والے جانور کی قربانی کا بیان
۲۷۹.....	ایک بکری پوری فیملی کی طرف سے قربانی ہو سکتی ہے؟
۲۸۰.....	قربانی کرنا سنت ہے
۲۸۰.....	نماز (عید) پڑھنے کے بعد قربانی کرنا
۲۸۱.....	تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت کھانا مکروہ ہے
۲۸۲.....	تین دن کے بعد قربانی کا گوشت کھانے کی اجازت
۲۸۲.....	فرع اور عتیرہ کا بیان
۲۸۳.....	عقیقہ کا بیان
۲۸۴.....	نومولود کے کان میں اذان دینا
۲۸۴.....	عقیقہ میں ایک بکری (کی قربانی)
۲۸۶.....	امام کا عید گاہ میں قربانی کرنا
۲۸۶.....	عقیقہ کی حکمت
۲۸۷.....	جو شخص قربانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو، وہ بال نہ کٹوائے
۲۸۸.....	أَبْوَابُ التَّذْوِيرِ وَالْإِيْتِمَانِ
۲۸۸.....	منتوں اور قسموں کا بیان
۲۸۹.....	گناہ کے کام کی منت ماننا جائز نہیں
۲۹۰.....	جو شخص اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری (کے کام) سے متعلق نذر مانے وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرے
۲۹۰.....	آدمی جس چیز کا مالک نہ ہو اس سے متعلق نذر کی کوئی حیثیت نہیں ہے
۲۹۱.....	غیر متعین نذر کا کفارہ
۲۹۱.....	قسم کھائی پھر اس کے علاوہ میں بھلائی دیکھی تو کیا کرے؟
۲۹۲.....	قسم توڑنے سے پہلے کفارہ دینا
۲۹۲.....	قسم کے ساتھ ان شاء اللہ ملا کر کہنے کا حکم
۲۹۳.....	غیر اللہ کی قسم کھانا منوع ہے

۳۰۹.....	مشرکین کے برتنوں استعمال کرنا
۳۱۰.....	مال غنیمت میں سے انعام دیئے کا بیان
۳۱۱.....	جو شخص کسی مقتول کو قتل کرے اس کا سامان اس شخص کو ملے گا
۳۱۲.....	تقسیم سے پہلے غنیمت میں سے حصہ بیچنا جائز نہیں
۳۱۳.....	حاملہ قیدی عورتوں کے ساتھ صحبت کرنا حرام ہے
۳۱۳.....	اہل کتاب کے ذبیحہ کا حکم
۳۱۵.....	قیدیوں کے درمیان تفریق کرنا حرام ہے
۳۱۵.....	قیدیوں کو قتل کرنے کا اور بدلہ لے کر چھوڑنے کا بیان
۳۱۶.....	جنگ میں خواتین اور بچوں کو قتل کرنے کی ممانعت
۳۱۷.....	دشمن کو جو قتل کیا جائے آگ میں جلایا نہ جائے
۳۱۷.....	مال غنیمت میں خیانت کرنا
۳۱۸.....	جنگ کے دوران خواتین کا جانا
۳۱۹.....	مشرکین کے تحائف قبول کرنا
۳۱۹.....	مشرکین کے تحائف قبول کرنا مکروہ ہے
۳۱۹.....	سجدہ شکر کا بیان
۳۲۰.....	عورت اور غلام کا امان دینا
۳۲۰.....	عہد شکنی کا بیان
۳۲۱.....	قیامت کے دن ہر عہد شکن کے لئے مخصوص جھنڈا ہوگا
۳۲۱.....	کسی کے فیصلہ کی شرط پر دشمن کا جنگ بند کرنا
۳۲۲.....	باہمی تعاون کا معاہدہ کرنا
۳۲۳.....	مجوسیوں سے جزیہ لینا
۳۲۴.....	ذمیوں کے مال میں سے کون سی چیز حلال ہے؟
۳۲۴.....	ہجرت کا بیان
۳۲۵.....	نبی ﷺ سے بیعت جہاد کرنے کا بیان
۳۲۶.....	بیعت کو توڑ دینا
۳۲۷.....	غلام کی بیعت کا بیان

جو شخص پیدل چلنے کی قسم اٹھائے حالانکہ وہ اس کی

۲۹۵.....	استطاعت نہ رکھتا ہو
۲۹۵.....	نذر ماننے کا مکروہ ہونا
۲۹۶.....	نذر کو پورا کرنا
۲۹۷.....	نبی اکرم ﷺ (کن الفاظ میں) قسم اٹھاتے تھے
۲۹۷.....	غلام آزاد کرنے کا ثواب (پہلا باب)
۲۹۷.....	خادم اور غلام کو تھپڑ مارنے کی سزا
۲۹۸.....	اسلام کے علاوہ مذہب کی جھوٹی قسم کھانا حرام ہے
۲۹۹.....	جنگی پاؤں جنگی سرچ کرنے کی منت ماننا
۲۹۹.....	میت کی طرف سے نذر کو پورا کرنا
۳۰۰.....	غلام آزاد کرنے کا ثواب (دوسرا باب)

۳۰۱

آبِوَابُ السَّيْرِ

۳۰۱.....	اسلام کا حربی نظام
۳۰۱.....	جنگ سے پہلے دعوت دینا
۳۰۱.....	آبادی میں مسلمان بھی ہوں تو حملے سے پہلے ان کو علیحدہ ہونے کا موقعہ دیا جائے
۳۰۲.....	شب خون مارنے کا اور دشمن کو دھوکہ میں رکھ کر حملہ کرنے کا بیان
۳۰۳.....	(دشمن کے گھروں یا باغات) کو آگ لگانا اور برباد کرنا
۳۰۴.....	غنیمت کا بیان
۳۰۵.....	غنیمت میں گھوڑوں کا حصہ
۳۰۶.....	جنگی مہمات کا بیان
۳۰۷.....	مال غنیمت میں سے بطور انعام کس کو دیا جائے؟
۳۰۷.....	کیا غلام کو حصہ دیا جائے گا؟
۳۰۸.....	اگر ذمی مسلمانوں کے ساتھ مل کر لڑے تو اس کو غنیمت میں سے حصہ دیا جائے گا؟

۳۴۷..... اللہ تعالیٰ کی راہ میں پہرہ دینے کی فضیلت	۳۲۷..... عورتوں سے بیعت لینے کا بیان
۳۴۷..... شہید کے ثواب کا بیان	۳۲۸..... اصحاب بدر کی تعداد
۳۴۸..... اللہ کے نزدیک شہداء کے مراتب	۳۲۸..... خمس (غنیمت کے پانچویں حصہ) کا بیان
۳۵۰..... سمندر کے راستے سے جہاد کرنے کا ثواب	۳۲۹..... مال غنیمت لوٹنا جائز نہیں
۳۵۱..... دکھاوے اور دنیا طلبی کے لیے لڑنا	۳۳۰..... یہود و نصاریٰ کو سلام کرنے کا حکم
۳۵۳..... اللہ تعالیٰ کی راہ میں صبح شام جانے کی فضیلت	۳۳۱..... مشرکین کے درمیان بود و باش اختیار کرنا
۳۵۴..... کون سے لوگ زیادہ بہتر ہیں؟	۳۳۱..... جزیرۃ العرب سے یہود و نصاریٰ کا نکالنے کا بیان
۳۵۵..... شہادت کی سچی چاہت کا اجر	۳۳۲..... نبی ﷺ کی میراث کا بیان
مجاہد مکاتب کی اور نکاح کرنے والے کی اللہ تعالیٰ مدد کرتے ہیں	فتح مکہ کے دن آپ ﷺ نے فرمایا آئندہ اس پر فوج کشی نہیں ہوگی
۳۵۶..... جہاد میں زخم لگنے کی فضیلت	۳۳۵..... کن اوقات میں قتال مستحب ہے؟
۳۵۷..... کون سا عمل زیادہ فضیلت رکھتا ہے؟	۳۳۶..... نیک فالی اور بد فالی کا بیان
۳۵۸..... جنت کے دروازے تلواروں کے سائے تلے ہیں	۳۳۷..... جنگ میں رسول اللہ ﷺ کی ہدایات
۳۵۸..... لوگوں میں سب سے افضل کون ہے؟	
۳۵۹..... شہید کے لیے مخصوص ثواب	
۳۶۰..... پہرے دار کی فضیلت	
	أَبْوَابُ فَضَائِلِ الْجِهَادِ
	۳۳۹..... جہاد کے فضائل کا بیان
	۳۳۹..... جہاد کی فضیلت
	۳۴۰..... سرحد کا پہرہ دیتے ہوئے موت آنے کی فضیلت
	۳۴۱..... جہاد میں روزہ رکھنے کی فضیلت
	۳۴۲..... اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی فضیلت
	۳۴۲..... جہاد میں خدمت پیش کرنے کا ثواب
	۳۴۳..... مجاہد کے لیے سامان جہاد فراہم کرنے کی فضیلت
	۳۴۴..... جس کے قدم جہاد میں گرد آلود ہوں اس کی فضیلت
	۳۴۴..... جہاد کے غبار کی فضیلت
	۳۴۵..... جو اعمال اسلامی کرتا ہوا بوڑھا ہوا اس کی فضیلت
	۳۴۵..... جہاد کے لیے گھوڑا پالنے کی فضیلت
	۳۴۶..... اللہ تعالیٰ کی راہ میں تیر اندازی کی فضیلت
۳۶۲..... جہاد کا بیان	
۳۶۲..... معذوروں پر جہاد نہیں	
۳۶۳..... ماں باپ کو چھوڑ کر جہاد کے لیے نکلنا	
۳۶۳..... جس شخص کو تنہا کسی مہم پر روانہ کیا جائے	
۳۶۴..... آدمی کا تنہا سفر کرنا مکروہ ہے	
۳۶۵..... جنگ میں چال چلنا جائز ہے	
۳۶۵..... نبی اکرم ﷺ نے کتنی جنگیں لڑیں؟	
۳۶۶..... جنگ کے وقت صفیں قائم کرنا اور ترتیب دینا	
۳۶۷..... جنگ کے وقت دعا کرنا	

۳۸۳..... قیدی کی لاش کا فدیہ نہ لیا جائے	۳۶۷..... چھوٹے جھنڈوں کا بیان
۳۸۳..... جہاد سے فرار اختیار کرنا	۳۶۸..... بڑے جھنڈوں کا بیان
۳۸۳..... شہید کو قتل میں ذمہ نہ کرنا	۳۶۸..... شعار (کوڈ ورڈ) کا بیان
جب کوئی شخص باہر سے واپس آئے تو اس کا استقبال	۳۶۹..... نبی اکرم ﷺ کی تلوار کا بیان
۳۸۳..... کرنا	۳۶۹..... جنگ کے وقت روزہ توڑ دینا
۳۸۵..... مال فنی کا بیان	۳۶۹..... خطرے کے وقت گھر سے نکلنے کا بیان
۳۸۶..... أَبْوَابُ اللَّبَاسِ	۳۷۰..... جنگ کے وقت ثابت قدمی اختیار کرنا
لباس کے احکام	۳۷۲..... تلواروں کا بیان اور ان کی آرائش و زیبائش
۳۸۸..... مردوں کے ریشمی کپڑے یا سونا پہننے کا حکم	۳۷۲..... زرہ کا بیان
۳۸۹..... جنگ کے دوران ریشمی کپڑا پہننے کے اجازت	۳۷۳..... خود (لوہے کی ٹوپی) کا بیان
۳۹۰..... جنت میں ریشمی کپڑے	۳۷۳..... گھوڑوں کی فضیلت کا بیان
۳۹۰..... مردوں کے لیے سرخ کپڑا جائز ہے	۳۷۴..... کون سا گھوڑا پسندیدہ ہے؟
۳۹۱..... مردوں کے لیے گیر وارنگ ناپسندیدہ ہے	۳۷۴..... ناپسندیدہ گھوڑے
۳۹۱..... پوسٹین پہننا	۳۷۵..... گھڑ دوڑ کا بیان
۳۹۲..... مردار کی کھال رنگنے سے پاک ہو جاتی ہے	۳۷۶..... گدھے کے ذریعے گھوڑی کی جفتی کروانا مکروہ ہے
۳۹۳..... شخصوں سے نیچے تہ بند رکھنا حرام ہے	۳۷۶..... غریب مسلمانوں سے دعائے خیر کروانا
۳۹۴..... عورتوں کے کرتے کہاں تک ہوں؟	۳۷۷..... گھوڑوں کے گلے میں گھنٹیاں لٹکانا
۳۹۵..... اونی لباس پہننا	۳۷۸..... جنگ کا امیر کسے بنایا جائے؟
۳۹۵..... سیاہ عمامے کا حکم	۳۷۸..... امیر المؤمنین کی ذمہ داری
۳۹۶..... عمامے کا شملہ دونوں کندھوں کے درمیان لٹکانا	۳۷۹..... امیر المؤمنین کی فرمانبرداری
۳۹۶..... سونے کی انگوٹھی پہننا حرام ہے	۳۸۰..... اللہ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں
۳۹۷..... چاندی کی انگوٹھی کا بیان	۳۸۰..... جانور لڑانا اور چہرے پر نشان بنانا ممنوع ہے
۳۹۷..... انگوٹھی کا گنبد کیسا ہونا چاہیے؟	آدمی کی بلوغت کی حد، جب مال غنیمت میں اس کا حصہ
۳۹۸..... دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا	مقرر ہوگا
۳۹۹..... انگوٹھی پر نقش (کندہ کروانا)	قرضہ چھوڑ کر شہید ہونے والا
۳۹۹..... تصویر کی حرمت کا بیان	شہداء کو دفن کرنے کا بیان
	مشورے کا بیان

۴۱۵.....	نبی اکرم ﷺ کا پسندیدہ لباس	۴۰۰.....	تصویر سازوں کی سزا
۴۱۶.....	کھانے پینے کے بیان میں	۴۰۱.....	خضاب کا حکم
۴۱۶.....	کھانے کی اشیاء کے متعلق مختلف ابواب جو رسول ﷺ سے مروی ہیں	۴۰۲.....	زلفیں اور بال رکھنے کا بیان
۴۱۶.....	نبی اکرم ﷺ جس چیز پر رکھ کر کھایا کرتے تھے	۴۰۳.....	روزانہ کنگھی کرنے کی ممانعت
۴۱۸.....	خرگوش کھانے کے بارے میں جو کچھ منقول ہے	۴۰۴.....	سر مہ لگانا
۴۲۰.....	مسائل مستنبط	۴۰۴.....	اشتمال صماء اور ایک کپڑے کو احتباء کے طور پر لپیٹنے کی ممانعت
۴۲۰.....	خرگوش کے خاصیات	۴۰۵.....	بالوں میں بال ملانے کی ممانعت
۴۲۱.....	گوہ کھانے کے بارے میں جو کچھ منقول ہے	۴۰۵.....	میاثر (ریشمی بچھونوں) پر بیٹھنے کی ممانعت
۴۲۲.....	خاصیات گوہ	۴۰۶.....	نبی اکرم ﷺ کے بستر کا بیان
۴۲۵.....	جو کھانے کے بارے میں جو کچھ منقول ہے	۴۰۶.....	قمیص کا بیان
۴۲۷.....	گھوڑے کا گوشت کھانے کے بارے میں	۴۰۷.....	جب آدمی نیا کپڑا پہنتے تو دعا کرے؟
۴۲۷.....	ان روایات کے سلسلہ میں جو پالتو گدھوں کے گوشت کے بارے میں وارد ہوئی ہیں	۴۰۸.....	جبہ اور موزے پہننے کا ذکر
۴۲۹.....	کفار کے برتنوں میں کھانے کے بارے میں جو کچھ منقول ہے	۴۰۸.....	سونے کے تاروں سے دانتوں کو باندھنا
۴۳۳.....	وہ چوہا جو گھی میں گر کر مر جائے اس کے بارے میں جو	۴۰۹.....	درندوں کی کھال استعمال کرنا جائز نہیں
۴۳۵.....	منقول ہے	۴۰۹.....	نبی اکرم ﷺ کے نعلین شریفین کا بیان
۴۳۷.....	بائیں ہاتھ سے کھانے اور پینے کی ممانعت کے بارے میں جو منقول ہے	۴۱۰.....	ایک جوتا پہن کر چلنا مکروہ ہے
۴۳۹.....	کھانے کے بعد انگلیوں کے چاٹنا	۴۱۱.....	کھڑے ہو کر جوتا پہننے کی ممانعت
۴۴۰.....	جولقمہ گر جائے، جو کچھ اس کے بارے میں منقول ہے	۴۱۱.....	ایک جوتا پہن کر چلنے کی اجازت
۴۴۲.....	کھانے (یعنی پلیٹ اور پیالے) کے درمیان سے کھانا	۴۱۱.....	پہلے کس پاؤں میں جوتا پہننا چاہیے
۴۴۲.....	مکروہ ہے	۴۱۲.....	کپڑوں میں پیوند لگانے کا بیان
۴۴۳.....	لہسن اور پیاز کھانے کے مکروہ ہونے کے بارے میں	۴۱۳.....	نبی اکرم ﷺ کا مکہ میں داخل ہونا
		۴۱۳.....	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ٹوپیاں کیسی تھیں؟
		۴۱۳.....	پانچے کا مقام
		۴۱۴.....	ٹوپی پر پگڑی باندھنے کا بیان
		۴۱۴.....	لوہے کی انگوٹھی کا حکم
		۴۱۵.....	دو انگلیوں میں انگوٹھی پہننے کی کراہیت

۴۷۸	نبی اکرم ﷺ کو کون سا گوشت زیادہ محبوب تھا اس حوالے سے جو کچھ منقول ہے
۴۷۹	سرکہ کے فضائل
۴۸۱	یہ باب خربوزہ کو تازہ کھجور سے ملا کر کھانے کے بارے میں ہے
۴۸۲	یہ باب کھیرے یا ککڑی کو کھجور کے ساتھ ملا کر کھانے کے بارے میں ہے
۴۸۳	اُونٹوں کے پیشاب پینے کے بیان میں
۴۸۸	کھانے سے پہلے اور اس کے بعد وضو کرنا
۴۹۰	کھانے سے پہلے وضو نہ کرنا
۴۹۱	کھانے (کے آغاز) میں بسم اللہ پڑھنا
۴۹۲	یہ باب کدو کھانے کے بارے میں ہے
۴۹۳	یہ باب روغن زیتون کھانے کے بارے میں ہے
۴۹۵	غلام (اور خادم) کے ساتھ کھانے کے بارے میں
۴۹۷	کھانا کھلانے کی فضیلت کے بارے میں
۴۹۹	رات کے کھانے کی فضیلت کے بارے میں
۴۹۹	کھانا کھانے پر بسم اللہ پڑھنے کے بارے میں
۵۰۱	رات گزارنے یعنی سونے کی کراہت کے بارے میں ہے جبکہ ہاتھ پر چکناہٹ ہو

۴۴۶	پکے ہوئے لہسن کھانے کی رخصت کے بارے میں
۴۴۸	سوتے وقت برتن ڈھانپنے چراغ اور آگ بجھانے کا حکم
۴۵۰	دو کھجوریں ملا کر کھانے کے مکروہ ہونے کے بارے میں جو کچھ منقول ہے
۴۵۱	کھجور کھانے کے مستحب ہونے کے بارے میں
۴۵۱	کھانے سے فراغت کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی جائے
۴۵۳	جذام کے مریض کے ساتھ کھانے کے بارے میں
۴۵۴	مومن ایک آنت میں کھاتا ہے
۴۵۷	ایک شخص کا کھانا دو کے لئے کافی ہونے کے بارے میں جو کچھ منقول ہے
۴۵۸	یہ باب بھی ٹڈی کے کھانے کے بارے میں ہے
۴۶۰	ٹڈیوں کے لئے دعائے ضرر کرنا
۴۶۰	جلالہ کے کھانے اور دودھے کا حکم
۴۶۲	مرغی کا گوشت کھانے کے بارے میں
۴۶۵	سرخاب کا گوشت کھانے کے بارے میں
۴۶۵	یہ باب بھنے ہوئے گوشت کھانے کے حکم کے بارے میں ہے
۴۶۷	یہ باب تکیہ لگا کر کھانے کی کراہت کے بارے میں ہے
۴۶۹	آپ ﷺ میٹھی چیز اور شہد کو پسند فرماتے تھے
۴۷۰	سالن میں شور بہ زیادہ کرنے کے بارے میں
۴۷۲	ثرید کی فضیلت کے بارے میں جو کچھ منقول ہے
۴۷۶	یہ باب اس بیان میں ہے کہ تم گوشت دانتوں سے نونچ نونچ کر کھایا کرو
۴۷۷	نبی کریم ﷺ سے چھری سے گوشت کاٹ کر کھانے کی اجازت

۵۰۳	أَبْوَابُ الْأَشْرِبَةِ
-----	-------------------------

۵۰۳	پینے کے بیان میں
۵۰۳	شراب خور کے (حکم اور وعید) کے بارے میں
۵۰۶	ہر نشہ آور چیز حرام ہے
۵۰۷	جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ آور ہو اس کا قلیل بھی حرام ہے
۵۰۹	مشکوں میں بنیذ بنانے کے بارے میں ہے

۵۳۱.....	والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا
۵۳۳.....	والدین کی رضامندی کی فضیلت
۵۳۵.....	والدین کی نافرمانی کا حکم
۵۳۹.....	والد کے دوست کا احترام کرنا
۵۴۰.....	خالہ کے ساتھ حسن سلوک کرنے (کی فضیلت)
۵۴۱.....	والدین کی دعا کا حکم
۵۴۲.....	والدین کے حق کا بیان
۵۴۳.....	قطع رحمی کا حکم
۵۴۴.....	صلہ رحمی کا بیان
۵۴۵.....	اولاد کے ساتھ محبت کا بیان
۵۴۷.....	اولاد کے لئے رحمت کا بیان
۵۴۸.....	لڑکیوں اور بہنوں پر خرچ کرنے (کی فضیلت)
۵۵۰.....	یتیم پر مہربانی (کی فضیلت) کے بارے میں
۵۵۰.....	بچوں پر مہربانی اور شفقت (کی فضیلت) کے بارے میں
۵۵۲.....	لوگوں پر رحم کرنے (کی فضیلت) کے بارے میں
۵۵۳.....	نصیحت اور خیر خواہی (کی فضیلت) کے بارے میں ہے
۵۵۶.....	یہ باب مسلمان کی مسلمان پر شفقت (کی فضیلت)
۵۵۹.....	مسلمان (کی عزت) کے دفاع (کی فضیلت) کے بارے میں ہے
۵۶۳.....	مسلمان بھائی (ترک ملاقات کی کراہت)
۵۶۳.....	بھائی کی غمخواری (کی فضیلت) کے بارے میں
۵۶۹.....	غیبت (کی حقیقت) کے بارے میں
۵۷۲.....	حسد (کی حرمت) کے بارے میں
۵۷۵.....	آپس میں بغض رکھنے اور نفرت کرنے کے (حکم کے)

۵۱۰.....	دباء، نقیر اور حلقہ میں نبیذ بنانا مکروہ ہے
۵۱۲.....	برتنوں میں نبیذ تیار کرنے کی جو رخصت منقول ہے
۵۱۳.....	مشکیزوں میں نبیذ تیار کرنے کے بارے میں جو کچھ منقول ہے
۵۱۳.....	وہ دانے جن کے ذریعے شراب تیار کی جاتی ہے، اس کے بارے میں
۵۱۴.....	نیم پختہ اور خشک کھجور ملا کر نبیذ بنانے کے حکم کے بارے میں
۵۱۷.....	سونے چاندی کے برتنوں میں پینے کی کراہت کے بارے میں
۵۱۹.....	کھڑے ہو کر پینے کی ممانعت کے بارے میں
۵۲۱.....	کھڑے ہو کر پینے کی رخصت کے بارے میں
۵۲۱.....	برتن میں سانس لینے کے بارے میں
۵۲۲.....	پیتے وقت دوسانس لینا بھی جائز ہے
۵۲۴.....	پینے کی چیز میں پھونک مارنے کے مکروہ ہونے کے بارے میں
۵۲۴.....	برتن میں سانس لینا مکروہ ہے
۵۲۵.....	مشکیزوں سے منہ لگا کر پینے کے (حکم) کے بارے میں ہے
۵۲۵.....	مشک کے منہ سے پانی پینے کا جواز
۵۲۶.....	دائیں طرف بیٹھے ہوئے لوگ (کھانے) پینے میں زیادہ حق دار ہیں
۵۲۷.....	لوگوں کو پلانے والا سب سے آخر میں خود پیئے گا
۵۲۸.....	نبی اکرم ﷺ کو کون سا مشروب زیادہ محبوب تھا

أَبْوَابُ الْبِرِّ وَالصَّلَاةِ

۵۳۰.....	صلہ رحمی کے بیان میں
----------	----------------------

ایک بھائی کا اپنے بھائی کے لئے پس پشت دعا کرنے کا ذکر ہے..... ۶۰۸	۵۷۷..... آپس میں صلح کرانا
گالی گلوچ اور برا بھلا کہنے کی مذمت کے بارے میں ہے..... ۶۰۹	۵۷۷..... یہ باب خیانت اور دھوکے (کی وعید) کے بارے میں ہے
اچھی باتوں اور نیک امور کا ذکر..... ۶۱۱	۵۷۸..... پڑوس کے حق کے بارے میں
نیک غلام کی فضیلت کا بیان..... ۶۱۲	۵۸۰..... خدام کے ساتھ اچھا سلوک کرنا
لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنا..... ۶۱۳	۵۸۱..... خادمین کو مارنے اور ان کو برا بھلا کہنے کی ممانعت
بدگمانی کا بیان..... ۶۱۶	۵۸۳..... خادم کو ادب سکھانا
مزاح کا بیان..... ۶۱۸	۵۸۳..... خادم کو معاف کر دینا
حضور ﷺ بھی مزاح فرماتے..... ۶۱۹	۵۸۴..... اولاد کو ادب سکھانے کی فضیلت کے بارے میں
جنگ وجدال، لڑائی، جھگڑا..... ۶۲۱	۵۸۵..... ہدیہ قبول کرنے اور اس کا بدلہ دینے کے بارے میں
نرمی کا برتاؤ کرنا، خوش طبعی سے پیش آنا..... ۶۲۴	اس شخص کا شکر کرنے کا ذکر ہے جو آپ کے ساتھ احسان کرے..... ۵۸۶
محبت و عداوت میں اعتدال ہونا چاہئے..... ۶۲۶	نیک کام..... ۵۸۷
تکبر کا بیان..... ۶۲۶	عطیہ (کی فضیلت) کے بارے میں..... ۵۸۸
حسن خلق کا بیان..... ۶۳۰	راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانے کا ذکر..... ۵۸۹
احسان اور معاف کرنے کا بیان..... ۶۳۲	مجالس (کی باتیں) امانت ہیں..... ۵۸۹
مسلمان بھائی کی ملاقات کے لیے جانا..... ۶۳۴	سخاوت (کی فضیلت) کا ذکر..... ۵۹۰
حیا کا بیان..... ۶۳۷	بخل (کی مذمت) کے بارے میں..... ۵۹۳
اچھی عادات اختیار کرنا جلد بازی سے کام نہ لینا..... ۶۳۹	اہل و عیال پر خرچ کرنے کی فضیلت کے بارے میں..... ۵۹۵
نرم مزاجی..... ۶۴۱	مہمان نوازی اور اس کی مدت کا ذکر ہے کہ وہ کتنی ہے..... ۵۹۶
مظلوم کی بددعا کا بیان..... ۶۴۲	بیوہ، مسکین اور یتیم کے لئے کوشش کرنے کی فضیلت کے بارے میں..... ۵۹۹
نبی ﷺ کے اخلاق کا بیان..... ۶۴۳	خندہ روئی اور شگفتگی کی فضیلت کے بارے میں ہے..... ۵۹۹
حسن وفا کا بیان..... ۶۴۵	سچ اور جھوٹ کا ذکر ہے..... ۶۰۰
بلند اخلاقی کا بیان..... ۶۴۷	فحش بات یا فعل (کی مذمت) کا ذکر ہے..... ۶۰۳
لعن طعن کا بیان..... ۶۴۸	لعنت (کرنے کی مذمت) کا ذکر ہے..... ۶۰۵
بہت زیادہ غصہ کرنے کا بیان..... ۶۴۸	نسب سیکھنے اور جاننے (کی فضیلت) کے بارے میں..... ۶۰۷
غصہ پینے اور برداشت کرنے (کی فضیلت) کا ذکر..... ۶۵۰	

۶۶۱.....	تواضع کی فضیلت	۶۵۲.....	بڑے کے احترام (کی فضیلت)
۶۶۲.....	ظلم کی مذمت کے بارے	۶۵۳.....	دو قطع تعلق کرنیوالوں (کی مذمت) کا ذکر
۶۶۳.....	نعمت میں عیب نہ نکالنے کے بارے میں	۶۵۴.....	صبر کی فضیلت کے بارے میں
۶۶۴.....	مومن کے احترام کا بیان	۶۵۶.....	ہر ایک کے منہ پر اس کی طرف داری کرنا
۶۶۵.....	تجربات کا بیان	۶۵۶.....	چغل خور کا بیان
۶۶۶.....	نعمت کی جھوٹی نمائش کرنا	۶۵۸.....	کم بولنے (کی فضیلت) کا ذکر
۶۶۸.....	نیک سلوک پر تعریف کا بیان	۶۶۰.....	بعض بیان جادو اثر ہوتے ہیں



أَبْوَابُ الطَّلَاقِ وَاللِّعَانِ

طلاق ولعان کا بیان

بَابُ مَا جَاءَ فِي طَلَاقِ الشَّئِ

باب ۱: طلاق دینے کا مسنون طریقہ

(۱۰۹۵) قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ فَقَالَ هَلْ تَعْرِفُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ فَإِنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ فَسَأَلَ عُمَرُ النَّبِيَّ ﷺ فَأَمَرَ أَنْ يُرَاجَعَهَا.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایسے شخص کے بارے میں دریافت کیا جو اپنی بیوی کو اس کے حیض کی حالت میں طلاق دے دیتا ہے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کیا تم عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو جانتے ہو؟ اس نے جب اپنی بیوی کو طلاق دی تھی تو وہ عورت حیض کی حالت میں تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے اس بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے انہیں یہ ہدایت کی وہ اس سے رجوع کر لے۔

(۱۰۹۶) أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ فِي الْحَيْضِ فَسَأَلَ عُمَرُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مُرُّهُ فَلْيُرَاجَعَهَا ثُمَّ لِيُطْلِقَهَا طَاهِرًا أَوْ حَامِلًا.

ترجمہ: سالم بن عبد اللہ اپنے والد (حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) کا یہ بیان نقل کرتے ہیں انہوں نے اپنی اہلیہ کو اس کی حیض کی حالت میں طلاق دے دی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اس سے کہو وہ اس عورت سے رجوع کرے پھر اسے اس وقت طلاق دے جب وہ عورت طہر کی حالت میں ہو یا حاملہ ہو۔

تشریح: طلاق کا لغوی معنی ہے رفع القید پھر عام ہے کہ قید معنوی ہو یا حسی ہو اور شرح میں طلاق کہتے ہیں رفع القید بلفظ مخصوص پھر عام ہے کہ رفع القید حالاً ہو یا مآلاً ہو حالاً طلاق بائنہ کے اعتبار سے اور مآلاً طلاق رجعی کے اعتبار سے مخصوص لفظ کے ساتھ کہ طلاق کے الفاظ ہوں یا طلاق کے ماسواء کے ساتھ۔

طلاق دین اسلام میں قبیح کیوں؟

اسلام نے طلاق کا جو عادلانہ نظام مقرر کیا ہے وہ اس افراط و تفریط سے پاک ہے جو دوسرے مذاہب میں پایا جاتا ہے اسلام نے طلاق کو نہ بالکل حرام قرار دیا نہ اس کی بے لگام اجازت دی دراصل اسلامی تعلیمات کا منشا یہ ہے کہ رشتہ نکاح پائیدار اور خوشگوار ہو اور بوقت مجبوری طلاق کی بھی گنجائش ہو جس کا کسی قدر اندازہ درج ذیل احکام سے لگایا جاسکتا ہے۔

① نکاح سے قبل مرد کو اس کی اجازت دی گئی کہ وہ اپنی مخطوبہ کو دیکھ لے تاکہ وہ بصیرت کے ساتھ رشتہ نکاح قائم کرے اور بعد میں بد صورتی وغیرہ کی بناء پر رد کرنے کی نوبت نہ آئے۔

② معمولی معمولی باتوں پر طلاق کو پسند نہیں کیا گیا، بلکہ شوہر کو یہ تاکید کی گئی کہ اگر بیوی کی طرف سے کوئی ناگوار بات پیش آئے تو وہ اس کی خوبیوں کا تصور کرے چنانچہ ارشاد ہے: ﴿فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَ يَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا﴾ (النساء: ۱۹) نیز نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: **إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخِرًا أَوْ قَالَ غَيْرُهُ**۔

”اگرچہ اس میں اخلاق کے اعتبار سے کوئی چیز نہ پسند ہو تو دوسری پسندیدہ ہوگی (یا اس کے علاوہ کچھ کہا)۔“

③ پھر اگر کوئی بات شوہر کے لیے ناقابل برداشت ہونے لگے تو بھی طلاق کے بجائے مرد کو اس کی تاکید کی گئی ہے کہ وہ بتدریج اس کی اصلاح کی فکر کرے چنانچہ ارشاد ہے: ﴿وَالَّتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا﴾ (النساء: ۳۴) ترجمہ: ”وہ عورتیں جن سے تمہیں نافرمانی کا ڈر ہو پس ان کو نصیحت کرو اور ان کو بستر میں الگ کر دو۔ اور ان کو مارو۔ پس اگر وہ تمہاری اطاعت کر لیں تو تم ان پر کوئی اور راہ تلاش مت کرو۔“

④ پھر اگر زوجین کے درمیان اختلافات شدید ہوں اور اصلاح کے مذکورہ طریقوں سے کام نہ بنے تو زوجین کے اقرباء کو اصلاح کی کوشش کرنے کے لیے کہا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے: ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَأَبْعَثُوا حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا﴾ (النساء: ۳۵) نیز ارشاد ہے: ﴿وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾ (النساء: ۱۲۸)

⑤ پھر اگر اصلاح کی یہ کوشش بھی بار آور نہ ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں کی طبائع میں اتنا تضاد ہے کہ اب رشتہ نکاح کو ان پر مسلط رکھنا بھی ظلم ہے ایسی صورت میں مرد کو اگرچہ طلاق کی اجازت دی گئی ہے لیکن ساتھ ہی یہ کہہ دیا گیا ہے کہ: **ابغض الحلال الی اللہ عزوجل الطلاق**۔ ”حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ اللہ تعالیٰ کے ہاں طلاق ہے۔“ جس کا مطلب یہ کہ سوچ سمجھ کر انتہائی مجبوری کی حالت میں دینی چاہیے۔

⑥ پھر طلاق کے لیے یہ بھی ضروری قرار دیا گیا کہ وہ ایسے طہر میں ہو جس میں صحبت نہ ہوئی ہو تاکہ طلاق کسی وقتی منافرت کے سبب سے نہ دی جائے اور طلاق کے بعد عدت کا شمار بھی آسان ہو۔

⑦ نیز یہ حکم دیا گیا کہ صرف ایک طلاق دیکر چھوڑ دے تاکہ اگر حالات رو بہ اصلاح ہونے لگیں تو عدت کے دوران رجوع کرنا ممکن ہو اور عدت کے بعد بھی تجدید نکاح کی گنجائش ہو۔

⑧ اگر شوہر یہ چاہتا ہو کہ عورت طلاق کے بعد اس کی طرف لوٹ کر نہ آ سکے اور مغلطہ ہو جائے تب بھی اس کو ایک طہر میں ایک طلاق

دے یہاں تک کہ تین طلاقیں دینے سے روکا گیا ہے اور اس کے لیے یہ طریقہ مقرر کیا گیا ہے کہ ہر طہر میں ایک طلاق دے یہاں تک کہ تین طلاقیں مکمل ہو کر اس کا مقصد پورا ہو جائے، اس طریقہ میں یہ حکمت ہے۔ کہ اس کو اس صورت میں تقریباً دو مہینے سوچ بچار کے مل جائیں گے اس عرصہ میں وہ طلاق کے نتائج کا مشاہدہ کر کے فیصلہ کر سکے گا اور اگر اس کو عورت کی اصلاح محسوس ہونے لگی تو طلاقات ثلاث مکمل ہونے سے قبل رجوع کرنے پر قادر ہوگا جبکہ بیک وقت تین طلاق کی صورت میں یہ فائدہ حاصل نہ ہو سکے گا۔

⑨ پھر طلاق کا یہ سارا اختیار مرد کو دیا گیا ہے کیونکہ عورتیں عموماً جذباتی اور عجلت پسند ہوتی ہیں اس لیے طلاق کے معاملہ میں ان سے متوازن فیصلہ مشکل اور بے اعتدالی کا خطرہ ہے۔

البتہ چونکہ بعض عورتیں ایسی ہو سکتی ہیں کہ عورت معقول وجوہ کی بناء پر علیحدگی چاہتی ہو تو اس کے لیے خلع کا راستہ رکھا گیا ہے نیز خاص خاص حالات میں عدالت کے ذریعہ بھی نکاح فسخ کر سکتی ہے مثلاً شوہر مجنون مفقود، عینین ہو یا نان نفقہ نہ دیتا ہو یا پھر غائب غیر مفقود ہو اور عورت کو اپنی عصمت کا خطرہ ہو۔

ان احکام کے ذریعہ ان تمام خرابیوں کا سد باب کر دیا گیا ہے جو مذکورہ افراط و تفریط سے پیدا ہو سکتی ہیں حقیقت یہ ہے کہ اگر اس نظام پر ٹھیک ٹھیک عمل کیا جائے تو نکاح و طلاق کے تمام قضیے بہ آسانی منٹ سکتے ہیں۔ واللہ اعلمہ وعلہ اتم و احکم

بَابُ مَا جَاءَ فِي طَّلَاقِ السَّنَةِ

طلاق کی اقسام: ① طلاق السنۃ ② طلاق البدعۃ۔

احناف کا مسلک: ① طلاق السنۃ جو مشروع طریقے کے مطابق ہو یعنی شارع کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق ہو۔

② طلاق بدعت یہ ہے کہ جو شارع کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق نہ ہو۔

پھر طلاق السنۃ کی دو قسمیں ہیں: ① حسن ② احسن۔

حسن یہ ہے کہ ایسے طہر میں طلاق دی جائے جس میں وطی نہ ہو پھر ایسے ہی دوسرے میں طلاق دی جائے ایسے ہی تیسرے طہر میں طلاق دی جائے جس میں وطی نہ ہو اور احسن یہ ہے کہ ایسے طہر میں ایک طلاق دینا جس میں وطی نہ ہوئی ہو پھر اور طلاق نہ دی جائے یہاں تک کہ عدت ختم ہو جائے گویا طلاق حسن میں تین طلاقیں تین طہروں میں ہوتی ہیں اور طلاق احسن میں ایک ہی طلاق ہوتی ہے اب "طلاق سنۃ" کے ان دو طریقوں سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں کہ طلاق سنۃ کے لیے دو باتوں کا لحاظ ضروری ہے۔ (۱) عدد کی رعایت (۲) وقت کی رعایت۔ عدد کی رعایت کا مطلب یہ ہے کہ ایک طہر میں ایک طلاق دی جائے اور اگر ایک طہر میں دو طلاقیں دی گئیں تو پھر یہ طلاق بدعی ہو جائے گی۔ اور وقت کی رعایت کا مطلب یہ ہے کہ اگر حیض میں طلاق دے دی گئی تو پھر سنت نہ رہے گی اور اگر ایسے طہر میں طلاق دی جس میں وطی ہوئی ہو تو پھر بھی وہ طلاق سنت نہ رہے گی۔

اور شوافع کا مسلک کہ طلاق سنت میں صرف وقت کا اعتبار ہے عدد کا اعتبار نہیں۔

ثمرہ اختلاف: اگر ایسے طہر میں دو یا تین طلاقیں دیدی گئیں جس میں وطی نہ ہوئی ہو تو احناف کے نزدیک یہ طلاق سنت نہ رہے گی

جبکہ شوافع کے نزدیک طلاق سنت ہوگی۔

مالکیہ کا مسلک: کے نزدیک طلاق سنت بند ہے اس میں جس کو احناف طلاق احسن کہتے ہیں کہ ایسے طہر میں صرف ایک طلاق دیدی جائے جس میں وطی نہ ہوئی ہو پھر چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ اس کی عدت گزر جائے۔

ثمرہ اختلاف: اگر ایسے تین طہروں میں تین طلاقیں دیدی جائیں جس میں وطی نہ ہوئی ہو تو احناف کے نزدیک یہ طلاق سنت ہے لیکن مالکیہ کے نزدیک طلاق بدعت ہوگی باقی متفق علیہ طلاق النہ وہ ہے جو احناف کے نزدیک طلاق احسن ہے مثال اس طلاق کی جو احناف کے نزدیک سنت نہ ہو اور شوافع کے نزدیک سنت ہو کہ ایسے طہر میں دو طلاقیں دی جائیں جس میں وطی نہ ہو اور مثال اس طلاق کی جو جمہور کے نزدیک سنت ہو اور مالکیہ کے نزدیک سنت نہ ہو کہ ایسے تین طہروں میں تین طلاقیں دینا جس میں وطی نہ ہو باقی متفق علیہ طلاق البدعتہ حالت حیض میں طلاق دینا۔

حالت حیض میں طلاق کا حکم؟ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ حالت حیض میں جو طلاق دی جائے گی وہ واقع ہو جائے گی لیکن شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور موجودہ زمانے کے غیر مقلدین کے ہاں حالت حیض میں دی جانے والی طلاق واقع نہ ہوگی۔

جمہور کی دلیل: روایت الباب، حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما انہوں نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی تو آپ ﷺ نے فلیدر اجعھا فرمایا یہ رجوع کا حکم دینا دلیل ہے اس بات کی کہ پہلے طلاق واقع ہوئی تھی تو آپ ﷺ رجوع کا حکم فرما رہے ہیں۔

ارأیت ان عجز واستحقی: اس جملے کے دو معنی ہیں: (۱) یہ کہ اگر ابن عمر رضی اللہ عنہما صحیح طریقہ پر طلاق دینے سے عاجز ہو گیا اور اس نے حالت حیض میں طلاق دے کر حماقت کا ارتکاب کر لیا تو تیرا کیا خیال ہے کہ وہ طلاق واقع نہیں ہوگی یعنی وہ طلاق ضرور واقع ہو جائے گی تب ہی تو نبی ﷺ نے رجوع کا حکم دیا اور ظاہر ہے کہ رجوع وقوع کے بعد ہی ہو سکتا ہے ورنہ رجوع کا کوئی مطلب نہیں۔ (۲) یہ کہ اگر ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی بیوی سے رجوع کرنے سے عاجز ہو جاتا اور نبی ﷺ کے حکم کی تعمیل نہ کر کے حماقت کا ارتکاب کرتا۔ تو بھی ظاہر ہے کہ طلاق واقع ہو ہی جاتی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَطْلُقُ امْرَأَتَهُ الْبَتَّةَ

باب ۲: اگر کوئی بیوی کو لفظ البتہ سے طلاق دے تو کیا حکم ہے؟

(۱۰۹۷) أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي طَلَقْتُ امْرَأَتِي الْبَتَّةَ فَقَالَ مَا أَرَدْتَ بِهَا قُلْتُ وَاحِدَةً قَالَ وَاللَّهِ قُلْتُ وَاللَّهِ قَالَ فَهُوَ مَا أَرَدْتَ.

ترجمہ: عبد اللہ بن یزید رحمہ اللہ اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دے دی ہے آپ ﷺ نے فرمایا تم نے اس سے کیا مراد لی تھی؟ میں نے عرض کی ایک آپ ﷺ نے دریافت کیا اللہ کی قسم میں نے عرض کی اللہ کی قسم آپ ﷺ نے فرمایا پھر وہ وہی شمار ہوگی جو تم نے مراد لی تھی۔

بت (ن، ض) بتا کے معنی ہیں: کاٹنا، اسی سے البتہ ہے بت (مصدر) کے آخر میں ة وصفی بڑھائی ہے اور شروع میں ال تعریف کا بڑھایا ہے یہ لفظ اردو میں بھی مستعمل ہے، مگر اردو میں اس کے معنی ہیں بیشک ضرور بالیقین۔ اور عربی میں اس کے معنی ہیں کاٹنا ہوا یعنی ایسی طلاق جو بیوی کو شوہر سے کاٹ دے جدا کر دے۔

یہاں دو بحثیں ہیں: پہلی بحث: انت طالق البتہ کا کیا حکم ہے؟

جو اس باب کا اصل مقصود ہے یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے انت طالق البتہ کہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

مذاہب فقہاء: ① احناف کے نزدیک اگر ایک کی نیت کی تو ایک بائندہ واقع ہوگی اور اگر تین کی نیت کی تو پھر بھی صحیح ہے تین واقع ہو جائے گی البتہ اگر دو کی نیت کی صحیح نہیں کیونکہ اصل میں انت طالق البتہ تھا اور طلاق مصدر ہے اس کا فرد حقیقی ایک ہے اور فرد حکمی تین ہے الا یہ کہ وہ لونڈی ہو تو پھر دو واقع ہو جائے گی کیونکہ اس کے حق میں دو فرد حقیقی ہیں۔

② شوافع کے نزدیک اگر نیت نہ کی تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور ایک کی نیت کی تو ایک اور دو کی تو دو اور تین کی تو تین۔

③ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اگر مدخول بھا ہے تو پھر تینوں واقع ہو جائے گی۔

دلیل احناف: حدیث رکانہ ثلاثہ۔ رکانہ ثلاثہ کہتے ہیں کہ جب میں نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی تو حضور ﷺ نے پوچھا کیا نیت کی ہے انہوں نے کہا کہ ایک کی نیت کی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا قسم اٹھاؤ تو میں نے قسم اٹھا کر کہا کہ ایک کی نیت کی ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زوج کی نیت کا اعتبار ہے باقی آپ ﷺ نے جو قسم اٹھوائی وہ اس وجہ سے نہیں کہ یقین نہیں تھا بلکہ مزید اطمینان کے لیے اٹھوائی۔

دلیل شوافع: حدیث رکانہ ثلاثہ کی بعض وہ روایات جن میں فردھا الیہ کے الفاظ ہیں کہ رکانہ ثلاثہ کی اہلیہ کو لونڈا یا رکانہ کی طرف اور ظاہر ہے کہ رد تب ہی ہوگا جب طلاق رجعی ہوگی۔

جواب: ایسی روایات میں ردھا سے مراد رد نکاح جدید ہے یعنی مودل ہیں ظاہر پر نہیں ہیں باقی اس میں یہ بھی ہے کہ رکانہ نے تین طلاقیں دی تھیں۔

جواب: ایسی روایات مرجوح ہیں اور طلاق البتہ والی روایات رائج ہیں۔

وجہ ترجیح یہ ہے کہ طلاق البتہ کو یعنی البتہ کی روایات کو نقل کرنے والے رکانہ کے عزیز واقارب ہیں اور تین طلاقیں کو نقل کرنے والے اجانب ہیں عزیز واقارب نہیں ہیں اور عزیز واقارب صاحب البیت ہیں لہذا صاحب البیت ادری بما فیہ (صاحب گھر کو زیادہ معلوم ہے گھر میں کیا ہے) کو ترجیح ہوگی۔ باقی رہی یہ بات کہ ترمذی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ رکانہ ثلاثہ کا ہے اور دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے یہ واقعہ ان کے والد ابو رکانہ ثلاثہ کا ہیں۔

جواب رکانہ ثلاثہ کا ہو یا ابو رکانہ کا عبد بن یزید کا ہو کوئی مضرت نہیں ہے۔ دونوں کا بھی ہو سکتا ہے واقعہ میں تعدد ہے اگرچہ ابو داؤد رحمہ اللہ نے ان روایات کو ترجیح دی ہے جن میں یہ ہے کہ یہ واقعہ رکانہ کا ہے اور جن میں یہ ہے کہ واقعہ ابو رکانہ کا ہے وہ مرجوح ہیں وجہ ترجیح ماقبل میں گزر چکی ہے۔

بیک وقت تین طلاق دینا جائز اور مباح ہیں؟

گو کہ زمانہ طہر میں ہوں؟ تو امام ابو حنیفہ و امام مالک و فی روایت امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ طلاق بدعی ہے جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ مباح ہے۔

دوسری بحث: کہ اگر کسی نے ایک ہی مجلس میں یا ایک ہی کلمہ کے ساتھ بیوی کو تین طلاق دیدیں مثلاً یوں کہے: انت طالق، انت طالق، انت طالق یا انت طلاق ثلاثاً کہہ دے تو اس کا حکم کیا ہے؟
طلقات ثلاث کے وقوع کا حکم؟

یہ مسئلہ اہم اور معرکہ الآراء ہے وہ طلاقات ثلاث کے وقوع کا ہے یعنی اگر کوئی شخص ایک کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں دے یا ایک مجلس میں تین طلاقیں دے آیا وہ واقع ہو جاتی ہیں یا نہیں؟ ایک واقع ہوتی ہے یا تین؟ اس میں چار مذاہب ہیں:

(۱) پہلا مذہب: جمہور سلف یعنی اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین اور ائمہ اربعہ اور اہل بیت کی ایک جماعت جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں کا ہے ان کے نزدیک طلاق واقع ہو جاتی ہیں۔

(۲) اس سے فقط ایک ہی طلاق واقع ہوگی یہ تابعین میں سے بعض حضرات کا مذہب ہے جیسے طاؤس عطاء اور محمد بن اسحاق رحمہ اللہ ہیں اور متاخرین میں سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ ابن قیم رحمہ اللہ اور بعض دیگر اہل النظاہر بھی اسی کے قائل ہیں ہمارے زمانے کے غیر مقلدین کی اکثریت بھی اسی کے مطابق فتویٰ دیتی ہے۔

(۳) ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بعض شاگردوں اور اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر مطلقہ مدخول بہا ہو تو تین طلاق ہوں گی ورنہ ایک حنفیہ کے نزدیک تین کلمات کا حکم بھی ایسا ہی ہے۔

(۴) بعض تابعین بعض اہل النظاہر اور بعض امامیہ کہتے ہیں کہ اس سے کوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔ (کذا فی النیل ص: ۲۳۱ ج: ۶، ۵)
جمہور کے دلائل: (۱) سنن نسائی میں شعبی رحمہ اللہ کی روایت ہے فرماتے ہیں:

حَدَّثَنِي فَاطِمَةُ بِنْتُ قَيْسٍ قَالَتْ أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَقُلْتُ أَنَا بِنْتُ آلِ خَالِدٍ وَإِنَّ زَوْجِي فَلَانًا أُرْسِلَ إِلَيَّ بِطَلَاقٍ وَإِنِّي سَأَلْتُ أَهْلَهُ النَّفَقَةَ وَالسُّكْنَى فَأَبَوْا عَلَيَّ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِنَّهُ قَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهَا بِثَلَاثِ تَطْلِيقَاتٍ قَالَتْ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّمَا النَّفَقَةُ وَالسُّكْنَى لِلْمَرْأَةِ إِذَا كَانَ لِرِزْوَجِهَا عَلَيْهَا الرَّجْعَةُ.

”حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور میں نے عرض کیا کہ میں خالد کی لڑکی ہوں اور فلاں کی اہلیہ ہوں اور اس نے مجھ کو طلاق کہوائی ہے اور میں اس کے لوگوں سے خرچہ اور رہائش کے واسطے مکان مانگ رہی ہوں۔ وہ انکار کرتے ہیں، شوہر کی جانب کے لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس عورت کے شوہر نے اس کو تین طلاقیں دے کر بھیجا ہے اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس کا نان نفقہ اور رہائش کے واسطے جگہ اس خاتون کو ملتی ہے کہ جس خاتون سے مرد طلاق سے رجوع کرے اور تین طلاق دینے کے بعد طلاق سے رجوع نہیں ہو

سکتا۔ اس وجہ سے ایسی عورت کا نان نفقہ بھی نہ ملے گا۔“

اس سے صاف واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تین طلاقیں کی صورت میں شوہر کو رجعت کا حق نہیں دیا۔

(۲) عن سوید بن غفلة قال: كانت عائشة ؓ الخشعية عند الحسن بن علي رضي الله عنهما فلما قتل علي ؓ قالت لعنه الله الخلفة، قال: بقتل علي تظهرين الشماتة، اذهبي فأنت طالق يعني ثلاثا قال: فتلفعت بثيابها وقعدت حتى قضت عدتها، فبعث اليها ببقية بقيت لها من صداقها وعشرة آلاف صدقة، فلما جاءها الرسول قالت: متاع قليل من حبيب مفارق فلما بلغه قولها بكى، ثم قال: لولا اني سمعت جدي او حدثني ابي انه سمع جدي يقول: ايما رجل طلق امراته ثلاثا عند الاقراء او ثلاثا مببهة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره لراجعتها رواه البيهقي.

”سوید بن غفلہ فرماتے ہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے پاس تھیں۔ پس جب حضرت علی رضی اللہ عنہ قتل کیے گئے تو انہوں نے آپ سے کہا کہ آپ کو خلافت کی مبارکباد ہو۔ فرمایا کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قتل پر، تو چلی جا تجھے تین طلاقیں ہیں۔ فرمایا انہوں نے اپنے کپڑے سمیٹے اور بیٹھ گئی یہاں تک کہ اُن کی عدت پوری ہو گئی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جو مہربانی تھا اُس کے پاس بھیجا اور دس ہزار درہم بطور صدقہ کے بھیجے جب قاصد اُن کے پاس آیا۔ دوست کی جدائی میں یہ بہت کم مال ہے، جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے سامنے اس کی بات پہنچی تو روئے پھر فرمایا: اگر یہ بات نہ ہوتی کہ بیشک میں نے نانایا اپنے باپ سے سنا ہے۔ انہوں نے میرے نانا سے سنا ہے۔ فرماتے ہیں جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں طہر میں دے اس کے لیے حلال نہیں ہے کہ اس سے رجوع کرے۔ یہاں تک کہ وہ دوسرے سے نکاح کرے۔“

(۳) عن عائشة ؓ ان رجلا طلق امراته ثلاثا فتزوجت فطلق فسئل النبي ﷺ اتمحل للأول قال: لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (رواه البخاری)

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں اس نے نکاح کر لیا پھر دوسرے نے اُسے طلاق دے دی۔ اس نے نبی ﷺ سے پوچھا کیا وہ پہلے خاوند کے لیے حلال ہے آپ ﷺ نے کہا نہیں یہاں تک کہ وہ اس کے شہد کا مزہ چکھ لے جیسا کہ پہلے کا چکھا تھا۔“

(۴) بخاری میں حضرت سہل بن سعد الساعدي رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس میں وہ عومیر عجلانی رضی اللہ عنہ کا قصہ لعان ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عومیر رضی اللہ عنہ نے لعان سے فارغ ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ سے کہا:

كذبت عليها يا رسول الله ﷺ ان امسكتها فطلقها ثلاثا قبل ان يأمره رسول الله ﷺ.

(۵) معجم طبرانی میں حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ ابن الصامت کی روایت آئی ہے فرماتے ہیں:

طلق بعض آبائي امراته الفأ فانطلق بنوه الى رسول الله ﷺ وقالوا يا رسول الله ﷺ ان ابانا طلقنا امنا الفأ فهل له من مخرج قال: ان اباك لم يتيق الله تعالى فيجعل له من امره مخرجا بانته منه بثلاث على غير السنة وتسع مائة وسبع تسعون ثم في عنقه.

”میرے باپ دادوں میں سے کسی نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دے دیں۔ اس کے بیٹوں میں سے کوئی نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہا اے اللہ کے رسول ﷺ ہمارے باپ نے ماں کو ہزار طلاقیں دے دی ہیں۔ کیا کوئی راستہ نکل سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے باپ نے تقویٰ اختیار نہیں کیا۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے کوئی راستہ نہیں بنایا۔ وہ عورت اس سے تین طلاقوں سے خلاف سنت بائن ہو گئی۔“

(۶) پچھلے مسئلہ کے تحت محمود بن لبید کی روایت گزر چکی ہے جس میں تین طلاق پر نبی کریم ﷺ کا اظہار ناراضگی بھی طلاقات ثلاث کے وقوع پر دال ہے۔

(۷) طبرانی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ طلاق فی الحيض ذکر کیا ہے جس کے آخر میں یہ الفاظ آئے ہیں:

”فقلت يا رسول الله! لو طلقته ثلاثا كان لي ان اراجعها قال اذا بانك منك وكانت معصية. میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ اگر میں اُسے تین طلاقیں دے دیتا میرے لیے تھا کہ میں اُس سے رجوع کرتا۔ فرمایا: تب تجھ سے بائن ہو گئی اور وہ نافرمان تھی۔“

(۸) سنن دارقطنی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

قال سمع النبي ﷺ رجلا طلق البتة فغضب وقال تتخذون آيات الله هزوا اودين الله هزوا ولعبا من طلق البتة الزمناه ثلاثا لا تحمل له حتى تنكح زوجا غيره.

”فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک آدمی کو سنا کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دے دی۔ آپ ﷺ غصے ہوئے اور فرمایا تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو مذاق بناتے ہو یا اللہ کے دین کو مذاق بناتے ہو۔ جس شخص نے طلاق بتہ دے دی اس نے تین طلاقیں لازم کر لیں۔ وہ اس کے لیے حلال نہیں یہاں تک کہ دوسرے خاوند سے نکاح کر لے۔“

(۹) مصنف عبدالرزاق میں زید بن وہب کی روایت ہے جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک ایسا آدمی پیش کیا گیا جس نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دی تھیں، دریافت کرنے پر اس نے عذر پیش کیا: ”انما كنت اللعب“ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو درہ لگایا اور فرمایا: ”انما يكفيك من ذلك ثلاثة۔“

مؤطا امام مالک میں معاویہ بن ابی عیاش انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور عاصم بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا اتنے میں ان کے پاس محمد بن ایاس بن بکیر رضی اللہ عنہ آئے اور کہا کہ ایک اعرابی نے اپنی غیر مدخول بہا بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں، اس مسئلہ میں آپ دونوں کی کیا رائے ہے، اس پر عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

ان هذه الأمر مابلغ لنا فيه قول فاذهب الى عبد الله بن عباس وابي هريرة فاني تركتها عند عائشة فاسألها، ثم اتنا فأخبرنا.

چنانچہ سائل نے جا کر دونوں حضرات سے دریافت کیا، اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: افته يا ابا هريرة فقد جائتك معضلة۔ حضرت ابو هريرة رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ”الواحدة تبينها والثلاث تحررها حتى تنكح زوجا غيره“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی یہی جواب دیا: ﴿تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ﴾ (البقرہ: ۱۹۶)

کتب حدیث میں مذکورہ بالا دلائل کے علاوہ اور بھی متعدد دلائل و آثار موجود ہیں جو بیک وقت دیجانے والی تین طلاقوں کے وقوع پر دال ہیں، ان تمام دلائل میں گو بعض ضعیف ہوں لیکن ان کا مجموعہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماعی تعامل مسلک جمہور کی صحت پر دال ہے۔

فریق مخالف کے دلائل اور ان کے جوابات: مذکورہ صورت میں محض ایک طلاق کے وقوع پر اہل ظاہر اور علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ وغیرہ کا استدلال درج ذیل دلائل سے ہے۔

(۱) صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت، فرماتے ہیں:

كَانَ الطَّلَاقُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَابْنِ بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا وَسُنَّتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةٌ، فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: إِنَّ النَّاسَ قَدْ اسْتَعْجَلُوا فِي أَمْرِ كَانَتْ لَهُمْ فِيهِ إِتَانَةٌ فَلَوْ أَمْضَيْنَاهُ عَلَيْهِمْ فَأَمْضَاهُ عَلَيْهِمْ.

”رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اسی طرح سیدنا ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے پہلے دو سالوں کے دور خلافت میں تین طلاقوں کو ایک طلاق سمجھا جاتا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگ اس کام میں جلدی کرنے لگے ہیں جس میں ان کے لیے مہلت تھی تو ہم ان تینوں کو لازم کر دیتے ہیں۔ لہذا انہوں نے تینوں ہی لازم کر دیں۔“

اس روایت کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں:

جواب ①: روایت میں مذکور تمام تفصیل غیر مدخول بہا کے بارے میں ہے دراصل آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں لوگ غیر مدخول بہا کو اس طرح طلاق دیتے تھے۔

”انت طالق، انت طالق، انت طالق“ اس صورت میں چونکہ پہلی طلاق سے ہی غیر مدخول بہا بائنا ہو جاتی ہے اس لیے دوسری طلاقیں واقع نہیں ہوتی تھیں اس کے برخلاف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگوں نے ”انت طالق ثلاثاً“ کے الفاظ سے طلاق دینی شروع کر دی اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تینوں کے وقوع کا حکم لگا دیا۔

یہ جواب دراصل امام نسائی رحمہ اللہ سے ماخوذ ہے کیونکہ انہوں نے اپنی سنن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت پر یہ ”ترجمہ میں یہ قبل الدخول بالزوجۃ“ کی جو قید لگائی ہے ظاہر ہے کہ ان کے پاس اس بارے میں کوئی حدیث ہوگی، کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ اور امام نسائی رحمہ اللہ کے تراجم کا یہ معروف طریقہ ہے کہ وہ جس روایت کو اپنی شرائط کے مطابق نہیں پاتے اس کی طرف ترجمہ الباب میں اشارہ کر دیتے ہیں۔

جواب ②: یہ دیا گیا ہے کہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص تین مرتبہ الفاظ طلاق استعمال کرے لیکن اس کا منشاء تین طلاقیں دینا نہ ہو بلکہ وہ ایک ہی طلاق کو تاکید کی نیت سے بار بار کہہ رہا ہو تو دینا تین طلاقیں واقع نہیں ہوتیں بلکہ صرف ایک ہوتی ہے۔

عہد رسالت اور خلافت راشدہ کے ابتدائی دور میں چونکہ لوگوں کی دیانت پر اعتماد تھا اور لوگوں سے یہ توقع نہ تھی کہ وہ جھوٹ بول کر حرام کا ارتکاب کریں گے، اس لیے اس دور میں اگر کوئی شخص تین مرتبہ الفاظ طلاق استعمال کرنے کے بعد یہ بیان کرتا کہ میری نیت تاسیس کے بجائے تاکید کی تھی اس کا قول قضاء بھی قبول کر لیا جاتا تھا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں یہ محسوس فرمایا کہ

دیانت کا معیار روز بروز گھٹ رہا ہے اگر لوگوں کے بیانات کو قضاء قبول کرنے کا یہ سلسلہ جاری رہا تو لوگ جھوٹ بول بول کر حرام کا ارتکاب کریں گے، اس لیے انہوں نے یہ اعلان فرمادیا کہ اب اگر کوئی شخص تین مرتبہ الفاظ طلاق استعمال کرے گا تو تاکید کا عذر قبول نہ ہوگا اور ظاہر الفاظ پر فیصلہ کرتے ہوئے اس کو تین طلاق شمار کیا جائے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں ہوا اور کسی نے اس پر اعتراض نہ کیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم اس کے بعد بالاتفاق اسی کے مطابق فیصلے کرنے لگے، یہاں تک کہ خود حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جن کی مذکورہ روایت پر اہل ظواہر کو بڑا ناز ہے ان کا یہ واقعہ امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں نقل کیا ہے:

عن مجاہد قال كنت عند ابن عباس رضي الله عنهما فجاءه رجل فقال انه طلق امراته ثلاثا قال فسكت حتى ظننت انه رادها اليه ثم قال ينطلق احدكم فيركب المحوكة ثم يقول يا ابن عباس! يا ابن عباس رضي الله عنهما وان الله قال ومن يتق الله يجعل له مخرجا وانك لم تتق الله فلا جد لك مخرجاً عصيت ربك وبانت منك امراتك.... الخ

”مجاہد کہتے ہیں میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں چنانچہ وہ خاموش ہوئے رہے۔ حتیٰ کہ مجھے گمان ہوا کہ وہ اس عورت کو اس پر واپس کر دیں گے (یعنی رجوع) پھر بولے تم میں سے ایک اٹھتا ہے اور حماقت کا ارتکاب کرتا ہے پھر کہتا ہے: اے ابن عباس! اے ابن عباس رضی اللہ عنہ! تحقیق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کے لیے راہ کھولتے ہیں تو نے اللہ کا تقویٰ اختیار نہیں کیا لہذا میں تیرے لیے کوئی راہ نہیں پاتا۔ تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور بیوی تجھ سے جدا ہو گئی۔“

ابن عباس رضی اللہ عنہ چپ رہے، یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ آپ رجعت کا حکم دیں گے، پھر فرمایا کہ لوگ پہلے حماقت کے گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں اور پھر کہتے ہیں: ابن عباس رضی اللہ عنہ! بیشک خدا نے فرمایا ہے: جو خدا سے ڈرتا ہے اس کے لیے چھٹکارے کی راہ ہے اور تو نے خدا کا خوف نہیں کیا اس لیے تیرے واسطے کوئی مخلص (چھٹکارے کی راہ) نہیں تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تیری عورت تجھ سے جدا ہو گئی اس واقعہ کو نقل کر کے امام ابوداؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”جن حضرات نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے وہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے تین طلاقوں کو نافذ فرمادیا۔ (ابوداؤد حدیث ۲۱۹۷)

غرض عہد رسالت اور عہد صدیقی میں نیت تاکید کو قضاء بھی قبول کر لیا جاتا تھا لیکن فساد زمانہ کی وجہ سے اس کو قضاء قبول کرنے کا سلسلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ختم فرمادیا ہاں دیانۃً یہ نیت آج بھی معتبر ہے ”در مختار“ میں اس کی صراحت ہے، غرض ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کا یہی مطلب ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے خود تین طلاقوں کا فتویٰ دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں مذکورہ تاویل اس لیے بھی ضروری ہے کہ اگر اس روایت کو اس ظاہر پر محمول کیا جائے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہر صورت میں تین طلاقیں ایک شمار کی جائیں اگرچہ تین متفرق طہروں میں دی گئی ہوں اس لیے کہ کان الطلاق..... طلاق الثلاث واحدۃ کا جملہ ایک مجلس کی تین طلاقوں اور اطہار ثلاثہ کی تین متفرق طلاقوں دونوں کو شامل ہے جبکہ اطہار ثلاثہ کی تین متفرق طلاقوں کو علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ وغیرہ بھی تین ہی شمار کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس حدیث کے عموم وہ بھی تخصیص کرتے ہوئے

کہیں گے کہ یہ اس صورت میں ہے جبکہ ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دی جائیں جب وہ اس روایت میں تخصیص پر مجبور ہیں تو جمہور کے لیے کیونکر اس کی گنجائش نہ ہوگی کہ وہ اس کو تاکید کی صورت کے ساتھ مخصوص کریں۔

(۲) اہل ظاہر اور علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ وغیرہ کا دوسرا استدلال مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہی کی دوسری روایت سے ہے فرماتے ہیں:

طلق ركانة بن عبد يزيد اخو بني مطلب امراته ثلاثا في مجلس واحد فحزن عليها حزنا شديدا قال: فسأله رسول الله ﷺ كيف طلقها ثلاثا: قال فقال في مجلس واحد؟ قال نعم قال: فانما تلك واحدة فارجعها ان شئت قال: فرجعها.

”رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک ہی مجلس میں دے دیں۔ وہ غمگین ہوئے بہت زیادہ غمگین ہونا۔ فرمایا اس سے آپ ﷺ نے سوال کیا کیسے اس کو تین طلاقیں دیں فرماتے ہیں۔ اس نے کہا ایک ہی مجلس میں؟ فرمایا جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا وہ ایک ہی ہے اس سے رجوع کر لے اگر تو چاہے فرماتے ہیں انہوں نے رجوع کر لیا۔“

جواب: یہ ہے کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ طلاق کے بارے میں روایات مختلف ہیں، بعض میں ”طلق امراتہ ثلاثا“ کے الفاظ آئے ہیں ”کمانی روایۃ المذکورۃ اور بعض میں طلق امراتہ البتۃ“ کے الفاظ آئے ہیں۔ کمانی روایۃ ابی داؤد امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے ”البتۃ“ والی روایت کو دو وجہ سے ترجیح دی ہے، اول تو اس لیے کہ یہ روایت حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کے اہل خاندان سے مروی ہے۔ ”وہم اعلیٰ بہ“ دوسرے اس لیے کہ ”طلاق ثلاثا“ والی روایات مضطرب ہیں کیونکہ بعض روایتوں میں طلاق دینے والے کا نام ”رکانہ رضی اللہ عنہ“ ذکر کیا گیا ہے۔ (کمانی روایۃ احمد) اور بعض میں ”ابو رکانہ رضی اللہ عنہ“ آیا ہے جبکہ البتۃ والی روایت اس اضطراب سے خالی ہے اور اس میں صاحب واقعہ متعین طور پر حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کو قرار دیا گیا ہے لہذا صحیح یہ ہے کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی اہلیہ کو تین طلاقیں نہ دی تھیں بلکہ ”انت طالق البتۃ“ کہا تھا اور چونکہ قدیم محاورہ میں طلاق البتۃ کا اطلاق تین طلاقیں دینے پر بھی ہو جاتا تھا (تین کی نیت کرنے کی تقدیر پر) اس لیے بعض راویوں نے روایت بالمعنی کرتے ہوئے ”طلق البتۃ“ کو ”طلق ثلاثا“ کے الفاظ سے تعبیر کر دیا۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے ”انت طالق البتۃ“ کہا تھا تو ان کی طلاق کو ایک قرار دینا بالکل صحیح ہے، چنانچہ اس صورت میں ہمارے نزدیک بھی ایک طلاق بائن واقع ہوئی ہے کما مر تفصیلہ فی اول الباب۔

اس کے علاوہ بالفرض اگر تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے تین طلاقیں دی تھیں تب بھی اس حدیث سے جمہور کے خلاف استدلال نہیں ہو سکتا کیوں کہ اس میں تصریح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کو ایک طلاق قرار دینے سے پہلے حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کو قسم دے کر اس بات کا اطمینان فرمایا تھا کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کی نیت ایک طلاق دینے کی تھی کمانی حدیث الباب، اور یہ پیچھے گزر چکا ہے کہ عہد رسالت میں نیت تاکید کو قضاء بھی قبول کر لیا جاتا تھا لیکن فساد زمانہ کے بعد اس کو قضاء قبول کرنے کا سلسلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ختم فرمادیا، ہاں دیانۃ یہ نیت آج بھی معتبر ہے۔

ایک جملہ یا ایک مجلس میں دی جانے والی تین طلاقیں کو ایک شمار کرنے والوں کے دلائل اور ان کے جوابات کا ذکر تھا۔ جہاں تک دوسرے مذہب کا تعلق ہے جو ایسی صورت میں ایک طلاق کے بھی قائل نہیں کہا نقلنا عن بعض الروافض

ان کا استدلال قرآن کریم کی اس آیت سے ہے: ﴿الطَّلَاقُ مَوْثِنٌ...﴾ (البقرہ: ۲۲۹) اس میں مرتن کا لفظ اس پر دال ہے کہ دو طلاقیں بیک وقت نہ دی جائیں گی بلکہ دو دفعہ میں دی جائیں گی جس کا تقاضا یہ ہے کہ تین طلاقیں بھی بیک وقت نہ دی جائیں بلکہ تین دفعوں میں دی جائیں۔

جواب: یہ ہے کہ یہ استدلال درست نہیں، اس لیے کہ اس آیت کا منشاء اس غلط طریقہ کا ابطال ہے جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھا کہ لوگ اپنی بیویوں کو ایک طلاق دے کر رجوع کر لیتے پھر جب چاہتے تو دوبارہ طلاق دے کر رجوع کر لیتے اور طلاق و مراجعت کا یہ سلسلہ جاری رہتا باری تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر واضح طور پر بتلادیا کہ دو طلاقیں تک رجوع ہو سکتا ہے اور تیسری طلاق کے بعد رجوع کی گنجائش نہیں الا یہ کہ حلالہ کے بعد دوبارہ نکاح کیا جائے، اس سے کوئی بحث نہیں کی کہ یہ طلاقیں ایک مرتبہ میں دی گئی ہوں یا دو مرتبہ میں۔

اس کے علاوہ اگر یہ مان لیا جائے کہ ﴿مَوْثِنٌ﴾ کا لفظ لا کر یہ بتایا جا رہا ہے کہ ”طلاق مرة“ دی جائے گی تب بھی یہ طلاق کے شرعی طریقہ کا بیان ہوگا (چنانچہ طلاق حسن یا طلاق سنی کا یہی طریقہ ہے، کما مر تفصیلہ) گویا کہ آیت طریق ایقاع کو بیان کر رہی ہے لیکن آیت میں اس پر کوئی دلالت نہیں کہ اگر تین طلاقیں بیک وقت دی جائیں گی تو وہ واقع نہ ہوں گی۔ (شرح وقایہ وعمدة الراية ج ۲ ص: ۷۱، قبیل باب ایقاع الطلاق)

حقیقت یہ ہے کہ یہ آیت مسلک جمہور کے خلاف نہیں بلکہ خود ان کے مسلک کی دلیل ہے۔

روافض کا دوسرا استدلال نبی کریم ﷺ کے فرمان ہے: من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فهو رد۔ (جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی بات نکالی جو اس میں سے نہ ہو وہ مردود ہے) رواۃ البخاری فی صحیحہ (ج ۱ ص: ۲۷۱) کتاب الصلح، باب اذا اُصلحو اعلیٰ صلح جو... الخ) (مسلم فی صحیحہ ج ۲ ص: ۷۷) کتاب الأقضية، باب نقض احکام الباطلة) عن عائشہ۔

چونکہ اکٹھی تین طلاقیں دینا بدعت اور حرام ہے لہذا یہ حدیث مذکور کی رو سے وہ بھی مردود ہے۔

جواب: یہ استدلال درست نہیں اس لیے کہ حدیث کا مقصود صرف یہ بتلانا ہے کہ دین میں کوئی ایسی بات شامل کرنا جو دین کا حصہ نہیں وہ مردود ہے چنانچہ اکٹھی تین طلاقیں دینا بھی بدعت ہونے کی حیثیت سے مردود ہے اور شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی، رہا تین اکٹھی طلاقیں کا واقع ہونا، یہ دوسری بات ہے جو حدیث مذکور کا موضوع نہیں اور متعدد دلائل سے اس کا واقع ہونا ثابت ہے۔ واللہ اعلم خلاصہ یہ ہوا کہ اس مسئلہ پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع منعقد ہو چکا ہے اور یہ طے شدہ ہے کہ اختلاف متاخر سابقہ اجماع کے لیے مضر نہیں اور قاضی شوکانی رحمہ اللہ صاحب کا یہ کہنا: این الاجماع الذی جعلته معارضاً للسنة الصحيحة تو اگر یہ قول عناد نہ ہو تو سدا بھی نہیں کیونکہ جب عمر رضی اللہ عنہ نے تین کو تین قرار دیا اور کسی نے نکیر نہیں فرمائی اور سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے حتیٰ کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی اپنی روایت کے خلاف فتویٰ دیتے رہے کما رویناہ وراہیۃ تو پھر وہ کون ہے جس نے اجماع کی مخالفت کی ہے؟ اور ان کا یہ کہنا کہ یہ اجماع سنت صحیحہ کے خلاف ہے درست نہیں کیونکہ اولاً تو جس حدیث کی طرف وہ اشارہ کرنا چاہتے ہیں تو ائمہ حدیث اقوال اس کے متعلق گزر گئے کہ یہ طاؤس رضی اللہ عنہ کا تفرّد ہے یا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو مطلب اس حدیث کا فہم کیا ہے وہ اولیٰ بالاتباع ہے اس مطلب سے جو غیر مقلدین نے سمجھا ہے۔ واللہ اعلم وعلیہ اتم

آپ ﷺ نے صحابہ سے مشورہ کیا اور اعلان کی کہ اب جو شخص تین مرتبہ طلاق کے الفاظ بولے گا: ہم اسے تین ہی قرار دیں گے۔ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس فیصلہ سے اتفاق کیا، کسی نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مخالفت نہیں کی، علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کسی ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے بھی یہ منقول نہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں تین طلاق کا فیصلہ کیا تو ان میں سے کسی ایک نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اختلاف کیا ہو، اور اس قدر بات اجماع کے لیے کافی ہے۔ (حاشیہ ابو داؤد ۱: ۳۰۶، نووی شرح مسلم ۱: ۷۸) اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کے بعد بالاتفاق اسی کے مطابق فیصلے کرنے لگے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَمْرِكَ بِبَيْدِكَ

باب ۳: تفویض طلاق یعنی تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں کہنے کا حکم

(۱۰۹۸) قَالَ قُلْتُ لَا يُؤْبَ هَلْ عَلِمْتُ أَحَدًا قَالَ فِي أَمْرِكَ بِبَيْدِكَ أَتَمَّهَا ثَلَاثُ إِلَّا الْحَسَنَ قَالَ لَا إِلَّا الْحَسَنَ ثُمَّ قَالَ اللَّهُمَّ غَفِّرْ إِلَّا مَا حَدَّثَنِي قَتَادَةُ عَنْ كَثِيرٍ مَوْلَى بَنِي سَمُرَةَ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ ثَلَاثُ قَالَ أَيُّوبُ فَلَقِيتُ كَثِيرًا مَوْلَى بَنِي سَمُرَةَ فَسَأَلْتُهُ فَلَمْ يَعْرِفْهُ فَرَجَعْتُ إِلَى قَتَادَةَ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ نَسِيَ.

ترجمہ: حماد بن زید رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں میں نے ایوب سے کہا آپ کو کسی ایسے شخص کے بارے میں یہ علم ہے جس نے یہ کہا ہو (اگر مرد بیوی سے یہ کہے) تمہارا معاملہ تمہارے اختیار میں ہے تو یہ تین طلاقیں شمار ہوں گی۔ حسن کے علاوہ کسی نے یہ کہا؟ تو انہوں نے جواب دیا نہیں صرف حسن نے یہ کہا ہے پھر وہ بولے اے اللہ بخشش کر دے قتادہ نے کثیر کے حوالے سے ابو سلمہ کے حوالے سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ سے یہ روایت نقل کی ہے آپ ﷺ نے فرمایا یہ تین طلاقیں ہوں گی ایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میری کثیر سے ملاقات ہوئی میں نے ان سے اس بارے میں دریافت کیا تو انہیں اس کا علم نہیں تھا میں واپس قتادہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور میں نے انہیں بتایا تو وہ بولے وہ بھول گئے ہوں گے۔

یہ دو باب ہیں ان میں یہ مسئلہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے: امرک ببیدک (تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں) یا کہے: اختاری نفسك (اختیار کر تو تیری ذات کو) یا کہے انت طالق ان شدت (اگر تو چاہے تو تجھے طلاق) اور عورت شوہر کو اختیار کرے اور اپنے اوپر کوئی طلاق واقع نہ کرے تو جمہور کے نزدیک کوئی طلاق واقع نہیں ہوتی، کیونکہ یہ الفاظ تفویض ہیں، الفاظ تطلق نہیں۔

مذاہب فقہاء: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ آیا ان الفاظ میں تعدد طلاق کے حوالہ سے شوہر کی نیت معتبر ہے یا بیوی کی؟ حضرت عثمان اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے نزدیک عورت کی نیت کا اعتبار ہوگا القضاء ما قضت، یعنی فیصلہ کرنا اب عورت کے ہاتھ میں ہے خواہ وہ ایک رجعی یا بائن کی نیت کرے یا تین کی، مؤطا محمد رحمہ اللہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مذہب بھی اسی کے مطابق نقل کیا ہے: وقال: ابن عمر رضي الله عنهما اذا جعل امرها ببیدها... الخ یعنی جب آدمی اپنی بیوی کو اختیار دے دے اور وہ زیادہ طلاق مقرر کرے اور شوہر صرف ایک کا دعویٰ و اقرار کر رہا ہو تو اسے قسم دیکر ایک ہی واقعہ کی جائے گی۔

امام مالک و امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ و حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مطابق ہے یعنی ”القضاء ما قضت“ تاہم امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اگر شوہر اور عورت میں اختلاف ہو جائے تو قول شوہر کا مع الیمین معتبر ہوگا البتہ اگر شوہر بالکل ہی انکار کر دے کہ میں نے تجھے اختیار نہیں دیا تھا تب عورت کے ایقاع کا اعتبار ہوگا۔

حنفیہ کے نزدیک: اس میں شوہر کی نیت کا اعتبار ہے کیونکہ ”الطلاق بالرجال“ من حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کما رواہ الدار قطنی سنن کبریٰ للبیہقی ص: ۷۰ ج: ۷ کتاب الرجعة ایضا تلخیص اصحیر ص: ۵۶ ج: ۳ کتاب الطلاق۔ والبیہقی عنہ وان کان موقوفاً۔ لہذا اگر شوہر نے تین کی نیت کی ہو تو تین واقع ہوں گی اور ایک واقع کرنے پر ایک طلاق بائن واقع ہوگی یعنی عورت کی موافقت کرنے یا نہ کرنے سے کوئی فرق نہ پڑے گا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی اعتبار شوہر کی نیت کو ہے حتیٰ کہ اگر اس نے دو کی نیت کی ہو تو بھی دو ہی واقع ہو جائیں گی ایسی صورت میں طلاق رجعی واقع ہوگی دو کی نیت کا مسئلہ پیچھے گزرا ہے اہل میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مذہب بھی رجعی واقع ہونے کا نقل کیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخِيَارِ

باب ۴: طلاق کا اختیار دینے کا حکم

(۱۰۹۹) خَيْرٌ تَارَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَأَخْتَرَنَاهُ أَفْكَانَ طَلَقًا.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں نبی اکرم ﷺ نے ہمیں اختیار دیا تھا ہم نے آپ ﷺ کو اختیار کر لیا تو کیا وہ طلاق شمار ہوئی تھی؟ اگر شوہر: عورت کو جدائی (طلاق) کا اختیار دے اور عورت شوہر کو اختیار کرے تو جمہور کے نزدیک طلاق واقع نہیں ہوئی، نبی کریم ﷺ نے اپنی تمام بیویوں سے ایک مہینے کے لیے ایلاء کیا تھا یعنی ایک مہینہ کے لیے سب بیویوں سے علیحدہ رہنے کی قسم کھائی تھی، جبکہ انہوں نے خرچہ میں اضافہ کا مطالبہ کیا تھا، جب مہینہ پورا ہوا تو سورہ احزاب کا چوتھا رکوع جس میں سات آیتیں ہیں نازل ہوا اور نبی ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ اپنی بیویوں کو اختیار دیں کہ وہ یا تو جس حال میں آپ ﷺ ان کو رکھیں راضی رہیں اور اگر خوش عیش چاہیں تو طلاق لے لیں اور جہاں چاہیں جائیں چنانچہ آپ ﷺ کی تمام ازواج کو اختیار دیا اور سب نے حضور ﷺ کو اختیار کیا اور سب نے معافی مانگی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ”ہمیں رسول اللہ ﷺ نے اختیار دیا پس ہم نے آپ ﷺ کو اختیار کیا تو کیا وہ طلاق ہوئی؟ اس میں ہمزہ استفہام انکاری ہے یعنی آپ ﷺ کو اختیار کرنے کی وجہ سے کوئی طلاق نہیں ہوئی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُطَلَّاقَةِ ثَلَاثًا لَا سَكْنَى لَهَا وَلَا نَفَقَةٌ

باب ۵: مطلقہ ثلاثہ کے لیے نہ سکنی ہے نہ نفقہ

(۱۱۰۰) قَالَ قَالَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ قَيْسٍ طَلَّقَنِي زَوْجِي ثَلَاثًا عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا سَكْنَى

لَكَ وَلَا نَفَقَةً قَالَ مُغِيرَةُ قَدْ كَرُّتُهُ لِإِبْرَاهِيمَ فَقَالَ قَالَ عُمَرُ لَا نَدْعُ كِتَابَ اللَّهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّنَا ﷺ يَقُولُ امْرَأَةٌ لَا تَدْرِي أَحْفَظْتُ أَمَّ نَسِيْتُ.

ترجمہ: حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کہتی ہیں نبی اکرم ﷺ کے زمانہ اقدس میں میرے شوہر نے مجھے طلاق دے دی تو آپ ﷺ نے فرمایا تمہیں رہائش اور خرچ کا حق نہیں ملے گا۔

تمام ائمہ متفق ہیں کہ مطلقہ رجعیہ کو نفقہ بھی ملے گا اور سکنی بھی نیز مجتہدہ حاملہ کو بھی دونوں چیزیں ملیں گی۔

مذاهب فقہاء: البتہ مجتہدہ غیر حاملہ کے بارے میں اختلاف ہے اس بارے میں تین مذاہب ہیں:

(۱) امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ، غیر حاملہ کا نفقہ اور سکنی بھی مطلقاً شوہر پر واجب ہے۔

(۲) امام احمد رضی اللہ عنہ، غیر حاملہ کے لیے نفقہ ہے نہ سکنی۔

(۳) امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کے نزدیک سکنی واجب ہے نفقہ واجب نہیں۔

عدم نفقہ اور عدم سکنی پر امام احمد رضی اللہ عنہ وغیرہ کا استدلال حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی روایت سے ہے۔

امام مالک امام شافعی رضی اللہ عنہما کا استدلال یہ ہے کہ سکنی تو قرآن سے ثابت ہے اس لیے سکنی اس کا حق ہے قال اللہ تعالیٰ: ﴿لَا

تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بَيْوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ﴾ (الطلاق: ۱)

لیکن قرآن پاک میں نفقہ کا ذکر نہیں ہے عدم نفقہ پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی کی روایت سے استدلال کرتے ہیں البتہ فرماتے ہیں

کہ: ﴿أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجْدِكُمْ وَلَا تَضَارَّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ﴾ (الطلاق: ۶) کی آیت سکنی کے بارے میں

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے معارض ہے لہذا ہم نے روایت کو ترک کر دیا اور کتاب اللہ کو اختیار کر لیا۔

احناف کے دلائل: ﴿أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجْدِكُمْ وَلَا تَضَارَّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ﴾ (الطلاق: ۶)

امام جصاص رضی اللہ عنہ نے اس آیت سے تین طریقوں سے مسلک احناف کو ثابت کیا ہے۔

(الف) جس طرح سکنی ایک مالی حق ہے اور اس آیت کی رو سے واجب ہے، اسی طرح نفقہ بھی مالی حق ہونے کی وجہ سے واجب ہوگا۔

(ب) "ولا تضاروهن" سے مطلقات کو ضرر پہنچانے سے روکا گیا ہے اور ضرر جس طرح عدم سکنی سے لاحق ہوتا ہے اسی طرح عدم نفقہ سے بھی لاحق ہوتا ہے۔

(ج) لتضيقوا عليهن تنگی اور تضيق جس طرح عدم سکنی میں ہے اسی طرح عدم نفقہ میں بھی ہے۔

(۲) دوسرا استدلال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث باب سے ہے جس میں انہوں نے فرمایا: "لا ندع كتاب الله وسنة نبينا ﷺ

ويقول لا ندري احفظت ام نسيت وكان عمر يجعل لها السكنى والنفقة. كتاب الله سے مراد تودہ آیات ہیں جن کا تذکرہ ہو چکا سنت سے مراد وہ حدیث ہے جس کو امام طحاوی رضی اللہ عنہ نے شرح معانی الآثار میں نقل کیا ہے کہ اس کے بعد پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ

نے فرمایا: "سمعت النبي ﷺ يقول لها السكنى والنفقة" اس پر اگرچہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس روایت میں انقطاع ہے

کہ ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ کا سماع حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نہیں ہے۔

جواب: ابراہیم غنی رحمۃ اللہ علیہ کی مراہیل باتفاق جمہور مقبول ہیں چنانچہ حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ التہدید میں فرماتے ہیں:

”ان مراہیل النخعی رحمۃ اللہ علیہ صحیحۃ“

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ حکم ابراہیم غنی رحمۃ اللہ علیہ کی ان مراہیل کا ہے جو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں نہ کہ تمام مراہیل کا۔ لیکن امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول جمہور محدثین کے خلاف ہے جنہوں نے ابراہیم غنی رحمۃ اللہ علیہ کی مراہیل کو علی الاطلاق قبول کیا ہے۔

(۳) پھر مذکورہ بحث تو طحاوی کی مذکورہ بالا روایت کے بارے میں تھی جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ تصریح مروی ہے کہ:

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يقول لها سكني والنفقة.

”میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ایسی عورت کو رہائش اور خرچ دیا جائے گا۔“

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ تو صحیح مسلم میں مروی ہیں: لا تترك كتاب الله وسنة نبينا صلی اللہ علیہ وسلم لقول امرأة لا ندري لعلها حفظت او نسيت لها السكني والنفقة جس سے اتنی بات واضح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کا واقعہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ دونوں کے معارض تھا جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کے واقعہ کے خلاف کوئی تصریح حدیث موجود تھی اور اصول حدیث میں یہ بات طے ہو چکی ہے کہ اگر کوئی صحابی رضی اللہ عنہ ”النية كذا“ کہے تو اس کا یہ قول حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔

بعض حضرات نے ”وسنة نبينا“ کی زیادتی کو غیر اصح قرار دینے کی کوشش کی ہے لیکن مسلم کی صحیح روایت میں ان الفاظ کے آنے کے بعد یہ اعتراض قابل اعتبار نہیں۔

جواب ①: حضرت عائشہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے حدیث فاطمہ رضی اللہ عنہا پر جرح کی ہے کہ ہم اس کی وجہ سے کتاب اللہ کو نہیں چھوڑ سکتے تو کیا خیال ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ اگر کسی حدیث پر یحییٰ بن معین اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہما جرح کر دیں تو وہ قابل استدلال نہیں رہتی تو جس پر حضرت عمر اور عائشہ رضی اللہ عنہما جرح کر دیں، کیا وہ قابل استدلال رہے گی؟

جواب ②: سکنی وغیرہ کا نہ ہونا یہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی خصوصیت تھی عارض کی وجہ سے اور وہ عارض یہ تھا کہ یہ زبان دراز تھی مزاج اور طبیعت کی سخت تھی باقی رہا نفقہ تو نفس نفقہ کی نفی نہیں بلکہ زیادہ مقدار کی نفی ہے اس پر قرینہ یہ ہے کہ اس کے خاوند نے وکیل کے ہاتھ دس قفیز بھیج دیے تھے اس نے زائد مقدار کا مطالبہ کیا۔

اعتراض: بعض روایات میں ہے کہ الا ان تكون حاملۃ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض نفقہ کی نفی ہے؟

جواب: مطلب یہ ہے کہ اگر تو حاملہ ہوتی تو تیری ضرورت زیادہ ہوتی تو ہم تجھے زائد مقدار بھی دے دیتے الغرض دو وجہوں سے یہ حدیث قابل استدلال نہیں (۱) حضرت کی جرح اور وجہ (۲) کہ یہ خصوصیت ہے فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی۔

بَابُ مَا جَاءَ لِطَّلَاقٍ قَبْلَ النِّكَاحِ

باب ۶: نکاح سے پہلے طلاق نہیں

(۱۱۰۱) لَا تَذَرُ ابْنَ آدَمَ فِيمَا لَا يَمْلِكُ وَلَا عِثْقَ لَهُ فِيمَا لَا يَمْلِكُ وَلَا طَلَاقَ لَهُ فِيمَا لَا يَمْلِكُ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ابن آدم جس چیز کا مالک نہ ہو اس کے بارے میں کوئی نذر نہیں ہوتی اور جس کا وہ مالک نہ ہو اسے آزاد نہیں کر سکتا اور جس کا وہ مالک نہ ہو طلاق نہیں ہوتی۔

تشریح: ”لا تذر فيما لا يملك“ کے بارے میں مسئلہ کتاب الاحکام میں گزر چکا ہے باقی غیر مملوک غلام کی آزادی تخییراً صحیح نہیں ہے اور اگر معلق کر دے تو پھر بھی وہی اختلاف ہے جو نذر کے بارے میں ہے مسئلہ اجنبیہ عورت کو طلاق قبل النکاح دینا یہ صحیح ہے یا نہیں؟ تو اس میں تفصیل ہے کہ اجنبیہ کی طلاق کی ابتداء دو صورتیں ہیں: ① تنجیذاً ② تعلیقاً۔ پھر اس کی دو صورتیں ہیں کہ ایسی شرط کے ساتھ معلق کرے جو شرط نہ نکاح ہو اور نہ نکاح کا سبب مثلاً کہے: ”ان دخلت الدار فانت طالق“ اور دوسری صورت یہ ہے کہ نکاح کو معلق کرے نکاح یا سبب نکاح کے ساتھ مثلاً کہے: ”ان نکحتك فانت طالق ان ملکک فانت طالق“ تین صورتیں ہوں گی۔ ① تنجیذاً، طلاق دینا۔ ② نکاح یا سبب نکاح سے معلق کرنا۔ ③ ایسی شرط کے ساتھ معلق کرنا جو نہ نکاح ہو اور نہ سبب نکاح ہو ان میں سے پہلی اور تیسری صورت میں بالاجماع طلاق طلاق واقع نہ ہوگی البتہ صورت ثانیہ میں اختلاف ہے۔

مذاهب فقہاء: جس میں تین مذہب ہیں:

① احناف کا مذہب یہ ہے کہ شرط کے پائے جانے کے بعد مطلقاً طلاق واقع ہو جائے گی خواہ تعلیق علی سبیل العموم ہو یا علی سبیل الخصوص ہو۔ علی سبیل العموم یہ ہے کہ یہ عورت کی تعیین ہے اور نہ شہر کی تعیین ہے نہ قبیلہ کی اور نہ زمانہ کی الحاصل کسی چیز کی بھی تخصیص نہیں یعنی کلمہ تزوجت امرأة فہی طالق کہے اور تعلیق علی سبیل الخصوص یہ ہے کہ مثلاً معینہ عورت کے بارے میں کہے: ان نکحتك فانت طالق یا قبیلہ کی تعیین کر دے کہ فلاں قبیلہ کی عورت سے میں نکاح کروں تو طلاق یا پھر شہر کی تعیین کر دے کہ ملتان کی عورت سے نکاح کروں تو طلاق یا زمانہ کی تعیین کر دے کہ اگر جمعہ کے دن نکاح کروں تو طلاق۔

② مالکیہ فرماتے ہیں کہ اگر تعلیق علی سبیل الخصوص ہو تو پھر بعد الشرط طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر علی سبیل العموم ہو تو پھر طلاق واقع نہ ہوگی۔ خواہ تعلیق علی سبیل العموم ہو یا تعلیق علی سبیل الخصوص ہو۔

شوافع کے نزدیک مطلقاً طلاق واقع ہو جائے گی خواہ تعلیق علی سبیل العموم ہو یا علی سبیل الخصوص ہو۔

حنفیہ کا استدلال مؤطا کی روایت سے ہے کہ ایک آدمی نے غیر منکوحہ سے معلق ظہار کیا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا کہ اگر نکاح کیا تو جب تک کفارہ ظہار ادا نہ کر لو اس وقت تک اس کے قریب نہ جانا لہذا جب معلق ظہار صحیح ہے تو طلاق بھی صحیح ہے۔

اس کے علاوہ حافظان نے بخاری کی شرحین میں جانبین سے آثار ذکر کئے ہیں باب کی حدیث کا جواب حنفیہ کی طرف سے یہ

ہے کہ یہ ہے یہ تخییر پر محمول ہے نہ کہ معلق پر لہذا اس سے علی الاطلاق و علی العموم استدلال درست نہیں۔

”وردی عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ انہ قال فی المنصوبۃ انہا تطلق“ حنفیہ کا استدلال اس سے جزوی طور پر تو ہو سکتا ہے کہ فی الجملہ طلاق تعلیقاً بغیر ملک کے معتبر ہے لہذا باب کی حدیث تجیز پر محمول ہوئی لیکن مطلقاً استدلال اس سے صحیح نہیں کیونکہ یہ معینہ کے بارے میں ہے کیونکہ منصوبہ نصب سے ہے جو بمعنی رفع کے ہے مراد اس سے معنیہ عورت ہے چونکہ تعین سے وہ ابہام کی وادی سے اٹھالی جاتی ہے اس لیے اسے منصوبہ کہتے ہیں۔

مالکیہ کی دلیل: عقلی ہے کہ اگر علی سبیل العموم میں بھی طلاق کے وقوع کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر نکاح کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا یعنی جب کسی نے کہا کلمہ تزوجت امرأۃ فہی طالق تو اب میرے سے دروازہ ہی بند ہو جائے گا حالانکہ نکاح ایک نعمت ہے جواب نص کے مقابلے میں قیاس کو حجت نہیں بنایا جاسکتا۔

شوافع کی دلیل: حدیث الباب لا طلاق لہ فیما لا یملک جواب اس حدیث کا مصداق صورت اولی یا صورت ثالثہ ہے صورت ثانیہ اس حدیث کا مصداق نہیں اس لیے کہ صورت ثالثہ میں طلاق فیما یملک ہے فیما لا یملک نہیں ہے۔

ابن المبارک رحمہ اللہ کے قول کا مطلب: یہ ہے کہ جن ائمہ کے نزدیک تعلیق معتبر ہے ان کے متبعین میں سے اگر کوئی قسم کھائے کہ اگر وہ نکاح کرے تو عورت کو طلاق پھر وہ نکاح کرنے کا ارادہ کرے تو اس کے لیے اس دوسرے امام کا قول لینا جس کے نزدیک تعلیق غیر معتبر ہے جائز نہیں کیونکہ ہر شخص پر اپنے ہی امام کی پیروی واجب ہے ہاں جو شخص اس امام کا مقلد ہے جس کے نزدیک تعلیق درست نہیں وہ نکاح کر سکتا ہے امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ابن المبارک رحمہ اللہ نے مسئلہ میں بہت سختی کر دی! مگر آج چاروں فقہاء کے متبعین یہی بات کہتے ہیں کہ تقلید شخصی یعنی کسی معین امام کی تقلید واجب ہے کیونکہ اگر یہ بات واجب نہیں قرار دی جائے گی تو خواہش کی پیروی کا دروازہ کھل جائے گا لوگ مجتہدین کی فقہوں میں سے رخصتیں تلاش کریں گے پس یہ دین پر عمل کہاں رہا یہ تو خواہش کی پیروی ہو گئی جو حرام ہے اس لیے تقلید شخصی واجب ہے مگر واجب لعینہ نہیں بلکہ واجب لغیرہ ہے اور واجب لغیرہ پر دلیل کا مطالبہ درست نہیں۔

اس حکم سے ایک صورت مستثنیٰ ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی مسلک کے اکابر ضرورت کے وقت دوسرے امام کی کوئی رائے اپنے مذہب میں لیں تو اس میں کوئی حرج نہیں جیسے زوجہ مفقود کے احکام حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے الحیلۃ الناجزۃ میں فقہ مالکی سے لیے اور اب تمام احناف کا اس پر عمل ہے۔

اور امام ترمذی رحمہ اللہ کی بات بھی صحیح ہے کہ ابن المبارک رحمہ اللہ نے مسئلہ بہت سخت کر دیا اس کی تفصیل یہ ہے کہ ترمذی شریف جس زمانہ میں لکھی گئی ہے اس زمانہ میں مذاہب فقہیہ دو ہی تھے: حجازی اور عراقی۔ اور تعلیق کی صحت و عدم صحت کا مسئلہ حجازی مکتب فکر میں مختلف فیہ تھا، امام مالک اور امام اسحاق رحمہما کے نزدیک عورت متعین ہونے کی صورت میں تعلیق درست تھی۔ اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما کے قول پر عمل کرنا چاہے تو یہ بات درست نہیں، کیونکہ یہ تقلید میں یعنی کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا ملانا ہے جو حرام ہے معین راہ اپنانا ضروری ہے، پھر جب حجازی مکتب فکر تین مختلف مذاہب میں منقسم ہو گیا تو ان کے تعلق سے بھی ابن المبارک رحمہ اللہ کی بات صحیح ہو گئی۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ طَلَاقَ الْأَمَةِ تَطْلِيقَتَانِ

باب ۷: کنیز کو دو طلاقیں دی جائیں گی

(۱۱۰۲) طَلَاقُ الْأَمَةِ تَطْلِيقَتَانِ وَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کنیز کو دو طلاقیں دی جائیں گی اور اس کی عدت دو حیض ہوگی۔

مذہب فقہاء: باندی کی طلاقیں دو ہیں: ① حنفیہ کے نزدیک طلاق میں عورت کا اعتبار ہے، عورت اگر آزاد ہے تو شوہر تین طلاقیں دے سکتا ہے خواہ شوہر آزاد ہو یا غلام، اور عورت اگر باندی ہے تو دو طلاقیں دے سکتا ہے، خواہ شوہر آزاد ہو یا غلام۔

② اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک مرد کا اعتبار ہے، اگر شوہر آزاد ہے تو تین طلاقیں دے سکتا ہے، خواہ بیوی آزاد ہو یا باندی اور اگر شوہر غلام ہے تو دو طلاقیں دے سکتا ہے، بیوی خواہ آزاد ہو یا باندی، یہ مسئلہ پہلے ابواب النکاح باب ۴۳ میں بھی ضمناً گزر چکا ہے۔

باندی کی عدت آدھی ہے حیض یا طہر سے قطع نظر اور یہ اجماعی مسئلہ ہے یعنی عدت میں عورت کا اعتبار ہے عورت اگر باندی ہے تو اس کی عدت دو حیض (حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک) یا دو طہر (امام شافعی رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک) ہیں اور اگر عورت آزاد ہے تو عدت تین حیض یا تین طہر ہیں۔ اور اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔

اول: طلاق میں اعتبار عورت کا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا ہے: باندی کی طلاقیں دو ہیں معلوم ہوا: طلاق میں اعتبار عورت کا ہے۔

دوم: قروء کے معنی حیض کے ہیں کیونکہ جب باندی کے حق میں قروء کے معنی حیض کے ہیں تو آزاد عورت کے حق میں بھی اس کے معنی حیض ہی کے ہوں گے۔

حنفیہ کا استدلال حدیث باب سے ہے علاوہ ازیں ابن ماجہ، دارقطنی اور بیہقی میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث بھی حنفیہ کی مستدل ہے ”طلاق الامۃ اثنتان وعدتها حیضتان“ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایسا ہی مروی ہے اور امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح نقل کیا ہے جبکہ مالک میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے حنفیہ کے مطابق فتویٰ مروی ہے گوکہ یہ آثار موقوف ہیں۔

شافعیہ وغیرہ کا استدلال ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ہے: ”الطلاق بالرجال والعدة بالنساء“ رواہ البيهقي ایسے ہی آثار دیگر بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يُحَدِّثُ نَفْسَهُ بِطَلَاقِ امْرَأَتِهِ

باب ۸: طلاق کا خیال (وسوسہ) آنے سے طلاق نہیں ہوتی

(۱۱۰۳) تَجَاوَزَ اللَّهُ لِأُمَّتِي مَا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسُهَا مَا لَمْ تَكَلِّمْ بِهِ أَوْ تَعْمَلْ بِهِ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری امت کے ان باتوں سے درگزر کیا ہے جو وہ دل ہی دل میں سوچیں جب تک وہ اس کے بارے میں کلام نہ کریں یا اس پر عمل نہ کریں۔

تشریح: دل و دماغ میں طلاق کا وسوسہ اور خیال آئے اور آدمی اپنے دل سے باتیں کرے کہ اس نے بیوی کو طلاق دی تو طلاق واقع نہ ہوگی جب تک منہ سے طلاق کا تلفظ نہ کرے۔ اور تلفظ کرنے کی دو صورتیں ہیں: جہری اور سری، جہری تلفظ تو ظاہر ہے اور سری کی ادنیٰ مقدار فصیح حروف ہے یعنی زبان حرکت کرے مخارج پر جا کر لگے اور حروف کی ادائیگی ہو اور سر کا اعلیٰ درجہ اسماع النفس ہے یعنی خود کو سنانا جب سر کا کم سے کم درجہ پایا جائے گا تو طلاق واقع ہوگی۔ دل و دماغ میں خیال پکانے سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔

اعتراض: اس حدیث کا سورۃ بقرہ کی آیت ۲۸۴ ﴿وَإِنْ تَبَيَّنَ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخَفُّوهُ يَحْسِبُكُمْ بِهِ اللَّهُ﴾ سے تعارض ہے آیت پاک میں ارشاد ہے کہ جو باتیں تمہارے دلوں میں ہیں خواہ تم ان کو ظاہر کرو یا پوشیدہ رکھو اللہ تعالیٰ تمہاری ان کی وجہ سے دار و گیر فرمائیں گے معلوم ہوا کہ دل کی باتوں پر بھی محاسبہ ہوگا پس طلاق بھی واقع ہونی چاہیے؟ اس تعارض کے دو جواب ہیں:

جواب ①: یہ حدیث احکام دنیا سے متعلق ہے اور آیت پاک احکام آخرت سے متعلق ہے پس کوئی تعارض نہیں اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نکاح، طلاق، عتاق بیع اور ہبہ وغیرہ محض دل میں ارادہ کر لینے سے منعقد نہیں ہو جاتے ان کا تلفظ ضروری ہے اور آیت پاک کا مطلب یہ ہے کہ عقائد فاسدہ، اخلاق مذمومہ اور گنسہوں کا پختہ ارادہ کرنے کی صورت میں بھی آخرت میں مواخذہ ہوگا۔

جواب ②: حدیث میں مراد وساوس اور غیر اختیاری خیالات ہیں جو انسان کے دل میں بغیر قصد و ارادہ کے آتے ہیں بلکہ ان کے خلاف کا ارادہ کرنے پر بھی آتے رہتے ہیں ایسی غیر اختیاری باتوں کو اس امت پر مہربانی کرتے ہوئے معاف کر دیا گیا ہے اور آیت پاک میں مراد وہ ارادے اور نیتیں ہیں جو انسان اپنے کسب و اختیار سے اپنے دل میں جماتا ہے اور اس کو عمل میں لانے کی کوشش کرتا ہے مگر اتفاق سے کچھ موانع پیش آ جاتے ہیں جن کی بنا پر ان پر عمل نہیں کر پاتا قیامت کے دن ان پر محاسبہ ہوگا، جیسے دو مسلمان تلوار میں لے کر بھیڑیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے کیونکہ مقتول مرنے نہیں آیا تھا مگر اتفاق سے مار نہ سکا مر گیا پس وہ بھی حقیقت میں قاتل ہے یہ مضمون صحیح حدیث میں آیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْجِدِّ وَالْهَزْلِ فِي الطَّلَاقِ

باب ۹: طلاق میں سنجیدگی اور دل لگی برابر ہیں

(۱۱۰۴) ثَلَاثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ أَلَيْسَ كَحُجَّةٍ وَالطَّلَاقُ وَالرَّجْعَةُ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تین طرح کے معاملات میں سنجیدگی بھی سنجیدگی ہے اور مذاق بھی سنجیدگی شمار ہوگا نکاح طلاق اور رجوع کرنا۔

تشریح: ”ثَلَاثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ“ سنجیدگی اور واقعیت کے ساتھ جو بات بولی جاتی ہے ”وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ“ ہزل اوٹ پٹانگ غیر سنجیدہ اور بے ہودہ بات کو کہتے ہیں یعنی تین چیزیں ایسی ہیں جن میں مزاق اور سنجیدہ پن دونوں برابر ہیں یعنی حکم دونوں پر یکساں لگتا

ہے ”النکاح والطلاق والرجعة“ لہذا جس نے یہ الفاظ جیسے بھی کہہ دیئے مثلاً: ”نکحتک او تزوجتک یا انت طالق ورجعت الیک“ تو چاہے اس کی نیت اس کے موافق ہو یا نہ ہو بہر حال اس پر حکم نکاح و طلاق اور رجوع مرتب ہوگا، نیل الاوطار ص: ۲۳۵ ج: ۵، ۶ پر ہے۔

ابواب الرضاع باب ۳ میں یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ وہ معاملات جن میں اقالہ نہیں ہو سکتا یعنی جو ہونے کے بعد ختم نہیں ہو سکتے، فقہاء کی اصطلاح میں وہ ”یمین“ کہلاتے ہیں۔ اور جب معاملات میں اقالہ ہو سکتا ہے فقہاء کی اصطلاح میں وہ ”بیوع“ کہلاتے ہیں اب یہ قاعدہ جان لیں کہ جو باتیں ایمان کے قبیل سے ہیں ان میں سنجیدگی اور دل لگی یکساں ہیں سنجیدگی تو سنجیدگی ہے ہی دل لگی کے طور پر کہی ہوئی بات بھی سنجیدگی ہے اور جو امور از قبیل بیوع ہیں ان میں سنجیدگی سنجیدگی ہے اور دل لگی دل لگی ہے اس حدیث میں پہلی قسم کے معاملات کی تین مثالیں ہیں: نکاح، طلاق اور رجعت۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ان میں سنجیدگی تو سنجیدگی ہے دل لگی بھی سنجیدگی ہے اگر واقعی طلاق دینا مقصود ہے تو بھی طلاق ہوگی اور مذاق میں طلاق دی تو بھی طلاق ہو جائے گی، فقہاء نے اس حدیث سے یہ ضابطہ بنایا ہے کہ ایمان میں ہزل اثر انداز نہیں ہوتا مذاق کے طور پر نکاح کیا یا قسم کھائی یا رجعت کی تو بھی یہ معاملات ہو گئے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْخَلْعِ

باب ۱۰: خلع کا بیان

(۱۱۰۵) عَنْ الزُّبَيْعِ بْنِ مُعَوِّذٍ عَنْ عَفْرَاءَ أَهْلِهَا اِخْتَلَعَتْ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ فَأَمَرَهَا النَّبِيُّ ﷺ اَوْ امْرَأَتُ اَنْ تَعْتَدَ بِحَيْضَةٍ.

ترجمہ: سیدہ ربیع بنت معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے زمانہ اقدس میں خلع لے لیا تو آپ ﷺ نے انہیں یہ ہدایت کی (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) انہیں یہ ہدایت کی گئی وہ ایک حیض عدت بسر کریں۔

(۱۱۰۶) اِنْ اِمْرَاةً ثَابِتَتْ بِنِ قَيْسٍ اِخْتَلَعَتْ مِنْ زَوْجِهَا عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ فَأَمَرَهَا النَّبِيُّ ﷺ اَنْ تَعْتَدَ بِحَيْضَةٍ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نے اپنے شوہر سے خلع حاصل کر لیا یہ نبی اکرم ﷺ کے زمانہ اقدس کی بات ہے تو انہیں ایک حیض عدت بسر کرنے کا حکم دیا گیا۔

اس باب میں چار مسائل کا معلوم کرنا ضروری ہے۔

مسئلہ ①: خلع کا لغوی معنی ہے اتارنا جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے ”فاخلع نعلیک“ ازواج اور زوجہ کو قرآن نے ایک دوسرے کا لباس قرار دیا ہے گویا یہ دونوں بھی بذریعہ خلع اس لباس کو اتارتے ہیں۔

اصطلاحی معنی: ازالة ملك النکاح بمال بلفظ مخصوص لغوی معنی سے مناسبت ظاہر ہے اور اصطلاح میں خلع یہ ہے کہ عورت مرد کو کچھ مال دے کر اس سے طلاق لے لے۔

مسئلہ ②: اس باب میں چار الفاظ مستعمل ہوتے ہیں خلع طلاق علی مال، فدیہ اور مباراة۔ اگر کل مہر کو بدل مقرر کیا جائے تو یہ خلع

ہے اگر جزومہر کو بدل مقرر کیا جائے تو یہ فدیہ ہے، اگر مہر کے علاوہ کوئی مال مقرر کیا جائے تو یہ طلاق علی مال ہے اور اگر عورت ان تمام حقوق کو ساقط کر دے جو زوج اور زوجہ پر عقد نکاح کی وجہ سے لازم ہوتے ہیں تو یہ مبارات ہے۔

مسئلہ ③: مختلفہ عورت کی عدت کیا ہے؟ جمہور ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے نزدیک مختلفہ عورت کی عدت مطلقہ والی ہے احناف کے ہاں تین حیض، شوافع کے نزدیک تین طہر ہے حنابلہ، اگرچہ فسخ نکاح کے قائل ہیں لیکن اس کے باوجود فرماتے ہیں کہ اس کی عدت تین حیض ہوگی۔

(۲) امام اسحاق وغیرہ کے نزدیک مختلفہ کی عدت ایک حیض ہے۔

دلیل: ان کا استدلال زیر بحث باب کی روایت سے ہے وفيہ ان تعتد بحیضہ کہ ایک حیض عدت گزارنے کا حکم دیا۔ اور بعض روایات میں حیضہ کے بعد واحدہ کا لفظ بھی مذکور ہے اس سے معلوم ہوا کہ مختلفہ کی عدت ایک حیض ہے۔

جواب ①: حیضہ میں تاء وحدت کے لیے نہیں بلکہ جنس کے لیے ہے۔ وہ اصل روایت کا لفظ نہیں بلکہ راوی کا تصرف ہے راوی نے حیضہ کی تاء کو وحدت پر محمول کرتے ہوئے واحدہ کا لفظ ذکر کر دیا۔

جواب ②: یہ حدیث خبر واحدہ ہے نص قرآنی وَالْمُطَلَّقَاتُ... الخ کے معارض نہیں ہو سکتی۔

مسئلہ ①: خلع کی حقیقت کیا ہے؟ آیا یہ فسخ نکاح ہے یا طلاق ہے۔ ① جمہور یعنی احناف و شوافع کے قول جدید کے مطابق مالکیہ کے نزدیک خلع طلاق بائنہ ہے۔ ② امام شافعی رحمہ اللہ کا قول قدیم امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے ہاں خلع فسخ نکاح ہے۔ **ثمرۃ خلع:** اگر طلاق ہے تو اس کے بعد مختلفہ کو طلاق بھی دی جاسکتی ہے نیز اگر خلع طلاق ہے تو اس کے بعد خاوند صرف ماہی کا مالک ہوگا نکاح کے بعد اور اگر خلع فسخ نکاح ہے تو پھر طلاقوں کا مالک نہیں ہوگا محل طلاق نہ ہونے کی وجہ سے اس کے بعد اگر عورت پھر دوبارہ اس کے نکاح میں آجائے تو پھر خاوند تینوں طلاقوں کا مالک ہوگا۔

جمہور کے نزدیک خلع طلاق ہے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ کا استدلال یہ ہے کہ قرآن کریم میں خلع کا ذکر ﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ﴾ کے بعد کیا گیا ہے یعنی ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ﴾ (البقرہ: ۲۲۹) اور اس کے بعد اگلی آیت ہے ﴿وَإِنْ طَلَقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾ (البقرہ: ۲۳۰) جو اس بات کی دلیل ہے کہ خلع ان تین طلاقوں میں شمار نہیں اگر خلع خود طلاق ہوتا تو طلاقیں چار ہو جاتیں جس کا کوئی قائل نہیں۔

جواب: طلاق بائن کی دو قسمیں ہیں: ① طلاق بائن علی مال ② طلاق بائن بلا مال۔

ان میں لازماً دو میں سے کوئی ایک ہوگی۔ دونوں کا اجتماع ممکن نہیں الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ میں طلاق بائن بلا مال کا ذکر ہے اور فیما افتدت بہ کے اندر طلاق بائن علی مال کا ذکر ہے اور فان طلقها... الخ سے تیسری طلاق کا ذکر ہے اس سے معلوم ہوا کہ خلع کو طلاق ماننے کے باوجود عورت طلاقوں سے مغلفہ ہوگی۔

جمہور کی دلیل بیان کرتے ہوئے ابن العربی رحمہ اللہ عارضہ میں لکھتے ہیں: وہی مسئلۃ ظاہرۃ یعنی خلع کو طلاق کہنا قرآن سے بھی ظاہر ہے اور قیاس وغیرہ سے بھی قرآن سے اس طرح ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا ذکر طلاق کے ضمن اور حکم میں آیا ہے لہذا

یہ طلاق ہی ہے اور قیاس سے اس کا اطلاق ہونا اس لیے ظاہر ہے کہ خلع قاضی وغیرہ کے جبر پر موقوف نہیں بلکہ زوجین کے درمیان بھی ہو سکتا ہے یعنی حاکم کی مداخلت کے بغیر اور زوجین کے مابین تو طلاق چلتی ہے نیز شوہر نے عوض لیا تو اب وہی چیز دے گا جس کا وہ مالک ہے اور وہ تو طلاق ہی ہے۔

علاوہ ازیں ہمارا استدلال ان احادیث سے بھی ہے جن میں خلع کے موقع پر طلاق کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں مثلاً ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے: ”قال رسول الله ﷺ اقبل الحديقة وطلقها تطليقة“ یعنی حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا اپنا باغ (حق مہر) واپس لے لو اور اس کو طلاق دے دو اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: ”فردتها وامرأه يطلقها“ یہ دونوں روایتیں بخاری میں ہیں۔ (ص: ۹۴ ج: ۲)

اس کے علاوہ دارقطنی، الکامل، مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، مؤطا امام مالک اور مراسیل ابی داؤد میں بھی طلاق کی تصریح ہے۔

حضرت ربیع بن خیثمہ کے شوہر کون تھے؟ اور یہ واقعہ کس زمانہ کا ہے؟ شوہر کا نام تو کسی روایت میں نہیں آیا البتہ یہ واقعہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے آخری زمانہ کا ہے جبکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ محصور (نظر بند) تھے (نسائی، حدیث ۳۴۹۷) اور (ابن ماجہ، حدیث ۲۰۵۸) میں اس کی صراحت ہے مگر چونکہ آئندہ واقعہ بھی حضرت ربیع بیان کرتی ہیں (نسائی، حدیث ۳۴۹) اس لیے بعض روایات کو غلط فہمی ہوئی اور انہوں نے حضرت ربیع کے واقعہ کو بھی عصر نبوی قرار دیدیا، پس اس روایت میں جو شک راوی ہے: امرأها النبی ﷺ او امرت اس میں صحیح امرت ہے کیونکہ یہ واقعہ نبی ﷺ کے زمانہ کا نہیں ہے اور نسائی (۱۸۶: ۶ مصری) میں صراحت ہے کہ ان کے بھائی عثمان نے یہ حکم دیا تھا، امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہی بات فرمائی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُخْتَلِعَاتِ

باب ۱۱: خلع کرنے والی عورتوں کے لیے وعید

(۱۱۰۷) الْمُخْتَلِعَاتُ هُنَّ الْمُنَافِقَاتُ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا خلع حاصل کرنے والی عورتیں منافق ہوتی ہیں۔

(۱۱۰۸) أَيُّمَا امْرَأَةٍ سَأَلَتْ زَوْجَهَا طَلًا فَمِنْ غَيْرِ بَأْسٍ فَحَرَّامٌ عَلَيْهَا رَأْيُ الْجَنَّةِ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو عورت کسی وجہ کے بغیر اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے تو اس پر جنت کی خوشبو حرام ہوگی۔ بعض مرد ایسے ہوتے ہیں جو بیوی کو اس لیے طلاق دیتے ہیں کہ اس کی جگہ دوسری لا کر نیا مزہ چکھیں اور بعض عورتیں بھی اسی غرض سے شوہروں سے طلاق لیتی ہیں۔ یہ مرد وزن اللہ کو پسند نہیں۔ طبرانی رحمہ اللہ کی معجم کبیر میں روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ زواقین (چکھنے والے مردوں) اور ذواقات (چکھنے والی عورتوں) کو پسند نہیں فرماتے۔

”هن المنافقات“ یہ زجر میں مبالغہ ہے اس اطلاق کی دو وجہ ہیں:

① محشی نے بیان کی ہے کہ نکاح کا تقاضا یہ ہے کہ جیسے بظاہر اطاعت کا اظہار کیا جا رہا ہے ویسے ہی باطن میں بھی ہو لیکن یہ عورتیں باطن میں بغض اور نفرت چھپائے ہوتی ہیں۔

② ابن العربی رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے کہ یہ کم ہی راضی ہوتی ہیں اس لیے نافرمانی کرتی ہیں تو انہیں منافقات کہا جو بمعنی کفر از کفران عسیر ہے (عارضہ) یعنی بغیر کسی مجبوری کے بلکہ محض اپنی ہوس کے مطابق کہ مثلاً پہلے دوسرے آدمی سے دل لگا یا پھر اپنے شوہر سے جدائی طلب کر لی جیسے آج کل ماڈرن معاشرہ میں ہوتا ہے ”لہد ترح رائحة الجنة“ اگلی حدیث میں ہے ”فحرام علیہا رائحة الجنة“ اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے یعنی اس پر سوگھنا ممنوع ہے حالانکہ جنت کی خوشبو قیامت کے دن پانچ سو سال کی مسافت کی دوری تک جائے گی مگر وہ اس سے اتنی دور ہوگی جہاں یہ نہ پہنچے گی لہذا جہاں دوسرے جنتی اس سے محفوظ ہونگے تو یہ اس سے محروم ہوگی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مُدَارَاةِ النِّسَاءِ

باب ۱۲: عورتوں کے ساتھ رکھ رکھاؤ (خاطر داری) کا معاملہ کرنا

(۱۱۰۹) إِنَّ الْمَرْأَةَ كَالضِّلْعِ إِنْ ذَهَبَتْ تُقَيِّمُهَا كَسَبَرَتْهَا وَإِنْ تَرَكْتَهَا اسْتَمْتَعَتْ بِهَا عَلَى عَوَجٍ

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا عورت پسلی کی طرح ہے اگر تم اسے سیدھا کرنا چاہو گے تو اسے توڑ دو گے اور اگر اسے اس کی حالت میں رہنے دو گے تو اس کے ٹیڑھے پن کے باوجود اس سے فائدہ حاصل کرو گے۔

تشریح: ”مداراة“ خاطر تواضع اور آؤ بھگت کو کہتے ہیں یہاں اس سے مراد ملائمت اور نرمی ہے کوکب میں ہے: ”المداراة بذل الدینا لاصلاح الدنیا او بذل الدنیا لاصلاح الدین والمداهنة بذل... الخ“ بالعکس کہ اس حدیث میں مدارات کا بیان ہے مدہانت کا نہیں اگر عورت کی چال چلن صحیح نہ ہو یا عورت نافرمان ہو اور اس کے نشوز کا علاج مقصود ہو یا اس قسم کی کوئی اور بات پیش نظر ہو تو سخت معاملہ بھی کیا جاسکتا ہے قرآن کریم میں اور احادیث میں اس کی صراحت ہے۔

(۲) اس حدیث میں عورت کی تخلیق کا بیان نہیں ہے بلکہ نسوانی فطرت میں نہایت کجی کی تمثیل ہے عام طور پر ایسا سمجھا جاتا ہے کہ اس حدیث میں عورت کی تخلیق کا بیان ہے یعنی عورت شوہر کی پسلی سے پیدا کی گئی ہے، یہ بات مشاہدہ کے خلاف ہے بہت سی عورتیں زندگی بھر شادی نہیں کرتیں اور بعض عورتیں شوہر سے پہلے پیدا ہوتی ہیں وہ کس کی پسلی سے پیدا ہوتی ہیں؟ غرض یہ بات بدیہی البطلان ہے اور قرآن وحدیث میں اس سلسلہ میں کوئی واضح بات نہیں، اور سورۃ النسا کی پہلی آیت میں جو ﴿خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ﴾ آیا ہے اس سے نفس انسانی مراد ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کا وہاں صراحتاً ذکر نہیں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ کی اصطلاح میں یہ روح اعظم (انسان اکبر) ہے عالم مثال میں اس کا وجود ہے اور تمام انسان مذکر بھی اور مؤنث بھی اس کے افراد ہیں اور بعد از مرگ سب اسی میں جا کر مل جاتے ہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہر صنف کا جوڑا اسی صنف سے پیدا کیا گیا ہے، اسی صورت میں باہمی مودت و رحمت کا تحقق ہو سکتا ہے،

اگر انسان کا جوڑا بھینس یا بکری ہوتی تو باہم کیا موافقت ہوتی؟ آیت کریمہ میں یہی مضمون ہے کہ اللہ نے مردوں اور عورتوں کو ایک ہی نفس انسانی سے پیدا کیا ہے پھر ان دونوں سے نسل پھیلائی ہے۔

اور لوگوں میں جو مشہور ہے کہ حضرت حوا علیہا السلام حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں جانب کی سب سے اوپر کی پسی سے پیدا کی گئیں ہیں یہ تصور بائبل (کتاب پیدائش باب ۲ آیات ۲۲-۲۴) کا ہے پھر وہاں سے اسلامی روایات میں آیا ہے جبکہ روح المعانی میں سورۃ النساء کی اسی آیت کی تفسیر میں حاشیہ میں خود مفسر نے امام باقر علیہ السلام کا قول نقل کیا ہے کہ جس مٹی سے حضرت آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے تھے اس کے باقی ماندہ سے حضرت حوا علیہا السلام پیدا کی گئی تھیں اور یہی بات قرین عقل ہے تمام حیوانات جن میں تو والد و تناسل کا سلسلہ قائم ہے ان کے پہلے پہلے افراد (مذکر و مؤنث) مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں۔ کوئی مادہ زر کی پسی سے نہیں پیدا کی گئی۔ اس حدیث میں اس طرف بھی اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ عورت میں کسی قدر ٹیڑھا پن عیب نہیں جیسا کہ پسی کی کچی بھی اس کا عیب نہیں لہذا مرد کو عورت کے اندر مرد جیسے اور اوصاف تلاش نہیں کرنے چاہئیں: فان الله تعالى قد خلق كلا من الصنفين بخصائص لا توجد في الآخر۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَسْأَلُهُ أَبُوهُ أَنْ يُطْلِقَ امْرَأَتَهُ

باب ۱۳: باپ بیوی کو طلاق دینے کے لیے کہے تو بیٹا کیا کرے؟

(۱۱۰) كَانَتْ تَحْتِيْ امْرَأَةً اُحِبُّهَا وَكَانَ ابْنِيْ يَكْرَهُهَا فَامْرَأَتِيْ ابْنِيْ اَنْ اُطْلِقَهَا فَاَبَيْتُ فَقَدْ كَرِهْتُ ذَلِكَ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں میری ایک بیوی تھی جسے میں بہت پسند کرتا تھا لیکن میرے والد اسے ناپسند کرتے تھے انہوں نے مجھے ہدایت کی کہ میں اسے طلاق دے دوں میں نے یہ بات نہیں مانی میں نے اس بات کا تذکرہ نبی اکرم ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اے عبداللہ بن عمر اپنی بیوی کو طلاق دے دو۔

زیر بحث باب میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ والد کے کہنے پر اپنی بیوی کو طلاق دے دینی چاہیے یا نہ؟ تو اس کے متعلق اصول یہ ہے کہ اگر بیوی کی طرف سے والدین کو اذیت اور ضرر ہے اور طلاق کا مطالبہ کریں تو طلاق دے دینی چاہیے اور اگر والدین کو اذیت اور ضرر نہ ہو تو پھر طلاق دینا جائز نہیں کیونکہ یہ ظلم ہے۔

زیر بحث باب کی روایت میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو اپنے بیٹے کو حکم دیا کہ اپنی بیوی کو طلاق دے دو اور پھر نبی ﷺ نے ان کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا: طلق امرتک۔ ظاہر ہے کہ اس کی کوئی معقول وجہ ہوگی کیونکہ رسول اللہ ﷺ ظلم کی تصدیق ہرگز نہیں کر سکتے۔

استراض: اگر ابن عمر رضی اللہ عنہما کے لیے اپنے والد کے حکم تعمیل ضروری تھی تو انہوں نے ابتداء طلاق دینے سے انکار کیوں کیا۔ یہاں تک کہ نبی ﷺ کو کہنے کی نوبت آئی پھر آپ نے طلاق دینے کا حکم دیا۔

جواب: ان کی ایک نظر والد کے حکم کی تعمیل پر تھی، دوسری نظر طلاق کے مبغوض ہونے پر تھی۔ تردد تھا وجہ ترجیح مخفی تھی اور سبب طلاق محبت کی وجہ سے اوجھل تھا۔ اس لیے ابتداء توقف کیا اور بعد میں نبی ﷺ کے کہنے پر طلاق دیدی۔ (اس زمانے میں اس مسئلہ میں

میری رائے یہ ہے کہ طلاق سے پہلے دارالافتاء سے ضرور رجوع کریں۔

بَاب مَا جَاءَ لَا تَسْأَلُ الْمَرْأَةُ طَلَاقَ اخْتِهَا

باب ۱۴: سوکن کا طلاق کا مطالبہ کرنا

(۱۱۱۱) لَا تَسْأَلُ الْمَرْأَةُ طَلَاقَ اخْتِهَا لِتُكْفِيَ مَا فِي إِنْاءِهَا.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ کو اس فرمان کا پتہ چلا ہے کوئی عورت اپنی بہن کی طلاق کا مطالبہ نہ کرے تاکہ اس کے حصے کے فوائد بھی حاصل کر لے۔

معاشرتی خرابیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اگر کسی کی دو یا زیادہ بیویاں ہوتی ہیں تو ہر بیوی اپنی سوکن کے خلاف شوہر کے کان بھرتی رہتی ہے، یہاں تک کہ ایک غالب آ جاتی ہے پس شوہر دوسری کو طلاق دے دیتا ہے۔ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کوئی عورت اپنی بہن کی طلاق کا مطالبہ نہ کرے۔ سوکن کو ”بہن“ جذبہ ترحم ابھارنے کے لیے کہا گیا ہے۔

باب

باب: طلاقوں کی تحدید کب عمل میں آئی؟

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّاسُ وَالرَّجُلُ يُطَلِّقُ امْرَأَتَهُ مَا شَاءَ أَنْ يُطَلِّقَهَا وَهِيَ امْرَأَتُهُ إِذَا ارْتَجَعَهَا وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ وَإِنْ طَلَّقَهَا مِائَةَ مَرَّةٍ أَوْ أَكْثَرَ حَتَّى قَالَ رَجُلٌ لِامْرَأَتِهِ وَاللَّهِ لَا أُطَلِّقُكَ فَتَبِينَيْنِ مِثْلِي وَلَا أَوِيكَ أَبَدًا قَالَتْ وَكَيْفَ ذَلِكَ قَالَ أَطَلَّقُكَ فَكُلَّمَا هَمَّتْ عِدَّتُكَ أَنْ تَنْقُضِي رَاجِعْتُكَ فَذَهَبَتْ الْمَرْأَةُ حَتَّى دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا فَأَخْبَرْتُنِيهَا فَسَكَتَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا حَتَّى جَاءَ النَّبِيُّ ﷺ فَأَخْبَرْتُهُ فَسَكَتَ النَّبِيُّ ﷺ حَتَّى نَزَلَ الْقُرْآنُ الطَّلَاقُ مَرَّتَانٍ فَاِمْسَاكِ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِجِي بِإِحْسَانٍ قَالَتْ عَائِشَةُ فَاسْتَأْنَفَ النَّاسُ الطَّلَاقَ مَسْتَقْبَلًا مَنْ كَانَ طَلَّقَ وَمَنْ لَمْ يَكُنْ طَلَّقَ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں کوئی شخص اپنی بیوی کو جتنی بار چاہتا طلاق دے دیتا اور پھر عدت کے دوران رجوع کر لیتا تو وہ اس کی بیوی رہتی۔ اگرچہ اس نے سو بار یا اس سے زیادہ مرتبہ طلاق ہی کیوں نہ دی ہوتیں۔ یہاں تک کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی سے کہا خدا کی قسم میں تمہیں بھی طلاق نہ دوں گا تاکہ تو مجھ سے جدا نہ ہو جائے لیکن اس کے باوجود تجھ سے کبھی نہیں ملوں گا۔ اس نے پوچھا وہ کیسے؟ اس نے کہا وہ اس طرح کہ میں تجھے طلاق دے دوں گا اور پھر جب تمہاری عدت پوری ہونے والی ہوگی تو میں رجوع کر لوں گا۔ وہ عورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی اور انہیں بتایا تو وہ خاموش رہیں یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور انہیں یہ واقعہ سنایا گیا لیکن نبی اکرم ﷺ بھی خاموش رہے۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ ﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ﴾

(طلاق دوہی مرتبہ ہے۔ اس کے بعد یا تو قاعدے کے مطابق رکھ لیا یا احسن طریقے سے چھوڑ دو) ابو کریب، محمد بن علاء، عبد اللہ بن ادریس سے وہ ہشام بن عروہ سے اور وہ اپنے والد سے اسی کے ہم معنی حدیث نقل کرتے ہیں لیکن اس میں حضرت عائشہؓ کا ذکر نہیں کرتے۔ یہ حدیث یعلیٰ بن شعیب کی حدیث سے اصح ہے۔

تشریح: زمانہ جاہلیت میں طلاق کی کوئی تحدید نہیں تھی، لوگ جتنی چاہتے تھے طلاقیں دیتے تھے بس شرط یہ تھی کہ عدت میں رجوع کر لے تو بیوی بچ جائے گی اور اگر عدت گزر گئی تو بیوی نکل گئی۔

زمانہ جاہلیت میں نکاح بھی تھا اور طلاق بھی اور دونوں پر عمل بھی ہوتا تھا شریعت نے ان کو مہذب بنا لیا بایں طور کہ محرمات کا بیان کیا جمع بین الاختین وغیرہا کو منع فرمایا اور چار سے زائد ازواج کو بیک وقت نکاح میں رکھنا ممنوع قرار دیا ہے گو کہ آپ ﷺ کے لیے چار سے زائد خصوصی طور پر جائز قرار دیدی اسی طرح طلاق کی کوئی حد مقرر نہ تھی۔ جیسا کہ اس حدیث میں ہے اس کے لیے بھی تعداد مقرر فرمائی تاکہ عورت کو بلا وجہ ضرر نہ پہنچایا جاسکے دو طلاق کے اندر مرد چاہے تو رجوع کر سکتا ہے لیکن عدت گزر جانے کے ساتھ یا تین کے واقع کرنے سے رجوع کا حق ختم ہو جاتا ہے۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے تحدید طلاق کی دو وجہیں بیان فرمائی ہیں:

پہلی وجہ: تین سے کثرت کا آغاز ہوتا ہے کیونکہ اقل جمع تین ہیں پس تین طلاقیں بہت ہو گئیں اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں۔ دوسری وجہ: قیاس کا مقتضی یہ تھا کہ طلاق ایک ہی ہوتی مگر چونکہ طلاق کے بعد غور و فکر اور سوچنے کی ضرورت پیش آتی ہے اور بعض لوگوں کو بیوی کی قدر و قیمت جدائی کے بعد معلوم ہوتی ہے مشہور ہے قدر نعمت بعد زوال نعمت اس لیے ایک سے زیادہ طلاقیں مشروع کی گئیں تاکہ شوہر کے لیے سوچنے کا موقع رہے، اور اصل تجربہ ایک طلاق سے ہو جاتا ہے اور دو سے اس کی تکمیل ہوتی ہے اس لیے تین کے بعد زمام اختیار ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي طَلَاقِ الْمَغْضُوبِ

باب ۱۵: مجنون کی طلاق کا حکم

(۱۱۱۲) كُلُّ طَلَاقٍ جَائِزٌ إِلَّا طَلَاقَ الْمَغْضُوبِ الْمَغْلُوبِ عَلَى عَقْلِهِ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہر طرح کی طلاق درست ہے ماسوائے اس شخص کے جو پاگل ہو اور اس کی عقل مغلوب ہو چکی ہو۔

بَابُ

باب: اسی سے متعلق باب

(۱۱۱۳) كَانَ النَّاسُ وَالرَّجُلُ يُطَلِّقُ امْرَأَتَهُ مَا شَاءَ أَنْ يُطَلِّقَهَا وَهِيَ امْرَأَتُهُ إِذَا ارْتَجَعَهَا وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ وَإِنْ طَلَّقَهَا مِائَةَ مَرَّةٍ أَوْ أَكْثَرَ حَتَّى قَالَ رَجُلٌ لِامْرَأَتِهِ وَاللَّهِ لَا أُطَلِّقُكَ فَتَعْبِدِينَ مِثِّي وَلَا أَوِيكَ أَبَدًا

قَالَتْ وَكَيْفَ ذَاكَ قَالَ أُطْلِقُكَ فِكُلَّمَا هَمَّتْ عِدَّتُكَ أَنْ تَنْقُضِي رَاجَعْتُكَ فَذَهَبَتْ الْمَرْأَةُ حَتَّى دَخَلَتْ عَلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا فَخَبَرَتْهَا فَسَكَتَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا حَتَّى جَاءَ النَّبِيُّ ﷺ فَأَخْبَرَتْهُ فَسَكَتَ النَّبِيُّ ﷺ حَتَّى نَزَلَ الْقُرْآنُ ﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ﴾ فَمَا مَسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ ﴿البقرة: ۲۲۹﴾

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں پہلے یہ ہوا کرتا تھا آدمی اپنی بیوی کو جتنی چاہتا تھا طلاق دے دیتا وہ عورت پھر بھی اس کی بیوی رہتی تھی وہ جب چاہتا تھا اس کی عدت کے دوران اس سے رجوع کر لیا کرتا تھا اگرچہ اس نے اسے سومرتبہ بھی طلاق دی ہو یا اس سے بھی زیادہ دی ہو یہاں تک کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا اللہ کی قسم نہ تو میں تمہیں طلاق دوں گا کہ تم مجھ سے الگ ہو جاؤ اور نہ ہی میں تمہیں اپنے ساتھ رکھوں گا وہ خاتون بولی وہ کیسے؟ اس آدمی نے کہا میں تمہیں طلاق دوں گا جب تمہاری عدت ختم ہونے والی ہوگی تو میں تم سے رجوع کر لیا کروں گا وہ عورت گئی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس بارے میں بتایا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خاموش رہیں یہاں تک کہ جب نبی اکرم ﷺ تشریف لائے تو آپ کو بتایا آپ ﷺ بھی خاموش رہے یہاں تک کہ قرآن کا یہ حکم نازل ہوا۔ طلاق دومرتبہ دی جائے گی پھر مناسب طریقے سے روک لویا احسان کے ساتھ الگ کر دو۔

زیر بحث باب کی روایت میں کل طلاق میں حصر حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے کیونکہ اگر اس کو حصر حقیقی پر محمول کیا جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ بچہ کی طلاق واقع ہو جائے حالانکہ ایسا نہیں۔

طلاق المعتوه: باب کی روایت میں معتوه سے مراد مجنون ہے معنی یہ ہوگا کہ مجنون کی طلاق بالاتفاق واقع نہیں ہوتی۔ اسی طرح نامم اور منعی علیہ کی طلاق بھی واقع نہیں ہوتی۔

مذاہب فقہاء: سکران کی طلاق: سکران کی طلاق کے وقوع اور عدم وقوع کے بارے میں اختلاف ہے۔

① حضرت سعید بن المسیب، حسن بصری، ابراہیم نخعی، زہری، شعبی، امام اوزاعی، سفیان ثوری اور امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہم اللہ یہ حضرات سکران کی طلاق کے وقوع کے قائل ہیں، امام شافعی رحمہ اللہ کا صحیح قول بھی اسی کے مطابق ہے، نیز امام احمد رحمہ اللہ کی بھی مرجوح روایت یہی ہے۔

② ابو الشعثاء، طاؤس، عکرمہ، قاسم، عمر بن عبد العزیز، ربیعہ، لیث، امام اسحاق اور مزنی رحمہم اللہ سکران کی طلاق کے عدم وقوع کے قائل ہیں امام احمد رحمہ اللہ کی راجح اور امام شافعی رحمہ اللہ کی مرجوح روایت بھی اسی کے مطابق ہے۔ امام طحاوی رحمہ اللہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ (ج: ۹، ص: ۳۹۱) باب الطلاق فی الاخلاق۔

اعتراض: مظاہرین معذورین اور سکران میں کوئی فرق نہیں۔ یہ کیا وجہ ہے کہ سکران کی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور مذکورہ معذورین کی طلاق واقع نہیں ہوتی؟

جواب: مجنون کے مغلوب العقل ہونے کا سبب غیر اختیاری ہے یہی حال ہے نامم وغیرہ کا بخلاف سکران کے کہ اس کے مغلوب العقل ہونے کا سبب اختیاری اور کسی ہے۔

اعتراض: مسافر اگرچہ سفر معصیت میں ہو اس کو قصر کی رخصت حاصل ہے اسی طرح سکران کا فعل اگرچہ معصیت ہے لیکن اس کو بھی عدم وقوع طلاق کی وسعت حاصل ہونی چاہیے؟

جواب: قصر کی علت سفر ہے اور وہ معصیت کی حالت میں بھی موجود ہوتا ہے جبکہ سکران کے اندر طلاق کا مدار الفاظ طلاق پر ہے اور الفاظ طلاق موجود ہیں اس لیے طلاق واقع ہو جائے گی۔

اعتراض: اگر طلاق کے وقوع کا اعتبار الفاظ طلاق پر ہے تو الفاظ طلاق نائم اور مجنون کی صورت میں بھی موجود ہیں؟
جواب: طلاق کے وقوع کا مدار اگرچہ الفاظ طلاق پر ہے لیکن یہ حکم مشروط ہے ساتھ ایک شرط کے۔ کہ الفاظ طلاق غیر مغلوب العقل سے صادر ہوئے ہوں۔ سکران اگرچہ مغلوب العقل ہے لیکن یہ غلبہ کسبی اور اختیاری ہے اس لیے یہ حکم غیر مغلوب العقل ہے بخلاف نائم وغیرہ کے کہ ان کا غلبہ اختیاری نہیں۔ اس لیے سکران کی طلاق واقع ہو جائے گی اور نائم وغیرہ کی واقع نہیں ہوگی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحَامِلِ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجَهَا تَضَعُ

باب ۱۶: حاملہ کی عدت وضع حمل ہے

(۱۱۴) وَضَعَتْ سُبَيْعَةُ بَعْدَ وَفَاةِ زَوْجِهَا بِثَلَاثَةِ وَعِشْرِينَ أَوْ خَمْسَةِ وَعِشْرِينَ يَوْمًا فَلَمَّا تَعَلَّتْ تَشَوَّفَتْ لِلنِّكَاحِ فَأَنْكَرَ عَلَيْهَا فَذَكَرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ إِنْ تَفْعَلْ فَقَدْ حَلَّ أَجْلُهَا.

ترجمہ: حضرت ابوسائل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں سبیعہ نامی خاتون نے اپنے شوہر کی وفات کے تیس دن یا بیس دن کے بعد بچے کو جنم دیا جب وہ نفاس سے پاک ہوئی تو اس نے نکاح کے لیے خود کو تیار کیا تو اس بات پر اعتراض کیا گیا اس بات کا تذکرہ آپ ﷺ سے کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر وہ چاہے تو ایسا کر سکتی ہے کیونکہ اس کی عدت پوری ہو چکی ہے۔

(۱۱۵) أَنَّ أَبَاهُرَيْرَةَ وَابْنَ عَبَّاسٍ وَأَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ تَذَاكُرُوا الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجَهَا الْحَامِلُ تَضَعُ عِنْدَ وَفَاةِ زَوْجِهَا فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ تَعْتُدُ إِخْرَآلًا جَلَيْنَ وَقَالَ أَبُو سَلَمَةَ بَلْ تَحِلُّ حِينَ تَضَعُ وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ أَنَا مَعَ ابْنِ أَبِي يَعْنِي أَبَا سَلَمَةَ فَأَرْسَلُونِي إِلَى أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ قَدْ وَضَعَتْ سُبَيْعَةُ الْأُسْلَيْبِيَّةُ بَعْدَ وَفَاةِ زَوْجِهَا بِبَيْسَرٍ فَاسْتَفْتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَهَا أَنْ تَتَزَوَّجَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عباس اور حضرت ابوسلمہ بن عبد الرحمن رضی اللہ عنہم کے درمیان اس بات پر بحث ہو گئی اگر کوئی حاملہ بیوہ عورت بچے کو جنم دے تو کیا حکم ہوگا؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ عورت وہ عدت بسر کرے گی جو بعد میں ختم ہوگی حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جیسے ہی وہ بچے کو جنم دے گی اس کی عدت ختم ہو جائے گی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اس بارے میں اپنے بھتیجے یعنی ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوں ان لوگوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو پیغام بھیجا تو انہوں نے بتایا سبیعہ رضی اللہ عنہا نامی خاتون نے اپنے شوہر کی وفات کے کچھ عرصے بعد بچے کو جنم دیا تھا اور اس خاتون نے نبی اکرم ﷺ سے اس بارے میں دریافت کیا تھا تو آپ ﷺ نے اسے یہ ہدایت کی تھی کہ وہ شادی کر سکتی ہے۔

وہ عورت جس کے شوہر کا اس حال میں انتقال ہو جائے کہ وہ حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے اور یہ اجماعی متونی عنہا زوجہا کی عدت کا بیان دو آیتوں میں مذکور ہے۔

(۱) سورۃ بقرہ کی آیت ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَكَرُّوْنَ...﴾ (البقرہ: ۲۳۴) اور سورۃ طلاق کی آیت ﴿وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ (الطلاق: ۴) ان دونوں آیتوں کی روشنی میں متونی عنہا زوجہا غیر حاملہ کی عدت متعین ہے یعنی چار مہینے دس دن اور حاملہ غیر متونی عنہا زوجہا کی عدت بھی متعین ہے یعنی وضع حمل۔ ایک صورت میں تعارض ہے اور وہ یہ ہے کہ حاملہ متونی عنہا زوجہا اس صورت میں سورۃ بقرہ کی آیت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی عدت چار مہینے دس دن ہو اور سورۃ طلاق کی آیت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی عدت وضع حمل ہو۔ اور اس صورت میں اختلاف ہے اور دو مذاہب ہیں۔

(۱) جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ اربعہ رحمہم کے نزدیک ایسی عورت کی عدت وضع حمل ہے۔

دلیل اول: باب کی روایت ہے کہ سبیحہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا حاملہ متونی عنہا زوجہا تھیں۔ ۲۳ یا ۲۵ دن بعد وضع حمل ہو گیا تو نبی ﷺ نے ان کو نکاح کرنے کی اجازت دے دی تھی اس سے معلوم ہوا کہ ایسی عورت کی عدت وضع حمل ہے۔

دلیل ثانی: باب میں سلیمان بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ، عبد اللہ بن عباس اور ابوسلمہ رضی اللہ عنہم کے درمیان حاملہ متونی عنہا زوجہا کی عدت مسئلہ زیر غور آیا۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کی عدت ابعدا الاجلین ہے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کی عدت وضع حمل ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوں پھر انہوں نے فیصلہ کے لیے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس پیغام بھیجا ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا کہ سبیحہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا کے خاوند کی وفات کے کچھ عرصہ بعد وضع حمل ہو گیا پھر اس نے نبی ﷺ سے نکاح کے بارے میں مسئلہ پوچھا تو آپ ﷺ نے نکاح کی اجازت دے دی اس سے ثابت ہوا کہ ایسی عورت کی عدت وضع حمل ہے۔

دوسرا مسلک: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک ایسی عورت کی عدت ابعدا الاجلین ہے گویا ان کے نزدیک اس تعارض کو ختم کرنے کی صورت تطبیق ہے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ سورۃ طلاق والی آیت سورۃ بقرہ والی آیت کے لیے متعارض صورت میں ناسخ ہے جبکہ مذکورہ دو صورتوں میں ناسخ نہیں کیونکہ وہ متعارض نہیں ہیں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مباہلہ کے لیے تیار ہوں اس بات پر کہ سورۃ نساء قصری یعنی سورۃ طلاق سورۃ بقرہ کی آیت کے بعد نازل ہوئی ہے اور ابعدا الاجلین کا قول اختیار کرنے کی دو وجہ ہیں۔ ایک یہ کہ ان کو سبیحہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا والی روایت نہ پہنچی تھی اور دوسری وجہ یہ تھی کہ ان کو نسخ کا علم نہ تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي عِدَّةِ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا

باب ۱۷: جس کے شوہر کا انتقال ہو جائے اس پر عدت میں سوگ لازم ہے

(۱۱۶) قَالَتْ زَيْنَبُ دَخَلْتُ عَلَى أُمِّ حَبِيبَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ حِينَ تُوُفِّيَ أَبُو هَا أَبُو سُفْيَانَ بْنِ حَرْبٍ فَدَعَتْ بِطَيْبٍ فِيهِ صُفْرَةٌ خَلَّقَ أَوْ غَيْرَهُ فَدَهَنَتْ بِهِ جَارِيَةً ثُمَّ مَسَّتْ بِعَارِضِيهَا ثُمَّ قَالَتْ وَاللَّهِ مَا لِي بِالطَّيِّبِ مِنْ

حَاجَةٌ غَيْرُ آتِي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ لَا يَحِلُّ لِمَرْأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُجِدَّ عَلَى مَتِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا.

ترجمہ: سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نبی اکرم ﷺ کی زوجہ محترمہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی جب ان کے والد ابوسفیان بن حرب کا انتقال ہوا تھا انہوں نے خوشبو منگوائی جس میں زرد رنگ موجود تھا ایک کنیز نے اس میں تیل ملایا پھر حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے وہ خوشبو اپنے رخساروں پر لگائی پھر انہوں نے بتایا اللہ کی قسم مجھے خوشبو لگانے کی ضرورت نہیں تھی لیکن میں نے آپ ﷺ سے سنا ہے اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے والی کسی بھی عورت کے لیے یہ بات جائز نہیں ہے وہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے البتہ وہ اپنے شوہر کی وفات پر چار ماہ دس دن تک سوگ کرے گی۔

(۱۱۱۷) قَالَتْ زَيْنَبُ فَدَخَلْتُ عَلَى زَيْنَبِ بِنْتِ جَحْشٍ حِينَ تُوُفِّيَ أَخُوهَا فَدَعَتْ بِطَيِّبٍ فَمَسَّتْ مِنْهُ ثُمَّ قَالَتْ وَاللَّهِ مَا لِي فِي الطَّيِّبِ مِنْ حَاجَةٍ غَيْرَ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ لَا يَحِلُّ لِمَرْأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُجِدَّ عَلَى مَتِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا.

ترجمہ: حضرت زینب رضی اللہ عنہا زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں جب ان کے بھائی کا انتقال ہوا تو انہوں نے بھی خوشبو منگوائی اور لگائی پھر وہ بولیں اللہ کی قسم مجھے اس خوشبو کی ضرورت نہیں تھی لیکن میں نے آپ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے والی کسی بھی عورت کے لیے یہ بات جائز نہیں ہے وہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے البتہ اپنے شوہر کا سوگ چار ماہ دس دن تک کرے گی۔

(۱۱۱۸) قَالَتْ زَيْنَبُ سَمِعْتُ أُمِّیْ أُمَّ سَلَمَةَ تَقُولُ جَاءَتْ امْرَأَةً إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ ابْنَتِي تُوُفِّيَ عَنْهَا زَوْجُهَا وَقَدْ اشْتَكَيْتُ عَيْنَيْهَا أَفَتَكْغُلُهَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ كُلُّ ذَلِكَ يَقُولُ لَا تُمْ قَالَ إِنَّمَا هِيَ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا وَقَدْ كَانَتْ إِحْدَا كُنَّ فِي الْجَاهِلِيَّةِ تَزِيحُ بِالْبَعْرَةِ عَلَى رَأْسِ الْحَوْلِ.

ترجمہ: حضرت زینب رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے اپنی والدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے سنا ہے ایک خاتون نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میری بیٹی کا شوہر فوت ہو چکا ہے اس کی آنکھوں میں تکلیف ہے کیا ہم اسے سرمہ لگا دیں آپ ﷺ نے فرمایا نہیں ایسا دو یا شاید تین مرتبہ ہو ہر مرتبہ آپ ﷺ نے یہی فرمایا پھر آپ ﷺ نے فرمایا یہ تو چار ماہ دس دن ہیں پہلے زمانہ جاہلیت میں کوئی عورت ایک سال گزرنے کے بعد میٹنی پھینکا کرتی تھی۔

باب کی حدیث میں عدت کا مسئلہ نہیں ہے اور اس کی ضرورت بھی نہیں ہے جب یہ مسئلہ قرآن میں صراحتاً آ گیا تو اب حدیثوں میں کیوں لائے گا؟ بلکہ اس حدیث میں احادیث یعنی سوگ کرنے کا مسئلہ ہے پس ممکن ہے باب میں احادیث کا عدہ ہو گیا ہو۔

جاننا چاہیے کہ مرد کے لیے تو سوگ کرنا قطعاً حرام ہے اس لیے کہ یہ بات مرد کے موضوع کے خلاف ہے، مرد کا روبرو کرنے والا

رزق کی تلاش میں دوڑ دھوپ کرنے والا ہے، اگر وہ سوگ کرے گا یعنی عدت میں بیٹھے گا تو زندگی کی گاڑی رک جائے گی البتہ عورتوں کے لیے سوگ کرنا جائز ہے پھر شوہر کی وفات پر چار ماہ دس دن تک سوگ کرنا واجب ہے اور شوہر کے علاوہ کوئی اور رشتہ دار وفات پا جائے تو تین دن تک سوگ کرنا جائز ہے، اس سے زیادہ سوگ کرنا جائز نہیں۔

احداد کی شرعی حیثیت کیا ہے، اور احداد کس پر ہے اور دو مذاہب ہیں:

مذاہب فقہاء: ① امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک احداد معتدۃ الوفات پر واجب ہے خواہ صغیرہ ہو یا کبیرہ، مسلمہ ہو یا کتابیہ۔

② امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک صغیرہ اور کتابیہ پر احداد واجب نہیں ہے۔

دلیل احناف: (۱) امام صاحب رحمہ اللہ کا استدلال زیر بحث باب کی روایت سے ہے: وفيه لا يحل لامرأة تؤمن بالله ان کے الفاظ سے بالغہ مؤمنہ کو خطاب کیا گیا ہے امرأۃ کے لفظ سے معلوم ہوا کہ احداد صغیرہ پر واجب نہیں تو مؤمن کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ مؤمنہ پر واجب ہے کافرہ پر واجب نہیں۔

(۲) مسلم ہی میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی روایت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے آئی ہے:

قالت كئنا ننهي ان نحد على ميت فوق ثلاث الا على زوج اربعة اشهر وعشر ولا نكتحل ولا نتطيب ولا نلبس ثوبا مصبوغا وقد رخص للمرأة في طهرها.... الخ۔

”فرماتی ہیں کہ ہمیں منع کیا کہ ہم خاوند کے علاوہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ منائیں۔ مگر خاوند پر چار ماہ دس دن اور نہ ہم سرمہ لگائیں اور نہ ہم خوشبو لگائیں اور نہ ہم رنگے ہوئے کپڑے پہنیں تحقیق عورت کو اس کے طہر میں رخصت دی ہے۔“

اس روایت میں رخصت تحریم کے مقابلہ میں ہے جس کا حاصل یہ کہ اکتال وغیرہ ناجائز ہے اور ترک زینت واجب ہے۔

(۳) مسلم ہی میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں متوفی عنہا زوجہا کے لیے اکتال کی اجازت طلب کرنے اور آپ ﷺ کے اجازت نہ دینے کا ذکر ہے جو احداد کے وجوب پر دال ہے۔

مذکورہ بالا تمام تفصیل متوفی عنہا زوجہا کے بارے میں تھی جہاں تک مطلقہ کا تعلق ہے سورجیہ کے بارے میں تو ترک حداد متفق علیہ ہے البتہ متبوتہ یعنی مطلقہ بائنہ یا مغلظہ کے بارے میں اختلاف ہے۔

مذاہب فقہاء: ① امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر بھی احداد واجب ہے، ابو ثور، ابو عبید اور حکم رحمہم کا بھی یہی مسلک ہے۔

جب کہ جمہور کے نزدیک اس پر سوگ واجب نہیں اس لیے کہ شوہر نے اس کو طلاق دیکر وحشت زدہ کر دیا فلا تا سف علیہ۔

جواب: حضرات احناف جو ابافر ماتے ہیں کہ سوگ کا وجوب نعمت نکاح کے فوت ہونے پر ہے۔

زمانہ جاہلیت میں عدت کا دستور: یہ تھا کہ بیوہ کسی تنگ و تاریک کمرے میں بدترین کپڑے پہن کر سال بھر مقید رہتی تھی اور ہر طرح کی زینت سے احتراز کرتی تھی، نہاتی تک نہیں تھی۔ پھر سال پورا ہونے پر اس کو کبوتر کے مانند کوئی پرندہ دیا جاتا تھا جس کو وہ اپنی شرمگاہ پر ملتی تھی تا آنکہ وہ پرندہ مرجاتا تھا، پھر نوکری بھر کر میٹگنیاں دی جاتیں تھیں جس کو وہ محلہ محلہ پھینکتی تھی، تب اس کی عدت پوری ہوتی تھی۔

مسئلہ: غدر کی صورت میں معتدہ رات میں سرمہ لگا سکتی ہے، اور تکلیف زیادہ ہو تو دن میں بھی لگا سکتی ہے اور آپ ﷺ نے اس

عورت کو اجازت اس لیے نہیں دی تھی کہ آپ ﷺ کے خیال میں اس عورت کا مرض اس درجہ کا نہیں تھا کہ سرمہ لگانا ضروری ہو۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْمَظَاهِرِ يُؤَاقِعُ قَبْلَ أَنْ يُكْفَرَ

باب ۱۸: ظہار کرنے والا کفارہ ادا کرنے سے پہلے صحبت کرے تو کیا حکم ہے؟

(۱۱۱۹) عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْمَظَاهِرِ يُؤَاقِعُ قَبْلَ أَنْ يُكْفَرَ قَالَ كَفَّارَةٌ وَاحِدَةٌ.

ترجمہ: حضرت سلمہ بن صخر بیاضی رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے حوالے سے ظہار کرنے والے کی بابت نقل کرتے ہیں جو کفارہ ادا کرنے سے پہلے صحبت کر لے آپ ﷺ نے فرمایا کفارہ ایک ہی ہوگا۔

تشریح: ظہار مشتق ہے ظہر سے بمعنی پیٹھ اور اصطلاح میں ظہار کی تعریف یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنی بیوی کو محرمات ابدیہ کے ساتھ تشبیہ دے یا کسی ایسے عضو کے ساتھ تشبیہ دے جس کا دیکھنا اس کے لیے حرام ہو مثلاً: انت علی کظہر احمی۔ ظہار زمانہ جاہلیت میں حرمت ابدی کا سبب تھا۔ لیکن اسلام نے اس کی حرمت ابدی کو ختم کر دیا۔ جب حضرت اوس بن صامت رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا سے ظہار کیا تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے مسئلہ ظہار کی وضاحت کے لیے سورۃ المجادلۃ نازل فرمائی۔

”قال كفارة واحدة“ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ اور جمہور کا مذہب اسی حدیث کے مطابق ہے جیسا کہ ترمذی نے نقل کیا ہے کہ کفارہ ادا کرنے سے قبل جماع کرنے کی صورت میں کفارہ ایک ہی ہوگا البتہ قبل التکفیر جماع منع ہے لہذا آدمی کو استغفار و توبہ کرنے کی ضرورت ہے جیسا کہ مرقات میں ہے۔

مسئلہ: اگر ہمیشہ کے لیے ظہار نہیں کیا کچھ مدت مقرر کر دی، جیسے یوں کہا: سال بھر کے لیے یا چار مہینے کے لیے تو میرے لیے میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے تو جتنی مدت مقرر کی ہے اتنی مدت تک ظہار رہے گا، اگر اس مدت کے اندر صحبت کرنا چاہے تو کفارہ دیوے، اور اگر اس مدت کے بعد صحبت کرے تو کچھ نہ دینا پڑے گا، عورت حلال ہو جائے گی۔ (بہشتی زیور ۴: ۵۹)

بَاب مَا جَاءَ فِي كَفَّارَةِ الظَّهَارِ

باب ۱۸: ظہار کے کفارہ کا بیان

(۱۱۱۹) عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْمَظَاهِرِ يُؤَاقِعُ قَبْلَ أَنْ يُكْفَرَ قَالَ كَفَّارَةٌ وَاحِدَةٌ.

ترجمہ: حضرت سلمہ بن صخر بیاضی رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے حوالے سے ظہار کرنے والے کی بابت نقل کرتے ہیں جو کفارہ ادا کرنے سے پہلے صحبت کر لے آپ ﷺ نے فرمایا کفارہ ایک ہی ہوگا۔

(۱۱۲۰) أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ ﷺ قَدْ ظَاهَرَ مِنْ امْرَأَتِهِ فَوَقَعَ عَلَيْهَا فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِنِّي قَدْ ظَاهَرْتُ مِنْ زَوْجَتِي فَوَقَعْتُ عَلَيْهَا قَبْلَ أَنْ أُكْفَرَ فَقَالَ وَمَا حَمَلَكَ عَلَى ذَلِكَ يَرْحَمُكَ اللَّهُ قَالَ رَأَيْتُ خُلْعًا لَهَا فِي ضَوْءِ الْقَمَرِ

قَالَ فَلَا تَقْرُبْهَا حَتَّى تَفْعَلَ مَا أَمَرَكَ اللَّهُ بِهِ.

ترجمہ: ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے اپنی بیوی کے ساتھ ظہار کیا تھا پھر اس عورت کے ساتھ صحبت کر لی تھی اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں نے اپنی بیوی کے ساتھ ظہار کیا پھر میں نے کفارہ ادا کرنے سے پہلے اس کے ساتھ صحبت بھی کر لی آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے تمہیں اس بات پر کس نے مجبور کیا؟ وہ بولا میں نے چاند کی روشنی میں اس کی پازیب دیکھ لی تھی آپ ﷺ نے فرمایا اب تم اس کے قریب نہ جانا جب تک تم وہ نہ کرو جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے (یعنی کفارہ ادا نہ کر دو)۔

(۱۱۲۱) أَنَّ سَلْمَانَ بْنَ صَخْرٍ الْأَنْصَارِيَّ أَحَدَ بَنِي بَيَاضَةَ جَعَلَ امْرَأَتَهُ عَلَيْهِ كَظْهَرِ امَةٍ حَتَّى يَمْضِيَ رَمَضَانُ فَلَمَّا مَضَى نِصْفُ رَمَضَانَ وَقَعَ عَلَيْهَا لَيْلًا فَأَتَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَعَتَقْتَ رَقَبَةً قَالَ لَا أَجِدُهَا قَالَ فَصُمُّ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ لَا أَسْتَطِيعُ قَالَ أَطْعِمُ سِتِّينَ مِسْكِينًا قَالَ لَا أَجِدُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِفَرْوَةَ بِنِ عَمْرِوٍ أَعْطِهِ ذَلِكَ الْعَرَقَ وَهُوَ مَكْتُلٌ يَأْخُذُ خُمْسَةَ عَشَرَ صَاعًا أَوْ سِتَّةَ عَشَرَ صَاعًا إِطْعَامَ سِتِّينَ مِسْكِينًا.

ترجمہ: ابو سلمہ اور محمد بن عبد الرحمن رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں بنو بیاضہ سے تعلق رکھنے والے حضرت سلمان بن صخر انصاری رضی اللہ عنہ نے رمضان گزرنے تک اپنی بیوی کو اپنی والدہ کی طرح قابل احترام قرار دیا جب نصف رمضان گزرا تو انہوں نے رات کے وقت اپنی اہلیہ کے ساتھ صحبت کر لی پھر وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کے سامنے اس بات کا تذکرہ کیا آپ ﷺ نے ان سے فرمایا تم ایک غلام آزاد کرو انہوں نے عرض کی وہ میرے پاس نہیں ہے آپ ﷺ نے فرمایا تم لگاتار دو مہینے کے روزے رکھو انہوں نے عرض کی میں اس کی استطاعت نہیں رکھتا آپ ﷺ نے فرمایا تم ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ انہوں نے عرض کی میرے پاس اس کی بھی گنجائش نہیں ہے آپ ﷺ نے فروہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کو حکم دیا اسے یہ عرق دے دو۔

کفارہ ظہار کیا ہے؟

یہ اشیاء ثلاثہ ہیں ① غلام آزاد کرنا ② دو مہینے کے متتابع کے ساتھ روزے رکھنا ③ ۶۰ مسکین کو کھانا کھلانا۔

اعتراض: کفارہ ظہار کی اشیاء ثلاثہ میں ترتیب ضروری ہے یا اختیار ہے؟

جواب: امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک ترتیب واجب ہے اس کا ثبوت بطور اشارة النص کے ہے اور امام مالک رضی اللہ عنہ کے نزدیک ترتیب ضروری نہیں بلکہ اختیار ہے۔

مسئلہ نمبر ۳: اس مسئلہ میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ اگر کفارہ ظہار میں غلام آزاد کرنا ہو یا روزے رکھنے ہوں تو کفارہ کی ادائیگی قبل اس ضروری ہے اگر درمیان میں مس ہو گیا تو اعادہ واجب ہوگا۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اطعام میں ادائیگی قبل اس ضروری ہے یا نہ اور مذاہب ہیں۔

(۱) امام شافعی رضی اللہ عنہ کے نزدیک قبل اس ادائیگی ضروری ہے وہ اس کو قیاس کرتے ہیں تحریر اور صیام پر اطعام مقیس ہے تحریر اور صیام

مقیس علیہ اور کفارہ علت ہے اور حکم ہے قبل المس ادا نیگی کا ضروری ہونا تینوں صورتوں میں۔

(۲) امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اطعام والی صورت میں قبل المس کی قید معتبر نہیں کیونکہ اصول یہ ہے کہ کتاب اللہ کا مطلق اپنے اطلاق پر رہے گا اور مقید اپنی تقید پر۔ یہاں تحریر اور صیام مقید ہیں قبل المس کی قید کے ساتھ اور اطعام مطلق ہے قیاس کے ذریعہ اس کو مقید کرنا جائز نہیں۔

مسئلہ نمبر ۴: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کفارہ ظہار کے اندر غلام کا مؤمن ہونا شرط ہے یا نہ اور دو مذاہب ہیں۔

(۱) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غلام کا مؤمن ہونا شرط ہے۔ وہ اس کو قیاس کرتے ہیں کفارہ قتل پر کہ جس طرح کفارہ قتل میں غلام کا مؤمن ہونا شرط ہے اسی طرح یہاں بھی غلام کا مؤمن ہونا شرط ہے۔

(۲) امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کفار ظہار میں غلام کا مؤمن ہونا شرط نہیں کیونکہ کتاب اللہ میں اس کے ساتھ ایمان کی قید نہیں اور کفارہ قتل میں غلام کے ساتھ ایمان کی قید مذکور ہے لہذا مطلق اپنے اطلاق پر رہے گا اور مقید اپنی تقید پر۔

مسئلہ نمبر ۵: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اطعام کی صورت میں ہر فقیر کے لیے کتنی مقدار کافی ہوگی اور دو مذاہب ہیں:

(۱) امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر فقیر کو ایک صاع کھجور یا جو یا نصف صاع گندم دینا ہوگا۔

دلیل: ابو داؤد میں سلمہ بن صخر رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے متعلق روایت ہے: وَفِيهِ فَاطْعَمَ وَسَقَا مِنْ تَمْرٍ بَيْنَ سَتَيْنِ مَسْكِينًا. اس میں تصریح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور سے ایک وسق خرچ کرنے کا حکم دیا ہے اور ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور جہاں کھجور کا ایک صاع ہوتا ہے وہاں گندم کا نصف صاع ہوتا ہے جیسے صدقہ فطر میں مذکور ہوا۔

(۲) امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اطعام کی صورت میں ہر فقیر کو ایک مد گندم دینا ہوگا۔

دلیل: زیر بحث باب کی روایت میں مذکور ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ صاع دینے کا حکم دیا اور ایک صاع میں چار مد ہوتے ہیں لہذا پندرہ صاع ساٹھ مد ہوئے اور ہر فقیر کے حصہ میں ایک مد آیا۔

جواب ①: اصل حکم تو وسق ہی کا تھا جیسے ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں مذکور ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع میں اطم ستین مسکینا فرما کر اسی کا حکم دیا تھا لیکن صحابی رضی اللہ عنہ نے جب لا اجد کہہ کر اپنی عدم استطاعت کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ موجود تھا ان کو دیدیا اس لحاظ سے ۱۵ صاع کا کافی ہو جانا ان کی خصوصیت ہے۔

جواب ②: ممکن ہے کہ یہ مقدار تصدق کے لیے دے دی گئی ہو اور باقی مقدار کو دین کے طور پر واجب فی الذمہ سمجھا گیا ہو جو وسعت ہونے پر دے دی جائے گی۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ ۱۵ صاع میں اکتفاء نہیں کیا گیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْإِيلَاءِ

باب ۲۰: إيلاء کا بیان

(۱۱۲۲) إِلَى رَسُولِ اللَّهِ مِنْ نِسَائِهِ وَحَرَمَ فَجَعَلَ الْحَرَامَ حَلَالًا وَجَعَلَ فِي الْيَمِينِ كَفَّارَةً.

تَرْجُمَتُہَا: نبی اکرم ﷺ نے اپنی ازواج کے ساتھ ایلاء کر لیا آپ ﷺ نے انہیں (اپنے لیے) حرام قرار دیا پھر آپ ﷺ نے اس حرام کو حلال کیا اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا۔

تشریح: ایلاء کا لغوی معنی ہے قسم اٹھانا اور اصطلاح میں ایلاء کی تعریف یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنی بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم اٹھالے، چار ماہ یا زیادہ کے لیے۔ ایلاء کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

- ① کہ چار ماہ سے کم کے لیے ایلاء کرے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر مدت ایلاء مکمل کر لی تو بیوی سے رجوع بھی ثابت ہو جائے گا اور کفارہ یمین بھی لازم نہیں ہوگا جیسے نبی ﷺ نے ازواج سے ایک ماہ کا ایلاء کیا تھا۔ جب انہوں نے نفقہ میں اضافہ کا مطالبہ کیا تھا اور ایک ماہ مکمل ہونے پر ایلاء ختم کر دیا تھا اگر ایک ماہ سے پہلے ایلاء ختم کر دیا تو کفارہ یمین لازم ہوگا۔
- ② یہ کہ چار ماہ یا اس سے زیادہ مدت کے لیے ایلاء کیا جائے اس کا حکم یہ ہے کہ اگر چار ماہ سے قبل ایلاء ختم کر دیا تو کفارہ یمین لازم ہوگا اور بیوی سے رجوع ثابت ہو جائے گا اور اگر چار ماہ مکمل ہو گئے اور ایلاء ختم نہ کیا تو اس صورت میں فرقت خود یا قاضی سے واقع ہو جائے گی۔

مذہب فقہاء: چار ماہ مکمل ہونے پر فرقت خود یا قضاء قاضی سے واقع ہوگی؟ اس میں اختلاف ہے اور دو مذاہب ہیں۔

- ① امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک چار ماہ مکمل ہونے سے خود بخود طلاق بائن واقع ہو جائے گی قضاء قاضی کی حاجت نہیں۔
- ② امام صاحب کا استدلال حضرات عمر، عثمان، علی، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کے آثار سے ہے۔

دلیل: ان کے نزدیک چار ماہ مکمل ہونے پر خود بخود طلاق واقع نہیں ہوگی بلکہ تفریق کے لیے قضاء قاضی کی حاجت ہے۔

دلیل: ان کا استدلال قرآن کی آیت ﴿لَّذَیْنِ یُؤْتُونَ...﴾ (البقرہ: ۲۲۶) سے ہے اس آیت میں چار ماہ گزرنے کے بعد عزم طلاق کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ محض مضیٰ مدت سے طلاق واقع نہیں ہوگی بلکہ عزم طلاق ضروری ہے۔

جواب: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر اس طرح کی ہے انقضاء الاربعۃ عزیمۃ کہ چار ماہ کا مکمل ہونا ہی عزم طلاق ہے اس کے بعد جدید عزم کی ضرورت نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْبَعَانِ

باب ۲۱: لعان کا بیان

(۱۱۲۳) سَمِعْتُ عَنِ الْمُتَلَاعِنِينَ فِي إِمَارَةِ مُصْعَبِ بْنِ الزُّبَيْرِ أَيْفَرَّقَ بَيْنَهُمَا فَمَا دَرَيْتُ مَا أَقُولُ فَقُمْتُ مَكَانِي إِلَى مَنْزِلِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ اسْتَأْذَنْتُ عَلَيْهِ فَقِيلَ لِي إِنَّهُ قَائِلٌ فَسَمِعَ كَلَامِي فَقَالَ ابْنُ جُبَيْرٍ أَدْخُلْ مَا جَاءَكَ إِلَّا حَاجَةً قَالَ فَدَخَلْتُ فَإِذَا هُوَ مُفْتَرِشٌ بَرْدَعَةٍ رَحِلٌ لَهُ فَقُلْتُ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْمُتَلَاعِنَانِ أَيْفَرَّقَ بَيْنَهُمَا فَقَالَ سُبْحَانَ اللَّهِ نَعَمْ إِنَّ أَوَّلَ مَنْ سَأَلَ عَنْ ذَلِكَ فَلَانُ بْنُ فُلَانٍ أَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ لَوْ أَنَّ أَحَدًا رَأَى إِمْرَأَتَهُ عَلَى فَاحِشَةٍ كَيْفَ يَصْنَعُ إِنْ تَكَلَّمَ تَكَلَّمَ بِأَمْرِ عَظِيمٍ وَإِنْ سَكَتَ سَكَتَ عَلَى أَمْرٍ عَظِيمٍ قَالَ فَسَكَتَ النَّبِيُّ ﷺ فَلَمْ يُجِبْهُ فَلَمَّا كَانَ بَعْدَ ذَلِكَ أَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ إِنَّ الَّذِي سَأَلَكَ عَنْهُ قَدْ ابْتُلِيَ بِهِ

فَأَنزَلَ اللَّهُ هَذِهِ الْآيَاتِ الَّتِي فِي سُورَةِ التَّوْبَةِ ﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُن لَّهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ﴾
 حَتَّى حَتَمَ الْآيَاتِ قَدْعًا الرَّجُلَ فَتَلَا الْآيَاتِ عَلَيْهِ وَوَعظُهُ وَذَكَرَهُ وَأَخْبَرَهُ أَنَّ عَذَابَ الدُّنْيَا أَهْوَنُ مِنْ عَذَابِ
 الْآخِرَةِ فَقَالَ لَا وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا كَذَبْتُ عَلَيْهَا ثُمَّ تَلَّى بِالْمِرْآةِ قَوْعَظَهَا وَذَكَرَهَا وَأَخْبَرَهَا أَنَّ عَذَابَ
 الدُّنْيَا أَهْوَنُ مِنْ عَذَابِ الْآخِرَةِ فَقَالَتْ لَا وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا صَدَقَ قَالَ قَبْدًا بِالرَّجُلِ فَشَهِدَ أَرْبَعَ
 شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ أَنَّهُ لَيْسَ الصَّادِقِينَ وَالْخَامِسَةَ أَنَّ لَعْنَةَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ثُمَّ تَلَّى بِالْمِرْآةِ قَشِيدَتِ
 أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ أَنَّهُ لَيْسَ الْكَاذِبِينَ وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ ثُمَّ فَرَّقَ بَيْنَهُمَا.

ترجمہ: سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں مجھ سے حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ کی حکومت کے دوران دولعان کرنے والوں کے
 بارے میں دریافت کیا گیا کیا ان دونوں کے درمیان علیحدگی کروادی جائے گی تو مجھے سمجھ نہیں آئی میں کیا جواب دوں؟ میں اپنی جگہ
 سے اٹھ کر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے گھر گیا جب میں نے ان کے ہاں اندر آنے کی اجازت مانگی تو مجھ سے کہا گیا وہ آرام کر رہے
 ہیں لیکن وہ میری آواز سن چکے تھے انہوں نے فرمایا ابن جبیر ہو؟ تم اندر آ جاؤ تم اس وقت کسی کام سے آئے ہو گے؟ راوی بیان
 کرتے ہیں میں آندر آیا تو وہ اس وقت اونٹ پر ڈالی جانے والی چادر بچھا کر آرام کر رہے تھے میں نے کہا اے ابو عبدالرحمن کیا لعان
 کرنے والوں کے درمیان علیحدگی کروادی جائے گی؟ انہوں نے فرمایا سبحان اللہ جی ہاں اس بارے میں سب سے پہلے منلا بن
 فلاں نے سوال کیا تھا وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کی یا رسول اللہ آپ ﷺ کا کیا خیال ہے؟ اگر ہم میں
 سے کوئی ایک شخص اپنی بیوی کو زنا کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو وہ کیا کرے؟ اگر وہ بات کرتا ہے تو وہ ایک بڑا الزام لگاتا ہے
 اور اگر وہ خاموش رہتا ہے تو وہ ایک بڑی زیادتی پر خاموش رہتا ہے راوی بیان کرتے ہیں آپ ﷺ خاموش رہے آپ ﷺ نے
 اسے کوئی جواب نہیں دیا اس کے بعد وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا میں نے آپ ﷺ سے جس چیز کے بارے
 میں دریافت کیا تھا اس میں اب مبتلا ہو گیا ہوں (راوی کہتے ہیں) تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کی تھیں جو سورۃ نور میں ہیں۔

وہ لوگ جو اپنی بیویوں پر الزام لگاتے ہیں اور ان کے پاس صرف ان کی اپنی ذات گواہ ہوتی ہے یہ پوری آیات ہیں نبی اکرم ﷺ
 نے اس شخص کو بلایا اور اس کے سامنے یہ آیت تلاوت کی تھیں آپ نے اسے وعظ و نصیحت کی اور اسے بتایا دنیا کا عذاب آخرت کے
 عذاب کے مقابلے میں زیادہ آسان ہے تو وہ بولا نہیں اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ہمراہ مبعوث کیا ہے میں نے اس عورت پر
 کوئی جھوٹا الزام نہیں لگایا ہے پھر آپ ﷺ نے اس خاتون کو بلایا اور اسے وعظ و نصیحت کی اور اسے بتایا کہ دنیا کا عذاب آخرت کے
 عذاب کے مقابلے میں زیادہ آسان ہے تو وہ بولی نہیں اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ہمراہ مبعوث کیا ہے اس نے سچ نہیں کہا۔

(۱۱۴) لَا عَنْ رَجُلٍ إِمْرَأَتَهُ وَفَرَّقَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَهُمَا وَالتَّحْقُّ الْوَلَدُ بِالْأُمِّ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک مرد نے اپنی بیوی کے ساتھ لعان کیا تو آپ ﷺ نے ان کے درمیان علیحدگی
 کروادی آپ ﷺ نے اس کے بچے کو اس کی ماں سے منسوب کر دیا۔

تشریح: لعان لعن سے ماخوذ ہے دھتکارنے اور دور کرنے کے معنی میں آتا ہے اصطلاحاً حنفیہ کے نزدیک ”الشہادات الموکدات

بالایمان“ کو کہتے ہیں جبکہ شوافع کے نزدیک ”الایمان المؤمن کدات بالشہادات“ کو کہا جاتا ہے چونکہ اس عمل میں لفظ ”لعن“ استعمال ہوتا ہے اس لیے اسے لعان کہتے ہیں۔

لعان کا مسئلہ ایلاء کے مسئلے کے برعکس ہے: یہ مسئلہ سورۃ النور آیات ۶-۹ میں تفصیل سے آیا ہے اگر کوئی مرد اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے تو گواہوں سے اس کو ثابت کرے، اور نہ کر سکے تو حکم یہ ہے کہ زوجین باہم لعان کریں یعنی چند موکد قسمیں کھائیں بایں طور کہ پہلے مرد چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر گواہی دے کہ یقیناً سچا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی پھڑکار! پھر عورت چار مرتبہ قسم کھا کر یہ گواہی دے کہ شوہر جھوٹا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر وہ سچا ہو تو اس (عورت) پر اللہ کا غضب نازل ہو۔

مذہب فقہاء: ① امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ جب لعان ہو جائے تو قاضی زوجین کے درمیان تفریق کر دے۔

② اور ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک خود بخود طلاق ہو جائے گی یعنی لعان کا مسئلہ ایلاء کے مسئلے کے برعکس ہے۔

حنفیہ کا استدلال باب کی حدیث سے ہے جو تفریق بعد للعان پر صریح ہے، شافعیہ کہتے ہیں کہ عورت کا لعان تو صرف اپنے آپ سے حد زنا دفع کرنے کے لیے ہے جبکہ اصل لعان مرد کا معتبر ہے کہ وہ اس کے ذریعہ نفی نسب ولد اور نفی فراش کرنا چاہتا ہے۔

مسئلہ نمبر ۲: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ لعان سے جو فرقت حاصل ہو اس کی شرعی حیثیت کیا ہے اور دو مذاہب ہیں۔

(۱) طرفین کے نزدیک لعان سے حاصل شدہ فرقت طلاق بائن کے حکم میں ہوگی اور جب تک لعان برقرار رہو دوبارہ نکاح صحیح نہیں اگر کوئی ایک اپنی تکذیب کر دے تو نکاح جائز ہوگا۔

دلیل: ان کا استدلال عویمر عجلانی رحمۃ اللہ علیہ کے واقعہ سے ہے: ”وفیہ فطلقھا ثلاثا قبل ان یأمرہ رسول اللہ ﷺ“ اس روایت میں مذکور ہے کہ عویمر کے طلاق دینے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس موقع پر سکوت فرمانا طلاق کو نافذ قرار دینا ہے۔ اگر وہ طلاق دینے سے انکار کرے تو قاضی بطور نیابت کے تفریق کر دے گا جو طلاق کے حکم میں ہوگی کما فی العین۔ چونکہ اس تفریق کا سبب فعل زوج ہے اس لیے یہ طلاق کے حکم میں ہوگی اور طلاق سے حرمت ابدی ثابت نہیں ہوتی۔

(۲) امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے نزدیک لعان بغیر طلاق کے حرمت ہے اور یہ حرمت ابدی ہے۔

دلیل: ان کا استدلال دارقطنی میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے ہے وفیہ المتلاعنان اذا تفرقا لا تجتمعان ابدا۔

جواب: اس روایت میں متلاعنان کا حقیقی معنی تو مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ وصف تلعان کے ساتھ موصوف ہونا حالت مباشرت میں ہوتا ہے (مباشر لعنت) لعان سے فراغت کے بعد وہ متلاعنان نہیں رہے لہذا اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ جب تک وہ صفت لعان کے ساتھ متصف ہوں ان میں اجتماع نہیں ہو سکتا لیکن جب احد الزوجین نے اپنی تکذیب کر دی تو لعان باقی نہ رہا جب لعان نہ رہا تو حرمت اجتماع بھی نہ رہی لہذا نکاح ہو سکتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنِ تَعْتَدُ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجَهَا

باب ۲۲: جس عورت کے شوہر کا انتقال ہو جائے وہ عدت کہاں گزارے؟

(۱۱۲۵) أَنَّ الْفَرِيعَةَ بِنْتُ مَالِكِ بْنِ سِدَانٍ وَهِيَ أُخْتُ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَخْبَرَتْ أَنَّهَا جَاءَتْ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ

تَسْأَلُهُ أَنْ تَرْجِعَ إِلَى أَهْلِهَا فِي بَنِي خُدْرَةَ وَإِنْ زَوْجَهَا خَرَجَ فِي طَلَبِ أَعْبِدٍ لَهُ أَبْقُوا حَتَّى إِذَا كَانَ بِطَرْفِ الْقُدُومِ لِحَقِّهِمْ فَقَتَلُوهُ قَالَتْ فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَنْ أَرْجِعَ إِلَى أَهْلِي فَإِنْ زَوْجِي لَمْ يَثْرُكْ لِي مَسْكَنًا يَمْلِكُهُ وَلَا نَفَقَةً قَالَتْ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ نَعَمْ قَالَتْ فَانْصَرَفْتُ حَتَّى إِذَا كُنْتُ فِي الْحُجْرَةِ أَوْ فِي الْمَسْجِدِ نَادَانِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَوْ أَمَرَنِي فَنُودِيَتْ لَهُ فَقَالَ كَيْفَ قُلْتُ قَالَتْ فَزِدْتُ عَلَيْهِ الْقِصَّةَ الَّتِي ذَكَرْتُ لَهُ مِنْ شَأْنِ زَوْجِي قَالَ أُمْكِي فِي بَيْتِكَ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابَ أَجَلَهُ قَالَتْ فَأَعْتَدْتُ فِيهِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا.

ترجمہ: حضرت زینب بنت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں فریہ بنت مالک بن سنان رضی اللہ عنہا جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں انہوں نے انہیں بتایا ہے وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تاکہ آپ ﷺ سے درخواست کریں کہ وہ اپنے اہل خانہ کے پاس بنو خدرہ میں چلی جائیں چونکہ ان کے شوہر اپنے چند مفرور غلاموں کی تلاش میں گئے تھے اور طرف قدوم کے پاس جب وہ ان غلاموں تک پہنچے تو غلاموں نے انہیں قتل کر دیا تھا وہ خاتون بیان کرتی ہیں میں نے آپ ﷺ سے یہ درخواست کی کہ کیا میں اپنے میکے واپس چلی جاؤں چونکہ میرے شوہر نے میرے لیے رہائش کی کوئی جگہ نہیں چھوڑی جس کے وہ مالک ہوتے اور نہ ہی خرچ چھوڑا ہے وہ خاتون کہتی ہیں آپ ﷺ نے فرمایا ہاں وہ خاتون میں وہاں سے واپس مڑی ابھی میں حجرے میں تھی یا شاید مسجد میں پہنچی تھی آپ ﷺ نے مجھے آواز دی (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) آپ ﷺ کے حکم کے تحت مجھے بلایا گیا آپ ﷺ نے دریافت کیا تم نے کیا بیان کیا تھا وہ خاتون کہتی ہیں میں نے آپ ﷺ کے سامنے پورا واقعہ دوبارہ سنایا جو میں نے اپنے شوہر کے بارے میں آپ ﷺ کے سامنے ذکر کیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا تم اپنے گھر میں ہی رہو یہاں تک کہ عدت ختم ہو جائے وہ خاتون کہتی ہیں پھر میں نے اس گھر میں چار ماہ دس دن تک عدت بسر کی وہ خاتون کہتی ہیں جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دور خلافت تھا تو انہوں نے مجھے پیغام دے کر مجھ سے اس بارے میں دریافت کیا تو میں نے انہیں اس بارے میں بتایا تو انہوں نے اس کی پیروی کی اور اس کے مطابق فیصلہ دیا۔

تمام ائمہ رحمہم اللہ متفق ہیں کہ متوفی عنہا زوجہا شوہر کے ساتھ اس کی زندگی میں جہاں رہتی تھی وہیں عدت گزارے گی اور اس کے لیے سکنی اور نان و نفقہ نہیں۔ وہ اپنا خرچہ خود برداشت کرے گی اور کھانے پینے کے لیے کچھ نہ ہو تو دن میں جا کر کما سکتی ہے اور مجبوری ہو مثلاً مکان کرائے کا ہو یا عاریت پر ہو اور مالک مکان خالی کرنے پر اصرار کرے یا کرایہ ادا کرنے کی طاقت نہ ہو یا اس جیسی کوئی مجبوری ہو تو پھر عورت میکے میں جا کر عدت گزار سکتی ہے یا جہاں ممکن ہو عدت گزارے دور اول میں اس مسئلہ میں اختلاف تھا بعض حضرات کی رائے یہ تھی کہ عورت کو اختیار ہے جہاں چاہے عدت گزارے مگر بعد میں یہ اختلاف ختم ہو گیا اب اتفاق ہے کہ شوہر کے ساتھ اس کی زندگی میں عورت جہاں رہتی تھی وہیں عدت گزارے۔



أَبْوَابُ الْبَيْعِ

لین دین کے بیان میں

بیوع: بیع کی جمع ہے اس کے مشہور معنی ہیں کہ بیچنا، خریدنا مگر یہاں عام معاملات مراد ہیں خواہ خرید و فروخت سے ان کا تعلق ہو یا دیگر معاملات ہوں سبھی ابواب البیوع ہیں اور ان ابواب کا سلسلہ دور تک چلا گیا ہے اور درمیان میں ابواب الاحکام یعنی ابواب القضاء آئے ہیں۔

عام طور پر محدثین حضرات کتاب البیوع اور کتاب الصلوٰۃ وغیرہ کا عنوان قائم کرتے ہیں اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے ابواب کا عنوان کیا قائم کیا اور آگے بھی ابواب کا عنوان قائم کریں گے تو یہ ان کی اپنی اصطلاح ہے اور لا مناقشة فی الاصطلاح۔
اشکال: بیوع بیع کی جمع ہے اور بیع مصدر ہے اور قاعدہ ہے: المصدر لا یثنی ولا یجمع؟
جواب: اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا کہ بیع ذو اقسام کثیرہ ہے بحشیۃ مختلفۃ بمجہات مختلفۃ، ثمنوں کے اعتبار سے بیع کی کئی قسمیں ہیں۔

اور عن رسول اللہ ﷺ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس باب کے اندر اصالة اور قصداً احادیث مرفوعہ کا بیان ہوگا لیکن ضمناً اور تبعاً آثار صحابہ وغیرہ کا بھی بیان ہوگا۔

فائدہ: معاملات کی درستی نہایت ضروری ہے اس پر عبادتوں کی قبولیت کا مدار ہے امام محمد رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ آپ کی فقہ میں بہت تصنیفات ہیں پس کیا آپ نے تصوف میں بھی کوئی کتاب لکھی ہے؟ امام محمد نے فرمایا: مبسوط کی کتاب البیوع میں نے تصوف میں لکھی ہے اس لیے کہ تمام عبادتوں کی قبولیت کا مدار اکل حلال پر ہے اور اکل حلال کا مدار احکام معاملات کے جاننے پر ہے۔ اس قول سے بیوع (معاملات) کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

فائدہ: کہ معاملات کے سلسلہ میں احادیث تھوڑی ہیں اور عبادات: طہارت نماز روزہ زکوٰۃ اور حج وغیرہ کے سلسلہ میں احادیث بہت ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ عبادات کو شریعت نے مشروع کیا ہے جاہلیت کے لوگ ان سے نابلد تھے۔ طہارت کا تو ان میں تصور ہی نہیں تھا اور نماز ان کی سیٹیاں اور تالیاں تھیں ﴿وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً﴾ (الانفال: ۳۵) یعنی ان کی نماز کعبہ شریف کے پاس سیٹیاں بجانا اور تالیاں بجانا ہے یہی حال دیگر عبادتوں: زکوٰۃ روزے اور حج کا تھا پس گویا ان عبادتوں کو شریعت ہی نے مشروع کیا ہے اس لیے ان کی تفصیلات ناگزیر تھیں اور معاملات دنیا میں لوگ پہلے سے کرتے چلے آ رہے تھے اس

لیے ان کی تفصیلات کی ضرورت نہیں تھی البتہ کچھ ضابطے بیان کرنے ضروری تھے اور جو معاملات بالکل حرام تھے جیسے سود، جوا، شراب وغیرہ ان کی ممانعت ضروری تھی اور جن معاملات میں دھوکا تھا ان کی وضاحت ضروری تھی چنانچہ شریعت نے ان معاملات کو حرام کیا اور باقی معاملات کو برقرار رکھا اور ان میں جو ناجائز پہلو تھے ان سے منع فرمایا۔ اس وجہ سے معاملات کی روایتیں کم ہیں، اور وہ اصولی رنگ لئے ہوئے ہیں اس لیے ان کو غور سے پڑھنا ضروری ہے یہاں ابواب البیوع کے شروع میں تمہیدی روایات ہیں پھر تفصیلی روایات آئیں گی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَرْكِ الشُّبُهَاتِ

باب ۱: مشتبہ چیزوں سے بچنے کا بیان

(۱۱۲۶) الْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَ ذَلِكَ أُمُورٌ مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَذَرِي كَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ آمِنَ الْحَلَالِ هِيَ أَمْرٌ مِّنَ الْحَرَامِ فَمَنْ تَرَكَهَا اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِزُّهُ فَقَدْ سَلِمَ وَمَنْ وَّاقَعَ شَيْئًا مِنْهَا يُوشِكُ أَنْ يُوَاقِعَ الْحَرَامَ كَمَا إِنَّهُ مَنْ يَزْغَى حَوْلَ الْحِمَى يُوشِكُ أَنْ يُوَاقِعَهُ أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى أَلَا وَإِنَّ اللَّهَ فَخَارُهُ.

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان کے درمیان کچھ امور ہیں جو مشتبہ ہیں جن کے بارے میں بہت سے لوگ یہ نہیں جانتے کہ کیا وہ حلال سے تعلق رکھتے ہیں یا وہ حرام سے تعلق رکھتے ہیں جو شخص انہیں ترک کر دے گا وہ اپنے دین اور عزت کو محفوظ کرے گا اور سلامت رہے گا لیکن جو شخص ان میں سے کسی چیز میں مبتلا ہوگا تو امکان یہی ہے وہ حرام میں مبتلا ہو جائے جیسا کہ جو شخص (سرکاری) چراگاہ کے ارد گرد (جانور) چرا رہا ہو تو اس بات کا امکان موجود ہوتا ہے وہ (یعنی اس کا جانور) اس میں داخل ہو جائے یا درکھنا ہر بادشاہ کی مخصوص چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی مخصوص چراگاہ اس کی حرام کردہ اشیاء ہیں۔

فائدہ: ابواب البیوع کا عنوان قائم کرنے کے بعد باب قائم کیا باب ترک الشبہات ترک شبہات کی اہمیت کو بتلانے کے لیے کہ یہ بہت اہم ہے حتیٰ کہ اس کو ثلث اسلام قرار دیا گیا ہے اس لیے کہ دین کے تین حصے ہیں: ① عقائد ② اعمال ③ معاملات۔ شبہات عام طور پر معاملات میں پیدا ہوتے ہیں اور معاملات ثلث دین میں ہیں اس لیے اس کو ثلث اسلام قرار دیا ہے۔

بیع کی تعریف: ”بیوع“ بیع کی جمع ہے فتح القدير میں ہے کہ اس کے معنی لغوی و شرعی ایک ہیں مبادلة المال بالمال بالتراضي. بیع کی شرائط اور حکم:

اس کی شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ عاقدین ممیز ہوں۔ دوم: یہ کہ مبیعہ مال معقوم مقدور لتسليم ہو۔ سوم: یہ کہ عاقد کو اس کی حقیقت بھی معلوم ہونی چاہیے کہ بیع کے بعد اس کی ملک ختم ہو جائے گی۔ اس کا حکم ملک ہے کہ بائع ثمن کا مالک ہو جائے گا اور مشتری مبیعہ کا۔

بیع کی انواع:

اس کی کل اقسام تو بیس سے متجاوز ہیں تاہم باعتبار بیع و ثمن کے آٹھ قسمیں ہیں چار باعتبار بیع کے اول سامان بمقابلہ سامان اس کو

مقائضہ کہتے ہیں دوم بیع العین بالدين جو مطلق بولا جائے تو مراد یہی قسم ہوتی ہے سوم اس کے برعکس یعنی بیع الدين بالعين یہ بیع سلم ہے چہارم بیع الدين بالدين اس کو صرف کہتے ہیں اور باعتبار ثمن کے چار اقسام ہیں:

① مساومہ: جس میں سابقہ قیمت کا تذکرہ نہ کیا جائے۔ ② موابحہ: جو ثمن اول سے زیادہ قیمت پردے۔ ③ تولیہ: جو ثمن اول کے مطابق ہو۔ ④ وضعیہ: جو ثمن اول سے کم میں ہو پھر ثمن وہ ہے جو عاقدین کے درمیان طے پائے اور قیمت مارکیٹ کے ریٹ کو کہا جاتا ہے۔

فائدہ: یہ حدیث نہایت اہم ہے اور ایک اصولی ہدایت اپنے جلو میں لیے ہوئے ہے امام ابو داؤد رحمہ اللہ صاحب سنن نے پانچ لاکھ حدیثوں میں سے چار ایسی حدیثوں کا انتخاب کیا ہے جو حفاظت و عدم وقبولیت کا مدار صحیح اور فاسد نیت پر ہے اور ہر ایک کو اس کے عمل کا وہی صلہ ملتا ہے جس کی اس نے نیت کی ہے مثلاً ہجرت ایک عمل ہے اگر ہجرت کرنے والے کی نیت صحیح ہے تو اس کی ہجرت مقبول ہے ورنہ اس کی ہجرت پر کوئی ثواب مرتب نہیں ہوگا۔

دوسری حدیث: من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنیه یعنی آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی باتوں سے کنارہ کش ہو جائے بے کار باتوں میں اپنا وقت ضائع نہ کرے یہی بہترین مسلمان ہے۔

تیسری حدیث: لا یكون المؤمن مومنًا حتی یرضی لأخیه ما یرضاه لنفسه یعنی آدمی صحیح معنی میں مومن اسی وقت ہوتا ہے جب وہ اپنے بھائی (مسلمان) کے لیے وہی باتیں پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

چوتھی حدیث: الحلال بین: اس حدیث میں مؤمن کا ایک خاص مزاج بنایا گیا ہے۔ مؤمن کا مزاج یہ ہونا چاہیے کہ وہ محتاط زندگی گزارے۔ فرمایا حلال واضح ہے پس اسے بے تکلف اختیار کرو اور حرام بھی واضح ہے پس اس کے قریب بھی مت جاؤ اور دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں۔ مشتبہ چیزیں کیا ہیں؟ اس کی تفصیل ادھر ادھر تلاش کرنے کی ضرورت نہیں اسی حدیث کے اگلے جملہ میں اس کی وضاحت ہے فرمایا جن کے بارے میں بہت سے لوگ نہیں جانتے کہ وہ حلال میں سے ہیں یا حرام میں سے؟ یہی مشتبہ امور ہیں۔ **فائدہ:** یہ حدیث عام ہے سارے ہی دین سے اور تمام ابواب فقہیہ سے اس کا تعلق ہے لیکن ابواب البیوع کے شروع میں خصوصی طور پر یہ حدیث اس لیے لائی گئی ہے کہ معاملات کی اہمیت واضح ہو لوگ عام طور پر مال کے حریص ہوتے ہیں ہر طرح سے ہاتھ مارتے ہیں اس لیے معاملات میں احتیاط کرنا ان کے لیے سخت دشوار ہوتا ہے پس اس حدیث کے ذریعہ تنبیہ کی کہ معاملات میں خاص طور پر آدمی کو احتیاط برتنی چاہیے۔

تشریح: الْحَلَالُ بَيْنٌ وَالْحَرَامُ بَيْنٌ وَبَيْنَ ذَلِكَ أُمُورٌ مُشْتَبِهَاتٌ. یعنی حلال چیزیں بھی واضح ہیں اور حرام اشیاء بھی ظاہر ہیں پھر یہ حل و حرمت عام ہے چاہے احد النصفین سے ہوں یا مجتہدین کے اجتہاد سے ہو و بین ذلك یعنی مذکور کے درمیان صحیحین کی روایت میں و بینہما کا لفظ ہے یعنی حلال و حرام کے درمیان امور مشتبہات ایسے امور ہیں جن میں اشتباہ و شبہ پایا جاتا ہے یہ لفظ تین طرح پڑھا جاسکتا ہے۔

① مفتعلات کے دزن پر یعنی بکسر العین کیونکہ باب افتعال متعدی الی المفعول نہیں ہوتا ہے لہذا کسرہ متعین ہوا۔

② بروزن مفعلات اس میں بھی عین مکسور ہے لیکن مشدد ہے۔

③ مفعلات دوم کی طرح لیکن عین مفتوح ہے جبکہ بعض نے باب افعال سے بھی بنایا ہے اول کے معنی ہیں جس نے حلال و حرام دونوں سے شبہ اخذ کیا ہو یعنی جب ایک جانب دیکھا جائے تو حلال لگے اور جب دوسرے جانب دیکھا جائے تو حرام لگے جبکہ دوسری قرات میں نسبت مجازی ہے کہ دونوں سے مشابہ لگیں مال سب کا ایک ہی ہے۔

شبہات: شبہۃ کی جمع ہے جیسے غرفات غرفۃ کی جمع ہے اور مراد اس سے امور مشتبہ ہیں مسلمانوں کو چاہیے وہ ان کاموں کو چھوڑ دیں جو مشتبہات ہیں۔

حلال بین: وہ ہے کہ جس میں صرف دلیل حلت ہو دلیل حرمت نہ ہو۔

حرام بین: وہ ہے کہ جس میں صرف دلیل حرمت ہو دلیل حلت نہ ہو اور امور مشتبہات کے بارے میں علماء کرام کا اختلاف ہے لیکن مشہور چار قول ہیں۔

پہلا قول: امور مشتبہات وہ امور ہیں کہ جن میں دلیل حلت بھی ہو اور دلیل حرمت بھی ہو اور ان دونوں کا آپس میں تعارض بعض کو بعض پر ترجیح نہ ہو جیسے سور حمار۔

دوسرا قول: وہ مسائل اختلافیہ بین المجتہدین ہیں کہ جن میں کسی مجتہد کے پاس کوئی نص نہ ہو اور اجماع بھی نہ ہو بلکہ ہر مجتہد کے پاس اپنا اپنا قیاس ہو۔

قول ثالث: امور مشتبہات کا مصداق مکروہات تنزیہیہ ہیں۔

چوتھا قول: بعض امور مباحہ مراد ہیں اس قول رابع پر یہ سوال ہوگا کہ حدیث پاک میں امور مشتبہات کا حکم ترک بیان کیا گیا ہے اور امور مباحہ کا حکم تو ترک نہیں ہے تو کن امور مباحہ کو مشتبہات کا مصداق قرار دیا جا رہا ہے۔

جواب: علامہ سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان امور مباحہ سے مراد مطلق امور مباحہ نہیں ہیں بلکہ وہ بعض امور مباحہ مراد ہیں کہ جن کا ارتکاب مفضی ہو مکروہات تنزیہیہ کی طرف اور مکروہات تنزیہیہ کا ارتکاب مفضی ہوتا ہے مکروہات تحریمیہ کی طرف اور مکروہات تحریمیہ یہ واجب ترک ہیں جیسا کہ حرام واجب ترک ہے باقی رائج قول اول اور قول ثانی ہے اور قول ثالث اور رابع یہ دونوں مرجوح ہیں اس لیے کہ ان میں اشتباہ کا معنی کما ینبعی نہیں پایا جاتا اول اور ثانی میں کما ینبعی پایا جاتا ہے۔

سوال: یہ ترک آیا بطور وجوب کے ہے یا بطور استحباب کے ہے؟

جواب: اجمالی بیان یہ ہے کہ بعض صورتوں میں بطور استحباب کے ہوگا اور بعض صورتوں میں بطور وجوب کے ہوگا۔

تفصیل: یہ ہے کہ یہ اشتباہ دو حال سے خالی نہیں اشتباہ غیر مجتہد کو ہوگا یا مجتہد کو ہوگا اگر اشتباہ غیر مجتہد کو ہو تو دو حال سے خالی نہیں اس کا سبب عدم معرفت فی الحکم ہے تو ترک واجب ہے اور اگر مفتیان کا اختلاف ہو بشرطیکہ مفتیان علم، تقویٰ، ورع میں برابر ہوں تو ترک بطور استحباب کے ہوگا اور اگر اشتباہ مجتہد کو ہو تو یہ بھی دو حال سے خالی نہیں اشتباہ کا سبب عدم اجتہاد ہوگا یا ادلہ کا تعارض ہوگا اگر سبب عدم اجتہاد ہے یعنی غور و فکر ہی نہیں کیا تو ترک واجب ہے اور اگر سبب تعارض ادلہ ہے تو پھر دیکھا جائے گا ادلہ اباحت کو ادلہ حرمت پر ترجیح ہوگی یا نہیں، اگر ادلہ اباحت کو ادلہ حرمت پر ترجیح ہو تو ترک مستحب ہوگا اور اگر ادلہ اباحت کو ادلہ حرمت پر ترجیح نہ ہو تو ترک واجب ہوگا اس لیے کہ حرمت کو اباحت پر ترجیح ہوتی ہے الغرض امور مشتبہ کا حکم اس صورت میں چھوڑ دینا بتایا گیا ہے خواہ بطور استحباب

کے ہو یا بطور وجوب کے ہو۔

اعتراض: ابوداؤد رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ الحلال ما احل الله والحرام ما حرم الله وما سكت عنه فهو عفو کہ وہ معافی کے درجہ میں ہے ترمذی رحمہ اللہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امور مشتبہات کا حکم ترک ہے اور ابوداؤد شریف کی روایت میں ہے کہ مسکوت عنہ کے درجے میں ہے حکم ترک نہیں ہے؟

جواب ①: ترمذی کی روایت میں امور مشتبہ کا حکم بیان ہے اور ابوداؤد کی روایت میں امور مسکوت عنہ کے حکم کا بیان ہے اور ان دونوں کے درمیان بہت بڑی خلیج حائل ہے امور مشتبہ وہ ہیں کہ جن میں دلائل حلت بھی ہوں اور دلائل حرمت بھی ہوں اور امور مسکوت عنہا وہ ہیں کہ جن میں نہ دلائل حلت نہ ہوں اور نہ دلائل حرمت ہوں۔

جواب ②: اگر تعارض کو تسلیم کر لیا جائے کہ جو امور مشتبہ ہیں وہی امور مسکوت عنہا ہیں تو پھر جواب یہ ہے کہ ترمذی شریف کی روایت میں یہ جو حکم بیان کیا گیا ہے وہ بطور عظمت کے ہے بطور تقویٰ اور ورع کے ہے اور ابوداؤد کی روایت میں جو حکم بیان کیا گیا ہے وہ رخصت کے درجے میں ہے۔ والراجح هو الاول

فائدہ: حدیث کے آخری حصہ میں تشبیہ المتعقول بالمحسوس ہے۔ زمانہ جاہلیت میں جو چوہدری ہوتے تھے وہ اپنے جانوروں کے لیے چراگاہ متعین کر لیتے تھے دوسرے کے جانور کے داخلے کو اس سے ممنوع قرار دیا جاتا تھا اگر کسی کا جانور داخل ہو جاتا تو سخت سے سخت سزا دی جاتی تھی اور بعض اوقات لڑائی چھڑ جاتی جو کافی عرصے تک رہتی اس لیے لوگ اپنے جانوروں کو چراتے ہوئے بہت احتیاط کرتے تھے اس خوف سے کہ کہیں جانور چراگاہ میں داخل نہ ہو جائیں جس طرح سردار کے عذاب سے بچنے کے لیے سرداروں کی چراگاہ کے قریب ہی نہیں چراتے تھے اسی طرح مسلمانوں کو بھی چاہیے کہ وہ امور مشتبہات سے بچیں ایسا نہ ہو کہ ان کی وجہ سے حرام تک پہنچ جائیں اور محرمات یہی اللہ کی چراگاہ ہیں جس طرح ان چراگاہوں میں پہنچنا موجب سزا ہے اس طرح اللہ کی چراگاہ یعنی محارم میں پہنچنا یہ بھی موجب سزا ہے فرق اتنا ہے کہ بادشاہوں کی چراگاہوں میں بادشاہوں کا فائدہ ہوتا ہے اور اللہ کی چراگاہ میں بندوں ہی کا فائدہ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَكْلِ الرِّبَا

باب ۲: سود کھانا

(۱۱۲۷) لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَكْلَ الرِّبَا وَمُؤْكَلَهُ وَشَاهِدِيَهُ وَكَاتِبَهُ.

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے، کھلانے والے، اس کے گواہوں اور لکھنے والوں پر لعنت بھیجی ہے۔
تشریح: آکل سے مراد لینے والا ہے خواہ پھر کھائے یا دوسرے طریقہ سے استعمال میں لائے مگر کھانا چونکہ اہم نفع ہے اس لیے اسے اکل سے تعبیر کیا اسی طرح مؤکل سے مراد دینے والا ہے گویا اول سے مراد بائع ہے اور مؤکل سے مشتری مراد ہے و شاهده و کاتبہ یہ اس لیے ملعون ہے کہ معصیت میں تعاون کرتے ہیں: قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: ﴿وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ اور حضرت مدنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ربوا میں ان سب شرکاء پر لعنت کی گئی ہے لیکن یہ مساوات نفس لعنت میں جبکہ اس کے درجات

مختلف ہیں کہ سب کی جنایت برابر نہیں لہذا سود کھانے والا سب سے زیادہ ملعون ہے اور موکل اگر نہ چاہتے ہوئے اور بچنے کی پوری کوشش کرتا ہو کوئی اور چارہ نہیں پاتا ہے تو اس کا جرم و گناہ نسبتاً خفیف ہے اسی طرح شاہدین اور کاتب بھی ہیں۔

ربو کیا ہے اور کیوں حرام ہے؟

ربو لغت میں فضل و زیادتی کو کہتے ہیں شریعت کی اصطلاح میں وہ زیادتی جو خالی عن العوض اور مشروط فی العقد ہو ربو اور سود کہلاتا ہے مثلاً ایک کلو گندم کے بدلہ ڈیڑھ کلو یا سو روپیہ قرض اس شرط پر دے کہ مقروض مقرض کو سود سے زیادہ ادا کرے گا پھر یہ شرط خواہ صراحۃً ہو یا دلالتاً مثلاً بینک سے پیسے بطور قرض وصول کرے یا گاڑی وغیرہ خریدے تو اگرچہ زبانی طور پر زیادتی کی شرط نہ لگائیں تو بھی وہ مشروط اور سود ہی ہے کیونکہ المعروف کا مشروط اور بینکوں کا نظام، اسی عرف پر چلتا ہے اس کی حرمت پر متعدد آیات واحادیث ناطق ہیں اور امت کا بھی اس کی حرمت پر اجماع ہے علاوہ ازیں یہ شریعت کے مزاج کے بھی خلاف ہے کہ شریعت مواسات اور ہمدردی پر زور دیتی ہے جبکہ سودی نظام میں غریب غریب تر ہو جاتا ہے اور امیر امیر تر نیز اس نظام میں مجبور کی مجبوری سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے جو شرعاً مذموم و قبیح ہے۔

سوال: بعض لوگ یہ اشکال کرتے ہیں کہ قرآن کریم نے صرف سود مرکب کو حرام قرار دیا ہے سود مفرد کو نہیں۔ اور قرآن کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمُوهَا ذُكِّيَتْ وَلَئِنْ لَمْ تَكُنْ تَدْرُونَ فَلَا تَكُنْ تَكُونُونَ﴾ (آل عمران: ۱۳۰) اس آیت میں ربا کے ساتھ ﴿أَمْوَالَكُمُوهَا ذُكِّيَتْ﴾ کی قید لگی ہوئی ہے اور نہ قید پر داخل ہوئی ہے لہذا صرف وہ ربا ممنوع ہے جس میں سود کی رقم راس المال سے کم از کم دو گنی ہو جائے لیکن یہ استدلال درست نہیں کیونکہ ﴿أَمْوَالَكُمُوهَا ذُكِّيَتْ﴾ کی قید باجماع امت احترازی نہیں بلکہ اتفاقی ہے اور یہ قید بالکل ایسی ہے جیسے قرآن کریم کی دوسری آیت میں فرمایا: ﴿وَلَا تَتَّبِعُوا الْيَهُودَ بِأَفْكِهِمْ فَإِنْ كَانُوا مِنْكُمْ يَتَّبِعُوا الْيَهُودَ فَأُولَٰئِكَ عَدُوُّكُمْ﴾ (البقرہ: ۱۷۵) اس آیت میں اگرچہ ثمن قلیل کی قید لگی ہوئی ہے لیکن کوئی بھی عقل مند انسان اس آیت کا مطلب یہ نہیں لیتا کہ آیات قرآنی کو ثمن قلیل کے ساتھ فروخت کرنا تو جائز نہیں لیکن ثمن کثیر کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ (البقرہ: ۲۷۸) اس آیت میں لفظ ما عام ہے جو ربا کی ہر قلیل اور کثیر مقدار کو شامل ہے۔

② خطبہ حجتہ الوداع کے موقع پر حضور ﷺ نے یہ اعلان کیا کہ:

الربو موضوع کلہ واول ربو اضعفه ربو العباس بن عبد المطلب فانہ موضوع کلہ۔

”سود سارا کا سارا چھوڑ دیا گیا اور پہلا سود جو چھوڑ دیا گیا وہ عباس رضی اللہ عنہ کا سود ہے بیشک وہ سارا کا سارا چھوڑ دیا گیا۔“

اس حدیث میں لفظ کلہ ہر مقدار ربا کی حرمت پر صریح ہے۔

③ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: کل قرض جر نفعاً فهو ربو۔ اس حدیث میں

لفظ ”نفعاً“ اس بات پر دال ہے کہ نفع کی ہر مقدار حرام ہے۔

اعلان جنگ:

حرمت ربا کی آیات قطعی الدلالت ہیں اور ربا کا معاملہ کرنے والوں کے بارے میں جو شدید وعید قرآن کریم میں آئی ہے ایسی شدید وعید شاید کسی دوسرے گناہ پر نہیں آئی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ ٢٤٨ (البقرة: ۲۷۹-۲۸۰)

سود کے جواز پر استدلال: سود کے جواز کے قائلین قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ:

﴿وَاحَلَ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ (البقرة: ۲۷۵)

اس آیت میں لفظ الربوا معرف باللام ہے اور الف لام میں اصل یہ ہے کہ وہ عہد کے لیے ہو لہذا لفظ ربا سے وہ مخصوص ربا مراد ہوگا جو زمانہ جاہلیت میں اور حضور ﷺ کے ابتدائی دور میں رائج تھا اور اس زمانے میں صرف صرفی قرض اور اس پر سود لینے کا رواج تھا تجارتی قرض اور اس پر سود لینے کا رواج نہیں تھا اور جو چیز اس زمانے میں رائج ہی نہیں تھی قرآن کریم اس کو کیسے حرام قرار دے سکتا ہے؟ لہذا حرمت سود کا اطلاق صرف صرفی قرض پر لیے جانے والے سود پر ہوگا تجارتی قرض پر لیے جانے والے سود پر نہیں ہوگا۔

جواب: فقہاء امت کا اس پر اتفاق ہے کہ قیامت کے دن تک مذکورہ تعریف ربوا کے تحت جتنی اقسام داخل ہوں گی سب حرام ہیں علاوہ ازیں یہ بات بذات خود بھی غلط ہے کہ اس میں الف لام عہد کے لیے ہے کیونکہ معہود پھر کیا چیز ہے آیا فرد ہے جو زید عمر کے درمیان ہے یا وہ جنس ہے جو عہد پاک میں پائی جانی تھی اگر فرد و شخص ہے تو یہ صراحۃً غلط و باطل ہے کہ ایک شخص کا سود حرام کر دیا گیا ہو اور باقی کا جائز اور اگر جنس ہو تو اسے عہد کہنا کیسے صحیح ہوا؟

لہذا اس آیت ربوا میں بھی لفظ ربوا مصدر ہونے کی وجہ سے معہود پر محمول نہیں کیا جاسکتا علاوہ ازیں منصوص علیہ میں حکم ذات اور حقیقت پر لگتا ہے جس میں تمام افراد بلا استثناء داخل ہوتے ہیں۔ لہذا جہاں وہ حقیقت پائی جائے گی وہاں وہ حکم آجائے گا۔

مثلاً شراب کو لے لیں جس زمانے میں شراب حرام ہوئی اس زمانے میں اس زمانے کے لوگ اپنے گھروں میں انگور کا شیرہ اپنے ہاتھوں سے نکال کر اس کو سڑا کر شراب بناتے تھے لہذا اب موجودہ دور میں کوئی شخص یہ کہنے لگے کہ چونکہ اس زمانے میں لوگ اپنے ہاتھوں سے اپنے گھروں میں شراب بناتے تھے اور اس میں حفظان صحت کے اصولوں کا لحاظ نہیں رکھا جاتا تھا اس لیے شراب حرام قرار دیدی گئی تھی اب چونکہ موجودہ دور میں شاندار مشینوں کے ذریعہ حفظان صحت کے تمام اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے بڑی صفائی ستھرائی کے ساتھ شراب بنائی جاتی ہے اس لیے شراب کی حرمت کا اطلاق موجودہ دور کی شراب پر نہیں ہوگا۔ ظاہر ہے کہ یہ استدلال بالکل غلط ہے۔

حضور ﷺ کے زمانے میں تجارتی سود موجود تھا چنانچہ قرآن کریم میں یہ جو آیت ہے: ﴿لَا يُلْفِ قُرَيْشٌ ۖ الْفِطْرُ رَحْلَةً الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ﴾ (القریش: ۲۱) اس آیت میں گرمیوں اور سردیوں کے جن سفروں کا ذکر ہے اس سے مراد یہی تجارتی قافلے ہیں جو سردیوں میں یمن کی طرف اور گرمیوں میں شام کی طرف سفر کیا کرتے تھے۔ اور ان کا یہ کام ہوتا تھا کہ یہاں مکہ مکرمہ سے سامان لے جا کر وہاں فروخت کر دیتے تھے اور وہاں سے سامان تجارت لا کر مکہ مکرمہ میں فروخت کر دیتے۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ جس تجارتی قافلے کے ساتھ شام سے مکہ مکرمہ آ رہے تھے اس قافلے کے بارے میں محدثین اور اصحاب السیر نے لکھا ہے کہ لحد یبقی قریشی ولا قریشیة عنده درہمالا وبعث بہ فی البعیر۔ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور ﷺ نے جب سود کی حرمت کا

اعلان فرمایا تو اس وقت آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا: وربوا الجاهلیة موضوع واول ربوا اضعه ربوا العباس بن عبدالمطلب فانہ موضوع کلمہ۔ یعنی آج کے دن جاہلیت کا سود چھوڑ دیا گیا اور سب سے پہلا سود جو میں چھوڑتا ہوں وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا سود ہے وہ سب کا سب ختم کر دیا گیا چونکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ لوگوں کو سود پر قرض دیا کرتے تھے اس لیے آپ نے فرمایا کہ میں آج کے دن ان کا وہ سود جو دوسرے لوگوں کے ذمہ ہے وہ ختم کرتا ہوں۔ روایات میں آتا ہے کہ وہ سود دس ہزار مثقال سونا تھا اور ایک مثقال تقریباً ۴ ماشے کا ہوتا ہے اور یہ دس ہزار مثقال سونا کوئی سرمایہ اور اس المال نہیں تھا بلکہ یہ وہ سود تھا جو اصل رقم پر واجب ہوا تھا اس سے اندازہ لگائے کہ وہ قرض جس پر دس ہزار مثقال سونے کا سود لگ گیا ہو کیا وہ صرف کھانے پینے کی ضرورت پوری کرنے کے لیے لیا گیا تھا؟ ظاہر ہے کہ وہ قرض تجارت کی غرض سے لیا گیا ہوگا۔

علت اور حکمت میں فرق: اس دلیل کے اندر چند مغالطے ہیں: پہلا مغالطہ یہ ہے کہ اس دلیل میں ظلم کو ربا کی حرمت کے لیے علت قرار دیا ہے حالانکہ ظلم دور کرنا ربا کی حرمت کی علت نہیں ہے بلکہ اس کی حکمت ہے اور حکم کا دار و مدار علت پر ہوتا ہے حکمت پر نہیں ہوتا۔ اس کی سادہ سی مثال یہ سمجھئے کہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ سڑکوں پر سنگل ہوتے ہیں اس میں تین رنگ کی بتیاں ہوتی ہیں۔ جس وقت سرخ بتی جل رہی ہو اس وقت حکم یہ ہے کہ رک جاؤ اور جس وقت سبز بتی جلے اس وقت چل پڑو اور سنگل کا یہ نظام اس لیے قائم کیا گیا ہے تاکہ اس کے ذریعہ ٹریفک میں نظم و ضبط قائم کیا جائے اور حادثات کی روک تھام کی جائے اور تصادم کا خطرہ کم سے کم کیا جائے اس میں یہ جو کہا گیا کہ سرخ بتی پر رک جاؤ یہ حکم ہے اور سرخ بتی اس حکم کی علت ہے اور اس کے ذریعے حادثات کی روک تھام اس حکم کی حکمت ہے اب ایک شخص رات کے بارہ بجے گاڑی چلاتا ہوا سنگل کے پاس پہنچا تو سرخ بتی جل رہی تھی لیکن چاروں طرف سے کوئی گاڑی اور ٹریفک نہیں آ رہی تھی اور تصادم اور حادثے کا کوئی خطرہ نہیں تھا اس وقت میں اگرچہ اس حکم کی حکمت نہیں پائی جارہی تھی لیکن پھر بھی اس ڈرائیور کے لیے گاڑی روکنا ضروری ہے اس لیے کہ رکنے کے حکم کی جو علت ہے یعنی سرخ بتی کا جلنا وہ پائی جارہی ہے لہذا اگر وہ نہیں رکے گا تو قانون کی خلاف ورزی کے جرم میں پکڑا جائے گا۔

حضور ﷺ نے فرمایا: ان الربوا بضع وسبعون شعبۃ ادناھا کالذی یقع علی امہ یعنی ربا کے ستر سے زیادہ شعبے ہیں اور اس کا ادنیٰ ترین شعبہ ایسا ہے جیسے اپنی ماں سے زنا کرنا العیاذ باللہ لہذا یہ کہنا کہ تجارتی سود میں ظلم نہیں یہ بالکل غلط ہے اس سے زیادہ ظلم اور کیا ہو سکتا ہے کہ اجتماعی طور پر پوری قوم کو معاشی بد حالی کے اندر مبتلا کیا جا رہا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّغْلِيظِ فِي الْكَذْبِ وَالزُّورِ وَنَحْوِهِ

باب ۳: جھوٹ اور جھوٹی گواہی کی مذمت

(۱۱۲۸) قَالَ النَّبِيُّ ﷺ بِاللَّهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَقَوْلُ الزُّورِ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا کبیرہ گناہوں کے بارے میں یہ فرمان نقل کرتے ہیں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانا والدین کی نافرمانی کرنا کسی شخص کو قتل کرنا اور جھوٹی گواہی دینا (کبیرہ گناہوں میں شامل ہیں)۔

تشریح: ترجمۃ الباب میں زور کا اضافہ کذب کے بعد یا اشارہ الی الترادف کے لیے ہے اس صورت میں کذب پر عطف یہ عطف تفسیری جیسا کہ یہ ایک قول ہے یا پھر دونوں میں فرق بتلانے کے لیے جیسا کہ دوسرا قول ہے یہ ہے کہ دونوں میں تغایر ہے کہ خلاف واقعہ خبر دینا کذب ہے اور اس کو مدلل بالادلة کرنا یہ زور ہے تو عطف الغیر علی الغیر کے قبیل سے ہوگا۔

تیسرا قول: یہ ہے کہ زور اس کو کہتے ہیں کہ جب مبیعہ کی طرف لوگوں کا میلان نہ ہو تو بڑھا چڑھا کر مبیعہ کی صفات کو بیان کرنا یہ زور ہے اور عام طور پر مفہمی ہو جاتا ہے جھوٹ اور کذب کی طرف اس لیے قول زور سے منع کیا مفہمی الی الکذب ہونے کی وجہ سے جب قول زور سے منع ہوا تو کذب سے بطریق اولی منع ہوگا علیٰ ہذا کذب وہ جھوٹ ہے جو خلاف واقعہ ہو اور اس میں تزیین نہ ہو جبکہ زور میں دونوں ہوتے ہیں۔

معاملات میں کذب بیانی:

چونکہ عمومی طور پر معاملات میں کذب بیانی ہوتی ہے چنانچہ ایسی احادیث لا رہے ہیں جو دال ہیں اس بات پر کہ معاملات میں بھی کذب بیانی سے بچنا چاہیے چنانچہ حدیث ذکر کی کہ نبی کریم ﷺ سے کبار کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ من جملہ کبار میں سے شرک باللہ ہے عقوق الوالدین ہے قتل نفس ہے اور قول الزور ہے۔

عقوق الوالدین: یہ ہے کہ والدین سے قطع رحمی کرنا یا مطلب یہ ہے کہ ایسے امور میں والدین کی مخالفت کرنا جو امور معصیہ کے قبیل سے نہ ہوں اس لیے کہ اگر معصیت ہوں تو مخالفت جائز ہے۔ والدین کو ایسی ایذا پہنچانا جو عمومی طور پر والدین اولاد کی طرف سے برداشت نہیں کرتے اگرچہ دوسروں کے اعتبار سے معمولی ہی کیوں نہ ہو۔

قتل نفس سے مراد نفس معصومہ اور ناحق قتل کرنا ہے اگر رحم کی صورت میں قتل کر رہا ہے یا قصاص قتل کر رہا ہے یہ گناہ کبیرہ نہیں ہے۔
”فی الکبار“ بخاری ۱ صحیح بخاری ص: ۳۲ ج: ۱ باب ما قیل فی شہادۃ الزور، صحیح مسلم ص: ۴ ج: ۱ باب الکبائر و اکبرہا کتاب الایمان میں ہے کہ آپ ﷺ سے کبار کے بارے میں سوال ہوا تھا پھر مذکور فی الحدیث فقط بعض کبار ہیں ورنہ ان کی تعداد زیادہ ہے حتیٰ کہ بعض حضرات نے ان پر مستقل کتابیں لکھی ہیں جیسے کتاب الکبائر للذہبی وغیرہ شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان کی تعداد سات سو میں مروی ہے وصنف ابن حجر الحمکی فی الکبار رسالۃ۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّجَارِ وَتَسْمِيَةِ النَّبِيِّ ﷺ إِيَّاهُمْ

باب ۴: تاجروں کا نبی ﷺ کو ”تجار“ کا خطاب دینا

(۱۱۲۹) قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَنَحْنُ نُسَمِّي السَّيَّسَةَ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ التَّجَارِ إِنَّ الشَّيْطَانَ وَالْإِثْمَ يَحْضُرَانِ الْبَيْعَ فَشُوبُوا بَيْعَكُمْ بِالصَّدَقَةِ.

ترجمہ: حضرت قیس بن ابو غرزہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے پہلے ہمارا نام ساسرہ تھا نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تاجروں کے گروہ بے شک شیطان گناہ سودے میں موجود ہوتے ہیں تو تم اپنے سودے کو صدقہ کے

ساتھ ملا دیا کرو۔

(۱۱۳۰) اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِيْنُ مَعَ النَّبِيِّينَ وَالصَّدِيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں سچا اور امانت دار تاجر (قیامت کے دن) انبیاء صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔

(۱۱۳۱) اَنَّهُ خَرَجَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ اِلَى الْبَصْلِ فَرَأَى النَّاسَ يَتَبَايَعُوْنَ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ التُّجَارِ فَاسْتَجَابُوا لِرُسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَرَفَعُوا اَعْنَاقَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ اِلَيْهِ فَقَالَ اِنَّ التُّجَارَ يُبْعَثُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُجَارًا اِلَّا مَنْ اتَّقَى اللّٰهَ وَبَرَّ وَصَدَقَ.

ترجمہ: اسماعیل بن عبید اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں وہ نبی کریم ﷺ کے ہمراہ عید گاہ کی طرف روانہ ہوئے تو نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو خرید و فروخت کرتے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے تاجروں کے گروہ! وہ لوگ نبی اکرم ﷺ کی طرف متوجہ ہوئے انہوں نے اپنی گردنیں اٹھائیں اور آپ ﷺ کی طرف دیکھنے لگے آپ نے ارشاد فرمایا بے شک تاجروں کو قیامت کے دن نافرمان لوگوں کے طور پر زندہ کیا جائے گا ماسوائے اس شخص کے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے نیکی کرے اور سچ بولے۔

تشریح: السامرة یہ سمسار بالکسر کی جمع ہے مالک محافظ کو بھی کہتے ہیں یہ لفظ اصل میں عجمی ہے چونکہ تجارت کا دستور عجمیوں میں زیادہ تھا اس لیے عربوں میں بھی یہ عجمی لفظ شائع ہوا تھا لیکن فی نفسہ یہ لفظ اچھا نہیں ہے جبکہ اسلام میں اچھے ناموں سے یاد کرنے اور پکارنے کا حکم ہے اس لیے آپ ﷺ نے اسے عربی کی طرف منتقل فرمایا یا معشر التجار۔

اور حضور ﷺ نے دلائل کے بجائے تجارت کا لفظ استعمال کر کے اس طرف اشارہ فرمادیا خطاب کرنے میں ایسے الفاظ استعمال کرے جس سے اس کی عزت ہو۔

اس حدیث سے ایک فقہی مسئلہ یہ نکلتا ہے کہ دلالی کا پیشہ اختیار کرنا اور اس پر اجرت لینا جائز ہے اس لیے کہ یہ صحابی رضی اللہ عنہ جن سے حضور ﷺ مخاطب ہوئے دلالی کا پیشہ اختیار کئے ہوئے تھے اور حضور ﷺ نے ان کو بیع کے ساتھ صدقہ کرنے کی ترغیب تو دی لیکن ان سے یہ نہیں فرمایا کہ تم اس پیشے کو چھوڑ دو۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے:

والبیاع والسمسار یجبران علی التقاضی لائمہما یعملان بأجرة عادة. (باب المضارب لیضارب فصل

فی العزل والقسمة). (۲۲۰ جلد ثالث)

”یعنی دلال کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ پیسوں کا مطالبہ کریں کیونکہ وہ عموماً اجرت پر ہی کام کرتے ہیں۔“

فائدہ: جس تاجر میں دو خوبیاں ہوتی ہیں سچائی اور امانت داری اس کو مرتبہ میں انبیاء صدیقین اور شہداء کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے ان کے ساتھ حشر ہونے کا یہی مطلب ہے جیسے وہ شخص جو اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جنگ کرتے ہوئے مارا گیا ہو وہ حقیقی شہید ہے اور بہت

سے لوگ اس کے ساتھ ملحق ہیں جن کی تعداد پچاس سے زائد ہے اور یہ الحاق ہی ان کی فضیلت ہے شہید فی سبیل اللہ کے تمام فضائل ان کے لیے ثابت نہیں کیے جائیں گے یہ الحاق ہی اس کے لیے فضیلت ہے۔

فائدہ: صدوق و امین تاجر کو انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ لاحق کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ تجارت میں جھوٹ اور خیانت سے بالکل احتراز کرنا اور ہمیشہ سچائی اور مانت داری برتنا نہایت دشوار کام ہے مگر ناممکن نہیں پس ہر تاجر کو یہ دو خوبیاں اپنے اندر پیدا کرنے کی حتی الامکان کوشش کرنی چاہیے تاکہ کائنات کی عظیم المرتبت ہستیوں کے ساتھ اس کا حشر ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ حَلَفَ عَلَى سِلْعَةٍ كَاذِبًا

باب ۵: کسی سامان کے بارے میں جھوٹی قسم کھانا

(۱۱۳۲) ثَلَاثَةٌ لَا يَنْظُرُ اللَّهُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ قُلْنَا مَنْ هُمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَقَدْ خَابُوا وَخَسِرُوا أَفْقَالُ الْمَنَانِ وَالْمُسْبِلُ أَرَاكَ وَالْمُنْفِقُ سِلْعَتُهُ بِالْحَلْفِ الْكَاذِبِ.

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں تین طرح کے لوگوں کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نظر رحمت نہیں کرے گا اور ان کا تزکیہ نہیں کرے گا اور ان لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہوگا میں نے عرض کی وہ کون لوگ ہیں؟ یا رسول اللہ ﷺ وہ تو برباد ہو گئے اور خسارے کا شکار ہو گئے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا احسان جتانے والا، تہبند کوٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا اور جھوٹی قسم اٹھا کر سودا بیچنے والا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّكْبِيرِ بِالتِّجَارَةِ

باب ۶: صبح سویرے کاروبار شروع کرنا

(۱۱۳۳) اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِيْ فِيْ بُكُوْرِيْهَا قَالَ وَكَانَ اِذَا بَعَثَتْ سَرِيَّةً اَوْ جَيْشًا بَعَثَهُمْ اَوَّلَ النَّهَارِ وَكَانَ حَضَرٌ رَّجُلًا تَاجِرًا وَكَانَ اِذَا بَعَثَتْ تِجَارَةً بَعَثَهُمْ اَوَّلَ النَّهَارِ فَاتُّرَى وَكَثُرَ مَالُهُ.

ترجمہ: حضرت صخر غامدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے اے اللہ میری امت کے صبح کے کاموں میں برکت عطا فرما۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دن کا شروع حصہ برکت والا ہے اس وقت کاروبار کرنا تجارت یا جہاد کے لیے سفر کرنا مطالعہ کرنا یا کوئی اور کام کرنا برکت کا باعث ہوتا ہے لیکن اب ساری دُنیا میں غیروں کا نظام الاوقات چل رہا ہے اسی کے مطابق کاروبار ہوتا ہے۔

پھر فجر کے بعد سونا رزق سے محرومی ہے نبی ﷺ نے فرمایا ہے نوم الصبحۃ یمنع الرزق فجر کے بعد سونے سے روزی کم

ہو جاتی ہے۔ (رواہ احمد ترغیب ۲: ۵۳۰) پس دس بجے تک قوت عمل ختم ہو جاتی ہے سعودیہ میں اسلامی نظام الاوقات ہے وہاں فجر کے بعد فوراً کاروبار شروع ہوتا ہے اور دوپہر میں دوکانیں اور آفس بند ہو جاتے ہیں لوگ کھانے اور نماز سے فارغ ہو کر قیلولہ کرتے ہیں وہاں کسی کے لیے کوئی دشواری نہیں۔

اللہم بارک لامتی فی بکودھا: ”بک“ مادہ میں ابتداء کے معنی پائے جاتے ہیں باکورہ اس پھل کو کہتے ہیں جو بیج میں سب سے پہلے پک جائے باکرہ لڑکی میں بھی یہی مفہوم مرعی ہے یہاں صبح سویرے کا وقت مراد ہے چونکہ اس وقت گناہ کم ہوتے ہیں اس لیے اس میں برکت کی توقع زیادہ ہوتی ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي الشِّرَاءِ إِلَى أَجَلٍ

باب ۷: ادھار خریدنا جائز ہے

(۱۱۳۴) كَانَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ثَوْبَانِ قَطْرِيَانِ عَلِيَّيْطَانِ فَكَانَ إِذَا قَعَدَ فَعَرَقَ ثِقْلًا عَلَيْهِ فَقَدِمَ بَرٌّ مِنَ الشَّامِ لِفُلَانٍ الْيَهُودِيِّ فَقُلْتُ لَوْ بَعَثْتُ إِلَيْهِ فَاشْتَرَيْتُ مِنْهُ ثَوْبَيْنِ إِلَى الْمَيْسِرَةِ فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ فَقَالَ قَدْ عَلِمْتُ مَا يُرِيدُ إِنَّمَا يُرِيدُ أَنْ يَذْهَبَ بِمَالِي أَوْ يَدَّرَ أَهْبِي فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ كَذَبَ قَدْ عَلِمَ إِنِّي مِنْ أَتْقَاهُمْ وَأَذَاهُمْ لِلْأَمَانَةِ.

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے جسم مبارک پر قطر کے بنے ہوئے دو موٹے کپڑے تھے۔ جب آپ ﷺ بیٹھتے اور پسینہ آتا تو یہ آپ کی طبیعت پر گراں گزرتے۔ اسی اثنا میں ایک یہودی کے پاس شام سے قیمتی کپڑا آیا میں نے عرض کیا کہ آپ ﷺ کسی کو بھیجیں کہ وہ آپ ﷺ کے لئے اس سے دو کپڑے خرید لائے۔ جب ہمیں سہولت ہوگی ہم ان کی قیمت ادا کر دیں گے۔ آپ نے ایک شخص کو بھیجا۔ تو اس نے جواب دیا کہ جانتا ہوں کہ آپ چاہتے ہیں کہ میرا کپڑا اور پیسے دونوں چیزوں پر قبضہ کر لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ جھوٹا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ میں ان سب سے زیادہ پرہیزگار بھی ہوں اور امانت دار بھی۔

(۱۱۳۵) تُوِّفِيَ النَّبِيُّ ﷺ وَدِرْعُهُ مَرْهُونَةٌ بِعِشْرِينَ صَاعًا مِنْ طَعَامٍ أَخَذَهُ لِأَهْلِهِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں جب نبی کریم ﷺ کا وصال ہوا تو آپ کی زرہ بیس صاع اناج کے عوض میں رہن رکھی ہوئی تھی جو اناج آپ نے اپنے گھر والوں کے لیے لیا تھا۔

(۱۱۳۶) مَشَيْتُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ بِحُبْزِ شَعِيرٍ وَاهَالَةٍ سِنْخَةٍ وَلَقَدْ رُهِنَ لَهُ دِرْعٌ عِنْدَ يَهُودِيٍّ بِعِشْرِينَ صَاعًا مِنْ طَعَامٍ أَخَذَهُ لِأَهْلِهِ وَلَقَدْ سَمِعْتُهُ ذَاتَ يَوْمٍ يَقُولُ مَا أَمْسَى فِي آلِ مُحَمَّدٍ ﷺ صَاعٌ تَمْرٍ وَلَا صَاعٌ حَبٍّ وَإِنَّ عِنْدَهُ يَوْمَئِذٍ لِيَتَسَحَّ نِسْوَةٌ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں جو کی روٹی اور باسی چربی لے کر حاضر ہوا آپ کی زرہ ایک

یہودی کے پاس بیس صاع اناج کے عوض میں رہن رکھی ہوئی تھی جس اناج کو آپ نے اپنی ازواج کے لیے حاصل کیا تھا ایک دن میں نے آپ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا شام کے وقت محمد کے گھر والوں کے پاس کھجور کا ایک صاع بھی نہیں تھا اور اناج کا ایک صاع بھی نہیں تھا۔
تشریح: ادھار خریدنا بالاتفاق جائز ہے اور ادھار کی وجہ سے قیمت بڑھانا بھی بالاجماع جائز ہے مثلاً ایک کتاب نقد دس روپے کی ہے اور کوئی ادھار خریدے اور بائع بارہ روپے کی دے تو یہ جائز ہے اگرچہ یہ سود کے مشابہ ہے البتہ ادھار میں ثمن کی ادائیگی کا وقت مقرر کرنا ضروری ہے اور اس مقررہ وقت سے پہلے بائع ثمن طلب نہیں کر سکتا اس طرح جو چیز قسطوں پر خریدی جاتی ہے وہ بھی شرائی الاجل (ادھار) ہے اس میں بھی مقررہ وقت پر مقررہ قسط ہی کا بائع مطالبہ کر سکتا ہے اس سے پہلے اور اس سے زیادہ کا مطالبہ نہیں کر سکتا اور اس طرح خریدنا کہ مشتری کہے ابھی میرے پاس پیسے نہیں جب آئیں گے دے دوں گا یا کہے بعد میں دیدوں گا یہ نقد خریدنا ہے اس صورت میں بائع کو ہر وقت قیمت طلب کرنے کا حق ہے وہ جب تک چشم پوشی کرے اس کا احسان ہے اسی طرح کسی نے دو ماہ کے وعدہ پر قرض لیا تو قرض دینے والا ہر وقت قرض کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے کیونکہ قرض میں ادھار نہیں ہوتا اور جو دو ماہ کی مدت مقرر کی گئی ہے وہ محض وعدہ اور احسان ہے اس کی وجہ سے قرض ادھار نہیں ہو جاتا البتہ دو ماہ یا اس سے بھی زیادہ مدت تک قرض دینے والا چشم پوشی کرے اور قرض طلب نہ کرے تو یہ اس کا احسان ہے جبکہ حدیث باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے قیمت کی ادائیگی کے وقت کے لیے میسرہ کا لفظ استعمال فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ قیمت اس وقت ادا کی جائے گی جب وسعت اور آسانی ہوگی ظاہر ہے کہ اس میں وقت کی تعیین نہیں ہوئی لہذا یہ بیع مؤجل ناجائز ہونی چاہیے۔

اس اشکال کا ایک جواب تو یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کو مشورہ دیتے ہوئے میسرہ کا لفظ فرمایا ہو لیکن بعد میں جب حضور ﷺ نے اس یہودی سے معاملہ کیا اس وقت آپ نے اداء ثمن کے لیے کوئی وقت معین فرما دیا ہو۔
فائدہ: اس حدیث کی عمارۃ بن ابی حفصہ رضی اللہ عنہ سے اوپر یہی ایک سند ہے اور عمارۃ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو یزید کے علاوہ امام شعبہ رضی اللہ عنہ بھی روایت کرتے ہیں امام ترمذی رضی اللہ عنہ محمد بن فراس بصری رضی اللہ عنہ کی سند سے ابوداؤد طیالسی رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ ایک مجلس میں تلامذہ نے شعبہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سنانے کی فرمائش کی اتفاق سے عمارۃ کے لڑکے حرمی بھی مجلس میں موجود تھے۔ امام شعبہ رضی اللہ عنہ نے کہا: جب تک سب حرمی کے سر کو بوسہ نہیں دو گے حدیث نہیں سناؤں گا چنانچہ سب نے حرمی کو چوما تب امام شعبہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سنائی مصری نسخہ میں یہ بھی ہے کہ شعبہ رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث بہت پسند تھی اور عمارۃ کا انتقال ہو چکا تھا اس لیے صاحبزادے کی تقبیل کر اکر استاذ کی تعظیم کی۔

اعتراض: آپ ﷺ کا پسینہ تو خوشبودار ہوتا تھا تو طبیعت پر بوجھل کیسے ہو جاتا تھا؟

جواب: کوئی تدافع نہیں ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ کا پسینہ دوسروں کے حق میں اطیب ہو اور آپ ﷺ کی طبیعت پر بوجھل ہو طبیعت کے خلاف ہو؟

اعتراض: حدیث الباب سے تو اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ شام سے کپڑے آئے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ دو کپڑے خرید لیں آسانی کے وقت تک تو یہ شراء الی اجل مجہول ہے معلوم ہوا کہ شراء الی اجل مجہول بھی جائز ہے؟

جواب ①: یہ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی تجویز تھی ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے جب قاصد بھیجا تھا تو اس وقت اجل بیان کر دی۔

جواب ②: عرف کے بدلنے سے احکام بدل جاتے ہیں ممکن ہے سیر کا وقت اس زمانہ میں معلوم و معروف ہو مثلاً اموال صدقہ کی آمد ہو الغرض نبی کریم ﷺ نے اس تجویز کے مطابق کپڑے خریدنے کے لیے قاصد بھیجا اس یہودی نے کہا کہ میں سمجھ گیا ہوں کہ تمہارے پیغمبر کا ارادہ میرے مال کو ہڑپ کرنے کا ہے جب نبی کریم ﷺ کو معلوم ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ اس کو معلوم ہے کہ اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا میں ہوں سب سے زیادہ امین میں ہوں لیکن اس نے باوجود جاننے کے محض فساد کی وجہ سے ایسا کہا ہے۔

اھالۃ کا کیا معنی ہے اس میں چار احتمال ہیں: (۱) مطلق چربی (۲) پگھلائی ہوئی چربی (۳) شوربہ (۴) زیتون کا تیل نسۃ متغیر الرائحۃ یعنی اس کی بو قدر تبدیل ہو گئی تھی باسی چربی۔ باقی یہ کیوں پیش کی جواب ممکن ہے اور نہ ہو نبی کریم ﷺ کے اخلاق بھی عالیہ تھے معمولی چیز بھی دل جوئی کے لیے قبول فرما لیتے تھے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي كِتَابَةِ الشَّرْطِ

باب: دستاویز لکھنے کا بیان

(۱۱۳۷) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ ثَنَا عَبَّادُ بْنُ لَيْثٍ صَاحِبُ الْكُرَابِيسِيِّ ثَنَا عَبْدُ الْمَجِيدِ بْنُ وَهْبٍ قَالَ قَالَ قَالَ إِلَى الْعَدَاءِ بْنِ خَالِدٍ بْنِ هُوَذَةَ أَلَا أَقْرُكَ كِتَابًا كَتَبْتَهُ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَالَ قُلْتُ بَلَى فَأَخْرَجَ لِي كِتَابًا هَذَا مَا اشْتَرَى الْعَدَاءُ بْنُ خَالِدٍ مِنْ هُوَذَةَ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ اشْتَرَى مِنْهُ عَبْدًا أَوْ أَمَةً لَدَاءً وَلَا غَائِلَةً وَلَا خُبْشَةً بَيْعَ الْمُسْلِمِ.

ترجمہ: محمد بن بشار، عباد بن لیث (کپڑے بیچنے والے) سے اور وہ عبد المجید بن وہب سے نقل کرتے ہیں کہ عداء بن خالد بن ہوذہ بنی اشجہ نے ان سے کہا کیا میں تمہیں ایسی تحریر نہ پڑھاؤں جو رسول اللہ ﷺ نے میرے لئے تحریر کرائی تھی۔ انہوں نے کہا کیوں نہیں۔ اس پر انہوں نے ایک تحریر نکالی اس میں لکھا تھا۔ یہ اقرار نامہ ہے کہ عداء بن خالد بن ہوذہ بنی اشجہ نے محمد رسول اللہ ﷺ سے ایک غلام یا ایک لونڈی خریدی جس میں نہ بیماری ہے نہ دھوکہ ہے۔ یہ مسلمان کی مسلمان سے بیع ہے۔

تشریح: شروط: شرط کی جمع ہے جس کے معنی ہیں وثیقہ دستاویز کسی امر کا تحریری ثبوت وہ سند جس سے اپنا حق ثابت کر سکیں اس باب میں یہ مسئلہ ہے کہ اگر کوئی اہم معاملہ کیا جائے تو اس کو لکھ لینا چاہیے اور ادھار کا معاملہ ہو تو ضرور لکھنا چاہیے ارشاد پاک ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ﴾ (البقرہ: ۲۸۲)

یعنی جب تم آپس میں متعین وقت تک ادھار کا معاملہ کرو تو اس کو لکھ لو اور معاملات کس طرح لکھے جاتے ہیں اس کے لیے عالمگیری کتاب المحاضر والسجلات دیکھیں اس میں ہر معاملہ کے لیے دستاویز دیئے گئے ہیں ان کی مدد سے وثیقے لکھے جاسکتے ہیں جیسے ایک کتاب ہے سپاس نامے اس میں بڑی راہنمائی ہے۔

آج کل معاہدات لکھنا ایک مستقل فن بن چکا ہے: چنانچہ قانون کی تعلیم (ایل ایل بی) میں اس کا ایک مستقل پرچہ ہوتا ہے جس میں یہ سکھایا جاتا ہے کہ معاہدہ کس طرح لکھا جائے؟ اس کا طریقہ کار کیا ہو؟ اس کی زبان کیا ہو؟ اس کا اسلوب کیا ہو؟

فائدہ: یہاں ایک بحث یہ اٹھائی گئی ہے کہ ہجرت کے بعد نبی ﷺ نے کوئی چیز بیچی ہے یا نہیں؟ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیچی ہے مگر اسی حدیث میں بخاری میں تعلیقاً (کتاب البیوع باب ۱۹) یہ ہے کہ غلام نبی ﷺ نے خریدا تھا مگر تحریر کا حضرت خالد بن الولید کے پاس ہونا قرینہ ہے کہ خریدا روہی تھی اور بائع نبی ﷺ تھے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمِكْيَالِ وَالْمِيزَانِ

باب ۹: پیمانوں اور ترازو کا بیان

(۱۱۳۸) لِأَصْحَابِ الْمِكْيَالِ وَالْمِيزَانِ إِنَّكُمْ قَدْ وُلِّيتُمْ أُمُورَ فِيهِ الْأُمَمُ السَّالِفَةُ قَبْلَكُمْ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ماپنے والوں اور وزن کرنے والوں سے ارشاد فرمایا تم لوگ دو ایسے کاموں کے نگران ہو جن کی وجہ سے سابقہ امتیں جو تم سے پہلے تھیں ہلاک ہو گئیں۔

تشریح: بازار میں عام طور پر چیزیں یا تو ناپ کر بیچی جاتی ہیں یا تول کر آج کل اکثر چیزیں تول کر بیچی جاتی ہیں اور نبی ﷺ کے عہد میں زیادہ تر چیزیں ناپ کر بیچی جاتی تھیں تا جروں پر فرض ہے کہ پورا تولیں اور ناپیں ڈنڈی مارنا اور کم ناپنا سخت گناہ ہے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم اسی گناہ کی وجہ سے ہلاک ہوئی تھی اس لیے اس فعل شنیع سے مکمل احتراز چاہیے ایک مرتبہ نبی ﷺ بازار تشریف لے گئے آپ ﷺ نے ان لوگوں سے جو ناپ کر اور تول کر چیزیں بیچ رہے تھے یعنی کاروبار کر رہے تھے فرمایا تم لوگ ایسی چیزیں (کیل و وزن) کے ذمے دار بنائے گئے ہو جس میں کوتاہی کی وجہ سے گذشتہ امتوں میں سے بعض امتیں ہلاک کی جا چکی ہیں۔ اور جو چیزیں گز سے ناپ کر یا گن کر بیچی خریدی جاتی ہیں ان کا بھی یہی حکم ہے ان میں بھی دھوکہ بازی کرنا حرام اور سخت گناہ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي بَيْعِ مَنْ يَزِيدُ

باب ۱۰: اس کو بیع مزایدہ بھی کہتے ہیں

(۱۱۳۹) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بَاعَ حُلْسًا وَقَدْ حَا وَقَالَ مَنْ يَشْتَرِي هَذَا الْحُلْسَ وَالْقَدْحَ فَقَالَ رَجُلٌ أَخَذَهُمَا بِدِرْهِمٍ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ يَزِيدُ عَلَى دِرْهِمٍ مِنْ يَزِيدُ عَلَى دِرْهِمٍ فَأَعْطَاهُ رَجُلٌ دِرْهِمَيْنِ فَبَاعَهُمَا مِنْهُ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ایک چادر اور ایک پیالہ بیچنے کا ارادہ کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا اس چادر اور اس پیالے کو کون خریدے گا؟ ایک شخص نے عرض کی میں ان دونوں کو ایک درہم کے عوض میں خریدتا ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے دریافت کیا ایک درہم سے زیادہ ادائیگی کرے گا؟ ایک درہم سے زیادہ کون ادائیگی کرے گا؟ تو ایک شخص نے آپ کو دو درہم دیئے نبی کریم ﷺ نے اسے وہ دونوں چیزیں فروخت کر دیں۔

مذہب فقہاء: نیلامی اور بولی کی بیع آ یا حائز ہے یا نہیں اس میں تین قول ہیں:

① جمہور کہتے ہیں کہ مطلقاً جائز ہے عام ازیں اموال موارثت ہوں یا اموال غنیمت ہوں یا ان کے ماسواء ہوں۔

② ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا ہے کہ مطلقاً ناجائز ہے۔

③ امام اوزاعی رحمہ اللہ کا ہے کہ بیع من یزید صرف اموال موارث اور اموال غنیمت میں جائز ہے۔ ان کے علاوہ میں جائز نہیں ہے۔
جسہور کی دلیل: حدیث الباب ہے اس میں کوئی تخصیص نہیں کی گئی لہذا یہ حدیث اپنے عموم و اطلاق کی وجہ سے تمام قسم کے اموال کو شامل ہے۔

ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کی دلیل: مشہور و معروف حدیث ہے جو مابعد میں آرہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوم علی سوم اخیه سے منع فرمایا اور بیع من یزید بھی اسی کے تحت داخل ہے۔

جواب: دونوں میں فرق ہے سوم علی سوم اخیه میں بائع دینے پر اور مشتری لینے پر راضی ہو جاتا ہے اس کے بعد کوئی بھاؤ لگا دے اور بیع من یزید میں مشتری تو لینے پر آمادہ ہوتا ہے لیکن بائع دینے پر راضی نہیں ہوتا لہذا ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا بیع من یزید کو سوم علی اخیه پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

دوسری دلیل: حدیث سفیان بن وہب الذی اخرجه البزار فی مسنده چنانچہ فرماتے ہیں کہ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمنہ عن المزایدة۔ ”میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مزایدہ سے منع فرما رہے ہیں۔“

جواب ①: یہ حدیث سنداً قابل استدلال نہیں ہے اس کی سند میں ابن لھعۃ ہیں اس کے بارے میں محدثین کا اصول یہ ہے کہ اگر متابع موجود ہو تو قابل استدلال ہوتی ہے ورنہ نہیں اور اس روایت میں اس کا متابع موجود نہیں ہے۔

جواب ②: اگر صحیح تسلیم کریں تو پھر جواب یہ ہے کہ یہاں مزایدۃ کا مشہور معنی مراد نہیں بلکہ مراد بیع بصورت بخشہ ہے کہ بغیر خریدنے کے ارادے کے شمن میں اضافہ کرنا۔

امام اوزاعی رحمہ اللہ کی دلیل: حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما الذی اخرجه دارقطنی فرماتے ہیں کہ:

”نہی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من المزایدة الا فی الموارث والغنائم او کما قال علیہ السلام۔“

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میراث اور غنیمت کے مال کے علاوہ مزایدہ سے منع فرمایا ہے۔“

جواب ①: اس کی سند میں بھی ابن لہیعہ موجود ہیں۔

جواب ②: الا فی الموارث والغنائم والا جو استثناء ہے اس سے مقصود احتراز نہیں بلکہ یہ قید بیان واقعہ کے لیے ہے کیونکہ عمومی طور پر اس بیع کی ضرورت اموال موارث اور غنائم میں آتی ہے اس لیے استثناء کیا ہے رفع نزاع کے لیے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي بَيْعِ الْمَذْبُورِ

باب ۱۱: مذکور کی بیع کا بیان

(۱۱۴۰) اَنْ رَجُلًا مِّنَ الْاَنْصَارِ دَبَّرَ غُلَامًا لَّهُ فَمَاتَ وَلَمْ يَتْرُكْ مَالًا غَيْرَ قَبَاغَةِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَاشْتَرَاهُ نَعِيمُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ النَّخَعِ قَالَ جَابِرٌ رضی اللہ عنہ عَبْدًا قَبْطِيًّا مَاتَ عَامَ الْاَوَّلِ فِي اَمَارَةِ ابْنِ الزُّبَيْرِ۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں انصار سے تعلق رکھنے والے ایک شخص نے اپنے غلام کو مدبر کر لیا پھر وہ فوت ہو گیا اس نے

اس غلام کے علاوہ کوئی مال نہیں چھوڑا تو نبی کریم ﷺ نے اس غلام کو فروخت کر دیا حضرت نعیم بن نحام رضی اللہ عنہ نے اس غلام کو خرید لیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں وہ ایک قطبی غلام تھا جو حضرت عبداللہ زبیر رضی اللہ عنہ کی حکومت کے پہلے سال فوت ہو گیا تھا۔

تشریح: مدبر اسم مفعول ہے اور مدبر کی دو قسمیں ہیں: مدبر مطلق اور مدبر مقید۔ مدبر مطلق اس غلام یا باندی کو کہتے ہیں جس کو آقا کا کہ دے انت حر عن دبر منی تو میرے مرے پیچھے آزاد ہے اور مدبر مقید وہ غلام یا باندی ہے جس کی آزادی کو آقا کسی خاص حادثہ یا خاص مدت تک مرنے کے ساتھ مقید کرے مثلاً یہ کہے اگر میں اس بیماری میں مر گیا یا اس مہینے میں مر گیا اس سفر میں مر گیا تو آزاد ہے۔

مذہب فقہاء: تمام ائمہ متفق ہیں کہ مدبر مقید کو شرط کے تحقق سے پہلے فروخت کرنا جائز ہے کیونکہ اس کو فی الحال آزادی یا آزادی کا استحقاق حاصل نہیں ہوا اور تحقق شرط کے بعد فروخت کرنے کا سوال ہی نہیں کیونکہ اس وقت وہ آزاد ہو جائے گا اور مدبر مطلق کو آقا کے مرنے کے بعد بالاتفاق فروخت کرنا جائز نہیں کیونکہ وہ موت کے ساتھ ہی آزاد ہو جائے گا البتہ آقا کی حیات میں فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

(۱) امام شافعی اور امام احمد رحمہما کے نزدیک فروخت کر سکتے ہیں کیونکہ اس کو فی الحال نہ آزادی حاصل ہے نہ آزادی کا استحقاق پس اس کو فروخت کرنا جائز ہے۔

(۲) اور امام مالک اور امام اعظم رحمہما کے نزدیک مدبر مطلق کو فروخت کرنا جائز نہیں کیونکہ وہ اگرچہ فی الحال آزاد نہیں مگر آزادی کا اس کو استحقاق حاصل ہو گیا ہے پس اس کی بیع جائز نہیں۔

حنفیہ رحمہم: اور مالکیہ: اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے دارقطنی میں مروی ہے کہ:

لا یباع المدبر ولا یوہب وهو حر من ثلث المال۔

”مدبر غلام کو نہ بیچا جائے گا اور نہ ہی ہبہ کیا جائے گا اور وہ آزاد ہے ثلث مال سے۔“

یہ روایت مرفوعاً اور موقوفاً دونوں طرح مروی ہے اور امام دارقطنی رحمہ اللہ نے طریق موقوف کو صحیح قرار دیا ہے اور اس باب میں موقوف بھی بحکم مرفوع ہے کیونکہ یہ امر غیر مدرک بالقیاس ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کا استدلال: حدیث باب سے ہے جس میں حضور ﷺ نے مدبر غلام کو فروخت کر دیا۔

حنفیہ نے اس کے متعدد جواب دیئے ہیں۔

اعتراض: اس حدیث میں تو ہے کہ مولیٰ کے مرنے کے بعد غلام کو بیچا اور مولیٰ کے مرنے کے بعد تو بالا جماع وہ آزاد ہو جاتا ہے بیع جائز نہیں ہوتی پھر رسول اللہ ﷺ نے کیسے فروخت کیا؟

جواب ①: صحیحین کی جتنی بھی روایات ہیں وہ سب دال ہیں کہ بیع مولیٰ کی زندگی میں ہوئی ہے اور ترمذی رحمہ اللہ کی روایت میں جو فہات کا لفظ ہے یہ وہم ہے سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کا لہذا شوافع کہتے ہیں کہ ہمارا استدلال تام ہے۔

جواب ②: شیخ ابن ہمام رحمہ اللہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ ابتداء اسلام کا واقعہ ہے جس میں بیع الحر بھی جائز تھی۔

جواب ③: یہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ فعلی ہے اور حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما قولی ہے اور جب قولی فعلی کا تعارض ہو جائے تو ترجیح قولی کو ہوتی ہے لہذا حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کو ترجیح حاصل ہے۔

جواب ④: حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما محرم ہے مدبر مطلقاً کی بیع کے لیے اور حدیث جابر رضی اللہ عنہ صحیح ہے.... الخ
جواب ⑤: یہ جو احناف کہتے ہیں کہ مدبر مطلق کی بیع جائز نہیں یہ تب ہے کہ جب قضاء قاضی کا انضمام نہ ہو اور جب قضاء قاضی کا انضمام ہو جائے تو احناف کے ہاں بھی نافذ ہو جاتی ہے اور یہاں بائع نبی کریم ﷺ ہیں اور ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ کا بیع کرنا یہ بطور قضاء کے تھا۔

جواب ⑥: ممکن ہے کہ اس زمانہ کا قصہ ہو جب بیع المدبر جائز ہو۔

جواب ⑦: حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ بیع المدبر حضور ﷺ کی خصوصیت تھی اس لیے کہ آنحضرت ﷺ کو اپنی ولایت عامۃ کے تحت وہ اختیارات حاصل تھے جو امت کے دوسرے افراد کو حاصل نہیں تھے لہذا اس ولایت عامۃ کے تحت آپ نے اس کی تدبیر کو منسوخ فرما کر اس کی بیع کر دی۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ ایک مولیٰ نے اپنے غلام کے عضو مخصوص کو کاٹ دیا تو مقدمہ پیش ہوا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تو آزاد ہے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی تائید بہت سے واقعات سے ہوتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ تَلْقَى الْبُيُوعِ

باب ۱۲: برائے فروخت آنے والی چیزوں کا استقبال کرنا مکروہ ہے

(۱۱۴۱) أَنَّهُ نَهَى عَنْ تَلْقَى الْبُيُوعِ.

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے بارے میں یہ بات نقل کرتے ہیں آپ نے (منڈی پہنچنے سے پہلے راستے میں) سودا گروں سے ملنے سے منع کیا ہے۔

(۱۱۴۲) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَنِ يَتَلَقَى الْجَلْبُ فَإِنْ تَلَقَّاهُ إِنْسَانٌ فَابْتِاعَهُ فَصَاحِبُ السِّلْعَةِ فِيهَا بِالْخِيَارِ إِذَا وَرَدَ السُّوقَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے اس بات سے منع کیا ہے قافلے کے (منڈی میں پہنچنے سے پہلے راستے میں اس سے) ملا جائے اگر کوئی شخص راستے میں مل جائے اور اس سے کوئی چیز خرید لے تو سامان کے مالک کو اس بارے میں اختیار ہوگا جب وہ بازار پہنچ جائے (کہ وہ پہلے سودے کو منسوخ کر دے)۔

سوال: بیوع بیع کی جمع ہے اور بیع مصدر ہے اور مصدر سب معانی کے قبیل سے ہیں اور ملاقات معانی سے نہیں ہو سکتی بلکہ اجسام سے ہوتی ہے تو پھر تلقی بیوع کا عنوان قائم کرنا کیسے صحیح ہوگا؟

جواب: ذکر کیا بیوع کو اور مراد لیا اصحاب البیوع کو جو کہ اجسام ہیں لہذا یہ اضافت کوئی باعث اشکال نہیں۔

تشریح: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے تلقی البیوع سے منع فرمایا ہے لفظ بیوع یا تو اسم مفعول کے معنی میں ہے اس صورت میں تلقی البیوع کے معنی ہوں گے تلقی المبیع یا اسم فاعل کے معنی میں ہے اس صورت میں اس کے معنی ہوں گے تلقی البائع۔

تلقى البیوع کا مطلب: یہ ہے کہ اگر کوئی تاجر باہر سے سامان تجارت شہر کے اندر فروخت کرنے کے لیے لا رہا ہے تو دوسرا آدمی اس کے شہر میں داخل ہونے سے پہلے ہی اس سے ملاقات کر کے وہ سامان تجارت اس سے خرید لے اس کو تلقی بیوع بھی کہتے ہیں تلقی رکبان بھی کہتے ہیں تلقی جلب بھی کہتے ہیں اور تلقی سلعة بھی کہتے ہیں الفاظ چار ہیں اور مفہوم سب کا ایک ہے۔ اس کو اگلی حدیث میں تلقی الجلب سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جلب جمع ہے جالب کی اور جالب کے معنی ہیں کھینچ کر لانے والا چونکہ وہ شخص باہر سے مال لا کر شہر میں فروخت کرتا ہے اس لیے اس کو جالب کہا جاتا ہے۔

تلقى بیوع کا حکم: کہ اگر تلقی بیوع کی صورت میں بیع ہو جائے تو یہ بیع جائز ہے یا نہیں؟ اس میں تفصیل ہے کہ اس میں ضرر یا غرر ہوگا یا نہیں اگر اہل بلد کو ضرر ہے تو لایجوز اور اگر ضرر نہ ہو تو پھر دیکھیں گے قافلے والوں کو غرر (دھوکہ) دیا ہوگا یا نہیں اگر غرر ہو تو لایجوز اور اگر غرر نہ ہو تو جائز۔

سوال: حدیث سے تو مطلقاً ممانعت معلوم ہوتی ہے؟

جواب: یہ نہیں معلول بالعلۃ ہے احد الامرین: ضرر اور غرر کے ساتھ۔

تعارض: اس حدیث کا تعارض ہے حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ الذی اخرجہ البخاری رحمہ اللہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کنا لتلقى الرکبان ونشتری منهم الطعام نبی کریم ﷺ نے ہمیں اس بات سے منع فرمایا کہ جہاں اس غلہ کو خریدا ہے وہاں اس کو فروخت کریں بلکہ شہر میں آ کر فروخت کرو تو دیکھو تلقی رکبان سے تو منع نہیں فرمایا تو یہ دال ہے اس بات پر کہ تلقی رکبان جائز ہے۔ جواب ①: یہ نہیں والی حدیث معلول بالعلۃ ہے احد الامرین کے ساتھ اور حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جواباً بت معلوم ہوتی ہے یہ اس وقت ہے کہ جب ضرر اور غرر نہ ہو۔

جواب ②: تلقی یہ دو قسم است (۱) خارج البلد (۲) داخل البلد تو احادیث میں محمول ہیں اس صورت پر کہ جب تلقی (جلب) خارج بلد ہو اور احادیث اباحت محمول ہیں اس صورت پر کہ جب تلقی (جلب) داخل البلد ہو۔ غبن فاحش کی صورت میں بائع کو اختیار فسخ: ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے شہر سے باہر جا کر آنے والے تاجر کو دھوکہ دے کر اور اس کو اس سامان کی غلط قیمت بتا کر اس سے وہ سامان کم داموں میں خرید لیا۔

مذاہب فقہاء: اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے:

(۱) ائمہ ثلاثہ کا کہنا یہ ہے کہ ایسی صورت میں بائع کو اختیار فسخ حاصل ہوگا اگر بائع چاہے تو مشتری سے یہ کہہ دے کہ میں وہ بیع فسخ کرتا ہوں اگر تمہیں خریدنا ہو تو پچاس روپے میں خرید لو اس سے کم قیمت پر فروخت نہیں کرتا۔

(۲) فقہاء حنفیہ فرماتے ہیں کہ بائع کو اختیار فسخ حاصل نہیں ہوگا اس لیے کہ ہمارے نزدیک اختیار مغیون حاصل نہیں ہوتا۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ اس باب کی مذکورہ حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس حدیث میں اس بات کی صاف صراحت ہے کہ بائع کو بیع کے فسخ کا اختیار حاصل ہوگا۔

جواب: جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ کا مسلک اس حدیث کے خلاف ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو یہ بات بھی محل کلام ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ سے عدم اختیار صراحتاً ثابت ہے یا نہیں؟ اگر ثابت ہو تو پھر غالب گمان یہ ہے کہ جس حدیث

میں یہ الفاظ ہیں وہ حدیث امام صاحب کو نہ پہنچی ہو اس لیے صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ بائع کو بیع کا اختیار حاصل ہے چنانچہ علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ نے فتح القدیر میں یہی موقف اختیار کیا ہے کہ بائع کو اختیار ملے گا۔

بَاب مَا جَاءَ لَا يَبِيعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ

باب ۱۳: شہری دیہاتی کے لیے نہ بیچے

(۱۱۴۳) لَا يَبِيعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان کا پتہ چلا ہے کوئی شہری کسی دیہاتی کے لیے سودا نہ کرے۔

(۱۱۴۴) لَا يَبِيعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ دَعَا النَّاسَ يَرْزُقُ اللَّهُ بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کوئی بھی شہری شخص کسی دیہاتی کے لیے سودا نہ کرے (یعنی اس کا ایجنٹ نہ بنے) تم لوگوں کو چھوڑ دو اللہ تعالیٰ ان کو ایک دوسرے کے ذریعے رزق عطا کرے گا۔

تشریح: حاضر کے معنی ہیں شہری اور بادی اور باد کے معنی ہیں بدو، خانہ بدوش دیہاتی کو کہتے ہیں۔ کوئی دیہاتی تجارتی مال لے کر شہر آئے اور مارکیٹ ڈاؤن (گری ہوئی) پائے پس کوئی شہری اس سے کہے: آج بھاؤ کم ہے مال مت بیچ میسرے پاس رکھ چھوڑ، جب بھاؤ بڑھے گا میں فروخت کروں گا نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا ارشاد ہے کوئی شہری کسی دیہاتی کے لیے نہ بیچے لوگوں کو چھوڑ دو اللہ تعالیٰ بعض کو بعض کے ذریعے رزق پہنچاتے ہیں یعنی دیہاتی اگر اپنا مال فی الحال بیچے گا تو کم نفع پر بیچے گا کیونکہ اس کو گھر لوٹنے کی جلدی ہوگی اور شہر میں ذخیرہ کرنے کی کوئی صورت نہ ہوگی پس اس میں لوگوں کا فائدہ ہے ان کو چیز سستی مل جائے گی اور دیہاتی کا فائدہ یہ ہے کہ وہ رقم لے کر گھر لوٹے گا اور نقد ادھار سے بہتر ہے اور اگر شہری اس کا مال بیچے گا تو اس میں لوگوں کا بھی نقصان ہے اور دیہاتی کا بھی نقصان ہے لوگوں کا نقصان یہ ہے کہ شہری اس کا مال زیادہ داموں پر فروخت کرے گا اور دیہاتی کا نقصان یہ ہے کہ کبھی مارکیٹ ہفتوں ڈاؤن رہتی ہے پس دیہاتی کو انتظار کرنی پڑے گی غرض یہ ممانعت بھی ملکی مصلحت سے ہے۔

برعکس صورت: یعنی شہری کا دیہاتی کے لیے خریدنا جائز ہے مثلاً کسی دیہاتی کو اپنی بیٹی کی شادی کے لیے جہیز خریدنا ہے کوئی شہری اس کو مناسب قیمت پر اشیاء دلوادے تو یہ جائز ہے اس میں شہری دوکاندار کا کوئی نقصان نہیں کیونکہ تاجر دھوکہ نہیں کھاتا وہ چالاک ہوتا ہے اور دیہاتی کا فائدہ یہ ہے وہ لٹنے سے یعنی زیادہ داموں پر خریدنے سے بچ جاتا ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی شہری کسی دیہاتی کا مال اپنے پاس رکھ لے اور قیمت بڑھنے کے بعد بیچے تو یہ بیع بالا جماع جائز ہے اگرچہ ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔

بیع الحاضر للباعد سے ممانعت کا مقصد بھی اجارہ داری قائم ہونے سے روکنا ہے اور حضور ﷺ کے ارشاد: دعوا الناس يوزق الله بعضهم من بعض سے اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ بازار کے آزاد مقابلے میں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ ڈالنا درست نہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث جس میں حضور ﷺ نے تسعیر (بھاؤ مقرر کرنا) کی تجویز کو رد کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ان الله هو

القابض الباسط الرازق لهذا اسلامی نظام معیشت کی بنیاد اس پر ہے کہ انفرادی ملکیت سرمایہ داری کی طرح آزاد اور بے لگام نہ ہو بلکہ اس کو شرعی اور قانونی اور اخلاقی پابندیوں میں اس طرح جکڑ دیا جائے کہ وہ اجارہ داری کی صورت پیدا نہ کر سکے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمَزَابِنَةِ

باب ۱۴: بیع محاقلہ اور مزابنہ کی ممانعت

(۱۱۴۵) نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمَزَابِنَةِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے محاقلہ اور مزابنہ سے منع کیا ہے۔

(۱۱۴۶) أَنَّ زَيْدًا أَبَا عِيَّاشٍ سَأَلَ سَعْدًا عَنِ الْبَيْضَاءِ بِالسَّلْتِ فَقَالَ أَيُّهَا أَفْضَلُ قَالَ الْبَيْضَاءُ فَتَنَهَى عَنْ ذَلِكَ وَقَالَ سَعْدٌ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَسْأَلُ عَنِ اشْتِرَاءِ الثَّمْرِ بِالرُّطْبِ فَقَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ أَيْنَقُصُ الرُّطْبِ إِذَا بَيْسَ قَالُوا نَعَمْ فَتَنَهَى عَنْ ذَلِكَ.

ترجمہ: عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ابو عیاش رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے ”جو“ کے عوض میں گےہوں خریدنے کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا ان میں کون سی چیز بہتر ہے تو انہوں نے جواب دیا گندم تو انہوں نے اس سے منع کر دیا۔
تشریح: یہاں پر کل چار مسئلے ہیں: (۱) بیع المحاقلة (۲) بیع المزابنة (۳) بیع البيضاء بالسلت (۴) بیع الرطب بالرطب بالتمر محاقلہ۔ یہ حقل سے مشتق ہے اور حقل زرع (کھیتی) کو کہتے ہیں۔

بیع المحاقلة کی تعریف: خوشوں میں موجود غلے کو صاف کئے ہوئے غلے کے بدلے میں فروخت کرنا اندازے کے ساتھ امام ترمذی رضی اللہ عنہ نے یہی تفسیر کی ہے۔

مزابنہ کی تعریف: درختوں پر لگے ہوئے پھل کو اندازے کے ساتھ اترے ہوئے پھلوں کے بدلے میں فروخت کرنا۔
ان دونوں کا حکم یہ ہے کہ یہ بالا جماع جائز نہیں ہے ربوا کی وجہ سے۔

فائدہ: احناف کے نزدیک بیع المزابنہ مطلقاً جائز نہیں خواہ پانچ وسقوں سے کم یا زیادہ ہو اور شوافع کے نزدیک اگر پانچ وسقوں سے کم ہو تو جائز ہے اور اگر پانچ وسق ہو یا پانچ وسق سے زیادہ ہو تو پھر جائز نہیں ہے۔

بیع البيضاء بالسلت کی تعریف: بیضاء کا معنی ہے گندم اور سلت کا معنی ہے جو خاص قسم کی جو تو اس کی تعریف یہ ہوئی کہ گندم کو فروخت کرنا جو کے بدلے میں اور یا جو کو فروخت کرنا گندم کے بدلے میں۔ حکم اس کا یہ ہے کہ اگر یہ ابید ہو تو یہ بالا جماع جائز ہے اور اگر نسیدہ ہو تو پھر عند الاحناف ناجائز۔

پہلا سوال: ابو زید عیاش رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ حضرت بیع البيضاء بالسلت جائز ہے یا ناجائز ہے۔ تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے پوچھا یہاں افضل تو بتلایا کہ بیضاء افضل ہے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس سے منع فرمادیا اور اس پر استدلال یہ پیش کیا کہ نبی کریم ﷺ سے بیع الرطب بالتمر کے بارے میں سوال کیا گیا تو نبی کریم ﷺ نے حاضرین سے

پوچھا کہ کیا رطب کے خشک ہو جانے کے بعد اس میں کمی ہو جاتی ہے یا نہیں تو بتلایا گیا کہ کمی واقع ہو جاتی ہے تو نبی کریم ﷺ نے اس سے منع فرمادیا تو حضرت سعد ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بیع البیضاء بالسلت کو بیع الرطب بالتمر پر قیاس کرتے ہوئے ناجائز قرار دیا حالانکہ اگر بیع البیضاء بالسلت یدایبید ہو تو یہ بالاجماع جائز ہے تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کیسے منع فرمادیا۔ نیز حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا بیع البیضاء بالسلت کو بیع الرطب بالتمر پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے اس لیے کہ مقیس کے اندر بدلیں جنس مختلفین ہیں اور مقیس علیہ کے اندر بدلیں من جنس ہے لہذا یہ استدلال تام نہیں ہے۔

پہلے سوال کا جواب: یہ ہے کہ ابو زید عیاش رضی اللہ عنہ کا جو سوال ہے یہ بیع البیضاء بالسلت ید بالید کے بارے میں ہے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جو ناجائز قرار دیا ہے وہ نسیئہ کی صورت میں ہے نہ کہ یدایبید کے بارے میں اور نسیئہ یہ جائز نہیں ہے تو جیسے مقیس علیہ کے اندر بیع نسیئہ جائز نہیں ہے ایسے ہی مقیس کے اندر بھی بیع نسیئہ جائز نہیں ہے۔

دوسرے سوال کا جواب: یہ ہے کہ یہ قیاس مکملی ہونے کے اعتبار سے ہے کہ جس طرح گندم اور جو یہ مکملی ہیں بالکل ایسے ہی رطب اور تمر یہ بھی مکملی ہیں۔

(۲) اور اگر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا فتویٰ یدایبید کے بارے میں ہے تو پھر یہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا اپنا اجتہاد ہے ممکن ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے نزدیک بیضاء اور سلست یہ من جنس واحد ہوں چنانچہ ایک قول یہ ہے کہ بیضاء بھی جو کو کہتے ہیں اور سلست بھی جو کو کہتے ہیں فرق اتنا ہے کہ بیضاء نرم جو کو کہتے ہیں اور سلست سخت قسم کے جو کو کہتے ہیں اب جیسے مقیس علیہ من جنس واحد ہے۔ ایسے ہی مقیس بھی من جنس واحد ہے اور مقیس علیہ من جنس واحد ہو کر احدهما افضل ہے آخر سے اسی طرح مقیس میں بھی من جنس واحد ہو کر احدهما افضل ہے آخر سے تو قیاس صحیح ہوا لیکن یہ فتویٰ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا اپنا اجتہاد ہوگا۔

چوتھا مسئلہ: یہ ہے کہ بیع الرطب بالتمر جائز ہے یا نہیں تو اس سے امام صاحب رحمہ اللہ اور جمہور کا اختلاف ہے۔

① امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر بیع الرطب بالتمر یدایبید ہو تو جائز ہے اور اگر نسیئہ ہو تو جائز نہیں ہے۔

② جمہور کے نزدیک مطلقاً ناجائز ہے خواہ یدایبید ہو یا نسیئہ ہو۔

اس مسئلے میں امام صاحب کی فقہت: اس حدیث کی بنیاد پر حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے خلاف لوگوں نے بہت شور مچایا کہ صاف حدیث موجود ہے کہ تمر کی بیع رطب سے جائز نہیں مگر امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جائز ہے ہر جگہ قیاس اور عقل سے کام لیتے ہیں اور قیاس کو حدیث پر ترجیح دیتے ہیں۔

شرح ہدایہ نے واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ بغداد تشریف لائے تو وہاں کے علماء نے آپ سے متعدد سوالات کیے ان میں سے ایک سوال یہ تھا کہ رطب کو تمر کے عوض فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تماثل کے ساتھ جائز ہے علماء نے سوال کیا کہ جائز ہونے کی کیا دلیل ہے؟ امام صاحب رحمہ اللہ نے وہ مشہور حدیث پڑھ کر سنائی کہ: التمر بالتمر والفضل ربا۔ یعنی تمر کو تمر کے ساتھ برابر کر کے بیع کرنا جائز ہے کی زیادتی ربا ہے۔

پھر امام صاحب رحمہ اللہ نے ان علماء سے سوال کیا کہ آپ حضرات یہ بتائیں کہ رطب جنس تمر سے ہے یا خلاف جنس ہے؟ اگر آپ کا جواب یہ ہے کہ تمر جنس رطب سے ہے تو اس صورت میں یہی حدیث اس کے جواز پر دلالت کر رہی ہے اس لیے کہ اس میں آپ

نے فرمایا: التمر بالتمر یعنی تمر کو تمر کے ساتھ تماثلًا فروخت کرنا جائز ہے اور اگر آپ کا جواب یہ ہے کہ تمر رطب کی جنس سے نہیں بلکہ خلاف جنس سے ہے تو پھر اسی حدیث کے آخری جزء سے جواز ثابت ہو رہا ہے۔ اس لیے کہ اس حدیث کے آخر میں آپ نے فرمایا کہ واذا اختلفت الاجناس فبیعوا کیف شئتم اذا کان یدا ابیدا۔ لہذا اگر تمر رطب ہے تو حدیث کے اول حصے سے جواز ثابت ہو رہا ہے اور اگر تمر رطب نہیں تو پھر اسی حدیث کے آخری جزء سے جواز ثابت ہو رہا ہے البتہ اتنا فرق رہے گا کہ پہلی صورت میں تماثل کی شرط کے ساتھ بیع جائز ہوگی اور دوسری صورت میں تقاضل کے ساتھ بھی بیع جائز ہوگی۔ پھر امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ رطب اور تمر کی جنس ایک ہے لہذا التمر بالتمر کے حکم میں داخل ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ خیر سے حضور ﷺ کے لیے رطب کھجور لائے جب حضور ﷺ نے اس کو تناول فرمایا تو وہ آپ کو بہت پسند آئیں آپ نے ان صحابی سے پوچھا: اکل تمر خیبر ہکذا؟ کیا خیبر میں تمام کھجوریں ایسی ہوتی ہیں؟

دیکھئے اس حدیث میں حضور ﷺ نے رطب پر لفظ تمر کا اطلاق فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ تمر اور رطب ایک ہی چیز ہے لہذا ان دونوں کا آپس میں تبادلہ کرنا تماثل کے۔

امام صاحب رحمہ اللہ کی دلیل: رطب دو حال سے خالی نہیں یا تو رطب تمر ہے یا تمر نہیں اگر رطب تمر ہے تو من جنس واحد ہے لہذا حدیث عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے ابتدائی حصہ کا مقتضی یہ ہے کہ یہ جائز ہو یدا ابیدا مثلاً بمثل ہو اور اگر رطب تمر نہیں ہے تو جنس مختلفین ہیں تو حدیث عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کا آخری حصہ اذا اختلف الاصناف فبیعوا کیف شئتم یہ اس کے جواز پر دال ہے بشرطیکہ یہ بیع یدا ابیدا ہو تو عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں تو عدم جواز کا کیسے قول کیا جائے۔ بلکہ اس بات پر تو دلیل موجود ہے کہ رطب تمر ہے وہ دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ کی خدمت میں خیبر کی تازہ کھجوریں پیش کی گئیں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اکل تمر خیبر ہکذا تو یہاں پر حضور ﷺ نے رطب پر تمر کا اطلاق کیا ہے۔

اور حبہور کی دلیل: حدیث سعد رضی اللہ عنہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سے بیع الرطب بالتمر کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا رطب کے اندر خشک ہو جانے کے بعد کی واقع ہو جاتی ہے یا نہیں؟ تو بتلایا گیا کہ کی واقع ہو جاتی ہے تو آپ ﷺ نے اس سے منع فرمادیا۔

جواب: اس کی سند میں ابو زید عیاش رضی اللہ عنہ کو مجہول قرار دینے والے صرف امام صاحب رحمہ اللہ نہیں ہیں بلکہ امام طحاوی رحمہ اللہ نے بھی اور ابن جریج رحمہ اللہ نے بھی اس کو مجہول قرار دیا ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی اس کو مجہول قرار دیا ہے۔ شاید اس کے مجہول ہونے کی وجہ سے شیخین رحمہما نے اپنی صحیحین میں اس کی حدیث کی تخریج نہیں کی۔ چنانچہ عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ کو جب معلوم ہوا کہ امام صاحب رحمہ اللہ نے ابو زید عیاش رضی اللہ عنہ پر جرح کی ہے تو انہوں نے فرمایا: کیف یقال ان ابا حنیفۃ لم یعرف الحدیث وهو یقول ان ابا زید لم تقبل روايته تو جرح کرنا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ کو اعلیٰ درجہ کی معرفت حدیث حاصل ہے۔

اعتراض: امام مالک رحمہ اللہ نے موطا امام مالک میں ابو زید عیاش رضی اللہ عنہ کی حدیث کی تخریج کی ہے اور امام مالک رحمہ اللہ کسی مجہول کی روایت کی تخریج نہیں کرتے تو امام مالک رحمہ اللہ کا ان کی حدیث کی تخریج کرنا یہ دلیل تو شق ہے؟

جواب ①: یہ تعدیل ضمنہ ہے اور امام صاحب رحمہ اللہ کی جرح مفسر ہے اور جرح مفسر کو تعارض ضمنی پر ترجیح حاصل ہے۔

جواب ②: اور اگر علی سبیل التزیل مان لیں کہ یہ حدیث سنداً صحیح ہے تو یہ محمول ہے نسبیۃ پر۔

اعتراض: نسبیۃ پر محمول کرنے کی کیا دلیل ہے؟

جواب: ابوداؤد شریف کے اندر بھی نسبیۃ کا لفظ موجود ہے۔

اعتراض: یحییٰ بن کثیر رحمہ اللہ نسبیۃ کے لفظ کو ذکر کرنے میں متفرد ہیں؟

جواب ①: یحییٰ بن کثیر رحمہ اللہ ثقہ ہے تو نسبیۃ کو ذکر کرنا یہ زیادہ ثقہ کے قبیل سے ہے۔ اور زیادت ثقہ معتبر ہے۔

جواب ②: تفرّد مسلم نہیں ہے بلکہ ابوداؤد کے اندر عمران بن ابی انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی یہ لفظ مذکور ہے۔

اعتراض: جب علت نہی نسبیۃ ہے تو پھر نبی کریم ﷺ نے انقاص بعد الیبوست کے بارے میں کیوں سوال کیا؟

جواب ①: اصل بات یہ ہے کہ یہ سائل کسی یتیم کا متولی تھا یتیم کی خشک کھجوریں دے کر تازہ کھجوریں لے رہا تھا اور اس میں چونکہ یتیم کا نقصان تھا تو تبرعاً نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا یا پھر سوال شفقتاً کیا کہ اس میں معتد بہ نفع نہیں ہے۔

اعتراض: انقاص بعد الیبوست تو امر بدیہی ہے تو آپ ﷺ نے بدیہی چیز کے بارے میں سوال کیا حالانکہ پیغمبر ﷺ بدیہات کے بارے میں سوال نہیں کرتا؟

جواب ①: اینقص میں استفہام تقریری ہے معنی یہ ہے کہ یقیناً رطب خشک ہو جانے کے بعد کم ہو جاتی ہے۔

جواب ②: یہ ہے کہ یہ سوال مطلق رطب کے بارے میں نہیں تھا بلکہ رطب کی کسی خاص قسم کے بارے میں تھا کہ کیا ان کا حال بھی عام رطب کی طرح ہے کہ خشک ہو جانے کے بعد کمی واقع ہو جاتی ہے یا نہیں؟ تو بتلایا گیا کہ کمی ہو جاتی ہے۔

جواب ③: حدیث عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ جو جواز پر دل ہے یہ معارض اقویٰ ہے از روئے سند کے تو معارض اقویٰ کے موجود ہونے کی وجہ سے یہ حدیث قابل استدلال نہیں ہے۔

وجہ تسمیہ: محاقلة حقل (ہری بھری کھیتی) سے باب مفاعلہ ہے حاقلة کے معنی ہیں کسی کو پکنے سے پہلے کھڑی کھیتی ہم جنس غلہ کے عوض فروخت کرنا اور مزائنہ زبن سے باب مفاعلہ ہے اس کے لغوی معنی ہیں دھکا دینا ہٹانا اور زائنہ کے معنی ہیں درخت پر لگے ہوئے پھلوں کو ہم جنس ٹوٹے ہوئے پھلوں کے عوض اندازے سے برابری کر کے بیچنا۔ گویا مشتری نے درخت والے کو کٹے ہوئے پھل دے کر دھکا دیا اور پھل والے نے کٹے ہوئے پھل لے کر مشتری کو دھکا دیا یوں ہر ایک نے دوسرے کو دھکا دیا اس لیے باب مفاعلہ استعمال کیا گیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ بَيْعِ الشَّمْرِ قَبْلَ أَنْ يَبْدُوَ صَلاَحُهَا

باب ۱۵: کارآمد ہونے سے پہلے پھلوں کی بیع ممنوع ہے

(۱۱۴۷) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ النَّخْلِ حَتَّى يَرْهُو.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے کھجوروں کو ان کے پکنے سے پہلے فروخت کرنے سے منع کیا ہے۔

(۱۱۳۸) وَ هَذَا الْإِسْنَادُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ السُّنْبُلِ حَتَّى يَبْيَضَّ وَيَأْمَنَ الْعَاهَةُ نَهَى الْبَائِعَ وَالْمُسْتَرَى.

ترجمہ: اسی سند کے ہمراہ یہ بات بھی منقول ہے نبی اکرم ﷺ نے سنبل کو اس وقت تک فروخت کرنے سے منع کیا ہے جب تک وہ سفید نہ ہو جائے اور آفت سے محفوظ نہ ہو جائے آپ نے فروخت کرنے والے اور خریدار (دونوں کو) منع کیا ہے۔

(۱۱۳۹) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْعِنَبِ حَتَّى يَسْوَدَّ وَعَنْ بَيْعِ الْحَبِّ حَتَّى يَشْتَدَّ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے انگور کے سیاہ ہونے سے پہلے اسے فروخت کرنے سے منع کیا ہے اور دانے کے سخت ہونے سے پہلے اسے فروخت کرنے سے منع کیا ہے۔

مذہب فقہاء: اس پر تو اجماع ہے کہ پھلوں کے ظہور سے پہلے بیع ناجائز ہے بیع المعلوم ہونے کی وجہ سے اور ظہور شرہ کے بعد بیع دو حال سے خالی نہیں قبل از بدو صلاح ہوگی یا بعد از بدو صلاح ہوگی۔

بدو صلاح کا معنی کیا ہے؟ تو اس کے معنی میں احناف اور شوافع کا اختلاف ہے۔

احناف کہتے ہیں کہ بدو صلاح یہ ہے کہ پھلوں کا آفات سے محفوظ ہو جانا اور شوافع کہتے ہیں کہ بدو صلاح یہ ہے کہ پھلوں میں رنگ پیدا ہو جائے اور مٹھاس پیدا ہو جائے یہ اختلاف صرف لفظی اور عنوانی ہے اس لیے کہ عمومی طور پر جب آفات سے محفوظ ہو جاتے ہیں تو ان میں مٹھاس بھی پیدا ہو جاتی ہے اور جب مٹھاس پیدا ہو جائے تو آفت سے بھی محفوظ ہو جاتے ہیں۔

اس باب کی روایات کی بنیاد پر فقہاء میں پہلا اختلاف یہ ہوا کہ اس ممانعت کی بنیاد کیا ہے؟ اور دوسرا اختلاف یہ ہوا کہ یہ ممانعت ارشادی ہے یا تشریعی؟

پہلا اختلاف: اگر کھڑا کھیت یا درخت کے پھل بیچے جائیں تو بیع کے جواز و عدم کی بنیاد کیا ہے؟ حنفیہ کے نزدیک اس پر مدار ہے کہ بیع مال بنی ہے یا نہیں؟ اگر بیع مال بن گئی تو بیع درست ہے اور اگر بیع مال نہیں بنی تو بیع باطل ہے جیسے لوگ بہار بیچتے ہیں یعنی باغ کو سال کے لیے یا زیادہ مدت کے لیے بیچ دیتے ہیں یہ بیع بالا جماع باطل ہے کیونکہ بائع نے درخت نہیں بیچے پھل بیچے ہیں جب کہ پھل کا ابھی وجود نہیں اسی طرح درخت پر پھل نکل آئے مگر ابھی وہ چوہے کی میٹنگی کے بقدر ہیں اس مرحلہ میں بھی بیع باطل ہے کیونکہ بیع مال نہیں البتہ جب پھل بڑے ہو جائیں اور مال بن جائیں تو بیع درست ہے مال کے معنی ہیں: مَا يَمِيلُ إِلَيْهِ النَّفْسُ جس چیز کی طرف طبیعت مائل ہو۔

بیع الثمر کی کل عقلی طور پر ۶ صورتیں ہیں: وہ اس طرح کہ ابتداءً تین صورتیں ہیں: (۱) بیع الثمر بشرط القطع ہو (۲) بیع الثمر بشرط الابقاء ہو (۳) بیع الثمر بالاطلاق ہو پھر ان میں سے ہر واحد کے اندر دو دو احتمال ہیں ایک یہ کہ بیع قبل بدو صلاح ہو ثانی یہ کہ بیع بعد بدو صلاح ہو تو کل ۶ صورتیں ہو گئیں۔

- ① بیع الثمر بشرط القطع قبل بدو صلاح ② بیع الثمر بشرط القطع بعد بدو صلاح ③ بیع الثمر بشرط الابقاء قبل بدو صلاح ④ بیع الثمر بشرط الابقاء بعد بدو صلاح ⑤ بیع الثمر

بشرط الاطلاق قبل بدو الصلاح ⑥ بیع الثمر بشرط الاطلاق بعد بدو الصلاح.

مذکورہ چھ صورتوں کا حکم کیا ہے؟ اس میں اختلاف ہے مذاہب: ① امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بعد بدو الصلاح والی تینوں صورتوں میں بیع جائز ہے اور قبل بدو الصلاح والی تین صورتوں میں بیع ناجائز ہے ان کا استدلال زیر بحث باب کی روایت سے ہے۔

② امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بیع الثمر بشرط القطع دونوں صورتوں میں جائز ہے چاہے بعد بدو الصلاح ہو یا قبل بدو الصلاح ہو بیع الثمر بشرط الالبقاء دونوں صورتوں میں ناجائز ہے بیع الثمر بالاطلاق دونوں صورتوں میں جائز ہے لیکن عند الطلب اشجار کو فارغ کرنا ضروری ہے۔

امام صاحب رحمہ اللہ کا استدلال ان تمام روایات سے ہے جن میں یہ مذکور ہے کہ نبی ﷺ کے سامنے بیع الثمر قبل البدو کی گئی۔

سوال: زیر بحث باب کی روایات بظاہر امام صاحب رحمہ اللہ کے مذہب کے خلاف ہیں کیونکہ ان میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے بیع الثمر قبل بدو الصلاح سے منع کیا ہے؟

جواب ①: امام طحاوی رحمہ اللہ نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ روایات بیع سلم پر محمول ہیں نہ کہ مطلق بیع پر ہم اس بات تسلیم کرتے ہیں کہ بیع سلم بعد بدو الصلاح جائز ہوگی تاکہ مسلم فیہ موجود ہو جائے اور اگر بیع سلم قبل بدو الصلاح کی جائے تو اس صورت میں مسلم فیہ معدوم ہوگا اور معدوم کے اندر بیع سلم جائز نہیں۔

جواب ②: زیر بحث باب کی روایت میں نبی سے مراد نبی تنزیہی ہے۔

جواب ③: بصورت تعارض امام صاحب رحمہ اللہ کی دلیل کو ترجیح ہوگی کیونکہ وہ مؤید بالقیاس ہے۔ وہ اس طرح کہ ثمر قبل بدو الصلاح بھی مال مقنن ہے اور مال مقنن کی بیع جائز ہے۔

دوسرا اختلاف: باب کی حدیثوں میں نبی ارشادی ہے یا تشریعی؟ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی رائے یہ ہے کہ نبی تشریعی ہے یعنی یہی مسئلہ ہے اور بیع کے جواز و عدم جواز کا اسی پر مدار ہے۔

احناف کی رائے: یہ ہے کہ یہ نبی ارشادی ہے یعنی لوگوں کو ان کی بھلائی کی بات بتائی گئی ہے اور دلیل حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو بخاری (حدیث ۱۲۹۳) میں ہے حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی ﷺ کے زمانہ میں لوگ پھلوں کی خرید و فروخت کیا کرتے تھے جب پھل توڑنے کا وقت آتا تو مشتری کہتا پھلوں کو فلاں فلاں بیماری لگ گئی اور میرا نقصان ہو گیا اور بائع مشتری آپس میں جھگڑا کرتے جب حضور اقدس ﷺ کے پاس اس قسم کے بہت جھگڑے آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر بیع کرنی ہی ہے تو بدو الصلاح کے بعد کرو حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کالمشورۃ یشیر بہا لکثرة خصومہم یہ بات آپ ﷺ نے بطور مشورہ فرمائی تھی ان کے جھگڑوں کے زیادہ ہونے کی وجہ سے اس حدیث سے صاف یہ بات معلوم ہوئی کہ یہ نبی ارشادی ہے لوگوں کو ان کی بھلائی کی بات بتائی گئی ہے اس میں مسئلہ کا بیان نہیں ہے۔

اور ترمذی کی روایت میں بھی ہے نہی البائع والمشتري یعنی بائع اور مشتری کو منع فرمایا اگر نبی تشریعی ہوتی تو عام ہوتی سب مسلمانوں کے لیے ہوتی بائع اور مشتری کی تخصیص نہ کی جاتی معلوم ہوا کہ یہ نبی تشریعی نہیں بلکہ ارشادی ہے یعنی بائع اور مشتری کو ان کی بھلائی کی بات بتائی گئی ہے کہ اگر غلہ اور پھل بیچنے ہی ہوں تو بدو صلاح کے بعد بیچو اس میں دونوں کا فائدہ ہے اگر باغ

بدو صلاح سے پہلے بیچا گیا اور باغ شاندار پھلا تو بائع کو افسوس ہوگا کہ اس کا باغ سستا بک گیا اور اگر پھل کم آئے یا پھلوں کو بیماری لگ جائے تو مشتری کو افسوس ہوگا اس لیے پھل اور غلہ بدو صلاح کے بعد بیچنے چاہئیں تاکہ بائع کو پوری قیمت ملے اور مشتری کا بھی نقصان نہ ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّهْلِ عَنْ بَيْعِ حَبْلِ الْخَبَلَةِ

باب ۱۶: حمل کے حمل کو بیچنا ممنوع ہے

(۱۱۵۰) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ حَبْلِ الْخَبَلَةِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے حاملہ جانور کے حمل کو فروخت کرنے سے منع کیا ہے۔
تشریح: دو مطلب ہیں ایک مطلب تو یہ ہے کہ حاملہ گائے کا مالک یہ کہے کہ اس گائے کے پیٹ میں جو بچہ ہے اس بچے کے بچے کو فروخت کرتا ہوں۔

ظاہر ہے کہ یہ ایک فضول بات ہے اس لیے کہ کچھ پتہ نہیں کہ اس گائے کا بچہ پیدا ہوگا یا نہیں؟ اور پھر یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ مذکر ہوگا یا مؤنث ہوگا؟ اور مؤنث ہونے کی صورت میں اس کو حمل ہوگا یا نہیں؟ اگر حمل ہوا تو وہ زندہ بھی رہے گا یا نہیں؟ تو چونکہ اس کے اندر بے شمار احتمالات ہیں اور زمانہ جاہلیت میں اس قسم کی بیع کی جاتی تھی اس لیے حضور ﷺ نے اس سے منع فرمادیا۔
دوسرا مطلب: یہ ہے کہ بیع تو کسی اور چیز کی ہوئی لیکن قیمت کی ادائیگی کے لیے حمل کے ذریعہ قیمت مقرر کی گئی مثلاً مشتری بائع سے یہ کہے کہ میں تم سے یہ گھوڑا خریدتا ہوں اور اس کی قیمت اس وقت ادا کروں گا جب اس حاملہ گائے کا حمل بچہ جن دے گا چونکہ اس صورت میں اداء قیمت کی مدت مجہول اور غیر متعین ہے اس لیے یہ بیع درست نہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اسی حدیث میں صحیحین میں ہے: كَانَ الرَّجُلُ يَبْتَاعُ الْجَزُورَ إِلَى أَنْ تَنْتَاجَ النَّاقَةُ ثُمَّ تَنْتَاجُ التِّي فِي بَطْنِهَا يَعْنِي أَيْكَ شَخْصَ قِصَائِي كَانُتْنِي كَاوْنُتْ خَرِيدَتَا هِي يِهَا تَكْ كِهِي اَوْنِي بَحْ جَنِي پھر اس کے پیٹ کا بچہ بھی بچہ جنے اس وقت شمن کی ادائیگی کی جائے گی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ بَيْعِ الْغُرَرِ

باب ۱۷: دھوکہ کی بیوع ممنوع ہیں

(۱۱۵۱) نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ الْغُرَرِ وَبَيْعِ الْحِصَاةِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے دھوکے کے سودے سے منع کیا ہے اور کنکریوں کے سودے سے منع کیا ہے۔
تشریح: یہ جوامع الکلم میں سے ہے اس کے تحت جزئیات کثیرہ داخل ہیں چنانچہ بطور تمثیل کے تین صورتیں ذکر کی ہیں حصر مقصود نہیں ہے۔ ① بَيْعُ السَّمَكِ فِي الْمَاءِ ② بَيْعُ الْعَبْدِ الْأَبْقَى ③ بَيْعُ الطَّيْرِ فِي السَّمَاءِ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ ان کے عدم جواز پر اجماع ہے۔

ہر وہ بیع جس میں کسی بھی قسم کا دھوکہ ہو ممنوع ہے اور یہ قاعدہ کلیہ ہے اور اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔
 بائع کی ملک تمام نہیں اس کو اسی طرح بیچنا۔ آگے بیع المنابذۃ، بیع الحصاصۃ اور بیع الملامسۃ آرہی ہیں وہ سب
 شکلیں بیع الغرر کی ہیں اور ممنوع ہیں الغرض بیع کا صاف ستھرا بے غل و غش ہونا ضروری ہے جس بیع میں کسی بھی قسم کا دھوکہ ہو شرعاً
 ممنوع ہے۔

بیع الحصاصۃ: بیع الغرر کی ایک جزئی ہے یعنی بطور مثال نبی اکرم ﷺ نے اس کو بیان فرمایا ہے اور بیع الحصاصۃ یہ ہے
 کہ ایک شخص نے ریوڑ میں سے لم سم دس بکریاں خریدیں بائع نے مشتری کو دس کنکریاں دیں کہ ایک ایک کنکری اچھا لو جس بکری
 پر کنکری گرے گی وہ آپ کی ہوگی یہ بیع جائز نہیں اس میں دھوکہ ہے ہو سکتا ہے وہ دسوں کنکریاں اعلیٰ قسم کی بکریوں پر گریں تو اس
 صورت میں بائع کا نقصان ہوگا اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ کنکریاں مریل بکریوں پر یا بچوں پر گریں تو مشتری کا نقصان ہوگا بیع الحصاصۃ
 کی ایک اور بھی تفسیر کی گئی ہے امام ترمذی فرماتے ہیں کہ بیع الحصاصۃ بائع مشتری کو یہ کہے کہ بائع اور مشتری کے درمیان کسی معاملہ میں
 بھاد تاؤ چل رہا ہو جب ان میں سے کوئی ایک کنکری اٹھا کر پھینک دے تو جب یہ کنکری تیری طرف پھینک دوں گا تو بیع لازم ہو جائے
 گی اور تیرے لیے کسی قسم کا اختیار نہیں ہے۔ زبان بندی بیع میں جائز نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ

باب ۱۸: ایک بیع میں دو بیع کرنا منع ہے

(۱۱۵۲) نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ایک سودے میں دو سودے کرنے سے منع کیا ہے۔
 تشریح: اس باب میں بیعتین فی بیعۃ سے منع کیا گیا ہے اس کی تین صورتیں ہیں: (۱) بائع مشتری سے کہے کہ میں یہ چیز نقد
 ۱۰ روپے کی فروخت کرتا ہوں اور ادھار ۲۰ روپے کی اس کے جواز اور عدم جواز کے متعلق اصول یہ ہے کہ اگر احد العقدین کی تعیین پر
 مفارقت ہو تو جائز ہے ورنہ ناجائز ہے۔

زیر بحث باب کی روایت اسی احتمال ثانی پر محمول ہوگی کیونکہ ثمن کی جہالت ہے تردید کی وجہ سے اور اس صورت میں تسلیم و تسلیم
 نہیں ہو سکے گا جو کہ واجب ہے۔

(۲) یہ کہ کوئی آدمی کہے میں اپنا یہ گھرتجھہ پر فروخت کرتا ہوں اتنے کا اس شرط پر کہ تم اپنا غلام میرے اوپر فروخت کرو اتنے کا، جب
 آپ کا غلام میرے لیے ہو جائے گا تو میرا گھر آپ کے لیے ہو جائے گا یہ صورت بھی ناجائز ہے ایک تو ثمن مجہول ہیں دوسرے
 یہ شرط مقتضاء عقد کے خلاف ہے کیونکہ یہ صفحہ در صفحہ کو مستلزم ہے۔

(۳) یہ کہ اس سے مراد ہے ایسا عقد کرنا جس میں بیع اور اجارہ ہو مثلاً کوئی کتاب طبع کروانی ہے پریس والے کہیں ہم آپ سے دس
 ہزار لیں گے اور آپ کو ایک ہزار کتب دے دیں گے یہ صورت بھی ناجائز ہے کیونکہ اس میں اجرت طباعت اور کاغذ کی قیمت

دونوں شامل ہیں حالانکہ اصول کے مطابق طباعت کی اجرت الگ مقرر کرنی چاہیے تھی قیمت قرطاس الگ مقرر کرنی چاہیے۔
قسطوں میں زیادہ قیمت پر فروخت کرنا جائز ہے:

جو دوکاندار قسطوں میں اشیاء فروخت کرتے ہیں وہ عام بازاری قیمت سے زیادہ قیمت پر فروخت کرتے ہیں مثلاً ایک موٹر سائیکل کی قیمت عام بازار میں ۵۰ ہزار روپے ہے لیکن قسطوں پر فروخت کرنے والے (۶۰۰۰۰) ہزار روپے اس کی قیمت لگائیں گے اب اگر اس کی قیمت طے ہو جائے اور قسطیں متعین ہو جائیں کہ کتنی قسطوں میں اس کی ادائیگی کی جائے گی تو یہ صورت جائز ہے البتہ خریدار نے کوئی قسط وقت پر ادا نہ کی تو اس وجہ سے قیمت میں اضافہ نہیں ہوگا اس لیے کہ جب ایک مرتبہ قیمت متعین ہوگئی تو اس میں اضافہ کرنا بعد میں جائز نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ بَيْعِ مَالَيْسٍ عِنْدَهُ

باب ۱۹: جو چیز آدمی کے پاس نہ ہو اس کو بیچنا جائز نہیں

(۱۱۵۳) أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَقُلْتُ يَا تَبِیُّی الرَّجُلُ یَسْأَلُنِی مِنَ الْبَیْعِ مَا لَیْسَ عِنْدِی أَبْتَاعُ لَهُ مِنَ السُّوقِ ثُمَّ أَبِیْعُهُ قَالَ لَا تَبِیْعْ مَا لَیْسَ عِنْدَكَ.

ترجمہ: حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کی میرے پاس ایک شخص آتا ہے اور وہ مجھ سے ایسی چیز کا سودہ کرنا چاہتا ہے جو میرے پاس نہیں ہے پہلے میں اسے بازار سے خریدوں گا پھر اسے فروخت کروں گا تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جو چیز تمہارے پاس نہ ہو تو تم اس کا سودا نہ کرو۔

(۱۱۵۴) قَالَ تَهَانِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ أَبِیْعَ مَا لَیْسَ عِنْدِی.

ترجمہ: حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے مجھے اس بات سے منع کیا ہے میں ایسی چیز کو فروخت کروں جو میرے پاس نہ ہو۔

(۱۱۵۵) لَا یَحِلُّ سَلْفٌ وَبَیْعٌ وَلَا شَرْطَانٍ فِي بَیْعٍ وَلَا رُحْ مَالٌ يُضْمَنُ وَلَا بَیْعٌ مَا لَیْسَ عِنْدَكَ.

ترجمہ: عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کے حوالے سے یہ بات ذکر کرتے ہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کیا ہے سلف اور ایسا سودا جس میں ایک ہی سودے میں دو شرطیں ہوں اور جس کا آدمی ضامن نہ ہو وہ منافع اور اس چیز کو فروخت کرنا جو آپ کے پاس نہ ہو یہ (سب) جائز نہیں ہیں۔

(۱۱۵۶) تَهَانِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ أَبِیْعَ مَا لَیْسَ عِنْدِی.

ترجمہ: یوسف بن ماہک رضی اللہ عنہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے مجھے اس چیز سے منع کیا تھا میں اس چیز کو فروخت کروں جو میرے پاس نہ ہو۔

تشریح: حدیث عمر بن الخطاب بن شعیب عن زبیر عن جدہ یہ حدیث کئی مسئلوں پر مشتمل ہے: ① بیع سلف ② شرطان فی بیع ③ لارج مالہ یضمن ④ ولا بیع مالیس عندک۔ بیع اور سلف کی کیا صورت ہے تو امام ترمذی رحمہ اللہ نے کتاب کے اندر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے اس کی دو صورتیں ذکر کی ہیں۔

فائدہ: سلف قرضہ کو بھی کہتے ہیں اور بیع سلم کو بھی کہتے ہیں۔

پہلی صورت: یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص نے دوسرے کو قرضہ دیا اور قرضہ دینے کے بعد قرضہ دینے والے نے قرض دار پر اپنی کوئی چیز فروخت کر دی اصل مالیت سے زائد ثمنوں کے ساتھ تو یہ بیع بھی ہے اور ساتھ ساتھ قرضہ بھی ہے یہ حلال نہیں ہے اس لیے کہ وہ قرض دار اصل مالیت سے جو زائد کا خرید رہا ہے وہ محض اپنے مقروض ہونے کی وجہ سے اور قرضہ دینے والا اس سے نفع حاصل کر رہا ہے اور قاعدہ ہے کہ کل قرض جر نفعاً فهو حرام۔

دوسری صورت: اس کی یہ ہے کہ سلف بمعنی بیع سلم کے ہے مثلاً ایک شخص نے دوسرے کے ساتھ بیع سلم کی اور طے یہ ہوا کہ ایک مہینے کے بعد بیع (سلم فیہ) کو حوالے کرے گا اور یہاں مشتری نے کہا کہ اگر مدۃ معینہ میں مبیعہ میرے سپرد نہ کی تو پھر وہ بیع میں نے تجھے اتنے ثمنوں کے عوض فروخت کی اس کے عدم جواز کی وجہ بیعتین فی بیعۃ ہونا ہے اور بیعتین فی بیعۃ سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا۔

تیسری صورت: اس کی یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کے پاس جاتا ہے کہ مجھے قرضہ دیدو وہ کہے کہ میں قرضہ تو دیتا ہوں لیکن اس شرط پر کہ تم اپنی فلاں چیز اتنے کی بیچ دو ظاہر ہے کہ یہ ارزاں فروخت کرنے کا مطالبہ کرے گا تو یہ سود خوری کا ایک حیلہ بنا رہا ہے تو یہ بھی کل قرض جر نفعاً فهو حرام کے تحت داخل ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔

دوسرا مسئلہ: ولا شرطان فی بیع.... الخ اس کی کیا صورت ہے اس سے پہلے یہ سمجھیں کہ شرط کی دو قسمیں ہیں:

(۱) جو مقتضائے عقد کے موافق ہو مثلاً بائع نے مشتری سے کہا کہ یہ چیز فروخت کرتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ تم ثمن سپرد کرو گے یا مشتری نے کہا کہ میں یہ چیز خریدتا ہوں بشرطیکہ تم بیع سپرد کرو گے۔

(۲) جو شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہو اور وہ یہ ہے کہ جس میں احد المتعاقدين کا نفع ہو یا معقود علیہ کا نفع ہو بشرطیکہ وہ معقود علیہ اہل استحقاق میں سے ہو یعنی انسان ہو۔

اس کا کیا حکم ہے کہ جو شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہو آیا یہ مطلقاً مفسد للبیع ہے یا نہیں؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

حبہور کا مذہب: یہ ہے کہ ہر ایسی شرط جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو خواہ وہ ایک ہو تو بھی مفسد للبیع ہے دو ہوں تو بھی مفسد للبیع ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مذہب: ہے کہ ہر ایسی شرط جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو اگر وہ واحد ہو تو متحمل ہے اور مفسد للبیع نہیں ہے اور اگر دو ہوں تو پھر مفسد للبیع ہے۔

حبہور کی دلیل: حدیث عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ہے جس کی تخریج امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں کی ہے کہ نہی عن بیع و شرط شرط سے مراد وہ شرط ہے جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو اور یہ اپنے اطلاق اور عموم کی وجہ سے شرط واحد

کو بھی شامل ہے اور شرطین کو بھی شامل ہے۔

حنا بلہ کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے کہ اس میں شرطان کا لفظ ہے تو اس تشبیہ کے صیغہ کا کوئی فائدہ ہونا چاہیے اور وہ فائدہ یہی ہے کہ اگر ایک شرط ہو تو وہ مفسد للبیع نہیں ہے اور اگر دو شرطیں ہوں تو وہ مفسد للبیع ہیں چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے مابعد میں اس کی وضاحت بھی کی ہے توضیح کے لیے مثلاً بائع کہے کہ میں تجھے یہ کپڑا فروخت کرتا ہوں اس شرط پر کہ تو سلوائے بھی مجھ سے اور دھلوائے بھی مجھ سے تاکہ مجھے اس کی سلائی کی مزدوری مل جائے یہ جائز نہیں ہے اور اگر یہ کہے کہ اس شرط پر فروخت کرتا ہوں کہ تو ہفتہ وار دھلوائی مجھ سے کرے گا تو اب چونکہ ایک شرط یہ ہے تو اس لیے بیع جائز ہے۔

جواب ①: شرطان کی قید احترازی نہیں ہے بلکہ اتفاقی ہے اس لیے کہ عام طور پر لوگ دو شرطیں لگاتے ہیں اس لیے شرطان کہا در نہ شرط واحد سے کوئی احتراز مقصود نہیں ہے۔

جواب ②: تشبیہ کے ذکر سے ایک شبہ کا ازالہ مقصود ہے وہ وہم یہ ہو سکتا تھا کہ ایسی شرط جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو تو شاید وہ ناجائز اس وجہ سے ہو کہ اس میں متعاقدین میں سے ایک کا نفع ہے اور جب دو شرطیں ایسی ہوں ایک مشتری کی طرف سے ہو اور ایک بائع کی طرف سے ہو تو اب چونکہ دونوں کا نفع ہے تو اب شاید جائز ہونی چاہیے تو فرمایا: لا شرطان فی بیع۔

جواب ③: ہر ایسی شرط جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو وہ اگر ایک بھی ہو تب بھی وہ حقیقت میں دو شرطیں بن جائیں گی اس لئے کہ ایک شرط وہ ہے جو عقد کے مقتضاء کے موافق ہے اور دوسری شرط وہ ہے جو مقتضائے عقد کے خلاف ہے تو اب دو شرطیں بن گئیں اسی کو حدیث پاک کے اندر ولا شرطان فی بیع سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ولا ربح مالہ یضمن: تیسرا مسئلہ جس کی ضمان ہوگی نفع کا مستحق بھی وہی ہوگا۔ باقی یہ کس طرح معلوم ہوگا یہ کس کی ضمان میں ہے تو اس کا دار و مدار اس پر ہے کہ شئی کی ہلاکت کو دیکھا جائے گا کہ اگر اس کی ہلاکت بائع کے نقصان مال کا سبب ہو تو کہا جائیگا کہ یہ بائع کی ضمان میں ہے اور اگر اس کی ہلاکت مشتری کے نقصان مال کا سبب ہو تو کہا جائے گا کہ یہ مشتری کی ضمان میں ہے یہی وجہ ہے کہ جب تک مشتری نے بیع پر قبضہ نہ کیا ہو تو منافع کا مستحق بائع ہوگا اور اگر مشتری نے قبضہ کر لیا ہو تو منافع کا مستحق مشتری ہوگا۔ اب اگر مشتری کسی عیب کی وجہ سے بیع کو واپس کرنا چاہے تو بائع کو اس بات کا حق نہیں کہ وہ یہ مطالبہ کرے کہ تو نے اتنے دن منافع حاصل کیا ہے وہ مجھے دے دو۔

چوتھا مسئلہ: ولا بیع مالیس عندک اور یہ مسئلہ ماقبل میں گزر چکا ہے۔

قال اسحق بن منصور الخ صقلت لاحمد... الخ اس عبارت کے اندر دو مرتبہ آ رہا ہے اور یہ مقولہ ہے اسحق بن منصور رحمہ اللہ کا جو کہ امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ رحمہما اللہ کے شاگرد ہیں اور قال اسحق کہا قال احمد اس عبارت میں تقریباً تین مرتبہ آ رہا ہے اس اسحاق سے مراد اسحق بن راہویہ رحمہ اللہ ہیں اور احمد سے مراد امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ ہیں اسحق بن منصور رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے کچھ سوالات امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ سے کیے اور اس کے بعد میں نے وہی سوالات اپنے استاذ اسحق بن راہویہ سے کیے تو انہوں نے بھی وہی جوابات دیئے تھے۔

سوال: تھا کہ غیر مقبوض کی بیع سے نبی کا مصداق کیا ہے تو امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ نے کہا کہ میرے نزدیک نبی بند ہے مطعومات کے

اندر عام ازیں وہ مکلی ہوں یا موزونی ہوں۔

سوال: کیا کہ لاشرطان فی بیع کی توضیح بالمشال کیا ہے تو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے شریطین کی بھی توضیح بالمشال بیان کی اور شرط واحد کی بھی مثال سے وضاحت کی۔

سند کا حال: حدیث حکیم بن حزام رحمہ اللہ کے متعلق چند باتوں کا بیان:

(۱) حدیث حکیم بن حزام رحمہ اللہ کی توثیق و تحسین یہ حدیث حسن ہے۔

(۲) اس حدیث حکیم بن حزام رحمہ اللہ میں یوسف بن ماہک سے روایت کرنے والے ایوب سجستانی رحمہ اللہ ہیں تو بتلادیا کہ یہ متفرد نہیں بلکہ ان کے متابع ابو بشر موجود ہیں۔

یہ حدیث حکیم بن حزام رحمہ اللہ بسند محمد بن سیرین رحمہ اللہ بھی منقول ہے۔ کہ حدیث حکیم حزام رحمہ اللہ بسند محمد بن سیرین رحمہ اللہ کے اندر محمد بن سیرین رحمہ اللہ اور حکیم بن حزام رحمہ اللہ کے درمیان واسطہ ہے یا واسطہ نہیں تو بعض رواۃ مثلاً عوف اور هشام بن حبان وغیرہ واسطہ ذکر نہیں کرتے امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں بلکہ واسطہ ہے۔

واسطہ ہونے کی تقدیر پر ایک واسطہ ہے یا دو واسطے ہیں بعنوان آخر صرف ایوب سجستانی کا واسطہ ہے یا یوسف بن ماہک رحمہ اللہ کا بھی واسطہ ہے وکیع رحمہ اللہ ایک واسطہ ہے وکیع ایک واسطہ ذکر کر رہے ہیں اور عبدالصمد صاحب رحمہ اللہ دو واسطے ذکر کر رہے ہیں امام ترمذی رحمہ اللہ عبدالصمد صاحب رحمہ اللہ کے حق میں فیصلہ دیتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ دو واسطے ہیں لہذا یہ حدیث مرسل نہیں بلکہ معضل ہے۔

ماہک: آیا یہ عربی لفظ ہے یا فارسی اکثر کے نزدیک یہ فارسی لفظ ہے اور تشبیہ پر محمول ہے وہ تشبیہ یہ ہے کہ چاند جیسا اور بعض کہتے ہیں کہ عربی کا لفظ ہے غیر منصرف ہے اور عجمہ اور علم کی وجہ سے۔

مسئلہ: بیع کی صحت کے لیے شرط یہ ہے کہ بائع جو چیز بیچ رہا ہے وہ اس کی ملکیت میں ہو اور اس پر اس کا قبضہ بھی ہو اگر بیع بائع کی ملکیت میں نہیں یا اس پر اس کا قبضہ نہیں تو بیع جائز نہیں اور آذر لینا اس سے مستثنیٰ ہے مثلاً میرا کتب خانہ ہے میرے پاس آذر آتے ہیں۔ آذر میں جو کتابیں ہوتی ہیں میں ان کو بازار میں تلاش کرتا ہوں اور جتنی کتابیں مہیا ہو جاتی ہیں ان کو بھیج دیتا ہوں باقی کے بارے میں لکھ دیتا ہوں کہ دستیاب نہیں ہوئیں یہ آذر لینا اس حدیث کے ذیل میں نہیں آتا کیونکہ آذر بیع نہیں ہے بلکہ وعدہ بیع ہے یعنی آذر پہنچنے والا اس کا پابند ہے کہ جو کتابیں بھیجی جائیں ان کو ضرور لے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَهَبَتِهِ

باب ۲۰: ولأء کی بیع اور ہبہ میں کراہیت کا بیان

(۱۱۵۷) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَهَبَتِهِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ولأء کو فروخت کرنے یا اسے ہبہ کرنے سے منع کیا ہے۔

تشریح: ولأء کی دو قسمیں ہیں: ① ولأء العتاقۃ کہ آزاد کردہ غلام یا باندی کا مال آقا کے لیے ہو۔

② ولاء الموالاة کہ کوئی کافر مسلمان کے ہاتھ پر مسلمان ہو جائے اور اس کو کہے کہ اگر میں مر گیا تو میرا مال تیرے لیے ہوگا اور اگر مجھ سے کوئی جنایت ہوگی تو اس کی دیت تم پر لازم ہوگی قسم ثانی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غیر معتبر ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک معتبر ہے متقدمین میں اس کا رواج تھا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو جعفری ولاء الموالاة کی وجہ سے کہتے ہیں اور اس کا ثبوت حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث سے ہے۔

مسئلة الباب: زیر بحث باب کی روایت میں ولاء کی بیع اور ہبہ سے منع کیا گیا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ولاء دو حال سے خالی نہیں اس سے مراد حق ولاء ہوگا یا مال اگر اس سے مراد حق ولاء ہو تو پھر بیع اس لیے ناجائز ہے کہ وہ عین نہیں بلکہ عرض ہے جیسے حدیث مذکور ہے انما ہی لحمة کلحمة النسب کہ یہ نسب کی طرح ایک رشتہ ہے اور قرابت عین نہیں حالانکہ بیع کے لیے عین ہونا ضروری ہے اور اگر اس سے مراد مال ہے تو پھر بیع اس لیے ناجائز ہے کہ وہ موجود نہیں نہ فی الحال موجود ہے اور نہ آئندہ موجود ہونے کا یقین ہے ممکن ہے کہ مولیٰ ہی غلام سے پہلے فوت ہو جائے۔

مولی العتاقة اور مولی الموالاة میں فرق: ”مولی العتاقة“ اور مولی الموالاة میں فرق یہ ہے کہ مولی العتاقة عصبات میں داخل ہوتا ہے اور آخری عصبہ ہوتا ہے لہذا اگر آزاد ہونے کے بعد غلام مر جائے اور غلام کے ذوی الفروض اور دوسرے عصبات نہ ہوں تو اس صورت میں یہ مولی العتاقة وارث ہوگا اور ذوی الارحام پر یہ مقدم ہوگا اور مولی الموالاة ذوی الارحام سے مؤخر ہوتا ہے لہذا اس وقت وارث ہوگا جب مرنے والے کے عصبات اور ذوی الارحام نہ ہوں ورنہ نہیں ہوگا ان دونوں قسم کے حقوق کو ولاء کہا جاتا ہے حدیث باب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں قسم کی ولاء کو فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے لہذا اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مجھے فلاح شخص کی حق ولاء حاصل ہے میں یہ حق ولاء تم کو اتنے روپے میں فروخت کرتا ہوں جب اس کا انتقال ہوگا تو تم اس کے وارث ہو جاؤ گے یہ معاملہ کرنا جائز نہیں۔

حق الارث کی بیع: اسی حدیث سے فقہاء نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ حقوق شرعیہ یعنی وہ حقوق جو شریعت نے کسی ایک شخص کو دیئے ہیں اور وہ حقوق قابل انتقال نہیں ہیں تو ان حقوق کی خرید و فروخت جائز نہیں جیسے حق الارث ہے اس کی بیع جائز نہیں مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ میں اپنے باپ کے مال کا وارث ہوں یہ حق الارث میں تمہیں اتنے روپے میں فروخت کرتا ہوں یہ معاملہ جائز نہیں اس لیے حق الارث ایک حق شرعی ہے جو قابل انتقال نہیں ہے۔

حق تصنیف: ہے کہ ایک شخص نے ایک کتاب تصنیف کی اب اس کتاب کو شائع کرنے کا حق اس کو حاصل ہے اب یہ شخص اپنا یہ حق دوسرے کو فروخت کر دیتا ہے کہ میں اپنا یہ حق تصنیف آپ کو اتنے روپے کے عوض فروخت کرتا ہوں اسی کو حق طباعت بھی کہتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ بَيْعِ الْحَيَوَانِ بِالْحَيَوَانِ نَسِيئَةً

باب ۲۱: حیوان کو حیوان کے بدل ادھار بیچنا جائز نہیں

(۱۱۵۸) اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْحَيَوَانِ بِالْحَيَوَانِ نَسِيئَةً.

ترجمہ: سرہ نبی ﷺ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے جانور کی عوض میں جانوروں کے ادھار سودے سے منع کیا ہے۔

(۱۱۵۹) الْحَيَوَانُ اِثْنَانِ يَوْحَدُ لَا يَصْلُحُ نَسِيئًا وَلَا بَأْسَ بِهِ يَدًا اِثْنَيْنِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے ایک جانور کے بدلے میں دو جانور فروخت کئے جاسکتے ہیں لیکن انہیں ادھار کے طور پر فروخت کرنا درست نہیں ہے البتہ دہت بدست فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اعتراض: یہ ہے کہ اگر ہم تسلیم کر لیں کہ یہ حدیث متصل ہے تو پھر ہم کہتے ہیں کہ یہ محمول ہے بیع الحيوان بالحيوان پر جبکہ جانبین سے نسیئہ ہو اور جانبین سے نسیئہ کے عدم جواز کے تو ہم بھی قائل ہیں؟

جواب: حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے جواب دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اس حدیث کو جانبین سے نسیئہ پر محمول نہیں کیا جاسکتا اس لیے کہ نسیئہ عن الجانبین سے نبی کے لیے مستقل نص ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بیع الکالی سے منع فرمایا۔

شواہد کی دلیل: حدیث عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بن العاص رضی اللہ عنہ ہے الذی اخرجه ابو داؤد فی سننہ جس کا مضمون یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک لشکر کو روانہ فرمانے کا ارادہ فرمایا تو کچھ سواریاں کم ہو گئیں تو حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ زکوٰۃ کے اونٹوں کے بدلے میں سواریاں خرید لو تو جب زکوٰۃ کے اونٹ آئیں گے تو دے دیں گے تو حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ و کنت اخذ البعیر بالبعیرین. (یعنی میں ایک اونٹ کے بدلے دو اونٹ لیتا تھا) تو یہ بیع الحيوان بالحيوان نسیئہ ہوئی تو معلوم ہوا کہ بیع الحيوان نسیئہ جائز ہے۔

احناف کی طرف سے پہلا جواب یہ ہے کہ حدیث سرہ نبی ﷺ یہ محرم ہے بیع الحيوان بالحيوان نسیئہ کے لیے اور حدیث عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما مبیح ہے اور جب اباحت اور حرمت میں تعارض ہو جائے تو حرمت کو ترجیح ہوتی ہے لہذا حدیث سرہ نبی ﷺ کو ترجیح حاصل ہے۔

جواب ②: حدیث عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما یہ سندا مضطرب ہے اور مضطرب سے استدلال بھی اضطراب کو پیدا کرتا ہے چنانچہ حافظ جمال الدین زلیلی رحمہ اللہ نے لکھا یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ کا قول جو جرح و تعدیل کے کوہ ہمالیہ ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہذا مضطرب الاسناد اور اس اضطراب کو اپنی کتاب کے اندر تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

جواب ③: سندا بھی حدیث عبد اللہ بن عمرو بن ابی العاص رضی اللہ عنہما ضعیف ہے چنانچہ ابو داؤد کی سند کے اندر ایک راوی مسلم بن جبیر اور دوسرے عمرو بن حریص کے بارے میں کہا گیا ہے کہ کلاہما مجهولان.

جواب ④: اگر مان بھی لیں کہ یہ حدیث صحیح ہے تو پھر ہم کہتے ہیں کہ یہ حدیث منسوخ ہے یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے جب ابھی تک حرمت ربوا کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے اور جب حرمت ربوا کے احکام نازل ہوئے تو بیع الحيوان بالحيوان نسيئة کے بھی حرمت کا حکم نازل ہوا چنانچہ امام طحاوی رحمہ اللہ کا بھی میلان اسی طرف ہے۔

مالکیہ تھوڑا سا فرق کرتے ہیں متحد الجنس ہوگا یا مختلف الجنس ہوگا اگر مختلف الجنس ہو تو پھر مالکیہ احناف کے ساتھ ہیں اور اگر متحد الجنس ہو تو پھر شوافع کے ساتھ ہیں اور یہ حدیث تائید کے درجے میں ہے ورنہ اس حدیث میں حجاج بن ارطاة یہ ضعیف راوی ہیں اور ضعیف سے بھی سہارا لیا جاتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي شِرَاءِ الْعَبْدِ بِالْعَبْدَيْنِ

باب ۲۲: ایک غلام کو دو غلاموں کے عوض خریدنا جائز ہے

(۱۱۶۰) جَاءَ عَبْدٌ فَبَايَعَ النَّبِيَّ ﷺ عَلَى الْهِجْرَةِ وَلَا يَشْعُرُ النَّبِيُّ ﷺ أَنَّهُ عَبْدٌ فَجَاءَ سَيِّدُهُ يُرِيدُهُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ بَعْنِيهِ فَاشْتَرَاهُ بَعَبْدَيْنِ أَسْوَدَيْنِ ثُمَّ لَمْ يُبَايَعِ أَحَدًا بَعْدُ حَتَّى يَسْأَلَهُ أَعْبَدُ هُوَ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک غلام آیا اس نے نبی کریم ﷺ کے دست اقدس پر ہجرت کرنے کی بیعت کر لی نبی اکرم ﷺ کو اس بات کا پتہ نہیں تھا وہ غلام ہے پھر اس کا آقا اس کو تلاش کرتا ہوا آیا نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم اسے مجھے فروخت کر دو پھر نبی اکرم ﷺ نے دو سیاہ فام غلاموں کے عوض میں اس غلام کو خرید لیا اس کے بعد نبی اکرم ﷺ جب بھی کسی سے بیعت لیتے تھے تو اس سے یہ پوچھ لیتے تھے کہ کیا وہ غلام ہے؟

تشریح: ایک غلام کو خریدنا دو غلاموں بدلے میں دو غلاموں کو خریدنا ایک کے بدلے میں اگر ید ابید ہو تو یہ بالاجماع جائز ہے خواہ متساویا ہو یا متفاضلا ہو۔

سوال: فقہاء یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی غلام دار الحرب سے دار الاسلام میں مسلمان ہو کر آجائے تو دار الاسلام میں آتے ہی وہ مسلم آزاد ہو جاتا ہے اور آزاد کی بیع تو جائز نہیں ہے تو نبی کریم ﷺ نے اس کو کیسے بیچا؟

دوسرا سوال: کہ مسلمان غلام کو دار الحرب کی طرف بھیجنا جائز نہیں ہے کہ وہ وہاں کے ماحول سے متاثر ہو کر کہیں کفر نہ اختیار کر لے۔

جواب عن السؤال الاول: ممکن ہے کہ یہ غلام دار الحرب میں رہنے والے ان کفار کا ہو کہ جن کے ساتھ نبی کریم ﷺ کا معاہدہ ہو اور جن کے ساتھ معاہدہ ہو تو اگر ان کا غلام دار الاسلام میں بھاگ کر آجائے تو وہ آزاد مسلمان نہیں ہوتا۔

جواب عن السؤال الثاني: اس کے عوض میں جو دو غلام دیئے ممکن ہے کہ وہ دونوں کافر ہوں۔

اور دونوں سوالوں کا قدر مشترک جواب یہ ہے کہ یہ ابتداء اسلام کا واقعہ ہے اور بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

بَاب مَا جَاءَ أَنَّ الْحِنْطَةَ بِالْحِنْطَةِ مِثْلًا بِمِثْلٍ وَكَرَاهِيَةِ التَّفَاضُلِ فِيهِ

باب ۲۳: گیهوں سے گیهوں کا تبادلہ برابر برابر ہونا ضروری ہے کمی بیشی حرام ہے

(۱۱۶۱) اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ مِثْلًا بِمِثْلٍ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ مِثْلًا بِمِثْلٍ وَالتَّمْرُ مِثْلًا بِمِثْلٍ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ مِثْلًا بِمِثْلٍ وَالْبَلَحُ بِالْبَلَحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ مِثْلًا بِمِثْلٍ فَمَنْ زَادَ أَوْ اِزْدَادَ فَقَدْ اَرْبَىٰ وَيُعَوُّ الذَّهَبُ بِالْفِضَّةِ كَيْفَ شِئْتُمْ يَدًا بِيَدٍ وَيُعَوُّ الْبُرُّ بِالتَّمْرِ كَيْفَ شِئْتُمْ يَدًا بِيَدٍ.

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں سونے کے عوض میں سونے کو برابر چاندی کے عوض میں چاندی کو برابر کھجور کے عوض میں کھجور کو برابر گیهوں کے عوض میں گیهوں کو برابر نمک کے عوض میں نمک کو برابر اور جو کے عوض میں جو کو برابر فروخت کرو جو شخص زیادہ ادائیگی کرے یا زیادہ ادائیگی چاہے تو اس نے سود کا کام کیا چاندی کے عوض میں سونے کو جس طرح چاہو نقد فروخت کرو۔

تشریح: ربا کی دو قسمیں ہیں ربا القرض اور ربا الفضل کا بچہ ربا النسيئة ہے قرآن کریم نے صرف ربا القرض کو بیان کیا ہے اور ربا الفضل اور ربا النسيئة کا تذکرہ حدیثوں میں آیا ہے۔

ربا القرض کی تعریف:

قرض پر زیادتی مشروط کرنے کا نام ربا القرض ہے مثلاً ہزار روپے قرض دیئے اور دس فیصد زیادتی شرط کی۔ سورہ آل عمران آیت ۱۳۰ میں ربا القرض کا بیان ہے ارشاد پاک ہے اے ایمان والو! مت کھاؤ سود دہنے پر دونا اضعا فامضاعفہ کی صورت یہ ہے کہ ایک ہزار روپے قرض دیئے اور دس فیصد شرط کی تو مقروض پہلے مہینے میں گیارہ سو واپس کرے گا اور دوسرے مہینے میں بارہ سو دس لازم ہوں گے کیونکہ اب گیارہ سو کا دس فیصد واجب ہوگا اور تیسرے مہینے میں بارہ سو دس کا دس فیصد واجب ہوگا، یوں ہر مہینہ کا سود اصل کے ساتھ شامل ہوتا رہے گا اور مجموعہ پر سود بڑھتا رہے گا یہ اضعا فامضاعفہ ہے اور یہ بات صرف ربا القرض میں متحقق ہوتی ہے ربا الفضل میں اضعا فامضاعفہ کا تحقق نہیں ہوتا غرض قرض پر زیادتی شرط کرنے کا نام ربا القرض ہے۔

البتہ اگر قرض پر کوئی زیادتی شرط نہیں کی مگر مقروض نے اپنی خوشی سے زیادہ واپس کیا تو یہ سود نہیں مثلاً ایک شخص نے بیس ہزار روپے قرض لئے اور دس سال کے بعد واپس کئے اور یہ خیال کیا کہ کرنسی مسلسل گرتی رہتی ہے اور رقم سے دس سال تک اس نے فائدہ اٹھایا ہے اور اس کی زکوٰۃ قرض دینے والے نے ادا کی ہے اس لیے اس نے اپنی خوشی سے بیس کی جگہ تیس کئے تو یہ زائد دس ہزار سود نہیں اور قرض دینے والے کے لیے اس رقم کا لینا جائز ہے بلکہ لوگوں کو اس کا خیال رکھنا چاہیے اور قرض کو اچھے طریقہ سے یعنی وقت پر خندہ پیشانی سے اور کچھ اضافہ کر کے ادا کرنا چاہیے۔ مال اگر قرض دینے والا زیادتی کی شرط لگائے تو یہ سود ہے اور ناجائز ہے۔

اشیاء مستہ میں ربا کی علت کیا ہے: تمام ائمہ رضی اللہ عنہم متفق ہیں کہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث باب جس میں چھ چیزوں کا ذکر ہے معلل بالعت ہے ربا کا حکم ان تمام چیزوں میں جاری ہوتا ہے جن میں وہ علت پائی جاتی ہے۔

صرف غیر مقلدین اختلاف کرتے ہیں ان کے نزدیک ربا مذکورہ چھ چیزوں میں منحصر ہے ساتویں کسی چیز میں ربا نہیں حتیٰ کہ جب سونے چاندی کے سکے یعنی دنانیر و دراهم کا چلنا بند ہوا اور ان کی جگہ کرنسی نوٹ آئے تو ہندستان کے غیر مقلدین نے فتویٰ دیا کہ ان کا غنہ کے پرزوں میں ربا نہیں کیونکہ یہ مذکورہ چھ چیزوں کے علاوہ ہیں پھر جب لوگوں نے ان پر پھٹکار بھیجی تو انہوں نے فتویٰ بدلا کہ کرنسی نوٹ سونے چاندی کے حکم میں ہیں اس لیے ان میں بھی ربا متحقق ہوگا غرض اصحاب ظواہر تعلیل کے قائل نہیں ان کے علاوہ تمام مجتہدین کے نزدیک حدیث معلول بالعلت ہے پھر اس میں تو اتفاق ہے کہ سونے اور چاندی کی علت الگ ہے اور باقی چار چیزوں کی الگ مگر علت نکالنے میں اختلاف ہوا ہے مشہور تین قول ہیں۔

مذہب فقہاء: سونے اور چاندی کی علت: پہلا قول: احناف اور حنابلہ کے نزدیک علت قدر اور جنس ہے قدر عبارت ہے عوضین کے مکملی اور موزونی ہونے سے اور جنس کا معنی ہے مالیت میں تناسب ہو چنانچہ ان اشیاء میں سے سونا چاندی موزونی ہیں پس جو بھی چیز تولی جاتی ہے وہ سونے چاندی کے حکم میں ہے مثلاً زعفران لوہا تانبہ بیتل وغیرہ بلکہ اب تو ہزاروں چیزیں موزونی ہیں پس سب ربوی اشیاء ہیں۔ پس قدر مع الجنس میں یعنی جب دونوں عوض ایک جنس کے ہوں اور دونوں قدری یعنی مکملی یا موزونی ہوں تو ربا الفضل اور بالنسیہ دونوں کا متحقق ہوگا اور نہ تفاضل جائز ہوگا نہ ادھار بلکہ برابر سرابرا اور دست بدست فروخت کرنا ضروری ہوگا اور قدر مع الجنس میں یعنی جب دونوں عوض الگ الگ جنس کے ہوں مگر دونوں مکملی یا موزونی ہوں تو صرف ربا بالنسیہ کا متحقق ہوگا ربا الفضل متحقق نہیں ہوگا یعنی اس صورت میں کسی بیشی جائز ہوگی اور ادھار ناجائز جیسے گہوں کو چنے کے عوض بیچا جائے تو تفاضل جائز ہے اور ادھار حرام۔ پس جو بھی چیز پیمانے سے ناپی جاتی ہیں وہ ربوی ہے خواہ وہ مطعوم ہو یا غیر مطعوم جیسے چاول چنا مکئی برسین کے بیج وغیرہ اور معدودات (جو گن کر فروخت کی جاتی ہیں) اور مزروعات (جو گز وغیرہ سے ناپ کر فروخت کی جاتی ہیں ربوی چیزیں نہیں۔

دوسرا قول: شوافع کا ہے وہ کہتے ہیں کہ سونے اور چاندی کے اندر حرمت ربوۃ کی علت ثمنیت ہے اور باقی اشیاء اربعہ کے اندر طعمیت ہے غذا یت ہے آگے تعیم ہے کہ وہ باقی رکھنے کے قابل ہوں یا باقی رکھنے کے قابل نہ ہوں۔ علت طعم (کھانے کی چیز) ہونا ہے اور طعم میں ان کے نزدیک تین چیزیں شامل ہیں۔

اول: مطعومات یعنی وہ چیزیں جو غذا بننے کے لیے پیدا کی گئی ہیں گہوں اور جو اس کی مثالیں ہیں اور چاول، چنا اور مکئی وغیرہ اس کے ساتھ ملحق ہیں۔

دوم: فواکہ (پھل) کھجور اس کی مثال ہے اور کشمش انجیر وغیرہ اس کے ساتھ ملحق ہیں۔

سوم: مصلحات یعنی وہ چیزیں جو طعام یا جسم کی اصلاح کرتی ہیں نمک اس کی مثال ہے اور تمام ادویہ اور مسالے اس کے ساتھ ملحق ہیں۔

تیسرا قول: مالکیہ کا ہے سونے اور چاندی کے اعتبار سے تو ثمنیت ہے اور باقی اشیاء اربعہ کے اندر غذا یت ہے بشرطیکہ وہ ادھار یعنی ذخیرہ اندوزی کی صلاحیت رکھتا ہو۔

اور مالکیہ کے نزدیک: (۱) صرف ربا بالنسیہ کے لیے طعام میں علت: مطعوم ہونا ہے بشرطیکہ وہ چیز دوا کے طور پر نہ کھائی جاتی ہو خواہ وہ مطعوم اقتیات و ادھار کے قابل ہو یا نہ ہو جیسے لکڑی، خر بوزہ، لیموں اور گاجر وغیرہ کو دست بدست بیچنا ضروری ہے اور فواکہ کی جملہ انواع جیسے سیب اور کیلے وغیرہ کو بھی دست بدست فروخت کرنا ضروری ہے ادھار بیچنا سود ہے اور البتہ ان میں ربا الفضل

محقق نہیں ہوگا پس کی بیشی جائز ہے۔

(۲) اور بالفضل اور ربالنسمیہ دونوں کے تحقق کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں ایک طعام کا مققات ہونا یعنی عموماً انسان ان کو کھاتے ہوں اور صرف ان پر گذر بسر کرتے ہوں۔ دوسرا: طعام کا ادخار کے قابل ہونا یعنی عرصہ تک رکھنے سے وہ چیز خراب نہ ہو جہاں یہ دونوں چیزیں (اقتیات و ادخار) پائی جائیں گی وہاں دونوں رباً تحقق ہوں گے پس نہ کی بیشی سے فروخت کرنا درست ہوگا نہ ادھار۔

احناف کو کئی وجہ سے ترجیح حاصل ہے اس کے دلائل:

① حدیث عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے علت معلوم ہو رہی ہے مثلاً بمثل سے یہ علت حال ہونے کی وجہ سے قید مقصودی ہے جیسے جاء زید را کباً میں مقصود عجبیت زید بحالہ رکوب کو بتلانا ہے۔ باقی مقصودی کیوں ہے؟ ایک تو قید ہونے کی وجہ سے اور دوسرا اس وجہ سے کہ یہ مفہوم بیع میں داخل ہے اور مفہوم بیع مبادلة المال بالمال ہے اور ظاہر ہے کہ مبادلة المال بالمال علی وجه الاتم تب ہوگا کہ جب بدلیں میں مماثلت ہو اور نیز یہ مماثلت حکم بیع یعنی ملکیت کے اندر بھی داخل ہے اس لیے کہ ملکیت تب ہوگی جب تسلیم ہوگی کہ بائع بیع مشتری کے حوالے کر دے اور مشتری ثمن بائع کے سپرد کر دے اور تسلیم تب ہوگی کہ جب رضا مندی ہوگی اور رضا مندی تب ہوگی جب عوضین کے اندر مماثلت ہو۔ اذا کان الامر كذلك اب ہم یہ کہتے ہیں کہ مماثلت دو قسم پر ہے: ① مماثلت صوری ② مماثلت معنوی۔ مماثلت صوری معلوم ہوگی کیل اور وزن کے ذریعے سے اور مماثلت معنوی معلوم ہوگی جنس کے ذریعے سے پس یہ مماثلت دال ہے جنس اور قدر پر اور نیز اس علت کا استفادہ کیا گیا ہے قید سے اور مجتہد کی جوشان ہوتی ہے وہ قیودات کو زیر بحث لانا ہوتا ہے نہ کہ اعیان کو زیر بحث لانا بخلاف دیگر ائمہ کے کہ انہوں نے اعیان کو دیکھا قید کو نہیں دیکھا۔

دوسری دلیل: (۱) شافعیہ اور مالکیہ نے سونے اور چاندی میں جو علت ثمنیت تجویز کی ہے اس میں غور طلب بات یہ ہے کہ جب ثمنیت سونے اور چاندی کے ساتھ خاص ہے تو اس تعلیل کا کیا فائدہ؟ تعلیل تو حکم کے تعدیہ کے لیے ہوتی ہے اس لیے اس سے بہتر وزن کو علت بنانا ہے کیونکہ لوہے تانبے وغیرہ کی طرف اس کا تعدیہ ہوتا ہے علاوہ ازیں ایک متفق علیہ حدیث من وزن وکیل کے علت ہونے کی طرف اشارہ ہے حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ایک صاحب کو عامل بنا کر خیبر بھیجا وہاں سے وہ عمدہ کھجوریں لائے آپ ﷺ نے دریافت کیا کیا خیبر میں سب ایسی ہی عمدہ کھجوریں ہوتی ہیں؟ ان صاحب نے کہا نہیں! بلکہ ہم عمدہ کھجوروں کا ایک صاع معمولی کھجوروں کے دو صاع سے اور دو صاع تین صاع سے بدل لیتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: لا تفعل بع الجمع بالدر احم ثم ابتع بالدر احم جیداً ایسا نہ کرو مخلوط کھجوریں در احم کے عوض بیچ دو، پھر در احم سے عمدہ کھجوریں خرید لو وقال فی المیزان مثل ذالک اور وزن میں بھی ایسا ہی فرمایا۔ (مشکوٰۃ حدیث ۲۸۱۳) یعنی کھجوروں میں جید و ردی کا تفاوت ظاہر کرنا مقصود ہو تو دو بیعیں کی جائیں اسی طرح سونے چاندی میں عمدہ اور گھٹیا کا تفاوت ظاہر کرنا ہو تو بھی دو بیعیں کی جائیں گی اور لفظ میزان سے دونوں میں علت موزونی ہونا صاف مفہوم ہوا اور تقابل سے واضح ہوا کہ کھجوریں مکلی ہیں پس اس حدیث سے ربا کی دونوں علتیں: کیل و وزن ثابت ہو گئیں۔

اور یہی بات جو اس حدیث سے اشارۃ مفہوم ہوتی ہے مستدرک حاکم (۲: ۴۳۳) کی ایک روایت میں صراحت آئی ہے گو وہ روایت ضعیف ہے مگر تائید کے لیے کافی ہے وہ روایت یہ ہے: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو رسوا

اللہ ﷻ کا یہ ارشاد سنایا:

التمر بالتمر والحنطة بالحنطة والشعير بالشعير والذهب بالذهب والفضة بالفضة يدا بيداً عينا بعين مثلاً بمثل فمن زادربا اثم قال كذلك ما يكال ويوزن ايضاً.

یعنی مذکورہ پانچ چیزوں کا جو حکم ہے وہی تمام مکیلات و موزونات کا ہے غرض شافعیہ اور مالکیہ نے حرمت ربا کی جو علت بیان فرمائی ہے اس کی تائید کسی نص سے نہیں ہوتی انہوں نے یہ علت اپنے اجتہاد سے نکالی ہے اور احناف نے جو علت بیان کی ہے اس کی تائید مذکورہ دونوں حدیثوں سے ہوتی ہے۔

چوتھی دلیل: یہ ہے کہ احناف کی اس علت کے مطابق احتیاط بھی زیادہ ہے کہ اشیاء ستہ کے علاوہ کثیرہ میں ربوا سے اجتناب ہو جائے گا مثلاً لوہے کی بیع لوہے کے ساتھ اور چونے کی بیع چونے کے ساتھ احناف کی بیان کردہ علت کی وجہ سے ان میں بھی ربوا حرام ہوگا اور اس سے بچنا ضروری ہوگا اور باقی ائمہ کے ہاں ثمنیت و طعم یا ادخار والی علت نہیں پائی جاتی اس لیے ان میں ربوا حرام نہیں ہوگا۔

اگر قدر اور جنس دونوں کا مجموعہ پایا جائے تو تفاضل بھی حرام اور نسبیہ بھی حرام ہوگا اور اگر ایک پایا جائے۔ قدر یا جنس تو پھر تفاضل جائز ہوگا اور ربوا نسبیہ حرام ہوگا اذا کان الامر كذلك تو احناف کے نزدیک ان اشیاء کے علاوہ میں حرمت ربوا کی علت کی چار صورتیں بن جائیں گی۔ ① عوضین قدراً بھی متحد ہوں اور جنساً بھی متحد ہوں۔ ② جنساً متحد ہوں لیکن قدراً متحد نہ ہوں۔ ③ قدراً متحد ہوں لیکن جنساً متحد نہ ہوں۔ ④ نہ قدراً متحد ہوں اور نہ جنساً متحد ہوں۔ اوّل کی صورت جیسے چاول کی بیع چاولوں کے ساتھ اور آلو کی بیع آلو کے ساتھ دونوں موزونی بھی ہیں اور جنس بھی ایک ہے لہذا ربوا الفضل اور ربوا النسبیہ دونوں حرام ہوں گے۔ دوسری کی مثال: چاول کی بیع آلو کے ساتھ یہاں قدر تو ایک ہے لیکن جنس ایک نہیں ہے اس میں تفاضل جائز ہے لیکن نسبیہ جائز نہیں ہے۔

تیسری کی مثال: جیسے خاص نوع کے کپڑے کی بیع اسی نوع کے کپڑے کے ساتھ ہے اب جنساً متحد ہیں اور قدر مختلف ہیں نہ مکملی ہیں اور نہ موزونی ہیں بلکہ مزروعی ہیں لہذا یہاں تفاضل جائز ہے نسبیہ جائز نہیں ہے۔

چوتھی صورت کی مثال: جیسے اندوں کی بیع کپڑوں کے ساتھ یہاں دونوں چیزیں جائز ہیں تفاضل بھی جائز ہے اور نسبیہ بھی جائز ہے۔

سوال: بیع سلم موزونی چیز میں جائز نہیں ہونی چاہیے احناف کی علت کے مطابق اس لیے کہ جب مبیعہ موزونی ہوئی تو ثمن جو اس کے عوض میں دیئے جا رہے ہیں یہ بھی سونے اور چاندی کے حکم میں ہونے کی وجہ سے موزونی ہوئے تو قدر پائی گئی اور جب قدر اور جنس میں سے ایک چیز پائی جائے تو نسبیہ حرام ہے حالانکہ بیع سلم تو ہوتی ہی نسبیہ ہے؟

جواب: اس کے جواز پر اجماع ہو چکا ہے یہ اس سے مستثنیٰ رہے گی اگرچہ علت کا مقتضی تو یہی ہے کہ جائز نہ ہو اور احادیث کثیرہ بھی اس کے جواز پر دال ہیں۔ اس تفصیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ان اشیاء ستہ مذکورہ کے ماسواء کے اندر حرمت ربوا کی علت مخصوص نہیں ہے بلکہ اجتہادی ہے چونکہ علت مختلف فیہ ہے لہذا فقہاء کے ہاں احکام بھی مختلف ہوں گے۔ اسی کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یوں تعبیر فرمایا

کہ آیات متعلقہ بالا احکام میں سب سے آخری آیت ربوا کے بارے میں نازل ہوئی ولحد یفسرہا النبی ﷺ جب یہ صورت حال ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ان اشیاء ستہ کے ماسواء جن جن اشیاء میں ربوا کا ہونا سمجھ میں آجائے ان کو بھی چھوڑ دیں اور جن میں شبہ ہو ان کو بھی چھوڑ دیں کنز الاعمال کے اندر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ مقولہ نقل کیا گیا ہے کہ ہم نے ۹۰ فیصد جائز معاملات کو ترک کر دیا احتمال ربوا کی وجہ سے۔ موجودہ زمانہ کے ملحدین نے اس قول کی وجہ سے یہ کہنا شروع کر دیا کہ قرآن وحدیث کا حکم مبہم ہے معلول نہیں ہے ایک مبہم چیز کی وجہ سے سارے عالم کا جو نظام چل رہا ہے اس کو کیسے چھوڑا جاسکتا ہے؟

جواب ①: اعتراض سراسر غلط ہے اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ ان اشیاء ستہ کے ماسواء میں حرمت ربوا منصوص علیہ نہیں ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ منشاء ہرگز نہیں کہ باقی اشیاء میں تفصیل بیان نہیں کی تو باقی میں اندھا دھند ربوا لینا شروع کر دو بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان اشیاء ستہ کے علاوہ جن جن اشیاء میں ربوا کا ہونا سمجھ میں آجائے ان کو بھی چھوڑ دو اور جن میں شبہ ہو ان کو بھی چھوڑ دو۔

جواب ②: یہ ہے کہ درحقیقت یہ ربوا کی دو قسمیں ہیں: (۱) ربوا قرض (۲) ربوا معاملہ۔

ربوا قرض یہ ہے کہ ایک مدت تک کے لیے کسی کو قرضہ دیا جائے اس شرط کے ساتھ کہ جب وصولی ہوگی تو اصل رقم پر اتنی مقدار زیادتی کے ساتھ وصول ہوگی۔ یہ ہے ربوانی القرض زمانہ جاہلیت کے اندر بھی اس کا یہی مفہوم تھا اور اب بھی اس کا یہی مفہوم ہے اور قرآن میں بھی اسی کی حرمت نازل ہوئی ہے۔

اور ایک ہے ربوانی المعاملات جس کو نبی کریم ﷺ نے اشیاء ستہ کے اندر تو بیان فرمادیا لیکن ان کے ماسواء کے اندر اس کی حرمت اجتہادی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ربوانی المعاملات کے بارے میں ہے اور موجود زمانہ کے اندر جو ربوا چل رہا ہے یہ ربوانی القرض ہے اور اس کی تفصیل تو ساری دنیا جانتی ہے۔

سوال ①: اگر مان لیں کہ ربوا سے مراد ربوانی القرض ہے تو پھر ہم یہ کہتے ہیں کہ قرض کی دو قسمیں ہیں:

(۱) قرض حاجت (۲) قرض تجارت۔

قرض حاجت: یہ ہے کہ ایک آدمی کے کپڑے نہیں ہیں یا بچے بھوکے ہیں وہ ان کی بھوک کو ختم کرنے کے لیے یا کپڑے خریدنے کے لیے قرض لیتا ہے اس کو قرضہ حاجت کہتے ہیں۔

قرض تجارت: یہ ہے کہ مال کو بڑھانے کے لیے قرضہ لیا جائے اور قرآن مجید نے قرض حاجت کو حرام قرار دیا اس لیے کہ جب قرآن کی یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو اس وقت یہی قرض حاجت چل رہا تھا اور جو موجودہ قرض چل رہا ہے یہ قرض تجارت ہے۔

جواب: نبی کریم ﷺ کی شریعت نے مطلق ربوا کو حرام قرار دیا عام ازیں قرض حاجت ہو یا قرض تجارت نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں جیسے قرض فی الحاجت ہوتا تھا ایسے ہی قرض فی التجارۃ بھی ہوتا تھا۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے والد حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے پاس لوگ امانتیں رکھ جاتے تھے میرے والد کہتے کہ یہ قرض کے طور پر رکھ لو اس میں میرا بھی فائدہ ہے اور تمہارا بھی فائدہ ہے میرا فائدہ یہ ہے کہ میں ان کو تجارت وغیرہ میں لگا سکوں گا اور تمہارا فائدہ یہ ہے کہ اگر بطور امانت کے ہو تو غیر اختیاری طور پر ہلاک ہونے کی صورت میں میرے اوپر تاوان نہیں ہوگا تو تمہارا نقصان ہو جائے گا اور قرض تو بہر حال دینا ہی ہوگا

تو لوگ ان کے پاس قرض رکھ کر جاتے تھے۔ جب حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی وفات ہونے لگی تو انہوں نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو وصیت کی کہ میرا قرضہ ادا کر دینا فلاں زمین فروخت کر کے تو ان کی وفات کے بعد جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حساب لگایا تو وہ ۲۲ لاکھ نکلا تو کیا یہ بھوک مٹانے کے لیے تھا کفن دفن کے لیے تھا نہیں بلکہ تجارت کے لیے تھا حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں ربوا جاہلیت کو ختم کرتا ہوں اور سب سے پہلے میں اپنے چچا کے سود کو لوگوں سے معاف کرتا ہوں جو لوگوں کے ذمے تھا اس کی مقدار دس لاکھ مثقال سونا تھی اس سے اندازہ لگائیں کہ قرضہ کتنا ہوگا۔

سند کا حال: اس پر امام ترمذی رحمہ اللہ کلام کر رہے ہیں یہ جملہ حدیث عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ میں ثابت ہے یا نہیں؟ تو بعض رواۃ اس جملے کو نقل کر رہے ہیں اور بعض نقل نہیں کرتے پھر جو رواۃ نقل کر رہے ہیں ان کا آپس میں اختلاف ہو گیا کہ آیا یہ حضرت ابو قلابہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے یا حدیث مرفوعہ کا حصہ ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ حضرت ابو قلابہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث مرفوعہ کا حصہ ہے جیسے آخر میں فرمائیں گے: والحجة في ذلك قول النبي ﷺ.

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّرْفِ

باب ۲۴: سونے چاندی کی بیع کا بیان

(۱۱۶۲) اِنْطَلَقْتُ اَنَا وَابْنُ عُمَرَ اِلَى اَبِي سَعِيدٍ فَحَدَّثَنَا اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ سَمِعْتُهُ اُذْكَأَيِ هَاتَانِ يَقُولُ لَا تَبِيعُوْهُ مِنْهُ غَائِبًا بِنَاجِزٍ.

ترجمہ: نافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو انہوں نے ہمیں یہ حدیث سنائی میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے اپنے دونوں کانوں کے ذریعے سنا ہے سونے کو سونے کے عوض میں برابر فروخت کرو اور چاندی کو چاندی کے عوض میں صرف برابر فروخت کرو اس میں سے کسی ایک سمت سے زیادہ ادائیگی نہ کرو اور نہ ہی موجود چیز کے عوض غیر موجود کا سودا کرو۔

(۱۱۶۳) كُنْتُ اَبِيعُ الْاِبِلَ بِالْبَقِيعِ فَابَيْعُ بِاللِّدْنَانِ فَاُخَذُ مَكَائِهَا الْوَرِقُ وَابَيْعُ بِالْوَرِقِ فَاُخَذُ مَكَانَهَا الدَّنَانِيرُ فَاتَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَوَجَدْتُهُ خَارِجًا مِنْ بَيْتٍ حَفْصَةُ فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ لَا بَأْسَ بِهِ بِالْقِيَمَةِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں میں بقیع میں دیناروں کے عوض میں اونٹ فروخت کیا کرتا تھا اور ان کی جگہ چاندی لے لیا کرتا تھا یا کبھی چاندی کے عوض میں فروخت کرتا تھا اور ان کی جگہ دینار لے لیا کرتا تھا ایک مرتبہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ ﷺ کو سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے باہر نکلتے ہوئے پایا میں نے آپ ﷺ سے اس بارے میں دریافت کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا قیمت کے حوالے سے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۱۱۶۴) اَقْبَلْتُ اَقُولُ مَنْ يَضْطَرُّ الدَّرَاهِمَ فَقَالَ طَلْحَةُ بْنُ عُبَيْدٍ اللّٰهُ وَهُوَ عِنْدَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَرَاكَ

ذَهَبَكَ ثُمَّ اِثْنَيْنِ اِذَا جَاءَ خَادِمُنَا نُعْطِكَ وَرَقَكَ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ كَلَّا وَاللّٰهُ لَتُعْطِيَنَّهٗ وَرَقَهُ اَوْ لَتُرَدَّنَّ اِلَيْهِ ذَهَبُهُ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ الْوَرَقُ بِالذَّهَبِ رِبْوًا اِلَّا هَاءَ وَهَاءَ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ رِبْوًا اِلَّا هَاءَ وَهَاءَ وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ رِبْوًا اِلَّا هَاءَ وَهَاءَ وَالشَّمْرُ بِالشَّمْرِ رِبْوًا اِلَّا هَاءَ وَهَاءَ.

ترجمہ: حضرت مالک بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں یہ پوچھتا ہوں (بازار میں) داخل ہوا درہم کے عوض میں دینار کا لین دین کون کرتا ہے تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بن عبید اللہ جو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے وہ بولے تم اپنا سونا ہمیں دکھاؤ اور تھوڑی دیر بعد ہمارے پاس آنا جب ہمارا خادم آئے گا تو ہم چاندی تمہیں دے دیں گے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہرگز نہیں اللہ کی قسم یا تو تم اس کی چاندی اسے دو گے یا تم اس کا سونا اسے واپس کر دو گے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے سونے کے عوض میں چاندی کا لین دین سود ہوتا ہے سوائے اس کے جو نقد ہو اور اناج کے عوض میں اناج کا لین دین سود ہوتا ہے سوائے اس کے کہ جو نقد ہو جو کے عوض میں جو کا لین دین سود ہوتا ہے سوائے اس کے جو نقد ہو کھجور کے عوض میں کھجور کا لین دین سود ہوتا ہے سوائے اس کے جو نقد ہو۔

تشریح: ثمن یعنی سونے چاندی (دینار و درہم) کے باہم تبادلہ کا نام بیع صرف ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ اگر ہم جنس کے ساتھ تبادلہ ہو یعنی سونے کا سونے سے یا چاندی کا چاندی سے تبادلہ ہو تو برابری بھی ضروری ہے اور اگر خلاف جنس سے تبادلہ ہو یعنی سونے کا چاندی سے یا چاندی کا سونے سے تبادلہ ہو تو کمی بیشی جائز ہے مگر دست بدست ہونا ضروری ہے حضرت عبداللہ بن المبارک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہی ایک خوش نصیب باب ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں۔

فائدہ: اب دینار و درہم کی جگہ کرنسی نوٹ آگئے ہیں ان کا حکم کیا ہے؟ پس یہ نوٹ ہی ثمن عرفی ہیں اور ان کے احکام ذوقہمین ہیں یہ من وجہ ثمن ہیں اور من وجہ سامان اس لیے دونوں مشابہتوں کا لحاظ کر کے احکام مرتب کئے جائیں گے۔

مسئلہ: کرنسی نوٹ میں زکوٰۃ واجب ہے کیونکہ باب زکوٰۃ میں ان کی ثمنیت کا اعتبار ہے اگر سامان ہونے کا اعتبار کریں گے تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی کیونکہ جو سامان تجارت کے لیے نہ ہو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اور نوٹ تجارت کے لیے نہیں ہوتے۔

مسئلہ: اسی طرح ایک ملک کی کرنسی باہم کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز نہیں یہاں بھی ثمنیت کا اعتبار ہے۔

مسئلہ: ایک شخص سو کا نوٹ کھلا کر دانے کے لیے دوکاندار کے پاس لے گیا اس نے پچاس روپے دیئے اور کہا باقی تھوڑی دیر میں لے جانا یہ جائز ہے کیونکہ یہاں سامان ہونے کا اعتبار ہے اگر ثمنیت کا لحاظ کریں گے تو مذکورہ صورت ناجائز ہوگی کیونکہ بیع صرف مجلس عقد میں دست بدست قبضہ ضروری ہے۔

اسی طرح دو ملکوں کی کرنسیوں کا باہم تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے یہاں بھی سامان ہونے کا لحاظ ہے اور حوالہ میں ایک عوض نقد ہونا ضروری ہے دوسرا ادھار ہو سکتا ہے ورنہ بیع کالی بالکالی لازم آئے گی۔ غرض سونا چاندی تو ثمن خلقی ہیں مگر کرنسی نوٹ ثمن عرفی ہیں حکومت کی اعتباریت پر ثمن ہیں لہذا ان میں ثمنیت کا بھی اعتبار ہوگا اور چونکہ خلقۃ ثمن نہیں ہیں اس لیے سامان ہونے کا بھی اعتبار ہوگا دونوں پہلوؤں کا لحاظ کر کے احکام مرتب کئے جائیں گے۔

جزوی اختلاف: حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ابتدائی قول یہی تھا کہ اگر سونے کی بیع سونے کے ساتھ ہاتھوں ہاتھ

ہو تو اس میں تفاضل جائز ہے اسی طرح اگر چاندی کی بیع چاندی کے ساتھ ہو تو اس میں بھی تفاضل جائز ہے اس لیے کہ حدیث اسامہ رضی اللہ عنہ میں ہے انما الربوا فی النسئیة۔ انما کا کلمہ حصر کے لیے ہے اب معنی ہوگا لا ربوا الا فی النسئیة لیکن جب حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سنائی حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو تو انہوں نے اپنے قول سے رجوع کر لیا تھا تو پوری امت کا اجماع ہو گیا کہ اگر سونے کی بیع سونے کے ساتھ اور اسی طرح چاندی کی بیع چاندی کے ساتھ ہو تو اس میں تفاضل ناجائز ہے۔

سوال: حدیث ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور حدیث اسامہ رضی اللہ عنہ میں بظاہر تضاد ہے حدیث اسامہ رضی اللہ عنہ میں ہے کہ صرف نسیئہ ہی حرام ہے اور تفاضل تو حرام نہیں ہے اور حدیث ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں حرام ہیں۔

جواب ①: حدیث اسامہ رضی اللہ عنہ محمول ہے اشیاء غیر متجانسہ کی بیع پر اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں ربو النسیئہ ہی حرام ہے تفاضل تو حرام نہیں ہے اور حدیث ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ محمول ہے اشیاء متجانسہ کی بیع پر تو اس صورت میں تفاضل بھی حرام ہے اور نسیئہ بھی حرام ہے۔

جواب ②: حدیث ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ محرم ہے اور حدیث اسامہ رضی اللہ عنہ زیادہ سے زیادہ مبیع ہے اور تعارض کے وقت ترجیح محرم کو ہوتی ہے لہذا حدیث ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ یہ رائج ہے حدیث اسامہ رضی اللہ عنہ سے۔

جواب ③: حدیث ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ناسخ ہے اور حدیث اسامہ رضی اللہ عنہ منسوخ ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں بقیع میں اونٹوں کی تجارت کرتا دنانیر کے بدلے اونٹ فروخت کرتا اور وصولی کے وقت دنانیر کی بجائے دراہم لے لیتا اور کبھی دراہم کے عوض اونٹ فروخت کرتا اور وصولی کے وقت دراہم کی بجائے دنانیر لے لیتا تھا تو میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا مسئلہ پوچھنے کے لیے اس وقت حضور ﷺ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے باہر تشریف لا رہے تھے میں نے کہا کہ میرا تو یہ معاملہ ہے کہ دنانیر کے بدلے اونٹوں کو فروخت کرتا ہوں۔ اور وصولی کے وقت دنانیر کی بجائے دراہم لے لیتا ہوں اور کبھی دراہم کے بدلے اونٹ فروخت کرتا ہوں اور وصولی کی وقت دراہم کی بجائے دنانیر لے لیتا ہوں تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا لا بأس بالقیمہ یعنی اگر بدل اور مبدل منہ قیمت کے لحاظ سے برابر ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

سوال: بقیع تو قبرستان ہے اس کے اندر کیسے تجارت کرتے تھے؟

جواب ①: بقیع کے قبرستان بننے سے پہلے کا واقعہ ہے۔

جواب ②: یہ لفظ بقیع نہیں ہے بلکہ بقیع ہے جو کہ مدینہ منورہ کے مشرق میں وادی عقیق سے ۲۰ میل کی مسافت پر ہے وہ مراد ہے۔

جواب ③: صحیح یہ ہے کہ یہ بقیع ہی ہے لیکن بقیع دو ہیں: (۱) بقیع النخیل اور یہ عید گاہ کے قریب ایک بازار تھا تو حدیث میں یہی بقیع النخیل مراد ہے۔ (۲) بقیع الغرقہ مراد نہیں جو کہ قبرستان ہے مالک بن اوس بن جدعان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مجلس میں آیا یہ کہتے ہوئے من یصرف الدراہم کہ کون ہے جو دراہم کو فروخت کرنا چاہتا ہے دنانیر کے بدلے میں حاضرین میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بن عبید اللہ بھی موجود تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے میری آواز پر طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ارے بھائی میں بیچنا چاہتا ہوں سونا ہمارے حوالے کر دے پھر وقفہ کے بعد جب ہمارا منشی آ جائے گا تو پھر ہم دراہم آپ کے حوالے کر دیں گے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب نے فوراً کہا کہ کلا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا یا تو اسی مجلس کے اندر دراہم حوالے کرنے ہوں گے یا سونا واپس

کرد کیونکہ یہ بیع صرف ہے اس میں تقابض فی المجلس ضروری ہے اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حدیث پاک سنائی۔ ہاں وہاں اصل میں تھاخذ مافی یمینی واعط مافی یمینک یعنی یدایبید ہو۔

بَاب مَا جَاءَ فِي ابْتِیَاعِ النَّخْلِ بَعْدَ التَّأْبِيرِ وَالْعَبْدُ وَلَهُ مَالٌ

باب ۲۵: پیوند کاری کے بعد کھجوروں اور مالدار غلام کی بیع

(۱۱۶۵) مَنْ ابْتِیَاعَ نَخْلًا بَعْدَ أَنْ تَوَكَّلَ فَشَرُّهُمَا لِلَّذِي بَاعَهَا إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَیَاعُ وَمِنْ ابْتِیَاعِ عَبْدًا وَلَهُ مَالٌ فَمَالُهُ لِلَّذِي بَاعَهُ إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَیَاعُ.

ترجمہ: سالم بن عبد اللہ اپنے والد (حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) کا یہ بیان نقل کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے جو شخص پیوند کاری ہو جانے کے بعد کھجوروں کے باغ کو خریدے تو اس باغ کا پھل اس شخص کا ہوگا جس نے اسے فروخت کیا ہے سوائے اس صورت کے کہ خریدار اس کی شرط عائد کرے اور جو شخص کسی غلام کو خریدے اور اس غلام کے پاس مال موجود ہو تو اس کا مال فروخت کرنے والے کی ملکیت ہوگا سوائے اس صورت کے کہ خریدار اس کی شرط عائد کر دے۔

تشریح: زیر بحث باب کی روایت میں مذکور ہے ان توہمیں اس لفظ کو دو طرح پڑھا گیا تشدید کے ساتھ اور تخفیف کے ساتھ اگر تشدید کے ساتھ پڑھیں تو اس صورت میں یہ باب تفعیل سے ہوگا اور تخفیف والی صورت میں باب ضرب اور نھر سے ہوگا تاہم لغت میں کہتے ہیں اصلاح کو اور اصطلاح میں تاہم سے مراد یہ ہے کہ جب ابتداء کھجور کے خوشہ کا ظہور ہو تو اس وقت کھجور کا خوشہ کاٹ کر مادہ کے غلاف میں ڈالنا اس سے پھل زیادہ ہوتا تھا لیکن یہ انتہائی مشقت والا کام ہوتا ہے۔

مذاہب فقہاء: مسئلۃ الباب: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اگر کوئی آدمی بعد التاہیر کھجور کے درخت فروخت کرے تو کیا پھل درختوں کے تابع ہو کر بلا ذکر بیع میں شامل ہوگا یا نہ اور دو مذاہب ہیں۔

(۱) امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک پھل بائع کی ملک میں رہے گا چاہے قبل التاہیر ہو یا بعد التاہیر ہاں البتہ اگر صراحتاً ذکر کر دیا جائے کہ پھل بیع میں شامل ہے تو پھر شامل ہو جائے گا ورنہ اصول کے تابع نہ ہوگا۔

دلیل: امام صاحب رحمہ اللہ کا استدلال ایک تو باب کی روایت سے ہے اس میں صراحتاً مذکور ہے کہ پھل بعد التاہیر بائع کے لیے ہوگا دوسری ایک روایت میں مذکور ہے الثمرة للبائع الا ان يشترط للمبتاع اس روایت میں مطلقاً مذکور ہے کہ پھل بائع کا ہوگا قبل التاہیر اور بعد التاہیر کی کوئی قید مذکور نہیں۔ معلوم ہوا کہ حدیث باب میں بعد کی قید خصوص واقع کے اعتبار سے ہے قید احترازی نہیں۔ (۲) ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک اگر بیع بعد التاہیر ہو تو پھل بائع کی ملک میں رہے گا۔ اگر قبل التاہیر ہو تو پھر بیع میں شامل ہوگا اور مشتری کے لیے ہوگا۔

دلیل: ان کا استدلال بھی زیر بحث باب کی روایت سے ہے جس میں مذکور ہے کہ بعد التاہیر پھل بائع کا ہوگا اس سے بطور مفہوم مخالف کے ثابت ہوگا کہ قبل التاہیر پھل بائع کے لیے نہیں بلکہ مشتری کے لیے ہوگا۔

جواب ①: یہ استدلال مفہوم مخالف سے ہے اور ہمارے نزدیک مفہوم مخالف سے استدلال معتبر نہیں۔

جواب ②: تاہم کنایہ ہے ظہور ثمر سے معنی یہ ہوگا کہ قبل الظہور ثمر مشتری کے لیے ہوگا اور اس کے بعد کسی کو وہم نہیں ہونا چاہیے اس سے معلوم ہوا کہ بعد الظہور بائع کا ہوگا جیسا کہ زیر بحث باب کی روایت میں مذکور ہے۔

یہ نزاع لفظی ہے حقیقی نہیں: حضرت مولانا نور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ درحقیقت یہ نزاع لفظی ہے حقیقی نہیں کیونکہ شافعیہ کی کتابوں میں خود اس بات کی تصریح موجود ہے کہ اگر صاحب نخلہ نے خود تاہیر نہ کی ہو بلکہ خود سے پھل درخت پر نکل آیا ہو تب یہ حکم ہے کہ پھل بیع کے اندر داخل نہیں ہوگا جس کا مطلب یہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بعد ان توہر کا مفہوم بعد ان تظہر ہے یعنی جب پھل ظاہر ہو چکا ہو اس کے بعد بیع ہوئی ہو تو اس صورت میں پھل بائع کا ہوگا چاہے وہ پھل چھوٹا ہو یا بڑا ہو۔

حنفیہ بھی یہی کہتے ہیں کہ اگر پھل کا ظہور ہو چکا ہے مگر تاہیر نہیں ہوئی تب بھی پھل بائع کا ہوگا البتہ مشتری کے لیے ہونے کی ایک شکل ہے کہ جس وقت بائع نے درخت فروخت کیا تھا اس وقت تک کوئی پھل ظاہر نہیں ہوا تھا تو جب بیع کے بعد پھل ظاہر ہوا تو مشتری کا ہوگا لہذا حقیقی اختلاف کوئی نہ رہا اس لیے یہ نزاع لفظی ہے۔

حدیث کا دوسرا جزء یہ تھا کہ ومن ابتاع عبد اولہ مال فمالہ للذی باعہ الا ان یشترط۔

مسئلہ ثانیہ: غلام کی بیع میں اس کا مال داخل نہیں ہوگا؟ کوئی شخص غلام خریدے اس کے قبضہ میں مال ہو تو وہ مال بائع کا ہوگا بالا جماع الا یہ کہ مشتری شرط لگا دے کہ میں تب خریدوں گا جب مبیعہ دونوں چیزوں کا مجموعہ ہو یعنی شمن دونوں کے مقابلے میں ہوں گے تو یہ زیادۃ المبیع کے قبیل سے ہے اور یہ جائز ہے۔

تھوڑا سا اختلاف ہے امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مال میں تعیم ہے خواہ نقد کے قبیل سے ہو یا عروض کے قبیل سے ہو دونوں صورتوں میں بائع کا ہوگا۔

لیکن احناف اور شوافع کہتے ہیں وہ مال دو حال سے خالی نہیں ہے نقد کے قبیل سے ہوگا یا عروض کے قبیل سے ہوگا اگر عروض کے قبیل سے ہو تو بیع مطلقاً جائز ہوگی اور اگر نقد ہیں تو بیع اس وقت جائز ہوگی کہ جب وہ شمن جو مشتری دے گا وہ زیادہ ہوں ان دراہم سے جو غلام کے قبضہ میں ہے۔

مالکیہ کی دلیل: حدیث الباب ہے کہ اس حدیث میں مطلقاً فمالہ للبائع عام ازیں کہ وہ مال نقد کے قبیل سے ہو یا عروض کے قبیل سے ہو۔

جواب: نقد کی صورت میں نقد کے اعتبار سے بیع صرف بن جائے گی لہذا دیگر احادیث کی روشنی میں اس حدیث کو اسی تفصیل پر محمول کیا جائے گا۔

سند کی بحث: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرنے والے سالم اور نافع رضی اللہ عنہما ہیں ان میں فرق اتنا ہے کہ سالم عن ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اندر دونوں مسئلوں کا ذکر ہے حدیث رسول اللہ ﷺ کی حیثیت سے یعنی حدیث مرفوع ہے۔ اور حدیث نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما میں پہلے مسئلے کو بیان کر رہے ہیں حدیث مرفوع ہونے کی حیثیت سے اور دوسرے مسئلے کو بیان کر رہے ہیں قول عمر رضی اللہ عنہ کی حیثیت سے

ظاہر ہے دونوں میں تدافع ہے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کے دو حل پیش کئے ہیں۔

پہلا حل: یہ ہے کہ جس طرح حدیث نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما میں دوسرا مسئلہ اثر عمر رضی اللہ عنہ ہونے کی حیثیت سے مذکور ہے بالکل ایسے حضرت نافع رضی اللہ عنہ اس کو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی حیثیت سے بھی نقل کر رہے ہیں کبھی مسئلہ بتلانا ہوتا ہے تو اثر عمر رضی اللہ عنہ کی حیثیت سے بیان کر دیتے ہیں اور جب حدیث کو بیان کرنا مقصود ہو تو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی حیثیت سے تو پھر تصریح کر دیتے ہیں مرفوع ہونے کی لہذا کوئی تدافع نہیں ہے۔

دوسرا حل: حدیث سالم رضی اللہ عنہ یہ صحیح ہے حدیث نافع کے مقابلے میں امام بخاری رحمہ اللہ بھی یہی ارشاد فرماتے ہیں ایک تو اس وجہ سے سالم رضی اللہ عنہ کا متابع موجود ہے عکرمہ بن خالد اور نافع رضی اللہ عنہ کا متابع موجود نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ سالم رضی اللہ عنہ یہ زیادہ احفظ ہیں حضرت نافع رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں اور احفظ کی روایت اولیٰ ہوتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ الْبَيْعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَّفَقَا

باب ۲۶: بائع اور مشتری کو افتراق سے پہلے اختیار ہے

(۱۱۶۶) **الْبَيْعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَّفَقَا** أَوْ يَخْتَارَ أَقَالَ فَكَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا ابْتِئَاعَ بَيْعًا وَهُوَ قَاعِدًا قَامَ لِيَجِبَ لَهُ الْبَيْعُ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے سودا کرنے والے دونوں فریقوں کو (سودا ختم کرنے کا) اختیار ہوتا ہے جب تک وہ ایک دوسرے سے الگ نہ ہو جائیں یا اختیار کی شرط رکھیں۔

(۱۱۶۷) **الْبَيْعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَّفَقَا فَإِنْ صَدَقَا وَبَيَّتَا بَوْرَكَ لَهُمَا فِي بَيْعِهِمَا وَإِنْ كَتَمَا وَكَذِبَا مُحِقَّتْ بَرَكَةُ بَيْعِهِمَا.**

ترجمہ: حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے سودا کرنے والے دونوں فریقوں کو (سودا ختم کرنے کا) اس وقت تک اختیار ہوتا ہے جب تک وہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہو جائیں اگر وہ دونوں سچ بولیں گے اور حقیقت بیان کر دیں گے تو ان دونوں کے لیے ان کے سودے میں برکت رکھی جائے گی اور اگر دونوں جھوٹ بولیں گے یا کسی (خامی کو) چھپائیں گے تو ان کے سودے کی برکت کو ختم کر دیا جائے گا۔

(۱۱۶۸) **الْبَيْعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَّفَقَا إِلَّا أَنْ تَكُونَ صَفْقَةً خِيَارٍ وَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يُفَارِقَ صَاحِبَهُ خَشْيَةَ أَنْ يُسْتَقِيلَهُ.**

ترجمہ: عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے سودا کرنے والے دونوں فریقوں کو (سودا ختم کرنے کا) اختیار ہوتا ہے جب تک وہ ایک دوسرے سے الگ نہ ہو جائیں البتہ اس سودے

کا حکم مختلف ہوگا جس میں اختیار کی شرط رکھی گئی ہو آدمی کے لیے یہ بات جائز نہیں ہے وہ اپنے ساتھی سے اس اندیشے کے تحت الگ ہو جائے کہ وہ اس سودے کو ختم کر دے۔

(۱۱۶۹) لَا يَتَفَرَّقَنَّ عَنْ بَيْعِهِ إِلَّا عَنْ تَرَاضٍ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں لوگ کسی بھی سودے میں باہمی رضامندی ہو جانے کے بعد الگ ہوں۔

(۱۱۷۰) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَيَّرَ أَعْرَابِيًّا بَعْدَ الْبَيْعِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے سودا ہو جانے کے بعد بھی ایک دیہاتی کو اختیار دیا تھا۔

مذہب فقہاء: خیار مجلس کا مسئلہ: اس باب میں اس بات کا بیان ہے کہ خیار مجلس ثابت ہے یا نہیں؟

خیار مجلس کا مطلب: یہ ہے کہ ایجاب و قبول ہو جانے کے بعد مجلس کے ختم ہونے سے پہلے پہلے فریقین میں سے ہر ایک کو بیع کے فسخ کرنے کا اختیار ہوتا ہے عام ازیں دوسرا فریق راضی ہو یا نہ ہو آیا یہ خیار مجلس ثابت ہے یا نہیں تو اس میں اختلاف ہے آدھے امام ایک طرف ہیں اور آدھے ایک طرف۔

مذہب فقہاء: احناف اور مالکیہ: یہ کہتے ہیں ایجاب و قبول ہو جانے کے بعد بیع لازم ہو جائے گی فریقین میں سے کسی کو بھی دوسرے کی رضامندی کے بغیر بیع فسخ کرنے کا حق نہیں عام ازیں مجلس باقی ہو یا باقی نہ ہو ابراہیم نخعی رحمہ اللہ اور سفیان ثوری رحمہ اللہ ان کا بھی یہی مذہب ہے۔

دوسرا قول: شوافع رحمہ اللہ اور حنابلہ کا ہے فرماتے ہیں کہ خیار مجلس ثابت ہے ایجاب و قبول ہو جانے کے بعد جب تک مجلس باقی ہو فریقین میں سے بیع کے فسخ کرنے کا حق ہوگا خواہ فریق آخر راضی ہو یا راضی نہ ہو۔

دلائل احناف و مالکیہ: پہلی دلیل: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ﴾ (المائدہ: ۱) طریقہ استدلال یہ ہے کہ ایجاب و قبول سے عقد بیع متحقق ہو جاتا ہے اور اس آیت کریمہ میں ایفاء عقد کا حکم دیا گیا ہے اور یہ واجب ہے اب اگر خیار مجلس کو جائز قرار دیا جائے تو یہ ایفاء عقد کے منافی ہوگا۔

دوسری دلیل: ﴿وَأَشْهُدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ﴾ (البقرہ: ۲۸۲) اس آیت میں بیع پر اشہاد کا حکم دیا گیا ہے اگرچہ یہ اشہاد استنباطی ہے اب ہم کہتے ہیں کہ اشہاد کا فائدہ تب ہی مرتب ہوگا کہ جب خیار مجلس کا قول نہ کیا جائے۔ اس لیے کہ اشہاد سے مقصود استحکام ہے اب یہ اشہاد دو حال سے خالی نہیں مجلس کے ختم ہونے سے پہلے ہوگا یا مجلس کے ختم ہونے کے بعد ہوگا۔ اگر اشہاد مجلس کے ختم ہونے سے پہلے ہے تو اس صورت میں استحکام کا فائدہ حاصل نہیں ہوگا خیار مجلس کی وجہ سے اور اگر اشہاد مجلس کے ختم ہونے کے بعد ہو تو اس کا سرے سے فائدہ ہی نہیں ہوگا اس لیے کہ بیع تو پہلے سے وجود میں آچکی ہے۔

نیز اگر ایجاب و قبول ہو جانے کے بعد گواہ موجود ہوں تو کیونکہ اگر بعد میں چلے گئے (مجلس کے ختم ہونے سے پہلے) اس کے بعد مجلس کے ختم ہونے سے پہلے کوئی ایک بیع کو فسخ کر دے اور بعد میں جھگڑا ہو جائے اور معاملہ عدالت میں چلا جائے تو اب گواہ کس

بات پر گواہی دیں گے۔

حدیث: ① حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما جو بعد میں اپنے مقام پر آ رہی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: من ابتاع طعاما فلا یبعہ حتی یستوفیہ پس اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ قبضہ کر لینے کے بعد اس میں تصرف کرنا جائز ہے عام ازیں کہ مجلس باقی ہو یا باقی نہ ہو اگر خیار مجلس کا قول کیا جائے تو خیار مجلس کا مقتضی یہ ہے کہ قبضہ کر لینے کے بعد بھی جب تک مجلس باقی ہے تصرف کرنا جائز نہیں ہے اس لیے کہ دوسرے کا حق باقی ہے حالانکہ حدیث کا مدلول یہ ہے کہ قبضہ کر لینے کے بعد تصرف کرنا جائز ہے خواہ مجلس باقی ہو یا باقی نہ ہو۔

② حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کی بخاری شریف میں موجود ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں ایک سفر میں اپنے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر سوار تھا اور وہ گھوڑا بڑا سرکش قسم کا تھا نبی کریم ﷺ نے جب اس کی حالت دیکھی تو آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ یہ گھوڑا مجھے بیچ دو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ٹھیک ہے میں نے یہ گھوڑا آپ ﷺ کو بیچ دیا اب ایجاب و قبول ہونے کے بعد ابھی مجلس باقی تھی حضور ﷺ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو فرمایا کہ میں نے یہ گھوڑا آپ کو ہبہ کر دیا اب ایجاب و قبول ہو جانے کے بعد مجلس کے ختم ہونے سے پہلے آپ کا ہبہ کر دینا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ خیار مجلس کا کوئی وجود نہیں ہے اس لیے کہ اگر خیار مجلس باقی ہو تو لازم آئے گا کہ آپ نے غیر کے حق میں تصرف کیا اس کی اجازت کے بغیر اور یہ چیز نبی کی شان سے بعید ہے۔

دراپہ کا مقتضی بھی یہی ہے کہ خیار مجلس کا قول نہ کیا جائے اس لیے کہ عقد بیع یہ بھی عقود میں سے ایک عقد ہے اور بیع کے علاوہ جو دیگر عقود ہیں مثلاً عقد نکاح، عقد ہبہ وغیرہ ان میں سے کسی عقد کے اندر بھی خیار مجلس ثابت نہیں ہے تو دیگر عقود پر قیاس کا مقتضی یہ ہے کہ عقد بیع کے اندر بھی خیار مجلس ثابت نہیں ہونا چاہیے۔

شوافع اور حنابلہ کی دلیل: حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما ہے: الذی اخرجہ الترمذی فی الباب البیعان بالخیار مالم یتفرقا۔ متعاقدين کو اختیار ہے کہ جب تک تفرق نہ ہو یعنی جب تک مجلس ختم نہ ہو اس استدلال کی بنیاد اس بات پر ہے کہ تفرق بالابدان ہے جس کا نتیجہ ہے کہ خیار مجلس مشروع ہے کئی شواہد پیش کر رہے ہیں۔

① راوی حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اپنا عمل یہ تھا کہ جب کسی سے معاملہ کرتے (یعنی) بیع و شراء کرتے تو ایجاب و قبول ہو جانے کے بعد مجلس سے چند قدم چل پڑتے تو یہ چند قدم چلنا یہ تفرق بالابدان ہے اور صاحب البیت ادری بمافیہ۔

② فیصلہ ابو ہریرۃ سلمی رضی اللہ عنہ ہے کہ ان کے پاس ایک مقدم آیا کہ کچھ لوگ کشتی میں سوار تھے ان میں سے دو آدمیوں نے ایک گھوڑے کے بارے میں معاملہ کر لیا اگلا دن جب آیا تو مشتری نے گھوڑے پر قبضہ کرنا چاہا بائع نے قبضہ کرنے سے روک دیا ان کا آپس میں جھگڑا ہو گیا وہ مقدمہ حضرت ابو ہریرۃ سلمی رضی اللہ عنہ کے پاس لے آئے تو انہوں نے فرمایا لا اراکما افتروتما کہ میرا خیال ہے تمہارا افتراق نہیں ہوا۔

③ قول عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ ہے کہ ان کے سامنے ان فقہاء کا تذکرہ ہوا جو خیار مجلس کے قائل ہیں آپ ان کے بارے میں کیا فرماتے ہیں تو عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے کہا کیف اردھذا القول حالانکہ اس کے بارے میں حدیث صحیح موجود ہے۔

④ حدیث عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہے ابتداء میں تو وہی مضمون ہے کہ البیعان بالخیار مالم یتفرقا آخر میں اضافہ ہے لایحل لہ ان یفارق صاحبه خشية ان یستقیلہ کہ فسخ کے خوف کی وجہ سے متعاقدین میں سے کسی کو مفارقت اختیار نہیں کرنی چاہیے اذا کان الامر كذلك اب ہم یہ کہتے ہیں کہ ایجاب وقبول ہو جانے کے بعد ہی فسخ کا حق ختم ہو گیا اگر تفرق بالا قوال مراد ہے اب یہ ارشاد فرمایا کہ فسخ کے خوف کی وجہ سے مجلس نہیں بدلی چاہیے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے لہذا یہ قرینہ ہے اس بات کا کہ تفرق سے تفرق بالابدان ہے اس لیے کہ تفرق بالابدان کی صورت میں ہی ایجاب وقبول کے بعد مجلس کے باقی رہتے ہوئے فسخ کا اختیار ہوتا ہے۔

شواہد کے دلائل کا جواب: احناف کی طرف سے حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کا جواب ①: اس حدیث کے اندر تفرق قولی ہے معنی یہ ہے کہ جب تک بائع اور مشتری بیع سے متعلق جاری کلام سے فارغ نہ ہوں (اس وقت تک یہ ایک خیار ہے)۔

ایجاب وقبول ہو جانے کے بعد پھر کسی کو اختیار نہیں ہے لہذا اگر متعاقدین میں سے کسی ایک نے ایجاب وقبول کیا دوسرے نے ابھی قبول نہیں کیا تو اس موجب کو اپنے ایجاب وقبول سے رجوع کرنے کا حق حاصل ہے اسی طرح دوسرے کو بھی قبول کرنے اور رد کرنے کا اختیار ہے قبول کرنے نہ کرنے اور موجب کو اپنے ایجاب سے رجوع کرنے کا حق اس وقت تک ہوگا کہ جب تک یہ دونوں بیع سے متعلق جو کلام ہے اس سے فارغ نہ ہوں لیکن جب دونوں بیع سے متعلق کلام سے فارغ ہو گئے ایک ایجاب سے فارغ ہو گیا اور دوسرا قبول سے فارغ ہو گیا جس کی وجہ سے ایک بائع کہلانے کا مستحق ہو گیا اور ایک مشتری کہلانے کا مستحق ہو گیا اب کسی قسم کا کسی کو اختیار نہیں ہوگا باقی رہی یہ بات کہ حدیث کا مدلول تفرق قولی ہے اس پر کیا دلیل ہے؟

دلیل کو سمجھنے سے پہلے یہ سمجھیں کہ یہ مقدمہ مسلمات میں سے ہے کہ عقد بیع کا موضوع لہ ثبوت ملک ہے لزوم ملک ہے:

(۱) اب ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر حدیث پاک کے اندر تفرق سے مراد تفرق قولی ہو تو مدلول حدیث ایجاب وقبول ہو جانے کے بعد یہ تمام ہو جاتی ہے وہ موضوع لہ کے لیے مؤکد اور مقرر لہ ہوگا اور اگر تفرق بدنی مراد لیں تو مدلول حدیث عقد بیع کے موضوع لہ کے منافی ہوگا۔

دوسری دلیل: اگر تفرق سے مراد تفرق قولی ہو تو مدلول حدیث اپنی نظائر کے ساتھ شریک ہوگا خیار مجلس کے نہ ہونے میں اس لیے کہ اس صورت میں مدلول حدیث یہ ہوگا کہ ایجاب وقبول ہو جانے کے بعد کسی قسم کا خیار نہیں ہے تو اب یہ عقد بیع بالنظر بن جائے گا جس طرح دیگر عقود مثلاً عقد اجارہ ہے عقد خلع ہے وغیرہ ان میں خیار مجلس نہیں اسی طرح اس میں بھی خیار مجلس نہیں ہے اور اگر تفرق سے مراد تفرق بدنی لیں تو مدلول حدیث ہے خیار مجلس کا ثبوت تو اب عقد بیع اپنی نظائر سے کٹ جائے گا اور ظاہر ہے کہ ایسا معنی مراد لینا زیادہ بہتر ہے کہ جس کی وجہ سے عقد بیع بانظائر ہو۔

تیسری دلیل: اگر تفرق قولی مراد لیں تو اس صورت کے اندر غیر کے حق کا ابطال لازم نہیں آئے گا اس لیے کہ ایجاب وقبول ہو جانے کے بعد کسی ایک کو دوسرے کی رضامندی کے بغیر فسخ کرنے کا حق نہیں ہے اور اگر تفرق بدنی مراد لیں تو اس صورت ثابت شدہ (غیر کے حق) کا ابطال لازم آئے گا لہذا تفرق قولی مراد لینا بہتر ہے۔

(۲) اگر تفرق قولی مراد لیں تو اس صورت میں مدلول حدیث کا رد الی الجہالۃ نہیں ہوگا اور اگر تفرق بدنی مراد لیں تو رد الی الجہالۃ لازم

آئے گا اس لیے کہ کوئی پتہ نہیں کہ کب تک مجلس باقی رہے گی اور ظاہر ہے کہ وہ معنی مراد لینا بہتر ہے جس میں ردالی الجہالت لازم نہ آئے۔

(۵) اگر تفرق بالا قوال مراد لیں تو اس صورت میں البیعان اپنے معنی حقیقی میں مستعمل ہوگا اور اگر تفرق بالابدان مراد لیں تو اس صورت میں البیعان معنی مجازی میں مستعمل ہوگا اس لیے کہ عاقدین جب عقد بیع میں مشغول ہوں تو ان کو بیعان کہنا حقیقتہً ہے اور ایجاب وقبول کے بعد مجلس کے ختم پر البیعان کا اطلاق یہ ماکان کے اعتبار سے ہے اور ایجاب وقبول سے پہلے ان پر البیعان کا اطلاق یہ مجازاً مایول کے اعتبار سے اس لئے کہ اسم فاعل کا اطلاق حالت مباشرةً میں حقیقی ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ آیا تفرق کا استعمال تفرق قوی میں ہوتا ہے یا نہیں؟

جواب ①: نصوص میں تفرق کا اطلاق تفرق اقوال پر ہوا ہے مثلاً:

(۱) ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا...﴾ (آل عمران: ۱۰۳) یہاں تفرق بالا قوال مراد ہے کہ نظریات اور عقائد کے اعتبار سے جدا نہ ہوں۔

(۲) ﴿لَا تَفَرَّقْ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ﴾ (البقرہ: ۲۸۵) یہ تفرق عقائد کے اعتبار سے ہے۔

(۳) ﴿وَإِنْ يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللَّهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهِ﴾ (النساء: ۱۳۰) اسی طرح متفرق اسی کے اندر بھی تفرق بحسب العقائد مراد ہے۔ تفرق بالا قوال۔

جواب ②: ہم تسلیم کرتے ہیں کہ تفرق سے مراد تفرق بدنی ہے لیکن خیار سے مراد خیار مجلس نہیں بلکہ خیار قبول مراد ہے مدلول حدیث یہ ہے کہ موجب کے ایجاب کے بعد جب تک مجلس باقی رہے گی تو دوسرے کے قبول کا اعتبار ہوگا جب مجلس ختم ہو جائے گی تو دوسرے کے قبول کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ اس کے قبول کے لیے از سرے نو ایجاب کی ضرورت ہوگی یہی منقول ہے قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ اور عیسیٰ بن ابان رحمہ اللہ سے۔

جواب ③: حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ سے منقول ہے ہم مان لیتے ہیں کہ تفرق سے مراد تفرق بدنی ہے اور خیار سے مراد خیار مجلس ہی ہے لیکن تمہیں ہماری ایک بات ماننی پڑے گی کہ یہ خیار مجلس غلی سبیل الوجوب نہیں ہے بلکہ غلی سبیل المروت اور غلی سبیل التبرع ہے حق معاشرت کے طور پر ہے کہ اگر ایک نادم ہے اور وہ فسخ کرنا چاہتا ہے تو دوسرے کو مان جانا چاہیے اس پر قرینہ بھی موجود ہے بخاری شریف کی روایت میں ہے او یختار اثلثا سارے شوافع کہتے ہیں کہ ثلاثا کی قید استحباب کے لیے ہے پس احناف کو بھی حق حاصل ہے۔ یہاں اختیار مجلس استحباباً ہے نہ کہ وجوباً۔

شوافع کے ہاں خیار مجلس کے ساقط ہونے کی دو صورتیں ہیں: (۱) مجلس باقی نہ رہے (۲) اختیار یعنی ایجاب وقبول ہو جانے کے بعد فریقین میں سے ایک دوسرے کو کہے اختار دوسرا کہے اختارت تو اب خیار مجلس ساقط ہو جائے گا اگرچہ مجلس باقی ہو اب حدیث پاک میں یختار ثلاثا ہے لیکن شوافع متفق ہیں کہ ثلاثا کی قید استحباب کے طور پر ہے ورنہ اگر ایک دفعہ بائع کہہ دے اختار اور اختارت کہہ دے تو بیع لازم ہو جائے گی لیکن تین دفعہ اختار کہنا کوئی ضروری نہیں ہے۔

ابن عمر رحمہ اللہ کے عمل کا جواب ①: ابن عمر رحمہ اللہ کا چند قدم چلنا یہ احتیاط تھا اس وجہ سے نہیں تھا کہ وہ (خیار مجلس کے قائل تھے)

اور تفرق سے مراد تفرق بالابدان ہے بلکہ اس وجہ سے تھا تا کہ بیع چکی ہو جائے گی۔

جواب ②: اس وجہ سے تھا کہ شاید فریق آخر خیار مجلس کا قائل ہوتا کہ فریق آخر کے مسلک کے مطابق بھی بیع چکی ہو جائے۔

جواب ③: اگر مان لیا جائے کہ مجلس کو بدلنا اس وجہ سے تھا کہ وہ خیار مجلس کے قائل تھے تو یہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ان البیت لیعذب ببکاء اہلہ پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تخطیہ کیا ایسے ہی متبوتہ مطلقہ کے لیے نفقہ اور سکنی ہے یا نہیں؟ اس بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی حدیث کا اعتبار نہیں کیا اور ایسے ہی ہما مست النار موجب للوضوء ہے یا نہیں؟ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فہم ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کو رد کر دیا تو اگر سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ خیار مجلس کے مسئلے میں فہم ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اعتبار نہ کریں تو کونسا پہاڑ گرتا ہے۔

شہاد ثانی فیصلہ ابو ہریرۃ سلمی رضی اللہ عنہ کا جواب: کہ بندہ خدا ایک دن اور ایک رات گزر گئی اتنے لمبے وقت میں نمازیں بھی پڑھی ہوں گی اتنے لمبے عرصے میں مجلس باقی رہے یہ تو نہیں ہو سکتا یہ (حدیث) تو شوافع کے بھی خلاف ہے اب مل کر جواب دینا ہو گا وہ یہی ہے کہ یہ فیصلہ بطور صلح اور تبرع کے تھا قضاء شرعی ہونے کی حیثیت نہیں تھا۔

جواب ②: اگر ہم مان لیں کہ یہ فیصلہ قضاء شرعی ہونے کی حیثیت سے تھا تو یہ ابو ہریرۃ سلمی رضی اللہ عنہ کا اپنا اجتہاد ہے اور صحابی رضی اللہ عنہ کا اجتہاد اس وقت حجت ہوتا ہے جب وہ نص کے معارض نہ ہو۔

شہاد ثالث (قول عبد اللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ کا جواب) یہ ان کا اپنا اجتہاد ہے۔

شہاد رابع: (حدیث عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ) کا جواب یہ حدیث تو احناف کی دلیل ہے کہ ایجاب وقبول ہو جانے کے بعد فسخ کا حق نہیں بجز اقالہ کے اور اقالہ کہا جاتا ہے دوسرے کی رضامندی کے ساتھ بیع کو فسخ کرنا اور خیار مجلس دوسرے کی رضامندی کے بغیر ہوتا ہے اس حدیث میں ہے کہ وہ اقالہ کے خوف کی وجہ سے اپنے ساتھی سے جدا نہ ہو اور اقالہ ہوتا ہی تب ہے کہ جب بیع تام ہو جائے اور استقیلہ کا سین بھی اس بات پر دال ہے کہ اقالہ ہی مراد ہے مجلس نہیں بدلنی چاہیے۔

اعتراض: جیسے مجلس کے اندر اقالہ کرنا جائز ہے اسی طرح مجلس کے بعد بھی اقالہ ہو سکتا ہے تو پھر مجلس نہ بدلنے کا حکم کیوں دیا؟
جواب: مجلس میں اقالہ کا استحباب علی وجہ التاکید ہے اور مجلس کے بدلنے کے بعد اقالہ کرنا یہ بھی مستحب ہے لیکن علی وجہ التاکید نہیں ہے الا بیع الخیار۔

چونکہ صحیحین کی روایت میں یہ الفاظ موجود ہیں اس لیے اس کا معنی بتا رہے ہیں۔

پہلا معنی: یہ ہے کہ فریقین میں سے ایک دوسرے کو کہے اختار دوسرا کہے اختارت تو خیار ساقط ہو جائے گا اگرچہ مجلس باقی ہو۔
دوسرا معنی: ہے الا بیع بشرط الخیار کہ اگر بیع بشرط الخیار ہو تو مدۃ خیار شرط کے اندر من لہ الخیار کو فسخ کرنے کا حق حاصل ہو گا۔

تیسرا معنی: ہے الا بیع بسقوط الخیار متعاقدین نے یہ معاہدہ کر لیا کہ ایجاب وقبول کے بعد کسی کو خیار نہیں ہو گا تو اب بھی بیع لازم ہو جائے گی۔

بَابُ مِنْهُ

باب: خیار مجلس کے سلسلہ کا ایک اور باب

اس باب میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے دو حدیثیں ذکر کی ہیں دونوں کا تعلق خیار مجلس سے ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا يَتَفَرَّقَنَّ عَنْ بَيْعٍ إِلَّا عَنْ تَرَاضٍ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فروخت کرنے اور خریدنے والا اس وقت تک جدا نہ ہوں جب تک وہ آپس میں راضی نہ ہوں۔

عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم خَيَّرَ أَغْرَابِيًّا بَعْدَ الْبَيْعِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دیہاتی کو بیع کے بعد اختیار دیا۔

تشریح: یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکارم الاخلاق پر مبنی ہے نہ کہ تشریع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کریمانہ اخلاق کا تقاضا تھا کہ کسی کو ان سے کوئی شکایت و گلہ نہ رہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں چاہتے تھے کہ قبل البعث یا بعد البعث قبل الوفات یا بعد الوفات کوئی ان پر کسی حق کا دعویٰ کرے یا کسی کے حق کا شائبہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يَخْدَعُ فِي الْبَيْعِ

باب ۲۷: جو شخص تجارت میں دھوکہ کھاتا ہو اس کا حکم

(۱۱۷۱) إِنَّ رَجُلًا كَانَ فِي عُقْدَتِهِ ضَعْفٌ وَكَانَ يُبَايِعُ وَإِنَّ أَهْلَهُ أَتَوْا النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم اجْزُرْ عَلَيْهِ فِدْعَاةَ نَبِيِّ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَتَهَاةً فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِنْ لَمْ أَصْبِرْ عَنِ الْبَيْعِ فَقَالَ إِذَا بَايَعْتَ فَقُلْ هَاءُ وَهَاءُ وَلَا خَلَابَةَ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک شخص لین دین میں کمزور تھا وہ خرید و فروخت کیا کرتا تھا اس کے گھروالے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ اسے تصرف کرنے سے روک دیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلایا آپ نے اسے منع کر دیا اس نے عرض کی میں خرید و فروخت کئے بغیر نہیں رہ سکتا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم کچھ سودا کرو یہ کہو یہ اتنا اتنا ہے اور کوئی دھوکہ نہیں ہوگا۔

تشریح: حضرت حبان رضی اللہ عنہ بن مسعود تھے ان کی گرہ میں کمزوری تھی یعنی عقل کا ایک سکر وڈھیلا تھا۔

مذا: کہ سفیہ (کم عقل) کے قول پر پابندی لگ سکتے ہیں یا نہیں؟

یعنی سفیہ کا قول: بعت، اشترویت وغیرہ معتبر ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے: ① ائمہ ثلاثہ اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک

حجر جائز ہے پس جب پابندی لگادی گئی پھر اس نے کوئی چیز خریدی یا بیچی تو وہ بیع کا عدم ہے۔

② اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کسی عاقل بالغ آزاد پر پابندی لگانا جائز نہیں اور سفیہ چونکہ عاقل ہے گو کم عقل ہے اس لیے گورنمنٹ اس پر پابندی نہیں لگا سکتی اور اس کا خریدنا اور بیچنا صحیح ہے بیع نافذ ہوگی۔

دونوں فریقوں کی دلیل: یہی حدیث ہے جمہور کا استدلال یہ ہے کہ حضرت حبان رضی اللہ عنہ کے گھر والوں نے پابندی لگانے کا مطالبہ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلا کر خرید و فروخت سے منع بھی کیا یہی حجر ہے معلوم ہوا کہ بندش لگا سکتے ہیں اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حجر نہیں ہے پابندی لگانے کی صورت پبلک میں اعلان کرنا ضروری ہوتا ہے کہ فلاں شخص مجبور قرار دیا گیا ہے کوئی اس کے ساتھ معاملہ نہ کرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حبان رضی اللہ عنہ کو کاروبار سے منع تو کیا مگر پبلک میں اعلان نہیں کیا اس لیے یہ حجر نہیں اور گھر والوں کا مطالبہ کرنا کوئی دلیل نہیں کیونکہ ان کا فعل حجت نہیں غرض یہ بھی نص نہی کا غلط اختلاف ہے دلائل کا اختلاف نہیں۔

فائدہ: امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسباب حجر کل تین ہیں: ① جنون ② بچپن ③ غلامی۔ سفیہ کم عقلی سبب حجر نہیں اور جمہور کے نزدیک اور بھی اسباب ہیں جیسے سفیہ (کم عقلی)۔

مسئلہ ثانیہ: مغنون کو حق فسخ ہے یا نہیں؟ مغنون کی دو قسمیں ہیں: ① جو تجربہ کار نہ ہو ② جو تجربہ کار ہو۔

اگر تجربہ کار ہو تو اس کا بالاتفاق خیار فسخ نہیں ہوگا اور جو نا تجربہ کار ہے اس کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے:

① احناف اور شوافع کے نزدیک خیار فسخ نہیں ہوگا۔

② حنابلہ اور بعض مالکیہ کہتے ہیں کہ فسخ کا حق حاصل ہے اگر وہ فسخ کرنا چاہے تو فسخ کر سکتا ہے۔

شوافع اور احناف یہ کہتے ہیں کہ یہ اپنی کمی کو تا ہی سے غبن میں مبتلاء ہوا ہے کسی سے مشورہ کر لیتا اس کو کیا جلدی تھی۔

مالکیہ اور حنابلہ کی دلیل: حدیث الباب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ارشاد فرمایا کہ تو لا خلاۃ کہہ دیا کر اس کے کہنے کا حکم اس وجہ سے دیا کہ اس لفظ کو کہہ دینے کے بعد اس کے لیے خیار غبن ثابت ہوگا ورنہ اس لفظ کو کہنے کا کیا فائدہ ہے؟

جواب ①: لا خلاۃ اس لیے نہیں کہا کہ اس کے لیے خیار غبن ہے اس پر قرینہ ہے کہ بعض روایات میں ولی الخیار ثلاثہ ایام کا اضافہ ہے اس کو خیار شرط کہتے ہیں۔

سوال: لا خلاۃ کا کیا فائدہ ہے؟ جواب: فریق آخر کو تنبیہ کرنا ہے کہ بھائی میں معاملات کی سمجھ بوجھ نہیں رکھتا میرے ساتھ الدین النصیحۃ والا معاملہ کیا جائے میرے پوری خیر خواہی کی جائے.... الخ۔

یا پھر یہ ان کی خصوصیت ہے اس پر کسی اور کو قیاس نہیں کیا جاسکتا جس پر روزنی قرینہ یہ ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو جن کی عمر ۱۲۰ سال تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں غبن ہو جاتا تھا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے کہ اس شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار دیا ہوا ہے۔

فتویٰ: متاخرین حنفیہ نے یہی فتویٰ دیا ہے کہ غبن کی وجہ سے فسخ کا حق حاصل ہے۔

صاحب خلاۃ کون ہے؟ اکثر علماء کی رائے یہی ہے کہ ان کا نام حبان بن عمر مسند تھا اور بعض کہتے ہیں کہ ان کے والد مسند بن عمرو ہیں۔

فائدہ: لا خلاۃ کی خبر مندوف ہے لا خلاۃ فی الدین۔

برکت: لا خلاۃ سے خیار تو ثابت نہیں ہوتا لیکن اس کے کہنے کی برکت کی وجہ سے انسان دھوکہ اور نقصان سے محفوظ رہتا ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْمَصْرَاةِ

باب ۲۸: مصرات (دودھ رو کے ہوئے جانور) کی بیع

(۱۱۷۲) مَنْ اشْتَرَى مُصْرَاةً فَهُوَ بِالْخِيَارِ إِذَا خَلَبَهَا إِنْ شَاءَ رَدَّهَا وَرَدَّ مَعَهَا صَاعًا مِنْ تَمْرٍ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے جو شخص مصراۃ (جانور) کو خرید لے تو اسے اختیار ہوگا جبکہ وہ اس کا دودھ دوہ چکا ہو اگر وہ چاہے تو اسے واپس کر دے اور اس کے ساتھ کھجور کا ایک صاع واپس کر دے۔

(۱۱۷۳) مَنْ اشْتَرَى مُصْرَاةً فَهُوَ بِالْخِيَارِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَإِنْ رَدَّهَا رَدَّ مَعَهَا صَاعًا مِنْ طَعَامٍ لَا سَمَرَاءَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں جو شخص مصراۃ (جانور) کو خرید لے تو تین دن تک اسے اختیار ہوگا کہ وہ اگر چاہے تو اسے واپس کر دے اور اس کے ساتھ اناج کا ایک صاع واپس کر دے جو گندم نہ ہو۔

تشریح: مصراۃ اسم مفعول ہے مادہ ص ر ر ہے جس کے معنی ہیں باندھنا روکنا بنوے کو صراۃ اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ پیسے روکتا ہے اور یہ ایسی صفت ہے جو موصوف کے قائم مقام ہے۔ دودھ والے جانور کا دودھ چند دن اس کے تھنوں میں روک لیا جائے تاکہ اس کی کثرت مشتری کو دکھا کر حسب منشاء ثمن وصول کیے جائیں اس عمل کو تصریہ کہتے ہیں اگر یہ عمل اونٹنی کے ماسواء کے اندر کیا جائے۔ مثلاً بکری میں کیا جائے تو اس عمل کو تصریہ اور اس بکری کو شاة مصراۃ کہتے ہیں اور اگر یہ عمل گائے میں کیا جائے تو اس گائے کو بقرة مصراۃ کہتے ہیں اور اگر یہ عمل اونٹنی کے اندر کیا جائے تو اس عمل کو تحفیل اور اس اونٹنی کو ناقۃ محفلہ کہا جائے گا۔

مذہب فقہاء: اگر کسی شخص نے شاة مصراۃ کو خرید لیا یا ناقۃ محفلہ کو خرید لیا تو اس کا کیا حکم ہے کیا اس جانور کو واپس کر سکتا ہے یا نہیں کر سکتا۔

(۱) احناف کے نزدیک جانور تو واپس نہیں کر سکتا البتہ رجوع بالنقصان کر سکتا ہے۔

(۲) اور ائمہ ثلاثہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ اگر وہ جانور کو واپس کرنا چاہے تو واپس کر سکتا ہے اور ساتھ ساتھ صاعاً من التمر بھی واپس کرنا ہوگا گندم کے ماسواء ہو گندم نہ ہو۔

حبشہ کی دلیل: یہی حدیث مصراۃ ہے۔

جواب ①: حدیث مصراۃ یہ مشہور و معروف حدیث الخراج بالضمان اور الغرم بالغنم کے معارض ہونے کی وجہ سے قابل استدلال نہیں ہے یہ قاعدہ ہے کہ ضمان جس کی ہوگی نفع بھی اسی کا ہوگا اور ظاہر ہے کہ مصراۃ جانور پر قبضہ کرنے بعد ضمان مشتری کی ہے تو منافع کا مالک بھی مشتری ہوگا تو دودھ کی منفعت کا مشتری مستحق ہے تو دودھ کا تاوان مشتری پر کیسے لازم کیا جا رہا ہے۔

جواب ②: یہ حدیث خبر واحد ہے قیاس اور نصوص صریحہ کے خلاف ہے وہ اس طرح کہ قرآن کی آیت ہے:

﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِسُلْ مَاعُوْقِبْتُمْ بِهِ﴾ (نمل: ۱۲۶)

دوسری آیت ہے:

﴿فَاعْتَدُوا عَلَيْكُمْ بِمِثْلِ مَا آتَاكُمْ﴾ (البقرہ: ۱۹۴)

ان دونوں آیتوں میں زیادتی کی صورت میں مثل کی ادائیگی کا حکم ہے اور مثل کی دو قسمیں ہیں مثل صوری اور مثل معنوی جبکہ دودھ دو حال سے خالی نہیں ذوات الامثال میں سے ہوگا یا ذوات القیم میں سے اور تمر دودھ کا نہ مثل صوری اور نہ مثل معنوی ہے مثل صوری نہ ہونا تو ظاہر ہے اور مثل معنوی اس لیے نہیں کہ لبن قلیل ہو یا کثیر ایک دن نفع حاصل کیا ہو یا ایک دن سے زائد تمر ایک ہی صاع واجب ہوگا یہ بات خلاف عقل ہے۔
جواب ③: یہ روایت قابل استدلال نہیں کیونکہ اس میں اضطراب پایا جاتا ہے وہ اس طرح کہ اس باب میں دو روایتیں ہیں جیسے زیر بحث باب میں مذکور ہے ایک روایت میں مدت کی تعیین نہیں بلکہ مطلق ہے اور تمر کی تخصیص ہے دوسری روایت میں مدت کی تعیین ہے اور وہ ثلاثہ ایام ہے لیکن یہ تعمیم ہے کہ گندم کے سوا جس چیز سے چاہے صاع ادا کرے۔

جواب ④: یہ حکم استحبابی ہے نہ کہ وجوبی۔ اگر مان لیا جائے کہ صاعا من التمر واپس کرنا ہے تو پھر ہم کہتے ہیں کہ آپ کا ارشاد قضاء نہیں بلکہ دیانہ ہے بائع کی تطیب قلبی کے لیے فرمایا کہ ایک صاع تمر کا دید و اور نبی کریم ﷺ کے دونوں طرح کے فیصلے ہیں قضاء شرعی کی حیثیت سے بھی ہیں اور دیانہ بھی ہیں۔

جواب ⑤: یہ حکم منسوخ ہے اور اس کے لیے ناخ ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے وفیہ نہی النبی ﷺ الدین بالمدین، بیع الکالی بالکلالی کے قبیل سے ہے وہ اس طرح سے کہ جب دودھ استعمال کر لیا تو یہ مشتری پر لازم ہو گیا یعنی دین ہو گیا اور تمر بھی دین ہے تو یہ بیع الدین بالمدین ہوگی جو ممنوع ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي اشْتِرَاطِ ظَهْرِ الذَّائِبَةِ عِنْدَ الْبَيْعِ

باب ۲۹: بیع میں سواری کی شرط لگانے کا بیان

(۱۱۷۴) اِنَّهُ بَاعَ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ بَعِيْرًا وَاَسْتَوْرَطَ ظَهْرَهُ كَالِیْ اَهْلِهِ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں انہوں نے نبی کریم ﷺ کو ایک اونٹ فروخت کیا اور یہ شرط رکھی کہ وہ اپنے گھر پہنچنے تک اس پر سوار رہیں گے۔

تشریح: پہلے یہ مسئلہ آچکا ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک بیع میں ایک شرط لگانا جائز ہے اور دیگر ائمہ کے نزدیک ایک شرط بھی جائز نہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ کا ایک استدلال حدیث ولا شرطان فی بیع کے مفہوم مخالف سے تھا اور ان کی دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کو اونٹ بیچا اور مدینہ منورہ تک اس پر سوار ہو کر جانے کی شرط لگائی جس کو آپ ﷺ نے منظور کیا معلوم ہوا کہ بیع میں ایک شرط لگا سکتے ہیں۔

اور جمہور فرماتے ہیں یہ حدیث مختصر ہے اصل واقعہ میں اشتراط نہیں ہے پورا واقعہ اس طرح ہے ایک غزوہ سے واپسی پر جب مدینہ منورہ قریب آیا تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ اپنی اونٹنی کو بھگاتے جارہے تھے اونٹنی دہلی مرل تھی آنحضور ﷺ پیچھے سے آئے اور اونٹنی کو چھڑی ماری جس سے وہ برق رفتار ہو گئی پھر آپ ﷺ نے فرمایا یہ اونٹنی مجھے بیچ دو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یہ تو نکلی تھی

آپ ﷺ کی برکت سے اس میں جان پڑی ہے یہ آپ ﷺ کی نذر ہے آپ ﷺ نے قبول نہ کی اور بیچنے پر اصرار کیا چنانچہ حضرت جابر بنی انصاری نے وہ اونٹنی آپ ﷺ کو بیچ دی (یہ حدیث تفصیل سے کتاب النکاح باب ۱۳۲ میں گزر چکی ہے) جب سودا ہو گیا تو حضرت جابر بنی انصاری کو خیال آیا کہ میں مدینہ تک کیسے جاؤں گا؟ اونٹنی تو میں نے بیچ دی چنانچہ انہوں نے یہ بات آپ ﷺ سے عرض کی آپ ﷺ نے فرمایا اسی پر سوار ہو کر چلے جاؤ اور مدینہ پہنچ کر اونٹنی مجھے دیدینا غرض یہ اشتراط نہیں تھا بلکہ مکمل ہونے کے بعد آنحضور ﷺ کی طرف سے اذن اور تعاون تھا۔

فائدہ: اشتراط فی البیع کی دو صورتیں ہیں ایک اشتراط وہ ہے جو مقصود ہوتا ہے دوم وہ اشتراط ہے جو محض وعدہ ہوتا ہے۔ اشتراط مقصود کی علامت یہ ہے کہ شرط قبول کرنے نہ کرنے پر بیع موقوف ہو اگر شرط قبول کی جائے تو بیع ہو ورنہ نہ ہو ایسے اشتراط سے بیع فاسد ہو جاتی ہے مثلاً مکان کا سودا کیا بائع نے چھ مہینے اس میں رہنے کی شرط لگائی یہ شرط ناجائز ہے اور اشتراط غیر مقصود جو وعدہ کے قبیل سے ہوتا ہے اس میں شرط کے منظور کرنے نہ کرنے پر بیع کا مدار نہیں ہوتا بس اتنی بات ہوتی ہے کہ اگر شرط منظور کی جائے تو بیع خوش دلی سے ہوتی ہے اور شرط منظور نہ کی جائے تو بھی بیع ہوتی ہے۔

حکایت لطیف: عرف شذی میں مذکور ہے کہ حج کے موقع پر امام ابو حنیفہ ابن شبرمہ اور ابن ابی لیلیٰ رحمہما علیہما مکہ میں جمع ہو گئے ایک آدمی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے پاس آیا مسئلۃ الباب کے بارے میں سوال کیا تو امام صاحب رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ بیع اور شرط دونوں باطل ہیں پھر وہ آدمی ابن شبرمہ رحمہ اللہ کے پاس گیا ان سے بھی یہی سوال کیا ابن شبرمہ رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ بیع اور شرط دونوں صحیح ہیں پھر وہ آدمی ابن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ کے پاس گیا اور ان سے بھی یہی سوال کیا انہوں نے جواب دیا بیع صحیح ہے اور شرط باطل ہے پھر دوبارہ امام صاحب رحمہ اللہ کے پاس آیا۔ ابن شبرمہ اور ابن ابی لیلیٰ رحمہما علیہما کے جواب سے مطلع کیا امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے کیا کہا ہے پھر امام صاحب رحمہ اللہ نے یہ حدیث بیان کر دی:

ان النبی ﷺ نہی عن بیع و شرط۔ ”یشک نبی ﷺ نے بیع اور شرط سے منع فرمایا ہے۔“

پھر وہ آدمی ابن شبرمہ رحمہ اللہ کے پاس گیا اور امام صاحب رحمہ اللہ کے جواب مدلل سے آگاہ کیا تو ابن شبرمہ رحمہ اللہ نے حضرت جابر بنی انصاری کی حدیث باب سنادی پھر وہ آدمی ابن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ کے پاس گیا اور مذکورہ دونوں جواب ان کو سنائے تو انہوں نے حضرت بریرہ بنی انصاری والی حدیث سنادی کہ نبی ﷺ نے بریرہ بنی انصاری کے واقعہ میں شرط کو باطل کر دیا تھا۔ اس حکایت کو نقل کرنے کی غرض یہ ہے کہ مسائل کے سوال کے مطابق صرف امام صاحب کا جواب ہے ابن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ نے قیاس پر عمل کیا ہے اور ابن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ نے قیاس پر عمل کیا ہے اور ابن شبرمہ رحمہ اللہ کا استدلال بھی تام نہیں ہے جیسے ابھی جوابات میں مذکور ہوا۔

بَابُ الْإِنْتِفَاءِ بِالرَّهْنِ

باب ۳۰: رہن رکھی ہوئی چیز سے فائدہ اٹھانے کا بیان

(۱۱۷۵) الظَّهْرُ يَزِيْزُ كَبْ إِذَا كَانَ مَرْهُوْنًا وَلَبْنُ الدَّرِيِّ يَشْرَبُ إِذَا كَانَ مَرْهُوْنًا وَعَلَى الَّذِي يَزِيْزُ كَبْ وَيَشْرَبُ نَفَقَتُهُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے جانور پر سواری کی جاسکتی ہے جبکہ اسے رہن رکھا گیا ہو اور جانور کا دودھ بھی پیا جاسکتا ہے جبکہ اسے رہن رکھا گیا ہو کیونکہ جو شخص اس پر سوار ہوگا یا جو اس دودھ کا پیئے گا اس جانور کا خرچ اس کے ذمے ہوگا۔

تشریح: رہن کا جواز قرآن سے ثابت ہے آیت رہن کے اندر۔ رہن رکھنے والے کو راہن کہتے ہیں اور جس کے پاس رکھی جائے اسے مرہن کہتے ہیں اور شئی کو مرہون کہتے ہیں۔ رہن ایک عقد وثیقہ ہے یہی وجہ ہے کہ راہن مرہن کی اجازت کے بغیر شئی مرہون کی بیع نہیں کر سکتا مرہن کو ابتداءً رد کرنے کا اور انتہاءً فسخ کرنے کا حق ہے۔

کیا مرہن شئی مرہون سے نفع حاصل کر سکتا ہے؟

اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور دو مذاہب ہیں:

(۱) ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک مرہن کے لیے شئی مرہون سے انتفاع جائز نہیں اور شئی مرہون کی حفاظت وغیرہ کا ضروری خرچہ راہن پر لازم ہوگا۔

دلیل: ایک حدیث ہے: وفيه لا يغلق المرهون الرهن من صاحبة الذي رهنه وله غنمه اور اسی طرح بخاری میں بھی روایت ہے: لا تحلب ماشية امرءى بغير اذنه۔

(۲) امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک شئی مرہون سے مرہن نفع حاصل کر سکتا ہے۔

دلیل: باب کی روایت سے ہے: وفيه الظهير كب اذا كان مرهونا..... الخ کہ مرہون پر سواری بھی کی جاسکتی ہے اور اس کا دودھ بھی پیا جاسکتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ مرہن مرہون سے نفع حاصل کر سکتا ہے۔

جواب ①: یہ حکم پہلے تھا جو بعد میں مذکورہ روایت کی وجہ سے منسوخ ہو گیا ہے۔

جواب ②: انتفاع دو حال سے خالی نہیں عقد رہن کے اندر مرہن کے لیے شرط ہوگا یا نہ۔ اگر یہ شرط ہو تو پھر مرہن کے لیے اس سے انتفاع جائز نہیں اگر شرط نہ ہو تو پھر محض تبرع اور احسان کے طور پر جواز ہے اور زیر بحث باب کی روایت بھی اسی پر محمول ہوگی۔

جواب ③: باب کی روایت میں مرہون سے مراد مرہون اصطلاحی نہیں بلکہ اس سے مراد منیجہ ہے کیونکہ لفظ رہن کا اطلاق کبھی کبھی منیجہ پر بھی ہوتا ہے امام طحاوی نے اس کو ثابت کیا ہے۔

جواب ④: یہ حدیث مسئلۃ الباب سے متعلق نہیں بلکہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ شئی مرہون کے بقاء کے خرچے راہن کے ذمے ہوتے ہیں کیونکہ وہی اس کا مالک ہے اور حفاظت مرہن کے ذمے ہوتی ہے اور اگر گھوڑا سواری کا ہے تو اس کا کرایہ پر اٹھانا اور مرہون جانوروں کا دودھ بیچنا مرہن کے ذمے ہے اور جو آمدنی ہو وہ رہن میں شامل ہوتی ہے مگر سادہ معاشرہ میں توسع ہوتا ہے پائی پائی کا حساب نہیں ہوتا نیز دیہات میں جانور کرایہ پر اٹھانا اور دودھ بیچنا دشوار ہے اور راہن کے لیے صبح و شام جانور کا چارہ مرہن کے گھر پہنچانا اور اس کی دیکھ بھال کرنا بھی دشوار ہے اس لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا مرہن ہی جانور کا خرچہ اٹھائے اور بدلے میں اس پر سواری کرے اور اس کا دودھ پئے پس یہ گرونی سے فائدہ اٹھانا نہیں بلکہ خرچ کرنے کا لم سم بدلا ہے اور دلیل اسی حدیث کے وہ الفاظ ہیں جو بخاری (حدیث ۲۵۱۲) میں ہیں:

الرَّهْنُ يَرُكَبُ بِنَفَقَتِهِ إِذَا كَانَ مَرْهُونًا وَلَبِنُ الدَّرِيِّ يَشْرَبُ بِنَفَقَتِهِ إِذَا كَانَ مَرْهُونًا وَعَلَى الَّذِي يَرُكَبُ وَيَشْرَبُ النَّفَقَةُ.

”گروی جانور پر خرچ کے برابر سواری کی جائے اسی طرح دودھ والے جانور کا جب وہ گروی ہو تو اس خرچ کے بدل اس کا دودھ پیا جائے جو کوئی سواری کرے یا دودھ پیئے وہی اس کا خرچ اٹھائے۔“

اس حدیث میں بنفقہ کا مطلب وہی ہے جو جمہور نے بیان کیا ہے کہ یہ انتفاع بعوض مصارف ہے مرہون سے فائدہ اٹھانا نہیں ہے۔

سوال: اگر مرہن شئی مرہون سے نفع حاصل نہیں کر سکتا ہے تو رهن کا فائدہ کیا ہے؟

جواب: یہ صرف عقد وثیقہ ہے تاکہ مرہن کو اپنا حق وصول کرنے کا اعتماد ہو اگر اس کا حق تلف ہو جائے تو اس سے تدارک کرے شئی مرہون اور حق کی مساوات ہو تو فیما نقصان کی صورت میں راہن سے کمی وصول کرے اور زیادتی کی صورت میں راہن کو واپس کر دے۔
فائدہ: اگر راہن شئی مرہون سے انتفاع کی اجازت دے تو مرہن فائدہ اٹھا سکتا ہے مگر اس کے لیے شرط یہ ہے کہ شئی مرہون سے فائدہ اٹھانا معروف نہ ہو کیونکہ معروف مشروط کی طرح ہوتا ہے پس جس علاقہ میں شئی مرہون سے انتفاع کا رواج ہے وہاں راہن کی اجازت سے بھی انتفاع جائز نہیں ہاں اگر شئی مرہون سے انتفاع معروف نہ ہو تو جائز ہے۔

دوسرا حیلہ: یہ ہے کہ عقد اجارہ کر لیا جائے مثلاً مکان گروی رکھا پس اس کا کچھ کرایہ طے کر لیا جائے تو مرہن اس میں رہ سکتا ہے مگر اب یہ مکان گروی نہیں رہے گا اس پر اجارہ کے احکام جاری ہوں گے اور راہن کو ہر وقت مکان خالی کرانے کا حق ہوگا مرہن یہ نہیں کہہ سکتا کہ پہلے قرض لوٹاؤ تب مکان خالی کروں گا کیونکہ اب مکان کا قرض سے کوئی تعلق نہیں رہا اور گروی کی طرح یہاں راہن کا حکم واپس نہیں لوٹے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي شِرَاءِ الْقِلَادَةِ وَفِيهَا ذَهَبٌ وَخَرَزٌ

باب ۳۱: سونے اور نگینے والے ہار کو خریدنا

(۱۱۷۶) اِشْتَرَيْتُ يَوْمَ خَيْبَرَ قِلَادَةً بِاَثْنَيْ عَشَرَ دِينَارًا فِيهَا ذَهَبٌ وَخَرَزٌ فَقَضَلْتُهَا فَأَوْجَدْتُ فِيهَا أَكْثَرَ مِنْ اَثْنَيْ عَشَرَ دِينَارًا أَفْذَكَرْتُ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ لَا تَبَاغُ حَتَّى تُفْصَلَ.

ترجمہ: حضرت فضالہ بن عبید اللہ بیان کرتے ہیں میں نے خیبر کے دن ایک ہار خریدا جو بارہ دینار کے عوض میں تھا اس میں سونا بھی تھا اور قیمتی پتھر بھی تھے تو میں نے اسے سونے کو الگ کیا تو وہ بارہ دینار سے زیادہ تھا میں نے اس بات کا تذکرہ نبی ﷺ سے کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا (ایسے ہار کو) اس وقت تک فروخت نہ کیا جائے جب تک (سونے اور پتھروں کو) الگ نہ کر دیا جائے۔

تشریح: بیع القلادۃ ایسا ہار کہ جس میں سونا بھی ہو نگینہ بھی ہو اور موتی بھی جڑے ہوئے ہوں تو ایسے ہار کی بیع جائز ہے یا نہیں اس کو تعبیر کر لیں ذہب مرکب کے ساتھ جیسے یہاں ہار ہے ایسے کمر بند بھی ہے تو ذہب مرکب اور فضہ مرکب کی بیع جائز ہے یا نہیں؟ تو احناف کے ہاں اس میں تفصیل ہے۔

ذهب مرکب وہ سونا جو کسی چیز کے ساتھ جڑا ہوا ہو اور فضہ مرکب وہ چاندی جو کسی چیز کے ساتھ جڑی ہوئی ہو اس کی بیع تب جائز ہوگی جب کہ اس کے عوض میں دیا جانے والا سونا زیادہ ہو اس سونے سے جو ہار کے ساتھ لگا ہوا ہے تو پھر بیع جائز ہوگی اور اگر اس کے برابر ہو یا کم ہو یا مجہول المقدار ہو تو کل چار صورتیں ہوں گی: ① عوض میں دیا جانے والا سونا زائد ہو۔ ② برابر ہو۔ ③ کم ہو۔ ④ مجہول المقدار ہو مثال کے طور پر ہار میں لگا ہوا سونا تین تولے ہے اور عوض میں دیا جانے والا چار تولے ہے یا ساڑھے تین تولے ہے تو بیع جائز ہوگی باقی تینوں صورتوں میں بیع جائز نہیں ہے دوسری اور تیسری صورت میں حقیقتہً ربوا لازم آئے گا اور چوتھی صورت میں احتمال ربوا ہے اور معاملات میں جس طرح حقیقتہً ربوا حرام ہے اسی طرح احتمال ربوا بھی حرام ہے پس احناف کہتے ہیں کہ اسی پر قیاس کر لو تمام اشیاء متجانسہ کی جو مرکب مع الغیر ہوں اس کی بیع تب جائز ہوگی جبکہ اس کے عوض میں دی جانے والی جنس کی مقدار زیادہ ہو۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ اس وقت تک بیع جائز نہیں ہوگی جب تک مرکب سونا چاندی کو دوسری چیز سے الگ نہ کر لیا جائے اس کے بعد سونے کی بیع سونے کے ساتھ یدابید کرے اور دوسری چیز جس طرح چاہے بیع دے۔

حبہور کی دلیل: یہی واقعہ ہے کہ حضرت فضالہ بن عبید بن اللہ کہتے ہیں غزوہ خیبر کے موقع پر میں نے ہار خرید ابارہ دینار کے عوض اس میں سونا بھی تھا گنینے بھی تھے تو میں نے اس میں سونا بارہ دینار سے زیادہ پایا تو میں نے اس کا تذکرہ حضور ﷺ کے سامنے کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لَا تُبَاعُ حَتَّى تُفْصَلَ کہ اس کو نہ بیچا جائے یہاں تک کہ جدا کر دیا جائے تمام اشیاء متجانسہ کی جب بیع ہو رہی ہو اپنی جنس کے ساتھ اور وہ شئی مرکب ہو کسی دوسری چیز کے ساتھ تو اس کی بیع اس وقت جائز ہوگی کہ جب اس کو دوسری چیز سے الگ کر دیا جائے۔

جواب: حَتَّى تُفْصَلَ سے فصل حسی مراد نہیں کہ گنینے الگ ہو جائے اور سونا الگ ہو جائے بلکہ یہ کنایہ ہے تمیز تمام سے اور اس بات سے کہ عوض میں دیا جانے والا سونا اور چاندی اس کی مقدار زیادہ ہو اس سونے اور چاندی سے جو غیر کے ساتھ جڑی ہوئی ہے کیونکہ اگر فصل حسی مراد ہو تو بعض صورتوں میں منفعت ختم ہو جائے گی کیا خیال ہے جب سونا الگ کر لیا جائے تو صرف گنینے کو کوئی خریدے گا اس لیے احناف کہتے ہیں کہ اصل مدار ربوا کے لازم آنے اور نہ آنے پر ہے خواہ حقیقتہً لازم آئے یا شبہہً لازم آئے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي اشْتِرَاطِ الْوَلَاءِ وَالزَّجْرِ عَنْ ذَلِكَ

باب ۳۲: بیع میں ولاء کی شرط لگانے کا بیان اور اس پر وعید

(۱۱۷۷) اَتَمَّهَا اَرَادَتْ اَنْ تَشْتَرِيَ بَرِيْرَةً فَاشْتَرَوْهَا الْوَلَاءُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اشْتَرِيْهَا فَاَتَمَّا الْوَلَاءُ لِمَنْ اَعْطَى الشَّمْنَ اَوَّلِمَنْ وَلِيَ النَّعْمَةَ.

ترجمہ: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں انہوں نے بریرہ رضی اللہ عنہا کو خریدنے کا ارادہ کیا تو اس کے مالکان نے ولاء کی شرط رکھی تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تم اسے خرید لو ولاء کا حق اسے حاصل ہوتا ہے جس نے قیمت کی ادائیگی کی ہو (راوی کو شک ہے یا شاید

یہ الفاظ ہیں) جو اصل مالک ہو۔

(۱۱۷۸) اَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بَعَثَ حَكِيمَ بْنَ حَزَامٍ يَشْتَرِي لَهُ أُصْحِيَّةً بِدِينَارٍ فَأَشْتَرَى أُصْحِيَّةً فَأَرْبَحَ فِيهَا دِينَارًا فَأَشْتَرَى أُخْرَى مَكَانَهَا فَبَاءَ بِهَا أُصْحِيَّةً وَالدِّينَارُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ صَلَّى بِالْشَّاةِ وَتَصَدَّقَ بِالدِّينَارِ. ترجمہ: حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو بھیجا تا کہ وہ ایک دینار کے عوض میں آپ کے لیے قربانی کا جانور خریدیں تو حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے ایک جانور خریدا اور پھر ایک دینار کے منافع کے ساتھ اسے فروخت کر دیا اور اس کی جگہ دوسرا جانور خریدا پھر وہ ایک جانور اور ایک دینار لے کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا اس جانور کو قربان کر دو اور دینار کو صدقہ کر دو۔

(۱۱۷۹) قَالَ دَفَعَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ دِينَارًا لَأَشْتَرِيَ لَهُ شَاةً فَأَشْتَرَيْتُ لَهُ شَاتَيْنِ فَبِعْتُ أَحَدَهُمَا بِدِينَارٍ وَجِئْتُ بِالْشَّاةِ وَالدِّينَارِ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَذَكَرَ لَهُ مَا كَانَ مِنْ أَمْرِهِ فَقَالَ لَهُ بَارَكَ اللَّهُ لَكَ فِي صَفْقَةِ يَمِينِكَ فَكَانَ يَخْرُجُ بَعْدَ ذَلِكَ إِلَى كَنَاسَةِ الْكُوفَةِ فَيَرْبَحُ الرِّبْحَ الْعَظِيمَ فَكَانَ مِنْ أَكْثَرِ أَهْلِ الْكُوفَةِ مَالًا. ترجمہ: حضرت عروہ باری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے مجھے ایک دینار دیا تا کہ میں آپ کے لیے ایک بکری خریدوں میں نے اس سے دو بکریاں خریدیں ان میں سے ایک کو ایک دینار کے عوض فروخت کر دیا پھر ایک بکری اور ایک دینار لے کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے اس کے معاملے کا تذکرہ کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ تمہارے لیے ہوئے سودے میں تمہیں برکت عطا کرے۔

تشریح: ولاء: ولاء ایک حق ہے جو آزاد کرنے والے کو اپنے آزاد کئے ہوئے غلام یا باندی پر حاصل ہوتا ہے یعنی جب وہ مرے گا تو آزاد کرنے والا بھی اپنے درجہ میں اس کا وارث ہوگا عرب اس حق کو بیع ڈالتے تھے نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اس باب میں بیع میں اس کے اشتراط کا بیان ہے یہ بھی ناجائز ہے کیونکہ یہ حق آزاد کرنے والے ہی کے لیے ثابت ہوتا ہے دوسرے کے لیے ثابت نہیں ہو سکتا۔

بَابُ بَيْعِ الْأُضْحَةِ

قربانی کے لیے رقم خاص کی پھر کچھ بیچ گئی تو اس کا حکم

عَنْ حَكِيمِ بْنِ حَزَامٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بَعَثَ حَكِيمَ بْنَ حَزَامٍ يَشْتَرِي لَهُ أُصْحِيَّةً بِدِينَارٍ فَأَشْتَرَى أُصْحِيَّةً فَأَرْبَحَ فِيهَا دِينَارًا فَأَشْتَرَى أُخْرَى مَكَانَهَا فَبَاءَ بِهَا أُصْحِيَّةً وَالدِّينَارُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ صَلَّى بِالْشَّاةِ وَتَصَدَّقَ بِالدِّينَارِ.

ترجمہ: حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ایک دینار کے عوض قربانی کے لئے جانور خریدنے کے

لئے بھیجا انہوں نے اس سے جانور خریدا اور اسے دو دینار میں فروخت کر دیا۔ پھر ایک اور جانور ایک دینار کے عوض خریدا کر آپ: ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور وہ دینار بھی ساتھ ہی پیش کیا جو منافع ہوا تھا۔ نبی اکرم: ﷺ نے حکم دیا کہ جانور کو ذبح کر دو اور دینار صدقے میں دے دو۔

عَنْ عُرْوَةَ الْبَارِقِيِّ قَالَ دَفَعَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ دِينَارًا لِأَشْتَرِي لَهُ شَاةً فَأَشْتَرَيْتُ لَهُ شَاتَيْنِ فَبِعْتُ أَحَدَهُمَا بِدِينَارٍ وَجِئْتُ بِالشَّاةِ وَالِدَيْنَارِ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَذَكَرَ لَهُ مِنْ أَمْرِهَا فَقَالَ بَارَكَ اللَّهُ لَكَ فِي صَفَقَةٍ يَمِينِكَ فَكَانَ يَخْرُجُ بَعْدَ ذَلِكَ إِلَى كُنَاسَةِ الْكُوفَةِ فَيَرْجُحُ الرِّجْحَ الْعَظِيمَ فَكَانَ مِنْ أَكْثَرِ أَهْلِ الْكُوفَةِ مَالًا.

ترجمہ: حضرت عروہ باریقی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ایک دینار دیا اور حکم دیا کہ ان کے لئے ایک بکری خرید لاؤں۔ میں نے ایک دینار میں دو بکریاں خریدیں اور ان میں سے ایک بکری ایک دینار کی فروخت کرنے کے بعد دوسری بکری اور ایک دینار لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پھر آپ ﷺ کے سامنے قصہ بیان کیا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہارے دائیں ہاتھ میں برکت دے اس کے بعد حضرت عروہ کوفہ میں کناسہ کے مقام پر تجارت کیا کرتے اور بہت زیادہ نفع کمایا کرتے۔ پس حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کوفہ میں سب سے زیادہ مال دار تھے۔

تشریح: ان دونوں حدیثوں میں تین مسئلے زیر بحث آئے ہیں:

پہلا مسئلہ: بیع الفضولی کا ہے اگر فضولی چیز فروخت کرے اور مالک اس بیع کی اجازت دے اس کو رد نہ کرے تو بیع نافذ ہوگی۔ حضور ﷺ نے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو بھیجا تا کہ ایک دینار کے بدلے میں قربانی کا جانور خرید لائیں الغرض حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے قربانی کا جانور خریدا آ ہی رہے تھے کہ راستے میں اسی بکری کو دو دیناروں کے بدلے میں فروخت کر دیا اب ایک دینار کے بدلے میں ایک بکری خریدی اب ایک دینار بھی لے آیا اور بکری بھی لے آیا تو بیع الفضولی ہے کیونکہ جب پہلی مرتبہ بکری خریدی تو وکالۃ تام ہو گئی۔ اس کے بعد دو دیناروں میں فروخت کرنا یہ بیع الفضولی ہے تو معلوم ہوا کہ بیع الفضولی جائز ہے لیکن عند الاحناف مالک کی اجازت پر موقوف ہے اور نبی ﷺ نے اس پر نکیر نہیں کی پس وہ بیع نافذ ہو گئی یہ مسئلہ متفق علیہ ہے صرف امام شافعی رحمہ اللہ کا اختلاف ہے مگر ان سے بھی جواز کا قول مروی ہے (فتح الباری ۶: ۶۳۴) ایک حنفی عالم بغداد میں گئے تو انہوں نے پوچھا کہ بیع الفضولی جائز ہے یا نہیں تو انہوں نے فرمایا کہ اس کو بیع الفضولی نہ کہو بلکہ یہ بیع المستفضل ہے کہ یہ شخص بائع پر احسان کرنے والا ہے۔

مسئلہ ثانیہ: قربانی کے ارادے سے خریدے ہوئے جانور کو فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تو اس میں تفصیل ہے۔

اگر قربانی واجب ہے تو قربانی کے ارادے سے خریدے ہوئے جانور کو آگے بیچنا جائز ہے اور اگر نفلی قربانی ہو تو پھر اس کو آگے بیچنا جائز نہیں ہے اس لیے کہ پہلی صورت میں اضحیہ کا تعلق ذمہ کے ساتھ ہے اور وہ ذمہ باقی ہے اور دوسری صورت میں اس جانور کے ساتھ اسی لیے اگر وہ جانور ہلاک ہو گیا تو قربانی ساقط ہو جائے گی۔

تیسرا مسئلہ: نبی ﷺ نے جو ایک دینار صدقہ کیا وہ استحبابی حکم ہے واجب صرف قربانی ہے بچا ہوا پیسہ صدقہ کرنا ضروری نہیں مگر افضل یہ ہے کہ جب قربانی کے لیے کوئی رقم بچ گئی تو اس کو صدقہ کر دینا چاہیے مثلاً ایک شخص نے تین ہزار روپے قربانی کے لیے خاص

کئے اس کو بکرا ستائیس سو میں مل گیا تو تین سو روپیوں کو صدقہ کرنا مستحب ہے یہ جمہور کا مذہب ہے اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ بچی ہوئی رقم صدقہ کرنا واجب ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَكَاتِبِ إِذَا كَانَ عِنْدَهُ مَا يُؤَدِّي

باب ۳۳: جو مکاتب بدل کتابت ادا کرنے پر قادر ہو اس سے پردہ

(۱۱۸۰) إِذَا أَصَابَ الْمَكَاتِبَ حَدًّا أَوْ مِيرَاثًا وَرِثَ بِحِسَابٍ مَا عَتَقَ مِنْهُ وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ يُؤَدِّي الْمَكَاتِبَ بِحِصَّةٍ مَا أَدَّى دِيَّةَ حُرٍّ وَمَا بَقِيَ دِيَّةَ عَبْدٍ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں جب مکاتب شخص کو دیت میں سے یا وراثت میں سے کوئی حصہ ملنا ہو تو اسے اس حساب سے حصہ ملے گا جتنا اس کا حصہ آزاد ہو چکا ہے۔

(۱۱۸۱) مَنْ كَاتَبَ عَبْدَهُ عَلَى مِائَةِ أَوْ قِيَّةٍ فَأَذَاهَا إِلَّا عَشْرَ أَوْاقٍ أَوْ قَالَ عَشْرَ قَدَرَاهِمِ ثُمَّ عَجَزَ فَهُوَ رَقِيقٌ.

ترجمہ: عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو خطبہ دینے کے دوران یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا جو شخص اپنے غلام کے ساتھ ایک سو اوقیہ کے عوض میں کتابت کا معاہدہ کرے اور وہ اس کی ادائیگی کر دے صرف دس اوقیہ باقی رہ جائیں (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) دس درہم باقی رہ جائیں پھر وہ ادائیگی سے عاجز آجائے تو وہ (مکاتب) غلام شمار ہوگا۔

(۱۱۸۲) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا كَانَ عِنْدَ مُكَاتِبٍ أَحَدًا كُنَّ مَا يُؤَدِّي فَلْتَحْتَجِبْ مِنْهُ.

ترجمہ: سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے جب کسی عورت کے مکاتب غلام کے پاس اتنا مال ہو جسے وہ ادا کر سکتا ہو تو اس عورت کو اس سے پردہ کرنا چاہیے۔

تشریح: مکاتب: وہ غلام باندی ہے جس نے اپنے آقا سے آزادی کا معاملہ کر لیا ہو اگر آقا نے کہا تو اتنی رقم ادا کر دے تو تو آزاد ہے غلام نے قبول کیا تو یہ عتق علی المال ہے اور اگر کہا میں تجھے اتنی رقم پر مکاتب بناتا ہوں اور غلام نے قبول کیا تو یہ کتابت ہے احکام دونوں کے ایک ہیں صرف لفظوں کا فرق ہے۔

تمام ائمہ متفق ہیں کہ جب تک مکاتب کے ذمہ ایک پیسہ بھی باقی ہے وہ غلام ہے حدیث میں ہے:

المكاتب عبد ما بقي عليه من مكاتبته درهم. (رواہ ابوداؤد مشکوٰۃ حدیث ۳۳۹۹)

”مکاتب غلام ہے جب تک کہ اس کی مکاتبت کا ایک درہم بھی باقی ہو۔“

اور مکاتب تصرف کے اعتبار سے آزاد ہوتا ہے جو چاہے کام کر سکتا ہے اور جب طے شدہ رقم مولیٰ کو بھر دے گا گردن کے اعتبار سے بھی آزاد ہو جائے گا۔

یہ حدیث اس تصور پر مبنی ہے کہ مکاتب غلام بدل کتابت کا جتنا حصہ ادا کرتا جائے اتنا اتنا حصہ اس مکاتب کا آزاد ہوتا جائے گا مثلاً فرض کریں کہ ایک آقا نے اپنے غلام کو ایک ہزار روپے پر مکاتب بنادیا اگر اس غلام نے پانچ سو روپے ادا کر دیئے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آدھا آزاد ہو گیا اگر اس وقت میں اس مکاتب نے ایسا جرم کر لیا جس کی سزا میں حد جاری کی جاتی ہے مثلاً اس نے شراب پی لی شراب کی حد آزاد کے لیے اسی کوڑے ہیں اور غلام کے لیے چالیس کوڑے ہیں لیکن اس مکاتب غلام پر نصف حد آزاد کی اور نصف حد غلام کی جاری کی جائے گی یعنی ساٹھ کوڑے لگائے جائیں گے اس لیے کہ آزاد کی نصف حد چالیس کوڑے ہیں اور غلام کی نصف حد بیس کوڑے ہیں اور دونوں کو ملا کر ساٹھ ہو گئے یہ اس لیے کہ یہ مکاتب نصف آزاد ہے اور نصف غلام ہے۔ اسی طرح عام حالات میں غلام وارث نہیں ہوتا لیکن اگر یہ مکاتب غلام وارث ہو گیا تو نصف آزاد ہونے کی وجہ سے نصف میراث کا مستحق ہوگا۔

یہ حدیث منسوخ ہے۔ یہ حدیث کسی فقیہ کے نزدیک بھی معمول بہ نہیں ہے اس لیے کہ اسی باب کی دوسری احادیث میں حضور ﷺ نے صاف صاف فرمادیا کہ:

مَنْ كَاتَبَ عَبْدَهُ عَلَى مِائَةِ أَوْ قِيَّةٍ فَأَذَاهَا إِلَّا عَشْرَ أَوْ قَالَ عَشْرَ كَذَرَاهِمٍ ثُمَّ عَجَزَ فَهُوَ رَقِيقٌ۔

”اگر کسی آدمی نے اپنے غلام کو سو اوقیہ چاندی کے بدلے میں مکاتب بنایا اس نے اداء کر دی مگر دس اوقیہ یا دس درہموں کے اداء کرنے سے عاجز ہو گیا تو وہ غلام ہی رہے گا۔“

حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا: جب غلام کے پاس اتنا مال اکٹھا ہو جائے کہ جس سے وہ بدل کتابت ادا کر سکے تو (وہ مالکہ) پردہ کر لے۔ مالکہ کا اپنے غلام سے پردہ ہے یا نہیں؟ ① احناف کہتے ہیں کہ مالکہ کا اپنے مملوک سے پردہ ہے۔ ② شوافع کہتے ہیں کہ پردہ نہیں ہے دونوں کے مذہب پر سوال ہوگا کہ جب تک ایک درہم بھی بدلے کتابت کا باقی ہو وہ تو عبد ہی ہوگا بالاتفاق اور مالکہ کا عبد سے پردہ نہیں ہے شوافع کے مذہب پر تو کیسے فرمایا فَلْتَحْتَجِبْ مِنْهُ۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے شوافع کی طرف سے جواب دیا ہے کہ یہ حکم استحبابی ہے۔

احناف کے مذہب پر بھی سوال ہوگا تمہارے ہاں تو پہلے ہی سے پردہ ہے تو پھر فَلْتَحْتَجِبْ کا کیا معنی؟

جواب: علی وجہ الکمال فرمایا پہلے ہی پردہ تھا لیکن آنے جانے کی وجہ سے کچھ سہو وغیرہ ہو جاتا تھا اب وہ نہیں ہونا چاہیے۔

بَابُ مَا جَاءَ إِذَا أُلْسَ لِلرَّجُلِ غَرِيمٌ فَيَجِدُ عِنْدَهُ مَتَاعَهُ

باب ۳۴: کوئی شخص مقروض کے پاس اپنا مال پائے تو کیا حکم ہے

(۱۱۸۳) أَيُّهَا امْرِءُ أَفْلَسَ وَوَجَدَ رَجُلٌ سِلْعَتَهُ عِنْدَهُ بِعَيْنِهَا فَهُوَ أَوْلَىٰ بِهَا مِنْ غَيْرِهِ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں جب کوئی شخص مفلس ہو جائے اور پھر کوئی شخص اپنا سامان بعینہ اس کے پاس پائے تو وہ شخص اس سامان کا دوسروں سے زیادہ حقدار ہے۔

تشریح: زیر بحث باب میں مفلس کا بیان کیا گیا ہے مفلس وہ آدمی ہے کہ جس کے ذمہ بہت سے قرضے ہوں اور بعد میں وہ ان کو ادا

کرنے سے عاجز ہو گیا جبکہ اس کا متاع و اسباب قرضوں کی ادائیگی کے لیے ناکافی ہے تو ایسی صورت میں عدالت اسکو مفلس قرار دیتی ہے پھر اس کے ضروریات زندگی کو چھوڑ کر باقی مال کو فروخت کر دیا جاتا ہے اور رقم غرماء کے درمیان قرضوں کے تناسب سے تقسیم کر دی جاتی ہے پھر اس آدمی سے مالدار ہونے تک مطالبہ ساقط ہو جاتا ہے۔

مذہب فقہاء: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اگر کسی آدمی کا مال بعینہ مفلس کے پاس موجود ہے کیا وہ دوسرے غرماء کے مقابلہ میں اپنے مال کو لینے کا حقدار ہے یا نہ اور دو مذاہب ہیں:

(۱) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جب بذریعہ بیع وہ مال مفلس کی ملکیت میں آ گیا اب بائع کا حق نہیں بلکہ دوسرے غرماء کے ساتھ مساوی ہوگا۔

دلیل اول: محل لا بن حزم میں حدیث مذکور ہے:

ایما امر افلس ووجد رجل سلعته عندا بعینہا فهو اسوة للغرماء.

”جو شخص مفلس ہو جائے پھر کوئی شخص بعینہ اس کے پاس اپنا سامان پائے وہ قرض خواہوں کے درمیان برابر ہوگا۔“

دلیل ثانی: ترمذی ابواب الزکوٰۃ میں ایک حدیث ہے:

وفیه خذوا ما وجدتم لیس لکم الا ذلک.

”اس میں یہ ہے کہ جو کچھ تم اس کے پاس پاؤ وہ لے لو تمہارے لیے اس کے علاوہ کچھ نہیں۔“

کہ ایک آدمی پر پھل کی تجارت کی وجہ سے بہت قرضے ہو گئے اور وہ ادائیگی سے عاجز ہو گیا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غرماء سے فرمایا کہ جو کچھ اس کے پاس ہے وہ لے جاؤ اس کے علاوہ تمہیں کچھ نہیں ملے گا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ جس آدمی کو اپنا فروخت کیا پھل بعینہ مل جائے وہ اس کو لے جائے اس سے معلوم ہوا کہ تمام غرماء مال کے اندر برابر کے شریک ہوں گے ورنہ ترجیح بلا مرجح ہوگی۔

(۲) ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک ایسے غریم کو دوسرے غرماء پر ترجیح حاصل ہوگی کہ جس کا مال بعینہ مفلس کے پاس موجود ہو۔

دلیل: ائمہ ثلاثہ کا استدلال زیر بحث باب کی روایت سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو آدمی مفلس ہو جائے اور پھر کوئی آدمی اپنا سامان بعینہ اس کے پاس پائے تو وہ آدمی اس سامان کا دوسرے غرماء کے مقابلہ میں زیادہ مستحق ہے۔

جواب: باب کی روایت عاریت یا ودیعت یا غصب پر محمول ہے کیونکہ ان تینوں صورتوں میں مفلس کی ملکیت ان اشیاء پر ثابت ہوئی ہی نہیں بلکہ یہ اشیاء بدستور اپنے مالکوں کی ملکیت میں ہیں لہذا اس اعتبار سے وہی ان کے حق دار ہیں اور زیر بحث باب کی روایت میں اس کے دو قرینے بھی مذکور ہیں:

(۱) سلعتہ میں جو ضمیر متصل ہے۔ وہ رجل کی طرف راجع ہے معنی یہ ہوگا کہ وہ آدمی اپنا سامان اس کے پاس پائے اگر یہاں بیع ہوتی تو وہ سامان اس کا نہ ہوتا بلکہ اس کی ملکیت سے خارج ہوتا اس سے معلوم ہوا کہ وہ سامان ابھی اسی کی ملکیت میں ہے اور وہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ وہ مفلس تک عاریت یا ودیعت یا غصب یا سرقہ کی وجہ سے پہنچا ہو۔

(۲) بعینہا اس لفظ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بیع نہیں ہوتی اس لیے کہ بیع کے اندر ملک بدل جاتی ہے اور تبدیل ملک

سے عین ہو جاتا ہے جیسے قصہ لحم بریرہ رضی اللہ عنہ اس کے لیے واضح دلیل ہے اس سے معلوم ہوا کہ وہ چیز ابھی بدستور مالک کی ملکیت میں ہے نہ کہ مفلس کی ملکیت میں۔

جواب ②: امام مسلم رحمہ اللہ نے اس کو چھ سات طریق سے نقل کیا ہے ان میں سے صرف ایک طریق میں للبائع کا لفظ ہے باقی کسی میں اس کا ذکر نہیں ہے نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے چھ شاگرد اس حدیث کو نقل کر رہے ہیں ان میں سے صرف ایک للبائع کو نقل کرتا ہے باقی پانچ اس کو نقل نہیں کرتے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ لِلْمُسْلِمِ أَنْ يَدْفَعَ إِلَى الذِّمِّيِّ الْخَمْرَ يَبِيعُهَا لَهُ

باب ۳۵: مسلمان کسی ذمی کو شراب بیچنے کے لیے نہ دے

(۱۱۸۴) كَانَ عِنْدَنَا خَمْرٌ لِيَتَيْمٍ فَلَمَّا نَزَلَتْ الْهَائِدَةُ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَقُلْتُ إِنَّهُ لِيَتَيْمٍ فَقَالَ أَهْرِيقُوهُ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہمارے پاس ایک یتیم کی شراب تھی جب سورہ مائدہ نازل ہوئی تو میں نے نبی کریم ﷺ سے اس بارے میں دریافت کیا میں نے عرض کی یہ ایک یتیم کی ہے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا اسے بہادو۔

تشریح: امام ترمذی رحمہ اللہ نے ایک مسئلہ تو عنوان میں ذکر کر دیا اور دوسرا مسئلہ جو حدیث پاک سے مستنبط ہو رہا ہے۔

مسئلہ اولیٰ: ایک کافر کے قبضہ میں خمر تھی پھر اللہ نے اس کو مشرف باسلام کیا اب آیا وہ ذمی آدمی کو اپنی خمر کی بیج کا وکیل بنا سکتا ہے یا نہیں؟

مذہب فقہاء: ① امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہے تو یہ انتہائی ناپسندیدہ کام لیکن اگر اس نے وکیل بنا دیا اور اس ذمی نے وہ خمر آگے بیچ دی تو اس کے ثمن حلال ہوں گے۔

② جمہور ائمہ اور صاحبین رحمہم فرماتے ہیں مسلمان اپنی خمر کی بیج کے لیے ذمی کو وکیل نہیں بنا سکتا۔

حبہور کی دلیل: یہی حدیث ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ ہے کہ ہمارے پاس ایک یتیم کی خمر تھی اور جب آیات مائدہ نازل ہوئی تو میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور میں نے یہی بتلایا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کو گرا دو۔ ظاہر ہے کہ یتیم کے مال میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے قرآن میں ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ كُلُومًا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا﴾ (النساء: ۱۰) اگر انتفاع کی کوئی صورت بھی ہوتی تو نبی کریم ﷺ گرانے کا حکم نہ فرماتے۔

مسئلہ ثانیہ: خمر مسلمان کے پاس ہو تو اس کو سرکہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟ احناف کہتے ہیں کہ سرکہ بنا کر استعمال کرنا جائز ہے عام ازیں بغیر کسی عمل کے سرکہ بن جائے مثلاً دھوپ میں رکھ دیا جائے یا کسی عمل سے سرکہ بن جائے مثلاً اس میں نمک یا کوئی اور چیز ڈال دی جس کی وجہ سے سرکہ بن گیا۔

دوسرا قول شوافع کا ہے: وہ فرماتے ہیں کہ اگر بغیر کسی عمل کے سرکہ بن جائے تو جائز ورنہ لایجوز۔

اور تیسرا قول حنابلہ کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ مطلقاً لایجوز ہے عام ازیں عمل کا دخل ہو یا نہ ہو۔

حسابہ کی دلیل: یہی حدیث ہے کہ یتیم کے مال میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے اگر انتفاع کی کوئی صورت ہوتی تو آپ ﷺ گرانے کا حکم نہ فرماتے تو معلوم ہوا کہ سرکہ بنا کر استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

دونوں مسئلوں کا قدر مشترک جواب یہ ہے کہ ابتداءً ایسا حکم تھا جب خمر کی حرمت کا حکم نازل ہوا تھا اس وقت خمر کی نفرت علی وجہ المبالغہ دل میں راسخ کرنے کے لیے یتیم کی خمر کو بھی گرانے کا حکم دیدیا تاکہ لوگوں کے دلوں میں خمر کی نفرت اچھی طرح راسخ ہو جائے جیسا کہ مشکوٰۃ شریف میں پڑھ کر آئے کہ برتنوں کے استعمال سے بھی منع فرمادیا تھا اور بعد میں جب نفرت دلوں میں راسخ ہو گئی تو برتنوں کے استعمال کی اجازت ہو گئی تھی اسی طرح یہاں پر بھی جب نفرت دلوں میں راسخ ہو گئی تو انتفاع کی اجازت دے دی عام ازیں کہ وہ انتفاع ذمی کو وکیل بنا کر ہو یا خمر کو سرکہ بنا کر ہو دونوں صورتوں میں جائز ہیں۔

باب

باب ۳۶: مقروض کا کوئی مال ہاتھ لگے تو اس سے اپنا حق وصول کر سکتا ہے؟

(۱۱۸۵) إِذَا أَلَمَّا نَةً إِلَى مَنِ اتَّمَمْتَكَ وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے جو شخص اپنی امانت تمہارے پاس رکھوائے اسے امانت واپس کر دو اور جو شخص تمہارے ساتھ خیانت کرے تم اس کے ساتھ خیانت نہ کرو۔

تشریح: مسئلۃ الظفر: یہ ہے کہ کسی شخص پر کسی کا قرض ہے وہ قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرتا ہے پس اگر اس کی کوئی چیز قرض خواہ کے ہاتھ لگے تو کیا وہ اس میں سے اپنا قرض وصول کر سکتا ہے۔

مذاہب فقہاء: اس میں اختلاف ہے اور تین اقوال ہیں:

(۱) امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اگر مدیون کا مال دائن کے ہاتھ آجائے تو اس کے لیے جائز نہیں کہ اس سے اپنا حق وصول کرے۔
دلیل: امام مالک رحمہ اللہ استدلال کرتے ہیں زیر بحث باب کی حدیث کے دوسرے جزء سے لَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ کہ جو تم سے خیانت کرتا ہے اس سے خیانت نہ کرو لہذا مدیون کا جو مال دائن کے پاس آیا ہے وہ امانت ہے اس کو واپس کر دے اور اپنے حق کا اس سے مطالبہ کرے۔
جواب: اس حدیث سے یہ استدلال درست نہیں اس لیے کہ جو آدمی اپنا حق وصول کر رہا ہے وہ خیانت نہیں کر رہا حدیث میں ممانعت خیانت کی ہے اور یہ صورت خیانت میں داخل ہی نہیں۔

حدیث کا صحیح مطلب کیا ہے؟ حدیث کا صحیح مطلب یہ ہے کہ مدیون نے دائن کو قرض کی ادائیگی میں بہت تنگ کیا اور بالآخر اس نے ادا کر ہی دیا اب اگر دائن کے پاس کسی طرح مدیون کا مال آ گیا اب وہ بھی اسے انتقاماً تنگ کرتا ہے تو اس سے منع کیا گیا ہے۔

(۲) امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دائن کے پاس مدیون کا جو مال آیا ہے وہ دو حال سے خالی نہیں دین کی جنس سے ہوگا یا نہ۔ اگر دین کی جنس ہو تو پھر دائن اپنا حق وصول کر سکتا ہے ورنہ نہیں۔

دلیل: امام صاحب رحمہ اللہ کا استدلال اتحاد جنس کی صورت میں ہندہ زوجہ ابوسفیان کی روایت سے ہے: وَفِيهِ خَذَى مَا يَكْفِيكَ

وولدك بالمعروف کہ نبی ﷺ نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے مال سے نفقہ وصول کرنے کی اجازت دی یہاں نفقہ بھی نقد تھا اور مال بھی نقد تھا معلوم ہوا کہ اتحاد جنس کی صورت میں اپنا حق وصول کیا جاسکتا ہے اور اختلاف جنس کی صورت میں اپنا حق وصول کرنا اس لیے جائز نہیں کہ اس صورت میں اس مال کو فروخت کئے بغیر اپنے حق کی وصولی ممکن نہیں تو اس سے لازم آئیگا غیر کے مال کو اس کی اجازت کے بغیر فروخت کرنا اور یہ جائز نہیں۔

(۳) امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اگر دائن کے پاس مدیون کا مال آجائے تو وہ اس سے اپنا حق وصول کر سکتا ہے چاہے اتحاد جنس ہو یا اختلاف جنس۔

وسیل: امام شافعی رحمہ اللہ کا استدلال یہ ہے کہ ہندہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرا شوہر بخیل ہے وہ نفقہ صحیح طرح ادا نہیں کرتا کیا میرے لیے جائز ہے کہ اس کے مال سے میں اپنے اور اولاد کے لیے بقدر نفقہ لے لیا کروں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: خذی ما یکفیک۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْعَارِيَةَ مُؤَدَّاةٌ

باب ۳۷: عاریت پر لی ہوئی چیز مضمون ہے

(۱۱۸۶) فِي الْخُطْبَةِ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ الْعَارِيَةُ مُؤَدَّاةٌ وَالزَّعِيمُ غَارِمٌ وَالذَّيْنُ مَقْضِيٌّ.

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو حجۃ الوداع کے موقع پر خطبے کے دوران یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے جو شے ادھار لی جائے اسے واپس کرنا ضروری ہے اور ضمانت دینے والا شخص ذمہ دار ہوتا ہے اور مسترض کی ادائیگی (ضروری) ہے۔

(۱۱۸۷) عَلَى الْيَدِيمَا أَخَذَتْ حَتَّى تُؤَدِّيَ قَالَ قَتَادَةُ ثُمَّ نَسِيَ الْحَسَنُ فَقَالَ هُوَ أَمِينُكَ لَا ضَمَانَ عَلَيْهِ يَعْنِي الْعَارِيَةَ.

ترجمہ: حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں ہاتھ (یعنی آدمی) نے جو چیز لی ہو اسے ادا کرنا لازم ہے۔ قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اس کے بعد حسن اس روایت کو بھول گئے اور انہوں نے یہ کہا وہ شخص تمہارا امین ہوگا اور اس پر ضمان لازم نہیں ہوگا یعنی یہ ادھار لی ہوئی چیز کا حکم ہے۔

تشریح: شئی مستعار پر مستعیر کا قبضہ آیا یہ قبضہ امانت ہے یا قبضہ ضمان ہے۔ احناف کہتے ہیں کہ یہ قبضہ امانت ہے جب موجود ہوگی اس وقت تک واپس کرنا ضروری ہے اور جب موجود نہ ہو تو پھر دو صورتیں ہیں: (۱) ہلاک ہوگی (۲) استہلاک ہوگا اگر ہلاکت ہوگی تو کوئی ضمان نہیں ہے اور اگر استہلاک ہو تو ضمان ہوگی یہی قاعدہ ہے امانت میں یہی قول اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ کا ہے یہ تقریباً پہلا مسئلہ ہے کہ جس میں اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ ساتھ دے رہے ہیں احناف کا۔

دوسرا قول شوافع اور حنابلہ کا ہے کہ وہ مطلقاً مضمون ہوگی استہلاک ہو تو بھی ہلاکت ہو تو بھی۔

احتلاف کی دلیل: حدیث یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ ہے جس کی تخریج امام ابو داؤد رحمہ اللہ اور امام نسائی رحمہ اللہ نے کی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ حضور ﷺ نے یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ جب میرے نمائندے تیرے پاس آجائیں تو ان کو ۳۰ اونٹ اور ۳۰ زرہیں دے دینا اس پر یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ عاریۃ مضمونۃ ام عاریۃ مؤدۃ اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا بل عاریۃ مؤدۃ جب تک موجودگی تو واپس کیا جائے گا یہاں پر تقابل ہے۔ مضمونہ اور غیر مضمونہ یہ نص صریح ہے کہ شئی مستعار پر مستعیر کا قبضہ قبضہ امانت ہے قبضہ ضمان نہیں ہے۔

شوافع اور حنابلہ کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے کہ العاریۃ موادۃ طریق استدلال عاریۃ پر لی ہوئی چیز ادا کی جائے گی عام ازیں موجود ہو یا نہ ہو تو ظاہر ہے کہ موجود نہ ہونے کی صورت میں تاوان لیا جائے گا۔

دوسری دلیل: حدیث امیہ بن صفوان رضی اللہ عنہ عن ابیہ ہے الذی اخرجه ابو داؤد فی سننہ جس کا مضمون یہ ہے کہ صفوان یہ کہتے ہیں کہ غزوہ حنین کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے کچھ زرہیں مجھ سے عاریۃ لینے کا ارادہ فرمایا میں نے عرض کیا: اتاخذن غصباً (اس وقت تک یہ مسلمان نہیں ہوئے تھے) تو حضور ﷺ نے فرمایا: بل عاریۃ مضمونۃ ہی عاریۃ مضمونۃ یا آخذ عاریۃ، مضمونۃ عام ہے کہ ہلاکت کی صورت ہو یا استہلاک کی صورت ہو۔

جواب: ترمذی شریف والی روایت کا جواب یہ ہے کہ اس میں مدعی واضح نہیں ہے اس لیے کہ موادۃ کا لفظ اداء سے ماخوذ ہے اور اداء کہتے ہیں عین ما وجب کو صاحب حق کے حوالے کرنا اور عین ما وجب کو سپرد کرنا اسی وقت ہوگا کہ جب وہ موجود ہو تو حدیث کا مدلول یہ ہے کہ جب تک شئی ما وجب مستعیر کے پاس موجود ہو تو واپس کرنا واجب ہے اور جب موجود نہ ہو تو آیا ضمان ہوگی یا نہیں، اس سے یہ حدیث ساکت ہے اور حدیث یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ ناطق ہے کہ جب ہلاکت ہو تو ضمان واجب نہیں ہے۔

معاشرے کی تین خرابیوں کی اصلاح؟

یہ حدیث درحقیقت باب معاشرت سے ہے اس میں نبی ﷺ نے معاشرے میں پائی جانے والی تین خرابیوں کی اصلاح فرمائی ہے۔

قتادہ رضی اللہ عنہ کا حسن بصری رضی اللہ عنہ پر اعتراض: حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کا بھی وہی مسلک تھا جو حنفیہ کا مسلک ہے یعنی عاریۃ پر مستعیر کا قبضہ قبضہ امانت ہے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ جو حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو روایت کر رہے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ جو میرے استاذ ہیں انہوں نے خود مجھ سے یہ روایت بیان کی تھی کہ علی البیہ ما اخذت حتی تودی۔ جس کا مطلب حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کے خیال میں یہ تھا کہ مستعیر کے ذمے ضمان واجب ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں حسن بصری رضی اللہ عنہ اس حدیث کو بھول گئے جس کی وجہ سے آپ نے یہ مسلک اختیار کیا کہ ہو امینک لا ضمان علیہ وہ تمہارا امین ہے اس پر کوئی ضمان واجب نہیں گویا کہ حضرت قتادہ نے اپنے استاذ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض کیا حالانکہ انہوں نے یہ حدیث روایت کی تھی لیکن اس کے باوجود وہ عاریۃ کے مضمون ہونے کے قائل نہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں وہ یہ حدیث بھول گئے اگر یہ حدیث ان کو یاد ہوتی تو وہ عاریۃ کو مضمون قرار دیتے۔

حسن بصری رضی اللہ عنہ کا مسلک: یہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا اپنا خیال ہے جس کا انہوں نے اظہار فرمایا لہذا یہ ضروری نہیں ہے کہ حضرت

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو بھول گئے بلکہ ظاہر یہی ہے کہ یہ حدیث ان کو یاد تھی البتہ انہوں نے اس حدیث کو اسی معنی پر محمول کیا ہو جس پر حنفیہ نے محمول کیا ہے وہ یہ ہے کہ عاریت کی چیز جب تک موجود ہے اور ہلاک نہیں ہوئی اس وقت تک لینے والے پر واجب ہے کہ وہی چیز واپس لوٹائے اس میں ضمان کا کوئی ذکر نہیں۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْإِحْتِكَارِ

باب ۳۸: ذخیرہ اندوزی کرنا

(۱۱۸۸) لَا يَحْتَكِرُ إِلَّا خَاطِئٌ.

ترجمہ: حضرت معمر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: صرف گنہگار شخص ذخیرہ اندوزی کر سکتا ہے۔

تشریح: احتکار حکم سے ماخوذ ہے حکم کا لغوی معنی ہے کسی چیز کو روک کر بچنا۔ احتکار ذخیرہ اندوزی کو کہتے ہیں۔

مذہب فقہاء: اصطلاح میں غذائی اجناس کو مثلاً کھانے پینے کی چیزوں کو خرید کر روک لینا اس ارادے سے کہ جب قحط ہوگی تو مہنگے داموں فروخت کروں گا آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

① جمہور کے مذہب میں تفصیل ہے کہ کھانے پینے کی چیزوں میں احتکار مکروہ ہے بشرطیکہ اہل بلد کو ضرر ہو اور اگر اہل بلد کو ضرر نہیں تو مکروہ بھی نہیں ہے اگر کھانے پینے کی چیزوں کے ماسواء ہوں تو جائز ہے۔

② قاضی ابو یوسف رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ہر ضرورت عامۃ کی چیزوں میں خواہ اقوات کے قبیل سے ہوں یا غیر اقوات کے قبیل سے ہوں احتکار لایجوز ہے۔

فقلت لسعيد... الخ محمد بن ابراهيم رضی اللہ عنہ جو اس حدیث کے راوی ہیں فرماتے ہیں کہ جب میں نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سنی تو میں نے کہا اے ابو محمد آپ تو احتکار کرتے ہیں انہوں نے جواب میں فرمایا کہ میرے استاد حضرت معمر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بھی احتکار کیا کرتے تھے۔ مطلب ان کا یہ تھا کہ ہم لوگ ایسی اشیاء کا ایسے اوقات میں احتکار کرتے ہیں جبکہ عوام کو ضرر نہ ہو یہ لوگ زیتون اور درخت سے گرنے والے پتے جو چوپائے کی غذا کے طور پر استعمال کئے جاتے ہیں ان کا احتکار کیا کرتے تھے۔

اسٹاک اور احتکار میں فرق: یہ ہے کہ اسٹاک کرنا جائز ہے ذخیرہ اندوزی ممنوع ہے اور ذخیرہ اندوزی یہ ہے کہ کوئی چیز بڑی مقدار میں خرید کر رکھ لی جائے اور گرانی کا انتظار کیا جائے اور جب تک بھاؤ نہ بڑھے بیچی نہ جائے اور اسٹاک کرنا یہ ہے کہ دوکان کی ضرورت کے بقدر چیز خرید لی جائے اور اس کی فروخت کی جارہی رکھی جائے اول ممنوع ہے کیونکہ اس سے چیزوں کی قلت ہو جاتی ہے بلکہ تجار اس طرح مصنوعی قحط پیدا کریتے ہیں اور ثانی جائز ہے کیونکہ اس سے نہ داموں پر اثر پڑتا ہے نہ قحط سالی پیدا ہوتی ہے اور حضرت معمر رضی اللہ عنہ اور حضرت سعید رضی اللہ عنہ اسٹاک کرتے تھے ذخیرہ اندوزی نہیں کرتے تھے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي بَيْعِ الْمُحَفَّلَاتِ

باب ۳۹: تھن میں دودھ روک کر جانور بیچنا

(۱۱۸۹) لَا تَسْتَقْبِلُوا السُّوقَ وَلَا تُحَقِّلُوا وَلَا يُنْفِقُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: (سامان کے) منڈی پہنچنے سے پہلے (راستے میں سودا نہ کرو) اور دودھ روک کے ہوئے جانور کو فروخت نہ کرو اور کوئی شخص کسی دوسرے کے لئے مصنوعی بولی نہ لگائے۔

تشریح: محفلة: اسم مفعول ہے اس کا مادہ ح، ف، ل ہے اس مادہ کے معنی ہیں جمع کرنا چنانچہ بس کو مافلة اور جلسہ کو محفلة کہتے ہیں کیونکہ ان میں لوگ جمع ہوتے ہیں اور بیع محفلات اور بیع مصرات ایک چیز ہیں یعنی جانور کے تھن میں دودھ روک کر مشتری کو دھوکہ دینا جائز نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تعلق الجلب مت کرو اس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے اور اونٹوں میں تحفیل مت کرو یعنی جس طرح بکری کے اندر تصریہ کرنا جائز نہیں کہ اس کا دودھ نہ نکالنا تا کہ اس کے تھن دیکھ کر خریدنے والے کو دھوکہ لگ جائے یہ عمل اونٹنی کے اندر مت کرو اور تم میں سے کوئی شخص دوسرے کے لیے سامان کو رواج نہ دے یعنی دوسرے کا سامان بیچنے کے لیے جھوٹ موٹ زیادہ قیمت نہ لگائے مثلاً ایک شخص درمیان میں آ کر اسی چیز کی زیادہ قیمت پر خریدنے کی پیش کش کر دے تا کہ خریدار کو دھوکہ دے دے حالانکہ اس تیسرے شخص کو خریدنا مقصود نہیں ہے اس کو بخش کہا جاتا ہے حدیث کے آخری جملے میں اسی کی ممانعت فرمائی ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْيَمِينِ الْفَاجِرَةِ يَقْتَطِعُ بِهَا مَالَ الْمُسْلِمِ

باب ۴۰: جھوٹی قسم کے ذریعے مسلمان کا مال ہتھیانا

(۱۱۹۰) مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ وَهُوَ فِيهَا فَاجِرٌ لِيَقْتَطِعَ بِهَا مَالَ مُسْلِمٍ لَقِيَ اللَّهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضَبَانٌ فَقَالَ الْأَشْعَثُ بْنُ قَيْسٍ فِيَّ وَاللَّهِ لَقَدْ كَانَ ذَلِكَ كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَ رَجُلٍ مِنَ الْيَهُودِ أَرْضٌ فَجَحَدَنِي فَقَدِمْتُهُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَلَمْ يَبْعَثْ قُلْتُ لَا فَقَالَ لِلْيَهُودِيِّ احْلِفْ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِذَا يَحْلِفُ فَيَذْهَبُ بِمَالِي فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا﴾ ... إِلَى آخِرِ الْآيَةِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: جو شخص قسم اٹھائے اور وہ اس میں جھوٹا ہو، تا کہ اس کے ذریعے وہ کسی مسلمان کا مال ہتھیالے، تو جب وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوگا، تو اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوگا۔

حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، یہ حکم میرے بارے میں ہے، اللہ تعالیٰ کی قسم میرے اور ایک یہودی شخص کے درمیان زمین کا تنازعہ تھا اس نے مجھے دینے سے انکار کیا تھا میں اسے لے کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے

دریافت کیا، کیا تمہارے پاس کوئی ثبوت ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں: نبی اکرم ﷺ نے یہودی سے فرمایا: تم قسم اٹھا لو! میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو قسم اٹھالے گا، اور میرا مال لے جائے گا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔

”بے شک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے نام کے عہد اور اس کے نام کی قسموں کے بدلے میں تھوڑی قیمت حاصل کرتے ہیں“ یہ آیت آخر تک ہے۔

تشریح: زیر بحث باب کی روایت میں مذکور ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو آدمی جھوٹی قسم کے ساتھ کسی مسلمان کا مال لے گا قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوگی تو اللہ تعالیٰ غضب ناک ہوں گے اس حدیث کے بیان کے وقت حضرت اشعث رضی اللہ عنہ مجلس میں موجود تھے انہوں نے یہ حدیث سن کر فرمایا اللہ کی قسم یہ نبی ﷺ نے میرے بارے میں فرمایا تھا وہ اس طرح کہ میرے اور ایک یہودی کے درمیان زمین کا تنازع تھا میں نے آپ ﷺ کی خدمت میں دعویٰ پیش کیا تو آپ ﷺ نے مجھ سے بیٹہ کا مطالبہ کیا میں نے کہا میرے پاس بیٹہ تو نہیں پھر آپ نے یہودی سے حلف کا مطالبہ کیا میں نے عرض کیا یہ تو یہودی ہے جھوٹی قسم اٹھا کر میرا مال لے جائے گا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ... الخ۔

بَابُ مَا جَاءَ إِذَا اخْتَلَفَ الْبَيْعَانِ

باب ۴۱: جب خرید و فروخت کرنے والوں کے درمیان اختلاف ہو جائے

(۱۱۹۱) إِذَا اخْتَلَفَ الْبَيْعَانِ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْبَائِعِ وَالْمُبْتَاعُ بِالْخِيَارِ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: جب خرید و فروخت کرنے والوں کے درمیان اختلاف ہو جائے تو فروخت کرنے والوں کے قول کا اعتبار ہوگا، اور خریدار کو اختیار ہوگا۔ (وہ سودا ختم کر دے)

تشریح: بائع اور مشتری میں اختلاف ہو جائے تو اس اختلاف کی کئی صورتیں ہیں مبعیہ میں اختلاف ہوگا یا ثمنوں میں اختلاف ہوگا یا دونوں میں اختلاف ہوگا یا کبھی خیار شرط میں اختلاف ہوگا یہاں صرف یہ ہے کہ اگر بائع اور مشتری کا ثمنوں میں اختلاف ہو جائے تو احناف کے ہاں اس میں تفصیل ہے کہ فریقین میں سے کسی ایک کے پاس بیٹہ ہوں تو قول اسی کا معتبر ہوگا اور اگر دونوں کے پاس بیٹہ ہوں تو جس کے بیٹہ ثبت للز یا دہ ہوں گے وہ معتبر ہوگا اور اگر دونوں کے پاس بیٹہ نہ ہوں تو پھر تحالف من الجانین جاری ہوگا۔ پہلے بائع قسم اٹھائے گا اس کے بعد مشتری سے قسم لی جائے گی اور جب دونوں قسم اٹھالیں گے تو قاضی بیع کو فسخ کر دے گا لیکن اس تحالف کے جاری ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ مبیعہ موجود ہو اور عند الشوافع مبیعہ موجود ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں تحالف جاری ہوگا حدیث الباب بظاہر الشوافع کی دلیل ہے اور احناف کے خلاف جاری ہے۔

جواب ①: اس حدیث میں اجمال ہے اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث جو ابن ماجہ اور دارمی میں ہے اس میں صراحت والسلعة قائمہ کے الفاظ موجود ہیں تو اس جمل کو مفسر پر محمول کیا جائے گا۔

جواب ②: یہ سند امرسل ہے بمعنی منقطع اس لیے کہ اس میں عون بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے حالانکہ عون بن

عبداللہ رحمہ اللہ کی ملاقات ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے ایک اور سند سے مروی ہے قاسم بن عبد الرحمن عن عبد اللہ کی سند سے یہ بھی مرسل ہے اس لیے کہ اس میں قاسم کی ملاقات حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے۔

قال ابن المنصور: ابن منصور رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے مسئلہ پوچھا کہ جب بائع اور مشتری کا اختلاف ہو جائے اور دونوں کے پاس بینہ نہ ہوں تو پھر کیا ہوگا تو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تحالف جاری ہوگا اسکے بعد بیع کو فسخ کر دیا جائے گا ابن منصور رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ پھر میں نے یہی مسئلہ اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ سے پوچھا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي بَيْعِ فَضْلِ الْمَاءِ

باب ۴۲: اضافی پانی فروخت کرنے کا حکم

(۱۱۹۲) قَالَ تَمِيَّ التَّمِيَّ عَنْ بَيْعِ الْمَاءِ.

توجہ: حضرت ایاس بن عبد مزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے پانی کو فروخت کرنے سے منع کیا ہے۔

(۱۱۹۳) لَا يُمْتَنَعُ فَضْلُ الْمَاءِ لِيُمْتَنَعَ بِهِ الْكَلَالُ.

توجہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: اضافی پانی کو روکا نہ جائے، ورنہ اس وجہ سے گھاس کے اگنے میں رکاوٹ پیش آئے گی۔

تشریح: پانی کی بیع سے منع فرمایا گیا اس میں تفصیل ہے پانی کی تین قسمیں ہیں: (۱) دریاؤں اور بڑے بڑے نالوں کا پانی (۲) مملوکہ حوضوں اور کنوؤں کا پانی (۳) وہ پانی جو برتنوں اور مکشیزوں میں جمع کر لیا گیا ہو۔

پہلی قسم: کا پانی مشترک ہیں ہر شخص کو ان سے فائدہ حاصل کرنے کی اجازت ہے کوئی اگر چکی چلانا چاہے تو وہ چکی چلا سکتا ہے کوئی اگر نہر نکالنا چاہے تو نہر نکال سکتا ہے۔

دوسری قسم: مملوکہ حوضوں کا پانی مملوکہ کنوؤں کا پانی مملوکہ نالوں کا پانی مملوکہ تالابوں کا پانی خود بھی پی سکتا ہے اور جانوروں کو بھی پلا سکتا ہے اور اگر دوسرا شخص اپنے جانوروں کو پلانا چاہے تو وہ بھی پلا سکتا ہے بشرطیکہ کنویں اور حوض کو نقصان نہ دیں ورنہ روک سکتا ہے البتہ اگر زمین کو سیراب کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو بیچنے کا حق حاصل ہے۔

تیسری قسم: تیسری قسم کے پانی کو اگر بیچنا چاہے تو بیچ سکتا ہے اذاکان الامر کذلک پس اس حدیث کا مصداق پہلی قسم کی پانی ہیں قسم ثالث اس کے تحت داخل نہیں ہے۔

”لَا يُمْتَنَعُ فَضْلُ الْمَاءِ“ زائد پانی کو نہ روکا جائے تاکہ زائد پانی کو روکنے کے ذریعے گھاس میں چارے کو روکا جائے یعنی زائد پانی کو روکنے سے مقصود گھاس میں چارہ کو روکنا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص کا ذاتی کنواں ہے اس کے قریب عام چراگاہ ہے اس میں گھاس چارہ ہے اس چراگاہ کے اندر تمام لوگوں کو جانور چرانے کا حق حاصل ہے۔ ظاہر ہے کہ گھاس چارہ کھانے کے بعد پانی پینے کی ضرورت ہوگی اب مالک کنواں یہ چاہتا ہے کہ لوگ اپنے جانور یہاں نہ لائیں میں ہی اس میں اپنے جانور چراؤں اس کی

وجہ سے پانی سے روک دیتا ہے حیلہ کرتے ہوئے درحقیقت یہ پانی سے نہیں روکنا چاہتا بلکہ گھاس چارے سے روکنا چاہتا ہے زائد کی قید اس کی نہیں کہ اگر زائد نہ ہو تو روک سکتا ہے بلکہ زائد ہو تو اس وقت روکنے میں مزید وعید ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ عَسْبِ الْفَحْلِ

باب ۴۳: نر کو جفتی کے لئے کرائے پر دینا مکروہ ہے

(۱۱۹۴) نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ عَسْبِ الْفَحْلِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے اس بات سے منع کیا ہے، نر جانور کو جفتی کے لئے کرائے پر دیا جائے۔

(۱۱۹۵) إِنَّ رَجُلًا مِنْ كِلَابٍ سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ عَنْ عَسْبِ الْفَحْلِ فَتَهَاةٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِنَّا نُنْظِرُ الْفَحْلَ فَنُكْرِمُ فَرَحَّصَ لَهُ فِي الْكَرَامَةِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، کلاب قبیلے سے تعلق رکھنے والے ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے نر جانور کو جفتی کے لئے کرائے پر دینے کے بارے میں دریافت کیا، تو آپ نے اس سے منع کر دیا اس نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! ہم بعض اوقات نر جانور کو جفتی کے لئے دیتے ہیں، تو ہمیں اس کے بدلے میں انعام ملتا ہے، تو نبی اکرم ﷺ نے اس انعام کی اسے اجازت دی۔

تشریح: زیر بحث باب میں عسب الفحل سے منع کیا گیا ہے عسب الفحل سے مراد یہ ہے کہ نر مادہ کے ساتھ جفتی کرے مثلاً مادہ کا مالک یہ چاہتا ہے کہ میری مادہ حاملہ ہو جائے لیکن اس کے پاس نر موجود نہیں وہ نر کے مالک سے مطالبہ کرے کہ اپنے نر کو چھوڑ دو تا کہ میری مادہ کو حاملہ کرے اور وہ اس پر اجرت کا مطالبہ کرے اس سے منع کیا گیا ہے کہ یہ جائز نہیں البتہ اگر اکرام کے طور پر کچھ دے دیا جائے تو یہ جائز ہے جیسے زیر بحث باب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں مذکور ہے۔ اس کی یہ صورت ہے کہ پہلے سے کوئی اجرت مقرر نہیں جب نر کا مالک اپنا نر لے کر آیا تو مادہ کے مالک نے اس کی خاطر تواضع کر دی یا کوئی ہدیہ دے دیا تو اس کی اجازت ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي ثَمَنِ الْكَلْبِ

باب ۴۴: کتے کی قیمت کا حکم

(۱۱۹۶) كَسَبَ الْحُجَّامُ خَبِيثٌ وَمَهْرُ الْبَيْغِ خَبِيثٌ وَثَمَنُ الْكَلْبِ خَبِيثٌ.

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: کچھنے لگانے والے شخص کی کمائی حرام ہے۔ فاحشہ عورت کی کمائی حرام ہے، اور کتے کی قیمت حرام ہے۔

(۱۱۹۷) قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَمَهْرِ الْبَيْغِ وَحُلْوَانِ الْكَاهِنِ.

تَرْجَمَتُهُ: حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے کتے کی قیمت، فاحشہ عورت کی کمائی اور کاہن کو ملنے والی نیاز (استعمال کرنے) سے منع کیا ہے۔

کتے کی خرید و فروخت کا حکم:

① امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کتے کی بیع جائز نہیں۔

استدلال: کرتے ہیں اس حدیث سے اور اگر کوئی شخص بیع کرے تو بائع کے لیے اس کی قیمت لینا حرام ہے۔

② امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہما کا قول مختار یہ ہے کہ جس کتے کو پالنا جائز نہیں اس کی بیع بھی جائز نہیں اور جس کتے کو پالنا جائز ہے اس کی بیع بھی جائز ہے اور اس کی قیمت لینا بھی جائز ہے۔

③ امام مالک رحمہ اللہ کی ایک روایت کے مطابق کھانے کے لیے بھی کتے کی بیع جائز ہے کیونکہ اس روایت میں ان کے نزدیک کتے کا کھانا حلال ہے۔

حنفیہ اور مالکیہ کا استدلال: حضرات حنفیہ اور مالکیہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں جو نسائی میں آئی ہے اس روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

نہی رسول اللہ ﷺ ثمن الکلب الا کلب صید۔

”نبی ﷺ نے کتے کی قیمت لینے سے منع فرمایا ہے الا یہ کہ وہ شکاری کتا ہے۔“

اس روایت میں الا کلب صید کا استثناء موجود ہے لیکن ساتھ ہی امام نسائی رحمہ اللہ نے اس روایت پر کلام کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ روایت محل نظر ہے اس لیے کہ اس روایت کا مرفوع ہونا ثابت نہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اول تو جس روایت میں یہ مرفوعاً مروی ہے اس کے تمام رجال ثقات ہیں لہذا اس روایت کو رد کرنے کی کوئی معقول وجہ موجود نہیں ہے اور اگر اس روایت کو مرفوع نہ مانا جائے یعنی عن رسول اللہ ﷺ کا لفظ نہ بھی ہو تب بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جن الفاظ سے یہ روایت بیان فرمائی ہے اس کے لحاظ سے یہ حدیث مرفوع ہی کے حکم میں ہے وہ الفاظ یہ ہیں: نہی عن ثمن الکلب الا کلب صید۔

اس میں لفظ نہی آیا ہے اس کے معنی ہیں کہ منع کیا گیا ہے مطلب یہی ہے کہ حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے لہذا اگر عن رسول اللہ ﷺ کا لفظ روایت میں صراحتاً موجود نہ ہو تب بھی حدیث مرفوع ہی کے حکم میں ہے اور وہ روایت قابل استدلال ہے اس کے متعدد متابعات موجود ہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رضی اللہ عنہم کے فتاویٰ سے استدلال: اس کے علاوہ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رضی اللہ عنہم سے ایسے متعدد فتاویٰ منقول ہیں جس میں یہ کہا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے کے کتے کو ہلاک کر دے تو اس کا تاوان اس کے ذمے لازم آئے گا اور تاوان اسی چیز کا لازم آسکتا ہے جس کی بیع ہو سکتی ہو اور جو چیز بیع کا مکمل نہ ہو اس کا تاوان لازم نہیں آتا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور غالباً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا فتویٰ ہے جس میں انہوں نے تاوان ادا کرنے کا حکم دیا ہے ان کے علاوہ بعض دوسرے تابعین کے بھی فتاویٰ ہیں لہذا ان صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رضی اللہ عنہم کے فتاویٰ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جس کتے کا پالنا جائز ہے اس کتے کو فروخت کرنا بھی جائز ہے۔

حدیث باب کا جواب: حدیث باب کی تین توجیہات ہو سکتی ہیں:

پہلی توجیہ یہ ہے کہ اس حدیث میں وہ کتا مراد ہو جس کا پالنا جائز نہ ہو۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے اور اس کی ناسخ وہ احادیث ہیں جن میں الاکلب صید کا استثناء موجود ہے اور منسوخ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آپ نے متعدد احادیث میں پڑھا ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں کتوں کے احکام تشدید سے تخفیف کی طرف منتقل ہوتے رہے ہیں چنانچہ ابتداء میں حکم یہ تھا کہ ان کو مار ہی ڈالو پھر بعد میں صرف کالے کتے کو مارنے کا حکم آیا ہے پھر بعد میں کتے کو پالنے کی مطلق ممانعت آئی پھر اس کے بعد کلب صید اور کلب زرع کا استثناء آیا اس طرح اس کے بارے میں احکام تخفیف کی طرف منتقل ہوتے رہے ہیں اسی طرح یہاں بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ ابتداء میں ہر کتے کی بیع ناجائز تھی اور بعد میں اس کی اجازت ہو گئی جس کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کا تاوان مقرر فرمایا۔

تیسری توجیہ یہ ہے کہ اس حدیث میں نہی تحریمی نہیں بلکہ نزیہی ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ آگے ایک باب میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت آرہی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

نہی رسول اللہ ﷺ عن ثمن الكلب والسنور.

اس حدیث میں کتے کے ساتھ بلی کو بھی شامل کر لیا گیا ہے حالانکہ بلی کی بیع کسی کے نزدیک بھی حرام نہیں لہذا اس حدیث میں نہی کو کراہت تنزیہی پر محمول کرنا پڑے گا اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ بعض روایات میں ثمن کلب کو اجرة الحجام کے ساتھ ملا کر ذکر کیا گیا ہے حالانکہ حجام کی اجرت باجماع جائز ہے اور خود حضور ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے حجام کو اجرت عطا فرمائی اس روایت میں بھی ممانعت کو کراہت تنزیہی پر محمول کیا جائے گا بہر حال یہ تینوں توجیہات اس حدیث باب میں ہو سکتی ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَسْبِ الْحَجَّامِ

باب ۴۵: پچھنے لگانے والے شخص کی آمدنی کا حکم

(۱۱۹۸) أَنَّهُ اسْتَأْذَنَ النَّبِيَّ ﷺ فِي إِجَارَةِ الْحَجَّامِ فَهَاهُ عَنْهَا فَلَمْ يَزَلْ يَسْأَلُهُ وَيَسْتَأْذِنُهُ حَتَّى قَالَ إِغْلِفْهُ نَاضِحَكَ وَأَطْعِمْهُ رَقِيقَكَ.

ترجمہ: حضرت محیصہ رضی اللہ عنہا کے صاحب زادے اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے پچھنے لگانے کی اجرت لینے کی اجازت مانگی تو نبی اکرم ﷺ نے انہیں اس سے منع کر دیا، وہ بار بار نبی اکرم ﷺ سے اس بارے میں سوال کرتے رہے اور آپ سے اجازت مانگتے رہے، یہاں تک کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم اس (معاوضے سے) اپنے اونٹ کو چارہ کھلا دو یا اپنے غلام کو کھلا دو۔

تشریح: اور یہی مراد ہے کہ حجام پچھنے لگانے والے کو کہتے ہیں چونکہ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے غلام پچھنے لگاتے اور کمائی ہوئی رقم اپنے آقاؤں کو دیتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو بہت پاکیزہ مال سمجھتے تو حضرت محیصہ رضی اللہ عنہا نے نبی کے بارے میں سنا تو آنحضور ﷺ سے باصرار پوچھا تا کہ وہ ان کو اجازت دیدیں لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: اعلفہ ناضحک ای اطعمہ وزنا معنا ناضح پانی لادنے

والے اونٹ کو کہتے ہیں یعنی یہ اجرت اپنے اونٹ کو کھلاؤ اور غلام کو کھلاؤ کیونکہ یہ کمائی ایک خسین عمل سے حاصل کی جاتی ہے لہذا حرار اور پاکباز لوگوں کو نہیں کھانی چاہیے چونکہ بچھنے لگانا اور لگوانا بالاجماع جائز ہے اور آپ ﷺ نے اس پر اجرت بھی عطاء فرمائی ہے جیسا کہ اگلے باب میں ہے اس طرح باب کی حدیث میں بھی جواز کی طرف اشارہ ہے کہ اگر یہ کمائی واجرت حرام ہوتی تو آنحضور ﷺ غلام کو کھلانے کا حکم ہرگز نہ دیتے اس لیے باب کی حدیث کراہت تنزیہی پر محمول ہے کہ آدمی اچھا پیشہ اختیار کر کے کمائے نہ کہ ایسا پیشہ جس سے گندگی میں ملوث ہونے کا خطرہ ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ مِنَ الرُّخْصَةِ فِي كَسْبِ الْحَجَّامِ

باب ۴۶: بچھنے لگانے کی آمدن کی اجازت

(۱۱۹۹) سُبُلُ النَّسِّ عَنْ كَسْبِ الْحَجَّامِ فَقَالَ النَّسُّ احْتَجَمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَحَجَمَهُ أَبُو طَيْبَةَ فَأَمَرَ لَهُ بِصَاعَيْنِ مِنْ طَعَامٍ وَكَلَّمَ أَهْلَهُ فَوَضَعُوا عَنْهُ مِنْ خِرَاجِهِ وَقَالَ إِنَّ أَفْضَلَ مَا تَدَاوَيْتُمْ بِهِ الْحَجَّامَةُ أَوْ إِنْ مِنْ أَمْثَلِ دَوَائِكُمُ الْحَجَّامَةُ.

ترجمہ: حمید بیان کرتے ہیں: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بچھنے لگانے والے شخص کی آمدن کے بارے میں دریافت کیا گیا: تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی اکرم ﷺ نے بچھنے لگوانے تھے، حضرت ابو طیبہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو بچھنے لگائے تھے، تو نبی اکرم ﷺ نے انہیں اناج کے دو صاع دینے کی ہدایت کی تھی۔ آپ نے اس کے مالک کے ساتھ بات کی تو اس کے مالک نے اس کے خراج میں کمی کر دی تھی۔ نبی اکرم ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا۔ تم دوا کے طور پر جو (طریقہ علاج) استعمال کرتے ہو، ان میں سب سے بہترین بچھنے لگوانا ہے (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) سب سے عمدہ علاج بچھنے لگانا ہے۔

تشریح: یہ حدیث بچھنے لگانے کی آمدنی کی جواز کی دلیل ہے اس لیے کہ قاعدہ ہے اجازۃ الشئى اجازۃ لما یحصلہ یعنی اگر کسی چیز کی اجازت دی جائے تو جو اس کا موقود علیہ ہوتا ہے اس کی خود بخود اجازت ہو جاتی ہے جب نبی ﷺ نے بچھنے لگانے کو بہترین علاج قرار دیا تو بچھنے لگوانا جائز ہوا پس اس کی اجرت بھی جائز ہوئی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَالسِّنُورِ

باب ۴۷: کتے اور بلی کی قیمت کی کراہیت

(۱۲۰۰) نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَالسِّنُورِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے کتے اور بلی کی قیمت (استعمال کرنے) سے منع کیا ہے۔

(۱۲۰۱) نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ أَكْلِ الْهَيْرِ وَثَمْنِهِ.

تَرْجَمَتُهُ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے بلی کو کھانے اور اس کی قیمت استعمال کرنے سے منع کیا ہے۔
تَشْرِیْح: بلی کی بیع بالاجماع جائز ہے لیکن پسندیدہ نہیں ہے پس جیسے سنور نہی تنزیہی ہے اسی طرح شمن کلب سے بھی نہی تنزیہی ہے۔
حدیث جابر رضی اللہ عنہ کی سند میں اضطراب ہے: ① اعمش اور جابر رضی اللہ عنہ کے درمیان واسطہ ہے یا نہیں؟ بعض رواۃ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا واسطہ ذکر کرتے ہیں اور بعض ذکر نہیں کرتے۔

② آیا یہ حدیث سندات جابر رضی اللہ عنہ میں سے ہے یا مسندات ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ میں سے ہے بعض اس کو مسندات جابر رضی اللہ عنہ میں سے قرار دے رہے ہیں اور بعض مسندات ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ میں سے قرار دے رہے ہیں کوئی فرق نہیں پڑتا اس لیے کہ کراہیت تنزیہی ہی تو ثابت کرنی ہے کون سی حرمت ثابت کرنی ہے اکل الہرقہ و ثمنہ بلی کے کھانے سے نہی تحریمی ہے اور ثمنوں سے نہی تنزیہی ہے۔
سوال: نہی کا لفظ ایک ہے اس سے کراہیت تنزیہی بھی مراد لے رہے ہو اور کراہیت تحریمی بھی مراد لے رہے ہو یہ توجع بین الحقیقت والجاز ہے؟

جواب: یہ جمع بین الحقیقۃ والجاز کے قبیل سے نہیں بلکہ عموم مجاز کے قبیل سے ہے یا یوں کہہ لو کہ نہی عن اکل الحصر ونہی عن ثمنہ پہلے نہی سے نہی تحریمی مراد ہے اور دوسرے نہی سے نہی تنزیہی مراد ہے۔

باب

باب: معلّم کتے کی بیع جائز ہے

(۱۲۰۲) نَهَى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ إِلَّا كَلْبَ الصَّيْدِ.

تَرْجَمَتُهُ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں (نبی اکرم ﷺ) نے کتے کی قیمت (استعمال کرنے) سے منع کیا ہے، البتہ شکاری کتے کا حکم مختلف ہے۔

تَشْرِیْح: یہ حدیث چونکہ احناف کے موافق جارہی ہے اس لیے اس پر امام ترمذی نے اعتراض کر دیا کہ اس کی سند میں ابوالمہزم ہے ان کا نام یزید ہے والد کا نام سفیان ہے اس پر شعبہ بن جاج نے جرح کی ہے مجروح راوی کی وجہ سے یہ حدیث قابل استدلال نہیں ہے۔
جواب: بے شک یہ سند صحیح نہیں لیکن احناف کا مستدل یہ نہیں بلکہ احناف کا مستدل وہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ ہے جس کی تخریج امام نسائی رضی اللہ عنہ نے کی ہے اس کے سارے رجال ثقات ہیں حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ نے اس کا اقرار کیا ہے کثرت ضعف بھی کوئی مضر نہیں ہے کیونکہ حدیث تعدد طرق کی وجہ سے حسن لغیرہ کے درجہ میں پہنچ جاتی ہے اور حسن لغیرہ سے استدلال کرنا صحیح ہوتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ بَيْعِ الْمُغْنِيَاتِ

باب ۴۸: گانے بجانے والی باندیوں کی خرید و فروخت ممنوع ہے

(۱۲۰۳) لَا تَبِيعُوا الْقَيْنَاتِ وَلَا تَشْتَرُوهُنَّ وَلَا تَعْلِمُوهُنَّ وَلَا خَيْرٌ فِي تِجَارَةٍ فِيهِنَّ وَتَمْنَهُنَّ حَرَامٌ فِي مِثْلِ

هَذَا أَتَوَلْتُ هَذِهِ الْآيَةَ (وَمَنْ التَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهَا الْحَدِيثَ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ) إِلَى آخِرِ الْآيَةِ.

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں، گانے والی کنیزوں کی خرید و فروخت نہ کرو نہ ہی انہیں (گانے بجانے کی) تعلیم دو، کیونکہ ان کی تجارت میں کوئی بھلائی نہیں ہے، اور ان کی قیمت حرام ہے، اسی طرح کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

تشریح: قینات، قینہ کی جمع ہے اور یہ لفظ گانے والی باندی کے لیے خاص ہے (اور نہ ان کو گانا سکھاؤ اور ان کی تجارت میں کوئی خیر نہیں اور ان کی قیمت حرام ہے اور اسی طرح کے معاملات میں یہ آیت نازل ہوئی ہے بعض لوگ وہ ہیں جو کھیل کی باتوں کو خریدتے ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے لوگوں کو گمراہ کریں۔ (لقمان آیت ۶)

زمانہ جاہلیت میں کچھ لوگ اپنی باندیوں کو گانا بجانا سکھاتے تھے پھر وہ باندیاں بھاری داموں پر فروخت ہوتی تھیں شریعت مطہرہ نے نہ صرف یہ کہ باندیوں کو گانے بجانے کی تعلیم دینے سے منع کیا بلکہ اس کی خرید و فروخت اور اس کے شمن کو بھی حرام قرار دیا کیونکہ وہ باندیاں لہو الحدیث یعنی اللہ کی یاد سے غافل کرنے والی ہیں لہذا ہر وہ کھیل جو اللہ کی یاد سے غافل کرنے والا ہو اس کا یہی حکم ہے مثلاً وی دیکھنا، ناول اور افسانہ پڑھنا کرکٹ دیکھنا، کو مٹری سنا وغیرہ سب لہو الحدیث ہیں اور حرام ہیں طلبہ کو اس سے غایت درجہ اجتناب کرنا چاہئے خاص طور پر کرکٹ کا کھیل تو ایسا منحوس کھیل ہے کہ جس کو اس کے کھیلنے کی یاد دیکھنے کی عادت پڑ گئی وہ کبھی پڑھنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اللہم احفظنا منہ

﴿وَمَنْ التَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهَا الْحَدِيثَ﴾ (لقمان: ۶)

”لوگوں میں سے بعض ایسے آدمی ہیں جو باتوں کا کھیل خریدتے ہیں اور مقصد لوگوں کو گمراہ کرنا اور لہو لعب میں مبتلا کرنا ہوتا ہے۔“ یہ ایسی تعبیر ہے جو قیامت تک آنے والے تمام باتوں کے کھیل کو شامل ہے ملا علی قاری رحمہ اللہ ”مرقات“ میں لکھتے ہیں:

والمراد من الحديث المنكر فيدخل فيه نحو السمر بالاساطير وبالاحادیث التي لا اصل لها والتحدث بالخرافات والمضاحيك والغناء وتعلم الموسيقى وما اشبه ذلك.

”اور منکر باتوں سے مراد جس میں پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں داخل ہیں اور وہ باتیں جن کی کوئی اصل نہ ہوئی نئی خرافات اور ہنسی مذاق اور گانے اور موسیقی اور جو اس کے مشابہ ہوں ان کی کوئی اصل نہیں ہے۔“

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَنْ يُفَرَّقَ بَيْنَ الْأَخَوَيْنِ الْوَالِدَةِ وَوَلَدِهَا فِي الْبَيْعِ

باب ۴۹: دو بھائیوں یا ماں اور بیٹے کو سودے میں ایک دوسرے سے الگ کرنا حرام ہے

(۱۲۰۴) مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الْوَالِدَةِ وَوَلَدِهَا فَفَرَّقَ اللَّهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَحَبَّتِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ: حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: جو شخص (کنیز اور غلام خریدتے ہوئے) ماں اور بیٹے کے درمیان علیحدگی کروا دے، تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے اور اس کے محبوب لوگوں کے

درمیان علیحدگی کروادے گا۔

(۱۲۰۵) وَهَبَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ غُلَامَيْنِ أَخَوَيْنِ فَبِعْتُ أَحَدَهُمَا فَقَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَا عَلِيُّ مَا فَعَلَ غُلَامُكَ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ رُدَّاهُ رُدَّاهُ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے مجھے دو غلام عطاء کئے جو دونوں بھائی تھے، میں نے ان میں سے ایک کو فروخت کر دیا، نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے دریافت کیا، اے علی! تمہارے غلاموں کا کیا حال ہے؟ میں نے آپ کو بتایا تو آپ نے فرمایا: اسے واپس لے آؤ، اسے واپس لے آؤ۔

تشریح: ماں اور اس کے چھوٹے بچے میں اسی طرح دو بھائیوں یا دو بہنوں میں یا بھائی بہن میں جبکہ دونوں یا ایک چھوٹا ہو بیچ یا ہبہ میں جدائی کرنا وحشت کا سبب ہے اسلئے اس سے احتراز ضروری ہے البتہ اگر بچہ سمجھدار اور خود کفیل ہو اور ماں راضی ہو تو تفریق جائز ہے حضرت ابراہیم خنی رضی اللہ عنہ نے باندی اور اس کے بچے کے درمیان بیچ میں جدائی کی تو لوگوں نے اعتراض کیا پس آپ نے فرمایا میں نے اس کی ماں سے اجازت لے لی تھی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَنْ يَشْتَرِي الْعَبْدَ وَيَسْتَغْلِيهِ ثُمَّ يَجِدُ بِهِ عَيْبًا

باب ۵۰: جو شخص کوئی غلام خریدے، اسے نفع حاصل کرنے کیلئے خریدے پھر وہ اس میں کوئی عیب پائے

(۱۲۰۶) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَضَى أَنَّ الْخُرَاجَ بِالضَّمَانِ.

ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم ﷺ نے یہ فیصلہ دیا ہے: ہر چیز کا نفع اس شخص کے لئے ہوگا، جو اس کا تاوان ادا کرے گا۔

(۱۲۰۷) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَضَى أَنَّ الْخُرَاجَ بِالضَّمَانِ.

ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: نفع کا حق اس شخص کو ہوگا، جو تاوان کا ذمہ دار ہوگا۔

تشریح: زیر بحث باب کی روایت میں مذکور ہے کہ آمدنی ضمان کے مقابلے میں ہے جب ہی نبی اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تھا اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے ایک غلام خرید اس کو نوکری پر لگا دیا جس کی وجہ سے آقا کو آمدنی ہوتی رہی بعد میں اس غلام کے اندر عیب نکل آیا جس کی وجہ سے غلام بائع کو واپس کرنا پڑا جب غلام واپس کیا تو اس وقت یہ سوال پیدا ہوا کہ غلام نے مشتری کے پاس رہتے ہوئے جو مزدوری کی ہے اس کا کیا ہوگا؟ اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا الخراج بالضمان خراج سے مراد آمدنی ہے معنی یہ ہوگا کہ جس وقت یہ غلام مشتری کا تھا جب مشتری کے ضمان میں تھا تو اس دوران کی آمدنی بھی مشتری کے لیے ہوگی آپ ﷺ کا فرمان الخراج الخ شریعت کا ایک اہم اصول ہے۔

سند کا بیان: کہ ہشام بن عروہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرنے والے ان کے تین شاگرد ہیں:

① عمر بن علی ② مسلم بن خالد الرزبی ③ جریر۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ عمر بن علی کی سند کے اعتبار سے یہ حدیث غریب ہے اور میں ہی نہیں کہتا بلکہ میرے استاذ امام بخاری نے بھی غریب قرار دیا ہے جریر والی سند بھی مخدوش ہے اس لیے کہ جریر مدلس ہے اور عن سے روایت کر رہا ہے اور مدلس کی عنعنہ قبول نہیں ہوتا اور درمیانی سند جو مسلم بن خالد والی ہے یہ صحیح ہے۔ خیر الامور اوسطھا۔

بَابُ مَا جَاءَ مِنَ الرُّخْصَةِ فِي أَكْلِ الثَّمَرَةِ لِلْمَازِيهَا

باب ۵۱: گزرنے والے شخص کے لئے پھل کھانے کی اجازت

(۱۲۰۸) مَنْ دَخَلَ حَائِطًا فَلْيَأْكُلْ وَلَا يَتَّخِذْ حُبْنَةً.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اگر کسی نے کسی باغ میں داخل ہو، وہ وہاں سے کچھ کھالے لیکن کپڑے میں نہ رکھے۔

(۱۲۰۹) كُنْتُ أَرْجِي نَحْلَ الْأَنْصَارِ فَأَخَذُونِي فَذَهَبُوا بِي إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَا رَافِعُ لِمَ تَرْمِي نَحْلَهُمْ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ الْجُوعُ قَالَ لَا تَزِمِ وَكُلْ مَا وَقَعَ أَشْبَعَكَ اللَّهُ وَأَرْوَاكَ.

ترجمہ: حضرت رافع بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ میں انصار کے کھجور کے ایک باغ میں پتھر مار رہا تھا انہوں نے مجھے پکڑا اور مجھے لے کر نبی اکرم ﷺ کے پاس چلے گئے نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا۔ اے رافع! تم پتھر کیوں مار رہے تھے ان کے باغ پر؟ راوی بیان کرتے ہیں۔ میں نے عرض کی: بھوک کی وجہ سے، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ تم پتھر نہ مارو! جو نیچے گری ہوئی ہوں، انہیں کھا لو! اللہ تعالیٰ تمہیں سیر کرے اور آسودہ کرے۔

(۱۲۱۰) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سُئِلَ عَنِ الثَّمَرِ الْمُعْلَقِ فَقَالَ مَنْ أَصَابَ مِنْهُ مِنْ ذِي حَاجَةٍ غَيْرَ مُتَّخِذٍ حُبْنَةً فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ.

ترجمہ: عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ، اپنے والد کے حوالے سے، اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ سے لٹکے ہوئے پھل کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو ضرورت مند شخص جمع کئے بغیر انہیں کھالے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ تشریح: زیر بحث باب کی روایت میں جو مسئلہ بیان کیا گیا ہے یہ درحقیقت عرف کے تابع ہے اگر اس علاقہ کے عرف کے مطابق اجازت ہے تو کھالے ورنہ نہ کھائے اور اس کی تین صورتیں ہیں:

① بعض علاقوں کا عرف یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی باغ کے اندر آیا اور اس باغ کا مالک پھل کھانے سے منع نہیں کرتا ایسے علاقوں میں پھل کھانا جائز ہے۔

② بعض علاقوں میں رواج ہے کہ جو پھل زمین پر گر جاتا ہے اس کے کھانے کی تو اجازت ہوتی ہے لیکن درخت سے توڑنے کی

اجازت نہیں ہوتی ایسے علاقوں میں اسی کے مطابق حکم ہوگا بعض احادیث میں اس کی تصریح آئی ہے کہ جو پھل نیچے گر گیا اس کو کھا لو لیکن درخت سے توڑ کر نہ کھاؤ جیسے زیر بحث باب کی دوسری روایت میں یہی مذکور ہے۔
 ③ بعض علاقوں میں کسی بھی قسم کے پھل کھانے کی اجازت نہیں ہوتی ایسی صورت میں کوئی بھی پھل کھانا جائز نہیں ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي السُّنَنِ عَنِ الشُّبَّانِ

باب ۵۲: خرید و فروخت میں استثناء کی ممانعت

(۱۲۱۱) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَى عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ وَالْمُخَابَرَةِ وَالشُّبَّانِ إِلَّا أَنْ تُعْلَمَ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے محالہ، مزابنہ، مخابره اور غیر طے شدہ استثناء (والے سودوں سے) منع کیا ہے۔

تشریح: زیر بحث باب کی روایت میں چار چیزوں سے منع کیا گیا ہے: (۱) محالہ (۲) مزابنہ ان کی تعریف گزر چکی ہے (۳) مخابره مزارعت کو کہتے ہیں جس کا بیان آ رہا ہے البتہ یہاں ایک خاص صورت منھی عنہ ہے وہ یہ کہ زمین کا مالک زمین کے کسی خاص حصے کی پیداوار کو اپنے لیے خاص کر لے کہ اس حصے کی پیداوار ہو اور دوسری جگہ نہ ہو۔ (۴) شیا استثناء کو کہتے ہیں مثلاً کوئی آدمی یہ کہے کہ میں اپنے باغ کا تمام پھل تمہیں فروخت کرتا ہوں سوائے دو درختوں کے پھل کے اور وہ دو درخت مجھوں ہیں اس سے منع کیا گیا ہے ہاں اگر وہ درختوں کو متعین کر دے تو یہ جائز ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ بَيْعِ الطَّعَامِ حَتَّى يَسْتَوْفِيَهُ

باب ۵۳: اپنے قبضے میں لینے سے پہلے اناج کو (آگے) فروخت کرنا حرام ہے

(۱۲۱۲) مَنْ ابْتِئَاعَ طَعَامًا فَلَا يَبِيعُهُ حَتَّى يَسْتَوْفِيَهُ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَأَخْبَسُ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَهُ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص کوئی اناج خریدے، تو وہ اسے اس وقت تک (آگے) فروخت نہ کرے، جب تک اسے اپنے قبضے میں نہ لے۔

تشریح: یہ مسئلہ پہلے گزر چکا ہے کہ بیع پر قبضہ سے پہلے اس کو بیچنا جائز نہیں ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ حکم طعام کے ساتھ خاص ہے اور امام اعظم اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک تمام منقولات کا یہی حکم ہے اور غیر منقولات یعنی جائیداد اس حکم سے مستثنیٰ ہے اس کو قبضہ سے پہلے بیچ سکتے ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک ہر چیز کا یہی حکم ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ الْبَيْعِ عَلَى بَيْعِ أَخِيهِ

باب ۵۴: دوسرے کے سودے پر سودا کرنے کی ممانعت

(۱۲۱۳) لَا يَبِيعُ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ وَلَا يَخْطُبُ بَعْضُكُمْ عَلَى خُطْبَةِ بَعْضٍ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں۔ کوئی بھی شخص کسی دوسرے کے سودے پر سودا نہ کرے اور کوئی شخص اپنے بھائی کے نکاح کے پیغام پر اپنا پیغام نہ بھیجے۔

تشریح: بیع جب تک معرض بیع میں ہو ہر شخص خریدنے کی پیش کش کر سکتا ہے مگر جب کسی ایک کے ساتھ سودا چل پڑا اور بائع کا مشتری کی طرف میلان ہو گیا تو اب دوسرے کو بیچ میں کودنے کی اجازت نہیں مزید تفصیل کتاب النکاح باب ۳۶ میں گزر چکی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي بَيْعِ الْخَمْرِ وَالنَّهْيِ عَنْ ذَلِكَ

باب ۵۵: شراب کو فروخت کرنا، اس کی ممانعت

(۱۲۱۴) أَنَّهُ قَالَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ إِنِّي اشْتَرَيْتُ خَمْرًا لَا يَتَّخِذُ فِي حَجْرِي قَالَ أَهْرِقِ الْخَمْرَ وَاكْثِرِ الدِّنَارَ.

ترجمہ: حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں نے اپنے زیر پرورش کچھ یتیموں کے لئے شراب خریدی تھی نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم اس شراب کو بہا دو اور اس کے برتنوں کو توڑ دو۔

تشریح: عاصر کے معنی ہیں: ① نچوڑنے والا۔ ② کسی کے لیے نچوڑنے والا اور مختصر کے بھی دو معنی ہیں: (۱) نچوڑنے والا (۲) اپنے لیے نچوڑنے والا۔

امام صاحب رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر ذمی آدمی کسی مسلمان سے شراب اٹھوائے تو مسلمان کے لیے مزدوری لینا جائز ہے تو جواب ہدایہ میں پڑھ کر آئے ہو کہ حمل مقرون بقصد الشرب ہو تو منع ہے اور اگر حمل مقرون بقصد الشرب نہ ہو تو پھر جائز ہے۔

واکسر الدنان: بروزن کتاب دن کی جمع ہے منکے کو کہتے ہیں چونکہ ان میں شراب تھی اس لیے توڑنے کا حکم دیا کہ دونوں نجس ہیں یا پھر زبرد تنفیر میں مبالغہ کے لیے فرمایا پھر اخیر میں ان ادائی کے استعمال کی اجازت ثابت ہے اس کی مزید تفصیل ان شاء اللہ جلد دوم ابواب الاشریہ میں آئے گی۔

بَابُ النَّهْيِ أَنْ يَتَّخِذَ الْخَمْرُ خَلًّا

باب ۵۶: شراب کو سرکہ بنانے کی ممانعت

(۱۲۱۵) سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ أَيُّ تَعَذُّ الْخَمْرُ خَلًّا قَالَ لَا.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا۔ شراب کو سرکہ بنا دیا جائے، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہیں۔

(۱۲۱۶) لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي الْخَمْرِ عَشْرَةَ عَاصِرَهَا وَمُعْتَصِرَهَا وَشَارِبَهَا وَحَامِلَهَا وَالْمَحْمُولَ إِلَيْهِ وَسَاقِيَهَا وَبَائِعَهَا وَآكِلَ ثَمَرِهَا وَالْمُشْتَرِيَ لَهَا وَالْمُشْتَرَاةَ لَهُ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے شراب کے حوالے سے دس لوگوں پر لعنت کی ہے اسے نچوڑنے والے، اسے نچروانے والے، اسے پینے والے، اسے اٹھا کر لے جانے والے، جس کے لئے اٹھا کر لے جانی جا رہی ہو جو اسے پلا رہا ہو، جو اسے فروخت کرے، جو اس کی قیمت کھائے، جو شخص اسے خریدے یا جس کے لئے اسے خریدا جائے۔

حدیث میں خمر سے خل بنانے کی اجازت اول وہلہ پر محمول ہے اس کی تفصیل پہلے (گزر چکی ہے تیسری حدیث میں والمشتري لها صیغہ اسم فاعل ہے اور لها کی ضمیر خمر کی طرف عائد ہے اور والمشتراة له بصیغہ اسم مفعول ہے لہذا اول سے مراد شراب خریدنے والا ہے اور دوم سے جس کے لیے خریدی جاتی ہے مراد ہے۔

یحییٰ بن عباد کے دو شاگرد ہیں: ① لیث ② سدی۔ دونوں کی روایت میں فرق یہ ہے کہ لیث اس کو مسندات ابی طلحہ رضی اللہ عنہ سے قرار دے رہے ہیں اور سدی اس کو مسندات انس رضی اللہ عنہ میں سے قرار دے رہے ہیں انس، ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان فرما رہے ہیں امام ترندی سدی کے حق میں فیصلہ دے رہے ہیں اس لیے کہ سدی کے متابع موجود ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي اخْتِلَابِ الْمَوَاشِيِّ بِغَيْرِ اَذْنِ الْاَزْبَابِ

باب ۵۷: مالک کی اجازت کے بغیر مویشیوں کو دوہنے کا حکم

(۱۲۱۷) اِذَا اَتَى أَحَدُكُمْ عَلَى مَاشِيَةٍ فَإِنْ كَانَ فِيهَا صَاحِبُهَا فَلْيَسْتَأْذِنْهُ فَإِنْ أَدِنَ لَهُ فَلْيَحْتَلِبْ وَلْيَشْرَبْ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهَا أَحَدٌ فَلْيَصَوِّثْ ثَلَاثًا فَإِنْ أَجَابَهُ أَحَدٌ فَلْيَسْتَأْذِنْهُ فَإِنْ لَمْ يُجِبْهُ أَحَدٌ فَلْيَحْتَلِبْ وَلْيَشْرَبْ وَلَا يَحْمِلْ.

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: جب کوئی شخص کسی جانور کے پاس آئے، تو اگر وہاں اس کا مالک موجود ہو، تو وہ اس سے اجازت لے اگر وہ مالک اسے اجازت دے، تو وہ اس کا دودھ دوہ کر پی لے لیکن اگر وہاں کوئی شخص موجود نہ ہو، تو وہ تین مرتبہ آواز دے اگر وہ شخص اسے جواب دے، تو وہ اس سے اجازت لے اگر کوئی اسے جواب نہیں دیتا، تو اس کا دودھ دوہ لے (اور وہیں پی لے) اسے ساتھ نہ لے جائے۔

تشریح: مالکوں کی اجازت کے بغیر دودھ والے جانوروں کا دودھ نکال کر استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تو اب فقہاء کا اتفاق ہے کہ جائز نہیں ہے:

لا يحل مال امرأ مسلم الا بطيب نفسه او كما قال عليه السلام.

”کسی مسلمان کا مال اس کے طیب نفس کے بغیر لینا جائز نہیں۔“

باقی اس حدیث میں جو یہ ہے کہ تین مرتبہ آواز لگائے اگر مالک آجائے تو اجازت لے لے ورنہ دودھ نکال کر پی لے لیکن برتن میں ڈال کر نہ لے جائے۔

جواب: یہ عرف پر محمول ہے: (۲) حالت اضطراب پر محمول ہے اگر عرف ہے تو تاوان بھی نہیں ہے اور اگر حالت اضطراب ہے تو پھر تاوان واجب ہے۔

سند کی بحث: حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا سماع ثابت ہے تفصیل کتاب الصلوٰۃ باب ۲۰ میں دیکھیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي بَيْعِ جُلُودِ الْمَيْتَةِ وَالْأَصْنَامِ

باب ۵۸: مردہ جانوروں کی کھال اور بتوں کو فروخت کرنے کا حکم

(۱۲۱۸) اِنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَامَ الْفَتْحِ وَهُوَ بِمَكَّةَ يَقُولُ اِنَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْجُنْدِ وَالْأَصْنَامِ فَقِيلَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اَرَأَيْتَ سُخُومَ الْمَيْتَةِ فَإِنَّهُ يُطْلَى بِهَا الشُّفْنُ وَيُدْهَنُ بِهَا الْجُلُودُ وَ يَسْتَصْبَحُ بِهَا النَّاسُ قَالَ لَا هُوَ حَرَامٌ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عِنْدَ ذَلِكَ قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُودَ إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْهِمُ الشُّخُومَ فَأَجْمَلُوهُ ثُمَّ بَاعُوهُ فَأَكَلُوا ثَمَنَهُ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں انہوں نے فتح مکہ کے موقع پر، مکہ مکرمہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا۔ بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کو فروخت کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔ عرض کی گئی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مردہ جانوروں کی چربی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ کیونکہ اسے کشتیوں میں لگایا جاتا ہے، اور اس کو چمڑے پر تیل کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، لوگ اس کے ذریعے چراغ جلاتے ہیں، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نہیں وہ حرام ہے، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ یہودیوں کو برباد کرے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر چربی کو حرام قرار دیا تھا تو انہوں نے اسے پگھلا دیا اور پھر اسے فروخت کیا اور اس کی قیمت کو کھالیا۔

تشریح: شریعت میں مردار، مورتی، خنزیر اور شراب قطعاً حرام ہیں ان سے کسی بھی طرح انتفاع جائز نہیں شراب اور خنزیر تو نجس العین ہیں اور مسلمان کے حق میں مال ہی نہیں۔ بتوں کی بیچ میں دو حیثیتیں ہیں صنم کی بیچ صنم ہونے کی حیثیت سے تاکہ گھر میں رکھ دی جائے صبح و شام سلام کریں گے تو بالا جماع لایجوز اور اگر مادۃ من المواد ہونے کی حیثیت سے ہو کہ اس کو توڑ کر زیورات بنائیں گے تو بالا جماع جائز ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ شکل و صورت بدل دی جائے۔

اور مردار ناپاک ہے البتہ اس کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے مگر دباغت سے پہلے فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

مذاہب فقہاء: ① امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مردار کی کھال کی بیچ مطلقاً جائز ہے۔

② باقی تمام ائمہ کے نزدیک دباغت سے پہلے اس کی بیع جائز نہیں۔ اور احادیث میں نہی کا محمل بھی یہی ہے جلود مبیعہ کی بیع کہ قبل از دباغت ہوگی اگر قبل از دباغت ہو تو لایکوز اور اگر بعد از دباغت ہو تو پھر بیکوز ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی دلیل: یہ حدیث ہے نبی ﷺ ایک مردہ بکری پر سے گزرے آپ ﷺ نے اس کے مالکوں سے کہا: ہلا استمتعتم باہا بہا؟ آپ لوگ اس کی کھال سے فائدہ کیوں نہیں اٹھاتے؟

تو انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ یہ مردار ہے آپ ﷺ نے فرمایا اس کا کھانا ہی تو حرام ہے (بخاری حدیث ۲۲۲۱) اہاب کچی کھال کو کہتے ہیں اور اس سے فائدہ اٹھانے کی نبی ﷺ نے اجازت دی ہے اور انتفاع کی دو ہی صورتیں ہیں رنگ کر یا رنگو اگر استعمال کی جائے یا فروخت کر دی جائے کیونکہ بیع کر ثمن حاصل کرنا بھی اس سے فائدہ اٹھانا ہے۔

مردار کی چربی کا حکم:

کسی نے سوال کیا یا رسول اللہ ہمیں بتائیے کہ مردار کی چربی کا کیا حکم ہے؟ اس کو فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ کیونکہ اس کی چربی سے کشتیوں کو روغن کیا جاتا ہے اور وہ چمڑے پر ملا جاتا ہے اور اس کے ذریعہ لوگ (چراغ جلا کر) روشنی حاصل کرتے ہیں۔ استصباح کے معنی ہیں روشنی حاصل کرنا۔

جواب میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا نہیں وہ مردار کی چربی حرام ہی ہے اس موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان یہودیوں کو مار ڈالے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر چربی حرام فرمائی تھی لیکن انہوں نے اس چربی کو پگھلایا اور پھر فروخت کر کے اس کی قیمت کھالی یہودیوں نے چربی استعمال کرنے کا یہ حیلہ کیا کہ انہوں نے کہا کہ ہم پر شحم چربی حرام کی گئی ہے اور لفظ شحم کا اطلاق چربی پر اس وقت تک ہوتا ہے جب تک اس کو پگھلایا نہ ہو گیا ہو اور پگھلانے کے بعد اس کو شحم نہیں کہا جاتا بلکہ اس کو ودک کہتے ہیں جب ہم نے اس کو پگھلایا تو اب یہ شحم نہیں رہی بلکہ ودک ہو گئی اور یہ ہمارے لیے حرام نہیں حالانکہ حقیقت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی لہذا ان کا یہ حیلہ درست نہیں تھا اس لیے حضور ﷺ نے اس حیلے کی مذمت بیان فرمائی۔

نام کے بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی:

اس سے یہ اصول معلوم ہوا کہ محض نام کے بدل جانے سے حقیقت تبدیل نہیں ہوتی اور حلت و حرمت پر کوئی فرق نہیں پڑتا البتہ اگر ماہیت ہی بدل جائے مثلاً خمر کی ماہیت بدل کر خل بن گیا تو اس صورت میں حکم بھی بدل جاتا ہے یعنی حرمت کا حکم بھی باقی نہیں رہتا بلکہ وہ شئی طاہر اور حلال ہو جاتی ہے۔

ممانعت کی نص ہو تو بیع جائز نہیں:

یہ جو اوپر عرض کیا کہ جس چیز کا جائز استعمال ممکن ہو اس کی بیع جائز ہے یہ حکم اس وقت ہے جب اس کے خلاف کوئی نص موجود نہ ہو لیکن اگر ممانعت کی نص موجود ہو تو اس صورت میں چاہے اس کے استعمال کی جائز صورت ممکن ہو تب بھی اس کی بیع جائز نہیں ہوگی۔

بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الرُّجُوعِ مِنَ الْهَبَةِ

باب ۵۹: ہبہ کو واپس لینا مکروہ ہے

(۱۲۱۹) لَيْسَ لَنَا مَثَلُ الشُّوْءِ الْعَائِدِ فِي هَبَّتِهِ كَالْكَلْبِ يَعُوذُ فِي قَيْمِهِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ بری صفات کو اختیار کرنا ہمارے لائق نہیں ہے، اور ہبہ واپس لینے والا اس کتے کی طرح ہے، جو اپنی قے کو چاٹ لیتا ہے۔

(۱۲۲۰) قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ أَنْ يُعْطِيَ عَطِيَّةً فَيَرْجِعَ فِيهَا إِلَّا الْوَالِدَ فَإِنَّمَا يُعْطَى وَلَدَهُ.

ترجمہ: اس بارے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی اکرم ﷺ کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی بھی شخص کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے، وہ کوئی عطیہ دے، اور پھر اسے واپس لے، صرف والد کا حکم مختلف ہے، جو چیز وہ اپنی اولاد کو دیتا ہے (وہ اسے واپس لے سکتا ہے)۔

تشریح: اگر کو شخص کسی کو کوئی چیز ہبہ کرے اور قبضہ بھی دے دے تو وہ چیز واہب کی ملک سے نکل کر موہوب لہ کی ملک ہو جاتی ہے اب واہب اس ہبہ کردہ چیز کو واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟

مذہب فقہاء: حنفیہ کے نزدیک سات موانع ہیں اگر ان میں سے کو مانع موجود ہو تو رجوع نہیں کر سکتا اور اگر ساتوں موانع موجود نہ ہوں تو تراضی طرفین سے یا قضائے قاضی سے رجوع ہو سکتا ہے مگر مکروہ ہے پھر کراہت تنزیہی کا بھی قول ہے اور کراہت تحریمی کا بھی اور تحریمی والا قول راجح ہے اس لیے کہ نبی ﷺ نے ہبہ کر کے واپس لینے والے کو اس کتے کے مانند قرار دیا ہے جو اپنی قے چاٹ لیتا ہے اور سات موانع یہ ہیں کہ زیادت متصلہ، موت، عوض، خروج، زوجیت، قرابت محرمہ اور ہلاکت، ان کا مجموعہ دمع خرقہ ہے د: سے مراد زیادت متصلہ ہے مثلاً کتاب ہبہ کی موہوب کہ نے اس کی جلد بنوائی تو اب رجوع نہیں ہو سکتا کیونکہ موہوبہ چیز میں زیادتی ہو گئی اور وہ زیادتی موہوبہ چیز کے ساتھ متصل ہے پس نہ تو اس کے ساتھ رجوع کر سکتا ہے کہ وہ زیادتی واہب کی نہیں ہے اور نہ اس کے بغیر رجوع کر سکتا ہے کہ زیادتی متصل ہے۔

اور م: سے مراد موت ہے یعنی اگر موہوب لہ مر جائے تو رجوع نہیں ہو سکتا اور ع: سے مراد عوض ہے یعنی کسی کو کوئی چیز ہبہ کی موہوب لہ نے اس کو ہبہ کا عوض دے دیا یعنی اس نے جواباً کوئی چیز ہبہ کر دی تو اب رجوع نہیں ہو سکتا۔

اور خ: سے مراد خروج ہے یعنی موہوبہ چیز موہوب لہ کی ملک سے نکل گئی تو اب رجوع نہیں ہو سکتا۔ اور ز: سے مراد زوجیت ہے یعنی میاں بیوی ایک دوسرے کو ہبہ کریں تو علاقہ زوجیت کی وجہ سے رجوع نہیں ہو سکتا۔

اور ق: سے مراد قرابت محرمہ ہے یعنی اگر واہب اور موہوب لہ میں ایسا رشتہ ہو کہ ان کا باہم نکاح کبھی نہ ہو سکتا ہو جیسے بھائی بہن تو بھی رجوع نہیں ہو سکتا اور ہ: سے مراد ہلاک یعنی اگر موہوبہ چیز ہلاک ہو جائے تو اب رجوع نہیں ہو سکتا اگر ان سات موانع میں سے کوئی

مانع موجود نہ ہو تو کراہت تحریمی کے ساتھ رجوع ہو سکتا ہے مگر تراضی طرفین یا قضائے قاضی شرط ہے۔

احناف کی دلیل: حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما ہے جو کہ مسند حاکم میں موجود ہے الواہب احق بہبۃ مالہ یتب اس کے بعد امام حاکم رحمہ اللہ نے فرمایا صحیح علی شرط ثخین رحمہ اللہ جس کی مزید تائید اس حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی ہوتی ہے جس کا مضمون بعینہ یہی ہے موجود ہے کہ الواہب احق بہبۃ مالہ یتب لیکن اس کی سند پر کلام کی گئی ہے۔

باقی ائمہ کی دلیل: یہی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما ہے کہ العائد فی الہبۃ کالکلب یعود.... الخ۔

جواب: حدیث کا مدلول کراہت علی وجہ المبالغہ کو بیان کرنا ہے حرمت کو بیان کرنا مقصود نہیں ہے اس پر شوافع کہتے ہیں اس قسم کی تعبیر عرف حرمت پر دال ہوتی ہے جیسا کہ کتے کی طرح بیٹھنے سے منع کیا گیا ہے تو سب کہتے ہیں کہ اقعاء کلب کی طرح نماز میں بیٹھنا حرام ہے اس لیے کہ عرف میں اس جیسی تعبیر حرمت سے ہوتی ہے۔

جواب: یہاں عرف کو چھوڑ دیا نصوص کے معارض ہونے کی وجہ سے الواہب احق بہبۃ... الخ اور اس قسم کا معارض اقعاء کلب میں موجود نہیں اس لیے وہاں حرمت کا قول کیا ہے۔

دوسری دلیل: حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما ہے لا یحل کہ حلال نہیں کہ کسی کو عطیہ دیکر رجوع کرنا جائز نہیں حلال نہیں تو حرام ہے۔

جواب: لا یحل بمعنی لا ینبغی کے ہے یا لا یحل دیانۃ لا قضاء جیسا کہ آگے آ رہا ہے کہ جو کمانے پر قادر ہے لا تحل لہ الصدقۃ حالانکہ اجماع ہے کہ جس کے پاس کچھ نہیں کمانے پر قادر ہے تو اس کو صدقہ دینا حلال ہے الا الوالد فیما یعطى ولده۔ والد کا اپنی اولاد کو دی ہوئی چیز کو واپس لینا یہ رجوع ہے ہی نہیں بلکہ انت ومالك لا بیك کی وجہ سے بوقت ضرورت بقدر ضرورت تصرف کر سکتا ہے یہ رجوع صوری ہے حقیقی نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعَرَايَا وَالرُّخَصَةِ فِي ذَلِكَ

باب ۶۰: عرایا کا حکم اور اس کے بارے میں اجازت

(۱۲۲۱) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ إِلَّا أَنَّهُ قَدْ أَذِنَ لِأَهْلِ الْعَرَايَا أَنْ يَبِيعُوا هَآئِمًا بِمِثْلِ خَرَصِهَا.

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے محافلہ اور مزابنہ سے منع کیا ہے، تاہم آپ نے اہل عرایا کو اجازت دی ہے۔ وہ اندازے کے ساتھ اسے فروخت کر سکتے ہیں۔

(۱۲۲۲) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ رَخَّصَ فِي بَيْعِ الْعَرَايَا فِيمَا دُونَ خُمْسَةِ أَوْسُقٍ أَوْ كَذَا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے عرایا کو فروخت کرنے کی اجازت دی ہے، جبکہ وہ پانچ اوسق سے کم ہو۔

(۱۲۲۳) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَرَخَّصَ فِي بَيْعِ الْعَرَايَا بِخَرَصِهَا.

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے عرایا کو اندازے کے تحت فروخت کرنے کی اجازت دی ہے۔
تشریح: امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں تین حدیثیں پیش کی ہیں اور تینوں اعلیٰ درجہ کی صحیح ہیں۔

عرایا، عریۃ کی جمع ہے جیسے مطایا، مطیۃ کی جمع ہے اس کا مفہوم کیا ہے۔

دوسرا قول مالکیہ کا ہے: مالکیہ کے ہاں عریۃ کی دو تفسیریں ہیں: ① پہلی تفسیر وہی ہے جو احناف کے ہاں ہے کہ باغ کے مالک کا چند معین درختوں کے پھلوں کا کسی مسکین کو دے دینا پھر وہ مسکین کے بار بار آنے جانے سے متاثر ہو کر مسکین کو ان کی جگہ خشک کھجوریں دیتا ہے۔

② مثلاً ایک باغ دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو یاں طور کہ ایک قلیل الاشجار ہو اور دوسرا کثیر الاشجار ہو پھر پھل پکنے کے موقع پر کثیر الاشجار بمع اہل و عیال باغ میں رہائش اختیار کر لیتا ہے اب قلیل الاشجار والا آتا ہے پھل توڑنے کے لیے جس سے کثیر الاشجار متاثر ہوتا ہے وہ کہتا ہے کہ تم اتنے درختوں کے پھلوں کا اندازہ کر کے اتنے مجھ سے خشک لے لو اور وہ راضی ہو جاتا ہے یہی عریۃ ہے فرق یہ ہے کہ خواہ پہلی تفسیر ہو یا دوسری تفسیر ہو مالکیہ کے ہاں اس کی حقیقت بیع ہے اور عند الاحناف اس کی حقیقت ہبہ ہے یہی وجہ ہے کہ احناف کے ہاں پانچ وسقوں سے زائد میں بھی جائز ہے اور مالکیہ کے ہاں پانچ وسقوں سے زائد میں جائز نہیں ہے۔ تیسرا قول شوافع اور حنابلہ کا ہے: پھلوں کے پک جانے کے موقع پر جن لوگوں کے (کھجوروں کے) درخت نہیں ہوتے ان کا دل چاہتا ہے کہ ہم بھی تازہ کھجوریں کھائیں لیکن ان کے پاس پیسے نہیں ہوتے ان کے پاس خشک کھجوریں ہوتی ہیں اب یہ باغ والوں کے پاس آتے ہیں اور ان کو کہتے ہیں کہ درختوں پر جو تازہ پھل ہے وہ ہمیں دیدو۔ اندازہ کے ساتھ اور خشک کھجوریں ہم سے لے لو یہ عریۃ ہے حقیقت بیع ہے اس کا سبب ان لوگوں کی ضرورت کو پورا کرنا ہے جن کے پاس تازہ کھجوریں خریدنے کے لیے ذرا ہم و دنا نیر نہیں ہیں البتہ خشک کھجوریں ہیں۔

ائمہ کی دلیل: یہی حدیث ہے کہ جن میں عریۃ پر بیع کا اطلاق ہوا ہے تو جوابات ماقبل میں گزر چکے ہیں: (۲) اسی طرح استثناء متصل اسی وقت ہوگا جب اس کو بیع قرار دیا جائے گا۔ (۳) پانچ وسقوں کی قید لگانا یہ بھی دلیل ہے کہ اس کی حقیقت بیع ہے۔ (۴) پھل کے اندازہ کا ذکر ہے اور اندازہ اسی لیے ضروری ہے کہ یہ بیع ہے پانچ وسقوں میں سے شوافع کی دو روایتیں ہیں۔ اصح عدم جواز کی ہے لہذا پانچ سے زائد وسقوں میں ناجائز ہے اور پانچ وسقوں میں جائز ہے۔

احناف کے ہاں عریۃ کی تفصیل یہ ہے کہ کھجور کے باغ کے مالک کا باغ میں پھل لگنے کے موسم میں اپنے چند درختوں کے پھلوں کا کسی مسکین کو ہبہ کر دینا اور جب پھل پک کر تیار ہو جائیں تو اس درختوں پر لگے ہوئے پھل کو میرے پاس رہنے دو اور موہوب لے گا اس پر راضی ہو جانا اس کا نام عریۃ ہے اس کا سبب عربوں میں عمومی طور پر ارباب بساتین کی عادت یہ تھی کہ جب باغوں میں پھل پکنے شروع ہو جاتے تو وہ بمع اہل و عیال کے باغوں میں رہائش اختیار کرتے تھے اب مسکین موہوب لے کے بار بار آنے جانے سے اس کو مشقت ہوتی باغ کے مالک کو پردہ کرانے میں تکلیف ہوتی اور ظاہر ہے کہ موہوب لے کو بھی بار بار آنا پڑتا تو اس تکلیف کی وجہ سے وہ موہوب لے کو کہتا ہے کہ ان درختوں پر لگے ہوئے پھل کے اندازہ کے ساتھ مجھ سے اتری ہوئی کھجوریں لے لے تو سب دفع مشقت من الجانین ہے عریۃ کی اس تفسیر اور مفہوم کے مطابق عریۃ کی حقیقت استبدال الہبۃ بالہبۃ ہے گویا پہلے

ہبہ سے رجوع کر لیا اور اس کی جگہ خشک کھجوریں ہبہ کر دیں۔

سوال: اگر یہی حقیقت ہے تو احادیث میں اس پر بیع کا اطلاق کیوں ہوا ہے معلوم ہوا کہ اس کی حقیقت بیع ہے؟

جواب: چونکہ صورت مبادلۃ المال بالمال ہے اس صورت مبادلۃ المال بالمال کے پائے جانے کی وجہ سے اس پر بیع کا اطلاق کیا گیا ہے۔

سوال: جب یہی حقیقت ہے تو موہوب شدہ ہبہ کی مقدار کی رعایت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے؟

جواب: پہلے موہوب شدہ ہبہ کا اندازہ کرنا یہ موہوب لہ کی تطیب قلبی کے لیے ہے ہو سکتا ہے کہ وہ یہ سمجھے کہ پہلے والی مقدار زیادہ تھی اب کم دے رہا ہے اس کا دل کہیں اوپر نیچے نہ ہونے لگ جائے۔

سوال: اگر عریۃ کی حقیقت ہبہ ہے تو پھر بیع مزائنہ سے اس کی استثناء کیسے صحیح ہے حالانکہ احادیث میں بیع مزائنہ سے اس کی استثناء ہوتی ہے اور استثناء میں اصل مستثنیٰ متصل ہے؟

جواب: یہ استثناء صورت متصل ہے اور حقیقت منفصل ہے صورت متصل اس لیے ہے کہ صورت مبادلۃ المال بالمال پایا جاتا ہے اور حقیقتا منفصل اس وجہ سے ہے مستثنیٰ بیع ہے اور مستثنیٰ ہبہ ہے اور فصحاء بلغاء کی کلام میں جیسے مستثنیٰ متصل پایا جاتا ہے اسی طرح مستثنیٰ منفصل بھی پایا جاتا ہے۔

سوال: اگر اس کی حقیقت بیع ہے تو پھر یہ الفاظ فیما دون خمسة اوسق کہ پانچ دستوں سے کم میں اجازت دی ہے حالانکہ ہبہ تو کم زیادہ میں بھی ہو سکتا ہے؟

جواب: یہ بیان واقع کے لیے ہے کوئی احتراز مقصود نہیں ہے اس لیے کہ عربوں میں عام طور پر اس قسم کے ہبہ میں مقدار پانچ دست سے کم ہوتی تھی۔

سوال: اگر عریۃ کی حقیقت ہبہ ہے۔ رخص کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ اصل اس کی حقیقت منہی عنہ ہے اور ہبہ تو پہلے سے مشروع ہے کوئی منع نہیں ہے ہاں اگر اس کو بیع قرار دیا جائے تو پھر یہ پہلے منع ہوگا کیونکہ بیع مزائنہ ہے اور بیع مزائنہ منع ہے لیکن پانچ دستوں سے کم میں رخص فی العرایا تو ہبہ قرار دینے میں یہ منطبق نہیں ہوگا۔

جواب: اگر عریۃ کی حقیقت ہبہ ہو تو پھر بھی رخص کا انطباق ہو رہا ہے اس لیے کہ صورت یہ وعدہ خلافی ہے کیونکہ جب ابتداء ہبہ کیا تو فقیر مسکین خوش ہو گیا کہ میرے بچے بھی تازہ پھل کھائیں گے اب جب پھل پک آئے تو اب اس کو تازہ کی بجائے خشک کھجوریں مل رہی ہیں تو صورت وعدہ خلافی ہے ایک مسلمان کی شان کے خلاف ہے تو جائز نہیں ہونا چاہیے تھا لیکن رخص فی العرایا فریقین کی رعایت کی وجہ سے۔

سوال: ابن رشدین نے کہا کہ تم حقیقت ہبہ قرار دے کر منہی عن المزائنہ کے ارتکاب سے بچ گئے ہو لیکن رجوع فی الہبہ سے بھی تو نہیں ہے اس کے مرتکب ہو گئے ہو تو فائدہ تمہیں کیا ہوا؟

جواب: احناف پر یہ الزام قائم نہیں ہو سکتا اس لیے کہ رجوع فی الہبہ سے بھی اس وقت ہے کہ جب ہبہ تام ہو جائے اور عند الاحناف ہبہ تام ہوتا ہے قبضہ کے بعد اور یہاں قبضہ نہیں ہوا تو ہبہ بھی تام نہیں ہوا جب ہبہ تام نہیں ہوا تو بھی عن رجوع الہبہ کا

ارتکاب کا الزام قائم نہیں کیا جاسکتا یہی تفسیر رائج ہے۔
 عریۃ کی حقیقت صہبہ ہے: بیع نہیں ہے کئی وجہ سے پہلی وجہ اصل لغت کے قول کی وجہ سے یہ لغت میں عریۃ کا معنی عطیہ ہے لیکن
 مطلق نہیں بلکہ کھجور کے درختوں کے پھل کا عطیہ چنانچہ لسان العرب جولنتہ کی معتمد علیہ کتاب ہے اس میں ہے کہ العریۃ النخلۃ
 یعطی ثمارھا۔

دوسری وجہ: اسی لسان العرب کے اندر سوید بن صامت کا شعر نقل کیا گیا ہے جو اس بات پر دال ہے کہ عریۃ صہبہ ہی کو
 کہتے ہیں نہ کہ بیع کو کھجور درختوں کے بارے میں وہ فرماتے ہیں کہ لیست بسغاء ولا رجلیۃ ولكن فی السنن الجوائع بقاء
 کھجور کے وہ درخت جو وقفہ سے پھل دیں اور جلیہ وہ درخت کہ جن کے ارد گرد کانٹوں کی باز لگائی جائے تاکہ چور وغیرہ پھل کو چرا نہ
 سکیں شعر کا ترجمہ یہ درخت وقفہ سے پھل دینے والے بھی نہیں اور نہ ان کے ارد گرد باز لگائی گئی ہے بلکہ ان کا پھل قحط سالی کے زمانہ
 میں محتاجوں کو دیدیا جاتا تھا اور خصوصاً اہل لغت میں سے صاحب قاموس رشیدیہ جو شافعی ہیں اور صرف شافعی بھی نہیں بلکہ لغت میں شوافع کی
 رعایت بھی کرتے ہیں لیکن اس میں انہوں نے رعایت نہیں کی اور فرمایا کہ عریۃ کا معنی عطیہ ہے لیکن مطلق نہیں بلکہ کھجور کے درختوں
 کے پھلوں کا عطیہ دینا۔

تیسری وجہ: روایت کے اعتبار سے بھی احناف کے مسلک کو ترجیح حاصل ہے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا
 گیا ہے کہ رخص فی العرایا فی النخلۃ والنخلتین توہبان للرجل جن دو درختوں کا پھل صہبہ کیا جاتا ہے تو وہبان نص
 صریح ہے اس بارے میں کہ یہ صہبہ ہے اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اہل مدینہ میں سے ہیں اور اہل بساتین میں سے ہیں۔
 چوتھی وجہ: نبی عن المزاہنہ والی حدیث اپنے عموم پر رہے گی اور اگر بیع قرار دیں تو خمسہ اوسق اور مافوق خمسہ اوسق بٹلے ساتھ
 خاص کرنا ہوگا یا دون خمسہ و سق کو نکالنا ہوگا۔

پانچویں وجہ: اگر اس کو بیع قرار دیں تو ظاہر ہے کہ یہ بیع التمر بالرطب ہے اور ہے بھی نسبیۃ اور پیچھے پڑھ چکے ہو کہ بیع
 الرطب بالتمر نسبیۃ ہو تو لا یجوز ہے اور نیز اگر نسبیۃ نہ بھی ہو تو پھر لازم آتا ہے بیع التمر بالرطب متفاضلا اور حدیث ہے التمر بالتمر
 مثلاً یدایبید تو بمفاسد بیع قرار دینے میں ہیں وہ مفاسد صہبہ قرار دینے میں نہیں ہیں۔

باب منہ

باب ۶۱: اسی سے متعلق باب

(۱۲۲۳) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْمَرْأَةِ الشَّمْرِ بِالشَّمْرِ إِلَّا لِأَصْحَابِ الْعَرَايَا فَإِنَّهُ قَدْ أَذِنَ لَهُمْ وَعَنْ
 بَيْعِ الْعَنْبِ بِالزَّيْتِ وَعَنْ كُلِّ ثَمَرٍ يَخْرُجُ مِنْهُ.

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ اور حضرت سہل بن ابو حمزہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے بیع مزاہنہ سے یعنی کھجور
 کے عوض میں پھل کو فروخت کرنے سے منع کیا ہے، البتہ اصحاب عرایا کا حکم مختلف ہے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے انہیں اس کی اجازت

دی ہے، اسی طرح آپ نے خشک انگور کے عوض میں تازہ انگور کو فروخت کرنے سے (منع کیا ہے) اور ہر طرح کے پھل کو اندازے کے تحت فروخت کرنے سے منع کیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ النَّجْشِ

باب ۶۲: مصنوعی بولی لگانا حرام ہے

(۱۲۲۵) وَقَالَ قُتَيْبَةُ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيُّ ﷺ قَالَ لَا تَنَاجَشُوا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ ایک دوسرے کے مقابلے میں مصنوعی بولی نہ لگاؤ۔
تشریح: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک دوسرے سے بڑھ کر بولی مت لگاؤ اس حدیث میں حضور ﷺ نے نجش سے منع فرمایا ہے نجش کے معنی یہ ہیں کہ ایک آدمی دوسرے سے کوئی سامان خرید رہا ہے اب تیسرا شخص آ کر اسی سامان کی زیادہ قیمت لگاتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ مجھے یہ چیز فروخت کر دو حالانکہ اس کا مقصد سامان خریدنا نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ مشتری دھوکہ کھا کر اس کو زیادہ قیمت پر خرید لے اس کو نجش کہتے ہیں اور حدیث باب میں اس کی ممانعت کی گئی ہے۔

اب مَا جَاءَ فِي الرُّحْبَانِ فِي الْوُزْنِ

باب ۶۳: وزن کرتے ہوئے ایک طرف کے پلڑے کو بھاری کرنا

(۱۲۲۶) جَلَبْتُ أَنَا وَخَرَفَةُ الْعَبْدِيُّ بَرًّا مِّنْ هَجَرَ فَمَاتَنَا النَّبِيُّ ﷺ فَسَاوَمَتَا بِسَرِّ أَوِيلَ وَعِنْدِي وَزَانٌ يَزِنُ بِالْأَجْرِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِلْوَزَانِ زِنْ وَأَرْجُحْ.

ترجمہ: حضرت سوید بن قیس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے اور خرفہ عبدی نے "ہجر" کے مقام سے کپڑا خریدا، تو نبی اکرم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے آپ نے ایک پاجامے کا سودا کیا میرے پاس ایک وزن کرنے والے سے فرمایا وزن کر دو اور زیادہ جھکاتا۔
تشریح: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر میچ یا شن تول کر دیا جائے تو جھکتا ہوا تولنا چاہیے یہ مکارم اخلاق کی بات ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي انْظَارِ الْمُعْسِرِ وَالرَّفْقِ بِهِ

باب ۶۴: تنگ دست شخص کو مہلت دینا اور اس کے ساتھ نرمی کرنا

(۱۲۲۷) مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِرًا أَوْ وَضَعَ لَهُ أَظْلَهُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: جو شخص کسی تنگ دست کو مہلت دے یا اسے معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے اپنے عرش کے سائے کے نیچے رکھے گا، جس دن اس کے سایہ رحمت کے علاوہ اور کوئی

سایہ نہیں ہوگا۔

(۱۲۲۸) حُوسِبَ رَجُلٌ مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَلَمْ يُوْجَدْ لَهُ مِنَ الْخَيْرِ شَيْءٌ إِلَّا أَنَّهُ كَانَ رَجُلًا مُّوسِرًا وَكَانَ يُخَالِطُ النَّاسَ وَكَانَ يَأْمُرُ غُلَمَانَهُ أَنْ يَتَجَاوَزُوا عَنِ الْمُبْعِرِ فَقَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ نَحْنُ أَحَقُّ بِذَلِكَ مِنْهُ تَجَاوَزُوا عَنْهُ.

ترجمہ: حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم سے پہلے لوگوں میں سے ایک شخص کا حساب لیا گیا تو اس کے نامہ اعمال میں کوئی بھلائی نہیں ملی صرف یہ تھی کہ وہ ایک امیر شخص تھا، لوگوں کے ساتھ لین دین کیا کرتا تھا، وہ اپنے ملازمین کو یہ ہدایت کرتا تھا وہ تنگ دست شخص سے گزر کر اسے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اس بارے میں ہم اس سے زیادہ حقدار ہیں (اے فرشتو!) تم اس سے درگزر کرو۔

تشریح: یہ حدیث بھی مکارم اخلاق کے باب سے ہے یعنی اگر مقروض تنگ دست اور غریب آدمی ہو تو اس کو قرض کی ادائیگی میں مہلت دینی چاہیے اور اس کے ساتھ نرم برتاؤ کرنا چاہیے اور اگر قرضہ بالکل معاف کر دے تو نور علی نور۔ اور مشہور حدیث ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سات قسم کے لوگوں کو اپنے سایہ میں رکھیں گے یہ بات سات میں منحصر نہیں اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اور لوگوں کے لیے بھی یہ فضیلت ہے اور ایسے اور بھی لوگ ہیں جن کا تذکرہ مختلف روایات میں آیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَظْلِ الْغَنِيِّ أَنَّهُ ظَلَمَ

باب ۶۵: مالدار کا (قرض کی واپسی میں) ٹال مٹول کرنا ظلم ہے

(۱۲۲۹) مَظْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ وَإِذَا أُتْبِعَ أَحَدُكُمْ عَلَى مَلِيٍّ فَلْيَتَّبِعْ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں۔ خوشحال شخص کا (قرض کی واپسی میں) ٹال مٹول کرنا ظلم ہے، اور جب کسی (قرض خواہ کو قرض کی وصولی کے لئے اصل مقروض کی بجائے) کسی خوشحال شخص کی طرف جانے کے لئے کہا جائے، تو وہ چلا جائے۔

(۱۲۳۰) مَظْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ وَإِذَا أُجِلَّتْ عَلَى مَلِيٍّ فَاتَّبِعْهُ وَلَا تَبِعْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں۔ خوشحال شخص کا (قرض کی واپسی میں) ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔ اور جب کسی شخص کو دوسرے شخص سے وصولی کے لئے کہا جائے تو وہ اسے قبول کر لے، اور تم ایک ہی سودے کے اندر دو سودے نہ کرو۔

تشریح: یہ اوپر والے باب کا مقابل باب ہے مقروض اگر واقعی تنگ دست ہو تو اس کے ساتھ نرم برتاؤ کرنا چاہیے لیکن اگر وہ مالدار ہو یعنی قرضہ دے سکتا ہو مگر نادہندہ ہو تو اس کے ساتھ نرمی کرنے کا شریعت نے حکم نہیں دیا اس کا مرغا بنانا چاہیے رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا مالدار کا ٹال مٹول کرنا ایسا ظلم ہے جو اس کی سزا دہی کو حلال کر دیتا ہے یعنی اس کو پکڑ کر قاضی کے پاس لے جانا چاہیے اور سزا دلوانی چاہیے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔

وَإِذَا أُتْبِعَ أَحَدُكُمْ عَلَى مَا... الخ: یہ حدیث باب کا دوسرا جملہ ہے اس میں دو مسائل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

مسئلہ ①: اس جملہ میں حوالہ کا ذکر ہے مثلاً مدیون کہے کہ تم مجھ سے قرض وصول کرنے کی بجائے فلاں سے وصول کرنا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ صحت حوالہ کے لیے صرف حوالہ ہی کافی ہے یا کہ محتمل یعنی دائن کی رضامندی بھی ضروری ہے اور دو مذاہب ہیں۔ **مذاہب فقہاء:** جمہور کے نزدیک صحت حوالہ کے لیے محتمل کی رضامندی ضروری ہے کیونکہ یہ درحقیقت سہ فریقی معاملہ ہوتا ہے تینوں کی باہم رضامندی ضروری ہے: ① محتمل ② محتمل علیہ۔

دلیل ①: ان کا استدلال ترمذی میں حضرت سمرہ بنی اللہ کی روایت سے ہے: وفیہ علی الید ما اخذت حتی تؤدی اس حدیث کی وجہ سے مدیون پر واجب ہے کہ وہ اپنا دین دائن تک پہنچائے اور یہ وجوب اس وقت تک ہے جب تک وہ ادا نہ کرے اس سے ثابت ہوا کہ اصل ذمہ داری مدیون کی ہے اور دائن کو مدیون سے مطالبے کا حق حاصل ہے اور یہ حق دائن کی رضامندی کے بغیر ساقط نہیں ہو سکتا۔

دلیل ②: اگر تسلیم کر لیا جائے کہ حوالہ قبول کرنا دائن پر واجب ہے تو پھر یہ سلسلہ غیر متناہی ہو جائے گا کیونکہ ہر محتمل علیہ دوسرے پر حوالہ کرتا جائے گا تو اس صورت میں دائن چکر ہی لگاتے لگاتے ختم ہو جائے گا اور دین پھر بھی وصول نہیں ہوگا۔

(۲) امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک حوالہ کی صحت کے لیے محتمل کی رضامندی ضروری نہیں ہے۔

دلیل: ان کا استدلال زیر بحث باب کی روایت سے ہے اور جس میں فلیتبع امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب کے لیے آتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ حوالہ کو قبول کرنا واجب ہے چاہے محتمل راضی ہو یا نہ ہو۔

جواب: فلیتبع میں صیغہ امر وجوب کے لیے نہیں بلکہ استحباب کے لیے ہے کہ اگر مدیون کسی غنی آدمی پر حوالہ کر رہا ہو تو اس کو قبول کر لو واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔

مسئلہ ②: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ حوالہ سے محیل بری ہو جائے گا یا نہ اور دو مذاہب ہیں:

مذاہب فقہاء: ① امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک محیل حوالہ سے اس وقت بری ہو جائے گا جبکہ دین کی ہلاکت کا خطرہ نہ ہو اگر خطرہ ہوا تو پھر بری نہ ہوگا۔

دلیل: امام صاحب رحمہ اللہ کا استدلال زیر بحث باب میں حضرت عثمان بنی اللہ کے اثر سے ہے: وفیہ لیس علی مال المسلم تو یہ کہ مسلمان کے مال پر ہلاکت نہیں آ سکتی حضرت عثمان بنی اللہ نے یہ بات اسی وجہ سے بیان فرمائی کہ اگر ہم یہ کہیں کہ محتمل محیل سے مطالبہ نہیں کر سکتا تو اس صورت میں مسلمان کے مال میں ہلاکت آ گئی۔

توی: توی کی تین صورتیں ہیں: ① محتمل علیہ دین ادا کرنے سے انکار کر دے۔ ② دین کی ادائیگی سے قبل محتمل علیہ فوت ہو جائے۔ ③ عدالت نے محتمل علیہ کو مفلس قرار دیا ہو۔

(۲) امام شافعی اور امام ما احمد رحمہ اللہ کے نزدیک حوالہ سے محیل بری ہو جاتا ہے حوالہ کے بعد محتمل کو یہ حق حاصل نہیں کہ محیل سے مطالبہ کرے۔

دلیل: ان کا استدلال زیر بحث باب کی روایت سے ہے: وفيه اذا اتبع احدكم على ملي فليتبّع اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب محیل پیچھے لگا دے تو پیچھے لگے رہو اس میں یہ ذکر نہیں کیا گیا کہ محیل کی طرف رجوع ہو سکتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ محیل بری ہو جائے گا۔

جواب: اس حدیث میں صرف اتنا مذکور ہے کہ حوالہ قبول کرنے کا مدار محال علیہ کے غنی ہونے پر ہے اگر وہ غنی نہیں ہے تو اس صورت میں حوالہ قبول کرنے کی علت معدوم ہے لہذا اس صورت میں محیل کی طرف رجوع کیا جائے گا اس میں قطعاً مذکور نہیں کہ محیل کی طرف رجوع نہیں ہو سکتا چاہے محال علیہ زندہ ہو یا مر جائے یا انکار کر دے یا مفلس ہو جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُنَابَذَةِ وَالْمَلَامَةِ

باب ۶۸: بیع منابذہ اور بیع ملامسہ کا حکم

(۱۲۳۱) قَالَ تَهْلِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ الْمُنَابَذَةِ وَالْمَلَامَةِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے منابذہ اور ملامسہ سودے سے منع کیا ہے۔
تشریح: منابذہ: نبذ (پھینکنا ڈالنا) سے باب مفاعلہ ہے جس کے معنی ہیں ایک دوسرے کی طرف ڈالنا پھینکنا اور ملامسہ لمس (چھونا ہاتھ لگانا) سے باب مفاعلہ ہے جس کے معنی ہیں ایک دوسرے کو چھونا زمانہ جاہلیت کا دستور یہ تھا کہ اگر سودا کرتے ہوئے بائع میع کو مشتری کی طرف پھینک دے یا مشتری ثمن کو بائع کی طرف پھینک دے تو سودا پکا ہو جاتا تھا اب دوسرے فریق کو بولنے کا اختیار نہیں رہتا تھا یہ دستور زبان بندی تھا اسلام نے اس کو ختم کر دیا بیع میں آخر تک ہر فریق کو اپنی بات کہنے کا اختیار ہے پھر اختلاف ہوا کہ یہ اختیار کب تک ہے؟

احناف کے نزدیک تفرق اقوال تک اختیار ہے جب ایجاب و قبول مکمل ہو گئے تو اب کسی فریق کو بیع ختم کرنے کا اختیار تام حاصل نہیں اور شوافع کے نزدیک تفرق ابدان تک یا اختراختوت کہنے تک ہے اور اسی کا نام خیار مجلس ہے جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔
اور ملامسہ کی صورت یہ ہوتی تھی کہ بائع ثمن کو ہاتھ لگا دے یا مشتری میع کو ہاتھ لگا دے تو سودا پکا ہو جاتا تھا اب دوسرے فریق کو بولنے کا اختیار نہیں رہتا تھا یہ بھی دستور زبان بندی تھا جس کو اسلام نے ختم کر دیا۔

علاوہ ازیں ان بیوع میں مخاطرہ (سٹہ) کا پہلو بھی ہے اور شریعت میں معاملات میں کامل رضا مندی ضروری ہے اور دیکھنے بھالنے کا اختیار باقی رہتا ہے خیار رویت اور خیار عیب اسی وجہ سے مشروع کی گئے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّلَفِ فِي الطَّعَامِ وَالْتَمَرِ

باب ۶۷: کھجور اور غلہ پر قرض دینا یعنی بیع سلم کرنا

(۱۲۳۲) قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْمَدِينَةَ وَهُمْ يُسَلِفُونَ فِي الثَّمَرِ فَقَالَ مَنْ أَسْلَفَ فَلْيُسْلِفْ فِي كَيْلٍ مَعْلُومٍ وَ

وَزْنٍ مَّعْلُومٍ إِلَى أَجَلٍ مَّعْلُومٍ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو لوگ پھلوں میں بیع سلم کر لیا کرتے تھے، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے بیع سلم کرنی ہو وہ متعین ماپی ہوئی چیز یا متعین وزن کی ہوئی چیز کی متعین مدت کے لئے بیع سلم کرے۔

تشریح: سلم اور سلف ہم معنی ہیں سلم کے لغوی معنی ہیں سپرد کرنا اور سلف کے معنی ہیں قرض دینا بیع سلم میں بیع موجود نہیں ہوتی نہ مجلس عقد میں نہ بائع کی ملک میں اور شمن اسی مجلس میں سپرد کرنا ضروری ہوتا ہے اس وجہ سے اس کا نام سلم (سپرد کرنا) رکھا گیا اور چونکہ بیع موجود نہیں اس لیے جو شمن سپرد کیا گیا وہ گویا قرضہ ہے اس لیے اس کا دوسرا نام سلف ہوا۔ بیع سلم میں بیع کی ہمہ جہتی تعیین ضروری ہے پس جس چیز کی پوری تعیین نہ ہو سکتی ہو اس کا سلم جائز نہیں اور جس چیز کی پوری طرح تعیین ممکن ہو اس کا سلم جائز ہے مثلاً غلوں کی ہمہ جہتی تعیین ممکن ہے پس ان کی بیع سلم جائز ہے بلکہ اب تو مشینری دور ہے ہزاروں چیزیں ایک ہی ساز کی بنتی ہیں پس ان سب کی بیع سلم جائز ہے۔

بیع سلم بالا جماع جائز ہے: البتہ جواز کے لیے (تقریباً) سات شرائط ہیں: ① بیع کی جنس معلوم ہو ② نوع معلوم ہو ③ وصف معلوم ہو ④ مکملی ہے تو کیل معلوم ہو اور اگر موزونی ہے تو وزن معلوم ہو ⑤ اجل معلوم ہو ⑥ مبیعہ عقد کے وقت سے لیکر ادائیگی کے وقت تک بازار میں موجود ہو ⑦ ادائیگی کی جگہ معلوم ہو۔

شوافع کے ہاں باقی شرائط تو ہیں لیکن اجل کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ بیع سلم حالی بھی جائز ہے حدیث الباب احناف کے موافق جارہی ہے اور شوافع کے خلاف جارہی ہے مَنْ أَسْلَفَ فَلْيُسْلِفْ فی کیل معلوم و وزن معلوم یہ احناف کی دلیل ہے اور شوافع اس کی تاویل کرتے ہیں حدیث کا مدلول یہ ہے کہ اجل معلوم ہونا چاہیے نہ ہو تو نہ ہو۔

حیوانات میں بیع سلم جائز ہے یا نہیں؟

مذاہب فقہاء: عند الاحناف لا یجوز صرف مکملی موزونی اور معدودات متقاربہ میں صحیح ہے یعنی جن کے اوصاف ضبط ہو سکیں ان میں بیع سلم جائز ہے اور ظاہر ہے کہ حیوانات کے اوصاف ضبط نہیں ہو سکتے اس لیے ان میں بیع سلم بھی جائز نہیں ہے۔ احناف کی دلیل: ① حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نہی عن سلف فی الحیوان کہ حضور ﷺ نے حیوان میں بیع سلم سے منع فرمایا امام حاکم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کی سند صحیح ہے۔

② اور فتویٰ عبداللہ و عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما ہے جو کہ کتاب ال آثار کے اندر موجود ہے کہ حیوانات میں بیع سلم جائز نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ یہ موقوف مرفوع کے حکم میں ہے۔

③ ضبط اوصاف بھی معتذر ہے۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی رائے: یہ ہے کہ جیسے مکملی موزونی اور عددی متقارب کے اندر بیع سلم جائز ہے اسی طرح حیوانات میں بھی جائز ہے اصل بنی علیہ اختلاف کا یہ ہے کہ حیوان کی بیع نسبیہ جائز ہے یا نہیں۔ احناف کے ہاں جائز نہیں ہے اسی طرح بیع سلم بھی جائز نہیں ہے۔ اور دیگر آئمہ کے ہاں حیوان کی بیع نسبیہ جائز ہے تو ان کے نزدیک بیع سلم بھی جائز ہے۔

المسئلة الثانية: استقراض الحيوان يجوز ام لا عند الاحناف لا يجوز. (حيوان کا ادھار پر دینا جائز ہے یا نہیں احناف کے ہاں جائز نہیں) اس لیے بیع سلم بھی جائز نہیں ہے اور دیگر ائمہ کے ہاں استقراض الحيوان جائز ہے اس لیے بیع سلم بھی جائز ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَرْضِ الْمُشْتَرِكِ يُرِيدُ بَعْضُهُمْ بَيْعَ نَصِيبِهِ

باب ۶۸: مشترک زمین میں سے اپنا حصہ بیچنا

(۱۲۳۳) مَنْ كَانَ لَهُ شَرِيكٌ فِي حَائِطٍ فَلَا يَبِيعُ نَصِيبَهُ مِنْ ذَلِكَ حَتَّى يَعْرِضَهُ عَلَى شَرِيكِهِ.

توکجھنہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے جس شخص کا کسی باغ میں حصہ ہو، تو وہ اس میں سے اپنا حصہ اس وقت تک فروخت نہ کرے جب تک اس کی پیش کش اپنے شراکت دار کو نہ کر دے۔
تشریح: اگر کوئی مکان یا زمین دو یا زیادہ لوگوں کے درمیان مشترک ہو اور ایک شریک اپنا حصہ فروخت کرنا چاہے تو بیچنے سے پہلے اسے اپنا حصہ شریک کے سامنے پیش کرنا چاہئے اگر شریک خریدنے سے انکار کرے یا صحیح قیمت نہ دے تو دوسرے کو بیچ سکتا ہے یہ اخلاقی بات ہے اس سے شرکاء کے درمیان یگانگت موافقت اور تعلقات میں استواری پیدا ہو جاتی ہے اور اگر وہ چپکے سے کسی کو بیچ دے گا تو بھی شریک حق شفعہ کی بنیاد پر لے لیگا اور دلوں میں ہمیشہ کے لیے نفرت و عداوت اور کدورت پیدا ہو جائے گی۔
مذا: مسئلہ: شریک نے خریدنے سے انکار کر دیا پس مالک نے اپنا حصہ کسی کو فروخت کر دیا تو اب شریک کو حق شفعہ ملے گا یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

(۱) امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک حق شفعہ ساقط ہو جائے گا کیونکہ اس کے سامنے پیش کش کی جا چکی ہے اسے خریدنے کا موقع دیا گیا تھا مگر اس نے نہیں خریدا تو اس نے اپنا حق شفعہ ساقط کر دیا۔

(۲) اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک حق شفعہ ساقط نہیں ہوگا کیونکہ حق شفعہ بیع کے بعد ثابت ہوتا ہے اور جب اس کو خریدنے کی پیش کش کی گئی اس وقت بیع نہیں ہوئی تھی اور حق شفعہ بھی ثابت نہیں ہوا تھا اس لیے اس کے انکار کا اعتبار نہیں۔

فائدہ: ارض المشترك: مرکب اضافی درحقیقت مرکب توصیفی ہے تقدیر عبارت ارض مشترکہ ہے جب مرکب توصیفی کو مرکب اضافی بناتے ہیں تو ترکیب مقلوبی کر دیتے ہیں یعنی صفت کی موصوف کی طرف اضافت کرتے ہیں جیسے جسم حسن سے حسن الجسم مگر کبھی اصل ترکیب باقی رکھ کر اضافت کر دیتے ہیں یعنی موصوف کی صفت کی طرف اضافت کر دیتے ہیں یہ اس کی مثال ہے مگر یہ ترکیب غیر معروف ہے۔

حبادۃ کا حکم: حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت سلیمان یشکری کا صحیفہ آ گیا تھا اور حضرت سلیمان یشکری رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا صحیفہ تھا حضرت سلیمان یشکری اس صحیفے سے روایت کرتے تھے ایسے صحیفے کو وحادۃ کہا جاتا ہے۔

مسئلہ یہ وہ صحیفہ ہوتا ہے جو شیخ اپنے شاگرد کو دے دیتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ تم اس میں موجود تمام روایات کو آگے

روایت کر سکتے ہو یا شیخ اس شاگرد کو اجازت دے دیتا ہے کہ اس صحیفے کے اندر جو روایات ہیں اس کی تمہیں اجازت دیتا ہوں لیکن اگر کسی شاگرد کو اپنے شیخ کا کوئی صحیفہ مناولہ اجازت کے بغیر کہیں سے مل گیا وہ صحیفہ وجادہ کہلاتا ہے اور یہ معتبر نہیں ہوتا امام ترمذی رحمہ اللہ یہاں یہ بیان فرما رہے ہیں کہ حضرت سلیمان بنی النعمان جو روایات حضرت جابر بنی النعمان سے بطور وجادہ کے نقل کریں وہ روایات معتبر نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَخَابِرَةِ وَالْمُعَاوَمَةِ

باب ۶۹: مخابرہ اور معاومہ کا حکم

(۱۲۳۴) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ وَالْمُعَاوَمَةِ وَرَخَّصَ فِي الْعَرَايَا.

ترجمہ: حضرت جابر بنی النعمان بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے محافلہ، مزابنہ، معاومہ سے منع کیا ہے اور آپ ﷺ نے عرایا کی اجازت ہے۔

(۱۲۳۵) قَالَ غَلَا السَّعْرُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ سَعِرَ لَنَا فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمُسْعِرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّزَّاقُ وَإِنِّي لَأَرْجُو أَنَّ أَلْفَى رَبِّي وَلَيْسَ أَحَدٌ مِنْكُمْ يَطْلُبُنِي بِمَظْلَمَةٍ فِي دَمٍ وَلَا مَالٍ.

ترجمہ: حضرت انس بنی النعمان بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ کے زمانہ اقدس میں قیمتیں زیادہ ہو گئیں لوگوں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ آپ ہمارے لئے قیمتیں مقرر کر دیں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ قیمت مقرر کرنے والا ہے وہ تنگی عطا کرتا ہے اور کشادگی عطا کرتا ہے وہ بہت زیادہ رزق عطا کرنے والا ہے، میری یہ آرزو ہے۔ میں جب اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضر ہوں تو کوئی بھی شخص جان یا مال کے اعتبار سے مجھ سے کسی بدلے کا مطالبہ نہ کرے۔

تشریح: زیر بحث باب کی روایت میں چند چیزوں کی ممانعت مذکور ہے: ① محافلہ ② مزابنہ ③ عرایا ان کی وضاحت گذر چکی ہے ④ مخابرہ اس کی وضاحت ان شاء اللہ باب المزارة میں آئے گی۔ ⑥ معاومہ اس سے مراد یہ ہے کہ باغ کے پھلوں کو ایک سال یا زائد مدت کے لیے فروخت کرنا جسے بیع السنین بھی کہتے ہیں یہ ناجائز ہے اس لیے کہ اس میں بیع معدوم ہے اور معدوم چیز کی بیع ناجائز ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّسْعِيرِ

باب: قیمتوں پر کنٹرول کا مسئلہ

عَنْ أَنَسٍ قَالَ غَلَا السَّعْرُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ سَعِرَ لَنَا فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمُسْعِرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّزَّاقُ وَإِنِّي لَأَرْجُو أَنَّ أَلْفَى رَبِّي وَلَيْسَ أَحَدٌ مِنْكُمْ يَطْلُبُنِي بِمَظْلَمَةٍ فِي دَمٍ وَلَا مَالٍ.

ترجمہ: حضرت انس بنی النعمان سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں مہنگائی ہوئی تو ہم نے عرض کیا کہ قیمتیں مقرر کر دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ، نرخ مقرر کرنے والا، تنگ کرنے والا، کشادہ کرنے والا اور رزق دینے والا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنے رب سے اس حال میں ملوں کہ کوئی شخص مجھ سے اپنے خون یا مال میں ظلم کا مطالبہ کرنے والا نہ ہو۔

تشوئیح: مصری نسخہ میں یہاں باب ہے باب ماجاء فی التسعیر: تسعیر کے معنی ہیں قیمتوں کو کنٹرول کرنا چیزوں کے بھاؤ مقرر کرنا۔ زیر بحث باب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ﷺ ہمارے لیے سرکاری طور پر اشیاء کے دام مقرر کر دیں تاکہ کوئی زیادہ قیمت وصول نہ کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ ہی مسعر ہے وہی قابض اور باسط ہے اور وہی رزاق ہے میں اللہ سے اس حال میں ملاقات کرنا چاہتا ہوں کہ کوئی آدمی مجھ سے ظلم کا مطالبہ کرنے والا نہ ہو آپ کی غرض یہ تھی کہ دام مقرر کرنا عاقدین کا باہمی معاملہ ہے حکومت کوئی دام مسلط نہ کرے ہاں البتہ خرابی کی صورت میں گنجائش ہے۔

فائدہ: حکومت کے لیے کنٹرول ریٹ قائم کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے کتاب الخراج میں اور ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے السياسة الشرعية فی طرق الحکمیة میں بحث کی ہے کہ اگر بھاؤ بہت چڑھ جائیں اور ضرر عام لازم آئے تو حکومت قیمتوں پر کنٹرول کر سکتی ہے اور بوقت اضطرار تسعیر کا جواز۔

حدیث: لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام۔ (یعنی نہ ضرر قبول کرو اور نہ ہی دوسرے کو پہنچاؤ) سے اور فقہی ضابطہ الضرر يزال سے ثابت ہے کیونکہ ضرر عام کے ازالہ کے لیے ضرر خاص برداشت کیا جاسکتا ہے وہ اہل ہون ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْغَشِّ فِي الْبُيُوعِ

باب ۷: خرید و فروخت میں دھوکہ دینا حرام ہے

(۱۲۳۶) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَرَّ عَلَى صُبْرَةٍ مِّنْ طَعَامٍ فَأَدْخَلَ يَدَهُ فِيهَا فَنَالَتْ أَصَابِعُهُ بَلَلًا فَقَالَ يَا صَاحِبَ الطَّعَامِ مَا هَذَا قَالَ أَصَابَتْهُ السَّمَاءُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ أَفَلَا جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّعَامِ حَتَّى يَرَاهُ النَّاسُ ثُمَّ قَالَ مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّيَّ.

توکجین: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ اناج کے ایک ڈھیر کے پاس سے گزرے تو آپ نے اپنا دست مبارک اس میں داخل کیا تو آپ ﷺ کی انگلیوں کو کچھ نمی محسوس ہوئی آپ نے ارشاد فرمایا: اے اناج والے یہ کیا ہے؟ اس نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ بارش کی وجہ سے ایسا ہوا ہے، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تم نے اسے اناج کے اوپر کیوں نہیں رکھا تاکہ لوگ اسے دیکھ لیتے؟ پھر آپ نے ارشاد فرمایا۔ جو شخص دھوکہ دے اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

تشوئیح: اسلامی حکومت میں ایک محکمہ احتساب (دارو گیر کا محکمہ) ہوتا ہے اس کی ذمہ داری ہے کہ ہر چیز پر نظر رکھے کسی بھی چیز میں ملاوٹ نہ ہونے دے دور نبوی میں آپ ﷺ خود یہ فریضہ انجام دیتے تھے کبھی اچانک پہنچ کر چیزیں چیک کرتے تھے اس حدیث میں اسی کا بیان ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي اسْتِقْرَاصِ الْبَعِيرِ أَوِ الشَّيْءِ مِنَ الْخَيَوانِ

باب ۷۲: اونٹ یا کوئی بھی جانور ادھار کے طور پر لینا

(۱۲۳۷) اسْتَقْرَضَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ سَنًا فَأَعْطَاهُ سَنًا خَيْرًا مِّنْ سِنِّهِ وَقَالَ خَيْرُكُمْ أَحَاسِنُكُمْ قَضَاءً.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک جوان اونٹ قرض کے طور پر لیا تو آپ نے اس کے بدلے میں بہتر اونٹ عطا کیا اور ارشاد فرمایا تم میں سے سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو بہتر طریقے سے قرض واپس کریں۔

(۱۲۳۸) اَنَّ رَجُلًا تَقَاضَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَأَغْلَظَ لَهُ فَهَمَّ بِهِ أَصْحَابُهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ دَعُوهُ فَإِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا ثُمَّ قَالَ اشْتَرَوْا لَهُ بَعِيرًا فَأَعْطَوْهُ إِيَّاهُ فَظَلَبُوهُ فَلَمْ يَجِدُوا إِلَّا سِنًّا أَفْضَلَ مِنْ سِنِّهِ فَقَالَ اشْتَرَوْهُ فَأَعْطَوْهُ إِيَّاهُ فَإِنَّ خَيْرَ كُمْ أَحْسَنُكُمْ قَضَاءً حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے تقاضا کیا اور اس بارے میں سخت زبان استعمال کی آپ کے ساتھیوں نے اسے مارنے کا ارادہ کیا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ اسے چھوڑ دو! کیونکہ حقدار کو بات کہنے کی گنجائش ہوتی ہے، پھر آپ نے ارشاد فرمایا۔ اس کو ایک اونٹ خرید کر دے دو! لوگوں نے اونٹ تلاش کیا تو انہیں اس سے بہتر اونٹ ملا۔ آپ نے فرمایا اسے وہی خرید کر دیدو کیونکہ تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو اچھے طریقے سے قرض ادا کرے۔

(۱۲۳۹) اسْتَسْلَفَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بَكْرًا فَجَاءَتْهُ إِبِلٌ مِنَ الصَّدَاقَةِ قَالَ أَبُو رَافِعٍ فَأَمَرَنِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ أَقْضِيَ الرَّجُلَ بَكْرَهُ فَقُلْتُ لَا أَجِدُ فِي الْإِبِلِ إِلَّا جَمَلًا خَيْرًا أَرْبَاعِيًّا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَعْطِهِ إِيَّاهُ فَإِنَّ خَيْرَ النَّاسِ أَحْسَنُهُمْ قَضَاءً.

ترجمہ: حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ جو نبی اکرم ﷺ کے آزاد کردہ غلام ہیں وہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ایک اونٹ قرض کے طور پر لیا پھر آپ کی خدمت میں صدقے کے اونٹ آئے حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے مجھے ہدایت کی کہ میں اس اونٹ والے شخص کا قرض ادا کروں میں نے عرض کی مجھے اونٹوں کے اندر صرف ایک اونٹ ملا ہے لیکن وہ بھی اس سے بہتر ہے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ وہ ہی اسے دیدو کیونکہ لوگوں میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو اچھے طریقے سے قرض ادا کرے۔

(۱۲۴۰) اَنَّ اللَّهَ يُحِبُّ سَمْعَ الْبَيْعِ سَمْعَ الشِّرَاءِ سَمْعَ الْقَضَاءِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ فروخت میں نرمی کرنے والے اور خریدنے میں نرمی کرنے والے اور قرض کی ادائیگی میں نرمی کرنے والے کو پسند کرتا ہے۔

(۱۲۴۱) غَفَرَ اللَّهُ لِرَجُلٍ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانَ سَهْلًا إِذَا بَاعَ سَهْلًا إِذَا اشْتَرَى سَهْلًا إِذَا اقْتَضَى.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے پہلے زمانے کے لوگوں میں سے ایک شخص کی مغفرت کر دی جو فروخت کرتے ہوئے نرمی سے کام لیتا تھا، خریدتے ہوئے نرمی سے کام لیتا تھا اور تقاضا کرتے ہوئے نرمی سے کام لیتا تھا۔ تشریح: قرض اور بیع کے احکام ایک ہیں ان میں بہت کم فرق ہے اور بیع ہر چیز کی ہو سکتی ہے اور قرض صرف مثلیات یعنی ایسی چیزیں لی جاسکتی ہیں جن کی طرح سے تعین ہو سکتی ہو اور مثلیات چار چیزیں ہیں: مکملات، موزونات، مزروعات (گز سے ناپنے والی

چیزیں) اور معدودات متقاربه یعنی ایسی گنتے کی چیزیں جن کے افراد میں بہت کم تفاوت ہو جیسے انڈے اخروٹ وغیرہ ان کے علاوہ سب ذوات القیم ہیں ان کا قرض جائز نہیں یہ اتفاقی مسلمہ اصول ہے البتہ حیوان کو قرض لینا جائز ہے یا نہیں؟

مذاہب فقہاء: احناف کے ہاں استقراض الحيوان جائز نہیں اس لیے کہ قرض کی حقیقت ہی نہیں پائی جاتی قرض کہتے ہیں کہ تمليك الشئ بشرط رد مثله لهذا قرض ہمیشہ ذوات الامثال میں سے ہوگا اور حیوان ذوات الامثال میں سے نہیں ہے حقیقت قرض نہ پائے جانے کی وجہ نہی عن بیع الحيوان نسبیۃ حدیث سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ ہے۔

سوال: اس کا تعلق تو بیع کے ساتھ ہے دعویٰ یہ ہے کہ استقراض الحيوان جائز نہیں ہے؟

جواب: استقراض الحيوان اگرچہ ابتداء تبرع ہے لیکن انتہاء بیع ہے اور بیع الحيوان نسبیۃ جائز نہیں ہے اسی وجہ سے جائز نہیں کہ ضبط اوصاف ممکن نہیں ہے۔ اسی طرح استقراض الحيوان بھی ناجائز ہے ضبط اوصاف ممکن نہ ہونے کی وجہ سے۔

باقی ائمہ کی دلیل: حدیث الباب ہے اور حدیث ابی رافع رضی اللہ عنہ ہے کہ حضور ﷺ نے ایک خاص عمر والا اونٹ قرض کے طور پر لیا پھر اس کی ادائیگی کے لیے اس سے عمدہ اونٹ عطاء کیا بڑا یعنی جوان اونٹ۔

جواب: یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے کہ ابھی تک حرمت ربوا کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔

ثانیاً: وہ حدیث قولی ہے اور یہ فعلی ہے..... الخ۔

ثالثاً: وہ محرم ہے اور یہ مبیع ہے..... الخ۔

رابعاً: یہ حقیقت میں شرائین مؤجل تھی اس ضمن کے بدلے اونٹ دے دیا اسی کو راوی نے استقراض الحيوان سے تعبیر کر دیا اصل میں یہ استقراض ہے ہی نہیں۔

سوال: اگلی حدیث میں ہے کہ زکوٰۃ کے اونٹوں سے قرضہ ادا کیا قرضہ تو اپنے لیے لیا ہوگا تو پھر زکوٰۃ کے اونٹوں سے ادائیگی کا کیا معنی ہے؟

جواب: مطلب یہ تھا کہ زکوٰۃ کا اونٹ جن مستحقین کو دیئے گئے تھے ان سے خرید کر قرضہ ادا کرو اور اس پر اشتروا کا لفظ بھی دلالت کر رہا ہے۔

باب

باب: خرید و فروخت اور قرض کی ادائیگی میں نرمی برتنے کی فضیلت

تشریح: سمح اور سماحۃ کے معنی ہیں: عالی ظرفی سیر چشمی اس سے القاب میں سماحۃ الشیخ استعمال ہوتا ہے اور بیچنے میں نرمی یہ ہے کہ بائع کسی قیمت پر اڑ نہ جائے اگر مشتری دام کم کرنے کی درخواست کرے اور اس کا نقصان نہ ہوتا ہو تو دام کچھ کم کر دے یا مبیع کچھ زیادہ دیدے اور خریدنے میں نرمی یہ ہے کہ پیسے اگر زیادہ دینے پڑیں تو دے دے اور قرض کی ادائیگی میں نرمی یہ ہے کہ وقت پر قرض ادا کرے اور کچھ زیادہ دے اس کے علاوہ بھی نرمی کی صورتیں ہو سکتی ہیں۔

بَابُ النَّهْيِ عَنِ الْبَيْعِ فِي الْمَسْجِدِ

باب ۷۳: مسجد میں خرید و فروخت کی ممانعت

(۱۲۴۲) إِذَا رَأَيْتُمْ مَنْ يَبِيعُ أَوْ يَبْتَاعُ فِي الْمَسْجِدِ فَقُولُوا لَا أَرْبَحَ اللَّهُ تِجَارَتَكَ وَإِذَا رَأَيْتُمْ مَنْ يَنْشُدُ فِيهِ ضَالَّةً فَقُولُوا لَا رَدَّ اللَّهُ عَلَيْكَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم اس شخص کو دیکھو جو مسجد میں کوئی چیز فروخت کر رہا ہو یا خرید رہا ہو تو یہ کہو: اللہ تعالیٰ تمہاری تجارت میں منافع نہ دے اور جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ مسجد میں گمشدہ چیز کا اعلان کر رہا ہو تو تم یہ کہو اللہ تعالیٰ تمہاری چیز واپس نہ کرے۔

تشریح: مسجد کے اندر شراء بیع کا کیا حکم ہے؟ غیر معتکف کے لیے مطلقاً ناپسندیدہ ہے عام ازیں ضرورت ہو یا نہ ہو عام ازیں اہل وعیال کے لیے ہو یا بغرض تجارت ہو عام ازیں احفار مبیعہ ہو یا نہ ہو۔

معتکف کے لیے دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے۔ ① ساز و سامان مسجد میں نہ ہو۔ ② بیع سے مقصود تجارت نہ ہو بلکہ اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضرورت کو پورا کرنا ہو۔

سوال: کہ حدیث سے تو عموم معلوم ہوتا ہے؟

جواب: یہ ہے کہ یہ محمول ہے معتکف کے ماسواء پر اور اگر معتکف بھی داخل ہے تو پھر خاص صورتیں مراد ہیں:

(۱) احضار مبیعہ ہو۔

(۲) تجارت کی غرض سے ہو حقیقتہ میں کوئی تضاد نہیں ہے جو مکروہ قرار دیتے ہیں وہ غیر معتکف کے لیے ہے اور جنہوں نے کہا ہے

جائز ہے وہ معتکف کے لیے ہے اور ساز و سامان سے مراد وہ سامان ہے کہ جس کی وجہ سے مسجد مصروف ہو جائے۔

گم شدہ سامان کی دو صورتیں ہیں:

(۱) گم باہر ہوا ہو تو مطلقاً لا یموز۔

(۲) اور اگر مسجد میں گم ہوا ہو تو پھر گنجائش ہے۔



أَبْوَابُ الْأَحْكَامِ

احکام کا بیان

تشریح: احکام: حکم کی جمع ہے اس کے معنی ہیں فیصلہ ابواب الاحکام یعنی ابواب القضاء اور پہلے یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ امام ترمذی نے ابواب البیوع یعنی ابواب المعاملات کے درمیان میں ابواب الاحکام داخل کئے ہیں یہ ابواب الاحکام دو صفحوں (۱۳ باب) تک ہیں ان کے بعد پھر ابواب البیوع شروع ہوں گے۔

سوال: پہلے بھی تو احکام ہی کا بیان ہو رہا تھا اب نئے سرے سے باب قائم کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

جواب: ان احکام سے وہ احکام مراد ہیں جو خصومت اور قضاء سے متعلق ہیں عہدہ قضاء فرض کفایہ ہے فاحکم بین الناس۔

بَابُ مَا جَاءَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي الْقَاضِي

باب ۱: قاضی کا بیان

(۱۲۴۳) أَنَّ عُمَانَ قَالَ لِابْنِ عُمَرَ أَذْهَبَ فَأَقْضِ بَيْنَ النَّاسِ قَالَ أَوْ تُعَافِيَنِي يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ قَالَ فَمَا تَكْرَهُ مِنْ ذَلِكَ وَقَدْ كَانَ أَبُوكَ يَقْضِي قَالَ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: مَنْ كَانَ قَاضِيًا فَقَطَى بِالْعَدْلِ فَبِالْحَرِيِّ أَنْ يَنْتَقِلَ مِنْهُ كِفَافًا فَمَا أَرْجُو بَعْدَ ذَلِكَ.

ترجمہ: عبد اللہ بن مہذب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا: جاؤ! لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو! انہوں نے عرض کی: اے امیر المؤمنین! کیا آپ مجھے اس سے معاف نہیں رکھیں گے۔ حضرت رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا۔ تم اس کو کیوں ناپسند کرتے ہو، جبکہ تمہارے والد فیصلہ کیا کرتے تھے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے عرض کی۔ میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے جو شخص قاضی ہو اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کرے تو امید ہے وہ برابر چھوٹ جائے گا، اس لئے میں اس کے بعد (اس عہدے کی) آرزو نہیں رکھتا۔

(۱۲۴۴) الْقُضَاةُ ثَلَاثَةٌ قَاضِيَانِ فِي النَّارِ وَقَاضٍ فِي الْجَنَّةِ رَجُلٌ قَطَى بِغَيْرِ الْحَقِّ فَعَلِمَ ذَلِكَ فَذَاكَ فِي النَّارِ وَقَاضٍ لَا يَعْلَمُ فَأَهْلَكَ حُقُوقَ النَّاسِ فَهُوَ فِي النَّارِ وَقَاضٍ قَطَى بِالْحَقِّ فَذَاكَ فِي الْجَنَّةِ.

ترجمہ: قاضی تین قسم کے ہیں دو قسم کے قاضی جہنم میں جائیں گے اور ایک قسم کا قاضی جنت میں جائے گا، وہ شخص جو حق کے خلاف فیصلہ کرے اور وہ یہ بات جانتا ہو تو وہ جہنم میں جائے گا، وہ قاضی (جسے قضا سے متعلق احکام) کا علم نہ ہو اور وہ لوگوں کے حقوق ضائع کر دے وہ جہنم میں جائے گا۔ اور وہ قاضی جو حق کے مطابق فیصلہ کرے، وہ جنت میں جائے گا۔

(۱۲۳۵) مَنْ سَأَلَ الْقَضَاءَ وَكَلَّ إِلَى نَفْسِهِ وَمَنْ أُجِيزَ عَلَيْهِ يُنْزِلَ اللَّهُ عَلَيْهِ مَلَكًا فَيُسَدِّدُهُ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص قضا کے منصب کا مطالبہ کرے اس کو اس کے حوالے کر دیا جائے گا، اور جس شخص کو اس پر مجبور کیا جائے تو اللہ تعالیٰ فرشتہ اس پر نازل کرتا ہے، جو اسے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔

(۱۲۳۶) مَنْ ابْتَغَى الْقَضَاءَ وَسَأَلَ فِيهِ شَفْعًا وَكَلَّ إِلَى نَفْسِهِ وَمَنْ أُكْرِهَ عَلَيْهِ أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْهِ مَلَكًا يُسَدِّدُهُ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں۔ جو شخص قضا کے عہدے کا طلبگار ہو، اور اس بارے میں سفارش ڈھونڈتا ہو، اسے اس حوالے کر دیا جائے گا اور جس شخص کو اس پر مجبور کیا جائے تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو نازل کرتا ہے، جو اس کی مدد کرتا ہے۔

(۱۲۳۷) مَنْ وَلِيَ الْقَضَاءَ أَوْ جُعِلَ قَاضِيًا بَيْنَ النَّاسِ فَقَدْ ذُبِحَ بِغَيْرِ سَكِينٍ.

ترجمہ: جو شخص قضا کے عہدے پر فائز ہو (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) جس شخص کو لوگوں کے درمیان قاضی بنا دیا جائے تو اسے چھری کے بغیر ذبح کر دیا گیا۔

تشریح: امر ہے عہدہ قضا کو قبول کیا جائے یا نہ؟ تو اس میں تفصیل ہے کہ عہدہ قضا کی صلاحیت متعدد شخصوں میں ہوگی یا نہیں اگر متعدد شخصوں میں صلاحیت ہے تو دونوں جائز ہیں یعنی قبول کرنا بھی جائز ہے اور قبول نہ کرنا بھی جائز ہے۔ قبول کرنے کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عہدہ قضا کو قبول کیا اور قبول نہ کرنے کی دلیل یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے قبول نہیں کیا۔ باقی افضل کیا ہے؟ تو دونوں قسم کی احادیث ہیں بعض سے قبول کرنا افضل معلوم ہوتا ہے اور بعض سے قبول نہ کرنا افضل معلوم ہوتا ہے۔

تطبیق: یہ ہے کہ جن احادیث سے فضیلت معلوم ہوتی ہے اس کا مصداق وہ لوگ ہیں کہ جن کے اندر صلاحیت ہو اور جن سے قبول نہ کرنا افضل معلوم ہوتا ہے ان کا مصداق وہ لوگ ہیں کہ جن کے اندر اہلیت نہیں ہے۔

یا بعنوان آخریوں کہہ لو کہ عہدہ قضا کو قبول کرنا افضل ہے یہ اس شخص کے لیے ہے جو طالب نہ ہو اور جن احادیث سے قبول نہ کرنا افضل ہے اس شخص کے لیے ہے جو طالب ہو۔

بعنوان ثالث: جن احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدہ قضا کو قبول کیا جائے یہ اس شخص کے لیے ہے جس کا مقصد عالم کو فساد سے پاک کرنا ہو اور جن احادیث سے ممانعت معلوم ہوتی ہے ان کا مصداق وہ ہیں کہ جن کا مقصد وجاہت اور چودھراہٹ ہو یہ تفصیل تو تب ہے جب متعدد افراد میں صلاحیت ہو اور اگر صرف ایک ہی شخص میں صلاحیت ہے اور امیر المؤمنین کی طرف سے عہدہ قضا پیش کیا جائے تو اب قبول کرنا فرض ہے انکار کی گنجائش نہیں ہے بلکہ اس وقت تو خود مطالبہ کرنا بھی جائز ہے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے مطالبہ کیا۔

(۲) حدیث ذکر کی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو قاضی بنانا چاہا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: او تعافینی الخ

تقدیر عبارت ہے اتر حننی و تعافنی الغرض حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمہارے والد بھی تو قاضی رہے ہیں اس پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: من كان قاضياً فقصي بالعدل فباحري ان ينقلب منه كفافاً کہ جو قاضی ہو صحیح فیصلہ کرے تو وہ زیادہ لائق ہے کہ اس کے کفاف کے ساتھ لوٹے و فی الحدیث قصۃ یعنی یہ حدیث طویل ہے اس میں مزید حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال و جواب مذکور ہیں میں نے ان کو ذکر نہیں کیا۔

اگلی حدیث میں ہے کہ جو قضاء کو طلب کرے تو اس کو اس کے نفس کے حوالہ کر دیا جاتا ہے اور آگے کبری تھا کہ جس کو اس کے نفس کے حوالے کر دیا تو اس کی ہلاکت میں کیا تردد ہے اور جو مجبور کیا جائے تو اس پر فرشتہ اترتا ہے اس کی رہنمائی کرتا ہے صحیح فیصلہ اس کے ذہن میں ڈالتا ہے۔

اگلی حدیث میں ہے کہ فقد ذبح بغیر مسکین یہ تشبیہ پر محمول ہے باقی تشبیہ کس بات میں ہے تو اس میں ایک قول یہ ہے کہ حسن فی الظاہر اور فساد فی الباطن جیسے جانور بغیر چھری کے ہلاک کر دیا جائے تو جان نکل جاتی ہے لیکن ظاہری طور پر صحیح اور اچھا لگتا ہے بالکل اسی طرح ہے جب ایسے آدمی کو قاضی بنا دیا جائے جو نااہل ہو تو اس کا حال بھی ایسے ہی ہے کہ ظاہری حالت اچھی ہوتی ہے اکرام ہوتا ہے اعزاز ہوتا ہے اس کو وجاہت حاصل ہوتی ہے سلامیاں دی جاتی ہیں اور باطن کے اندر اگر حدود شرع کی رعایت نہیں کرتا تو اندر سے ایمان کمزور ہو جاتا ہے۔

(۲) یہ تشبیہ زیادۃ فی الایذاء میں ہے کہ جیسے جانور کو اگر چھری کے ساتھ ذبح کریں تو وقتی طور پر تکلیف ہوتی ہے لیکن فوراً ختم ہو جاتی ہے اور بغیر چھری کے بہت زیادہ متاثر ہوتا ہے اسی طرح قاضی کو عمر بھر تکلیف بجالانی پڑتی ہے دشمنی ہو جاتی ہے اور مصیبتوں اور پریشانیوں میں گھرا رہتا ہے۔

یہ حدیثیں عہدہ قضا کے ساتھ نہیں ہر عہدہ کا یہی حکم ہے جو شخص اپنی خواہش سے کوئی عہدہ حاصل کرتا ہے اس کے لیے سفارشی لگاتا ہے لوگوں کی ذہن سازی کرتا ہے ووٹ مانگتا ہے تو جب اس کو عہدہ مل جاتا ہے تو لوگ اسے کو چھوڑ دیتے ہیں اس کی کوئی مدد نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ بھی اس کو اس کے نفس کے حوالے کر دیتے ہیں کہ لے تو نے ذمہ داری لی ہے پس اسے نیڑ اور جس کو زبردستی کوئی ذمہ داری سونپی جاتی ہے ہر شخص اس کی مدد کرتا ہے وہ جس کام کے لیے کہتا ہے ہر شخص فوراً کرتا ہے کیونکہ انہی لوگوں نے اس کو مجبور کیا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی آسمان سے ایک فرشتہ اتارتے ہیں جو اس کی راہنمائی کرتا ہے اور اس کو سیدھا رکھتا ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ کون عہدہ کا طالب ہے اور کس کو زبردستی ذمہ داری سونپی گئی؟ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں دنیا میں کوئی شخص اس کا اقرار نہیں کہ وہ عہدہ چاہتا ہے الیکشن میں بھی یہ قانون ہے کہ کوئی امیدوار خود امیدوار نہیں بن سکتا لوگ اس کی سفارش کرتے ہیں مگر ہر شخص حقیقت حال سے واقف ہے کہ وہ سفارشی اسی کے ایجنٹ ہوتے ہیں اور امیدواران کے ذریعہ اپنے لیے زمین ہموار کرتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقَاضِي يَصِيبُ وَيُخْطِئُ

باب ۲: وہ قاضی جو ٹھیک فیصلہ بھی کرتا ہے اور غلطی بھی کرتا ہے

(۱۲۳۸) إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ فَأَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَإِذَا حَكَمَ فَأَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ وَاحِدٌ.

تَوْجِيهًا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کوئی فیصلہ کرنے والا فیصلہ کرے اور درست فیصلہ کرے تو اسے دو اجر ملتے ہیں اور جب وہ فیصلہ کرتے ہوئے غلطی کر جائے تو اسے ایک اجر ملتا ہے۔

تَشْرِيح: فَلَهُ أَجْرَانِ ایک روایت میں ہے: اِذَا اَصَابَ فُلَهُ عَشْرَةٌ اَجُورَ شَاهِ صَاحِبِ فَرَمَاتِهِ ہیں اس کی سند ضعیف ہے لیکن ابن العربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن اس کے لیے شاہد ہے: قَالَ سُبْحَانَهُ ﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ امْتَالِهَا﴾ (الانعام: ۱۶۰) لہذا اس والی حدیث کا مضمون صحیح ہوا۔

وَإِذَا حَكَمَ فَأَخْطَا فَلَهُ أَجْرٌ وَاحِدٌ: عارضہ میں ہے کہ جس عمل کا تعلق عامل سے ہو تو اس پر ایک نیکی ملتی ہے اور جو عمل متعدی الی الغیر ہو تو اس پر دو نیکیاں ملتی ہیں چونکہ غلطی کی صورت میں غیر کو فائدہ نہیں پہنچایا یعنی مستحق کو اس لیے صرف اجتہاد کا ثواب ملے گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسائل اجتہاد یہ میں حق ایک ہے امام اعظم رحمہ اللہ سے بھی یہی بات مروی ہے مثلاً امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مقتدی پر فاتحہ واجب ہے اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے ظاہر ہے دونوں برحق نہیں ہو سکتیں ان میں سے کوئی ایک حق ہے اور جس مجتہد نے نفس الامری حق کو پایا ہے اس کو ڈبل ثواب ملے گا اور جو اس کو چوک گیا ہے وہ بھی ثواب کا مستحق ہوگا کیونکہ اس نے بھی اپنی پوری طاقت صرف کر دی ہے مگر اس کو ایک ثواب ملے گا اور کس نے نفس الامری حق پایا ہے اور کون اس کو چوک گیا ہے؟ اس کا پتا آخرت میں چلے گا۔

سوال: یہاں اگر کوئی سوال کرے کہ امام نسفی رحمہ اللہ کی مصنفی سے اشباہ میں پھر وہاں سے مختار کے مقدمہ میں جو نقل کیا گیا ہے کہ اِذَا سَأَلْنَا عَنْ مَذْهَبِنَا وَمَذْهَبِ مَخَالِفِنَا قُلْنَا وَجُوبًا مَذْهَبِنَا صَوَابٌ يَحْتَمِلُ الْخَطَأَ وَمَذْهَبُ مَخَالِفِنَا خَطَأٌ يَحْتَمِلُ الصَّوَابَ وَإِذَا سَأَلْنَا عَنْ مَعْتَقِدِنَا وَمَعْتَقِدِ خَصْمِنَا قُلْنَا وَجُوبًا الْحَقُّ مَانَحْنُ عَلَيْهِ وَالْبَاطِلُ مَا عَلَيْهِ خَصْمُنَا. یعنی جب ہم سے پوچھا جائے ہمارے فقہی مذہب کے بارے میں اور ہمارے مخالف کے فقہی مذہب کے بارے میں تو ہم قطعی طور پر جواب دیں گے کہ ہمارا مذہب برحق ہے مگر اس میں چوک کا احتمال ہے اور ہمارے مخالف کا مذہب غلط ہے اور اس میں درستگی کا احتمال ہے اور جب ہم سے پوچھا جائے ہمارے یعنی اہل السنۃ والجماعۃ کے عقیدوں کے بارے میں اور ہمارے مخالف گمراہ فرقوں کے عقیدوں کے بارے میں تو ہم قطعی طور پر کہیں گے کہ برحق وہ عقیدے ہیں جن پر ہم ہیں اور غلط وہ عقیدے ہیں جن پر ہمارے مخالف ہیں اس عبارت کا کیا مطلب ہے؟ آپ تو فرما رہے ہیں کہ فقہی اختلافات میں عمل کے اعتبار سے سب برحق ہیں؟

جواب: شامی میں ابن حجر کی رحمہ اللہ کے فقہی فتاویٰ سے نقل کی ہے کہ اِنْ ذَلِكْ مَبْنِیْ عَلَی الضَّعِیْفِ یعنی یہ قول جس بنیاد پر متفرع ہے وہ ضعیف ہے پس یہ بات جو اس پر متفرع ہے کیسے درست ہو سکتی ہے؟ تفصیل شامی (۳۶:۱) میں ہے۔

فائدہ: مجتہدین بہت گزرے ہیں چار ائمہ رحمہم اللہ میں انحصار نہیں اور آج بلکہ آئندہ بھی نئے مسائل میں اجتہاد جاری ہے یہ سب مجتہدین اگر اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد پر ہیں تو وہ سب برحق ہیں اور ان سب کا یہی حکم ہے البتہ جو لوگ اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد سے خارج ہیں جیسے غیر مقلدین، مودودی اور شیعہ وغیرہ ان کے لیے یہ حکم نہیں اور اہل السنۃ والجماعۃ میں شامل چار مکاتب فکر کی پیروی کرنے والے ہی ہیں حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ”مائۃ وردس“ میں اور علامہ احمد طحاوی رحمہ اللہ نے در مختار کے حاشیہ میں اس کی صراحت کی ہے کیونکہ

حقانیت کا مدار اصول و عقائد پر ہے۔ فروعات پر نہیں فروعات میں اختلاف تو دور صحابہ رضی اللہ عنہم سے چلا آ رہا ہے جبکہ تمام صحابہ برحق تھے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْقَاضِي كَيْفَ يَقْضِي؟

باب ۳: قاضی کس طرح فیصلہ کرے؟

(۱۲۴۹) اَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بَعَثَ مُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ كَيْفَ تَقْضِي فَقَالَ أَقْضِي بِمَا فِي كِتَابِ اللَّهِ قَالَ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِي كِتَابِ اللَّهِ قَالَ فَبِسُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ أَجْتَهِدُ رَأْيِي قَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَفَّقَ رَسُولَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ.

ترجمہ: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو آپ نے دریافت کیا: تم کس طرح فیصلہ کرو گے انہوں نے عرض کی۔ میں اللہ تعالیٰ کی کتاب میں موجود (حکم) کے مطابق فیصلہ کروں گا نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی کتاب میں (اس حکم کا موجود نہ ہو) انہوں نے عرض کی۔ اللہ تعالیٰ کے رسول کی سنت کے مطابق (فیصلہ کروں گا) نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اگر اللہ تعالیٰ کے رسول کی سنت میں (اس کا حکم نہ ہو) انہوں نے عرض کی۔ میں اپنی رائے کے ذریعے فیصلہ کروں گا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، ہر طرح کی حمد اس اللہ کے لئے ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے رسول کے نمائندے کو (یہ) توفیق عطا کی ہے۔

تشریح: قضاء کے کیا اصول ہیں وہ فقہ میں بیان کئے جاتے ہیں معلوم ہوا کہ قیاس بھی حجتہ شرعیہ ہے اسلئے کہ حضرت محمد ﷺ نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو ان سے چند سوالات کیے۔

سوال: حدود شرعیہ میں اجماع کو ذکر کیوں نہیں کیا؟

جواب: اجماع حجتہ بنا ہے حضور ﷺ کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد اس لیے کہ حضور ﷺ کے ہوتے ہوئے اس کی ضرورت نہیں تھی اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی سیرت کا بھی ذکر نہیں کیا۔

جواب: جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا جا رہا تھا اس وقت شیخین رضی اللہ عنہما کے فیصلے معروف و مشہور نہیں تھے۔

فائدہ: اس حدیث میں خاص بات توجہ طلب یہ ہے کہ حدیث حجت نہیں بلکہ سنت حجت ہے چنانچہ تمام احادیث میں سنت کو مضبوط پکڑنے کا حکم ہے کسی ایک حدیث میں بھی حدیث مضبوط پکڑنے کا حکم نہیں اور حدیث کے معنی ہیں کہ ما اضيف الى النبي ﷺ من قول او فعل او تقرير۔ یعنی نبی ﷺ کے اقوال و افعال و تائیدات حدیث ہیں اور سنت کے معنی ہیں: الطريقة المسلوكة في الدين۔ یعنی دینی راہ اور دونوں میں عام خاص من وجہ کی نسبت ہے جو احادیث منسوخ یا مخصوص یا ماول ہیں وہ صرف حدیث ہیں سنت نہیں اور ملک و ملت کی تنظیم سے تعلق رکھنے والی خلفائے راشدین کی باتیں سنت ہیں حدیث نہیں اور معمول بہا اقوال و افعال نبوی حدیث بھی ہیں اور سنت بھی پس فرقہ اہل حدیث گمراہ فرقہ ہے کیونکہ حدیث حجت نہیں اہل حق صرف اہل السنہ والجماعہ ہیں کہ حجت سنت ہے۔

اجتہاد: جہد طاقت اور مشقت کو کہتے ہیں اور اجتہاد کسی چیز میں مقدور بھر تفکر کو کہتے ہیں امام خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے

مراد نفس سوچ بچار نہیں بلکہ کسی قضیہ کو قرآن و سنہ کے معنی کی طرف لوٹا کر بطور قیاس اس کا حکم معلوم کرنا ہے۔

هذا حديث لا نعرفه الا من هذا الوجه... الخ۔ اس حدیث کی صحیح و تضعیف میں ائمہ کا شدید اختلاف رہا ہے جن کے نزدیک یہ ضعیف ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو حارث بن عمرو مجہول ہے دوم وہ مجہولین سے روایت کرتے ہیں یعنی حارث کے اساتذہ معلوم نہیں کہ کون ہیں؟ تاہم اس کے معنی کی صحت پر تقریباً اتفاق اور سب ائمہ اجتہاد اور قیاس کے جواز کے قائل ہیں ابن الجوزی رحمہ اللہ علل متناہیہ میں فرماتے ہیں:

لا يصح وان كان الفقهاء كلهم يذرونه في كتبهم ويعتمدون عليه وان كان مغناة صحيحا. (تحفه)
”ابن الجوزی رحمہ اللہ علل متناہیہ میں فرماتے ہیں صحیح نہیں ہے اگرچہ سارے فقہاء اس کو ذکر کرتے ہیں اپنی کتابوں میں اور اس پر اعتماد بھی کرتے ہیں اور اس کے معنی درست ہیں۔“

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے اعلام الموقعین میں اور ابو بکر الخطیب رحمہ اللہ نے بھی اس کی تصحیح کی ہے کذا فی التحفہ عرف الشذی میں ہے کہ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ان الحديث وان كان منقطعاً لكنه مروي عن اصحاب معاذ فيكون حجة واخذ... الخ

جبکہ ابن العربی رحمہ اللہ باوجودیکہ سند کے بارے میں بہت سخت ہیں فرماتے ہیں یہ حدیث مشہور ہے کہ شعبہ سے ائمہ کی جماعت نے روایت کی ہے جن میں یحییٰ بن سعید، عبد اللہ بن المبارک، ابو داؤد الطیالسی رحمہم اللہ شامل ہیں اور جہاں تک حارث بن عمر الہذلی کا تعلق ہے تو اگرچہ حارث اس حدیث کے علاوہ دوسری سند سے معروف نہیں لیکن ان کی روایت کے قابل اعتماد ہونے کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ ان سے شعبہ روایت کرتے ہیں اور یہ کہ وہ یعنی حارث مغیرہ بن شعبہ کے بھانجے ہیں (لہذا حدیث صحیح ہے) اعلام الموقعین میں مزید تفصیل ہے لہذا اصح یہ ہے کہ اولاً تو اس کی حدیث کی سند بھی صحیح ہے لیکن اگر اس میں کچھ ضعف ہو تو ثانیاً کہا جائے گا کہ اس مضمون کی اور احادیث بھی ہیں جن کا مجموعہ حد تو اتر تک پہنچتا ہے۔

تقلید شخصی کا ثبوت حدیث سے: یہ حدیث اجتہاد اور قیاس کے جواز پر بھی صریح ہے نیز اس سے تقلید شخصی کا جواز بھی ثابت ہوتا ہے کیونکہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو گویا اہل یمن کے ذمے یہ لازم کر دیا کہ وہ ہر معاملے میں ان سے رجوع کریں اور تمام مسائل میں ان کی پیروی کریں اور یمن میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی اور شخص ایسا نہیں تھا جو ان کی طرح شرعی مسائل جانتا ہو اس لیے اہل یمن انہی کی تقلید شخصی کرتے تھے اور چونکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا اس لیے اہل یمن کا یہ عمل خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء کے مطابق تھا۔

اس پر غیر مقلدین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو قاضی کی حیثیت سے بھیجا گیا تھا اور اسی حیثیت میں ان کی اطاعت ضروری قرار دی گئی تھی نہ کہ مفتی کی حیثیت میں؟

جواب: یہ ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیک وقت حاکم بھی تھے قاضی بھی مفتی بھی اور معلم بھی چنانچہ صحیح بخاری میں باب میراث البنات کے تحت حضرت اسود بن یزید کی روایت ہے کہ:

اتانا معاذ رضي الله عنه بن جبل باليمن معلماً واميراً فسالنا عن رجل توفي وترك ابنته واخته

فاعطى الابنة النصف والاخت النصف.

”ہمارے پاس معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ یمن سے امیر اور معلم بن کر آئے ہم نے ان سے ایک ایسے آدمی کے متعلق سوال کیا جو فوت ہو چکا تھا، اس نے اپنی ایک بیٹی اور بہن چھوڑی تھی، بیٹی کو نصف دیا گیا اور بہن کو بھی نصف دیا گیا۔“

اس روایت میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے مفتی ہونے کی حیثیت صاف واضح ہے اور اسی حیثیت میں انہوں نے میراث کا یہ فتویٰ دیا اور اس کی کوئی دلیل بیان نہیں فرمائی اور اہل یمن نے دلیل پوچھے بغیر ہی اس حکم پر عمل کیا اور اسی کا نام تقلید ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِمَامِ الْعَادِلِ

باب ۴: عادل حکمران کی فضیلت

(۱۲۵۰) إِنَّ أَحَبَّ النَّاسِ إِلَى اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَدْنَاهُمْ مِنْهُ فَجَلَسَ إِمَامٌ عَادِلٌ وَابْغَضَ النَّاسِ إِلَى اللَّهِ وَابْعَدَهُمْ مِنْهُ فَجَلَسَ إِمَامٌ جَائِرٌ.

ترجمہ: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ پسندیدہ اور مجلس کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب عادل حکمران ہوگا، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور مجلس کے اعتبار سے زیادہ دور ظالم حکمران ہوگا۔

(۱۲۵۱) إِنَّ اللَّهَ مَعَ الْقَاضِي مَالَهُ يَجُزُّ فَإِذَا جَارَ تَحَلَّى عَنْهُ وَلَزِمَهُ الشَّيْطَانُ.

ترجمہ: حضرت ابن ابی اوئی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ قاضی کے ساتھ ہوتا ہے جب تک وہ زیادتی نہ کرے جب وہ زیادتی کرتا ہے تو اس سے الگ ہو جاتا ہے اور شیطان اس کے ساتھ ہو جاتا ہے۔
تشریح: عدل و انصاف کی فضیلت کا بیان ہے حاصل یہ ہے کہ عدل و انصاف قیامت کے دن اللہ کے قرب کا ذریعہ ہے اور جور و ظلم اللہ کے ہاں بغض اور اللہ کی رحمت سے دوری کا باعث ہے۔

امام عادل: جو اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی بجالائے اور مخلوق کے بھی جائز حقوق بجالائے یا اللہ تعالیٰ کے حقوق بجانہ لائے اللہ مع القاضی یعنی اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت قاضی کے ساتھ ہوتی ہے خلی عنہ اللہ کی رحمت اس سے دور ہو جاتی ہے الگ ہو جاتی ہے لزم الشیطان جس کو شیطان چٹ جائے اس کی ہلاکت میں کیا شبہ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقَاضِي لَا يَقْضِي بَيْنَ الْخَصْمَيْنِ حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَهُمَا

باب ۵: قاضی جب تک فریقین کی بات نہ سن لے فیصلہ نہ کرے

(۱۲۵۲) قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا تَقَاضَى إِلَيْكَ رَجُلَانِ فَلَا تَقْضِ لِلأَوَّلِ حَتَّى تَسْمَعَ كَلَامَ الْآخِرِ فَسَوْفَ تَدْرِي كَيْفَ تَقْضِي قَالَ عَلِيٌّ فَمَا زِلْتُ قَاضِيًا بَعْدُ.

تَرْجَمَتُہَا: نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا: جب دو آدمی تم سے فیصلہ لینے کے لئے آئیں، تو تم پہلے کے حق میں اس وقت تک فیصلہ نہ کرو جب تک دوسرے کا کلام نہ سن لو، عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ تم کیسے فیصلہ کرو گے؟

تَشْرِیْح: اسلامی عدالت میں ہر شخص براہ راست قاضی سے ملتا ہے درمیان میں کوئی وکیل نہیں ہوتا اور غیر مسلم عدالتوں میں فریقین خاموش کھڑے رہتے ہیں اور ایڈوکیٹ بحثیں کرتے ہیں اور چونکہ وہ قانون داں ہوتے ہیں اس لیے ایسے ایسے نکتے نکالتے ہیں کہ جج پریشان ہو جاتا ہے اور کوئی فیصلہ نہیں کر پاتا اور مقدمہ چلتا رہتا ہے اور سالوں تک مقدمے لٹکے رہتے ہیں اسلامی عدالت کا یہ دستور نہیں ہے بلکہ ہر شخص اپنے مقدمہ کی پیروی خود کرتا ہے اور قاضی سے براہ راست گفتگو کرتا ہے چنانچہ فریقین کی بات ختم ہوتے ہی قاضی نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِمَامِ الزَّعِيَّةِ

باب ۶: رعایا کا حکمران

(۱۲۵۳) مَا مِنْ إِمَامٍ يُغْلِقُ بَابَهُ دُونَ ذَوِي الْحَاجَةِ وَالْحَلَّةِ وَالْمُسْكِنَةِ إِلَّا أَغْلَقَ اللَّهُ أَبْوَابَ السَّمَاءِ دُونَ خَلَّتِهِ وَحَاجَّتِهِ وَمَسْكِنَتِهِ فَجَعَلَ مُعَاوِيَةَ رَجُلًا عَلَى حَوَائِجِ النَّاسِ.

تَرْجَمَتُہَا: عمر بن مرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے یہ کہا میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے جو بھی حکمران اپنے دروازے کو ضرورت مند لوگوں، محتاجوں اور مسکینوں کے لئے بند کر لے گا تو اللہ تعالیٰ آسمانوں کے دروازے اس کی حاجت، ضروریات کے لئے بند کر لے گا۔

تَشْرِیْح: مطلب یہ ہے کہ کسی امام اور حاکم کو اپنا دروازہ ضرورت مند لوگوں کے لیے بند کرنا جائز نہیں چنانچہ یہ حدیث سن کر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی مقرر کر دیا جو لوگوں کی ضرورتیں معلوم کر کے ان کو پورا کرے۔

روایت میں آتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں یہ اعلان کر دیا تھا کہ جس کے گھر بچہ پیدا ہو اس کا نام ہمارے ہاں لکھوا دیا جائے چنانچہ اس کا وظیفہ جاری کر دیا جاتا تھا۔ دشمنان اسلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر فجر میں قاتلانہ حملہ کا پروگرام بنایا حضرت علی رضی اللہ عنہ تو شہید ہو گئے اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اس دن اتفاق سے فجر کی نماز میں نہیں آئے ان کی جگہ جو آیا وہ شہید ہو گیا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر بھی قاتلانہ حملہ ہوا مگر اندھیرے میں دارو چھا پڑا خنجر پیٹ کے بجائے سرین کے گوشت میں لگا اور وہ بچ گئے اس واقعہ کے بعد انہوں نے سیکورٹی قائم کی اب ہر شخص ان سے نہیں مل سکتا تھا اس وقت حضرت عمرو بن مرہ رضی اللہ عنہ نے ان کو حدیث سنائی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جو بھی امام اپنا دروازہ حاجت مندوں غریبوں اور محتاجوں کے ورے بھیڑ لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت حاجت اور مسکنت کے ورے آسمانوں کے دروازے بھیڑ لیتے ہیں یعنی اس کی ضرورتیں پوری نہیں کرتے یہ حدیث سن کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی مقرر کیا جو لوگوں کی ضرورتیں ان تک پہنچاتا تھا (اس طرح لوگوں کی حاجتیں بھی امیر المؤمنین تک پہنچ گئیں اور زمانہ کے احوال کی بھی رعایت ہو گئی۔

بَاب مَا جَاءَ لَا يَقْضِي الْقَاضِي وَهُوَ غَضْبَانٌ

باب ۷: قاضی غضب کی حالت میں فیصلہ نہ کرے

(۱۲۵۴) لَا يَحْكُمُ الْحَاكِمُ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانٌ.

ترجمہ: تم دو آدمیوں کے درمیان اس وقت فیصلہ نہ کرنا جب تم غضب کی حالت میں ہو۔
 تشریح: کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مدعی یا مدعی علیہ کی کسی بات پر قاضی کو غصہ آ جاتا ہے یا اور کسی شخص پر قاضی غضبناک ہوتا ہے پس اس حالت میں قاضی کو فیصلہ نہیں کرنا چاہئے غصہ میں دماغ کا ٹپر پچر ڈاؤن ہو جاتا ہے اور یہ عجیب بات ہے کہ قوت عاقلہ کی کمزوری سے غصہ آتا ہے اور غصہ سے قوت عاقلہ کمزور ہوتی ہے غصہ اتنا ہو کہ حق اور باطل کے درمیان تمیز نہ کر سکے۔ اسی طرح ہر وہ چیز کہ جس سے حق اور باطل میں کما بینگی امتیاز نہ کر سکے تو فیصلہ نہ کرے مثلاً شدہ بھوک ہو شدہ پیاس ہو یا غمگین ہو کسی وجہ سے یا کوئی اور وجہ ہو لیکن یہ حکم صرف امت کے لیے ہے حضور ﷺ کے لیے نہیں ہے اس لیے کہ حضور ﷺ غصہ کی حالت میں بھی کما بینگی حق اور باطل میں امتیاز کر سکتے ہیں کیونکہ حضور ﷺ مؤید بالوحی ہوتے ہیں لیکن امت کے لیے یہ تاہد نہیں ہوتی اس لیے امتی کو ایسی حالت میں فیصلہ نہیں کرنا چاہیے الحاکم حاکم عام ہے قاضی ہو یا قاضی کے ماسوا ہو۔

بَاب مَا جَاءَ فِي هَذَا يَا الْأَمْرَاءَ

باب ۸: امراء (سرکاری اہلکاروں) کو ملنے والے تحائف کا حکم

(۱۲۵۵) بَعَثَنِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِلَى الْيَمَنِ فَلَمَّا سَرْتُ أَرْسَلْتُ فِي أَثَرِي فَرَدِدْتُ فَقَالَ أَتَدْرِي لِمَ بَعَثْتُ إِلَيْكَ لَا تُصِيبَنَّ شَيْئًا بِغَيْرِ إِذْنِي فَإِنَّهُ غُلُولٌ (وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ) لِهَذَا دَعَوْتُكَ فَأَمِضْ لِعَمَلِكَ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے مجھے یمن بھیجا جب میں روانہ ہونے لگا تو آپ نے میرے پیچھے شخص بھیجا مجھے واپس بلوایا گیا آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو میں نے تمہیں کیوں بلوایا ہے تم میری اجازت کے بغیر کوئی چیز نہ لینا کیونکہ یہ خیانت ہوگی اور جو شخص خیانت کرے گا وہ اس خیانت کی ہوئی چیز کو لے کر قیامت کے دن آئے گا، اسی لئے میں نے تمہیں بلایا تھا اب تم کام کے لئے چلے جاؤ۔
 تشریح: امراء کے پاس جو ہدیے آتے ہیں وہ ہدیے کم رشوت زیادہ ہوتی ہے اور ضروری نہیں کہ آج ہی ہدیہ دینے والے کو حاکم سے کوئی کام لینا ہو دو چار سال کے بعد بھی وہ کسی کام کے لیے کہہ سکتا ہے اس لیے امراء کو ہدایا نہیں لینے چاہئیں البتہ وہ لوگ جو اس کو امیر بننے سے پہلے ہدیے دیتے لیتے رہے ہیں وہ مستثنیٰ ہیں، اسی طرح وہ اقارب جن کے ساتھ ہدیہ دینے لینے کا رواج ہے وہ بھی مستثنیٰ ہیں اور جو حکم ہدیہ کا ہے وہی حکم دعوت کا ہے اور اس سلسلہ میں آگے باب آ رہا ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وزراء اور سربراہوں کو دوسرے ملک جانے پر جو ہدایا ملتے ہیں وہ بھی سرکاری مال ہیں کیونکہ ان کو وہ ہدیہ ملک کا صدر یا وزیر ہونے کی حیثیت سے ملا ہے مگر کوئی اپنا ہدیہ سرکاری خزانہ میں داخل نہیں کرتا خود رکھ لیتا ہے یہ خیانت ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّاشِي وَالْمُرْتَشِي فِي الْحُكْمِ

باب ۹: فیصلہ کرنے میں رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا

(۱۲۵۶) لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الرَّاشِيَّ وَالْمُرْتَشِيَّ فِي الْحُكْمِ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فیصلہ کرنے میں رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت کی ہے۔

(۱۲۵۷) لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الرَّاشِيَّ وَالْمُرْتَشِيَّ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فیصلہ کرنے میں رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت کی ہے۔

تشریح: رشوة ایسے عمل پر اجرت لینا جو عمل اجرت لینے والے کی اپنی ذمہ داری ہو باقی دینے اور لینے کا حکم مختلف ہے اگر مقصود کسی کے حق کا ابطال ہو تو لایجوز دوسرے لفظوں میں اگر تحصیل منفعت ہو تو لایجوز اگر دفع ظلم عن نفسہ مقصود ہو تو جائز ہے یہ حکم تو دینے والے کے لیے ہے لیکن لینے والے کے لیے ہر حال میں لایجوز الراشی لینے والہ رشوت دینے والا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَبُولِ الْهَدِيَّةِ وَاجَابَةِ الدَّعْوَةِ

باب ۱۰: قضاة کا تحفہ قبول کرنا اور دعوت قبول کرنا

(۱۲۵۸) لَوْ أُهْدِيَ إِلَيَّ كُرَاعٌ لَقَبِلْتُ وَلَوْ دُعِيتُ عَلَيْهِ لَا جَبْتُ.

ترجمہ: اگر مجھے ایک پایہ (بکری وغیرہ کا پاؤں) تحفے کے طور پر دیا جائے، تو میں اسے قبول کر لوں گا، اور اگر اس کے لئے مجھے دعوت دی جائے تو میں دعوت کو قبول کر لوں گا۔

تشریح: کیونکہ حدیث میں ہدیہ کا ذکر تھا اس لیے ہدیہ کا ذکر بھی کر دیا اصل مقصود دعوت کو قبول کرنے کو بیان کرنا ہے حاکم کا کسی کی دعوت قبول کرنا اگر دعوت عام ہو تو جائز ہے خاص ہو تو شرکت لایجوز۔ عامہ اور خاصہ میں ما بہ الاختیار یہ ہے کہ اگر داعی کو قاضی کی عدم شرکت معلوم ہو جائے تو دعوت کو ملتوی نہ کرے تو یہ دعوت عامہ ہے اور اگر قاضی کی عدم شرکت پر دعوت ملتوی کر دے تو لایجوز باقی حضور ﷺ کے متعلق یہ مقصود نہیں ہو سکتا۔

خلاصہ کلام: امراء کو جو تحفے عوام دیتے ہیں وہ درحقیقت رشوت ہوتے ہیں اس لیے جائز نہیں یہی حکم دعوت قبول کرنے کا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّشْدِيدِ عَلَى مَنْ يَقْضَى لَهُ بِشَيْءٍ وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَأْخُذَهُ

باب ۱۱: جس شخص کے حق میں کسی چیز کا فیصلہ ہو جائے (جو غلط ہو) تو اس شخص کے لئے اس چیز کو لینا درست نہیں ہے، اس بارے میں شدت سے تاکید

(۱۲۵۹) إِنَّكُمْ تَخْتَصِمُونَ إِلَيَّ وَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَكُونَ الْحَنُّ مُحِبَّتَهُ مِنْ بَعْضٍ فَإِنْ قَضَيْتُ لَكَ حَدًّا مِنْكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ حَقِّ أَخِيهِ فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ فَلَا يَأْخُذُ مِنْهُ شَيْئًا.

ترجمہ: تم لوگ میرے پاس مقدمات لے کر آتے ہو میں ایک انسان ہوں ہو سکتا ہے تم میں سے کوئی ایک اپنی دلیل پیش کرنے میں دوسرے کے مقابلے میں زیادہ تیز زبان ہو تو اگر میں کسی شخص کے حق میں اس کے بھائی کے حق کا فیصلہ کر دوں تو میں نے اس کے لئے آگ کا ایک ٹکڑا کاٹ کر دیا ہے تو وہ اسے وصول نہ کرے۔

تشریح: عدالت میں ایک مقدمہ چلا قاضی نے اس کے سامنے جو شواہد و دلائل آئے ان کے پس نظر فیصلہ کر دیا مگر نفس الامر میں چیز جس کو دلائی ہے اس کی نہیں ہے تو قاضی کے فیصلے کے باوجود وہ چیز اس کے لیے حلال نہیں اگر وہ اس کے لئے گا تو اس حدیث میں اس کے لیے سخت وعید آئی ہے کیونکہ قاضی اگرچہ حقیقت حال سے واقف نہیں مگر صاحب معاملہ تو جانتا ہے کہ چیز اس کی نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّشْدِيدِ عَلَى مَنْ يَقْضَى لَهُ

باب ۱۲: دعویٰ کرنے والے کا ثبوت پیش کرنا لازم ہے

(۱۲۶۰) جَاءَ رَجُلٌ مِنْ حَضَرٍ مَوْتٌ وَرَجُلٌ مِنْ كِنْدَةَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ الْحَضَرُ حَيٌّ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ هَذَا غَلَبَنِي عَلَى أَرْضٍ لِي فَقَالَ الْكِنْدِيُّ حَيٌّ أَرْضِي وَفِي يَدَيَّ لَيْسَ لَهُ فِيهَا حَقٌّ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِلْحَضَرِ حَيٌّ أَلَاكَ بَيْتَةٌ قَالَ لَا قَالَ فَلَاكَ بَيْتُهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ الرَّجُلَ فَاجِرٌ لَا يُبَالِي عَلَى مَا حَلَفَ عَلَيْهِ وَلَيْسَ يَتَوَرَّعُ مِنْ شَيْءٍ قَالَ لَيْسَ لَكَ مِنْهُ إِلَّا ذَلِكَ قَالَ فَانْطَلَقَ الرَّجُلُ لِيَخْلِفَ لَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَهَا أَذْبَرَ لِيَنَّ حَلَفَ عَلَى مِلْكٍ لِيَا كُلَّهُ ظُلْمًا لِيَلْقَيْنَ اللَّهَ وَهُوَ عَنْهُ مُعْرِضٌ.

ترجمہ: حضر موت سے ایک شخص اور کندہ سے ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضر موتی شخص نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ اس شخص نے میری زمین پر قبضہ کر لیا ہے۔ کندہ نے عرض کی۔ وہ میری زمین ہے، وہ میرے پاس ہے اس کا اس زمین میں کوئی حق نہیں ہے نبی اکرم ﷺ نے حضر موتی سے دریافت کیا۔ کیا تمہارے پاس کوئی ثبوت ہے اس نے عرض کی نہیں، تو نبی اکرم ﷺ نے دوسرے فریق سے کہا پھر تم قسم اٹھا لو حضر موتی نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ یہ ایک گنہگار شخص ہے یہ اس بات کی پرواہ نہیں کرے گا کہ یہ کس بات پر قسم اٹھا رہا ہے یہ کسی بات سے جھجکتا نہیں ہے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تمہارے لئے صرف

یہی ہو سکتا ہے راوی بیان کرتے ہیں۔ وہ شخص قسم اٹھانے کیلئے تیار ہوا تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اگر اس نے تمہارے مال پر اس لئے قسم اٹھائی ہے تاکہ اسے ظلم کے طور پر ہتھیلے تو جب یہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوگا، تو اللہ تعالیٰ نے اس سے منہ پھیرا ہوگا (یعنی ناراض ہوگا)۔

(۱۲۶۱) فِي خُطْبَتِهِ الْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعَى وَالْيَمِينُ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ.

ترجمہ: دعویٰ کرنے والے پر ثبوت پیش کرنا لازم ہے اور جس کے خلاف دعویٰ کیا گیا ہو اس کا قسم اٹھانا لازم ہے۔

(۱۲۶۲) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَضَى أَنَّ الْيَمِينَ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے یہ فیصلہ دیا ہے، دعویٰ کرنے والے پر ثبوت پیش کرنا لازم ہے جس شخص کے خلاف دعویٰ کیا گیا ہو اس کا قسم اٹھانا لازم ہے۔

مذاهب فقہاء: قضاء القاضی بشهادة الزور: قضاء قاضی بشهادة الزور آیا صرف ظاہر انافذ ہوتی ہے یا باطنا بھی نافذ ہوگی؟ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ قاضی کا فیصلہ صرف ظاہر انافذ ہوگا یا ظاہر اور باطنا دونوں طرح سے اس میں دو مذہب ہیں۔

① عند الاحناف ظاہر اور باطنا دونوں طرح نافذ ہوگی فریقین میں سے جس کے حق میں فیصلہ کیا گیا ہے۔

امام صاحب کا استدلال: کتاب الاصل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک واقعہ سے ہے وہ یہ کہ ایک آدمی نے عورت کو نکاح کا پیغام دیا اس نے انکار کر دیا پھر اس آدمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عدالت میں دعویٰ کیا کہ یہ میری منکوحہ ہے اور بینہ پیش کر دیئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے منکوحہ ہونے کا فیصلہ کر دیا پھر اس عورت نے کہا کہ میں یقیناً جانتی ہوں کہ یہ آدمی کاذب ہے لیکن جب آپ نے فیصلہ کر ہی دیا ہے تو پھر میرا اس کے ساتھ نکاح کروادیں تاکہ حرام کا ارتکاب نہ ہو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: شاهدک زوجاک کہ شہادت سے اب واقعہ نکاح نفس الامر میں آ گیا نکاح جدید کی ضرورت نہیں۔

شرائط: لیکن امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک قضاء قاضی کے باطنا نافذ ہونے کے لیے پانچ شرائط ہیں:

① کہ قاضی کا فیصلہ عقود یا فسوخ ہو یعنی عقد کرنے یا عقد کو نسخ کرنے کا دعویٰ ہو۔

② املاک مرسلہ کا دعویٰ نہ ہو املاک مرسلہ سے مراد یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی شئی کے بارے میں اپنی ملکیت کا دعویٰ کرے لیکن سبب ملکیت کو بیان نہ کرے۔

③ کہ وہ معاملہ انشاء کا احتمال رکھتا ہو یعنی اس بات کا احتمال ہو کہ وہ عقد اب قائم کر دیا جائے مثلاً معاملہ نکاح ہو۔

④ کہ وہ محل قابل للعقد ہو مثلاً اجنبیہ کے بارے میں نکاح کا دعویٰ کرنا۔

⑤ کہ قاضی نے بینہ کی بنیاد پر یا مدعی علیہ کے کول عن الیمین کی بنیاد پر فیصلہ کیا ہو ان شرائط کے ساتھ قضاء قاضی ظاہر اور باطنا نافذ ہوگا۔

(۲) ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک قاضی کا فیصلہ صرف ظاہر انافذ ہوگا باطنا نافذ ہونا ضروری نہیں۔

دلیل: ان کا استدلال زیر بحث باب کی روایت سے ہے جس میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں تم میں سے کسی کے حق میں کسی چیز کا فیصلہ دے دوں لیکن حقیقت میں وہ دوسرے کا حق ہو تو وہ اس کے حق میں آگ کا ٹکڑا ہوگا لہذا کسی آدمی کو ایسی چیز نہیں

لینی چاہیے اس سے معلوم ہوا کہ قضاء قاضی صرف ظاہر انافذ ہوگی نہ کہ باطنا۔

جواب: یہ حدیث املاک مرسلہ کے بارے میں ہے عقد اور فسخ سے متعلق نہیں اس پر قرینہ یہ ہے کہ یہ حدیث ابو داؤد میں بھی مذکور ہے اور اس میں صراحتاً مذکور ہے کہ وہ معاملہ میراث کا تھا اور میراث کے اندر انشاء کا احتمال نہیں ہے اس لیے اس میں آپ کا فیصلہ ظاہر انافذ ہوا نہ کہ باطنا۔

فائدہ: چند باتیں اس سلسلے میں ذہن میں رکھنا ضروری ہیں جن کے ذہن میں نہ ہونے کی وجہ سے حنفیہ پر بکثرت اعتراضات کئے جاتے ہیں پہلی بات یہ ہے کہ حنفیہ کا اس مسلک کے اختیار کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ لوگوں کے لیے راستہ کھول دیا گیا ہے کہ لوگ جھوٹے دعوے کر کے اور جھوٹے گواہ پیش کر کے ناجائز طور پر لوگوں کے اموال پر قبضہ کر کے ان کو ہمیشہ کے لیے اپنا بنالیں۔

امام صاحب رحمہ اللہ کے قواعد کا تقاضا یہ ہے کہ اگرچہ وہ عورت اس فیصلے کے نتیجے میں اس کی منکوحہ تو ہوگئی لیکن پھر بھی اس شخص کے لیے اس عورت سے وطی کرنا حلال نہیں ہوگا جب تک وہ اس عقد کو فسخ کر کے از سر نو نیا عقد صحیح نہ کرے یہ باتیں اگرچہ کہیں منقول تو نہیں دیکھیں لیکن قواعد کا تقاضہ یہی ہے۔

ملکیت میں ہونے سے انتفاع کا حلال ہونا لازم نہیں آتا وطی کرنا اس لیے حلال نہیں ہوگا کہ محل کا مملوک ہونا یہ ایک چیز ہے اور اس سے انتفاع کا جائز ہونا دوسری چیز ہے ہو سکتا ہے کہ ایک محل مملوک ہو لیکن اس سے انتفاع جائز نہ ہو۔ مثلاً ایک شخص نے بیع فاسد کے ذریعہ ایک جاریہ خریدی اور اس بیع کے نتیجے میں اس جاریہ پر اس شخص کی ملکیت ثابت ہوگئی اور وہ محل ملک میں آگیا لیکن انتفاع کرنا اس جاریہ سے حلال نہیں بلکہ اس کے لیے حکم یہ ہے کہ بیع فسخ کرے اور از سر نو صحیح طریقے سے بیع کرے تب اس جاریہ سے انتفاع کرنا حلال ہوگا اس میں آپ نے دیکھا کہ محل مملوک ہے لیکن انتفاع حلال نہیں ہے اسی طرح ایک عورت حیض میں ہے اس صورت میں بھی محل مملوک ہے لیکن اس حالت میں انتفاع حلال نہیں ہے۔

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حنفیہ کے نزدیک خبث کی کئی قسمیں ہیں ایک خبث محل، ایک خبث بدل، ایک خبث کسب، زیر بحث مسئلے میں خبث کسب پایا جا رہا ہے کیونکہ ناجائز طریقے سے ایک چیز حاصل کی گئی ہے اور اس کے حاصل کرنے کا طریقہ حرام اختیار کیا گیا ہے اگرچہ وہ چیز ملک میں آگئی ہے لیکن اس سے انتفاع حلال نہیں جب تک حلال طریقے سے دوبارہ اپنی ملکیت میں نہ لائے۔

العرف الشذی میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں یہ کہتا ہوں کہ یہ خبث صرف ایک مرتبہ کا نہیں ہے بلکہ ہمیشہ کا ہے مسمتر ہوگا اس کا مطلب یہی ہے کہ اس کے لیے انتفاع جائز نہیں ہے۔

حضرت علی بنی اللہ کا جو واقعہ ابھی بیان کیا اس کی تفصیل علامہ خفاف رحمہ اللہ کی کتاب ادب القضاء کی شرح میں علامہ صدر الشہید رحمہ اللہ نے نقل کی ہے کہ جب حضرت علی بنی اللہ نے اس عورت کو یہ فرمایا کہ شاہداک زوجا ک یعنی تیرے گواہوں نے تیرا نکاح کر دیا اس لیے دوبارہ نکاح نہیں کرتا چنانچہ اس عورت اور مدعی نے وہاں سے واپس جانے کے بعد نکاح کر لیا یہ الفاظ آئے ہیں فتزوجا۔

حضرت علی بنی اللہ نے نکاح کرنے سے کیوں انکار کیا؟ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اس عورت نے فیصلہ سننے کے بعد حضرت علی بنی اللہ سے یہ کہا کہ اب میرا نکاح اس شخص سے کر دیجئے تو آپ نے نکاح کیوں نہیں کیا؟

جواب: یہ ہے کہ اگر اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ خود دوبارہ نکاح کرتے تو یہ نکاح کرنا گویا ان کی طرف سے اس بات کا اعتراف ہوتا کہ میں نے یہ فیصلہ غلط کیا کیونکہ جب ایک مرتبہ فیصلہ نافذ ہو گیا کہ وہ عورت اس کی منکوحہ ہے تو پھر دوبارہ نکاح کرنے کے تو کوئی معنی نہیں ہیں اس لیے قاضی خود دوبارہ نکاح نہیں کر سکتا لیکن خود اس شخص کے ذمے دیانۃً فیما بینہ و بین اللہ یہ واجب ہے کہ پہلے عقد کو طلاق کے ذریعہ ختم کرے اور پھر از سر نو دوبارہ نکاح کرے اس لیے اس مرد اور عورت نے دوبارہ نکاح کیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَنَّ الْبَيِّنَةَ عَلَى الْمُدَّعِي وَالْيَمِينَ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ

باب: گواہ مدعی کے ذمے اور قسم مدعی علیہ کے ذمے

عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَاثِلٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِّنْ حَضْرَمَوْتَ وَرَجُلٌ مِّنْ كِنْدَةَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ الْحَضْرَمِيُّ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِنَّ هَذَا غَلَبَنِي عَلَى أَرْضِي فَقَالَ الْكِنْدِيُّ هِيَ أَرْضِي وَفِي يَدَيَّ لَيْسَ لَهُ فِيهَا حَقٌّ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِلْحَضْرَمِيِّ أَلَيْكَ بَيِّنَةٌ قَالَ فَلَكَ يَمِينُهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِنَّ الرَّجُلَ فَاجِرٌ لَا يُبَالِي عَلَى مَا حَلَفَ عَلَيْهِ وَلَيْسَ يَتَوَرَّعُ مِنْ شَيْءٍ قَالَ لَيْسَ لَكَ مِنْهُ إِلَّا ذَلِكَ قَالَ فَاذْطَلَقَ الرَّجُلَ لِيُحْلِفَ لَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَهَا أَذْبَرَ لِيْنُ حَلَفَ عَلَى مَا لَكَ يَا كَلْبُ ظُلْمًا لِيَلْقَيْنَ اللَّهَ وَهُوَ عَنْهُ مُعْرِضٌ.

ترجمہ: حضرت علقمہ بن واثل اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ حضرموت اور کندہ سے ایک ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرمی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس نے میری زمین پر قبضہ کر لیا ہے جبکہ کندی نے عرض کیا۔ وہ میری زمین ہے، میرے ہاتھ میں ہے کسی کا اس پر کوئی حق نہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرمی سے پوچھا: کیا تمہارے پاس گواہ ہیں؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا: پھر تم اس سے قسم لے سکتے ہو۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ تو فاجر آدمی ہے قسم اٹھالے گا پھر اس میں پرہیزگاری بھی نہیں۔ فرمایا تم اس سے قسم کے علاوہ کچھ بھی نہیں لے سکتے۔ پس اس نے قسم کھائی اور جانے کے لیے مڑا۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر اس نے تیرے مال پر قسم کھائی تاکہ اسے ظلماً کھائے تو وہ اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن اس حالت میں ملاقات کرے گا کہ وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) اس کی طرف توجہ نہیں فرمائے گا۔

مذہب فقہاء: اس باب میں اور آئندہ باب میں یہ مسئلہ ہے کہ قاضی کس طرح فیصلہ کرے گا؟

احناف کے نزدیک فیصلہ کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ پہلے قاضی مدعی سے گواہ طلب کرے اگر وہ گواہ پیش کر دے تو قاضی ان کا تزکیہ کرے اگر وہ قابل اعتماد ہوں تو قاضی مدعی کے حق میں فیصلہ کر دے اور مدعی گواہ پیش نہ کر سکے یا ناقص پیش کرے یا وہ ناقابل اعتماد نہ ہوں تو وہ گواہ کا عدم قرار دیے جائیں اور قاضی مدعی علیہ کو قسم کھلائے اگر وہ قسم کھانے سے انکار کرے تو مدعی کے حق میں فیصلہ کرے اور اگر وہ قسم کھالے تو اس کے حق میں فیصلہ کرے حنفیہ کے نزدیک فیصلہ کرنے کا یہی ایک طریقہ ہے۔

اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک ایک دوسرا طریقہ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ مدعی کے پاس صرف ایک گواہ ہو اور وہ قابل اعتماد ہو تو قاضی مدعی سے دوسرے گواہ کی جگہ قسم لے پھر اس کے حق میں فیصلہ کرے اس کا نام قضاء القاضی بشاہد واحد و یحییٰ ہے

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی دلیل دوسرے باب میں آرہی ہے اس باب میں حنفیہ کی دلیل ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گواہ مدعی کے ذمے ہیں اور قسم مدعی علیہ کے ذمہ ہے (یہ حدیث باب میں ہے) اس حدیث میں نبی ﷺ نے تقسیم فرمائی ہے پس گواہ اور قسم جمع نہیں ہوں گے یہ تقسیم کے منافی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْيَمِينِ مَعَ الشَّاهِدِ

باب ۱۳: ایک گواہ کے ہمراہ قسم اٹھانا

(۱۲۶۳) قَضَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِالْيَمِينِ مَعَ الشَّاهِدِ الْوَاحِدِ قَالَ رَبِيعَةُ وَأَخْبَرَنِي ابْنُ لِسْعَدٍ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ وَجَدْنَا فِي كِتَابِ سَعْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَضَى بِالْيَمِينِ مَعَ الشَّاهِدِ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے ایک گواہ کے ہمراہ قسم کے ذریعے فیصلہ کر دیا تھا۔ ربیعہ نامی راوی بیان کرتے ہیں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے نے یہ بات مجھے بتائی ہے، وہ یہ فرماتے ہیں میں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی تحریر میں یہ بات پائی ہے: نبی اکرم ﷺ نے ایک گواہ اور قسم کے ذریعے فیصلہ دیا تھا۔

(۱۲۶۴) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَضَى بِالْيَمِينِ مَعَ الشَّاهِدِ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے ایک گواہ کے ہمراہ قسم کے ذریعے فیصلہ کر دیا تھا۔

(۱۲۶۵) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَضَى بِالْيَمِينِ مَعَ الشَّاهِدِ الْوَاحِدِ قَالَ وَقَضَى بِهَا عَلَيَّ فِيكُمْ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے ایک گواہ کے ہمراہ قسم کے ذریعے فیصلہ کر دیا تھا۔

مذہب فقہاء: ① امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک: یہ ہے کہ مدعی کے لیے اپنے دعویٰ کے ثبوت پر دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی پیش کرنا ضروری ہے اگر مدعی نے صرف ایک گواہ پیش کیا تو صرف تنہا ایک گواہ کی گواہی پر فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ چاہے مدعی قسم کھانے کو بھی تیار ہو۔

② کہ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک قضاء بالشاہد والیمن جائز ہے اور حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں۔

احناف کی دلیل: ① قرآن کریم کی آیت سے استدلال کرتے ہیں فرمایا: ﴿وَأَشْهِدُوا ذَوَىٰ عَدْلٍ مِّنكُمْ﴾ (الطلاق: ۲) ان دونوں آیتوں میں گواہوں کے لیے تشنیہ کا صیغہ استعمال فرمایا جو اس بات کی دلیل ہے کہ نصاب شہادت دو مرد ہیں یا ایک مرد اور دو عورتیں ہیں اس بارے میں کوئی مزید تفصیل قرآن کریم میں بیان نہیں فرمائی۔ مستقل طور پر نصاب شہادت بیان فرمایا۔

دوسری آیت میں ارشاد ہے: ﴿وَأَشْهِدُوا ذَوَىٰ عَدْلٍ مِّنكُمْ﴾ (الطلاق: ۲) ان دونوں آیتوں میں گواہوں کے لیے تشنیہ کا صیغہ استعمال فرمایا جو اس بات کی دلیل ہے کہ نصاب شہادت دو مرد ہیں یا ایک مرد اور دو عورتیں ہیں اس بارے میں کوئی مزید تفصیل قرآن کریم میں بیان نہیں فرمائی۔ مستقل طور پر نصاب شہادت بیان فرمایا۔

دوسرا استدلال: پچھلے باب کی اس حدیث سے ہے: البنية على المدعى واليمين على المدعى عليه اس حدیث میں حضور ﷺ نے بینہ پیش کرنا مدعی کی ذمہ داری اور اس کا وظیفہ قرار دیا ہے اور یمین مدعا علیہ کا وظیفہ قرار دیا گویا کہ دونوں کے وظائف

کی تقسیم فرمادی اور تقسیم شرکت کے منافی ہے لہذا مدعا علیہ سے بینہ اور گواہ کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا اور مدعی سے یحیٰ بن کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا جبکہ قضاء بالشاہد والیمین میں مدعی سے یحیٰ بن کا مطالبہ کیا جاتا ہے جو اس حدیث کے خلاف ہے۔

تیسری دلیل: وہ واقعہ ہے جو نسائی اور ابو داؤد میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ایک اعرابی سے ایک اونٹ خریدا اور پیسے طے ہو گئے پھر آپ نے اس اعرابی سے فرمایا کہ میرے ساتھ گھر چلو گھر سے تمہیں پیسے دے دوں گا چنانچہ آپ تیزی سے آگے آگے گھر کی طرف روانہ ہو گئے اور وہ اعرابی آپ کے پیچھے اونٹ کو لیے ہوئے ست رفتاری سے چلنے لگا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضور ﷺ زیادہ آگے نکل گئے اور وہ اعرابی پیچھے رہ گیا راستے میں اس کو کچھ لوگ ملے اور اس سے اونٹ کا سودا کرنے لگے اعرابی نے دور سے حضور ﷺ کو پکارتے ہوئے کہا آپ اونٹ خرید رہے ہو یا میں دوسرے کو فروخت کر دوں؟ آپ نے فرمایا کہ میں یہ اونٹ تم سے خرید چکا ہوں اور پیسے ادا کرنے کے لیے گھر کی طرف جا رہا ہوں کیا میں نے تم سے یہ اونٹ نہیں خرید لیا؟ اس اعرابی نے کہا کہ آپ نے ابھی نہیں خریدا اور اگر آپ نے خریدا ہے تو کوئی گواہ لائیں اتنے میں حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ جو انصاری صحابی رضی اللہ عنہ وہاں پہنچ گئے اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ حضور ﷺ نے یہ اونٹ خریدا ہے آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم نے کیسے گواہی دے دی جبکہ تم اس وقت موجود نہیں تھے؟ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا یا رسول اللہ ﷺ! میں نے تو اس سے بڑی بات میں آپ ﷺ کی تصدیق کی ہے وہ یہ کہ آپ کے پاس جبریل امین علیہ السلام آتے ہیں آپ کے پاس وحی آتی ہے آپ نے جنت اور دوزخ دیکھی ہے میں نے ان باتوں میں آپ کی تصدیق کی ہے ان کے مقابلے میں یہ تو بالکل معمولی بات ہے چونکہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے یہ اونٹ خریدا ہے بس اس پر میں نے گواہی دے دی حضور ﷺ نے ان کے اس جذبے کی قدر کرتے ہوئے فرمایا کہ آئندہ تمہاری گواہی دو آدمیوں کے قائم مقام ہوگی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کو صحابہ کرام میں امتیازی مقام حاصل تھا کہ ان کی ایک آدمی کی گواہی دو آدمیوں کی گواہی کے قائم مقام تھی اس وجہ سے ان کا لقب صاحب الشہادتین مشہور ہو گیا تھا۔

یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ نصاب شہادت دو آدمی ہیں اگر ایک آدمی کی گواہی کافی ہوتی تو حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی کوئی امتیازی خصوصیت نہ ہوتی ان کی خصوصیت اسی وقت ہو سکتی ہے جب یہ کہا جائے کہ دوسرے لوگوں سے تو دو گواہوں کا مطالبہ ہے لیکن حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کو گواہی کے معاملے میں دو آدمیوں کے قائم مقام قرار دیے دیا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ بینہ میں نصاب شہادت کا پورا ہونا ضروری ہے۔

لیکن بعض حالات ایسے ہوتے ہیں جن میں پورا نصاب شہادت مہیا کرنا ممکن نہیں ہوتا مثلاً جنگل اور بیابان میں ایک معاملہ ہوا اب ظاہر ہے کہ وہاں نصاب شہادت کا پورا کرنا مشکل ہے تو ایسے خاص اعذار کی حالت میں جن کے بارے میں یقینی طور پر یہ معلوم ہو کہ وہاں تخیل شہادت کے وقت ایک سے زائد افراد کو گواہ بنانا ممکن نہیں تھا ان مقامات پر حضور ﷺ نے قضاء بالشاہد والیمین کی اجازت دی ہے یہ ایک استثنائی صورت ہے اور حدیث باب کے ذریعہ اس صورت کو اصل حکم سے مستثنیٰ کیا گیا ہے۔

حنفیہ کا یہ جو اصول ہے کہ خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی نہیں ہو سکتی:

اس کا مطلب یہ ہے کہ خبر واحد سے کتاب اللہ کے حکم کو بالکل منسوخ کرنا یا کتاب اللہ کے حکم میں خبر واحد سے تفسیر یا تخصیص پیدا کرنا تو درست نہیں لیکن اگر کوئی مستقل مسئلہ ہے جو قرآن کریم میں مسکوت عنہ ہے اس مسکوت عنہ کو اگر خبر واحد بیان کر دے تو

اس کو قرآن کریم پر زیادتی نہیں کہتے خود فقہاء حنفیہ نے اس کی تصریح کی ہے لہذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ عذر کی حالت میں نصاب شہادت کیا ہو؟ یہ صورت قرآن کریم میں مسکوت عنہ تھی حدیث باب نے اس کو بیان فرمادیا۔ جس کی وجہ سے نہ تو قرآن کریم کے حکم کی تنسیخ ہوئی اور نہ اس کی وجہ سے تشدید اور تخصیص ہوئی اس طرح حضور ﷺ نے عذر کی حالت میں قضاء بالشاہد والیمین کی اجازت دے دی ہے۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ بعض معاملات میں نہ صرف ایک مرد کی بلکہ ایک عورت کی گواہی بھی قبول ہے مثلاً ایسے عیوب جن پر عورتوں کے علاوہ کوئی اور مطلع نہیں ہوتا ان میں ایک عورت کی گواہی قبول ہے اسی طرح بچے کی پیدائش پر صرف دایہ کی گواہی بھی قبول ہے۔ اور قبول کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ صورتیں قرآن کریم میں مسکوت عنہم ہیں اور قیاس کی بنیاد پر ایسی صورتوں کا استثناء ہو سکتا ہے تو حدیث کی بنیاد پر بطریق اولیٰ استثناء ہو سکتا ہے لہذا عذر کی حالت میں شاہد اور یمین کی بنیاد پر فیصلہ کرنے کی گنجائش ہے۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی دلیل: یہی احادیث ہیں رحمہم اللہ حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ الخ تینوں کا قدر مشترک یہ ہے: قضی بیمین واحد وشاہد نبی کریم ﷺ نے مدعی کے ایک گواہ موجود ہونے کی صورت میں مدعی سے قسم لی اور اس قسم کو دوسرے گواہ کے قائم مقام سمجھ کر مدعی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔

جواب ①: حدیث البینۃ علی المدعی یہ مشہور تو ہے ہی بلکہ قریب الی التواتر ہے اور قضی بیمین وشاہد والی جتنی بھی احادیث ہیں وہ سب کی سب خبر واحد ہیں لہذا مشہور بلکہ قریب الی التواتر کے معارض جو خبر واحد ہو وہ متروک العمل ہوتی ہے۔

جواب ②: یہ آیت قرآنیہ کے بھی معارض ہے: ﴿فَإِنْ لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَوَجُلٌ وَامْرَأَتَيْنِ...﴾ الخ یہ اس بات پر دال ہے کہ اگر مدعی کے پاس دو مرد گواہ نہ ہوں بلکہ ایک مرد ہو تو دو عورتیں دوسرے گواہ کی جگہ گواہی دیں اگر دوسرے گواہ کی ضرورت نہ ہوتی ایک کے ہوتے ہوئے مدعی سے قسم لی جاسکتی تو اتنی لمبی چوڑی عبارت کی ضرورت نہیں تھی۔ بلکہ یوں ہونا چاہیے تھا: فان لم یكونا رجلین فاقضوا بیمین مع بیئۃ۔ چنانچہ ابوالزناد اور ابن شبرمہ کا اسی پر مناظرۃ ہوا ابوالزناد کی رائے یہ تھی قضی بیمین وشاہد جائز ہے اور ابن شبرمہ کی رائے یہ تھی کہ لا یموز اور اس پر ابن شبرمہ رحمہم اللہ نے یہی دلیل پیش کی کہ اگر قسم ایک گواہ کے قائم مقام ہے تو آیت کریمہ یوں ہونی چاہیے تھی فان لم یكونا رجلین فرجل ویمین تو اتنی لمبی چوڑی آیت نہ ہوتی۔

جواب ③: البینۃ علی المدعی الخ قولی حدیث ہے اور یہ فعلی ہے الخ۔

جواب ④: البینۃ علی المدعی... الخ یہ قاعدہ کلیہ ہے اور قضی بیمین وشاہد ایک واقعہ جزئیہ ہے اور مسئلہ کی بناء قاعدہ کلیہ پر رکھنی چاہئے نہ کہ واقعہ جزئیہ پر۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعَبْدِ يَكُونُ بَيْنَ رَجُلَيْنِ فَيَعْتِقُ أَحَدَهُمَا نَصِيبَهُ

باب ۱۴: وہ غلام جو دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو اور ان میں سے ایک اپنا حصہ آزاد کر دے

(۱۲۶۶) مَنْ أَعْتَقَ نَصِيبًا أَوْ قَالَ شَقِصًا أَوْ قَالَ شَرْكَالَهُ فِي عَبْدٍ فَكَانَ لَهُ مِنَ الْمَالِ مَا يَبْلُغُ ثَمَنَهُ بِقِيَمَةِ الْعَدْلِ فَهُوَ عَتِيقٌ وَإِلَّا فَقَدْ مِنْهُ مَا عَتَقَ.

ترجمہ: جو شخص اپنے حصے کو آزاد کر دے (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) ایک حصے کو آزاد کر دے (راوی کو شک ہے، یا شاید یہ الفاظ ہیں) کسی غلام میں اپنے حصے کو آزاد کر دے اور اس کے پاس اتنا مال موجود ہو جو اس غلام کی عام قیمت تک پہنچتا ہو تو وہ غلام (اس شخص کی طرف سے) آزاد شمار ہوگا ورنہ اتنا حصہ آزاد ہوگا جتنا اس نے کیا ہے۔

(۱۲۶۷) مَنْ أَعْتَقَ نَصِيبًا لَهُ فِي عَبْدٍ فَكَانَ لَهُ مِنَ الْمَالِ مَا يَبْلُغُ ثَمَنَهُ فَهُوَ عَتِيقٌ مِنْ مَالِهِ.

ترجمہ: جو شخص کسی غلام میں اپنے حصے کو آزاد کر دے اور اس کے پاس اتنا مال موجود ہو کہ وہ اس غلام کی قیمت تک پہنچتا ہو، تو وہ غلام اس شخص کے مال میں سے آزاد شمار ہوگا۔

(۱۲۶۸) مَنْ أَعْتَقَ نَصِيبًا أَوْ قَالَ شَقْصًا فِي مَمْلُوكٍ فَخَلَّصَهُ فِي مَالِهِ إِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ قَوْمَ قِيَمَةِ عَدْلٍ ثُمَّ يُسْتَسْعَى فِي نَصِيبِ الذِّمِّيِّ لَمْ يُعْتَقْ غَيْرَ مَشْقُوقٍ عَلَيْهِ.

ترجمہ: جو شخص کسی غلام میں (اپنے) حصے کو آزاد کر دے تو اس غلام کی آزادی اس شخص کے مال میں سے ہوگی اگر اس شخص کے پاس مال موجود ہو اگر اس کے پاس مال موجود نہیں ہوگا تو اس غلام کی مناسب قیمت لگائی جائے گی پھر وہ اپنے اس بقیہ حصے کے لئے محنت مزدوری کرے گا جو آزاد نہیں ہوا، اس بارے میں اس کو مشقت کا شکار نہیں کیا جائے گا۔

تشریح: ابواب الاحکام پورے ہو گئے اب پھر ابواب البیوع یعنی ابواب المعاملات شروع ہوتے ہیں۔

اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی غلام دو یا زیادہ آدمیوں کے درمیان مشترک ہو اور ان میں سے کوئی ایک شریک اپنا حصہ آزاد کر دے تو کیا صرف اسی کا حصہ آزاد ہوگا یا سارا غلام آزاد ہو جائے گا؟ اس سلسلہ میں پہلے دو مسئلے جان لیں۔

پہلا مسئلہ: عتق متجری ہوتا ہے یا نہیں؟ ① امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک عتق ہر حال میں متجری ہوتا ہے۔

② صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک کسی حال میں متجری نہیں ہوتا۔

③ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک کبھی متجری ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔

عوض: امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک عتق ہر حال میں متجری ہوتا ہے اور صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک کسی حال میں متجری نہیں ہوتا اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک اگر آزاد کرنے والا مالدار ہے تو عتق متجری نہیں ہوتا یعنی اس صورت میں سارا غلام آزاد ہو جاتا ہے اور اگر آزاد کرنے والا غریب ہے تو صرف اسی کا حصہ آزاد ہوتا ہے اس صورت میں عتق متجری ہوتا ہے۔

دوسرا مسئلہ: جن ائمہ کے نزدیک عتق متجری ہوتا ہے ان میں اختلاف ہے کہ دوسرے شریک کا حصہ غلامی میں برقرار رہے گا یا وہ بھی ثانی حال میں (بعد) میں آزاد ہو جائے گا؟

① امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک اب وہ غلام غلامی میں باقی نہیں رہ سکتا۔

② ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک دوسرے شریک کا حصہ بدستور غلامی میں باقی رہے گا اور یہیں سے اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہو گیا کہ

غلام پر سعاہ (کمانا) ہے یا نہیں؟ احناف کے تینوں ائمہ رحمہم اللہ سعاہ کے قائل ہیں اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ سعاہ کے قائل نہیں۔

اور تین مذاہب ہیں:

① امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عتق تجزی کو قبول کرتا ہے اور بعض صورتوں میں غلام پر سعا یہ بھی واجب ہوتا ہے۔ وہ اس طرح کہ ایک غلام دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو ایک شریک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا اب وہ معتق دو حال سے خالی نہیں معسر ہے یا موسر۔ اگر موسر ہے تو شریک ساتھی کو تین باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے۔ ① وہ اپنا حصہ بھی آزاد کر دے۔ ② معتق پر ضمانت لازم کر دے۔ ③ غلام سے سعا یہ کرائے اور اگر معتق معسر ہے تو اس صورت میں شریک ساتھ کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے: (۱) اپنا حصہ آزاد کر دے۔ (۲) غلام سے سعا یہ کرائے۔

دلیل اول: زیر بحث باب کی روایت ہے: وفيه فقد عتق منه ما عتق اس میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ معتق نے جتنا غلام آزاد کیا اتنا ہی آزاد ہوا اس سے معلوم ہوا کہ عتق کے اندر تجزی ہو سکتی ہے۔

دلیل ثانی: زیر بحث باب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وفيه ثم يستسعى في النصيب الذي لم يعتق غير مشقوق عليه اس جملے کے اندر صراحت یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اگر معتق تنگ دست ہے تو غلام سے سعا یہ کرایا جائے گا۔

② امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر معتق موسر ہے تو اس صورت میں عتق تجزی کو قبول نہیں کرتا بلکہ معتق پر ضمانت لازم ہوگی اور غلام آزاد ہو جائے گا اور اگر معتق معسر ہے تو اس صورت میں عتق تجزی کو قبول کرتا ہے اور ان کے نزدیک غلام پر سعا یہ نہیں ہوگا اور یہ غلام ایک دن آزاد ہوگا اور ایک دن غلامی کرے گا۔

③ صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک عتق تجزی کو قبول نہیں کرتا اگر معتق موسر ہے تو اس پر ضمانت لازم ہوگی اور اگر معسر ہے تو غلام پر سعا یہ واجب ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعُمَرَى

باب ۱۵: لفظ عمری سے جائداد دینے کا بیان

(۱۲۶۹) الْعُمَرَى جَائِزَةٌ لَا هِلَهَا أَوْ مِيرَاثٌ لَا هِلَهَا.

ترجمہ: حضرت سرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عمری اس کے مالکان کے لئے جائز ہے (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) جن کے لئے کیا گیا ہے ان کو میراث (کے طور پر) ملے گا۔

(۱۲۷۰) أَيْمَانُ رَجُلٍ أَعْمَرَ عُمَرَى لَهُ وَلَعَقِبِهِ فَإِنَّهَا لِلَّذِي يُعْطَاهَا لَا تَرْجِعُ إِلَى الَّذِي أَعْطَاهَا لِأَنَّهُ أَعْطَى عَطَاءً وَقَعَتْ فِيهِ الْمَوَارِثُ.

ترجمہ: جس شخص کو کوئی چیز عمری کے طور پر دی گئی ہو، تو وہ اس کی ملکیت ہوگی یا پسماندگان کی ملکیت ہوگی بے شک وہ چیز اس کی ہوگی جسے دی گئی ہے، جس شخص نے دی ہے، وہ اسے واپس نہیں لے سکتا کیونکہ اس نے اس طریقے سے دی ہے: جس میں وراثت کا حکم جاری ہو جائے گا۔

تشریح: یہ دو باب آپ کے کام کے نہیں ہیں یہ دونوں باب عربی معاشرہ کے لیے ہیں جہاں عربی بولی جاتی ہے دولفظ ہیں عمری اور رقبی جب کوئی شخص کسی کو کوئی جائداد دے اور یہ الفاظ استعمال کرے مثلاً کہے: **هذه الدار لك عمري** یا کہے **هذه الدار لك رقبی** یا کہے **اعمرك هذه الدار** یا کہے **ارقتك هذه الدار** تو یہ ہبہ ہے یا عاریت ہے؟

جواب اس کا مدار عرف پر ہے اگر عرف میں ان لفظوں کا مفہوم ہبہ ہے تو جائداد ہبہ ہے اور معمرلہ (جس کو ہبہ کیا گیا ہے) اس جائداد کا مالک ہوگا اور اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء مالک ہونگے اور اگر ان لفظوں کا مفہوم عاریت ہے تو معمر زندگی بھر اس جائداد سے فائدہ اٹھائے گا اس کی وفات کے بعد وہ جائداد معمر (جائداد دینے والے) یا اس کے ورثاء کی طرف لوٹ آئے گی اور اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف عرف پر مبنی ہے کیونکہ عرف بدلتا رہتا ہے۔

اس باب میں عمری کا بیان ہے۔ عمری کی تین صورتیں ہیں جو آدمی عمری دے اس کو معمر کہتے ہیں اور جس آدمی کو عمری دیا جائے اس سے معمرلہ کہتے ہیں اور جو چیز دی جائے اس سے عمری کہتے ہیں:

① معمر کہے **اعمرك هذه الدار** وہی **لك ولعقبك** یعنی یہ گھر تمہیں عمری کے طور پر دے دیا یہ تمہارا اور تمہارے وارثوں کا ہے۔
② معمر کہے **داري لك عمري** ماعشت فان مت فھی راجعة الی یعنی میں اپنا گھر تمہیں عمری کے طور پر دیتا ہوں جب تک تم زندہ ہو اور جب تمہارا انتقال ہو جائے تو میرے پاس واپس آ جائے گا۔

③ معمر کہے **اعمرك هذه الدار** کہ میں نے عمری کے طور پر اپنا یہ گھر دیدیا اور یہ تصریح نہ کی کہ معمرلہ کے مرنے کے بعد کیا ہوگا؟
عمری کا حکم کیا ہے؟ اس میں اختلاف ہے اور دو مذاہب ہیں:

① امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک تینوں صورتوں میں عمری عاریت پر محمول ہے پہلی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ معمرلہ کے مرنے کے بعد ورثاء اس سے نفع حاصل کر سکتے ہیں جبکہ ملکیت ان کی طرف منتقل نہیں ہوگی دوسری صورت میں معمر نے تصریح کر دی ہے کہ معمرلہ کے مرنے کے بعد وہ میرا ہوگا اور تیسری مطلق ہے وہ بھی اسی پر محمول ہوگی۔

دلیل: امام مالک رحمہ اللہ کا استدلال زیر بحث باب کی روایت سے ہے: **وفيه العمري جائز لا اهلها نبی ﷺ** نے ان الفاظ کے ذریعہ عمری کو جائز قرار دیا اور اس زمانے میں عمری کا مفہوم یہ تھا کہ عمری عاریت ہے ہبہ نہیں اور عاریت کسی نہ کسی وقت واپس آ جاتی ہے تو گویا عمری کا عاریت ہونا تقریر رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔

جواب: اس حدیث کا یہ مطلب نہیں بلکہ اس حدیث کا صحیح مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا آئندہ جو بھی آدمی عمری کرے گا وہ ہبہ سمجھا جائے گا اس باب کی دیگر روایات کے مضمون سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔

② ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک عمری تینوں صورتوں میں ہبہ ہے پہلی صورت میں اس کا ہبہ ہونا بالکل ظاہر ہے دوسری صورت میں اس لیے ہبہ ہوگا کہ واپسی کی شرط فاسد ہے عمری صحیح ہو جائے گی اور شرط لغو ہو جائے گی جب اس صورت میں ہبہ ہے تو تیسری صورت میں بطریق اولی ہبہ ہوگا۔

دلیل: ان کا استدلال زیر بحث باب کی روایت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے جس میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس آدمی کو لہ ولعقبہ کہہ کر عمری دیا گیا تو وہ اس شخص کا ہوگا جس کو دیا گیا ہے اب وہ دینے والے کی طرف کبھی نہیں لوٹے

گا اور اس کے مرنے کے بعد اس میں میراث جاری ہوگی اس سے معلوم ہوا کہ عمری ہبہ ہے اور وہ معمر کی طرف نہیں لوٹے گا۔ اور مسند احمد کی ایک حدیث میں اس سے بھی زیادہ صریح الفاظ ہیں وہ یہ کہ لا تفسدوا علیکم اموالکم من اعمار عمری فہی لہ ولورثتہ یعنی اپنے اموال کو خراب مت کرو اور جو شخص آئندہ کرے گا وہ اس کو اور اس کے ورثاء کو ملے گا ان احادیث سے صاف واضح ہو رہا ہے۔ کہ حضور ﷺ نے سابقہ رائج طریقے کی تقریر نہیں فرمائی بلکہ اس میں تبدیلی فرمائی اور اس کو عاریت کی بجائے آپ ﷺ نے ہبہ قرار دیا۔

البتہ یہ سارا اختلاف اور ساری تفصیل اس وقت ہے جب کوئی شخص صرف عمری کا لفظ تنہا استعمال کرے مثلاً یوں کہے: اعمر تک هذه الدار یا داری لك عمری لیکن اگر کوئی عمری کی بجائے دوسرے الفاظ استعمال کرے مثلاً یہ کہے: داری لك ماعشت تو اس صورت میں بڑھاد یا تو اس صورت میں بھی عاریت ہے ہبہ نہیں ہے اس لیے معمر لہ کے انتقال کے بعد وہ مکان معمر کی طرف لوٹ آئے گا۔

امام ترمذی کا تسامح: یہاں پر امام ترمذی رحمہ اللہ نے مذاہب کے بیان کرنے میں تھوڑا سا خلط کر دیا ہے، پہلی صورت جس میں یہ الفاظ کہے: ہی لك حیاتك ولعقبك۔

اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ہبہ ہو جائے گا حالانکہ صحیح یہ ہے کہ اس صورت میں بھی ہبہ نہیں ہوگا بلکہ عاریت ہوگا اور صرف منفعت منتقل ہو جائے گی یہ بھی اس وقت تک عاریت ہوگا جب تک ورثا باقی رہیں گے اور جب ورثا کا انتقال ہو جائے گا تو اس کے بعد وہ مکان معمر یا اس کے ورثا کو واپس مل جائے گا امام ترمذی رحمہ اللہ سے ایک تسامح تو یہ ہوا۔ دوسرا تسامح یہ ہوا کہ اوپر کی عبارت سے معلوم ہو رہا ہے کہ اگر معمر نے ولعقبہ نہیں کہا تو اس صورت میں امام شافعی رحمہ اللہ کے قول کے مطابق وہ مکان معمر کی طرف واپس لوٹ جائے گا حالانکہ امام شافعی رحمہ اللہ کا صحیح قول یہ ہے کہ واپس لوٹ کر نہیں جائے گا بلکہ ہر حال میں ہبہ منعقد ہو جائے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّقْبَى

باب ۱۶: لفظ رقبی سے جائداد دینے کا حکم

(۱۷۷۱) الْعُمَرَى جَائِزَةٌ لِأَهْلِهَا وَالرُّقْبَى جَائِزَةٌ لِأَهْلِهَا.

ترجمہ: جس شخص کو عمری کے طور پر کوئی چیز دی گئی ہو یہ اس کے لئے جائز ہے اور جس شخص کو رقبی کے طور پر کوئی چیز دی گئی ہو یہ اس کے لئے جائز ہے۔

تشریح: رقبی کے بارے میں فقہاء کا اختلاف: امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا حکم عاریت کا ہے اور امام شافعی اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس سے ہبہ منعقد ہو جائے گا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب یہ ہے کہ رقبی باطل ہے یعنی یہ الفاظ کہنے سے کوئی فرق واقع نہیں ہوگا اور وہ مکان بدستور رقبی کرنے والے کی ملکیت میں رہے گا وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ صورت عذر کو متلزم ہے جب تک ان

دونوں میں سے ایک کا انتقال نہیں ہوگا اس وقت تک یہ معاملہ لٹکا رہے گا لہذا غدر پائے جانے کی وجہ سے یہ معاملہ باطل ہے جہاں تک حدیث باب کا تعلق ہے جس میں فرمایا کہ الرقبی جائزۃ لاهلہا اس کے معنی وہ نہیں ہیں جو آپ نے بیان کیے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے یہ کہا: ارقبتک هذه الدار تو اس کے معنی یہ ہیں اعطیتک رقبة هذه الدار یعنی یہ مکان پوی زمین سمیت تمہیں دے دیا ہے اسکے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ الرقبی جائزۃ لاهلہا لہذا اگر کوئی شخص ارقبتک کے لفظ سے ہبہ کرے گا تو عمری کی طرح ہبہ منعقد ہو جائے گا لیکن جہاں رقبی کے وہ معنی مراد ہوں جس میں غدر پایا جاتا ہو تو وہ رقبی باطل ہے۔

بَابُ مَا ذَكَرَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي الصَّلْحِ بَيْنَ النَّاسِ

باب ۱۷: لوگوں کے درمیان صلح کرنے کا بیان

(۱۲۷۲) الصَّلْحُ جَائِزٌ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ إِلَّا صَلْحًا حَرَّمَ حَلَالًا أَوْ أَحَلَّ حَرَامًا وَالْمُسْلِمُونَ عَلَى شُرُوطِهِمْ إِلَّا شَرْطًا حَرَّمَ حَلَالًا أَوْ أَحَلَّ حَرَامًا.

توضیح: لوگوں کے درمیان صلح کروانا جائز ہے صرف اس صلح کا حکم مختلف ہے جو کسی حلال کو حرام کر دے یا کسی حرام کو حلال کر دے اور مسلمان اپنی شرائط پوری کریں گے ماسوائے اس شرط کے جو کسی حلال کو حرام کر دے یا حرام کو حلال کر دے۔
تشریح: اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ جب مسلمان کسی جھگڑے میں باہمی مصالحت کریں تو وہ جن شرطوں پر بھی مصالحت کریں جائز ہے البتہ حکم شریعت کے خلاف کوئی مصالحت جائز نہیں بس اس ایک بات کا خیال رکھ کر ہر شرط پر مصالحت جائز ہے اور ہر فریق پر ان شرطوں کو پورا کرنا لازم ہے جو شریعت کے خلاف نہیں۔

صلح کی تین قسمیں ہیں: ① صلح عن الاقرار ② صلح عن السکوت ③ صلح عن الانکار۔

صلح عن الاقرار: یہ ہے کہ مدعی علیہ مدعی کے حق کا اقرار کر لیتا ہے۔ صلح عن السکوت یہ ہے کہ مدعی علیہ مدعی کے حق کا نہ اقرار کرتا ہے اور نہ انکار کرتا ہے۔

صلح عن الانکار: یہ ہے کہ مدعی علیہ مدعی کے حق کا انکار کر دے عند الاحناف تینوں صورتوں میں صلح صحیح ہے اور شوافع کے ہاں صلح عن الاقرار تو صحیح ہے لیکن صلح عن السکوت اور صلح عن الانکار صحیح نہیں ہیں اور ظاہر ہے کہ جب مدعی علیہ کے حق کو تسلیم نہیں کر رہا یا سکوت اختیار کر رہا ہے مدعی علیہ کے لیے صلح سے پہلے وہ مال لینا جائز نہیں تھا اب صلح کر لی تو وہ مال جو پہلے لینا حرام تھا اب اس کو حلال کیا ہے اور حدیث میں اس سے منع کیا گیا ہے معلوم ہوا کہ صلح عن السکوت اور صلح عن الانکار صحیح نہیں ہیں۔

جواب: حرام سے مطلق حرام مراد نہیں ہے بلکہ حرام بعینہ مراد ہے مثلاً مدعی علیہ کہے میں صلح کرتا ہوں اس شرط کے ساتھ کہ اتنی شراب دی جائے گی یا تو زوجہ کہے کہ میں صلح کروں گی اس شرط پر کہ تم سوکن کے قریب نہ جاؤ گے وہ حدیث کا مصداق ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَضَعُ عَلَى خَائِطِ جَارِهِ خَشَبًا

باب ۱۸: پڑوسی کی دیوار پر شہتیر لگائے

(۱۲۷۳) إِذَا اسْتَأْذَنَ أَحَدُكُمْ جَارَهُ أَنْ يَغْرِزَ خَشْبَهُ فِي جِدَارِهِ فَلَا يَمْنَعُهُ فَلَبَّأَ حَدَّثَ أَبُو هُرَيْرَةَ طَأْطَؤُوا رُؤُسَهُمْ فَقَالَ مَا لِي أَرَاكُمْ عَنْهَا مُعْرِضِينَ وَاللَّهِ لَا زِمِينَ بِهَا بَيْنَ أَكْتَافِكُمْ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔ جب کسی شخص کا پڑوسی اس سے یہ اجازت مانگے، کہ وہ اس کی دیوار میں اپنا شہتیر لگالے تو وہ شخص اسے منع نہ کرے۔

تشریح: امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ حق واجب ہے اگر کوئی شخص پڑوسی سے اس کی دیوار پر کڑی رکھنے کی اجازت مانگے تو پڑوسی پر واجب ہے کہ اپنی دیوار پر اس کو کڑی رکھنے دے ورنہ گناہ گار ہوگا دیگر ائمہ کے نزدیک یہ حکم اخلاق و مروت کے باب سے ہے یعنی دیوار پر کڑی رکھنے دینا مستحب ہے واجب نہیں۔

چونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی اسے ظاہر پر حمل کیا اور نبی تحریم پر محمول فرمائی لیکن سامعین اس نہی کو تنزیہ اور حسن معاشرہ کی ترغیب پر حمل کر رہے تھے اس لیے انہوں نے اپنے سر جھکا لیے جس پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو غصہ آیا اور فرمایا: لَا زِمِينَ بِهَا ضَمِيرًا اس کلمہ کی طرف عائد ہے یا خشبہ کی جانب بین اکتافکم ای فی ظہورکم کہا رمیت بہا فی وجوہکم میں اس بات کو یا اس شہتیر کو ضرور تمہارے کندھوں کے درمیان پھینک کر رہوں گا یہ کنایہ ہوتا ہے علی الرغم سے یعنی تمہیں قبول ہو پسند ہو یا نہ ہو۔ حدیث کے مقابلے میں خاموش ہونا ہی سلامتی کی علامت اور ادب کا تقاضا ہے اس لیے وہ خاموش ہو گئے۔

بَاب مَا جَاءَ أَنَّ الْيَمِينَ عَلَى مَا يُصَدِّقُهُ صَاحِبُهُ

باب ۱۹: قسم (کا وہ مفہوم مراد ہوگا) جس کی تمہارا ساتھی تصدیق کرے

(۱۲۷۴) الْيَمِينُ عَلَى مَا يُصَدِّقُكَ بِهِ صَاحِبُكَ وَقَالَ قُتَيْبَةُ عَلَى مَا صَدَّقَكَ عَلَيْهِ صَاحِبُكَ.

ترجمہ: قسم کا وہ معنی مراد ہوگا جس میں تمہارا ساتھی تمہاری تصدیق کرے۔

تشریح: اس باب میں لوگ جو قسمیں آپس میں کھاتے ہیں وہ زیر بحث نہیں بلکہ عدالت میں جو قسم کھائی جاتی ہے اس کا بیان ہے اگر مدعی علیہ قسم میں تو یہ کرے تو اس کا اعتبار نہیں مدعی جس بات پر قسم کھلا رہا ہے اسی پر قسم محمول ہوگی مثلاً ایک شخص پر کسی کا پیسوں کا مطالبہ ہے مدعی علیہ کہتا ہے وہ قلاش ہے اور مدعی کہتا ہے کہ اس کے پاس پیسے ہیں قاضی نے مدعی سے ثبوت مانگا مگر وہ گواہوں سے ثابت نہ کر سکا تو مدعی علیہ سے قسم لی جائے گی اس نے قسم کھائی میرے پاس پیسے نہیں اور مراد لی میری جیب میں پیسے نہیں یہ تو یہ غیر معتبر ہے اور مدعی جو قسم کھا رہا ہے کہ اس کی ملک میں پیسے ہیں یا نہیں؟ وہی قسم ہو جائے گی اور وہ اپنی قسم میں جھوٹا ہوگا البتہ اگر قسم کھانے والا مظلوم ہو تو احناف کے نزدیک تو یہ کی گنجائش ہے ظالم ہو تو گنجائش نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الطَّرِيقِ إِذَا اخْتَلَفَ فِيهِ: كَمْ يُجْعَلُ؟

باب ۲۰: جب راستے کے بارے میں اختلاف ہو جائے، تو اسے کتنا رکھا جائے؟

(۱۲۷۵) اجْعَلُوا الطَّرِيقَ سَبْعَةَ أَذْرُعَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: راستے کو سات گز (چوڑا) رکھو۔

(۱۲۷۶) إِذَا تَشَاجَرْتُمْ فِي الطَّرِيقِ فَاجْعَلُوا سَبْعَةَ أَذْرُعَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب راستے کے بارے میں تمہارے درمیان اختلاف ہو جائے تو اسے سات گز تک رکھو۔

تشریح: اذا تشاجرتم مشاجرہ اختلاف اور تنازعہ کو کہتے ہیں حضرت گنگوہی رحمہ اللہ صاحب کوکب میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس گلی پر محمول ہے جس کی دونوں جانب گھر ہوں پھر وہ منہدم ہو گئے ہوں اور معلوم نہ ہو سکے کہ سابقہ گلی کتنی تنگ یا کشادہ تھی تو اس وقت یہ حکم ہے کہ سات گز کی بقدر مقرر کر دی جائے گی کہ اتنی مقدار میں کفایت ہو جاتی ہے لیکن اگر شارع عام ہو یا اس سابقہ گلی کی مقدار معلوم ہو تو اس میں تصرف نہیں ہوگا تاہم اگر وہ راستہ کسی ذاتی زمین اور ملک میں ہو تو وہ تصرف کا اختیار رکھتا ہے۔ عارضۃ الاحوذی میں ہے کہ یہ صورت اختلاف کی ہے اگر وہ باہمی رضامندی سے کمی بیشی کرنا چاہیں گے تو اپنی حاجت کے مطابق کر سکتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَخْيِيرِ الْغُلَامِ بَيْنَ آبَوَيْهِ إِذَا افْتَرَقَا

باب ۲۱: بچے کو اس کے ماں باپ کے درمیان (کسی ایک کے ساتھ رکھنے) کا

اختیار دینا، جب ان کے درمیان علیحدگی ہو جائے

(۱۲۷۷) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَيَّرَ غُلَامًا بَيْنَ آبَيْهِ وَأُمِّهِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ایک بچے کو اس کے باپ اور اس کی ماں کے درمیان (یعنی کسی ایک کے ساتھ رہنے) کا اختیار دیا تھا۔

مذاہب فقہاء: اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ اگر خاوند اور بیوی کے درمیان کسی بھی وجہ سے فرقت واقع ہو جائے تو بچہ کس کو ملے گا اس میں دو مذاہب ہیں:

① امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اگر لڑکا ہے تو سات سال تک ماں کے پاس رہے گا اور سات سال کے بعد باپ کے پاس رہے گا اگر لڑکی ہے تو بالغ ہونے تک ماں کے پاس رہے گی اور بلوغت کے بعد باپ کے پاس رہے گی۔

② امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اگر بچہ سن تمیز کو پہنچ چکا ہو تو اس کو اختیار دیا جائے گا ماں باپ میں سے جس کو چاہے اختیار کر لے۔

دلیل: ان کا استدلال زیر بحث باب کی روایت سے ہے: وفيه ان النبي ﷺ خير غلاما... الخ کہ جب زوجین کے درمیان فرقت ہوگئی تو نبی ﷺ نے بچے کو اختیار دیا تھا۔

جواب: یہ حدیث خصوصیت پر محمول ہے وہ اس طرح کہ یہاں زوجین کے درمیان جو فرقت واقع ہوئی تھی اس کا سبب ابا عن الاسلام تھا کہ بیوی مسلمان ہوگئی تو خاوند نے اسلام سے انکار کر دیا ایسی صورت میں بالاتفاق بچہ اس کو ملے گا جو دین کے اعتبار سے بہتر ہو اس اصول کے مطابق ماں کو ملنا چاہیے تھا لیکن نبی ﷺ نے بہتر اتمام حجت کے لیے اس کا بچے کو اختیار دیا کیونکہ آپ بذریعہ وحی یہ یقین ہو گیا تھا کہ یہ بچہ ماں کو اختیار کرے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْوَالِدَ يَأْخُذُ مِنْ مَالِ وَلَدِهِ

باب ۲۲: باپ اولاد کے مال میں سے لے سکتا ہے

(۱۲۷۸) إِنَّ أَطْيَبَ مَا أَكَلْتُمْ مِنْ كَسْبِكُمْ وَإِنَّ أَوْلَادَكُمْ مِنْ كَسْبِكُمْ.

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: سب سے پاکیزہ چیز جو تم کھاتے ہو وہ تمہاری اپنی کمائی ہے اور تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی ہے۔

مذہب فقہاء: احناف یہ کہتے ہیں کہ والد کو اپنی اولاد کے مال میں تصرف کی اجازت ہے لیکن مطلق نہیں بلکہ بوقت ضرورت بقدر ضرورت بشرطیکہ منقولات میں تصرف ہو غیر منقولات میں نہ ہو۔ حنابلہ یہ کہتے ہیں کہ باپ اپنے بیٹے کے حق میں تصرف کر سکتا ہے۔

احناف کی دلیل: باپ اور بیٹے کی ملک میں تباہی ہے باپ کی ملک علیحدہ ہے اور بیٹے کی ملک الگ ہے اور لایحل مال امر مسلم... الخ باقی تباہی کی دلیل وراثت کا جاری ہونا ہے۔ نیز فقہاء یہ مسئلہ لکھتے ہیں کہ اگر والد فقیر ہو تو اس کا خرچہ بیٹے کے ذمے ہے اگر بیٹے کا مال الگ نہیں بلکہ باپ ہی کا ہے تو وہ فقیر کہاں سے بن گیا۔

باقی ائمہ کی دلیل: ان اولاد کم من کسبکم۔

جواب: حدیث کا مدلول یہی ہے کہ بوقت ضرورت بقدر ضرورت تصرف کر سکتا ہے من کسبکم تمہارے لیے اطیب ہے اس سے یہ شبہ ہوتا تھا کہ شاید اولاد کا کمایا ہو مال اطیب ہے یا نہیں تو حدیث میں بتلادیا کہ وہ بھی اطیب ہے باقی کب اطیب ہوگا؟ اس کا اس حدیث میں بیان نہیں ہے اس کے لیے فیصلہ دوسرے دلائل سے کیا جائے گا وہ ہے لایحل مال امر مسلم... الخ۔

اس اختلاف کا دار و مدار اس پر ہے کہ انت ومالك لا بیك الحدیث میں اضافت کونسی ہے تو قول اول کے مطابق تملیک کے لیے ہے جبکہ قول ثانی کی مطابق اباحت کے لیے ہے یعنی عند الحاجة۔ تحفۃ الاحوذی میں ہے: قال ابن ارسلان: اللام للاباحة لا للتملیک کیونکہ بیٹے کا مال تو اسی کی ملک ہوتا ہے اسی پر زکوٰۃ آتی ہے اور اسی کی میراث ہوتی ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي مَنْ يُكْسَرُ لَهُ الشَّيْءُ مَا يُحْكَمُ لَهُ مِنْ مَالِ الْكَاسِرِ

باب ۲۳: جب کسی شخص کی کوئی چیز توڑ دی جائے، تو توڑنے والے کے مال میں سے اس شخص کے حق میں کیا فیصلہ دیا جائے؟

(۱۲۷۹) أَهْدَتْ بَعْضُ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ طَعَامًا فِي قَصْعَةٍ فَضَرَبَتْ عَائِشَةُ الْقَصْعَةَ بِيَدِهَا فَالْقَتْ مَا فِيهَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ طَعَامٌ بِطَعَامٍ وَإِنَّا بِلَانَاءٍ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ کی ایک زوجہ محترمہ نے ایک پیالے میں کوئی چیز تحفے کے طور پر بھیجی تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنا ہاتھ مار کر اس پیالے کو (کھانے سمیت) گرادیا نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کھانے کے بدلے میں کھانا ہوگا، اور برتن کے بدلے میں برتن (ادا کرنا ہوگا)۔

(۱۲۸۰) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اسْتَعَارَ قَصْعَةً فَضَاعَتْ فَضَبَّهَا لَهُمْ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ایک پیالہ کسی سے ادھار لیا وہ ضائع ہو گیا تو نبی اکرم ﷺ نے اس کا معاوضہ انہیں ادا کیا۔

زیر بحث باب کی روایت میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے اس سے ایک اصول کی طرف اشارہ ہے وہ اصول یہ ہے جب کوئی آدمی کسی کی چیز ضائع کر دے تو اس پر ضمان واجب ہے وہ اس طرح کے وہ چیز دو حال سے خالی نہیں ذوات الامثال میں سے ہوگی یا ذوات القیم میں سے اگر ذوات الامثال میں سے ہو تو ضمان بالمثل واجب ہوگا اور اگر ذوات القیم میں سے ہو تو ضمان بالقیمت لازم ہوگا۔

جواب: یہ ضمان مروتا ہے حقیقتاً نہیں ہے دونوں پیالے حضور ﷺ کے تھے آپ علیہ السلام نے یہ رفع نزاع کے لیے فرمایا کہ الطعام بالطعام وانا باناء بعض روایات میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ٹوٹے ہوئے پیالے کو باقی رکھو اس سے امام صاحب رحمہ اللہ کے قول کو تائید ہوتی ہے کہ غاصب جب مقصوبہ چیز میں تصرف فاحش کر لے اور ضمان ادا کر دے تو وہ اس کا مالک بن جائے گا۔

سوال: زیر بحث باب کی روایت میں انا باناء کا ذکر ہے کیا برتن ذوات الامثال میں سے ہیں یا ذوات القیم میں سے؟

جواب: اس زمانے میں برتن ذوات القیم میں سے تھے کیونکہ اس زمانے میں ان کی صنعت ہاتھ سے ہوتی تھی اور یہ تفاوت کو مستلزم ہے موجودہ دور میں برتن ذوات الامثال میں سے ہیں کیونکہ مشین کے ذریعے بنائے جاتے ہیں اور یہ عدم تفاوت کو مستلزم ہے۔

سوال: زیر بحث باب میں مذکور ہے انا باناء اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں برتن ذوات الامثال میں سے تھے اگر ذوات القیم میں سے ہوتے تو نبی ﷺ قیمت ادا کرنے کا حکم دیتے ہیں؟

جواب: اس حدیث میں ضمانت کے وجوب کو بیان کرنا مقصد ہے کہ برتن کا ضمان آئے گا یہ بیان کرنا مقصود نہیں کہ وہ ضمان بالمثل

بَاب مَا جَاءَ فِي حَدِّ بُلُوغِ الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ

باب ۲۴: مرد اور عورت کے بالغ ہونے کی حد

(۱۲۸۱) عُرِضْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي جَيْشٍ وَأَنَا ابْنُ أَرْبَعِ عَشْرَةَ فَلَمْ يَقْبَلْنِي فَعُرِضْتُ عَلَيْهِ مِنْ قَابِلٍ فِي جَيْشٍ وَأَنَا ابْنُ خَمْسِ عَشْرَةَ فَقَبِلْنِي.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: مجھے نبی اکرم ﷺ کے سامنے لشکر میں شامل ہونے کے لئے پیش کیا گیا میں اس وقت چودہ سال کا تھا نبی اکرم ﷺ نے مجھے قبول نہیں کیا۔ پھر اگلے سال ایک لشکر کے لئے مجھے پیش کیا گیا میں اس وقت پندرہ سال کا تھا تو نبی اکرم ﷺ نے مجھے قبول کر لیا۔

مذہب فقہاء: اس میں اختلاف ہے کہ بلوغت کی عمر کتنی ہے؟ صاحبین رحمہم اللہ اور جمہور کے نزدیک پندرہ سال آخری حد ہے اور اس میں لڑکا لڑکی دونوں برابر ہیں جبکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک لڑکی کے لیے سترہ سال اور لڑکے کے لیے اٹھارہ سال مقرر ہیں لیکن فتویٰ عند الحنفیہ صاحبین رحمہم اللہ کے قول پر ہے یہ تو اکثر مدت کی بات ہوئی اقل مدت لڑکی کے لیے نو سال ہیں اور لڑکے کے لیے بارہ سال ہدایہ میں ہے: وادنی المدة لذلك في حق الغلام اثنا عشرة سنة وفي حق الجارية تسع سنين (فصل فی حد البلوغ قبیل کتاب الماذون ص: ۳۰۰ ج ۳) گو یا ادنیٰ واعلیٰ مدت کے درمیان کسی بھی وقت بالغ ہو سکتا ہے اور اس کی پہچان واسباب یہ ہیں احتلام احبال انزال بالوطی اور لڑکی میں بروقت حیض آنا اور حاملہ ہونا یعنی بعد الوطی اور احتلام ہونا ہدایہ میں ہے فجعل كل ذلك علامة البلوغ. (ص ۳۰۰ ج ۳)

بَاب مَا جَاءَ فِي مَنْ تَرَوَّجَ امْرَأَةً أَبِيهِ

باب ۲۵: سوتیلی ماں سے نکاح کرنے کی سزا

(۱۲۸۲) مَرَّ بِي خَالِي أَبُو بَرْدَةَ بْنُ نَيْيَارٍ وَمَعَهُ لَوَاءٌ فَقُلْتُ أَيْنَ تَرِيدُ قَالَ بَعَثَنِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِلَى رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةً أَبِيهِ أَنْ آتِيَهُ بِرَأْسِهِ.

ترجمہ: حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میرے ماموں حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ میرے پاس سے گزرے ان کے پاس جھنڈا موجود تھا میں نے دریافت کیا۔ آپ کہاں جا رہے ہیں؟ انہوں نے بتایا: نبی اکرم ﷺ نے مجھے ایک ایسے شخص کی طرف بھیجا ہے، جس نے اپنے باپ کی بیوی کے ساتھ شادی کر لی ہے (اس لئے بھیجا ہے) کہ میں اس کا سر آپ ﷺ کی خدمت میں لے کر حاضر ہو جاؤں۔

مذہب فقہاء: حنفیہ کے نزدیک محارم سے نکاح کرنے سے شبہ فی العقد پیدا ہوتا ہے اور شبہ سے حد اٹھ جاتی ہے کیونکہ حدیث میں ہے الحدود تندد بالشبهات پس محارم سے نکاح کر کے صحبت کرنے سے حد اٹھ جائے گی مگر اس کا یہ مطلب نہیں

ہے کہ مجرم کو کوئی سزا نہیں دی جائے گی بلکہ وہ جس درجہ کا گناہ ہے اس کے بقدر سزا دی جائے گی اگر جہالت کی وجہ سے یہ حرکت کی ہے اور جہالت کا موقع ہے تو ہلکی سزا دی جائے گی اور اگر خباثت کی وجہ سے یہ حرکت کی ہے یا جہالت کا کوئی موقع نہیں تو سخت سزا دی جائے گی اور وہ قتل کی سزا ہے۔

اگر کوئی شخص منکوحۃ الاب کے ساتھ نکاح کرے تو اس کی کیا سزا ہے؟ ائمہ کا اس میں اختلاف ہے اسی طرح کوئی شخص محارم میں سے کسی کے ساتھ نکاح کرے اور وطی بھی کر لے امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تعزیر ہے امام سخت سے سخت سزا دے سکتا ہے لیکن تعزیر اذ دیگر ائمہ حتیٰ کہ صاحبین رحمہم اللہ بھی جمہور کے ساتھ ہیں کہ اس کی سزا حد زنا ہے اگر محسن ہے تو رجم اور اگر غیر محسن ہے تو سو کوڑے۔ حدیث میں جو واقعہ ہے دونوں فریق اسی کو اپنی دلیل بناتے ہیں۔

امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دیکھو سر کا ثناء نہ محسن کی سزا ہے اور نہ غیر محسن کی کیونکہ محسن کی سزا رجم ہے اور غیر محسن کی سزا کوڑے ہیں۔

جمہور کہتے ہیں: یہ سزا رجم تھی اس کو جاری کیا گیا ہے سر کو کاٹنے کے ساتھ لیکن کتنا تکلف ہے حدیث امام صاحب رحمہ اللہ کے موافق ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس شخص نے منکوحۃ الاب کے ساتھ نکاح کیا تھا۔ استحلال کے طور پر اور ظاہر ہے کہ گناہ کو حلال سمجھنا کفر ہے تو ارتداد کی وجہ سے اس کا سر قلم کیا۔ اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ ابو بردہ رضی اللہ عنہ کے پاس جھنڈا تھا اور جھنڈا کافر کے مقابلے میں لے جایا جاتا ہے۔

سند کی بحث: محمد بن اسحاق اور اشعث رحمہم اللہ یہ دونوں عدی بن ثابت سے روایت کر رہے ہیں اشعث اور محمد بن اسحاق کا آپس میں اختلاف ہو رہا ہے اختلاف کا حاصل تین باتیں ہیں:

- ① اشعث اپنی سند میں عدی بن ثابت اور براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے سرے سے واسطہ ذکر نہیں کرتے اور محمد بن اسحاق عدی بن ثابت اور براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے درمیان عبد اللہ بن یزید کا واسطہ ذکر کرتے ہیں۔
- ② اشعث کبھی تو واسطہ سرے سے ذکر ہی نہیں کرتے اور جب ذکر کرتے ہیں تو عن ابیہ کا واسطہ ذکر کرتے ہیں۔
- ③ محمد بن اسحاق کی روایت کے مطابق متعین ہے کہ یہ مسندات براء رضی اللہ عنہ میں سے ہے اور اشعث یزید بن براء رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کے مطابق مسندات براء بن عازب رضی اللہ عنہ میں سے نہیں ہے بلکہ براء کے ماموں ابو بردہ رضی اللہ عنہ کے مسندات میں ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الرَّجُلَيْنِ يَكُونُ أَحَدُهُمَا أَسْفَلَ مِنَ الْآخَرِ فِي الْمَاءِ

باب ۲۶: سینچائی میں جس کا کھیت بعد میں ہو اس کا حکم

(۱۲۸۳) أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ الزُّبَيْرِ حَدَّثَهُ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ خَاصَمَ الزُّبَيْرَ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي شِرَاجِ الْحَرَّةِ الَّتِي يَسْقُونَ بِهَا النَّخْلَ فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ سِرَّجِ الْمَاءِ يَمُرُّ فَأَبَى عَلَيْهِ فَاحْتَصِمُوا عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِلزُّبَيْرِ اسْقِ يَا زُبَيْرُ ثُمَّ أَرْسَلَ الْمَاءَ إِلَى جَارِكَ فَغَضِبَ الْأَنْصَارِيُّ فَقَالَ يَا رَسُولَ

اللّٰهُ اَنْ كَانَ ابْنُ عَمَّتِكَ فَتَلَكَوْنَ وَجْهَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ قَالَ يَا زُبَيْرُ اسْقِ ثُمَّ اَحْبِسِ الْمَاءَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَى الْجَدْرِ فَقَالَ الزُّبَيْرُ وَاللّٰهُ اِنِّى لَا اَحْسِبُ نَزَلَتْ هَذِهِ الْاٰیَةُ فِىْ ذٰلِكَ ﴿ فَلَا رَيْكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحْكَمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ﴾ (النساء: ۶۵)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: انصار سے تعلق رکھنے والے ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ کی موجودگی میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ "حرہ" سے آنے والی پانی کی نالی کے بارے میں اختلاف کیا جس کے ذریعے لوگ کھجوروں کے باغ کو پانی دیا کرتے تھے انصاری نے کہا: یہ پانی کو چھوڑ دیں وہ بہتا رہے تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اس بات سے اختلاف کیا انہوں نے اپنا یہ مقدمہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو نبی اکرم ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے زبیر تم اپنے کھیتوں کو سیراب کرو پھر پانی کو اپنے پڑوسی کے لئے چھوڑ دو تو انصاری غصے میں آگیا اور بولا: (آپ نے یہ فیصلہ اس لئے کیا ہے) کیونکہ یہ آپ کے پھوپھی زاد ہیں تو نبی اکرم ﷺ کے چہرہ مبارک کا رنگ تبدیل ہو گیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے زبیر! تم اپنے (باغ کو) سیراب کرو پھر پانی کو روکے رکھو، یہاں تک کہ وہ منڈیروں تک پہنچ جائے۔

جب ایک شخص کی زمین پانی کے قریب ہو اور دوسرے کی بعید ہو تو پہلے کس کو پانی پلانے کا حق ہے اس سلسلے میں حدیث ذکر کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اقرب من الماء سیراب کرے احتلاف کی بعض کتابوں میں اس کے خلاف ہے تو کوئی تذاویع نہیں اس کا دار و مدار عرف پر ہے البتہ حضور ﷺ کے دور کا جو عرف معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ پہلے اقرب الی الماء سیراب کرے اس کے بعد البعد الی الماء سیراب کرے۔ ایک انصاری شخص کا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے پانی کے بارے میں جھگڑا ہو گیا تو وہ فیصلہ حضور ﷺ کے پاس لے گئے آپ ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ دیا اس پر اس انصاری شخص نے کہا کہ یہ آپ کی پھوپھی کا بیٹا ہے یعنی آپ نے یہ فیصلہ قرابت کی وجہ سے کیا ہے اس پر حضور ﷺ کا رنگ متغیر ہو گیا اور فرمایا اے زبیر رضی اللہ عنہ پہلے تم اپنا پورا حق وصول کرو جب تک پانی منڈیروں تک نہ پہنچے اس وقت تک روکے رکھو پس معلوم ہوا کہ پہلے حق اقرب الی الماء کو ہے باقی انصاری نے اعتراض کیا یہ بظاہر تو خطرناک بات ہے یہ صحابی رضی اللہ عنہ رسول سے متصور نہیں ہو سکتا۔

جواب: بے شک صحابی رضی اللہ عنہ ہی ہیں ان سے یہ کلام صادر ہو گیا مغلوب الحال ہونے کی وجہ سے غیر اختیاری طور پر باقی یہ کہنا کہ یہ منافق تھا اور اس کو انصاری کہنا یہ قبیلہ کی نسبت کی وجہ سے ہے پیش ہے صحیح بخاری کی روایت میں تصریح ہے کہ قد شہد ببدرا۔

سوال: یہ مستلزم ہے جو راہی رضی اللہ عنہ کو اور نبی ﷺ کی طرف جوہر کی نسبت تو کفر صریح ہے؟

جواب: یہ جوہر کی نسبت کو مستلزم نہیں ہے اس لیے کہ اس کی کلام کے دو مطلب ہو سکتے ہیں (۱) اے اللہ کے پیغمبر ﷺ حق تو میرا تھا یعنی آپ ﷺ نے قرابت کی وجہ سے غیر حق والے کو ترجیح دیدی یہ کفر ہے۔

دوسرا مطلب: یہ ہے کہ میرا بھی زمین کو پہلے سیراب کرنا امر جائز تھا اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا بھی پہلے سیراب کرنا امر جائز تھا آپ ﷺ نے قرابت کی وجہ سے ان کے حق میں فیصلہ دے دیا یہ بھی شئی عظیم ہے لیکن یہ جوہر کو مستلزم نہیں ہے باقی پہلا فیصلہ بطور مصالحت کے تھا کہ تم بقدر ضرورت اپنی زمین کو سیراب کر کے پانی کو چھوڑ دو لیکن جب انصاری نے اس کی قدر دانی نہ کی تو نبی ﷺ نے فرمایا اب فیصلہ بطور قضاء کے ہوگا اور شرعاً جب تک انسان اپنا پورا حق وصول نہ کر لے اس وقت تک پانی روک سکتا ہے بعض نے یہ

بھی کہہ دیا کہ پہلا فیصلہ قضاء شرعی کی حیثیت سے تھا اور دوسرا فیصلہ تو بین عدالت کی وجہ سے تھا لیکن رائج اول ہی ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي مَنْ يُعْتَقُ مَمَالِيكُهُ عِنْدَ مَوْتِهِ وَلَيْسَ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُمْ

باب ۲۷: جو شخص مرتے وقت اپنے غلاموں کی آزاد کر دے اور اس کے پاس ان غلاموں کے علاوہ اور کوئی مال نہ ہو

(۱۲۸۴) أَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْأَنْصَارِ أَعْتَقَ سِتَّةَ أَعْبِدٍ لَهُ عِنْدَ مَوْتِهِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُمْ فَبَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ لَهُ قَوْلًا شَدِيدًا ثُمَّ دَعَاهُمْ فَجَزَّاهُمْ ثُمَّ أَقْرَعَ بَيْنَهُمْ فَأَعْتَقَ اثْنَيْنِ وَأَرْقَى أَرْبَعَةً.

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: انصار سے تعلق رکھنے والے ایک شخص نے مرتے وقت اپنے چھ غلاموں کو آزاد کر دیا اس شخص کے پاس ان غلاموں کے علاوہ اور کوئی مال نہیں تھا جب اس بات کی اطلاع نبی اکرم ﷺ کو ملی تو آپ نے اس بارے میں سخت الفاظ ارشاد فرمائے پھر آپ نے ان غلاموں کو بلایا آپ نے انہیں تقسیم کر کے ان کے درمیان قرعہ اندازی کی اور ان میں سے دو کو آزاد قرار دیا اور چھ کو غلام برقرار رکھا۔

تشریح: اگر کوئی شخص اپنی موت کے وقت سارے غلاموں کو آزاد کر دے اور ان غلاموں کے علاوہ اس کا کوئی اور مال نہ ہو تو کیا حکم ہے اس پر یہ حدیث ذکر کی ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے وفات کے وقت اپنے چھ غلاموں کو آزاد کر دیا حضور ﷺ کو معلوم ہوا تو اس پر آپ ﷺ نے اس کے متعلق سخت قسم کے الفاظ فرمائے بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ اس کا جنازہ نہ پڑھوں اور بعض روایات میں یہ آتا ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں اس کے دفن کے وقت حاضر ہوتا تو اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ ہونے دیتا (زجر اوتوینجا) اس نے اپنے ورثاء کا حق ضائع کر دیا ہے الغرض حضور ﷺ نے سب غلاموں کو بلایا اور دو دو کی تین ٹولیاں بنائیں اور پھر قرعہ ڈالا جن کا نام نکل آیا ان کو آزاد کر دیا باقی چار کو رقیہ پر باقی رکھا مرتے وقت اعتاق وصیت کے حکم میں ہے: اور وصیت ثلث مال میں جاری ہوتی ہے اور یہاں پر کل غلام چھ ہیں اور چھ کا ثلث دو ہے البتہ ثلث کی تعیین کیسے ہوگی اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

① احناف یہ کہتے ہیں کہ ہر غلام کا ایک ثلث آزاد ہوگا باقی دو ثلث کے اندر دو ورثاء کے لیے سعایت کریگا مثلاً چھ غلاموں کے چھتیس حصے بنائیں ۱۲ حصے تو آزاد ہو گئے اور ۲۴ باقی رہ گئے اب سارے یہ کما کر دیں گے تو سارے آزاد ہو جائیں گے بالفعل پورا کوئی آزاد نہیں ہوگا۔

② ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ ثلث کا تعیین قرعہ اندازی کے ذریعے ہوگا جیسا کہ حضور ﷺ نے یہاں فرمایا۔

جواب ①: یہ حکم پہلے تھا بعد میں منسوخ ہو گیا چنانچہ ابتداء اسلام میں حقوق کے اثبات یا نفی کے لیے قرعہ اندازی کی جاتی تھی جب استقسام بالازلام کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو حقوق کے اثبات یا نفی کی قرعہ اندازی کا حکم بھی منسوخ ہو گیا البتہ حصہ کی تعیین کے لیے قرعہ اندازی اب بھی جائز ہے۔

جواب ②: جب اس آدمی نے تمام غلاموں کو آزاد کرنے کی وصیت کی تو ہر غلام کا ایک ثلث آزاد ہو چکا اگر قرعہ اندازی سے یہ فیصلہ کیا جائے تو اس سے ایک بہت بڑی خرابی لازم آتی ہے وہ یہ کہ قرعہ اندازی سے آزادی کے بعد غلامی ثابت ہو جاتی ہے حالانکہ آزادی کے بعد غلامی کبھی نہیں آسکتی۔

کیا قرعہ اندازی سے حق ثابت کیا جاسکتا ہے؟

جہاں تک حدیث باب کا تعلق ہے اس کے بارے میں حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ یہ ابتداء اسلام کا واقعہ ہے اور ابتداء میں حضور ﷺ نے بہت سے فیصلے قرعہ اندازی سے کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ لیکن بعد میں حقوق کے اثبات یا نفی میں قرعہ اندازی کا استعمال منسوخ کر دیا گیا چنانچہ شروع اسلام میں اس کام کے لیے بھی قرعہ اندازی سے کام لیا جاتا تھا کہ کون حق دار ہے؟ اور کون حق دار نہیں؟ حتیٰ کہ فصل خصومات میں بھی قرعہ اندازی سے فیصلہ کر لیا جاتا تھا چنانچہ زمانہ جاہلیت میں استقسام بالازلام کا طریقہ بھی اسی لیے رائج تھا لیکن بعد میں جب قمار غدر اور استقسام بالازلام کی ممانعت آئی تو اس وقت اثبات حقوق یا نفی میں قرعہ اندازی کا استعمال بھی منسوخ کر دیا گیا۔

تعیین انصبہ میں قرعہ اندازی جائز ہے:

البتہ اب قرعہ اندازی کو اثبات حقوق میں تو استعمال کرنا جائز نہیں لیکن تعیین انصبہ میں قرعہ اندازی سے کام لینا جائز ہے مثلاً فرض کریں کہ دلائل اور بینہ سے یہ بات طے ہوگئی کہ یہ مکان فلاں تین آدمیوں کے درمیان مشترک ہے لیکن اب اس مکان کے تین حصوں میں سے زید کو کون سا حصہ دیا جائے؟ عمرو کو کون سا اور بکر کو کون سا دیا جائے؟ یہ ابھی طے نہیں ہوا اس کو طے کرنے کی ایک صورت یہ ہے کہ وہ تینوں یا تو آپس میں رضامندی سے طے کر لیں کہ فلاں حصہ زید کا فلاں عمرو کا فلاں بکر کا لیکن اگر اس طرح طے نہ کر سکیں تو دوسری صورت یہ ہے کہ قرعہ اندازی کے ذریعہ طے کر لیں اس کو تعیین انصبہ کہا جاتا ہے اس میں قرعہ اندازی سے کام لینا جائز ہے۔

قرعہ اندازی سے فیصلہ کرنا:

حنفیہ نے بعض روایتیں قرعہ کے منسوخ ہونے کے بارے میں بھی پیش کی ہیں وہ یہ کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قرعہ اندازی سے فیصلہ کیا جب حضور ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ اس پر اتنا ہنسے کہ آپ ﷺ کے نواہذ (داڑھیں) ظاہر ہو گئے جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اس پر نکیر فرمائی کہ اس طرح حقوق کے اثبات میں قرعہ اندازی کو استعمال کرنا درست نہیں ہے لہذا اگر کسی روایت سے یہ معلوم ہو کہ حضور ﷺ نے اثبات حقوق میں قرعہ اندازی کو استعمال کیا ہے تو اس کو اسی زمانے کی طرف منسوب کیا جائے گا جس زمانے میں قرعہ اندازی سے فیصلہ کرنا جائز تھا۔

جواب ①: گرچہ یہ حدیث سنداً سو فیصد صحیح ہے لیکن اس میں علت خفیہ قاذبہ پائی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ بات بہت مستعجب ہے کہ کسی آدمی کے مرنے کے وقت چھ غلام ہوں اس کے علاوہ اور کوئی چیز نہ ہو اگرچہ یہ کہا گیا ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ یہ شخص جہاد میں گیا ہو اور چھ غلام مال غنیمت میں حاصل ہوئے ہوں۔

جواب ②: امکان تو ہے لیکن وقوع نہیں ہے اور امکانات سے احکام متعلق نہیں ہوتے اعادہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے احناف کے ہاں یہ حدیث معمول بھانپیں ہے اور اس سے بھی قطع نظر کر لی جائے تو یہ خصوصیت ہے نبی کریم ﷺ کی اس لیے کہ

آپ ﷺ کو آزاد کرنے کا حق تھا آپ ﷺ کے علاوہ کسی کو یہ حق نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَنْ مَلَكَ ذَا مَحْرَمٍ

باب ۲۸: جو شخص کسی محرم رشتے دار کا مالک بن جائے (ذی رحم محرم کا مالک ہونے سے وہ آزاد ہو جاتا ہے)

(۱۲۸۵) مَنْ مَلَكَ ذَا رَحِمٍ مُحْرَمٍ فَهُوَ حُرٌّ.

ترجمہ: حضرت سرہ جی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی محرم رشتے دار کا مالک بن جائے، تو وہ رشتے دار آزاد شمار ہوگا۔

(۱۲۸۶) مَنْ مَلَكَ ذَا رَحِمٍ مُحْرَمٍ فَهُوَ حُرٌّ.

ترجمہ: حضرت سرہ جی رحمہ اللہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں۔ جو شخص کسی محرم رشتے دار کا مالک بن جائے، تو وہ (محرم رشتے دار) آزاد شمار ہوگا۔

مذہب فقہاء: اس پر تو سب کا اتفاق ہے۔ البتہ قرابت سے کون سی قرابت مراد ہے شوافع کہتے ہیں کہ صرف قرابت ولد مراد ہے یعنی اصول فروع والی قرابت مراد ہے حدیث احناف کے موافق ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ایسے دو شخص جن میں ولادت کا تعلق ہے اگر ان میں سے ایک دوسرے کا مالک ہو تو مملوک فوراً آزاد ہو جائے گا اور ولادت کا تعلق اصول و فروع کے درمیان ہوتا ہے پس ماں باپ دادا دادی نانا نانی اوپر تک اور بیٹا بیٹی پوتا پوتی نواسہ نواسی نیچے تک اگر کوئی ان کا مالک ہو تو وہ فوراً آزاد ہو جائے گا اور بھائی بہن آزاد نہیں ہوں گے کیونکہ ان کے ساتھ ولادت کا تعلق نہیں۔

جمہور ائمہ کے نزدیک کہ ہر وہ قرابت جو محرمہ للنکاح ہے عام ازین قرابت ولد ہو یا نہ ہو وہ عتق کا سبب ہے ہر ذی رحم محرم کا مالک ہونے سے مملوک آزاد ہو جاتا ہے رحم سے مراد نانا ہے یعنی دھیلی یا ننھیالی رشتہ دار پس سسرالی اور رضاعی رشتہ دار نکل گئے اور محرم وہ رشتے دار ہیں جن سے ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہے پس اگر کوئی ماں باپ بیٹا بیٹی بھائی بہن چچا پھوپھی اور ماموں خالہ کا مالک ہو تو مملوک فوراً آزاد ہو جائے گا البتہ ماموں زاد خالہ زاد چچا زاد اور پھوپھی زاد آزاد نہیں ہوں گے کیونکہ وہ اگرچہ ذرہ محرم ہیں مگر محرم نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ مِنْ زَرْعٍ فِي أَرْضِ قَوْمٍ بِغَيْرِ ادْنِهِمْ

باب ۲۹: جب کوئی شخص کسی دوسرے کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر کھیتی باڑی کرے

(۱۲۸۷) مَنْ زَرَعَ فِي أَرْضِ قَوْمٍ بِغَيْرِ ادْنِهِمْ فَلَيْسَ لَهُ مِنَ الزَّرْعِ شَيْءٌ وَلَا يَنْفَقُهُ.

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کوئی شخص دوسرے لوگوں کی زمین میں ان کی اجازت کے بغیر کھیتی باڑی کرے تو اسے اس کھیت میں سے کچھ نہیں ملے گا البتہ اسے اس کا خرچ مل جائے گا۔
مذاہب فقہاء: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر کاشت کرے تو فصل کس کی ہوگی اس میں دو مذاہب ہیں:

① امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اگر کوئی آدمی دوسرے کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر کاشت کرتا ہے تو اس کے لیے تین امور ہیں: (۱) اس پر زمین کو غصب کرنے کا گناہ ہوگا۔ (۲) زمین والے کے لیے اس پر نقصان کی ضمانت ہوگی۔ (۳) پیداوار کا یہ مالک ہو جائے گا لیکن یہ ملکیت خباثت سے خالی نہیں ہوگی۔

دلیل اول: امام صاحب رحمہ اللہ کا استدلال ابو داؤد رحمہ اللہ کی روایت سے ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک کھیت کے پاس سے گزرے اور آپ ﷺ کو بہت اچھا لگا آپ ﷺ نے فرمایا: احسن زرع زہیر۔ زہیر کا کتنا اچھا کھیت ہے لوگوں نے بتایا یہ اصل میں زہیر کا کھیت نہیں زمین کسی کی ہے زہیر رضی اللہ عنہ نے مالک کی اجازت کے بغیر کاشت کی ہے پھر آپ ﷺ نے فرمایا پیداوار زہیر ہی کی ہوگی اور مالک کے لیے ضمانت ہوگی اس حدیث میں صراحتاً مذکور ہے کہ فصل زہیر کی ہوگی۔

دلیل ثانی: دوسری دلیل قیاسی ہے قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کیونکہ پیداوار بذریعہ نماء ہے اور بذریعہ کاشت کرنے والے کی ملکیت تھا اس لیے پیداوار بھی اس کی ملکیت ہوگی۔ زمین کو اگرچہ استعمال کیا گیا ہے لیکن زمین کا کوئی حصہ اس میں شامل نہیں البتہ طریقہ غلط اختیار کیا گیا ہے۔ کہ زمین کو پیداوار کے لیے غصب کیا گیا ہے جس کی وجہ سے ملکیت میں خباثت پیدا ہوگئی۔

② امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک مذکورہ صورت میں پیداوار صاحب ارض کی ہوگی اور کاشت کرنے والے کو اجرت ملے گی۔
دلیل: ان کا استدلال زیر بحث باب کی روایت سے ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو دوسرے کی زمین کو اس کی اجازت کے بغیر استعمال کرے تو اس کا شکار کو پیداوار میں سے کچھ نہیں ملے گا البتہ زراعت کا نفع مل جائے گا۔

جواب: لیس لہ من الزرع شیء کا مطلب یہ ہے کہ اس پیداوار سے انتفاع اس کے لیے جائز نہیں اگرچہ وہ پیداوار اس کی ملکیت میں آگئی اور لہ نفقہ کا مطلب یہ ہے کہ اس نے جتنا خرچ کیا تھا اس کے بقدر پیداوار سے انتفاع کر لے تو وہ اس کے لیے حلال اور طیب ہے۔

مَا جَاءَ فِي النَّحْلِ وَالنَّسْوِيَةِ بَيْنَ الْوَلَدِ

باب ۳۰: عطیہ دیتے ہوئے اولاد کے درمیان برابری رکھنا

(۱۲۸۸) اَنَّ اَبَاهُ نَحَلَ اِبْنَاهُ غُلَامًا فَاتَى النَّبِيَّ ﷺ يُشْهَدُهُ فَقَالَ اْكُلْ وَلَدِكَ قَدْ نَحَلْتَهُ مِثْلَ مَا نَحَلْتَ هَذَا قَالَ لَا قَالَ فَارْزُدْهُ۔

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ان کے والد نے اپنے ایک بیٹے کو ایک غلام عطیہ کے طور پر دیا پھر وہ اس پر

گواہ بنانے کے لئے نبی اکرم ﷺ کے پاس تشریف لائے تاکہ آپ کو اس پر گواہ بنائیں تو نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا: کیا تم نے اپنی ساری اولاد کو اس طرح عطیہ دیا ہے، جیسے اسے دیا ہے؟ انہوں نے عرض کی نہیں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: پھر تم اسے واپس لے لو۔

مذہب فقہاء: اس میں اختلاف ہے کہ اولاد کے درمیان ہدیہ میں مساوات کا کیا حکم ہے اس میں دو مذہب ہیں:

① امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مساوات مستحب ہے واجب نہیں اگر اضرار مقصد ہو تو مساوات واجب ہے اور اگر کسی کو خاص وصف کی وجہ سے زیادہ دے تو یہ بھی جائز ہے مثلاً خدمت یا علم یا کسی اور وجہ سے زیادہ دے۔

② بعض ائمہ رحمہم کے نزدیک مساوات واجب ہے تساوی کی رعایت نہ رکھنے کی وجہ سے گناہ گار ہوگا۔

دلیل: ان کا استدلال زیر بحث باب میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے ان کے والد نے اپنے بیٹے کو عطیہ دیا اور نبی ﷺ کو شاہد بننے کی درخواست کی آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ کیا سب اولاد کو عطیہ دیا ہے انہوں نے کہا نہیں آپ ﷺ نے فرمایا اس کو واپس لوٹا لو کیونکہ میں ظلم پر گواہ بننے کے لیے تیار نہیں ہوں اس سے معلوم ہوا کہ مساوات ضروری ہے۔

جواب: حضرت بشیر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ عمرہ بنت رواحہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بیٹے کو زیادہ دینے پر مجبور اور اصرار کیا دوسری اولاد جو دوسری بیوی سے تھی اس کو محروم کر دیا جب نبی ﷺ کو پوری حقیقت معلوم ہو گئی اور زیادہ دینے کی کوئی معقول وجہ بھی نہ تھی کہ ترجیح دی جائے تو آپ ﷺ نے محسوس کیا کہ اس میں دوسرے کا ضرر ہے اس لیے آپ ﷺ نے اس کو ظلم قرار دے کر واپسی کا حکم دیا اور شہادت سے انکار کر دیا۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ تسویہ اور برابر کا کیا مطلب ہے؟ یعنی کیا مذکر اور مؤنث سب برابر ہوں گے یا اس میں میراث کے قاعدہ کے مطابق ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ﴾ (النساء: ۱۱) پر عمل کیا جائے گا؟ اس بارے میں فقہاء کے دونوں قول ہیں بعض کے نزدیک میراث کے قاعدے کے مطابق دیا جائے گا اور بعض کے نزدیک سب کو برابر دیا جائے گا لیکن فقہاء حنفیہ کے نزدیک فتویٰ اس پر ہے کہ لڑکی اور لڑکے دونوں کو برابر دیا جائے گا اس کی دلیل وہ روایت ہے جس میں فرمایا گیا کہ اولاد کو برابر دینا چاہیے اور اگر اولاد کے اندر تفریق جائز ہوتی کہ جس کو چاہے زیادہ دے اور جس کو چاہے کم دے تو اس صورت میں مؤنث زیادہ حق دار تھی کہ اس کو زیادہ دیا جائے اس سے معلوم ہوا کہ اگر زندگی میں کوئی باپ اپنی اولاد کو کچھ عطیہ دے تو اس وقت مذکر اور مؤنث میں فرق نہ کرنا چاہیے برابر دینا چاہیے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الشُّفْعَةِ

باب ۳۱: شفعة کا بیان

(۱۲۸۹) جَارُ الدَّارِ أَحَقُّ بِالْأُتَى.

ترجمہ: حضرت سرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ مکان کا پڑوسی مکان کا زیادہ حقدار ہوتا ہے۔ شفعة فروخت شدہ مکان اور فروخت شدہ زمین کے وقت اخذ الشریکین کو اور جار کو جو شرعاً شمن المشتري تملیک کا حق حاصل ہوتا

ہے اس کا نام شفعہ ہے۔

باقی شفعہ کی کتنی اقسام ہیں کون سی اجماعی ہیں اور کون سی اختلافی ہیں بعنوان آخر کن کن اشخاص کے لیے حق شفعہ ثابت ہے اور کن کن کے لیے ثابت نہیں ہے۔

اقسام شفعہ: شفعہ کی تین قسمیں ہیں:

① شفعہ للشریک فی نفس المبیع ② شریک فی حق المبیع ③ للجار الملاصق۔

شفعہ للشریک فی نفس المبیع کا مطلب یہ ہے کہ جو مکان یا زمین فروخت کی گئی ہو وہ شریک اس مکان یا زمین کے

اندر شریک ہو۔

شریک فی حق المبیع کا مطلب یہ ہے کہ زمین تو الگ الگ ہو لیکن حقوق میں شرکت ہو مثلاً فروخت شدہ مکان یا زمین کا

راستہ اور شریک کا راستہ ایک ہو۔

شفعہ للجار الملاصق کا مطلب یہ ہے کہ فروخت شدہ مکان یا زمین کے اندر نہ شرکت ہو اور نہ حقوق میں شرکت ہو البتہ

اس کی زمین یا مکان فروخت شدہ مکان یا زمین کے پڑوس میں متصل واقع ہو تو کہا جائے گا یہ جار ملاصق ہے بعنوان آخر شفعہ کے مستحق تین لوگ ہیں الخ۔ بعض کی رائے یہ ہے۔

پہلی دو قسمیں اجماعی ہیں بعض نے کہا کہ صرف پہلی قسم اجماعی ہے زیادہ جھگڑا تیسری قسم میں ہے کہ اس کے لیے شفعہ ثابت ہے یا نہیں۔
مذہب فقہاء: ① احناف یہ کہتے ہیں کہ جیسے پہلی دو قسموں کے لیے شفعہ ثابت ہے اسی طرح تیسری قسم کے لیے بھی ثابت ہے۔
② اورائم ثلاثہ رحمہم کہتے ہیں کہ جار ملاصق کے لیے شفعہ ثابت نہیں ہے۔

احناف کی دلیل: حدیث سمرہ سے ہے کہ جار الدار احق بدار کہ دار کا پڑوسی زیادہ حق دار ہے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی تحسین بھی فرمائی اور تصحیح بھی فرمائی ہے چنانچہ فرمایا: ہذا حدیث حسن صحیح حسن کا سماع ثابت ہے سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے اسی وجہ سے ہمارے امام ترمذی رحمہ اللہ نے احناف کی اس دلیل کی تصحیح و تحسین فرمائی۔

اور حسن کا سماع ثابت ہے سمرہ رضی اللہ عنہ سے پس متصل ہے لہذا قابل استدلال ہے اور فی الباب کے عنوان کے تحت جن احادیث کا حوالہ دیا ان میں ایک شرید ہیں ان کی سند پر کلام ہے۔ شرید سے روایت کرتے ہیں ان کے بیٹے عمرو اور عمرو کے دو شاگرد ہیں (۱) عبد اللہ بن عبد الرحمن طائی (۲) ابراہیم بن میسرہ اب ان میں فرق یہ ہے کہ عبد اللہ بن عبد الرحمن کی سند کے مطابق ہے عن عبد اللہ بن عبد الرحمن عن عمرو بن شرید عن ابیہ عن النبی ﷺ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ مسندات شرید میں سے ہے اور ابراہیم بن میسرہ رضی اللہ عنہ یوں نقل کر رہے ہیں عن عمرو بن شرید عن ابی رافع عن النبی ﷺ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ مسندات ابورافع رضی اللہ عنہ میں سے ہے امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ کلا الحدیثین عندی صحیح۔
سوال: اضطراب ہے عیسیٰ بن یونس اس کو مسندات انس رضی اللہ عنہ میں سے قرار دے رہے ہیں اور اسماعیل بن علیہ اس کو مسندات سمرہ رضی اللہ عنہ میں سے قرار دے رہے ہیں؟

جواب: امام ترمذی رحمہ اللہ نے فیصلہ دیدیا ہے کہ اسماعیل بن علیہ والا طریق صحیح ہے لہذا اضطراب ختم ہو گیا۔

جمہور کی دلیل: دوسرے باب کی حدیث ہے: عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ اذا وقعت الحدود وصرفت الطرق فلا شفعة طريق استدلال یہ ہے کہ فلا شفعہ میں نفی جنس شفعہ کی ہے اور تقسیم مشترک ہی کی ہوگی معلوم ہوا کہ مشترک چیز کے تقسیم ہو جانے کے بعد سرے سے کسی قسم کا شفعہ ہی نہیں نہ شرکت کا اور نہ جوار کا۔

جواب اس حدیث کے اندر منفی جنس شفعہ نہیں بلکہ خاص نوع ہے شفعہ بحث شرکت ہے اب شرکت کی وجہ سے شفعہ کا حق نہیں ہے اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ جوار کی وجہ سے بھی شفعہ کا حق نہ ہو ظاہر ہے کہ خاص کی نفی سے عام کی نفی لازم نہیں آتی اور نوع کی نفی سے جنس کی نفی لازم نہیں آتی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الشُّفْعَةِ لِلْغَائِبِ

باب ۳۲: غیر موجود شخص کے لئے شفعہ کرنا

(۱۲۹۰) الْجَارُ أَحَقُّ بِشُفْعَتِهِ يُنْتَظَرُ بِهِ وَإِنْ كَانَ غَائِبًا إِذَا كَانَ طَرِيقُهُمَا وَاحِدًا.

ترجمہ: پڑوسی شفعہ کرنے کا زیادہ حق رکھتا ہے اگر وہ موجود نہ ہو اس بارے میں اس کا انتظار کیا جائے گا اگر ان دونوں کا راستہ ایک ہو۔ تشریح: شفعہ غیر حاضر ہو تو بھی اس کے لیے شفعہ ہے: اگر شفعہ کی عدم موجودگی میں کوئی جائیداد فروخت ہوئی تو اس کے واپس آنے تک انتظار کیا جائے گا اگر وہ واپس آ کر جائیداد کا مطالبہ کرے تو اس کا حق زیادہ ہے لیکن شرائط معروفہ کے ساتھ ① طلب مواثبہ ہو ② طلب اشہاد ہو ③ طلب خصومت ہو فوراً شور مچائے اس کو طلب مواثبہ کہتے ہیں پھر فوراً گواہ بنائے پھر فوراً عدالت سے رجوع کرے یہ مسئلہ اجماعی ہے کسی کا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ اور یہ حدیث بھی قابل استدلال ہے۔

سند پر کلام: مزے کی بات یہ ہے کہ شعبہ جرح بھی کر رہے ہیں اور ساتھ ساتھ روایت بھی کر رہے ہیں بعینہ اسی حدیث کو ورواہ شعبہ عن عبد الملك بن ابی سلیمان ہذا الحدیث لیکن بڑے بڑے محدثین نے ان کی توثیق بھی کی ہے سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عبد الملك بن ابی سلیمان رحمہ اللہ میزان ہیں معیار ہیں حدیث کی صحت و سقم کا تو جو میزان العلم ہے اس کی توثیق میں کیا شبہ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ إِذَا خَذَتِ الْخُدُودُ وَقَعَتِ السِّهَامُ فَلَا شُفْعَةَ

باب ۳۳: جب حدود متعین ہو جائیں اور حصے ہو جائیں تو شفعہ کا حق نہیں ہوگا

(۱۲۹۱) إِذَا وَقَعَتِ الْخُدُودُ وَصُرِفَتِ الطُّرُقُ فَلَا شُفْعَةَ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: جب حدود مقرر ہو جائیں اور راستے الگ ہو جائیں تو شفعہ کا حق نہیں رہے گا۔

جہور کے ہاں شفعہ صرف غیر منقولات میں ہوتا ہے منقولات میں نہیں ہوتا عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ شفعہ ہر چیز میں ہوتا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے بھی یہی ہے۔

جواب: استغراق حقیقی نہیں بلکہ عرفی ہے غیر منقولی چیز عام ازیں مکانات کے قبیل سے ہوں یا ارضین کے قبیل سے ہوں یعنی عام مخصوص منہ البعض ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الشَّرِيكَ شَفِيعٌ

باب ۳۴: شراکت دار شفعہ کا حق رکھتا ہے

(۱۲۹۲) الشَّرِيكَ شَفِيعٌ وَالشَّفْعَةُ فِي كُلِّ شَيْءٍ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شراکت دار شفعہ کا حق رکھتا ہے اور شفعہ ہر چیز میں ہوتا ہے۔

مذہب فقہاء: تشریح: یہاں مصری نسخہ میں یہ باب ہے باب ما جاء ان الشريك شفيع ائمہ ثلاثہ رضی اللہ عنہم نے اس حدیث کا بھی منطوق و مفہوم لیا ہے منطوق یہ ہے کہ شریک کے لیے شفعہ ہے اور مفہوم یہ ہے کہ غیر شریک کے لیے شفعہ نہیں اور احناف نے صرف منطوق لیا ہے کہ شریک کے لیے خواہ نفس بیع میں شریک ہو یا حقوق میں شفعہ ہے اور مفہوم مخالف ان کے نزدیک معتبر نہیں کیونکہ دیگر روایات سے غیر شریک کے لیے بھی شفعہ ثابت ہے اور تمام ائمہ متفق ہیں کہ شفعہ صرف جائداد یعنی مکان اور زمین میں ہے منقولات میں حق شفعہ نہیں اور یہ روایت مرفوع نہیں ہے اصح یہ ہے کہ مرسل ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي اللَّقْظَةِ وَضَالَةِ الْإِبِلِ وَالْغَنَمِ

باب ۳۵: گری ہوئی چیز، گمشدہ اونٹ یا بکری کا حکم

(۱۲۹۳) أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنِ اللَّقْظَةِ فَقَالَ عَرَفْتُهَا سَنَةً ثُمَّ اعْرِفْ وَكَأَنَّهُمَا وَوَعَاءُهَا وَعِصَا صَهَا ثُمَّ اسْتَنْفَقَ بِهَا فَإِن جَاءَ رَبُّهَا فَأَدَّهَا إِلَيْهِ فَقَالَ لَهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَضَالَةُ الْغَنَمِ فَقَالَ خُذْهَا فَإِنَّمَا هِيَ لَكَ أَوْ لَا خِيَتِكَ أَوَّلَ الذَّنْبِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَضَالَةُ الْإِبِلِ قَالَ فَغَضِبَ النَّبِيُّ ﷺ حَتَّى احْمَرَّتْ وَجْنَتَاهُ أَوْ احْمَرَّتْ وَجْهَهُ فَقَالَ مَالِكٌ وَلَهَا مَعَهَا حِذَائُهَا وَسِقَائُهَا حَتَّى تَلْقَى رَبَّهَا.

ترجمہ: حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گری ہوئی چیز کے بارے میں دریافت کیا، تو آپ نے ارشاد فرمایا: تم ایک سال تک اس کا اعلان کرو۔ اس کے بعد اس تھیلی اور اس کے منہ پر باندھی ہوئی رسی کو پہچان لو، پھر تم اسے خرچ کر لو! اگر (بعد میں) اس کا مالک آجائے تو تم وہ (قیمت جو اس میں موجود تھی) اس کو ادا کر دینا۔ انہوں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! گمشدہ بکری کے بارے میں کیا حکم ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم اسے پکڑ لو کیونکہ وہ یا تو تمہیں ملے گی یا

تمہارے کسی بھائی کو ملے گی یا اسے بھیڑیا لے جائے گا۔ انہوں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ گمشدہ اونٹ کا کیا حکم ہے؟ تو نبی اکرم ﷺ غضب ناک ہو گئے۔ یہاں تک کہ آپ کے رخسار مبارک (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) آپ ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: تمہارا اس کے ساتھ کیا واسطہ ہے۔ اس کے پاؤں اس کے ساتھ ہیں پانی کا ذخیرہ (یعنی اس کا پیٹ) اس کے ساتھ ہے۔ وہ خود اپنے مالک تک پہنچ جائے گا۔

(۱۲۹۴) اَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ سُئِلَ عَنِ اللَّقْظَةِ فَقَالَ عَرَّفُهَا سَنَةً فَإِنْ اعْتَرَفْتَ فَأَدِّهَا وَإِلَّا فَأَعْرِفْ وَعَافِهَا وَعِفَّاصُهَا وَوَكَائِهَا وَعَدَّهَا ثُمَّ كُلُّهَا فَإِذَا جَاءَ صَاحِبُهَا فَأَدِّهَا.

ترجمہ: حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ سے گری ہوئی چیز ملنے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک سال تک اس کا اعلان کرو، اگر اس کا اعتراف کر لیا جائے تو اسے ادا کر دو ورنہ اس کی تھیلی، ڈوری اور اس میں موجود (رقم) وغیرہ کی پہچان رکھو۔ اور پھر تم اسے استعمال کر لو، اگر بعد میں اس کا مالک آجائے تو اسے ادا کیلگی کر دینا۔

(۱۲۹۵) خَرَجْتُ مَعَ زَيْدِ بْنِ صُوحَانَ وَسَلْمَانَ بْنِ رَبِيعَةَ فَوَجَدْتُ سَوْطًا قَالَ ابْنُ مُيَمَّرٍ فِي حَدِيثِهِ فَلَتَقَطْتُ سَوْطًا فَأَخَذْتُهُ قَالَ دَعُهُ فَقُلْتُ لَا أَدْعُهُ تَأْكُلُهُ السِّبَاعُ لَا خَذْنُهُ فَلَا سَتْمَتَعَنَ بِهِ فَقَدِمْتُ عَلَى أَبِي بِنِ كَعْبٍ فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذَلِكَ وَحَدَّثْتُهُ بِهَا فَقَالَ لِي عَرَّفُهَا حَوْلًا فَعَرَفْتُهَا حَوْلًا فَمِنَّا أَجِدُ مَنْ يَعْرِفُهَا ثُمَّ أَتَيْتُهُ بِهَا فَقَالَ عَرَّفُهَا حَوْلًا آخَرَ فَعَرَفْتُهَا ثُمَّ أَتَيْتُهُ بِهَا فَقَالَ عَرَّفُهَا حَوْلًا آخَرَ وَقَالَ أَحْصِ عِدَّتَهَا وَوَكَائِهَا وَوَكَائِهَا فَإِنْ جَاءَ ظَالِمُهَا فَأَخْبَرَكَ بِعِدَّتِهَا وَوَكَائِهَا فَادْفَعُهَا إِلَيْهِ وَإِلَّا فَاسْتَمْتَعْ بِهَا.

ترجمہ: سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں حضرت زید بن صوحان رضی اللہ عنہ اور حضرت سلمان بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جا رہا تھا مجھے ایک کوڑا ملا۔ ابن نمیر نامی راوی نے اپنی روایت میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔ میں نے اس کوڑے کو اٹھا لیا، تو ان دونوں نے فرمایا: اسے چھوڑ دو۔ میں نے کہا میں اسے نہیں چھوڑوں گا ورنہ اسے درندے کھا جائیں گے میں تو اسے ضرور حاصل کروں گا۔ اور اس کے ذریعے نفع حاصل کروں گا۔ سوید بیان کرتے ہیں۔ پھر میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے اس کے بارے میں دریافت کیا اور یہ پورا واقعہ سنایا تو انہوں نے فرمایا۔ تم نے اچھا کیا ہے۔ میں نے نبی اکرم ﷺ کے زمانہ اقدس میں ایک تھیلی پائی جس میں ایک سودینار موجود تھے۔ میں اسے لے کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ تم ایک سال تک اس کا اعلان کرو میں نے ایک سال تک اس کا اعلان کیا لیکن مجھے کوئی ایسا شخص نہیں ملا جو اسے جانتا ہو پھر میں اسے لے کر نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا آپ نے فرمایا: ایک اور سال تک اس کا اعلان کرو۔ میں نے ایک سال تک اس کا اعلان کیا، پھر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ ایک اور سال تک اس کا اعلان کرو پھر آپ نے ارشاد فرمایا۔ اس کی گنتی کر لو وہ تھیلی اور اس کی پہچان یاد رکھو اگر اس کا طلب گار آ گیا اور اس نے اس کی گنتی، اس کی تھیلی اور اس کی رسی کی پہچان کر وادی۔ تو تم اس کے سپرد کر دینا ورنہ تم اسے خود استعمال کرو۔

تشریح: گرا پڑا سامان ہو تو اس کو لفظ کہا جاتا ہے لغت فصیح میں ق کے فتح کے ساتھ ہے حیوان ہو تو اس کو ضلالت کہا جاتا ہے اور اگر

انسانی بچہ ہو تو اس کو لقیط کہا جاتا ہے اس میں چھوٹے چھوٹے کئی مسئلے ہیں:

پہلا مسئلہ: لقطہ کے اتقاط کا کیا حکم ہے شرعی حیثیت کیا ہے؟ ① احناف کے ہاں تفصیل ہے اگر بڑے سامان کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو اٹھا لینا مباح ہے اور اگر ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو احناف کے ہاں اٹھا لینا افضل ہے۔

② شوافع کے ہاں واجب ہے۔ احناف کہتے ہیں کہ ترک اتقاط یہ تضييع کے باب میں سے نہیں ہے بلکہ یہ حفاظت غیر لازمہ کے اتناع کے قبیل سے ہے اگر اتقاط سے مقصود اپنے استعمال میں لانا ہو تو اتقاط حرام ہے گناہ کبیرہ ہے وہیں پڑے رہنے دے لہذا جن

احادیث میں فرمایا کہ ضالة المسلم حرق النار تو اس کا مصداق یہی ہے کہ اٹھانے سے مقصود اپنے تصرف میں لانا ہو

دوسرا مسئلہ: بعد از اتقاط کا حکم: اس میں بھی تفصیل ہے گرا پڑا سامان دو حال سے خالی نہیں کہ اگر وہ اتنی معمولی مالیت کا ہو ملحوظ کا ظن غالب یہی ہے کہ مالک اس کو تلاش نہیں کرے گا تو اگر یہ خود اہل صدقہ میں سے ہے تو خود استعمال کرے اور اگر خود اہل صدقہ میں سے نہیں ہے تو پھر کسی فقیر کو دیدے اور اگر یہ لقطہ اتنی مالیت کا ہو کہ مالک اس کا تعاقب اور تلاش کرے گا تو ایسی صورت میں مالک تک پہنچانے کے ارادہ سے اس کی حفاظت اور تشہیر دونوں واجب ہیں۔

تیسرا مسئلہ: مدۃ تشہیر کتنی ہے؟ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسی مسئلے کو زیر بحث لایا ہے۔

مذہب فقہاء: اعلان کی مدت کیا ہے اور دو مذاہب ہیں:

(۱) امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اعلان کی کوئی خاص مدت مقرر نہیں ہے بلکہ چیز کی حالت اور شان کے بقدر اعلان ہوگا۔

دلیل: زیر بحث باب کی روایت میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو تین سال تک لقطہ کا اعلان کرنے کا حکم دیا اسی باب میں حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ کی روایت میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے ایک سال تک اعلان کرنے کا حکم دیا بعض روایات میں دس دن کے اعلان کا بعض میں ایک ماہ تک اور بعض میں تین ماہ کا ذکر ہے ان سب سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ شرعی اعتبار سے تعریف کے لیے کوئی مدت مقرر نہیں بلکہ شئی کی حالت اور شان کے بقدر اعلان ہوگا۔

(۲) بعض ائمہ کے نزدیک لقطہ کا اعلان ایک سال تک کرنا واجب ہے۔

دلیل: ان کا استدلال زیر بحث باب کی روایت سے ہے وفیہ عرفھا سنة اس میں ایک سال تک اعلان کا حکم ہے اگر صرف یہی روایت ہوتی پھر تو ٹھیک تھا لیکن اس کے خلاف بھی روایات مذکور ہیں مثلاً اسی باب میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت میں تین سال کا ذکر ہے ان روایات متعارضہ میں تطبیق کی یہی صورت ہے کہ لقطہ کی شان کے بقدر مدت تک اعلان کیا جائے گا۔

مسئلہ نمبر ۴: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ لقطہ مالک کے حوالہ کب کیا جائے گا اس میں دو مذاہب ہیں:

① امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک جب کوئی آدمی آ کر شئی کی علامت بیان کر دے تو وہ چیز اس کے حوالے کر دینا واجب ہے کیونکہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ نے علامات محفوظ رکھنے کا حکم دیا تھا اس کا مقصد یہی تھا کہ جب کوئی علامت بتائے تو پھر اس کو دے دو۔

② جمہور ائمہ کے نزدیک محض علامات بتانے سے حوالے کرنا ضروری نہیں بلکہ اصل مقصد اعتماد اور یقین ہے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو بھی علامات محفوظ کرنے کے حکم سے اصل مقصد اطمینان ہی ہے اس سے معلوم ہوا کہ اگر علامت تو صحیح بتائے لیکن

اطمینان نہ ہو تو اس صورت میں حوالے کرنا واجب نہیں۔

مسئلہ نمبر ۵: مسئلہ مدت تشہیر گزر جانے کے بعد مالک کے نہ آنے پر آیا ملحقہ خود تصرف کر سکتا ہے یا نہیں امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسی مسئلے کو زیر بحث لایا ہے اس میں دو مذاہب ہیں:

(۱) احناف یہ کہتے ہیں کہ اگر ملحقہ خود اہل صدقہ میں سے ہو خود تصرف کر سکتا ہے اور اگر خود اہل صدقہ میں سے نہ ہو امیر ہو یا بنو ہاشم میں سے ہو تو اہل صدقہ کو دیدے۔

دلیل ۱: امام صاحب رحمہ اللہ کا استدلال ایک حدیث سے ہے وفيہ ضالة المسلم حرق النار۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ملحقہ غنی ہے تو اسکے لیے استعمال کرنا جائز نہیں اگر وہ استعمال کرے گا تو ایسا ہوگا جیسے وہ آگ کا انگارہ کھا رہا ہے اس کے علاوہ مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے آثار سے ہے۔

احناف کی دلیل ۲: حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے جس کی تخریج دارقطنی رحمہ اللہ نے کی ہے کہ:

فان جاء صاحبه فليؤدها اليه فان لم يأت فليتصدق.

”اگر اس کا مالک آجائے تو اسے دے اور اگر نہ آئے تو صدقہ کر دے۔“

دلیل ۳: حدیث عیاض بن حماد جس کی تخریج ابو داؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں کی ہے اس کے اندر یہ ہے کہ اگر اس کا مالک آجائے تو فبہا والافمال اللہ یوتیہ من یشاء اور عمومی طور پر مال اللہ تعبیر ہوتی ہے مال صدقہ سے تو معلوم ہوا کہ اس پر صدقہ کے احکام جاری ہوں گے۔

(۲) امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مدت مقررہ تک اعلان کرنے کے بعد ملحقہ خود استعمال کر سکتا ہے چاہے فقیر ہو یا غنی جب مالک آجائے تو ضمانت لازم ہوگی۔

دلیل اول: زیر بحث باب میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے کہ ان کو نبی ﷺ نے باوجود غنی ہونے کے لقطہ سے اشفاق کی اجازت دی۔

جواب ①: یہ ہے کہ اس پر کیا دلیل ہے کہ جس وقت حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو تھیلی ملی تھی اس وقت بھی غنی تھے خصوصاً یہ بھی عدم غنی ہونے پر دال ہے کہ جب قرآن مجید کی آیت ﴿كُنْ تَنَازُلًا لِلدِّينِ...﴾ (آل عمران: ۹۲) نازل ہوئی تو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے اپنا باغ سب سے زیادہ پسندیدہ ہے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ صدقہ کر دو تو انہوں نے وہ باغ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر صدقہ کر دیا تو معلوم ہوا کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ (پہلے) فقیر تھے اور ظاہر ہے کہ فقیر اہل صدقہ میں سے ہے۔

جواب ②: تصرف ہوا ہے لیکن باذن الحاکم۔

دلیل ثانی: ترمذی میں حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے وفيہ والافشائك بہا کہ اگر اس سامان کا مالک نہ آئے تو تم جانو اور تمہارا وہ سامان جانے یعنی پھر خود استعمال کر لو۔

جواب: فشانك بہا کا یہ معنی نہیں ہے کہ پھر خود استعمال کر لو بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر مالک نہ آئے تو پھر احکام شرعیہ کے مطابق

عمل کروا کر مستحق ہو تو استعمال کر لو ورنہ صدقہ کر دو۔

دلیل ثالث: باب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہیں سے ایک دینار مل گیا تھا آپ نے اس کا اعلان کیا جب مالک نہیں ملا تو نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کھانے کی اجازت دی اگر لفظ کو صدقہ کرنا واجب ہوتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کھانے کی اجازت نہ دیتے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بنو ہاشم میں سے ہیں اور بنو ہاشم کے لیے صدقہ ناجائز ہے اس سے معلوم ہوا کہ ملتقط لفظ سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے چاہے مستحق ہو یا نہ ہو۔

واقعہ علی رضی اللہ عنہ کا جواب ①: یہ ہے کہ یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے کہ جب ابھی تک لفظ کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔

جواب ②: اس واقعہ سے استدلال درست نہیں ایک تو اس وجہ سے کہ اس واقعہ میں دینار کے کھانا کا کوئی ذکر نہیں۔

ثانیاً: یہ کہ لفظ کو کھانے کا جائز ہونا یہ ایک الگ بات ہے اور بشرط ضمان کھانے پر مالک کی رضا پر ظن غالب دوسری بات ہے۔

تفصیل اجمال: اس اجمال کی تفصیل ابو داؤد میں اس طرح مذکور ہے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہ تھی حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما دونوں بھوکے تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو راستہ میں سے ایک دینار مل گیا دینار کا مالک اعلان کے باوجود معلوم نہ ہوا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کی مدد ہے وہ دینار لے کر یہودی کی دکان پر آٹا لینے کے لیے گئے یہودی نے آٹا مفت دے دیا پھر ایک قصائی سے ایک درہم کا گوشت خریدا اور دینار اس کے پاس رہن رکھ دیا جب کھانا تیار ہوا اتنے میں نبی ﷺ تشریف لائے پھر حضرت علی اور فاطمہ رضی اللہ عنہما نے تمام واقعہ سنایا پھر پوچھا کہ یہ کھانا ہمارے لیے جائز ہے یا نہیں نبی ﷺ نے فرمایا جائز ہے کھانا کھا رہے تھے اتنے میں باہر سے ایک لڑکے نے آواز لگائی کہ میرا دینار گم ہو گیا ہے پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ دینار کا مالک آگیا ہے پھر آپ نے فرمایا کہ قصائی کے درہم کا میں ذمہ دار ہوں آپ اس سے دینار لے کر واپس کر دیں۔

جواب ②: گرے پڑے ہوئے سامان کو اٹھانا دو حیثیتیں بغرض حفاظت مالک تک پہنچانے کے ارادہ سے اس طور پر اس پر لفظ کے احکام جاری ہوں گے (۲) بغرض تصرف بارادۃ اداء ضمان اکتفاء علی الاجازات الحکمیہ جیسا کہ کسی دوست کا سامان کسی کے پاس ہو تو وہ بوقت مجبوری اس کو استعمال کر لیتا ہے۔

اکتفاء علی الاجازۃ الحکمیۃ اور اس حیثیت سے لفظ کو اٹھانا اس صورت میں اس پر لفظ کے احکام جاری نہیں ہوتے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سامان کو اٹھانا اسی دوسری حیثیت سے تھا۔

پانچواں مسئلہ: التقاط الابل یجوز ام لا: عند الاحناف یجوز عند الشوافع لا یجوز۔

احناف کی دلیل: (واقعہ) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جو تعلیق المحمود ابو داؤد کا حاشیہ ہے اس میں ہے کہ ان کے زمانہ میں گمشدہ اونٹ کو محفوظ کر لیا جاتا تھا جب حفاظت میں دشواری ہوتی تو فروخت کر کے اس کے ثمن بیت المال میں محفوظ کر لئے جاتے تھے اور مالک کے آنے پر ہر وہ ثمن مالک کو دے دیئے جاتے تھے یہ قرینہ ہے کہ التقاط الابل جائز ہے۔

شوافع کی دلیل: حدیث زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ ہے۔

جواب ①: احناف یہ کہتے ہیں کہ لفظ سے خاص لفظ مراد ہے کہ جس کی مالیت اتنی ہو کہ ظن غالب یہ ہو کہ مالک ایک سال تک اس

کی تلاش میں ہوگا اس کے متعلق ارشاد فرمایا عوفہا سنة وعاء چڑے کا برتن ہو یا چڑے کے ماسواء کا برتن ہو اور عفاص چڑے کے برتن کو کہتے ہیں۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ دعاء مطلق برتن عام ازیں اس کے اندر کھانے کی چیز ہو یا نہ ہو اور عفاص وہ ہے کہ جس کے اندر کھانے پینے کی کوئی چیز ہو اگر لفظ کو استعمال کر لیا تو مالک کو کیا دیگا اگر ذوات الامثال میں سے ہے تو مثل دے گا اور اگر ذوات القیم میں سے ہے تو قیمت دے گا فاما ہی لك مالک کے نہ آنے پر مدۃ تشہیر تک اور تم اہل صدقہ میں سے ہو اور اگر مالک آ گیا تو وہ لے لے گا اور اگر مالک بھی نہ آئے اور تم بھی نہ اٹھاؤ تو پھر بھیڑیا لے لے گا عرض کیا گیا کہ اونٹ کا کیا حکم ہے تو حضور ﷺ غصے ہو گئے اور چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور فرمایا مالک ولہا تمہارا کیا واسطہ گم شدہ اونٹ کے ساتھ اس کے ساتھ اس کا مشکیزہ ہے کئی کئی دن تک کھاپی سکتا ہے چرتا رہے گا یہاں تک کہ اس کا مالک اس کو پالے گا دیکھو صراحتاً معلوم ہو رہا کہ اونٹ کا انقاط جائز نہیں ہے۔

جواب ②: نبی کریم ﷺ کا زمانہ خیر کا تھا ضائع کا اندیشہ نہیں تھا اس لیے اجازت نہیں دی۔

سوال: بکری کے ضائع ہونے کا بھی اندیشہ نہیں تھا؟

جواب: بکری اپنا دفاع نہیں کر سکتی بخلاف اونٹ کے کہ کوئی حملہ کر کے دیکھے نیز یہ حدیث دال ہے کہ انقاط والا حکم معلول بالعلۃ ہے اور وہ علۃ ضیاع کا خوف ہے بعد میں ضیاع کا اندیشہ ہو تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انقاط الابل کی اجازت دے دی تھی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوَقْفِ

باب ۳۶: وقف کا حکم

(۱۲۹۶) قَالَ اصَابَ عُمَرُ اَرْضًا بِحَيَبَرَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ اَصْبْتُ مَالًا بِحَيَبَرَ لَمْ اَصْبْ مَالًا قَطُّ اَنْفَسَ عِنْدِي مِنْهُ فَمَا تَأْمُرُنِي قَالَ اِنْ شِئْتَ حَبِسْتَ اَصْلَهَا وَتَصَدَّقْتَ بِهَا فَتَصَدَّقَ بِهَا عُمَرُ اِنَّهَا لَا يُبَاعُ اَصْلُهَا وَلَا يُوهَبُ وَلَا يُورَثُ تَصَدَّقَ بِهَا فِي الْفُقَرَاءِ وَالْقُرْبَىٰ وَالرِّقَابِ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَالضَّيْفِ لَا جُنَاحَ عَلَىٰ مَنْ وَلِيَهَا اَنْ يَأْكُلَ مِنْهَا بِالْمَعْرُوفِ اَوْ يُطْعِمُ صَدِيقًا غَيْرَ مُتَمَوِّلٍ فِيْهِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیبر میں کچھ زمین (مال غنیمت میں) حصے میں ملی۔ انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے خیبر میں کچھ زمین ملی ہے۔ مجھے ایسی کوئی زمین کبھی نہیں ملی جو میرے نزدیک اس سے زیادہ نفیس ہو۔ آپ مجھے کیا ہدایت کرتے ہیں؟ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اگر تم چاہو تو زمین اپنے پاس رکھو اور اس کی پیداوار کو صدقہ کر دو۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو صدقہ کر دیا۔ اس طرح کہ اس زمین کو فروخت نہیں کیا جاسکتا اسے ہبہ نہیں کیا جاسکتا، وراثت میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا لیکن اس کی پیداوار کو غریبوں میں قریبی رشتہ داروں میں، غلاموں کے لئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں مسافروں کے لئے، مہمانوں کے لئے خرچ کیا جائے گا، اور جو شخص اس کا نگران ہوگا اس کو کوئی گناہ نہیں ہوگا اگر وہ خود مناسب طریقے سے اس میں سے کھا لیتا ہے یا اپنے کسی درست کو کھلا دیتا ہے، جبکہ وہ اسے جمع کرنے والا نہ ہو۔

(۱۲۹۷) إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ صَدَقَةٌ جَارِيَةٌ وَعِلْمٌ يُنْتَفَعُ بِهِ وَوَلَدٌ صَالِحٌ يَدْعُو لَهُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب آدمی مر جاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے۔ سوائے تین اعمال کے، صدقہ جاریہ، وہ علم جس کے ذریعے نفع حاصل کیا جاتا ہے اور وہ نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرتی ہے۔
تشریح: زیر بحث باب کی روایت میں ایک زمین کو وقف کرنے کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیبر میں ایک زمین ملی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس زمین کو صدقہ کر دیا یعنی اصل کو وقف کر دیا اور منافع کو صدقہ کر دیا اور وقف کے اندر یہ شرط رکھی کہ اس کی اصل کو کبھی فروخت نہیں کیا جاسکے گا نہ ہب ہوگا نہ اس میں کبھی وراثت جاری ہوگی البتہ اس کے منافع کو مستحقین پر خرچ کیا جائے۔
ان شدت حبست اس لفظ کو دو طرح پڑھنا صحیح ہے:

(۱) حبست بالتخفیف اس صورت میں یہ باب ضرب بضر سے ماضی کا صیغہ ہوگا اس کا لغوی معنی ہے روک کر رکھنا اور اس مقام پر روکنے سے مراد وقف ہوگا۔

(۲) حبست بالتشدید اس صورت میں یہ ماضی کا صیغہ ہوگا باب تفعیل سے معنی یہ ہوگا کہ نبی ﷺ نے فرمایا اگر چاہو اس کی اصل کو وقف کر دو منافع کو صدقہ کر دو بعض فقہاء کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ وہ چیز واقف کی ملکیت سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں داخل ہوگی۔

مذہب فقہاء: وقف کی حقیقت کیا ہے؟ وقف کی حقیقت میں اختلاف ہے اور اس میں دو مذہب ہیں:

① ائمہ ثلاثہ اور صاحبین رحمہم کے نزدیک شی موقوف سے واقف کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں آ جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ اس کا ہبہ اور وراثت نہیں ہو سکتے۔

② امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس مسئلہ میں کچھ تفصیل ہے وہ یہ کہ یہاں کل چار صورتیں بنتی ہیں: (۱) اگر کوئی آدمی زمین کا رقبہ وقف کرے تو اس سے واقف کی ملکیت ختم ہو جائے گی۔ (۲) اگر کسی آدمی نے زمین کا رقبہ تو وقف نہیں کیا بلکہ اس کے منافع وقف کئے اور منافع کو اپنی موت کے بعد تک منسوب کیا کہ میرے مرنے کے بعد بھی اس کے منافع وقف ہوں گے اس صورت میں منافع ہمیشہ کے لیے وقف ہوں گے۔ (۳) اگر واقف نے موت کے ساتھ معلق تو نہیں کیا لیکن کسی حاکم نے یہ فیصلہ کر دیا کہ یہ وقف دائمی ہے تو پھر بھی یہی مسئلہ ہے ان سب صورتوں میں واقف وقف سے رجوع نہیں کر سکتا۔ (۴) واقف نے رقبہ وقف نہیں کیا بلکہ منافع وقف کئے اور موت پر معلق بھی نہیں کیا اور کسی حاکم نے دائمی ہونے کا فیصلہ بھی نہیں کیا اس صورت میں اس وقت تک وقف ہوگا جس وقت تک واقف وقف کر لے اور واقف رجوع کر سکتا ہے مگر احناف کے یہاں فتویٰ صاحبین رحمہم کے قول پر ہے کیونکہ اس میں وقف کی مصلحت ہے اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک چونکہ اس صورت میں وقف کی بیع اور ہبہ صحیح ہے اگرچہ مکروہ ہے اس لیے وقف کے خرد برد ہونے کا احتمال ہے اس لیے بر بنائے مصلحت صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا گیا ہے پس فتویٰ کی رو سے اس باب میں کوئی اختلاف نہیں۔

لا جناح علی من... الخ جو آدمی وقف کا متولی ہو اس کے لیے جائز ہے کہ شرعی دستور کے مطابق اس وقف کی آمدنی استعمال کرے اسی طرح اگر اپنے دوست کو کھلائے اور مہمانوں کو کھلائے الغرض اپنی تمام ضروریات کو اعتدال کے ساتھ اس کی آمدن سے

پورا کر سکتا ہے۔

قال فذکرہ لمحمد ابن سرین..... الخ ابن عون رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ بات محمد بن سرین رضی اللہ عنہ کے سامنے ذکر کی کہ مجھے حضرت نافع رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سنائی ہے تو حضرت محمد بن سرین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم جو یہ الفاظ کہہ رہے ہو غیر متمول فیہ مجھے یہ حدیث اس طرح یاد ہے یعنی غیو متائل مالا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے مال کو جڑ پکڑانے والا نہ ہو ابن عون رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ حدیث مجھے بعد میں ایک اور شخص نے سنائی اور اس شخص نے یہ کہا کہ اس نے ایک سرخ چمڑے کے ٹکڑے پر لکھی ہوئی یہ عبارت پڑھی۔ غیر متائل مالا۔ اس سے معلوم ہوا کہ متائل والی روایت زیادہ صحیح ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعَجَمَاءِ أَنَّ جُرْحَهَا جُبَارٌ

باب ۳۷: جانور کے زخمی کرنے کا کوئی تاوان نہیں ہوتا

(۱۲۹۸) الْعَجَمَاءُ جَرَّحُهَا جُبَارٌ وَالْبَيْزُ جُبَارٌ وَالْمُعْدِنُ جُبَارٌ وَفِي الرِّكَازِ الْخُمْسُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جانور اگر کسی کو زخمی کر دے تو اس کا کوئی جرمانہ نہیں ہوتا۔ کنویں میں اگر کوئی گر جائے، تو اس کا کوئی جرمانہ نہیں ہوتا (معدنیات) کان میں گر جائے، تو بھی کوئی جرمانہ نہیں ہوتا اور خزانے میں پانچویں حصے کی ادائیگی لازم ہے۔

حدیث: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چوپائے کا زخم رائگاں ہے اور کنواں رائگاں ہے اور کھان رائگاں ہے اور رکاڑ میں خمس ہے اس حدیث کی شرح کتاب الزکوٰۃ باب ۱۶ میں گزر چکی ہے۔

بَابُ مَا ذَكَرْنِي أَحْيَاءُ أَرْضِ الْمَوَاتِ

باب ۳۸: بنجر زمین کو آباد کرنا

(۱۲۹۹) مَنْ أَحْيَى أَرْضًا مَيِّتَةً فَهِيَ لَهُ وَلَيْسَ لِعَزْقٍ ظَالِمٍ حَقٌّ.

ترجمہ: حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: جو شخص کسی بنجر زمین کو آباد کرے وہ زمین اس کی ہوگی اور کسی ظالم شخص کو (اس پر قبضہ کرنے کا) حق نہیں ہوگا۔

(۱۳۰۰) مَنْ أَحْيَى أَرْضًا مَيِّتَةً فَهِيَ لَهُ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں جو شخص بنجر زمین کو آباد کرے وہ زمین اس کی ہوگی۔
مذاہب فقہاء: اگر کوئی شخص کسی ویران زمین کو آباد کرے اور کاشت کے قابل بنائے تو کیا آباد کاری کرنے سے وہ اس کا مالک ہو جائے گا یا حکومت کی اجازت ضروری ہے؟

① ائمہ ثلاثہ اور صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک آباد کاری سے مالک ہو جائے گا اجازت لینے کی ضرورت نہیں اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جس شخص نے کسی ویران زمین کو آباد کیا وہ زمین اس کی ہے یعنی آباد کاری کرنے والا زمین کا مالک ہو گیا۔
جمہور کی دلیل: حدیث باب سعید بن زید رضی اللہ عنہ ہے (لام لام تملیک ہے)۔

جواب: لام لام استحقاق ہے آباد کرنے والا زمین کا حق دار بن جاتا ہے لہذا حاکم کو چاہیے کہ اس کے لیے فیصلہ کر دے یعنی اس کی اجازت دے دے۔

② امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک مالک ہونے کے لیے حکومت کی اجازت ضروری ہے۔ اجازت خواہ لاحقہ ہو یا سابقہ یعنی اجازت لے کر زمین آباد کی ہو یا آباد کرنے کے بعد اجازت لی ہو بہر حال اجازت لینے ضروری ہے محض آباد کاری سے مالک نہیں ہوگا اور دلیل نبی ﷺ کا ارشاد ہے: لیس للمراء الا ما طابت به نفس امامہ انسان کے لیے صرف وہ چیز طیب ہے جس سے اس کے امام کا دل خوش ہو جائے۔ (نصب الراية ۳: ۴۳۱) یہ ارشاد سرکاری املاک کے بارے میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ آدمی سرکاری چیز کا مالک جمعی ہوگا جب امیر اجازت دے اس کی اجازت کے بغیر کوئی شخص کسی سرکاری چیز کا مالک نہیں ہو سکتا۔

وَلَيْسَ لِعَرَقِ ظَالِمٍ حَقٌّ: حدیث میں دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ظالم کی رگ (مرکب اضافی) یا ظالم رگ (مرکب توصیفی) کے لیے کوئی حق نہیں اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کی آبادی ہوئی زمین میں درخت لگائے یا کوئی تعمیر کرے تو وہ ظالم ہے۔ اور اس کا یہ تصرف ظالمانہ ہے پس اس پر اپنے درخت کو کاٹ لینا اور عمارت کو توڑ لینا ضروری ہے ہاں اگر وہ درخت کاٹنے کے بجائے کٹے ہوئے درختوں کی قیمت لینا چاہے اور مالک اس پر راضی ہو تو یہ جائز ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقَطَائِعِ... الخ

باب ۳۹: جاگیر دینا

(۱۳۰۱) أَنَّهُ وَقَدَّاهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَاسْتَقْطَعَهُ الْبَلَحُ فَقَطَعَ لَهُ فَلَمَّا أَنْ وَلَّى قَالَ رَجُلٌ مِنَ الْمَجْلِسِ أَتَدْرِي مَا قَطَعْتَ لَهُ إِنَّمَا قَطَعْتَ لَهُ الْبَاءَ الْعِدَّ قَالَ فَاثَرَّ عَنْهُ مِنْهُ قَالَ وَسَأَلَهُ عَنْ مَا يُحْلَى مِنَ الْأَرَاكِ قَالَ مَا لَمْ تَنْلُهُ خِفَافُ الْأَيْلِ فَأَقْرَبَهُ قُتَيْبَةُ، وَقَالَ: نَعَمْ.

ترجمہ: راوی بیان کرتے ہیں: میں نے قتیبہ بن سعید رحمہ اللہ سے دریافت کیا، کیا محمد بن یحییٰ رحمہ اللہ نے اپنی سند کے حوالے سے آپ کو یہ حدیث سنائی ہے؟ حضرت ابیض بن حمال رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے نمک کی کان بطور جاگیر عطا کرنے کی درخواست کی۔ نبی اکرم ﷺ نے وہ انہیں عطا کر دی جب وہ واپس جانے لگے تو حاضرین میں سے ایک شخص نے عرض کی: کیا آپ جانتے ہیں۔ آپ نے اسے کیا عطا کیا ہے۔ آپ نے انہیں جاری رہنے والا پانی عطا کر دیا ہے۔ راوی بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے وہ ان سے واپس لے لی پھر انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے اس زمین کی درخواست کی جہاں پیلو کے درخت بکثرت تھے تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ وہاں تک جہاں تک اونٹوں کے پاؤں نہ پہنچے۔

(۱۳۰۲) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَقْطَعَهُ أَرْضًا بِحَضَرِ مَوْتٍ.

ترجمہ: علقمہ بن وائل رضی اللہ عنہ اپنے والد کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے انہیں "حضر موت" میں زمین جاگیر کے طور پر دی تھی۔

تشریح: قطائع جمع ہے قطیعة کی اس کا معنی ہے جاگیر مراد اس سے وہ زمین ہے جس کو حاکم بطور عطیہ دے۔

قلت لقتیبہ بن سعید... الخ حدیث کی روایت کو نقل کرنے کے مختلف طریقے ہوتے ہیں جن میں سے ایک طریقہ ہے عرض اس مقام پر یہی طریقہ مراد ہے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جب شاگرد استاد کے سامنے حدیث پڑھے تو شاگرد ان الفاظ سے شروع کرے حدثکم فلاں کہ فلاں نے آپ سے یہ حدیث بیان کی ہے جیسے اس مقام پر مذکور ہے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنے استاد قتیبہ بن سعید رضی اللہ عنہ کے سامنے حدیث پڑھی اور کہا حدثکم محمد بن یحییٰ کہ آپ کو یہ حدیث محمد بن یحییٰ نے سنائی اور پھر آخر میں استاد اقرار کرتا ہے جیسے اس مقام پر مذکور ہے فاقربہ قتیبہ کہ قتیبہ نے اپنے شاگرد امام ترمذی رحمہ اللہ کی تائید کی اور اقرار کیا۔

فَانْتَزَعَهُ مِنْهُ:

سوال: جب ایک مرتبہ نبی ﷺ نے ان کو کھان دے دی تو پھر واپس کیوں لیا، بظاہر یہ آپ ﷺ کی شان کے خلاف ہے؟
جواب: نبی ﷺ کا خیال یہ تھا کہ اس کان سے نمک نکالنے کے لیے بہت محنت کرنی پڑے گی تب اس سے فائدہ حاصل ہو سکے گا لیکن جب آپ کو یہ بتادیا گیا کہ وہ کان تیار ہے چونکہ ایسی معدن سے تمام مسلمانوں کا حق متعلق ہوتا ہے کسی ایک کو دے کر دوسروں کو محروم کرنا مناسب نہیں اس لیے نبی ﷺ نے واپس لے لی۔

سَأَلَهُ عَمَّا يَجْعَلِي..... الخ: یہ اس حدیث کا دوسرا جملہ ہے کہ شرکاء مجلس میں سے کسی نے سوال کیا کہ اگر کوئی آدمی پیلو کے درخت کے جنگل کو قبضے میں کر لے تو اس کا کیا حکم ہے آپ ﷺ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا: مَالَهُ تَنْلَهُ خِفَافُ الْإِبِلِ مطلب یہ ہے کہ اگر بستی کی ضروریات اس زمین سے متعلق نہ ہوں اور بستی کے اذنوں کی چراگاہ نہ ہو تو پھر اس احواء سے ملکیت حاصل ہوگی ورنہ نہیں۔
کیا شرعاً جاگیر دینا جائز ہے؟ دو طریقوں سے جاگیر دینا جائز ہے: ① یہ کہ کوئی سرکاری زمین جو سرکار کی ملکیت میں ہو اگر حاکم کسی شخص کو بطور جاگیر کے دے دے تو یہ جائز ہے۔

② یہ کہ حاکم ارض موات میں سے کوئی حصہ کسی کو بطور جاگیر دے دے لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ تین سال کے اندر اندر اس کو آباد کرے اگر ایسا نہ کیا تو واپس لے کر وہ کسی دوسرے کو دے دے دی جائے۔

سوال: زیر بحث باب کی روایت میں مذکور ہے کہ حضرت ابیض بن حمال رضی اللہ عنہ سے جاگیر واپس لے لی اس سے معلوم ہوا کہ حکومت کسی کی مملوکہ زمین کو لے سکتی ہے تو کیا اس حدیث کے مطابق حکومت کو یہ حق حاصل ہے کہ کسی کی مملوکہ زمین کو لے لے؟

جواب: حکومت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی کی مملوکہ زمین کو لے لے اور زیر بحث باب کی روایت سے یہ استدلال ہرگز درست نہیں کیونکہ نبی ﷺ نے صحابی سے جاگیر واپس لی تھی ان کی ملکیت میں آنے سے پہلے نہ تو اس پر قبضہ کیا تھا اور نہ ہی احواء موات کا کوئی عمل کیا تھا۔

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَقْطَعَهُ أَرْضًا بِحَضَرِ مَوْتٍ: اس حدیث میں حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کو حضر موت میں جاگیر دینے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ جب نبی ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ حضر موت بھیجا تو حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ اونٹ پر

سوار تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی سواری نہ تھی۔ جب راستے میں دھوپ تیز ہو گئی تو انہوں نے وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے ارداف کا مطالبہ کیا۔ وائل بن حجر نے جواب دیا کہ تم بادشاہوں کے پیچھے بیٹھنے کے قابل نہیں ہو لہذا میرے اونٹ کے سائے میں ساتھ ساتھ چلتے رہو۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یمن تک پورا سفر اسی طرح طے کیا وہاں پہنچ کر ان کو زمین دے دی اور واپس آ گئے۔ بعد میں جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ بن گئے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ یمن سے دمشق ان کی ملاقات کے لئے آئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے باہر نکل کر ان کا استقبال کیا اور اکرام کیا۔

بَاب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْغَرَسِ

باب ۴۰: درخت لگانے کی فضیلت

(۱۳۰۳) مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا أَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا فَعَايَا كُلُّ مِنْهُ إِنْسَانٌ أَوْ طَيْرٌ يَهْتِمُّ إِلَّا كَانَتْ لَهُ صَدَقَةٌ. ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں جو بھی مسلمان کوئی پودا وغیرہ لگاتا ہے یا کوئی کھیت لگاتا ہے اور اس میں سے کوئی انسان یا پرندہ یا جانور کچھ کھالیتے ہیں، تو وہ اس شخص کے لئے صدقہ شمار ہوتا ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْمَزَارَعَةِ

باب ۴۱: کھیتی باڑی کا بیان

(۱۳۰۴) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ عَامَلَ أَهْلَ خَيْبَرَ بِشَطْرِ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا مِنْ ثَمَرٍ أَوْ زَرْعٍ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے اہل خیبر کو وہاں کام کرنے کی اجازت اس شرط پر دی تھی کہ وہاں کی پیداوار میں سے، پھلوں یا کھیت میں سے نصف (مسلمانوں کو ادا کیا جائے گا)۔

اس باب میں مزارعت کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔ مزارعت کی چار صورتیں ہیں:

- ① مالک اپنی زمین کاشتکار کو کرائے پر دے دے۔ یہ صورت بالاتفاق جائز ہے۔
- ② کہ زمین کو اس شرط پر مزارعت کے لیے دینا کہ پیداوار کا کچھ حصہ زمیندار کا ہوگا اور کچھ حصہ کاشتکار کا اگر زمین کا مالک ایک متعین مقدار اپنے لیے مقرر کر لے تو یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے۔ کیونکہ معلوم نہیں پیداوار کتنی ہوگی۔
- ③ زمین کا مالک ایک مخصوص حصہ کی پیداوار اپنے لیے خاص کر لے۔ یہ صورت بھی بالاتفاق ناجائز ہے۔
- ④ یہ کہ زمین کا مالک ایک مناسب مقدار اپنے لیے مقرر کر لے مثلاً کل پیداوار کا ثلث یا ربع اس جواز میں اختلاف ہے اور مذاہب فقہاء دو مذہب ہیں:

① جمہور ائمہ رحمہم کے نزدیک یہ صورت جائز ہے۔

دلیل: ان کا استدلال زیر بحث باب کی روایت سے ہے کہ نبی ﷺ نے خیبر والوں سے جو معاہدہ کی تھا وہ مزارعت کا تھا کہ خیبر والے زمینوں کو کاشت کریں گے باغات کو پانی دیں گے پیداوار کا نصف ان کا ہوگا اور نصف مسلمانوں کا اس سے معلوم ہوا کہ مزارعت جائز ہے۔

② امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مزارعت ناجائز ہے۔

دلیل: امام صاحب رحمہ اللہ کا استدلال ابوداؤد میں رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے جس کا حوالہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی دیا ہے کہ جو آدمی مزارعت نہ چھوڑے اس کے لیے اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اعلان جنگ ہے (لیکن فتویٰ جمہور ائمہ کے مذہب کے مطابق ہے)۔

باب

باب ۴۲: مزارعت (کے احکام)

(۱۳۰۵) قَالَ مَهْأَنَّا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ أَمْرِ كَانَ لَنَا نَافِعًا إِذَا كَانَتْ لِأَحَدِنَا أَرْضٌ أَنْ يُعْطِيَهَا بِبَعْضِ خِرَاجِهَا أَوْ بَدَلِهَا وَقَالَ إِذَا كَانَتْ لِأَحَدِكُمْ أَرْضٌ فَلْيَمْنَحْهَا أَخَاهُ أَوْ لِيُزَرَ عَهَا.

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ہمیں اس کام سے منع کر دیا تھا جو پہلے ہمارے لئے نفع بخش تھا جب ہم میں سے جس شخص کی زمین ہوتی تھی تو وہ اسے کچھ خراج (پیداوار) یا چند دراہم کے عوض میں دوسرے کو دے دیتا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کسی شخص کے پاس زمین ہو تو وہ بلا معاوضہ اپنے بھائی کو دے دے یا خود اس میں کھیتی باڑی کرے۔

(۱۳۰۶) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَمْ يُحَرِّمِ الْمَزَارَعَةَ وَلَكِنْ أَمَرَ أَنْ يَزُقُّ بَعْضُهُمْ بِبَعْضٍ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے مزارعت کو حرام قرار نہیں دیا بلکہ آپ نے یہ ہدایت کی تھی کہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی کا سلوک کریں۔

تشریح: پہلے (باب میں) بتایا جا چکا ہے کہ نبی ﷺ نے مزارعت سے مصلحتاً منع فرمایا تھا جو مہاجرین ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تھے وہ تہی دست تھے جبکہ انصار کے پاس زمین جائداد اور مکان سب کچھ تھا جس کی وجہ سے توازن بگڑ گیا تھا پس آپ ﷺ نے توازن قائم کرنے کے لیے یہ حکم دیا تھا کہ کوئی شخص اپنی زمین بٹائی پر یا کرایہ پر نہ دے یا تو خود کاشت کرے یا کسی مہاجر کو کاشت کرنے کے لیے عاریتاً دے یہ بات ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمائی ہے وہ فرماتے ہیں نبی ﷺ نے مزارعت کو حرام نہیں کیا تھا بلکہ یہ حکم اس لیے دیا تھا کہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں جمعہ کے دن غسل کرنے کا حکم بھی آپ ﷺ نے بر بنائے مصلحت دیا تھا اور وہ مصلحت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بتائی تھی اسی طرح مزارعت کی ممانعت کا حکم بھی مصلحتاً دیا تھا وہ مصلحت بھی ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بتائی ہے کہ مزارعت کی ممانعت لوگوں کے مفاد کی خاطر تھی پھر جب بنو نضیر کا علاقہ فتح ہوا اور ان کی زمینیں مہاجرین کو دے دی گئیں تو توازن قائم ہو گیا اور مزارعت کی ممانعت ختم ہو گئی چنانچہ خود نبی ﷺ نے اہل خیبر کے ساتھ مزارعت کا معاملہ فرمایا۔

أَبْوَابُ الدِّيَّاتِ

دیت کے بیان میں

بَابُ مَا جَاءَ فِي الدِّيَّةِ كَمْ هِيَ مِنَ الْإِبِلِ

باب ۱: اونٹ کے حساب سے کتنی دیت ہوگی؟

(۱۳۰۷) قَطَعَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي دِيَّةِ الْخَطَا عَشْرِينَ بَنَاتٍ مَخَاضٍ وَعَشْرِينَ بَنِي مَخَاضٍ ذُكُورًا وَعَشْرِينَ بَنَاتٍ لَبُونٍ وَعَشْرِينَ جَذَعَةً وَعَشْرِينَ حِقَّةً.

ترجمہ: حضرت خشف بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے قتل خطاء کے بارے میں یہ فیصلہ کیا تھا۔ اس میں بیس بنت مخاض اور بیس ابن مخاض جو مذکر ہوں۔ بیس بنت لبون، بیس جزع اور بیس حقہ دیئے جائیں گے۔

(۱۳۰۸) مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا دَفَعَ إِلَى أَوْلِيَاءِ الْمَقْتُولِ فَإِنْ شَاءُوا قَتَلُوا وَإِنْ شَاءُوا أَخَذُوا الدِّيَّةَ وَهِيَ ثَلَاثُونَ حِقَّةً وَثَلَاثُونَ جَذَعَةً وَأَرْبَعُونَ خِلْفَةً وَمَا صَالَحُوا عَلَيْهِ فَهُوَ لَهُمْ وَذَلِكَ لِتَشْدِيدِ الْعَقْلِ.

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے والد کے حوالے سے، اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: جو شخص قتل عمد کرے اسے مقتول کے اولیاء کے سپرد کیا جائے گا اگر وہ چاہیں تو اسے قتل کر دیں اگر چاہیں تو دیت قبول کر لیں اور یہ تیس حصے، تیس جزع اور چالیس خلفے ہوگی اور اگر وہ اس کے ساتھ صلح کر لیں انہیں اس کا حق حاصل ہے۔

یہاں چند مسائل کا معلوم کرنا ضروری ہے۔

دیات جمع ہے دیت کی اور یہ لفیف مفروق ہے وادی یدی سے بمعنی دیت ادا کرنا۔ اصطلاح میں دیت اس مال کو کہتے ہیں جو بطور بدل کے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے مقرر ہو اور مقرر شدہ مقدار میں کمی زیادتی نہ ہو سکے۔

احادیث متعلقہ بالدیات کو سمجھنے سے پہلے یہ سمجھیں کہ قتل جنایت کی پانچ قسمیں ہیں: ① قتل عمد ② قتل شبه عمد ③ قتل خطاء ہے ④ جاری مجری خطاء ⑤ قتل بالسبب۔

قتل عمد: کے مفہوم میں امام صاحب اور صاحبین رحمہم کا اختلاف ہے امام صاحب رحمہم فرماتے ہیں کہ عدا جان بوجھ کر ایسے آلے کے ذریعے قتل کرنا کہ جو آہنی ہو یعنی لوہے کا ہتھیار ہو یا تفریق اعضاء میں آہنی آلہ کے قائم مقام ہو جیسے مثلاً بانس کا ایسا چھلکا ہو جو دھاری دار ہو یا تیز دھاری دار پتھر ہو۔ اور صاحبین رحمہم کے نزدیک قتل عمد یہ ہے کہ جان بوجھ کر ایسے آلے کے ذریعے قتل کرنا کہ جس کے مارنے سے عام طور پر موت واقع ہو جاتی ہو عام ازیں کہ وہ لوہے کا ہتھیار ہو یا نہ ہو ماسواء ہونے کی صورت میں عام ازیں کہ وہ تفریق اعضاء کے اندر آہنی ہتھیار کے قائم مقام ہو یا نہ ہو مثلاً کسی وزنی پتھر سے مار دیا کسی بڑی لکڑی سے مار دیا۔

قتل شبه عمد: اس کی تعریف میں بھی صاحبین اور امام صاحب رحمہم کے ہاں اختلاف ہے امام صاحب رحمہم فرماتے ہیں کہ قتل شبه عمد یہ ہے کہ جان بوجھ کر ایسے آلہ کے ذریعے قتل کرنا کہ جو آہنی بھی نہ ہو اور تفریق اعضاء کے اندر آہنی ہتھیار کے قائم مقام بھی نہ ہو مثلاً بڑا پتھر مارنا کسی بڑی لکڑی سے مار دینا اور صاحبین رحمہم کے نزدیک جان بوجھ کر ایسے آلے سے قتل کرنا کہ جس سے عام طور پر موت واقع نہیں ہوتی ہو مثلاً کوئی چھوٹی لکڑی چھوٹا پتھر وغیرہ سے مارنا۔

ثمرہ اختلاف: اس صورت میں ظاہر ہوگا کہ جب کسی بڑے پتھر یا کسی بڑی لکڑی سے مارا جائے تو صاحبین رحمہم کے ہاں یہ قتل عمد ہے اور امام صاحب رحمہم کے نزدیک قتل شبه عمد ہے قتل خطاء کے اندر تقسیم ہے خطاء فی القصد ہو یا خطاء فی الفعل ہو خطاء فی القصد یہ ہے کہ دور سے کوئی چیز دکھائی دی اس کو ہرن سمجھ کر گولی ماری یا تیر مارا اور واقعہ میں وہ دور سے دکھائی دینے والی چیز آدمی تھا اور گولی اور تیر لگنے سے مرگیا خطاء فی الفعل یہ ہے کہ کسی شکار کو شکار ہی سمجھ کر گولی ماری یا تیر چلایا لیکن ہاتھ میں اضطراب پیدا ہو گیا وہ گولی ہرن کے بجائے کسی انسان کو لگ گئی۔

قتل جاری مجرمی خطاء: یہ ہے کہ کوئی شخص سویا ہوا ہو سونے کی حالت میں کروٹ بدلی اور کسی بچے پر جا گرا جس کی وجہ سے بچہ مر گیا۔

قتل بالسبب: یہ ہے کہ مثلاً غیر مملوکہ زمین میں کھودا اور اس میں کوئی شخص گر کر مر گیا۔

وجہ حصر: یہ ہے کہ قتل بالمباشرة ہوگا یا بدون المباشرة اگر بدون المباشرة ہو تو قتل بالسبب ہے اور اگر بالمباشرة ہو تو پھر دو حال سے خالی نہیں ہے عمدہ ہوگا یا خطاء ہوگا عمدہ ہو تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں آہنی آلہ کے ذریعے ہوگا یا ایسے آلہ کے ذریعے ہوگا کہ جو تفریق اعضاء میں سے آہنی آلے کے قائم مقام ہو تو یہ قتل عمد ہے اور اگر آہنی آلہ کے ذریعے نہ تھا اور نہ ہی ایسا آلہ تھا جو تفریق اعضاء میں آہنی آلہ کے قائم مقام تھا تو یہ شبه عمد ہے اور اگر خطاء ہو تو پھر دو حال سے خالی نہیں ہے حالت یقظہ میں ہوگا یا حالت نوم میں ہوگا۔ اگر حالت یقظہ میں ہو تو قتل خطاء ہے اور اگر حالت نوم میں ہو تو جاری مجرمی خطاء ہے۔

قتل عمد کا حکم: ① قاتل کا گناہ گار ہونا ② حکم قصاص ہے اور ③ حکم حرمان عن المیراث۔ اور کفارہ بھی واجب ہوگا یا نہیں تو احناف کے نزدیک نہیں ہوگا اور امام شافعی رحمہم کے نزدیک ہوگا اس بات پر سب فقہاء کا اتفاق ہے کہ قتل عمد کے احکام میں سے ایک حکم قصاص ہے البتہ اس بات میں اختلاف ہوا ہے کہ قصاص بعینہ ہے یا قصاص اور دیت میں سے کوئی ایک لاعلیٰ التعمین ہے۔ احناف امام صاحب رحمہم فرماتے ہیں کہ قتل عمد کا موجب قصاص ہی بعینہ ہے اگر ورثاء دیت لینے پر راضی ہو جائیں قصاص کو معاف کر کے تو جائز ہے بشرطیکہ قاتل کی رضامندی ہو اور امام شافعی رحمہم فرماتے ہیں کہ احد الامرین کا وجوب ہے لاعلیٰ التعمین البتہ تعین کا حق اولیاء مقتول کو ہوگا اگر وہ دیت لینے پر راضی ہو جائیں تو ایسی صورت کے اندر قاتل سے دیت وصول کی جائے گی خواہ قاتل راضی ہو یا نہ ہو۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ اصل واجب تو قصاص ہی ہے لیکن بایں ہمہ اگر اولیاء مقتول دیت لینے پر راضی ہو جائیں تو قاتل کی رضا کے بغیر جبراً دیت وصول کر سکتے ہیں حدیث بظاہر شوافع کے موافق جارہی ہے کہ ایسی صورت کے اندر قاتل کو اولیاء مقتول کے حوالے کیا جائے گا کہ وہ چاہیں تو قصاص لیں اور اگر چاہیں تو دیت لے لیں۔ معلوم ہوا کہ قاتل کی رضامندی کوئی ضروری نہیں ہے۔
جواب: دیت لے لیں اس کا مطلب یہ ہے کہ قاتل کی رضامندی کے ساتھ۔

شبہ عدا کا پہلا حکم: ① گناہ گار ہونا ② حکم دیہ مغلطہ علی عاقلۃ القاتل کا واجب ہونا۔ اگر دیت ادا کی جائے جنس اہل سے تو اس میں تغلیظ ہوگی البتہ تغلیظ کی صورت کیا ہوگی اس میں اختلاف ہے تو احناف کہتے ہیں کہ سواونٹ ہوں گے چار قسم کے ۲۵ بنت مخاض یک سالہ مادہ ہو جو دوسرے میں جارہی ہو ۲۵ بنت لبون کہ جن کی عمر دو سال مکمل ہو کر تیسرے سال میں جارہی ہو ۲۵ حقے کہ جن کی عمر تین سال مکمل ہو کر چوتھے سال میں جارہی ہو ۲۵ جزے کہ جن کی عمر چار سال مکمل ہو کر پانچویں سال میں جارہی ہو۔

شوافع کہتے ہیں کہ سواونٹ ہوں گے اثنا ۳۰ حقے ۳۰ جزے اور چالیس ۴۰ خلفات یعنی گاہن اونٹیاں مابعد میں جو حدیث آرہی ہے وہ شوافع کے موافق جارہی ہے اور احناف کا متدل اثر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہے کہ جس کی تخریج امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے کی (شوافع کی دلیل کا)۔

جواب ①: یہ ہے کہ ابتداء تغلیظ کی یہی صورت تھی بعد میں استقرار جو ہوا وہ اسی اثر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر ہوا۔

جواب ②: یہ ہے کہ احکام دیت کے بارے میں اثر صحابی رضی اللہ عنہ بھی حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ جو فقہات ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے وہ فقہات عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو حاصل نہیں ہے نیز اقل مقدار کو لینا متیقن ہے لیکن زائد مقدار متیقن نہیں اس لیے متیقن ہونے کی وجہ سے اربعاً (جس کے قاتل احناف ہیں) کو اختیار کیا جائے گا اگر من جنس ذہب ہو یا من جنس فضہ ہو تو وہی مقدار ادا کی جائے گی جو حدیثوں کے اندر مذکور ہے۔

تیسرا حکم: حرمان من المیراث ہے۔

چوتھا حکم: کفارہ کا قاتل پر واجب ہونا احد الامرین تحریر قبہ مؤمنہ اگر میسر ہو اور اگر میسر نہ ہو تو پھر پے در پے دو مہینے روزے رکھنا۔
قتل خطاء کا پہلا حکم: دیت کا واجب ہونا اگر دیت من جنس الابل ادا کی جائے تو اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ انما سا ہوگی البتہ تھوڑا سا اختلاف ہے احناف کہتے ہیں کہ ۲۰ بنت مخاض ۱۲۰ ابن مخاص ۲۰ بنت لبون ۲۰ حقے اور ۲۰ بیس جزے اور شوافع کے ہاں بھی یہی تفصیل ہے مگر بجائے ابن مخاض کے ۱۲۰ ابن لبون ہوں گے حدیث الباب احناف کے موافق جارہی ہے شوافع کے خلاف حجت ہے کیونکہ حدیث میں صراحۃ ابن مخاض کا ذکر ہے۔

دوسرا حکم: حرمان عن المیراث ہے۔

تیسرا حکم: کفارہ کا واجب ہونا البتہ گناہ ہوگا یا نہیں تو اس میں قول فیصل یہ ہے کہ عدا اور شبہ عدا والا گناہ تو نہیں ہوگا البتہ بے احتیاطی کا گناہ ضرور ہوگا۔ جاری مجری خطاء کے وہی احکام ہیں جو قتل خطاء کے ہیں اس کا عنوان ہی دال ہے کہ اس کا حکم بعینہ وہی ہے جو قتل خطاء کا ہے۔

قتل بالسبب کا حکم: احناف کے نزدیک دیت واجب ہوگی باقی حرمان عن المیراث اور کفارہ واجب نہیں ہوگا مباشرة نہ ہونے

کی وجہ سے دیت اس لیے ہوگی تاکہ نفس کا ہدر اور لغو ہونا لازم نہ آئے اور شوافع کہتے ہیں کہ اس کا حکم بھی قتل خطاء والا ہے یعنی دیت بھی ہوگی حرمان عن المیراث بھی ہوگی اور کفارہ بھی ہوگا۔

کن کن اموال سے دیت ادا کی جائے گی: احناف کے نزدیک صرف تین قسم کے اموال سے ادا کی جائے گی۔
 ① اہل ② ذہب ③ فضہ۔

اہل ہوں تو سو اونٹ یہ علیحدہ بات ہے کہ قتل عمد کی صورت میں دیت مغالطہ ہوگی الخ اگر ذہب سے ادا کی جائے تو ایک ہزار دینار اور اگر دراہم سے ادا کی جائے تو احناف کے نزدیک دس ہزار دراہم اور شوافع کے نزدیک بارہ ہزار دراہم ہوگی۔
 احناف کی دلیل: فیصلہ عمر بنی اللہؓ ہے موطا امام محمد رحمہ اللہ کے اندر موجود ہے۔

شوافع کی دلیل: حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما ہے کہ جعلہ اثنا عشر الفاکہ فضہ سے بارہ ہزار دراہم مقرر کئے۔

جواب: یہ ہے کہ کوئی تدافع نہیں ہے اس لیے کہ اصل میں دراہم دو قسم کے چلتے تھے:

① وزن ستہ والے جو تقریباً چھ مثقال کے برابر ہوتے تھے۔

② وزن سبعمہ والے جو سات مثقال کے برابر ہوتے تھے اب اگر وزن ستہ کے اعتبار سے بارہ ہزار دراہم لیں تو وزن سبعمہ کے اعتبار سے دس ہزار دراہم کے برابر ہوتے ہیں اور اگر وزن سبعمہ کے اعتبار سے دس ہزار دراہم لیں تو وہ وزن ستہ کے اعتبار سے بارہ ہزار دراہم کے برابر ہو جاتے ہیں احناف کے نزدیک ایسے تین قسم کے اموال سے دیت ادا کی جائے گی۔

صاحبین رحمہما فرماتے ہیں: کہ چھ قسم کے اموال سے دیت ادا کی جاسکتی ہے تین تو یہی ہیں اور چوتھا گائے کے اعتبار سے ان کی تعداد دو سو ہوگی اور نمبر ۵۔ بکریوں کے اعتبار سے اور ان کی تعداد ایک ہزار ہوگی اور نمبر ۶۔ جوڑوں کے اعتبار سے اور ان کی مقدار دو سو جوڑا ہے موجودہ زمانہ کے اعتبار سے ایک شلوار اور ایک قمیص کے اعتبار سے دو سو جوڑے ہوں گے۔

صاحبین رحمہما کی دلیل: فیصلہ حضرت عمر بنی اللہؓ ہے کہ حضرت عمر بنی اللہؓ نے اپنے زمانہ خلافت کے اندر دو سو گائے اور ہزار بکریاں اور دو سو جوڑے مقرر کیے۔

جواب: بیشک حضرت عمر بنی اللہؓ نے مقرر کیے تھے لیکن اصل دیت ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ دیت کے بدل ہونے کی حیثیت سے۔
 پہلا منسرق: یہ ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ کے ہاں ان تین قسم کے اموال سے دیت ادا کرنا یہ اصل دیت نہیں بلکہ بدل دیت ہے اور صاحبین رحمہما کے نزدیک اصل دیت ہے۔

دوسرا منسرق: یہ ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ کے ہاں چونکہ یہ اصل دیت نہیں اس لیے گائے دو سو سے زائد بھی لے سکتا ہے اور بکریاں ہزار سے زائد بھی لے سکتا ہے اسی طرح جوڑوں کی صورت میں دو سو سے زائد جوڑے بھی لے سکتا ہے اور صاحبین رحمہما کے ہاں چونکہ یہ اصل دیت ہے اس لیے اس سے زیادتی بالکل جائز نہیں ہے۔

قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ کا قول رائج ہو کیونکہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ دیت ایسی ہونی چاہیے کہ جس کی مالیت معلوم ہو اور ظاہر ہے کہ گائے بکریاں اور جوڑوں کی قیمت مختلف ہوتی رہتی ہے۔

سوال: اونٹوں کی مالیت بھی مختلف ہوتی رہتی ہے پھر اس کے ساتھ دیت کے جواز کا قول احناف نے کیسے کیا؟

جواب ①: اُونٹوں کے ساتھ دیت ادا کرنے پر اجماع ہے۔

جواب ②: اُونٹ کے بارے میں آثار متواترہ ہیں اور احادیث مرفوعہ بھی وارد ہیں اور ان تین قسم کے اموال کے بارے میں نہ ہی اتنے آثار وارد ہیں اور نہ احادیث مرفوعہ بھی وارد ہیں لہذا اہل کے بارے میں قیاس کو چھوڑ دیا جائے گا ان آثار متواترہ کثیرہ اور احادیث مرفوعہ کی وجہ سے اور ان تین قسم کے اموال کے اندر قیاس کو نہیں چھوڑا جائے گا آثار کثیرہ متواترہ اور احادیث مرفوعہ کے وارد نہ ہونے کی وجہ سے۔

پانچواں مسئلہ: کہ کن کن صورتوں میں دیت عاقلہ پر ہوگی اور کن کن صورتوں میں قاتل پر ہوگی تو اس کے متعلق ضابطہ یہ ہے کہ وہ دیت جو ابتداء قتل کی وجہ سے واجب ہوگی وہ عاقلہ پر آئے گی جیسے قتل شبہ عمد، قتل بالسبب، قتل خطاء، قتل جاری مجری خطاء، ان میں ابتداء قتل کی وجہ سے دیت واجب ہوتی ہے لہذا یہ عاقلہ پر ہوگی اور ہر وہ دیت جو ابتداء واجب نہ ہو بلکہ بطور مصالحت کے واجب ہو جیسے قتل عمد اس میں ابتداء قصاص ہے ہاں اگر مقتول کے ورثاء دیت لینے پر راضی ہو جائیں تو قاتل کی رضامندی کے ساتھ دیت بھی لے سکتے ہیں لیکن چونکہ دیت یہ ابتداء واجب نہیں ہوتی بلکہ بطور مصالحت کے واجب ہوتی ہے اس لیے یہ قاتل پر ہوگی۔

چھٹا مسئلہ عاقلہ کا مصداق: احناف کہتے ہیں کہ قاتل دو حال سے خالی نہیں ہے اہل دیوان میں سے ہوگا یا اہل دیوان میں سے نہیں ہوگا۔ اہل دیوان وہ ہیں کہ جن کا کسی خاص شعبہ میں اندراج ہو مثلاً ڈرائیور ہیں اور اگر قاتل اہل دیوان میں سے نہیں ہے تو پھر قبیلہ والے اور خاندان والے اہل دیوان سمجھے جائیں گے الاقرب فالاقرب یعنی اگر قرب سے دیت پوری نہیں ہوتی تو پھر البعد کو بلا لیا جائے گا۔

ساتواں مسئلہ دیت کتنے عرصے میں: وصول کی جائے گی۔ تین سالوں کے اندر پوری دیت وصول کی جائے گی اور فی کس ۴۱۳ درہم سے زیادہ کسی سے وصول نہیں کیا جائے گا موجودہ زمانہ میں ۳۰ درہم کی مالیت ادا کرنی ہوگی گویا سالانہ ایک درہم یا ایک درہم کا ثلث ادا کیا جائے اب سال میں ایک درہم کی مالیت ادا کرنا اس میں کوئی دشواری ہے چنانچہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصریح کی ہے اور امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے مختصر القدوری کے اندر اس کی تصریح کی ہے کہ سالانہ چار درہم اور تین سالوں کے اندر فی کس بارہ درہم وصول کئے جائیں گے لیکن یہ مرجوح ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح رائج ہے بچوں اور عورتوں سے دیت وصول نہیں کی جائے گی کیونکہ قاتل جو قتل کرتا ہے وہ بشت پناہی کی وجہ سے کرتا ہے اور پشت پناہی مردوں کی طرف سے ہوتی ہے عورتوں اور بچوں کی طرف سے نہیں ہوتی۔ شوافع کہتے ہیں کہ اگر جنس اہل سے دیت ادا کرنے پر قدرت ہو تو پھر درہم کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا اور احناف یہ کہتے ہیں کہ جنس اہل پر قدرت کے ہوتے ہوئے درہم کی طرف رجوع کرنا بھی جائز ہے۔

مسئلہ: دیت اعضاء یعنی جس طرح پورے جسم کی دیت ہوتی ہے اسی طرح اعضاء کی بھی دیت ہوتی ہے مثلاً ایک انگلی کی دیت پوری دیت کا دسواں حصہ ہے یعنی دس اُونٹ چاہے انگلی ہاتھ کی ہو یا پاؤں کی اسی سے مفاصل اصابع کی دیت کا حساب لگایا جائے گا اگر انگلی میں تین مفاصل ہوں تو ایک مفصل میں انگلی کی دیت کا ثلث ہوگا اگر دو ہوں تو ایک انگلی میں دیت کا نصف ہوگا ایک دانت کی دیت پوری دیت کا بیسواں حصہ ہوگی یعنی ۵ اُونٹ ایک ہاتھ کی دیت پوری دیت کا نصف ہوگی علیٰ ہذا القیاس تفصیل مطولات کتب فقہ میں مذکور ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الدِّيَّةِ كَمْ هِيَ مِنَ الدَّرَاهِمِ

باب ۲: دراهم سے دیت کی مقدار کتنی ہے؟

(۱۳۰۹) أَنَّهُ جَعَلَ الدِّيَّةَ اثْنَيْ عَشَرَ أَلْفًا.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کے بارے میں یہ بات نقل کرتے ہیں۔ آپ نے بارہ ہزار درہم دیت مقرر کی ہے۔ اور اگر درہم سے ادا کی جائے تو احناف کے نزدیک دس ہزار درہم اور شوافع کے نزدیک بارہ ہزار درہم ہوگی۔ کما مر

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَوْضِعِ

باب ۳: موضعہ زخم کی دیت

(۱۳۱۰) فِي الْمَوَاضِعِ خَمْسُ خَمْسٍ.

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہما اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کے بارے میں یہ بات نقل کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے موضعہ زخم کے بارے میں پانچ، پانچ (اونٹ بطور دیت ادائیگی) کا حکم دیا ہے۔

مسئلہ دیت زخم: جس طرح اعضاء کی دیت ہوتی ہے اسی طرح زخموں کی بھی دیت ہوتی ہے زخم کی دیت کا معلوم کرنے سے پہلے زخم کی اقسام کو معلوم کرنا ضروری ہے: (۱) خا رصہ وہ ہے کہ چمڑے پر خراش آجائے۔ (۲) دامعہ وہ ہے کہ خون ظاہر ہو جائے اور جاری نہ ہو۔ (۳) دامیہ وہ ہے کہ خون جاری ہو جائے۔ (۴) باضعہ وہ ہے کہ جو کھال کو کاٹ دے۔ (۵) متلاحمہ وہ ہے کہ جو گوشت کو کاٹ دے۔ (۶) سمحاق وہ ہے کہ سر پر چوٹ لگے اور ہڈی کی جلی تک پہنچ جائے۔ (۷) موضعہ وہ ہے کہ سر پر چوٹ لگے اور ہڈی ظاہر ہو جائے۔ (۸) ہاشمہ وہ ہے کہ سر پر چوٹ لگے اور ہڈی ٹوٹ جائے۔ (۹) منقلہ وہ ہے کہ سر پر چوٹ لگے ہڈی ٹوٹ کر اپنی جگہ سے منتقل ہو جائے۔ (۱۰) آمہ وہ ہے کہ سر پر چوٹ لگے اور اثر دماغ تک پہنچ جائے۔ (۱۱) دامغہ وہ ہے کہ سر پر چوٹ لگے اور دماغ اپنے پردے سے باہر آجائے۔ (۱۲) جائفہ وہ ہے کہ پیٹ پر زخم لگ جائے۔ (۱۳) شجاج وہ ہے کہ چہرے پر زخم لگ جائے۔ موضعہ میں دیت کا بیسواں ہاشمہ میں دیت کا دسواں منقلہ میں دسواں اور بیسواں حصہ دونوں ہیں آمہ اور جائفہ میں دیت کا ثلث ہے باقیوں میں عادل آدمی کا فیصلہ معتبر ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي دِيَةِ الْأَصَابِعِ

باب ۴: انگلیوں کی دیت

(۱۳۱۱) فِي دِيَةِ الْأَصَابِعِ الْيَدَيْنِ وَالرَّجْلَيْنِ سَوَاءٌ عَشْرٌ مِنَ الْإِبِلِ لِكُلِّ أَصْبَعٍ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کی دیت برابر ہے۔ ایک انگلی کی دیت دس اونٹ ہوگی۔

(۱۳۱۲) هَذِهِ وَهَذِهِ سَوَاءٌ يَغْنِي الْخَنَصِرَ وَالْإِبْهَامَ.

ترجمہ: یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ یہ اور یہ (یعنی انگوٹھا اور چھوٹی انگلی کی دیت کے اعتبار سے) برابر ہیں۔
تشریح: ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کی دیت فی انگلی دس اونٹ ہوں گے تو دس کو دس میں ضرب دینے سے سو سو ہو جائیں گے لیکن دیت انفس ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ دیت الاصلح ہونے کی حیثیت سے اس میں انگوٹھے اور خنصر کا کوئی فرق نہیں ہے اسی طرح قلیل المنفعة اور کثیر المنفعة میں کوئی فرق نہیں ہے سب ائمہ کا اتفاق ہے کسی کا کوئی جھگڑا نہیں ہے دس درہم کی مالیت میں پورا ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور جب اس کی انگلی کاٹی جائے تو دس اونٹ واجب ہوتے ہیں یہ اس لیے کہ جب یہ چوری کرتا ہے تو یہ ظالم ہے اور ظالم کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور جب اس کی انگلی کاٹی جائے تو یہ مظلوم ہے اور مظلوم کی اللہ کے ہاں بڑی قیمت ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعَفْوِ

باب ۵: قصاص معاف کرنے کا ثواب

(۱۳۱۳) دَقَّ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ سِنَّ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ فَاسْتَعْذَى عَلَيْهِ مُعَاوِيَةُ فَقَالَ لِمُعَاوِيَةَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ إِنَّ هَذَا دَقَّ سِنِّي قَالَ مُعَاوِيَةُ إِنَّا سَنُرْضِيكَ وَأَخْلَجَ الْأَخْرَ عَلَى مُعَاوِيَةَ فَأَبْرَمَهُ فَلَمْ يُرْضِهِ فَقَالَ لَهُ مُعَاوِيَةُ شَأْنُكَ بِصَاحِبِكَ وَأَبُو الدَّرْدَاءِ جَالِسٌ عِنْدَهُ فَقَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ سَمِعْتُهُ أُذْنَايَ وَوَعَاهُ قَلْبِي يَقُولُ مَا مِنْ رَجُلٍ يَصَابُ بِشَيْءٍ فِي جَسَدِهِ فَيَتَصَدَّقُ بِهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللَّهُ بِهِ دَرَجَةً وَحُطَّ عَنْهُ بِهِ خَطِيئَةٌ قَالَ الْأَنْصَارِيُّ أَنْتَ سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ سَمِعْتُهُ أُذْنَايَ وَوَعَاهُ قَلْبِي قَالَ فَإِنِّي أَذْرُهَا لَهُ قَالَ مُعَاوِيَةُ لَا جَرَمَ لَا أُخِيَّكَ فَأَمَرَ لَهُ بِمَالٍ.

ترجمہ: ابوسفر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: قریش سے تعلق رکھنے والے ایک شخص نے انصار سے تعلق رکھنے والے ایک شخص کا دانت توڑ دیا یہ معاملہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوا اس شخص نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کی۔ اے امیر المؤمنین! اس شخص نے میرا دانت توڑ دیا ہے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم تمہیں راضی کر دیں گے۔ اس پر دوسرے شخص نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی منٹ سماجت کی یہاں تک کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تنگ آ گئے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا تمہارا معاملہ تمہارے ساتھی کے سپرد ہے۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے: حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے یہ بات بیان کی۔ میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: جس شخص کو جسمانی طور پر کوئی تکلیف لاحق ہو اور وہ (تکلیف پہنچانے والے کو) معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ

اس کے عوض میں اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور اس کی ایک خطا کو مٹا دیتا ہے۔

اس انصاری نے دریافت کیا: کیا آپ نے خود نبی اکرم ﷺ کی زبانی یہ بات سنی ہے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے بتایا میں نے اپنے ان دونوں کانوں سے سنا ہے اور میرے ذہن نے اسے محفوظ رکھا ہے تو وہ شخص بولا میں اسے معاف کرتا ہوں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن میں تمہیں محروم نہیں رکھوں گا پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے کچھ مال دینے کی ہدایت کی۔

ترغیب دی گئی ہے کہ صاحب حق کو چاہیے کہ اپنے حق کو معاف کر دے اس پر یہ قصہ نقل کیا کہ ایک قریشی نے ایک انصاری کا دانت توڑ دیا پس فریادری حاصل کی اس انصاری شخص نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس قریشی شخص کے خلاف کہ اس سے بدلہ دلوائیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس لیے فریادری کی کیونکہ اس زمانہ میں خلافت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تھی اس انصاری شخص نے کہا کہ اے امیر المؤمنین اس نے میرا دانت توڑ دیا ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس انصاری شخص سے فرمایا کہ ہم تجھے راضی کر دیں گے پریشان نہ ہوں وَالْآخِرُ الْآخِرُ..... ہے کہ آخر کا مصداق کیا ہے تو حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ یہی مدعی انصاری شخص ہے اس لیے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اعتبار سے یہ بھی آخر ہے پس آخر نے یعنی انصاری شخص نے اصرار کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو تنگ کر دیا ملال میں ڈال دیا کہ حضرت مجھے بدلہ دلوا دو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ لازم پکڑ اپنا معاملہ اپنے ساتھی سے یعنی مدعی علیہ سے قصاص لینا چاہتا ہے تو لے لے اور بعض نے کہا کہ مدعی علیہ آخر ہے کہ اس نے منت اور سماجت کی کہ حضرت مجھے بچاؤ مجھے بچاؤ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ملال میں ڈال دیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تیرا معاملہ تیرے ساتھی کے ساتھ ہے چاہے معاف کر دے چاہے قصاص لے لے۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ اس مجلس میں موجود تھے انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ سے یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اگر کسی کو تکلیف پہنچائی گئی ہو تو وہ معاف کر دے بدلہ نہ لے اللہ اس معاف کرنے کی وجہ سے اس کا درجہ بلند کر دیں گے اور گناہ معاف فرما دیں گے اس پر انصاری نے کہا کہ اے ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کیا آپ نے خود یہ ارشاد سنا ہے اس پر ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا سمعت اذنای اور میرے دل نے اس کو محفوظ رکھا ہے اس پر انصاری نے کہا کہ میں قصاص معاف کرتا ہوں اس حدیث کے سننے پر مدعی کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور فوراً معاف کر دیا اور اس کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم تجھے محروم نہیں کریں گے اور اس کو کچھ نہ کچھ مال دیدیا مال صدقہ سے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَنْ رَضِيَ رَأْسَهُ بِصُخْرَةٍ

باب ۶: جس کا سر پتھر سے کچل دیا جائے اس کا حکم

(۱۳۱۴) خَرَجَتْ جَارِيَةٌ عَلَيْهَا أَوْ ضَا حٌ فَأَخَذَهَا يَهُودِيٌّ فَرَضَعَ رَأْسَهَا بِحَجَرٍ وَآخَذَ مَا عَلَيْهَا مِنَ الْحَبْلِ قَالَ فَأَذْرَكَتْ وَبَهَا رَمَقٌ فَأَتَى بِهَا النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ مَنْ قَتَلَكَ أَفْلَانٌ قَالَتْ بَرَأْسَهَا لَا قَالَ ففَلَانٌ حَتَّى سُمِّيَ الْيَهُودِيُّ فَقَالَتْ بَرَأْسَهَا أَيْ نَعَمْ قَالَ فَأَخَذَ فَأَعْتَرَفَ فَأَمَرَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَرَضَعَ رَأْسَهُ بَيْنَ حَجَرَيْنِ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک لڑکی جا رہی تھی اس نے چاندی کا زیور پہنا ہوا تھا۔ ایک یہودی نے اسے پکڑا اور

اس کا سر پتھر سے کچل دیا اور اس کے جسم پر موجود زیورات اتار لیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: اس لڑکی تک کوئی پہنچ گیا۔ اس میں ابھی تھوڑی سی جان باقی تھی۔ اسے نبی اکرم ﷺ کے پاس لایا گیا۔ نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا تم کو کس نے قتل کیا ہے۔ کیا فلاں نے؟ اس نے اپنے سر کے ذریعے اشارہ کیا کہ نہیں، نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا۔ فلاں نے یہاں تک کہ جب اس یہودی کا نام لیا گیا تو اس نے اپنے سر کے ذریعے اشارہ کیا جی ہاں تو اس یہودی کو پکڑ لیا گیا۔ اس نے اعتراف کیا تو نبی اکرم ﷺ کے حکم کے تحت اس کا سر دو پتھروں کے درمیان رکھ کر کچل دیا گیا۔

واقعہ: ایک بچی گھر سے باہر نکلی زیورات پہن کر اس بچی کے سر کو ایک یہودی نے پتھر کے ساتھ کچل دیا اور اس کے زیورات لے لیے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ بچی لائی گئی اس حال میں کہ اس میں کچھ نہ کچھ جان باقی تھی پس نبی کریم ﷺ کو اطلاع دی گئی تو آپ ﷺ تشریف لائے اور اس بچی سے پوچھا کہ آپ کو کس نے مارا ہے جن کے متعلق احتمال تھا کہ انہوں نے مارا ہوگا ان سب کا نام لیا آپ ﷺ نے نام لیتے رہے اور وہ بچی اشارہ کرتی رہی کہ اس نے مجھے قتل نہیں کیا جب آپ ﷺ یہودی کا نام لیا تو بچی نے سر سے اشارہ کیا کہ ہاں اس نے مجھے قتل کیا پس یہودی پکڑا گیا اور اس نے اعتراف کیا پس آپ ﷺ نے اس کے قتل کا حکم دیا پس اس یہودی کا بھی سر کچل دیا گیا۔

پہلا مسئلہ: صرف مقتول کے قول کی وجہ سے قاتل سے قصاص لیا جاسکتا ہے یا نہیں مشہور قول کے مطابق جمہور کے نزدیک صرف مقتول کے قول کی وجہ سے قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا تا وقتیکہ بینہ نہ ہوں یا خود قاتل اقرار نہ کر لے اور مالکیہ کے ہاں قصاص لیا جاسکتا ہے۔

جمہور کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے کہ اس میں قاتل کے اقرار کا ذکر ہے مالکیہ کی دلیل اس واقعہ کی وہ روایات ہیں کہ جن میں اقرار کا ذکر نہیں ہے۔

جواب: وہ ساکت ہے اور یہ ناطق ہے اور جب ساکت اور ناطق کے درمیان تعارض ہو جائے تو ترجیح ناطق کو ہوتی ہے۔

دوسرا مسئلہ: طریق قتل میں مساوات ہیں یا نہیں: ① عند الاحناف: مساوات نہیں بلکہ قصاص متعین ہے تلوار کے ساتھ۔

② باقی ائمہ کہتے ہیں کہ مساوات ہوگی بشرطیکہ اس نے امر منکر کے ذریعے قتل نہ کیا ورنہ مساوات نہیں ہوگی۔

احناف کی دلیل: لا قود الا بالسیف باقی ائمہ کی دلیل جیسے واقعہ عرنین۔ اسی طرح یہ حدیث بھی دلیل ہے کہ دیکھو جس طرح اس یہودی نے بچی کے سر کو کچل دیا اسی طرح اس یہودی کے سر کو بھی کچل دیا گیا۔

جواب ①: یہ واقعہ حدود کے احکام کے نزول سے پہلے کا ہے۔

جواب ②: یہ زجر اتوبیہ سیایہ ہے اس وجہ سے نہیں کہ قتل میں مساوات ضروری ہیں۔

تیسرا مسئلہ: کسی مشغل چیز کے ذریعے مارنا: امام صاحب رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق یہ شبہ عمدہ ہے اور شبہ عہد کے اندر تو قصاص نہیں ہے ابو عمرو بن العلاء یا کسی اور نے حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ اگر کسی نے دوسرے کو بڑا پتھر مار کے قتل کر دیا ہو تو کیا یہ بھی شبہ عہد ہے تو امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا ہاں ولو ضربہ بابا قبیس (قبیس پہاڑ کا نام ہے) جبلاء نے امام صاحب رحمہ اللہ پر طعن کیا کہ امام صاحب رحمہ اللہ کو تو عربی نہیں آتی اسماء ستۃ مکبۃ کا اعراب حالت جری میں ی کے ساتھ ہوتا ہے بابی قبیس ہونا

چاہتے ہیں۔

جواب ①: اس اعتراض کا منشاء جہالت ہے اسماء ستہ مکبرہ کے اعراب سے ناواقفیت ہے جیسے یہ لغت ہے جریاء کے ساتھ ہوتی ہے اسی طرح یہ لغت بھی ہے کہ تینوں حالتوں میں الف اپنے حال پر برقرار رہتا ہے کافیہ کی شرح رضی کے اندر اس کو بسط و تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے (فلیرجع هنا) یہ تو لغات عرب کے اندر وسعۃ کی دلیل ہے تو امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک یہ شبہ عدا ہے اور شبہ عدا کے اندر تو قصاص نہیں پھر اس یہودی کو کیسے قتل کیا گیا ہے؟

جواب ②: صحیح بات یہ ہے کہ قتل بالمثل یہ امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک شبہ عدا تب ہوگا کہ جب قاتل کا ارادہ مشغل کے ذریعے تا دیب کا ہو اور اگر اس کا ارادہ مشغل چیز کے ذریعے مارنے اور قتل کرنے کا ہے تو پھر یہ بھی امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک بھی قتل عمد کے تحت داخل ہوگا اور ظاہر ہے کہ اس یہودی کا ارادہ تو قتل کرنے کا تھا تا کہ وہ کسی کو بتانہ سکے اور اس کے زیورات مجھے مل جائیں۔

جواب ③: یہودی کو قتل کرنا بدلہ قصاص کے نہیں تھا بلکہ قطاع الطريق راہزن ہونے کی حیثیت سے تھا۔

سوال: احناف کے فنون کے اندر تو یہ لکھا ہوا ہے دن کے وقت ہو تو قاتل کو قتل نہیں کیا جائے گا؟

جواب ①: متون والا قانون مرجوح ہے اصل یہی ہے کہ اگر دن کے وقت جو قتل کرے تو بھی اس کو قتل کیا جائے گا۔

جواب ②: بے شک قاعدہ کا مقتضی یہی تھا کہ قتل نہ کیا جائے لیکن اس کو قتل کیا گیا زجر اتوبیخا اور سیایہ۔

بَاب مَا جَاءَ فِي تَشْدِيدِ قَتْلِ الْمُؤْمِنِ

باب ۷: مؤمن کو قتل کرنے کی شدید مذمت

(۱۳۱۵) لَزَوَالِ الدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى الْمُؤْمِنِ قَتْلُ رَجُلٍ مُسْلِمٍ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ فرمان قتل کرتے ہیں: پوری دنیا کا ختم ہو جانا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مؤمن کے قتل ہونے سے زیادہ کم تر ہے۔

تشریح: اس سے زیادہ سخت وعید سورہ نساء آیت ۹۳ میں ہے ارشاد پاک ہے جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کرے اس کی سزا جہنم ہے وہ اس میں ہمیشہ رہے گا اور اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوں گے اور اس کو اپنی رحمت سے دور کریں گے اور اس کو بڑا سخت عذاب دیں گے۔ اس ارشاد سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ عدا کسی مؤمن کو قتل کرنے والے کی بخشش نہیں ہوگی اور یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مسلک ہے مگر جمہور کے نزدیک قتل عدا بھی دیگر کبار کی طرح ہے جو سچی توبہ سے معاف ہو سکتا ہے ان کی دلیل سورہ النساء کی آیات ۴۸-۱۱۶ ہیں ان آیات پاک میں یہ مضمون ہے کہ شرک تو ناقابل معافی جرم ہے مگر اس کے علاوہ جتنے گناہ ہیں اللہ تعالیٰ کو جس کے لیے منظور ہوگا بخش دیں گے اور عدا قتل مؤمن شرک کے علاوہ گناہ ہے پس وہ قابل معافی ہے اور دوسری دلیل مسلم شریف (۸۳: ۱۷) کی حدیث ہے اس میں ایک اسرائیلی کا واقعہ ہے جس نے سو قتل کئے تھے پھر اس کو ندامت ہوئی تھی اور اس نے سچی توبہ کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا تھا۔

اور مذکورہ آیت میں جو وعید ہے وہ جزو توبیخ پر محمول ہے اور خلود سے مدت دراز تک جہنم میں رہنا مراد ہے یا خلود اس کے لیے ہے جو قتل مؤمن کو حلال سمجھتا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک بھی قاتل کی توبہ مقبول تھی مگر وہ مصلحتاً اس میں سختی کرتے تھے در منثور (۱۹۸:۲) میں روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ جو مؤمن کو قتل کرے گا اس کی توبہ مقبول ہے۔

بَابُ الْحُكْمِ فِي الدِّمَاءِ

باب ۸: خون کے بارے میں فیصلہ

(۱۳۱۶) اَنَّ اَوَّلَ مَا يُحْكَمُ بَيْنَ الْعِبَادِ فِي الدِّمَاءِ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ قیامت کے دن لوگوں کے درمیان سب سے پہلے خون (کے مقدمات) کا فیصلہ کیا جائے گا۔

(۱۳۱۷) اِنَّ اَوَّلَ مَا يُقْضَىٰ بَيْنَ الْعِبَادِ فِي الدِّمَاءِ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ قیامت کے دن لوگوں کے درمیان سب سے پہلے خون (کے مقدمات) کا فیصلہ کیا جائے گا۔

(۱۳۱۸) لَوْ اَنَّ اَهْلَ السَّمَاءِ وَاهْلَ الْاَرْضِ اسْتَشْرَكُوا فِي دَمِ مُؤْمِنٍ لَا كَبَّهُمُ اللّٰهُ فِي النَّارِ.

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں۔ اگر آسمان اور زمین کے رہنے والے سب لوگ کسی مؤمن کے قتل کرنے میں شریک ہوں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو جہنم میں ڈال دے گا۔

تشریح: کتاب الصلوٰۃ (باب ۱۹۱) میں یہ حدیث گزری ہے کہ قیامت کے دن بندے کے جس عمل کا سب سے پہلے حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے اس حدیث کا باب کی حدیث سے کوئی تعارض نہیں کیونکہ جس عمل کو سب سے پہلے جانچا جائے گا وہ نماز ہے اور جس کا سب سے پہلے نتیجہ نکلے گا وہ خون کا معاملہ ہے باب کی حدیثوں میں اس کی صراحت ہے۔

جواب ②: قیامت کے دن بندوں کے درمیان جو پہلا پہلا فیصلہ ہوگا وہ قتل ناحق کا ہوگا حقوق العباد کے اعتبار سے اور حقوق اللہ کے اعتبار سے سب سے پہلے نماز کا فیصلہ ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَقْتُلُ ابْنَهُ يَقَادِمْنَهُ أَمْ لَا؟

باب ۹: جو شخص اپنے بیٹے کو قتل کر دے، کیا اس سے قصاص لیا جائے گا یا نہیں؟

(۱۳۲۰) لَا يُقَادُّ الْوَالِدُ بِالْوَلَدِ.

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔ بیٹے کے عوض میں باپ کو

(قصاص میں) قتل نہیں کیا جائے گا۔

(۱۳۲۱) لَا تَقَامُ الْحُدُودُ فِي الْمَسَاجِدِ وَلَا يُقْتَلُ الْوَالِدُ بِالْوَلَدِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: مسجد میں حد قائم نہیں کی جائے گی اور بیٹے کے بدلے میں باپ کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

تشریح: بیٹے کے عوض میں باپ کو قتل نہیں کیا جائے گا اجماعی مسئلہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ باپ سبب بنا ہے بیٹے کے وجود کا اب ایسا نہیں ہو سکتا بیٹا سبب بن جائے باپ کے عدم کا بے شک سداضعیف ہے لیکن امت کی جانب سے تعلق بالقبول حاصل ہے اور جب امت کی جانب سے تعلق بالقبول حاصل ہو جائے کسی حدیث کو تو اس کی سند سے بحث کرنا مفروغ عن المجتہد ہو جاتا ہے اگر باپ بیٹے پر زناء کی تہمت لگا دے تو باپ پر حد قذف جاری نہیں کی جائے گی۔

جواب: حدود کو مساجد کے اندر جاری نہیں کیا جائے گا مساجد کے متلوٹ بالنجاست ہونے کے احتمال کی وجہ سے البتہ اس کا فیصلہ مساجد کے اندر کیا جاسکتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا يَحِلُّ دَمُ امْرَأٍ مُسْلِمٍ إِلَّا بِأَحَدِي ثَلَاثٍ

باب ۱۰: کسی بھی مسلمان کا خون بہانا تین میں سے کسی ایک وجہ سے جائز ہے

(۱۳۲۲) لَا يَحِلُّ دَمُ امْرَأٍ مُسْلِمَةٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ إِلَّا بِأَحَدِي ثَلَاثٍ الثَّيِّبُ الزَّانِي وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ وَالتَّارِكُ لِدِينِهِ الْمَفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ کسی بھی مسلمان کا خون بہانا جائز نہیں ہے جو اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں صرف تین میں سے کسی ایک وجہ سے (اسے قتل کیا جاسکتا ہے) شادی شدہ زانی، قتل کے بدلے میں قتل یا اپنے دین (اسلام) کو ترک کر کے (مسلمانوں کی) جماعت سے علیحدگی اختیار کرنے والے شخص کو (قتل کیا جاسکتا ہے)۔

کسی مسلمان کے خون کو بہانا حلال نہیں ہے مگر تین خصلتوں میں سے کسی ایک کے پائے جانے کی وجہ سے ① زناء بحالت احسان۔ ② النفس بالنفس بصورت قصاص۔ ③ التارك لدينه المفارق للجماعة۔ اس کی صفتہ شفعہ ہے یعنی مسلمانوں کی جماعت کو چھوڑنے والا ہو یعنی ارتداد اختیار کر لے۔ ہر صورت قتل کیا جائے گا ضروریات دین کا انکار بتاؤیل فاسد اس کو بھی قتل کیا جائے گا تیسری قسم کے تحت داخل ہونے کی وجہ سے باقی ان تین میں حصر نہیں ہے وہ صورتیں بھی اس کے تحت داخل ہیں جو ان کے حکم کے اندر ہوں۔

حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کا واقعہ بھی سنایا کہ ان میں سے ایک دوسرے کے پاس گیا اور گھوڑے پر سوار تھا جب اس کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ انہوں نے ایک آدمی کو باندھا ہوا ہے پوچھا کہ کیوں اس کو باندھا ہوا ہے اس نے بتلایا کہ

حضرت یہ مرتد ہو گیا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ جب تک اس کو قتل نہیں کرو گے اس وقت تک میں اپنے گھوڑے سے نہیں اتروں گا چنانچہ اس کو قتل کر دیا گیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْمَنْ يَقْتُلُ نَفْسًا مُّعَاهِدَةً

باب ۱۱: جو شخص کسی معاہد کو قتل کر دے (اس کا حکم)

(۱۳۲۳) أَلَا مَنْ قَتَلَ نَفْسًا مُّعَاهِدًا لَهُ ذِمَّةُ اللَّهِ وَذِمَّةُ رَسُولِهِ فَقَدْ أَخْفَرَ بِذِمَّةِ اللَّهِ فَلَا يُرَخَّ رَأْيُ حَتَّى الْجَنَّةِ وَ إِنْ رِيحَهَا لَيُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ سَبْعِينَ خَرِيفًا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: جو شخص کسی ایسے معاہد کو قتل کر دے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی پناہ میں ہو تو اس شخص نے اللہ تعالیٰ کی پناہ کی خلاف ورزی کی وہ شخص جنت کی خوشبو نہیں سونگھ سکے گا۔ اگرچہ جنت کی خوشبو ۷۰ برس کے فاصلے سے محسوس ہو جاتی ہے۔

(۱۳۲۴) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَذِي الْعَامِرِ بْنِ بَدِيَّةٍ الْمُسْلِمِينَ وَكَانَ لَهُمَا عَهْدٌ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے عامر قبیلے سے تعلق رکھنے والے دو آدمیوں (کے قتل ہو جانے) پر مسلمانوں کی طرف سے انہیں دیت دلوائی تھی کیونکہ ان دونوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے رسول نے معاہدہ کیا ہوا تھا۔ ذمی کو قتل کرنے پر وعید غیر مسلم چار قسم کے ہیں ① ذمی وہ غیر مسلم جس کو اسلامی ملک کی شہرت حاصل ہے ② مستامن (امن طلب کرنے والا) وہ غیر مسلم جو ویزا لے کر اسلامی ملک میں آیا ہے ③ معاہد (عہد و پیمان کرنے والا) دار الحرب کا وہ غیر مسلم جس کے ساتھ اسلامی ملک سے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کیا ہے ④ حربی: اس دار الحرب کا باشندہ جس کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں۔ تمام ائمہ متفق ہیں کہ اگر کوئی مسلمان مستامن یا معاہد یا حربی کو قتل کرے تو قصاص میں مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ اور ذمی میں اختلاف ہے ① احناف کے نزدیک اس کے بدلے میں مسلمان کو قتل کیا جائے گا ② ائمہ ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک قتل نہیں کیا جائے گا۔ (تفصیل آگے آرہی ہے)۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي حُكْمِ وَلِيِّ الْقَتِيلِ فِي الْقِصَاصِ وَالْعَفْوِ

باب ۱۲: مقتول کے ولی کا قصاص یا معاف کرنے کا فیصلہ کرنا

(۱۳۲۵) لَبَّاتُحَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مَكَّةَ قَامَ فِي النَّاسِ فَحَمَدَ اللَّهُ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ وَمَنْ قُتِلَ لَهُ قَتِيلٌ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرِينَ إِمَّا أَنْ يَعْفُوَ وَإِمَّا أَنْ يَقْتُلَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے لئے مکہ کو فتح کیا تو آپ ﷺ لوگوں کے

درمیان کھڑے ہوئے آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی پھر ارشاد فرمایا: جس شخص کا کوئی (عزیز یا رشتے دار) قتل ہو جائے اسے دو میں سے ایک بات کا اختیار ہے یا تو وہ معاف کر دے یا پھر (قاتل کو) قتل کر دے۔

(۱۳۲۶) اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَلَمْ يُحَرِّمْهَا النَّاسُ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَسْفِكُنَّ فِيهَا دَمًا وَلَا يَعْصِدَنَّ فِيهَا شَجَرًا اِنْ تَرَخَصَ مُتَرَخِّصٌ فَقَالَ اُحِلَّتْ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَاِنَّ اللّٰهَ اَحْلَاهَا لِي وَلَمْ يُحِلَّهَا لِلنَّاسِ وَاِنَّمَا اُحِلَّتْ لِي سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ثُمَّ هِيَ حَرَامٌ اِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ثُمَّ اَنْكُمْ مَعَشَرَ خُرَاعَةَ قَتَلْتُمْ هَذَا الرَّجُلَ مِنْ هَذِيْلٍ وَاِنِّيْ عَاقِلُهُ فَمَنْ قَتَلَ قَتِيْلًا بَعْدَ الْيَوْمِ فَاهْلُهُ بَيْنَ خَيْرَتَيْنِ اِمَّا اَنْ يَقْتُلُوْا اَوْ يَأْخُذُوْا الْعَقْلَ.

ترجمہ: حضرت ابو شریح کعبی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے مکہ کو حرم قرار دیا ہے۔ اسے لوگوں نے حرم قرار نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر جو شخص ایمان رکھتا ہو، وہ اس میں خون نہ بہائے اور اس کے درخت کو نہ کاٹے اگر کوئی شخص اس بارے میں رخصت حاصل کرنے کی کوشش کرے اور یہ کہے: یہ اللہ تعالیٰ کے رسول کے لئے حلال قرار دیا گیا تھا (تو یاد رکھنا) اسے اللہ تعالیٰ نے صرف میرے لئے حلال قرار دیا ہے۔ اسے لوگوں کے لئے حلال قرار نہیں دیا اور میرے لئے بھی دن کے ایک مخصوص حصے میں حلال قرار دیا گیا تھا، پھر یہ قیامت تک قابل احترام ہے۔ اے خزاعہ قبیلے کے لوگو! تم نے ہذیل قبیلے کے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا۔ میں اس کی دیت دلوادیتا ہوں آج کے بعد جس کا کوئی عزیز قتل ہو جائے، تو اس مقتول کے رشتے داروں کو دو باتوں میں سے ایک چیز کا اختیار ہوگا یا تو وہ (قاتل کو) قتل کر دیں یا وہ دیت وصول کر لیں۔

(۱۳۲۷) قَتِلَ رَجُلٌ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَدَفِعَ الْقَاتِلُ اِلَى وَلِيِّهِ فَقَالَ الْقَاتِلُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَاللّٰهِ مَا اَرَدْتُ قَتْلَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اَمَّا اِنَّهُ اِنْ كَانَ قَوْلُهُ صَادِقًا فَقَتَلْتَهُ دَخَلْتَ النَّارَ فَخَلَّى عَنْهُ الرَّجُلُ قَالَ وَكَانَ مَكْنُوفًا بِنِسْعَةٍ قَالَ فَخَرَجَ يَخْرُجُ نِسْعَتُهُ قَالَ فَكَانَ يُسَمَّى ذَا النِّسْعَةِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ کے زمانہ اقدس میں ایک شخص کو قتل کر دیا گیا۔ قاتل کو اس کے ورثاء کے سپرد کیا گیا تو قاتل نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! اللہ کی قسم! میں نے جان بوجھ کر اسے قتل نہیں کیا۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا (یعنی مقتول کے ورثاء سے فرمایا) اگر یہ سچ کہہ رہا ہے اور تم نے پھر بھی اسے قتل کر دیا تو تم جہنم میں داخل ہو جاؤ گے، تو اس شخص نے اس قاتل کو معاف کر دیا۔ وہ قاتل رسی کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ راوی بیان کرتے ہیں۔ وہ اپنی رسی کو کھینچتا ہوا وہاں سے نکلا اور اس کا نام ”ذو نسعہ“ (رسی والا) پڑ گیا۔

تشریح: ایک آدمی کو قتل کر دیا گیا اور قاتل کو پکڑا گیا اور مقتول کے اولیاء کے حوالے کر دیا گیا قاتل نے قسم کھا کر کہا یا رسول اللہ ﷺ! اللہ کی قسم میرا اس کے قتل کرنے کا ارادہ نہیں تھا اس پر حضور ﷺ نے مقتول کے وارث کو فرمایا کہ اگر یہ اپنی بات میں سچا ہے اور پھر تو نے اس کو قتل کر دیا تو تو آگ میں ڈالا جائے گا۔

سوال: جب قصاص کا فیصلہ ہو گیا تو اب اگر وہ اس کو قتل کرتا تو یہ شارع کے حکم کی وجہ سے تھا تو پھر اس کو کیسے فرمایا: دخلت النار اس کی مختلف توجیہات کی گئی ہیں؟

توجیہ نمبر ①: ان کاں صادقاً ای فی زعمک یعنی اگر یہ تیرے گمان کے مطابق بھی اپنی بات میں سچا ہے تو پھر بھی تو نے قتل کیا تو اب ظاہر ہے کہ تیرا اس کو قتل کرنا بے گناہ ہے اس لیے فرمایا اگر قتل کرے گا تو دخلت النار۔

توجیہ ②: اگر معاف نہیں کرے گا بلکہ قصاص لے لے گا تو معاف کرنے کی صورت میں جو مرتبہ تجھے حاصل ہونا تھا وہ حاصل نہیں ہوگا تو اسی انحطاط مرتبہ کو تعبیر کر دیا دخلت النار کے ساتھ لیکن رائج وہی اول ہے۔ دیگر کتابوں میں تفصیل ہے کہ حضور ﷺ نے ذو النسعة سے فرمایا ہے کہ دیت ادا کرو اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں تو طاقت نہیں رکھتا حضور ﷺ نے فرمایا کہ اپنے قبیلہ سے تعاون طلب کر انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرا قبیلہ بھی اس کی طاقت نہیں رکھتا پھر حضور ﷺ نے بیت المال سے دیت ادا کر دی تھی (نسعة کا معنی ہے چمڑے کا تسمہ)

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ الْمَثَلَةِ

باب ۱۳: مثلہ کرنے کی ممانعت

(۱۳۲۸) كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا بَعَثَ أَمِيرًا عَلَى جَيْشٍ أَوْ صَاكًا فِي خَاصَّةٍ نَفْسِهِ بِتَقْوَى اللَّهِ وَمَنْ مَعَهُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ خَيْرًا فَقَالَ أُغْزُوا بِسْمِ اللَّهِ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ قَاتِلُوا مَنْ كَفَرَ اغْزُوا وَلَا تَغْلُوا وَلَا تَغْدِرُوا وَلَا تُثْمِلُوا وَلَا تَقْتُلُوا وَلَيْدًا وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ.

ترجمہ: سلیمان بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ جب کسی شخص کو کسی لشکر کا امیر مقرر کرتے تھے تو آپ اسے بطور خاص اس کی اپنی ذات کے حوالے سے، اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی اور مسلمانوں کے حوالے سے بھلائی کی تلقین کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ ارشاد فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ کا آغاز کرو! جو شخص اللہ تعالیٰ کے منکر ہیں ان کے ساتھ لڑائی کرو تم خیانت نہ کرنا اور عہد شکنی نہ کرنا اور مثلہ نہ کرنا اور بچوں کو قتل نہ کرنا۔

(۱۳۲۹) أَنَّ اللَّهَ كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقَتْلَ وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذَّبْحَ وَلِيُجِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ وَلِيُرَاحَ ذَبْيُحَتَّهُ.

ترجمہ: حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے بارے میں بھلائی کو لازم قرار دیا ہے تو جب تم (کسی کو قصاص میں یا جنگ کے دوران) قتل کرو تو اچھے طریقے سے قتل کرو (یعنی اذیت پہنچائے بغیر قتل کرو) اور جب تم (کسی جانور کو) ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو آدمی اپنی چھری کو تیز کر لے اور اپنے ذبح ہونے والے جانور کو تکلیف نہ پہنچائے۔

تشریح: مثلہ یہ ہے کہ کسی کے ہاتھ پاؤں اور ناک وغیرہ کاٹ دینا یہ بالاتفاق ناجائز ہے باقی حضور ﷺ جب کسی کو امیر بناتے تو اس کو خصوصی طور پر تقویٰ کی وصیت فرماتے اس کی وجہ یہ ہے کہ ماتحت تو ڈر کی وجہ سے تقویٰ اختیار کر لیں گے چونکہ امیر کو کسی کا ڈر تو ہوگا نہیں ہو سکتا ہے کہ یہ غیر محتاط ہو جائے ڈرنے ہونے کی وجہ سے۔

لا تغدوا: عہد شکنی نہ کرو اور بچوں کو قتل نہ کرو بشرطیکہ اس کی طرف سے خیانت نہ ہو ورنہ ان کو بھی قتل کر دیا جائے گا بچے کے قتل نہ کرنے میں ایک تو یہ ہے کہ یہ کسی کی طرف سے مدافعت نہیں ہے اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس کو غلام بنالو۔

بَاب مَا جَاءَ فِي دِيَةِ الْجَنِينِ

باب ۱۴: پیٹ میں موجود بچے کی دیت

(۱۳۳۰) قَضَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي الْجَنِينِ بِغُرَّةٍ عَبْدٍ أَوْ أَمَةٍ فَقَالَ الذِّي قُضِيَ عَلَيْهِ أَيْعُطَى مَنْ لَا شَرِبَ وَلَا أَكَلَ وَلَا صَاحَ فَاسْتَهْلَ فَمِثْلُ ذَلِكَ يُكُلُّ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّ هَذَا لَيَقُولُ بِقَوْلِ شَاعِرٍ بَلْ فِيهِ غُرَّةٌ عَبْدٌ أَوْ أَمَةٌ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے پیٹ میں موجود بچے کے بارے میں ایک غلام یا کنیز تاوان کے طور پر ادا کرنے کا فیصلہ دیا جس شخص کے خلاف فیصلہ دیا گیا۔ اس نے عرض کی۔ کیا ہم اس کی ادائیگی کریں کہ جس نے کچھ کھایا نہیں کچھ پیا نہیں وہ چیخ کر رویا نہیں۔ اس طرح کا خون تو رائیگاں جاتا ہے تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ تو شاعروں کی طرح کلام کر رہا ہے بلکہ اس طرح کے خون میں غلام یا کنیز کو تاوان کے طور پر ادا کیا جائے گا۔

(۱۳۳۱) إِنَّ إِمْرَأَتَيْنِ كَانَتَا صَرََتَيْنِ فَرَمَتْ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى بِحَجَرٍ أَوْ عُمُودٍ فَسَطِطٍ فَأَلْقَتْ جَنِينَهَا فَقَضَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي الْجَنِينِ غُرَّةً عَبْدًا أَوْ أَمَةً وَجَعَلَهُ عَلَى عَصَبَةِ الْمَرْأَةِ.

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: دو عورتیں آپس میں سوکن تھیں ان میں سے ایک نے دوسری کو پتھر یا شاید خیمے کی لکڑی ماری تو اس عورت کا پیٹ میں موجود بچہ ضائع ہو گیا تو نبی اکرم ﷺ نے اس بچے کے بارے میں ایک غلام یا کنیز تاوان کے طور پر ادا کرنے کا فیصلہ دیا اور آپ نے اس کی ادائیگی عورت کے خاندان کے ذمے لازم کی۔

جنین کا معنی ہے حمل۔ اگر کوئی حاملہ عورت کو مارنے اور اس کا بچہ گر جائے تو اس کی دو صورتیں ہیں: ① مردہ ہو کر پیدا ہوگا۔ ② یا زندہ ہو کر پیدا ہوگا اگر زندہ پیدا ہو جانے کے بعد مر جائے تو پھر دیت کاملہ ہوگی اور اگر وہ مرا ہوا پیدا ہو تو اس کی دیت غرۃ ہے باقی یہ کوئی ضابطہ اور معیار کے طور پر نہیں فرمایا بلکہ اصل واجب دیت کا بیسواں حصہ ہے اس زمانہ کے اندر عمومی طور پر غلام یا باندی کی قیمت دیت کے بیسویں حصے کے برابر ہوتی تھی اسی طرح آگے فرس اور بغل کا ذکر اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ ان کی قیمت دیت کے بیسویں حصے کے برابر ہوتی تھی اس لیے یہ فرمایا ایک حدیث میں پانچ سو درہم کا بھی تذکرہ ہے۔

غرۃ عبدا و امة غرۃ بضم الغین وتشديد الراء بالتثنية: اصل میں گھوڑے کی پیشانی پر بیاض کو کہتے ہیں لیکن پھر اس میں توسیع کر کے ہر عمدہ چیز کو کہا جانے لگا اگرچہ وہ سفید نہ ہو چونکہ غلام اور باندی عمدہ مال ہوتے ہیں اس لیے ان کو غرہ کہا جاتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ

باب ۱۵: کسی مسلمان کو کسی کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا

(۱۳۳۲) قُلْتُ لِعَلِيٍّ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ هَلْ عِنْدَكَ سَوْدَاءٌ فِي بَيْضَاءَ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللَّهِ قَالَ لَا وَالَّذِي فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسَمَةَ مَا عَلِمْتُهُ إِلَّا فَهْمًا يُعْطِيهِ اللَّهُ رَجُلًا فِي الْقُرْآنِ وَمَا فِي الصَّحِيفَةِ قُلْتُ وَمَا فِي الصَّحِيفَةِ قَالَ الْعَقْلُ وَفِكَائِكَ الْأَسِيرُ وَأَنْ لَا يُقْتَلَ مُؤْمِنٌ بِكَافِرٍ.

ترجمہ: ابو جحیفہ بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا اے امیر المؤمنین! کیا آپ کے پاس موجود تحریر میں کوئی ایسا حکم بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں نہ ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا۔ اس ذات کی قسم جس نے دانے کو چیرا ہے اور جان کو پیدا کیا ہے۔ میرے علم میں صرف وہ فہم ہے جو اللہ تعالیٰ قرآن کے حوالے سے کسی شخص کو عطا کرتا ہے یا صحیفے میں موجود کچھ احکام ہیں۔ راوی بیان کرتے ہیں: میں نے دریافت کیا: صحیفے میں کیا تحریر ہے تو انہوں نے بتایا۔ اس میں دیت کے احکام ہیں۔ قیدی کو آزاد کرنے کے احکام ہیں اور یہ حکم ہے۔ کسی کافر کے بدلے میں کسی مؤمن کو قتل نہ کیا جائے۔

وما فی الصیحفۃ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے پاس ایک صحیفہ ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کے چند ارشادات مذکور ہیں پھر ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ نے سوال کیا اس صحیفہ میں کیا ہے؟ سوال کی غرض یہ تھی تاکہ خاص وصیت کا وہم ختم ہو جائے یعنی خلافت کی وصیت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اس صحیفے میں دیت کے احکام ہیں اور یہ حکم ہے کہ کوئی مؤمن کافر کے قصاص میں قتل نہ کیا جائے۔ اگر کوئی شخص ذمی کو قتل کر دے تو آیا ذمی کے بدلے میں مسلمان کو قتل کیا جائے گا یا نہیں؟

تو احناف کہتے ہیں کہ قتل کیا جائے گا عند الجمہور قتل نہیں کیا جائے گا۔

امام صاحب رحمہ اللہ کی دلیل: ① حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما ہے جس کی تخریج دارقطنی نے کی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک مسلمان کو جس نے ذمی کو قتل کیا تھا اس مسلمان کو ذمی کے بدلے میں قتل کرنے کا حکم فرمایا پھر یہ فرمایا کہ عہد و پیمان کی رعایت رکھنے والوں میں سے میں سب سے زیادہ رعایت رکھنے والا ہوں۔

دلیل ②: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت کے اندر ایک مسلمان کو ذمی کے بدلے میں قتل کرنے کا حکم دیا تھا مصنف عبدالرزاق کے اندر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے کا تذکرہ ہے۔

دلیل ③: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک ذمی کے بدلے میں ایک مسلمان کو قتل کرنے کا حکم فرمایا تھا بطور قصاص کے اس فیصلے کو امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی مسند کے اندر ذکر کیا۔

دلیل ④: حدیث اموالہم کا مولانا و دماہم کد مائنا۔ ”ان کے مالوں کو ہمارے مالوں کی طرح تحفظ حاصل ہے اور ان کی جانوں کو ہماری جانوں کا تحفظ حاصل ہے۔“

لہذا احناف اس بات کے قائل ہیں کہ ذمی کے بدلے میں مسلمان کو قتل کیا جائے گا اس حدیث کی سند میں اگرچہ ضعف ہے لیکن سند کو

تقویت حاصل ہو جاتی ہے خلفاء راشدہ کے فیصلوں کی وجہ سے۔

جسمہور کی دلیل: حدیث علی رضی اللہ عنہ حدیث الباب ہے کہ لا یقتل مسلمہ بکافر۔ دوسری حدیث کے اندر ان لا یقتل مومن بکافر یہ حدیث حدیث علی رضی اللہ عنہ کے نام سے مشہور ہے۔

هل عندکم سوداء فی بیضاء: کیا تمہارے پاس کوئی لکھی ہوئی چیز ہے یہ کنایہ ہے لکھے ہوئے ہونے سے ایسی لکھی ہوئی چیز کہ جو کتاب اللہ کے اندر نہ ہو۔

جواب ①: اس حدیث میں کافر سے مراد مطلق کافر نہیں بلکہ کافر حربی مراد ہے کہ مسلمان کو کافر حربی کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا اور دلیل تخصیص خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے فیصلے میں خصوصاً اس حدیث کو روایت کرنے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں وہ خود اپنے زمانہ خلافت میں فیصلہ میں کہہ رہے ہیں کہ مسلمان کو ذمی کے بدلے میں قتل کیا جائے گا ورنہ اس سے یہ لازم آئے گا کہ حضور ﷺ سے کچھ روایت کریں اور فتویٰ کچھ دیں اس سے تو حضرت کی عدالت پر حرف آئے گا لازمی یہ ماننا پڑے گا کہ کافر سے مراد کافر حربی ہیں۔

باب

باب ۱۶: کفار کی دیت کا حکم

(۱۳۳۳) دِيَّةُ عَقْلِ الْكَافِرِ نِصْفُ دِيَّةِ عَقْلِ الْمُؤْمِنِ.

ترجمہ: عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے والد کے حوالے سے، اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ کسی کافر کے بدلے میں کسی بھی مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

ذمی کی دیت: ① عند الاحناف مسلمان کی دیت کے برابر ہے۔ ② امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے۔ ③ امام مالک امام شافعی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ذمی کی دیت ۴ ہزار درہم ہے اور مجوسی کی دیت آٹھ سو درہم ہے۔ **احناف کی دلیل:** ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قبیلہ بنو عامر کے دو آدمیوں کی دیت مسلمان کی دیت کی طرح کا ادا کرنے کا حکم فرمایا معلوم ہوا کہ ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہوگی۔

دوسری دلیل: شعیب بن المسیب رضی اللہ عنہ سے مرسل منقول ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: دیت الذمی الف دینار کدیۃ المسلم او کہا قال علیہ السلام یہ مراہیل سعید المسیب کے بارے میں ہے اور ظاہر ہے کہ دینار کے اعتبار سے مسلمان کی دیت بھی ایک ہزار ہے بس ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہے اور مراہیل سعید المسیب کے بارے میں محدثین کا فیصلہ ہے کہ جتہ ہیں۔

تیسری دلیل: حاشیہ ہدایۃ کے اندر مبسوط کے حوالہ سے امام زہری رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا کہ:

ان ابابکر و عمر رضی اللہ عنہما کان یجعلان دية الذمی کدیه المسلم.

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما ذمی کی دیت مسلمانوں کی دیت کے برابر ٹھہراتے تھے۔

اور نیز شروح ہدایۃ کے اندر ابن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ دية الذمی کدیه المسلم اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم ابواب الدیات کے اندر حدیث مرفوع کے حکم میں ہیں۔

احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی دلیل: یہاں حدیث نقل کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دية عقل الكافر نصف عقل المسلم او کہا قال۔

جواب: یہ منسوخ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کی وجہ سے اور اثر عمر بنی رضی اللہ عنہ کا جواب روى کے ساتھ نقل کر کے ضعف کی طرف اشارہ فرمادیا اور اگر صحت تسلیم کر لی جائے تو یہ حضرت عمر بنی رضی اللہ عنہ کا اپنا اجتہاد ہے بطور مصالحت کے ایسا کیا ہوگا۔
امام مالک و امام شافعی رحمہما اللہ کی دلیل: اثر عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہے:

انه قال دية اليهودى والنصرانى اربعة الاف ودية المجوسى ثمانمائة.

”یہودی اور عیسائی کی دیت چار ہزار دینار اور مجوسی کی دیت آٹھ ہزار دینار ہے۔“

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَقْتُلُ عَبْدَهُ

باب ۱۷: جو شخص اپنے غلام کو قتل کر دے

(۱۳۳۴) مَنْ قَتَلَ عَبْدَهُ قَتَلْنَاهُ وَمَنْ جَدَّ عَبْدَهُ جَدَّ عَنَّا.

ترجمہ: حضرت سرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اپنے غلام کو قتل کر دے ہم اسے قتل کر دے گے اور جو شخص اس کا کوئی عضو کاٹ دے ہم اس کا عضو کوٹا دیں۔

تشریح: اس مسئلہ میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ اگر آقا نے اپنے غلام کو قتل کر دیا تو اس کو قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ غلام کا قصاص لینے کا حق مولیٰ کو ہوتا ہے تو اس سے لازم آئے گا ایک ہی آدمی کا مطالب اور مطالب ہونا جو صحیح نہیں۔

سوال: زیر بحث باب کی روایت میں ہے کہ مولیٰ کو قصاصاً غلام کے بدلے میں قتل کیا جائے گا؟

جواب ①: اس حدیث میں عبد سے مراد آزاد کردہ غلام ہے معنی یہ ہوگا کہ جو آدمی اپنے آزاد کردہ غلام کو قتل کرے اس کو قصاص میں قتل کیا جائے گا اس سے مراد وہ غلام نہیں جس میں فی الحال رقیق موجود ہے۔

جواب ②: اس حدیث میں زجر مذکور ہے اور زجر سے مراد یہ ہے کہ مولیٰ اگرچہ قصاص کا مستحق تو نہیں لیکن ہم تعزیراً اس کو قتل کر سکتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَرْأَةِ تَرِثُ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا

باب ۱۸: عورت اپنے شوہر کی دیت میں وارث ہوگی

(۱۳۳۵) أَنَّ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ الدِّيَّةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ وَلَا تَرِثُ الْمَرْأَةُ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا شَيْئًا حَتَّىٰ أَخْبَرَهُ الضَّمَّالُ بْنُ سَفْيَانَ الْكَلَابِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَتَبَ إِلَيْهِ أَنْ وَرِثَ امْرَأَةً أَشِيَمَ الضَّبَّابِيُّ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا.

ترجمہ: سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں: حضرت عمر بنی رضی اللہ عنہ یہ فرماتے تھے دیت کی ادائیگی (قاتل کے) خاندان کے ذمے ہوگی اور کوئی عورت اپنے شوہر کی دیت میں کسی چیز کی وارث نہیں ہوگی۔

تشریح: ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کا اتفاق ہے کہ خاوند کے جیسے دیگر اموال میں سے عورت کو حصہ ملے گا اسی طرح خاوند کی دیت سے بھی اس کو حصہ ملے گا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ابتداء رائے یہ تھی کہ خاوند کی دیت سے بیوی کو حصہ نہیں ملے گا ان کا اجتہاد یہ تھا کہ بیوی اسی مال سے وراثت کی حقدار ہے کہ جو مال موت کے وقت خاوند کا مملوک ہو اور دیت ظاہر ہے کہ دیت تو موت کے وقت خاوند کا مملوک نہیں ہے تو کیسے حصہ دیا جائے حتیٰ کہ ضحاک بن سفیان کلابی رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سنائی کہ ضبابی مقتول ہو گئے تھے کوفہ میں بقتل خطاء تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ضحاک بن سفیان کلابی کو خط لکھا کہ اس کی بیوی کو بھی اس کی دیت سے حصہ دیا جائے کیونکہ اس زمانہ میں ضحاک بن سفیان کلابی رضی اللہ عنہ گورنر تھے تو اس کی طرف خط لکھا جب یہ حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنی تو اپنے اجتہاد سے رجوع کر لیا تھا۔ معلوم ہوا کہ دیت کے مال میں سے بھی بیوی کو حصہ دیا جائے گا۔

ایک وجہ یہ ہے کہ دیت کا جو مال ہے اس کا سبب بھی خاوند کی حیات ہی ہے اس لیے جیسے دیگر اموال میں میراث جاری ہوگی اسی طرح دیت کے مال میں بھی جاری ہوگی بعض کتابوں میں امام مالک رحمہم اللہ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ دیت کے مال میں سے خاوند کو حصہ نہیں ملے گا لیکن امام ترمذی رحمہم اللہ نے اس کو ذکر نہیں کیا پس معلوم ہوا کہ راجح یہی ہے کہ حصہ ملے گا ضباب کوفہ کے اندر ایک قلعہ ہے اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے ضبابی کہتے ہیں باقی یہ کوئی قبیلہ نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقِصَاصِ

باب ۱۹: قصاص کا حکم

(۱۳۳۶) اَنَّ رَجُلًا عَضَّ يَدَ رَجُلٍ فَتَزَعَّ يَدُهُ فَوَقَعَتْ ثَنِيَّتَاهُ فَاحْتَصَمَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَعْصُ أَحَدُكُمَا أَخَاهُ كَمَا يَعْصُ الْفَحْلُ لِأَدِيَّةٍ لَكَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ.

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک شخص نے دوسرے کے ہاتھ پر کاٹ دیا۔ دوسرے نے اپنا ہاتھ کھینچا تو پہلے شخص کے سامنے کے دو دانت ٹوٹ گئے وہ اپنا مقدمہ لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ ایک شخص اپنے بھائی کے ہاتھ کو یوں چباتا ہے جیسے اونٹ چباتا ہے۔ تمہیں کوئی دیت نہیں ملے گی تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل کیا۔ اور زخموں میں بھی قصاص ہوتا ہے۔

مذہب فقہاء: امام ابو حنیفہ، امام شافعی رحمہم اللہ اور جمہور کے نزدیک اگر ایک آدمی اپنا دفاع کرتا ہو اور دوسرے کا ناگزیر نقصان کرے تو وہ ہدر ہے جبکہ امام مالک رحمہم اللہ ضمان کے قائل ہیں امام نووی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ان لوگوں کے لیے دلیل ہے جو ایسے میں ضمان و قصاص کے قائل نہیں ہیں۔ تاہم یہ ضروری ہے کہ دفاع بقدر ضرورت ہو اور نیت بھی اپنی حفاظت کی ہو نہ نقصان پہنچانے کی مثلاً حضرت جبرائیل علیہ السلام جب حضرت مریم علیہا السلام سے اس وقت پیش آئے جب وہ غسل کر رہی تھیں تو انہوں نے اپنے دفاع کے لیے فرمایا: اِنِّیْ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ کُنْتَ تَقِیُّا یہ ابتدائی دفاعی الفاظ تھے جو نرم ہیں۔ فانزل اللہ تعالیٰ والجروح قصاص یہ اضافہ غالباً صرف ترمذی کی روایت میں ہے اس سے اس کا شان نزول بیان کرنا مراد ہے یعنی جہاں قصاص

بمعنی مماثلت ممکن ہو تو قصاص لیا جائے گا ورنہ حکومت عدل ہوگی۔

(۱) اُونٹ عجیب و غریب جانور ہے اس کی بردباری کا عالم یہ ہے کہ ایک بچہ بھی اس کی نکیل پکڑ کر جہاں چاہے لے جاسکتا ہے۔ لیکن کینہ پرور بھی اتنا ہی ہے اگر کسی کا دشمن ہو جائے تو اس کی کھوپڑی پکڑ کر اکھاڑ لیتا ہے اس لیے نبی ﷺ نے اس کی مثال دی ہے۔ (بخاری حدیث ۶۸۹۲ کتاب الدیات، باب ۱۸ مسلم شریف حدیث ۱۶۷۳)۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْحَبْسِ فِي التُّهْمَةِ

باب ۲۰: حوالات اور تہمت کی سزا

(۱۳۳۷) اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ حَبَسَ رَجُلًا فِي تُّهْمَةٍ ثُمَّ خَلَّى عَنْهُ.

ترجمہ: بہز بن حکیم اپنے والد کے حوالے سے، اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے تہمت کی وجہ سے ایک شخص کو قید کروا دیا تھا پھر آپ نے اسے چھوڑ دیا۔

تشریح: اسلام میں جیل کی سزا نہیں جرائم کی سزائیں ہاتھ کے ہاتھ چکا دی جاتی ہیں البتہ حوالات (حراست) ہے یعنی کسی پر کوئی الزام ہو اور ابھی تحقیق جاری ہو تو دوران تحقیق حراست میں رکھا جاتا ہے تاکہ بھاگ نہ جائے نبی ﷺ کے عہد مبارک میں ایک شخص پر تہمت تھی تو آپ ﷺ نے اس کو روک لیا اور ستون وغیرہ سے باندھ دیا پھر تحقیق میں وہ بے تصور ثابت ہوا تو چھوڑ دیا۔

بَاب مَا جَاءَ مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ

باب ۲۱: جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے قتل ہو جائے وہ شہید ہے

(۱۳۳۸) مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ وَمَنْ سَرَقَ مِنَ الْأَرْضِ شَبْرًا طَوَّقَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرْضِينَ.

ترجمہ: حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے۔ جو شخص کسی دوسرے کی ایک باشت زمین ہتھیلے گا قیامت کے دن اس کی گردن میں سات زمینوں جتنا وزنی طوق ڈالا جائے گا۔

(۱۳۳۹) مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے۔

(۱۳۴۰) مَنْ أُرِيدَ مَالُهُ بِغَيْرِ حَقٍّ فَقَاتَلَ فَقُتِلَ فَهُوَ شَهِيدٌ.

ترجمہ: ابراہیم بن محمد بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کا مال ناحق طور پر چھینا جا رہا ہو اور وہ لڑائی کرتے ہوئے مارا جائے تو وہ شہید ہے۔

(۱۳۴۱) مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُونَ دِينِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُونَ دَمِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُونَ أَهْلِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ.

ترجمہ: طلحہ بن عبد اللہ، حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: وہ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے۔ جو شخص اپنے دین کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے جو شخص اپنی جان کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے، جو شخص اپنے اہل و عیال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے۔ تشریح: انسان کا دین محترم ہے جان محترم ہے مال محترم ہے اہل و عیال محترم ہے ان میں سے اگر کسی کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے تو وہ شہید ہے حکمی شہید ہے ثواب کے اعتبار سے چونکہ اکثر احادیث کے اندر مال کا ذکر ہے اس لیے امام ترمذی رحمہ اللہ نے عنوان کے اندر مال کا ذکر کیا۔ یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے اس سے معلوم ہوا کہ مال کی، ذات کی، دین کی اور اہل و عیال کی حفاظت کرنی چاہیے اور اس کے لیے لڑنا چاہیے کتے کی موت نہیں مرنا چاہیے پھر اگر کامیاب ہو تو بامراد ہوا اور مارا گیا تو شہید ہوا پس وہ بھی بامراد ہوا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقَسَامَةِ

باب ۲۲: قسامہ (حلف برداری) کا بیان

قسامت کا حکم:

(۱۳۴۲) خَرَجَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَهْلٍ بْنُ زَيْدٍ وَحِيصَةُ بْنُ مَسْعُودٍ بْنُ زَيْدٍ حَتَّى إِذَا كَانَا بِحَبَابَةِ تَفَرَّقَا فِي بَعْضِ مَا هُنَاكَ ثُمَّ إِنَّ مُحْيِصَةَ وَجَدَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ سَهْلٍ قَتِيلًا قَدْ قُتِلَ فَدَفَنَهُ ثُمَّ أَقْبَلَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ هُوَ وَحُوَيْصَةُ بْنُ مَسْعُودٍ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَهْلٍ وَكَانَ أَصْغَرَ الْقَوْمِ ذَهَبَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ لِيَتَكَلَّمَ قَبْلَ صَاحِبِيهِ قَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ كَبُرَ لِكَبْرَ فَصَمَتْ وَتَكَلَّمَ صَاحِبَاهُ ثُمَّ تَكَلَّمَ مَعَهُمَا فَذَكَرُوا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَقْتُلَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَهْلٍ فَقَالَ لَهُمْ أَتَخْلِفُونَ بِخُمْسَيْنِ يَمِينًا فَتَسْتَحِقُّونَ صَاحِبَكُمْ أَوْ قَاتِلَكُمْ قَالُوا وَكَيْفَ نَخْلِفُ وَلَمْ نَشْهَدْ قَالَ فَتُبِّرَ تَكْلَمُ يَهُودُ بِخُمْسَيْنِ يَمِينًا قَالُوا وَكَيْفَ نَقْبَلُ أَيُّمَانَ قَوْمٍ كَفَّارٍ فَلَمَّا رَأَى ذَلِكَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَعْطَى عَقْلَهُ.

ترجمہ: حضرت سہل بن ابو حثمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: یحییٰ نامی راوی بیان کرتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ حدیث حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے منقول ہے یہ دونوں حضرات یہ فرماتے ہیں: حضرت عبد اللہ بن سہل رضی اللہ عنہ اور حضرت حویصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روانہ ہوئے یہ لوگ خیبر میں تھے وہاں یہ ایک جگہ پر ایک دوسرے سے الگ ہو گئے پھر حضرت حویصہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کو مقتول پایا جنہیں قتل کر دیا گیا تھا۔ وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے ساتھ حضرت حویصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد الرحمن بن سہل رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت عبد الرحمن بن سہل رضی اللہ عنہ ان میں سب سے کم عمر تھے وہ اپنے دونوں ساتھیوں سے پہلے بات شروع کرنے لگے تو نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: پہلے بڑوں کو موقع دو! وہ خاموش ہو گئے۔ ان کے دونوں ساتھیوں نے بات چیت کی

پھر انہوں نے بھی ان دونوں کے ساتھ بات چیت میں حصہ لیا۔ انہوں نے حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کے قتل ہونے کا تذکرہ نبی اکرم ﷺ سے کیا تو نبی اکرام ﷺ نے ان سے دریافت کیا۔ کیا تمہارے پچاس افراد قسم اٹھا کر اپنے ساتھی (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) اپنے قاتل کے حقدار بن جائیں گے۔ انہوں نے عرض کی۔ ہم کیسے قسم اٹھا سکتے ہیں جب کہ ہم وہاں موجود ہی نہیں تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: پھر یہودی پچاس قسمیں اٹھا کر تم سے بری الذمہ ہو جائیں گے۔ انہوں نے عرض کی۔ ہم کافروں کی قسم کا کیسے اعتبار کریں جب نبی اکرم ﷺ نے یہ بات دیکھی تو آپ نے اپنی طرف سے انہیں دیت عطا کی۔

تشریح: قسامہ اور قسم مترادف الفاظ ہیں دونوں کے معنی ہیں: حلف برداری مگر قسامہ خاص قسم کی حلف برداری کا نام ہے مطلق قسم کھانا قسامہ نہیں ہے۔ کہ اسلامی حکومت میں کوئی خون رائیگاں نہیں جاتا تا بہر صورت قاتل کا پتہ چلایا جاتا ہے اگر کسی بھی صورت سے قاتل کا پتہ نہ چلے تو آخری صورت قسامہ ہے یعنی جہاں لاش ملی ہے اور اس پر قتل کے آثار ہیں قاتل کے ورثاء وہاں کے پچاس آدمیوں کا انتخاب کریں گے اور وہ سب قاضی کے سامنے اللہ کی قسم کھا کر کہیں گے کہ نہ انہوں نے قتل کیا نہ وہ قاتل کو جانتے ہیں کیونکہ اتنی بڑی تعداد میں کوئی نہ کوئی قتل سے واقف ہوگا پس وہ ضرور نشانہ ہی کرے گا جھوٹی قسم نہیں کھائے گا اور اگر سب قسمیں کھالیں تو بستی والوں پر دیت ڈال دی جائے گی۔ اور قسامہ سے فیصلہ کرنے میں مصلحت یہ ہے کہ قتل کبھی مخفی جگہ میں یا تاریک رات میں ہوتا ہے جہاں کوئی گواہ نہیں ہوتا پس اگر مخفی قتل کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا جائے گا کہ گواہ نہیں تو لوگ قتل پر جری ہو جائیں گے اور اگر بے دلیل مقتول کے ورثاء کا دعویٰ مان لیا جائے گا تو ہر کوئی اپنے دشمن پر دعویٰ دے گا کہ اس نے قتل کیا ہے اس لیے ضروری ہے کہ قسامہ سے فیصلہ کیا جائے۔

باب قسامہ میں تین مسئلوں میں اختلاف ہے۔

مذہب فقہاء: پہلا مسئلہ: قسامہ کے لیے لوٹ (کسی بات کا غیر واضح ثبوت شبہ) ضروری ہے یا نہیں۔

- ① حنفیہ کے نزدیک ضروری نہیں صرف اتنی بات ضروری ہے کہ موت حادثاتی ہو طبعی نہ ہو معین شخص یا معین لوگوں پر شبہ ہونا ضروری نہیں۔
- ② ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک قسمیں لینے کے لیے لوٹ ضروری ہے یعنی کسی معین شخص پر یا معین لوگوں پر شبہ ہو کہ انہوں نے قتل کیا ہے تب ان سے قسمیں لی جائیں گی۔

دوسرا مسئلہ: قسامہ سے قصاص ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟

- ① امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک قصاص ثابت ہوتا ہے جب مقتول کے ورثاء کسی معین آدمی کے بارے میں پچاس قسمیں کھائیں کہ اس نے عداً قتل کیا ہے تو قصاص واجب ہوگا۔

- ② باقی تمام فقہاء کے نزدیک قسامہ سے قصاص ثابت نہیں ہو سکتا اس سے دیت ہی ثابت ہوتی ہے۔

تیسرا مسئلہ: قسامہ میں پہلے مقتول کے ورثاء پچاس قسمیں کھائیں گے یا نہیں؟

- ① حنفیہ کے نزدیک مقتول کے ورثاء قسمیں نہیں کھائیں گے۔

- ② امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک پہلے مقتول کے ورثاء پچاس قسمیں کھائیں گے اگر وہ کسی معین آدمی کے بارے میں عداً قتل کرنے کی پچاس قسمیں کھالیں تو دیت مغلفہ واجب ہوگی اور قتل خطا کی قسمیں کھائی تو دیت مخففہ واجب ہوگی اور اگر مقتول کے ورثاء قسمیں کھانے سے انکار کر دیں تو مدعی علیہ یا جہاں لاش ملی ہے وہاں کے لوگ پچاس قسمیں کھائیں گے اور ان پر دیت مخففہ واجب ہوگی۔

أَبْوَابُ الْحُدُودِ

شرعی سزاؤں کا بیان

جب تک حدود کا حاکم تک کے پاس ثبوت نہ ہو تو کوشش کرنی چاہیے کہ وہ ساقط ہو جائے یعنی حدود میں کامل مکمل تفتیش ضروری ہے کہ شاید کسی مرحلے پر جا کر حد ساقط ہو جائے حد کو ساقط کرنا ہے حق عہد کو ساقط نہیں کرنا چاہیے یہی وجہ ہے کہ چوری کا اندیشہ ہو تو حد تو ساقط ہو جائے گی لیکن مال مسروق تو مسروق منہ کو دیا جائے گا عفو کے اندر خطا ہو جانا زیادہ بہتر ہے (عقوبت) اور حد کے اندر خطا ہونے سے۔ مضمون کو امت کی جانب سے تعلق بالقبول حاصل ہے لہذا سند کا ضعف کوئی مضرت نہیں ہے۔



بَابُ مَا جَاءَ فِي مَنْ لَا يَجِبُ عَلَيْهِ الْحَدُّ

باب ۱: حد کس پر واجب نہیں

(۱۳۴۳) رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ عَنِ النََّائِمِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتَّى يَشُبَّ وَعَنِ الْمَعْتُوهِ حَتَّى يَعْقِلَ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین طرح کے لوگوں سے قلم (شرعی سزا کا حکم) اٹھالیا گیا ہے سوئے ہوئے شخص سے یہاں تک کہ وہ بیدار ہو جائے۔ بچے سے یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے اور پاگل سے یہاں تک کہ اسے عقل آجائے۔

حدود: حد کی جمع ہے اور حدود سزا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے اس میں کسی کو کسی طرح تبدیلی کا حق نہیں اور ایسی سزائیں صرف چار ہیں ان میں سے تین کا ذکر قرآن کریم میں ہے اور ایک کا حدیث میں ہے پہلی زنا کی سزا ہے۔ اگر زانی غیر شادی شدہ ہے تو سو کوڑوں کی سزا ہے اور یہ سزا قرآن کریم میں مذکور ہے اور شادی شدہ کی سزا سنگساری ہے یہ سزا بھی قرآن کریم میں مذکور تھی مگر بعد میں آیت منسوخ کر دی گئی اور حکم باقی رکھا گیا ہے اب اس کا ذکر حدیث میں ہے دوسری چوری کی سزا ہے اور وہ ہاتھ کاٹنا ہے اور یہ سزا بھی قرآن کریم میں مذکور ہے تیسری حد قذف ہے یعنی تہمت لگانے کی سزا اور وہ اسی کوڑے ہیں اور اس کا تذکرہ بھی قرآن کریم میں ہے چوتھی شراب پینے کی سزا ہے اس کا تذکرہ حدیثوں میں ہے قرآن کریم میں اس کا ذکر نہیں۔

ان چار جرائم کے علاوہ دیگر جرائم کی سزائیں قاضی کی صوابدید پر موقوف ہیں قاضی انتظامی نقطہ نظر سے جو سزا مناسب سمجھے دے سکتا ہے اور بالکل معاف بھی کر سکتا ہے قرآن و حدیث نے ان جرائم کی سزائیں مقرر نہیں کی ہیں البتہ حدیثوں میں راہنمائی ہے کہ کس طرح کی سزائیں دینی چاہئیں پھر فقہاء نے احادیث کی روشنی میں بہت سے جرائم کی سزائیں مقرر کی ہیں اسی طرح آج کل پارلیمنٹ بھی جرائم کی نوعیت کے اعتبار سے سزائیں مقرر کر سکتی ہے قاضی وہ سزائیں بھی دے سکتا ہے مگر شرعاً وہ ان کا پابند نہیں وہ ان کے علاوہ بھی سزا دے سکتا ہے اور سزاؤں میں تخفیف و تشدید بھی کر سکتا ہے۔

فائدہ: مذکورہ بالا سزائیں صرف ان کو جاری کرنے کی نوبت بہت کم آتی ہے مگر ان کے ڈر سے آدمی سہارا ہوتا ہے کوئی گناہ کرنے کی ہمت نہیں کرتا پھر جو سزا جتنی مشکل ہے اس کا ثبوت بھی اتنا ہی مشکل ہے مثلاً سنگساری حد درجہ کی بھیانک سزا ہے مگر اس کا ثبوت بھی اتنا ہی مشکل ہے۔ زنا کے ثبوت کے لیے چار عینی دیندار مردوں کی گواہی ضروری ہے جنہوں نے اپنی آنکھوں سے اس طرح زنا ہوتے دیکھا ہو جیسے سرمہ دانی میں سلائی جاتی ہے ظاہر ہے کوئی بھی برسرعام زنا نہیں کرتا جو زنا کرتا ہے چھپ کر کرتا ہے پس آسانی سے اس کا ثبوت نہیں ہو سکتا مشکل ہی سے کسی زنا کا ثبوت ہو جاتا ہے اور حد زنا جاری کرنے کی نوبت آتی ہے اگر آپ سعودیہ میں جو قتل اور زنا وغیرہ ہوتے ہیں ان کا اور یورپ امریکہ اور برطانیہ میں جو جرائم ہوتے ہیں ان کا تناسب دیکھیں تو حیرت زدہ رہ جائیں! سعودیہ میں یہ گناہ ایک دو فیصد بھی نہیں ہوتے اور یورپ وغیرہ میں ان جرائم کی کوئی حد ہی نہیں حالانکہ سعودیہ میں سب اولیاء اللہ نہیں بستے ان کے بھی نفس ہیں ان کے ساتھ بھی شیطان لگا ہوا ہے مگر ان سزاؤں کا ہوا ایسا سوار ہے کہ کوئی گناہ کرنے کی ہمت نہیں کرتا غرض مذکورہ بالا سزائیں وحشت ناک ضرور ہیں مگر ان کو جاری کرنے کی نوبت شاذ و نادر ہی آتی ہے کیونکہ ان کا ہوا ہی جرائم سے باز رکھنے کے لیے کافی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي ذُرِّ الْحُدُودِ

باب: حدود کو ہٹانے کا بیان

(۱۳۴۴) اِذْرُئُوا الْحُدُودَ عَنِ الْمُسْلِمِينَ مَا اسْتَطَعْتُمْ فَإِنْ كَانَ لَهُ مَخْرَجٌ فَقُلُوا سَبِيلَهُ فَإِنَّ الْإِمَامَ أَنْ يُخْطِئَ فِي الْعَقْرِ خَيْرٌ مِنْ أَنْ يُخْطِئَ فِي الْعُقُوبَةِ.

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جہاں تک ہو سکے مسلمانوں سے حدود کو ساقط کر دو اور اگر کوئی گنجائش ہو تو اس کا راستہ چھوڑ دو کیونکہ امام کا غلطی سے معاف کر دینا اس سے زیادہ بہتر ہے کہ وہ سزا دینے میں غلطی کرے۔

تشریح: پہلے یہ بات بتائی گئی ہے کہ حد شبہ کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہے اور شبہ تین ہیں:

اول: شبہ فی الفعل یعنی کوئی شخص بیوی کے شبہ میں کسی اجنبی عورت سے صحبت کرے تو یہ شبہ فی الفعل ہے۔

دوم: شبہ فی العقد یعنی کوئی شخص محارم سے نکاح کر کے صحبت کرے تو یہ شبہ فی العقد ہے۔

سوم: شبہ فی المحل یعنی مزنیہ میں حلت کا احتمال ہو جیسے بیوی کی باندی سے صحبت کرنا شبہ فی المحل ہے ان تین شبہوں سے حد ساقط ہو جاتی ہے مگر قاضی انتظامی نقطہ نظر سے جو سزا مناسب سمجھے گا دے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي السِّتْرِ عَلَى الْمُسْلِمِ

باب ۳: مسلمان کی پردہ پوشی کرنا

(۱۳۴۵) مَنْ نَفَسَ مِنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً مِنْ كُرْبِ الدُّنْيَا نَفَسَ اللَّهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرْبِ الْآخِرَةِ وَمَنْ سَتَرَ عَلَى مُسْلِمٍ سَتَرَ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی مسلمان سے کسی دنیاوی پریشانی کو دور کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے آخرت کی پریشانی کو دور کرے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی مدد کرتا رہتا ہے، جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے۔

(۱۳۴۶) الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللَّهُ فِي حَاجَتِهِ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً مِنْ كُرْبَةٍ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ.

ترجمہ: سالم اپنے والد (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے وہ اس کے ساتھ زیادتی نہیں کرتا وہ اسے اس کے حال پر نہیں چھوڑتا جو شخص اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کی حاجت روائی کرتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان سے مصیبت کو دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کے دن پریشانیوں کو دور کرے گا، اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔

تشریح: ومن ستر... الخ یعنی اس کا کوئی گناہ عیب چھپا دیا بشرطیکہ اس سے دوسروں کا نقصان نہ ہوتا ہو یا اس کو مثلاً زنا کی حالت میں دیکھا تو اس کی پردہ پوشی کی الایہ کہ اسے یقین ہو یا ظن غالب ہو کہ یہ آدمی چشم پوشی سے باز نہیں آئے گا تب حسب ضرورت اظہار کرنا چاہیے لیکن اگر گواہ سمجھتا ہے کہ راز افشاں کرنے کی صورت میں بھی آدمی نادم و تائب ہوگا تو ایسی صورت میں اخفاء مستحب ہے البتہ اگر وہ چوری کا مال لے چکا ہے تو گواہی تو کرے گا تا کہ صاحب حق کو نقصان نہ ہو لیکن سرق کی بجائے اخذ کہے گا تا کہ مال بھی واپس ہو اور ہاتھ بھی نہ کٹے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّلْقِينِ فِي الْحَدِّ

باب ۴: حد کے بارے میں تلقین کرنا

(۱۳۴۷) قَالَ النَّبِيُّ ﷺ قَالَ لِمَا عَزَبَ مِنْ مَالِكَ أَحَقُّ مَا بَلَغَنِي عَنْكَ قَالَ مَا بَلَغَكَ عَنِّي قَالَ بَلَغَنِي أَنَّكَ وَقَعْتَ عَلَى

جَارِيَةِ إِلٍ فَلَانٍ قَالَ نَعَمْ فَشَهِدَا رُبْعَ شَهَادَاتٍ فَأَمَرَ بِهِ فَرَجَمَ.

تو بچپن: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ماعز بن مالک سے فرمایا تھا۔ کیا وہ بات درست ہے جو تمہارے حوالے سے مجھ تک پہنچی ہے؟ انہوں نے دریافت کیا۔ میرے حوالے سے کیا بات آپ تک پہنچی ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے پتہ چلا ہے تم نے فلاں قبیلے کی لڑکی کے ساتھ زنا کیا ہے۔ انہوں نے عرض کی۔ جی ہاں! پھر انہوں نے چار مرتبہ یہ اعتراف کیا تو نبی اکرم ﷺ کے حکم کے تحت انہیں سنگسار کر دیا گیا۔

تلقین فی الحد کا مطلب: یہ ہے کہ جب حد کا ثبوت اقرار کے ذریعے ہو تو قاضی اور حاکم کو چاہیے کہ وہ ایسی کوشش کرے کہ حد ساقط ہو جائے مثلاً اگر کوئی آکر اقرار کرے کہ میں نے زنا کیا ہے تو اس کو کہے کہ تجھے پتہ بھی ہے کہ زنا کسے کہتے ہیں مسلمان ہو اور زنا کا ارتکاب کرے کیا کہہ رہے ہو پھر تفصیل اور صراحتاً کے ساتھ اقرار کرے جیسے سرِ مجوسرمدانی میں اور ڈول کی رسی کنویں میں تو پھر اقرار کے ذریعے زنا کا ثبوت ہوگا اسی پر حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کا واقعہ سنایا باقی یہاں تلقین اسی طرح ہوئی کہ لوگوں میں یہ بات چل رہی تھی کہ ماعز زنا کے مرتکب ہو گئے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں ان سے پوچھوں گا اگر وہ انکار کر دیں گے تو میں لوگوں کو روک دوں گا تو حضور ﷺ کا اصل مقصد حد کو دور کرنا تھا تو بایں طور تلقین ہو گئی لیکن حضرت ماعز رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے خیال کے خلاف ۴ مرتبہ اقرار کر لیا۔

سوال: احق ما بلغنی عنک یہ تو تجسس کرنا ہے اور یہ ادراء الحدود کے خلاف ہے؟

جواب: حضور ﷺ کو لوگوں کی باتوں کی وجہ سے فی الجملہ علم ہو چکا تھا اور یہ ظاہر ہے کہ مسلمان زنا کا ارتکاب نہیں کر سکتا اور جب حضرت ماعز رضی اللہ عنہ انکار کر دیں گے تو میں لوگوں کو باتیں کرنے سے روک دوں گا۔

سوال: اگلی حدیث میں آ رہا ہے کہ خود حضرت ماعز رضی اللہ عنہ نے اقرار کیا تھا اور اس میں ہے نبی کریم ﷺ کو پہلے علم ہو چکا تھا؟

جواب: اصل میں یہاں اختصار ہے اصل میں نبی کریم ﷺ کو لوگوں کی باتوں کی وجہ سے علم ہو چکا تھا آپ ﷺ نے سوال کیا تو حضرت ماعز رضی اللہ عنہ نے خود بھی اقرار کر لیا تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي ذَرْءِ الْخَدِّ عَنِ الْمُعْتَرِفِ إِذَا رَجَعَ

باب ۵: اعتراف کرنے والا جب رجوع کر لے تو اس سے حد کو ساقط کر دینا

(۱۳۴۸) جَاءَ مَاعِزُ الْأَسْلَمِيُّ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ إِنَّهُ قَدَزَنِي فَأَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ جَاءَ مِنَ الشَّقِ الْأَخْرِ فَقَالَ إِنَّهُ قَدَزَنِي فَأَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ جَاءَ مِنَ الشَّقِ الْأَخْرِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّهُ قَدَزَنِي فَأَمَرَ بِهِ فِي الرَّابِعَةِ فَأُخْرِجَ إِلَى الْحُجْرَةِ فَرَجَمَ بِالْحِجَارَةِ فَلَمَّا وَجَدَ مَسَّ الْحِجَارَةِ فَرَّ يَشْتَدُّ حَتَّى مَرَّ بِرَجُلٍ مَعَهُ لَحْيٌ بَجَلٍ فَضَرَبَهُ بِهِ وَضَرَبَهُ النَّاسُ حَتَّى مَاتَ فَذَكَرُوا ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَنَّهُ فَرَّ جَيْنَ وَجَدَ مَسَّ الْحِجَارَةِ وَمَسَّ الْمَوْتِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ هَلَّا تَرَكْتُمُوهُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ماعز اسلمی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کی: اس نے زنا کیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے پھر اس سے منہ پھیر لیا۔ وہ دوسری سمت سے آیا اور اس نے بتایا۔ اس نے زنا کا ارتکاب کیا ہے، نبی اکرم ﷺ نے پھر اس سے منہ پھیر لیا پھر وہ دوسری طرف سے آیا۔ اس نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! اس نے زنا کا ارتکاب کیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے حکم کے تحت چوتھی مرتبہ کے اعتراف کے بعد اسے حرہ کے میدان میں لے جایا گیا اور پتھروں کے ذریعے سنگسار کر دیا گیا جب اسے پتھروں کی تکلیف پہنچی تو وہ بھاگا، یہاں تک کہ وہ ایک ایسے شخص کے پاس سے گزرا جس کے پاس اونٹ کا جڑا موجود تھا۔ اس شخص نے وہی اسے مار دیا۔ لوگوں نے بھی اسے مارا، یہاں تک کہ وہ فوت ہو گیا بعد میں لوگوں نے اس بات کا تذکرہ نبی اکرم ﷺ سے کیا کہ جب اسے پتھروں کی تکلیف اور موت کی تکلیف محسوس ہوئی تو وہ بھاگ کھڑا ہوا تھا تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم نے اسے چھوڑ کیوں نہیں دیا۔

(۱۳۴۹) اَنَّ رَجُلًا مِّنْ اَسْلَمَ جَاءَ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَاَعْتَرَفَ بِالزِّنَا فَاَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ اَعْتَرَفَ فَاَعْرَضَ عَنْهُ حَتَّى شَهِدَ عَلَى نَفْسِهِ اَرْبَعَ شَهَادَاتٍ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اَبَاكَ جُنُونٌ قَالَ لَا قَالَ اَحْصَيْتَ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاَمَرَ بِهِ فَرُجِمَ بِالْمِصْلِ فَلَمَّا اَذْلَقَتْهُ الْحِجَارَةُ فَادْرَكَ فَرُجِمَ حَتَّى مَاتَ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ خَيْرًا وَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: اسلم قبیلہ سے تعلق رکھنے والا ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے زنا کرنے کا اعتراف کیا۔ نبی اکرم ﷺ نے اس سے منہ پھیر لیا۔ اس نے پھر اعتراف کیا آپ نے پھر اس سے منہ پھیر لیا۔ یہاں تک کہ اس نے اپنے خلاف چار مرتبہ یہ گواہی دی تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تم پاگل ہو۔ اس نے عرض کیا نہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ تم شادی شدہ ہو اس نے عرض کی۔ جی ہاں! تو نبی اکرم ﷺ کے حکم کے تحت اسے عید گاہ میں سنگسار کر دیا گیا جب اسے پتھروں کی تکلیف لاحق ہوئی تو وہ بھاگا لیکن اسے پکڑ کر سنگسار کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ وہ مر گیا۔ نبی اکرم ﷺ نے اس کے بارے میں اچھے الفاظ استعمال کئے تاہم آپ نے اس کی نماز جنازہ ادا نہیں کی۔

تشریح: جب زنا کا ثبوت اقرار کی وجہ سے ہو تو ایسی صورت کے اندر خواہ حد قائم کرنے سے پہلے رجوع کرے یا دورانِ حد رجوع کر لے تو حد ساقط ہو جائے گی عام ازیں کہ رجوع بالقبول ہو یا بالفعل ہو مثلاً بھاگنا اس پر سب ائمہ کا اتفاق ہے۔

لم یصل علیہ: یہاں لم یصل ہے اور بخاری شریف میں ہے کہ یصلی۔

جواب ①: اثبات نفی میں تعارض ہو جائے تو ترجیح اثبات کو ہوتی ہے۔

جواب ②: ابتداءً آپ ﷺ نے جنازہ نہ پڑھنے کا ارادہ فرمایا اور فرمایا کہ تم جنازہ پڑھ لو اور پھر خود حضور ﷺ نے (دوسرے دن) نماز جنازہ پڑھ لی۔

جب زنا اقرار کی وجہ سے ثابت ہو تو کتنی مرتبہ استرار کرنا ضروری ہے؟

مذاہب فقہاء: احناف وحنابلہ کہتے ہیں کہ چار مرتبہ اقرار کرنا ضروری ہے اور پھر احناف کے نزدیک مجالس اربع کے اندر اقرار کرے۔ امام شافعی اور امام مالک رحمہما فرماتے ہیں کہ اگر ایک مرتبہ اقرار ہو جائے تو زنا ثابت ہو جائے گا۔

احتاف اور حنا بلہ کی دلیل : واقعہ ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ ہے یہاں انہوں نے چار مرتبہ اقرار کیا اور مجلس بھی بدلتی رہی آپ ﷺ نے اعراض کی وجہ سے وزنہ سوال ہوگا کہ اگر زنا کے ثابت ہونے کے لیے اقرار مرتہ کافی ہے تو پھر نبی ﷺ نے اعراض کیوں فرمایا حالانکہ حد کے ثبوت کے بعد تو اقرار صحیح نہیں ہے لامحالہ کہنا ہوگا کہ چار مرتبہ اقرار کرنا ضروری ہے۔

شوافع اور مالکیہ کی دلیل : مابعد میں آنے والی حدیث کا حوالہ دیا کہ دو آدمی حضور ﷺ کی خدمت میں ایک مقدمہ لائے ایک نے کہا کہ میرے بیٹے نے اس کی بیوی کے ساتھ زنا کیا ہے تو نبی کریم ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو کہا کہ تم جاؤ کہ اگر وہ عورت اقرار کرے تو اس کو رجم کرو اور اگر چار مرتبہ اقرار ضروری ہوتا تو پھر فان اعترفت مرة نہ فرماتے بلکہ فرماتے فان اعترفت اربع مرات تو تب حد جاری کرو پس معلوم ہوا کہ زنا کے ثبوت کے لیے اقرار مرتہ کافی ہے۔

جواب : اعترفت سے مراد وہ اعتراف ہے کہ جو قاعدہ شرعیہ کے مطابق ہو اور قاعدہ شرعیہ کے مطابق وہ اعتراف ہے جو اربع مرۃ ہو اور اس کے مقابلے میں حدیث ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ صریح ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَنْ يُشْفَعَ فِي الْحُدُودِ

باب ۶: حدود کے بارے میں سفارش کرنا حرام ہے

(۱۳۵۰) أَنْ قُرَيْشًا أَهَبَهُمْ شَأْنُ الْمَرْأَةِ الْمَخْزُومِيَّةِ الَّتِي سَرَقَتْ فَقَالُوا مَنْ يُكَلِّمُ فِيهَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَقَالُوا مَنْ يَجْتَرِئُ عَلَيْهِ إِلَّا أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ حَبِيبُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَكَلَّمَهُ أُسَامَةُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللَّهِ ثُمَّ قَامَ فَاخْتَطَبَ فَقَالَ إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ مَنْ قَبْلَكُمْ إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ وَأَيُّكُمْ اللَّهُ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا.

ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: قریش، مخزوم قبیلہ سے تعلق رکھنے والی ایک عورت کے سلسلے میں پریشان تھے جس نے چوری کی تھی۔ انہوں نے سوچا اس عورت کے بارے میں نبی اکرم ﷺ سے کون بات کرے گا پھر انہیں خیال آیا کہ یہ جرات صرف حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کر سکتے ہیں جو نبی اکرم ﷺ کے محبوب ہیں۔ اسامہ نے اس بارے میں نبی اکرم ﷺ سے بات کی تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ کیا تم اللہ تعالیٰ کی ایک حد کے بارے میں سفارش کر رہے ہو پھر نبی اکرم ﷺ کھڑے ہوئے۔ آپ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ تم سے پہلے کے لوگ اس لئے ہلاکت کا شکار ہو گئے کہ جب ان میں کوئی صاحب حیثیت شخص چوری کرتا تھا تو وہ اسے چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی کمزور شخص چوری کرتا تھا تو وہ اس پر حد جاری کر دیا کرتے تھے۔ اللہ کی قسم! اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ نے چوری کا ارتکاب کیا ہوتا تو میں اس کا ہاتھ بھی کٹوا دیتا۔

تشریح: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حدود اربعہ (چار سزائیں) اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ سزائیں ہیں ان میں کسی طرح کی تبدیلی یا تخفیف کا حق کسی کو نہیں ان میں کوئی سفارش بھی نہیں کی جاسکتی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَحْقِيقِ الرَّجْمِ

باب ۷: رجم (سنگساری) کی سزا قطعی ہے

(۱۳۵۱) رَجِمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَرَجِمَ أَبُو بَكْرٍ وَرَجِمَتْ وَلَوْ لَا أَنِّي أَكْرَهُ أَنْ أَزِيدَ فِي كِتَابِ اللَّهِ لَكَتَبْتُهُ فِي الْمَصْحَفِ فَإِنِّي قَدْ خَشِيتُ أَنْ تَجِيءَ أَقْوَامٌ فَلَا يَجِدُونَهُ فِي كِتَابِ اللَّهِ فَيَكْفُرُونَ بِهِ.

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے رجم کروایا تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے رجم کروایا تھا۔ میں نے بھی رجم کروایا ہے اگر میں اس بات کو پسند نہ کرتا کہ میں اللہ تعالیٰ کی کتاب میں کوئی اضافہ کروں تو میں اس کو مصحف میں لکھوا دیتا کیونکہ مجھے یہ اندیشہ ہے کچھ لوگ آئیں گے وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اسے نہیں پائیں گے تو اس کا انکار کر دیں گے۔

(۱۳۵۲) إِنَّ اللَّهَ بَعَثَ مُحَمَّدًا ﷺ بِالْحَقِّ وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ الْكِتَابَ فَكَانَ فِيهِمَا أَنْزَلَ عَلَيْهِ آيَةُ الرَّجْمِ فَرَجِمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَرَجِمْنَا بَعْدَهُ وَإِنِّي خَائِفٌ أَنْ يَطُولَ بِالنَّاسِ زَمَانٌ فَيَقُولُ قَائِلٌ لَا نَجِدُ الرَّجْمَ فِي كِتَابِ اللَّهِ فَيَضِلُّوا بِتَرْكِ فَرِيضَةٍ أَنْزَلَهَا اللَّهُ إِلَّا وَإِنَّ الرَّجْمَ حَقٌّ عَلَى مَنْ زُنِيَ إِذَا أَحْصَنَ وَقَامَتِ الْبَيِّنَةُ أَوْ كَانَ حَبْلٌ أَوْ اعْتَرَفَ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو حق کے ہمراہ مبعوث کیا۔ اس نے آپ ﷺ پر کتاب نازل کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر جو چیز نازل کی اس میں رجم سے متعلق آیت بھی تھی۔ نبی اکرم ﷺ نے رجم کروایا ہے۔ آپ کے بعد ہم نے رجم کروایا ہے۔ مجھے یہ اندیشہ ہے۔ جب طویل زمانہ گزر جائے گا تو کوئی شخص یہ کہے گا ہمیں اللہ تعالیٰ کی کتاب میں رجم کا حکم نہیں ملتا تو وہ لوگ ایک فرض کو ترک کرنے کی وجہ سے گمراہ ہو جائیں گے جسے اللہ تعالیٰ نے نازل کیا تھا۔ یاد رکھنا رجم کا حکم حق ہے اس شخص کے لئے جو زنا کا ارتکاب کرے، جب کہ وہ شادی شدہ ہو، اور ثبوت قائم ہو جائیں یا حمل کی وجہ سے (زنا ظاہر ہو) یا اعتراف کی وجہ سے (ثابت ہو)۔

تحقیق الرجم: رجم (سنگساری) کو دلیل سے ثابت کرنا چونکہ اس حکم کی آیت منسوخ کر دی گئی ہے اس لیے کچھ لوگ اس زعم باطل میں مبتلا ہیں کہ سنگساری کی سزا ختم کر دی گئی ہے صرف کوڑوں کی سزا باقی ہے اس لیے یہ باب قائم کیا ہے تاکہ دلیل سے ثابت کریں کہ یہ سزا باقی ہے۔

① آیت رجم جس کی تلاوت منسوخ کی گئی ہے اور حکم باقی ہے یہ ہے: الشیخ والشیخۃ اذا زنيا فارجموهما البتۃ نکالا من الله والله عزیز حکیم۔ یعنی شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت جب زنا کریں تو ان کو قطعی طور پر سنگسار کر دو اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا کے طور پر اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والے ہیں یہ آیت سورۃ الاحزاب میں تھی۔ (فتح الباری ۱۲: ۱۳۳)

اور اس کی تلاوت اس لیے منسوخ کی گئی ہے کہ قرآن کریم دعوت بھی ہے۔ صرف کتاب احکام نہیں اور جب یہ کتاب دعوت ہے تو اس کو غیر مسلم بھی پڑھیں گے اور جب وہ اس آیت پر سے گزریں گے تو ان کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے کیونکہ غیر مسلموں کے نزدیک زنا کوئی گناہ نہیں وہ خیال کریں گے کہ اگر ہم نے اسلام قبول کیا تو فوراً گردن نپ جائے گی حالانکہ اسلام سابقہ تمام

گناہوں سے درگزر کرتا ہے حدیث میں ہے الاسلام یہ ہمد ما کان قبلہ اسلام سابقہ گناہوں کو کالعدم کر دیتا ہے مگر ان کو یہ اندیشہ دامن گیر رہے گا کہ شاید ہم اسلام قبول کرنے کے بعد بھی اس گناہ سے نہ بچ سکیں حالانکہ اسلام سے مکمل زندگی بدل جاتی ہے۔ غرض اس مصلحت سے حکمت باللہ کا تقاضا ہوا کہ قرآن کریم میں ایسی کوئی آیت باقی نہ رکھی جائے جو غیر مسلموں کے لیے قبول اسلام میں روڑا بنے اس لیے پہلے یہ آیت قرآن میں نازل کی گئی پھر جب اس پر عمل شروع ہو گیا تو اس کی تلاوت منسوخ کر دی گئی۔ صحابہ کرام آنحضور ﷺ کا حکم حق اور قرآن کے مطابق سمجھتے تھے حتیٰ کہ اسے کتاب اللہ کے حکم سے تعبیر کرتے جیسا کہ اگلے باب کی حدیث کے الفاظ فقال انشدك الله يا رسول الله لما قضيت بيننا بكتاب الله اس پر صریح ناطق ہیں اور پھر حضور ﷺ کا فیصلہ جس میں رجم کا حکم مصرح ہے عین حکم کتاب اللہ قرار پانا جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: والذي نفسي بيده لا قضين بينكما بكتاب الله وفيه.... فان اعترفت فارجهما... الخ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ نے رجم کو کتاب کے مطابق قرار دیا ہے۔

مفسرین یہ بھی شبہ پیش کرتے ہیں کہ رجم کے واقعات نزول کے اعتبار سے (۱۰۲) ایک سو دو نمبر پر ہے جبکہ سورۃ مائدہ جس میں رجم کی طرف اشارہ ہے صلح حدیبیہ کے بعد سن ۷ ہجری میں نازل ہوئی ہے اور ترتیب نزول میں (۱۱۲) ایک سو بارہ نمبر پر ہے اسی طرح باقی واقعات رجم کے بھی سورہ نور سے مؤخر ہیں کیونکہ غامدہ یہ عورت کے رجم میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی موجودگی ثابت ہے حالانکہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ یکم صفر سن ۸ ہجری میں مدینہ منورہ آ کر مشرف باسلام ہوئے ہیں اگلے باب کا واقعہ بھی سن ۷ ہجری کے بعد کا ہے کہ اس میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ موجود تھے حالانکہ آپ کی آمد فتح خیبر کے موقع پر سن ۷ ہجری میں ہوئی ہے علاوہ ازیں رجم کے حکم کا سورہ نور کی آیت بالا سے کوئی تعارض بھی نہیں ہے کیونکہ مفسرین و محدثین اس کو غیر محض کا حکم قرار دیتے ہیں جس کا قرینہ یہ ہے کہ اس کے بعد آیت نمبر ۳ میں ہے ﴿الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً...﴾ (النور: ۳) اس سے معلوم ہوا کہ زانی جب سو کوڑوں کے بعد شادی کرنا چاہتا ہے تو یہ جب ہی ممکن ہے کہ وہ عند الزنا غیر شادی شدہ ہو لہذا جب سورہ مائدہ کی آیت ۴۱، ۴۲، ۴۳ میں رجم کی طرف صاف اشارہ موجود ہے اور آنحضور ﷺ کا فیصلہ بھی اس کے مطابق صحیح سنت سے ثابت ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم بلکہ امت کا بھی اس پر اجماع ہو چکا ہے۔

محققین اور محدثین نے جو فہرست پیش کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جو رجم کو ذکر کر رہے ہیں ان کی تعداد پچاس ہے ان میں عشرہ مبشرہ بھی ہیں اور امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن بھی ہیں اجلاء صحابہ بھی ہیں لاحالہ قدر مشترک تو اترا ہے بلکہ تعارض ہے ہی نہیں آیت کریمہ میں زانیہ غیر محضہ کی حد کا بیان ہے چنانچہ ابن الہمام رحمہ اللہ نے فتح القدیر کے اندر اور علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے تفسیر روح المعانی کے اندر اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے حجتہ البالغہ میں تصریح کی ہے کہ رجم احادیث متواترہ سے ثابت ہے پس ان اجلاء علماء کے مقابلے میں ملحدین اور بے دین کے قول کا اعتبار نہیں ہے۔

وَإِنِّي خَائِفٌ أَنْ يَطُولَ بِالنَّاسِ.... الخ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اندیشہ بالکل ٹھیک تھا کہ آج مفسرین حدیث اور مستغریبن یہی کہتے ہیں ولولا انی اکرہ ان ازید فی کتاب اللہ لکتبته فی المصحف یعنی میں اگر اس سے نہ ڈرتا کہ کتاب اللہ میں زیادتی نہ کر لوں تو اس حاشیہ پر لکھ لیتا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجْمِ عَلَى الشَّيْبِ

باب ۸: رجم کا حکم شادی شدہ شخص کے لئے ہے

(۱۳۵۳) اَتَهُمْ كَانُوا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَاتَاهُ رَجُلَانِ يَخْتَصِمَانِ فَقَامَ إِلَيْهِ أَحَدُهُمَا فَقَالَ أُنْشِدْكَ اللَّهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ لِمَا قَضَيْتَ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللَّهِ فَقَالَ خَصْمُهُ وَكَانَ أَفْقَهُ مِنْهُ أَجَلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ اقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللَّهِ وَأَذِنِي فَأَتَكَلَّمَ إِنَّ ابْنِي كَانَ عَسِيفًا عَلَى هَذَا فَرَنِي بِأَمْرٍ آتِيهِ فَأُخْبِرُونِي أَنَّ عَلَى ابْنِي الرَّجْمَ فَقَدَيْتَ مِنْهُ بِمِائَةِ شَاةٍ وَخَادِمٍ ثُمَّ لَقَيْتُ نَاسًا مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ فَرَعَمُوا أَنَّ عَلَى ابْنِي جُلْدَ مِائَةٍ وَتَغْرِيْبَ عَامٍ وَأَمَّا الرَّجْمُ عَلَى امْرَأَةٍ هَذَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا قُضِيْنَ بَيْنَكُمْ بِكِتَابِ اللَّهِ الْمِائَةُ شَاةٍ وَالْخَادِمُ رَدُّ عَلَيْكَ وَعَلَى ابْنِكَ جُلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيْبَ عَامٍ وَاعْدُ يَا أُنَيْسُ عَلَى امْرَأَةٍ هَذَا فَإِنْ اعْتَرَفَتْ فَأَرْجُمُهَا فَغَدَى عَلَيْهَا فَأَعْتَرَفَتْ فَرَجَمَهَا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ اور حضرت شبل رضی اللہ عنہ یہ بیان کرتے ہیں: یہ لوگ نبی اکرم ﷺ کے پاس موجود تھے دو آدمی آپس میں بحث کرتے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان میں سے ایک نبی اکرم ﷺ کے پاس آکر کھڑا ہوا اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ میں آپ کو اللہ کے نام کی قسم دیتا ہوں، جب آپ ہمارے درمیان فیصلہ کریں تو اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کریں۔ دوسرا شخص بولا (راوی بیان کرتے ہیں) وہ زیادہ سمجھدار تھا جی ہاں یا رسول اللہ ﷺ آپ ہمارے درمیان اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کریں۔ لیکن آپ مجھے اجازت دیں تو میں کچھ کہوں میرا بیٹا اس شخص کے ہاں ملازم تھا اس نے اس کی بیوی کے ساتھ زنا کر لیا ہے۔ لوگوں نے مجھے یہ بتایا کہ میرے بیٹے کو سنگسار کیا جائے گا تو میں نے اس کے فدیے کے طور پر ایک سو بکریاں اور ایک خادم دے دیئے ہیں پھر میری ملاقات کچھ اہل علم سے ہوئی تو انہوں نے یہ بات بیان کی کہ میرے بیٹے کو ایک سو کوڑوں اور ایک سال کی جلا وطنی کی سزا ہوگی جبکہ سنگسار اس شخص کی بیوی کو کیا جائے گا تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے۔ میں تم دونوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ ایک سو بکریاں اور خادم تمہیں واپس مل جائیں گے۔ تمہارے بیٹے کو ایک سو کوڑے لگائے جائیں گے اور ایک سال کے لئے جلا وطن کیا جائے گا (پھر نبی اکرم ﷺ نے حکم دیا) اے انیس تم کل اس شخص کی بیوی کے پاس جانا اگر وہ اعتراف کر لے تو اسے سنگسار کر دینا۔ (راوی بیان کرتے ہیں) اگلے دن وہ اس خاتون کے پاس گئے اس عورت نے اعتراف کیا تو انہوں نے اسے سنگسار کروا دیا۔ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ کے حوالے سے، نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے۔

(۱۳۵۴) خُذُوا عَنِّي فَقَدْ جَعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا الشَّيْبُ بِالشَّيْبِ جُلْدُ مِائَةٍ ثُمَّ الرَّجْمُ وَالْبُكَرُ بِالْبُكَرِ جُلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيْبُ سَنَةٍ.

ترجمہ چوتھا: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھ سے (شرعی احکام) حاصل کر لو اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کے لئے حکم جاری کر دیا ہے۔ شادی شدہ شخص کو شادی شدہ عورت کے ساتھ زنا کرنے کے نتیجے میں ایک سو کوڑے مارے جائیں گے پھر سنگسار کیا جائے گا۔ کنوارے شخص کو کنواری لڑکی کے ساتھ زنا کرنے پر ایک سو کوڑے لگائے جائیں گے اور ایک سال کے لئے جلاوطن کیا جائے گا۔

سوال: کہ آپ ﷺ نے تحقیق زنا کے لیے آدمی روانہ فرمایا جبکہ پیچھے گزرا ہے کہ حدود کے درپے نہیں ہونا چاہیے؟
جواب: نووی رحمہ اللہ نے جواب دیا ہے کہ چونکہ یہاں لڑکے کے باپ نے اس عورت پر تہمت لگا دی تو اس کی تفتیش کرنا مراد تھی نہ کہ حد زنا کی توثیق۔

دوسرا جواب: گنگوہی صاحب رحمہ اللہ نے دیا ہے کہ چونکہ یہ واقعہ اتنا مشہور ہو گیا تھا کہ اب اسے نظر انداز کرنا مشکل تھا لہذا حضرت انیس کو بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ اگر وہ اعتراف کر لے تو ٹھیک ہے ورنہ انکار کی صورت میں حد ساقط ہو جائے گی کہ گواہ نہیں ہیں اگرچہ شہرت زیادہ ہے اس حدیث میں تغریب عام کا حکم ہے لیکن اس کے لیے آگے مستقل باب آ رہا ہے۔
دوسری حدیث: اِذَا زَنَتِ الْاِمْرَاةُ فَاجْلِدُوْهَا فَاَنْ زَنَتْ فِي الرَّابِعَةِ فَبِيعُوْهَا وَلَوْ بِضَفِيْرٍ۔
”اگر باندی زنا کرے تو اسے کوڑے لگاؤ اور چوتھی دفعہ کرے تو اسے بیچ دو چاہے رسی کے عوض کیوں نہ ہو۔“

لغات: ضفیر۔ گندھے ہوئے بالوں اور رسی کو کہتے ہیں۔

اشکال: اس حدیث کے ظاہر پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اگر وہ باندی اپنانے اور رکھنے کی قابل نہیں تو دوسرے کو دینا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟
جواب: حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے عرف میں دیا ہے کہ یہ اس کے علاج کا ایک طریقہ ہے یعنی ہر مشتری اس کو آگے بیچتا رہے کیونکہ زنا کرنے کے لیے تو تعلقات چاہیے جن کے لیے وقت درکار ہے جبکہ اس کو فرصت ہی نہیں ملے گی۔

دوسرا جواب: کوکب الدری میں ہے کہ مکروہ اس وقت ہے جب عیب کو چھپا کر بیچا جائے جبکہ لفظ ضفیر اس کی طرف اشارہ ہے کہ عیب بتلا کر بیچا جائے۔

تیسرا جواب: کہ مکروہ اس وقت ہے جب زنا اس کی عادت ہو جو عیب ہے لیکن اگر وہ اپنے اس مولیٰ سے تنگ ہو تو ہو سکتا ہے کہ مالک اور ماحول کی تبدیلی کے بعد وہ خوش ہو کر مطمئن ہو جائے اور زنا چھوڑ دے۔

مذہب فقہاء: قولہ ﴿فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفَّيْهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لِهِنَّ سَبِيْلًا﴾... (النساء: ۱۵)
① اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شادی شدہ زانی کو پہلے کوڑے لگیں گے پھر اسے رجم کیا جائے گا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور امام اسحق رحمہ اللہ کا مذہب بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔

② جبکہ ائمہ اربعہ رحمہم اور جمہور کے نزدیک فقط رجم پر اکتفاء کیا جائے گا۔

فریق اول کا استدلال باب کی حدیث سے ہے نیز بخاری میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دونوں کو جمع کیا تھا۔

جمہور رحمہم کہتے ہیں کہ اس کو آنحضور ﷺ کے عمل نے منسوخ کیا ہے جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمل موقوف ہے عارضہ میں ابن

العربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اما ان علیاً جلدور جم و فعل النبی ﷺ اولی و احکم۔

باب تربص الرجم بالحبل حتى تضع

باب ۹: حاملہ ملزمہ کو بچے کی پیدائش تک رجم نہ کرنا

(۱۳۵۵) اَنَّ امْرَأَةً مِنْ جُهَيْنَةَ اعْتَرَفَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ بِالرَّثَا وَقَالَتْ اَنَا حُبْلَى فَدَعَى النَّبِيُّ ﷺ وَلَيْهَا فَقَالَ اَحْسِنِ اِلَيْهَا فَاِذَا وَضَعَتْ حَمْلَهَا فَاُخْبِرْنِي فَفَعَلَ فَاَمَرَهُ بِهَا فَشُدَّتْ عَلَيْهَا ثِيَابُهَا ثُمَّ اَمَرَ بِرُجُمِهَا فَرُجِمَتْ ثُمَّ صَلَّى عَلَيْهَا فَقَالَ لَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَا رَسُولَ اللَّهِ رَجِمْتَهَا ثُمَّ تُصَلِّي عَلَيْهَا فَقَالَ لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ سَبْعِينَ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ لَوَسِعَتْهُمْ وَهَلْ وَجَدْتَ شَيْئًا أَفْضَلَ مِنْ أَنْ جَادَتْ بِنَفْسِهَا لِلَّهِ.

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جہینہ قبیلے سے تعلق رکھنے والی ایک عورت نے نبی اکرم ﷺ کی موجودگی میں زنا کا اعتراف کیا اس نے عرض کی میں حاملہ ہوں۔ نبی اکرم ﷺ نے اس کے سر پرست کو بلوایا اور فرمایا اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو جب یہ بچے کو جنم دے تو مجھے بتانا اس نے ایسا ہی کیا۔ نبی اکرم ﷺ کے حکم کے تحت اس عورت کے کپڑے اچھی طرح باندھ دیئے گئے پھر نبی اکرم ﷺ نے اسے سنگسار کرنے کا حکم دیا تو اسے سنگسار کر دیا گیا۔ پھر نبی اکرم ﷺ نے اس کی نماز جنازہ ادا کی۔

تشریح: ابن العربی رحمہ اللہ نے یہاں ترجمہ الباب بھی ذکر کیا ہے باب تربص الرجم بالحبل حتى تضع پھر لکھا ہے کہ حبل کو رجم نہ کرنے پر اتفاق ہے یہاں تک کہ اس کا بچہ پیدا ہو کر کھانے پینے لگ جائے یا کوئی کفیل مل جائے البتہ مریض کی حد اگر خطرہ جان کا سبب بنتی ہو تو موخر ہوگی ورنہ نہیں۔

بعض روایات میں ہے کہ جب اس عورت کا بچہ پیدا ہوا تو وہ آئی اور بچے کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا تب اسے رجم کیا گیا ابن العربی رحمہ اللہ نے اس کو الگ واقعہ کہا ہے گویا ایک واقعہ میں بچے کو کفیل مل گیا تھا اس وجہ سے رجم جلدی واقع ہوا جبکہ دوسرے کو نہیں ملا تھا اس لیے انتظار کرنا پڑا عورت کے بدن پر کپڑے اس لیے باندھے گئے کہ تکلیف کے وقت آدمی ستر چھپانے کی پرواہ نہیں کرتا۔

اس حدیث سے جمہور کا استدلال صحیح ہے کہ مرجوم اور ہر طرح کے گنہگار کی نماز جنازہ ادا کی جائیگی جبکہ امام زہری رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ مرجوم اور خودکشی کرنے والے کی نماز کوئی بھی نہیں پڑھے گا بعض کے نزدیک ولد الزنا کی نماز جنازہ نہیں ہوگی۔

امام مالک و امام احمد رحمہما کے ہاں اہل فضل مرجوم کے جنازہ میں شرکت نہ کریں امام کے علاوہ دوسرے لوگ شرکت کر سکتے ہیں۔

باب مَا جَاءَ فِي رَجْمِ أَهْلِ الْكِتَابِ

باب ۱۰: اہل کتاب کو سنگسار کرنا

(۱۳۵۶) اَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ رَجَمَ يَهُودِيًّا وَيَهُودِيَّةً.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ایک یہودی مرد اور ایک یہودی عورت کو سنگسار کروادیا تھا۔

(۱۳۵۷) اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَجِمَ يَهُودِيًّا وَيَهُودِيَّةً.

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ایک یہودی شخص اور ایک یہودی عورت کو سنگسار کر دیا تھا۔
① احسان کی دو قسمیں ہیں: احسان الرجم اور احسان القذف۔

احسان الرجم یہ ہے کہ مرد اور عورت دونوں عاقل بالغ آزاد اور مسلمان ہوں اور نکاح صحیح کر کے ہم بستر ہو چکے ہوں تو وہ محسن بکسر الصاد اور محسنہ (فتح الصاد) ہیں اور زنا میں ان کی سزا رجم ہے۔

احسان القذف یہ ہے کہ جس پر زنا کا الزام لگایا گیا ہے وہ عاقل بالغ آزاد مسلمان اور عقیف (پاک دامن) ہو یعنی پہلے کبھی اس پر زنا کا الزام نہ لگا ہوا یا مرد اور ایسی عورت جن پر الزام زنا لگایا گیا ہے باب قذف میں محسن اور محسنہ ہیں ایسے لوگوں پر اگر کوئی زنا کا الزام لگائے تو شرعی ثبوت پیش کرے ورنہ تہمت لگانے والے کو حد قذف لگے گی اور اگر کوئی شخص پاگل بچے غلام غیر مسلم یا غیر عقیف پر تہمت لگائے تو حد قذف جاری نہ ہوگی۔

اہل کتاب اہل ذمہ زنا کے مرتکب ہو جائیں تو رجم کیا جائے گا یا نہیں؟

مذہب فقہاء: ① احناف اور مالکیہ کہتے ہیں کہ رجم نہیں کیا جائے گا۔

② امام شافعی اور امام احمد رحمہما فرماتے ہیں کہ رجم کیا جائے گا مگر علیہ یہ ہے کہ رجم کے لیے احسان ضروری ہے لیکن اختلاف اس میں ہو گیا کہ احسان کے لیے مسلمان ہونا ضروری ہے یا نہیں تو احناف و مالکیہ کہتے ہیں کہ اسلام شرط ہے اور شوافع اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اسلام شرط نہیں ہے جب اس میں اختلاف ہے تو جن کے نزدیک اسلام شرط ہے تو شرط نہ پائی گئی اس لیے رجم نہیں کیا جائے گا اور جن کے نزدیک شرط نہیں ہے ان کے نزدیک رجم کیا جائے گا اس پر دلیل کہ احسان کے لئے تو مسلمان ہونا شرط ہے حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما (یا عمر اکبا) دونوں طرح مروی ہے یعنی مرفوعاً بھی اور موقوفاً بھی من اشرك بالله فليس بمحسن الذي اخرجه اسحق بن راهويه في سننه اور سند کے سارے رجال ثقہ ہیں۔

امام شافعی اور امام احمد رحمہما کی دلیل یہی واقعہ ہے کہ ایک یہودی مرد اور یہودی عورت کو رجم کیا گیا معلوم ہوا کہ احسان کے لیے اسلام شرط نہیں ہے۔

جواب ①: یہ رجم بحکم توراۃ ہوا ہے اسلام نہیں ہوا۔

جواب ②: بحکم اسلام ہی ہوا لیکن اس زمانہ میں ہوا کہ ابھی تک اسلام کو یہ محسن ہونے کے لیے شرط قرار نہیں دیا گیا۔

جواب ③: تعزیر ہونے کی حیثیت سے رجم ہوا ہے۔ آزاد ہونا، عاقل ہونا، بالغ ہونا، نکاح کا ہونا، صحیحہ کا ہونا، وطی کا پایا جانا یہ سارے امور اتفاقی ہیں اختلاف صرف اسلام والی وصف میں ہے نیز حدود کا مسئلہ ہے اور حدود شبہات کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہیں اور کفر کی وجہ سے شبہ ہے اس لیے رجم نہیں کیا جائے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّفْسِ

باب ۱۱: جلا وطنی کا حکم

(۱۳۵۸) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ ضَرَبَ وَغَرَّبَ وَأَنَّ ابَا بَكْرٍ ضَرَبَ وَغَرَّبَ وَأَنَّ عُمَرَ ضَرَبَ وَغَرَّبَ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے (کوڑے) بھی لگوائے ہیں اور جلا وطن بھی کروایا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے (کوڑے) بھی لگوائے ہیں اور جلا وطن بھی کروایا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (کوڑے) بھی لگوائے ہیں اور جلا وطن بھی کروایا ہے۔

مذہب فقہاء: زانی غیر محسن کے متعلق ائمہ کا اتفاق ہے کہ اس کی حد جلد مائے ہے البتہ اس میں اختلاف ہوا کہ تغریب عام بھی حد کی جزء ہے یا نہیں۔

① احناف کہتے ہیں کہ جزء نہیں ہے ② باقی ائمہ کہتے ہیں کہ جزء ہے۔

احناف کی دلیل: ﴿الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا...﴾ (النور: ۲) اس میں صرف جلد مائے کا ذکر ہے تغریب عام کا ذکر نہیں ہے اور جن احادیث میں تغریب کا ذکر ہے وہ ساری خبر واحد ہیں اور خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں ہے۔

دوسری دلیل: قضی النبی ﷺ باقامة وتغریب عام اس میں تغریب عام کا عطف ہو رہا ہے باقامة حد پر تو عطف دال ہے کہ تغریب عام کی جزء ہے حد کی جزء نہیں ہے۔

مزید قرینہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ربیعہ بن امیہ بن خلف کو مدینہ بدر کر کے خیبر بھیجا اور وہ مرتد ہو کر ہر قل کے پاس چلا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا لا اغرب بعدہ مسلماً کبار و اہ عبد الرزاق تو اگر تغریب حد کا جزء ہوتی اس پر عمل در آمد بہر حال لازم ہوتا یہ واقعہ اگرچہ حد شراب کا ہے لیکن اس سے اتنی بات معلوم ہوئی کہ تغریب امام کی صوابدید پر ہے چونکہ حدود کا مقصد فحاش و منکرات کا سد باب ہے اس لیے امام کو دیکھنا چاہیے کہ کس صورت میں بہتری ہے کیونکہ کبھی تغریب میں نقصان کا اندیشہ زیادہ ہوتا ہے جس سے حد کی افادیت نہ صرف ختم ہو جاتی ہے بلکہ الٹا نقصان ہو جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جمہور کے نزدیک عورت کے لیے تغریب نہیں ہے خلافاً للشافعی رحمہ اللہ حالانکہ عورت کی تخصیص کی کوئی منقولی دلیل نہیں ہے۔ سوائے اس وجہ کے جو اوپر بیان ہوئی۔

باقی ائمہ کی دلیل: وہ احادیث ہیں کہ جن میں تغریب عام کا ذکر ہے اور یہاں بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حد بھی جاری کی اور جلا وطن بھی کر دیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح کیا۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْحُدُودَ كَفَّارَةٌ لِأَهْلِهَا

باب ۱۲: حدود (سزا ملنے والوں) کے لئے کفارہ ہوتی ہیں

(۱۳۵۹) كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فِي مَجْلِسٍ فَقَالَ تُبَايِعُونِي عَلَى أَنْ لَا تُشْرِكُوا بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا تَسْرِقُوا وَلَا تَزْنُوا

قَرَأَ عَلَيْهِمُ الْآيَةَ فَمَنْ فِي مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا فَعُوقِبَ عَلَيْهِ فَهُوَ كَفَّارٌ لَهُ وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا فَنَسِيَ اللَّهُ عَلَيْهِ فَهُوَ إِلَى اللَّهِ وَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ وَإِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُ.

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم لوگ نبی اکرم ﷺ کے پاس موجود تھے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میرے ہاتھ پر اس بات پر بیعت کرو کہ تم کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں ٹھہراؤ گے، چوری نہیں کرو گے، زنا نہیں کرو گے۔ راوی کہتے ہیں: پھر آپ ﷺ نے لوگوں کے سامنے ایک آیت کی تلاوت کی پھر فرمایا: تو تم میں سے جو شخص اس کو پورا کرے گا اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے اور جو کسی غلطی کا ارتکاب کرے اور اس پر اسے سزا مل جائے تو وہ اس کے لئے کفارہ ہوگی اور جو ان میں سے کسی جرم کا ارتکاب کرے اور اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی کرے تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہوگا اور اگر وہ چاہے تو (آخرت میں) اسے عذاب دے گا اور اگر چاہے تو اس کی مغفرت کر دے گا۔

حدود کفارات کے قبیل سے ہیں یا زواج کے قبیل سے ہیں؟

مذہب فقہاء: ① عند الاحناف زواج کے قبیل سے ہیں یعنی حدود سے اصل مقصود اخلاء العالم عن الفساد ہے اگر توبہ نہ کی تو اخروی مواخذہ تحت المشیت ہے بغیر توبہ کے گناہ ختم نہیں ہوگا۔

② ائمہ ثلاثہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ حدود کفارات کے قبیل سے ہیں جب حد جاری ہو جائے گی تو گناہ معاف ہو جائے گا اخروی مواخذہ کا احتمال باقی نہیں رہے گا اس لیے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک گناہ کبیرہ کے معاف ہونے کی تین صورتیں ہیں: ① حد ② توبہ ③ فضل الہی۔

احناف کی دلیل: نصوص عامہ ہیں: ① قطاع الطريق کے متعلق جو آیت کریمہ ہے قطع طریق کی حد کو بیان کرنے کے بعد فرمایا: ﴿ذَلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ (المائدہ: ۳۳)

② حد سرقہ کو بیان کرنے کے بعد فرمایا: ﴿فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ﴾ (المائدہ: ۳۹) تاب کی ضرورت تب ہی ہوگی کہ جب حد مکفر نہ ہو۔

③ حد قذف کو بیان کرنے کے بعد فرمایا: ﴿إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا﴾ (النور: ۵) یہاں بھی توبہ کا ذکر ہے۔

④ مستدرک حاکم کے اندر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے۔

⑤ روایت نقل کی گئی ہے: لا ادری الحدود كفارة ام لا؟ ”مجھے معلوم نہیں کہ حدود کفارہ بنیں گی کہ نہیں۔“

او کہا قال اللہ تعالیٰ طحاوی شریف اور ابو داؤد شریف کے اندر ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ کے پاس لایا گیا حد کے جاری کرنے کے بعد تو آپ ﷺ نے اس لیے ارشاد فرمایا: استغفر اللہ اور ساتھ دعاء بھی فرمادی:

اللہم تب علیہ۔ (باب فی التلقین فی الحد ص ۶۲)

ائمہ ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی دلیل: حدیث عبادہ رضی اللہ عنہ بن صامت حدیث الباب ہے طریقہ استدلال یہ ہے کہ اس حدیث میں ہے فعوقب علیہ ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی دلیل: حدیث عبادہ رضی اللہ عنہ بن صامت حدیث الباب ہے طریقہ استدلال یہ ہے کہ اس حدیث میں ہے فعوقب علیہ ائمہ ثلاثہ رضی اللہ عنہم کا معنی کرتے ہیں اس پر حد جاری کی گئی فہو کفارۃ لہ پس معلوم ہوا کہ حدود کفارات کے قبیل سے ہیں۔

جواب ①: یہ مقید ہے اذا تاب کی قید کے ساتھ اس پر قرینہ دیگر نصوص ہیں۔

جواب ②: اصل سبب قریب تو توبہ ہے لیکن عمومی طور پر حد کا جاری ہونا توبہ کا سبب بن جاتا ہے تو سبب قریب توبہ ہے اور سبب بعید حد ہے تو یہاں پر سبب بعید یعنی حد کی طرف نسبت کی گئی ہے۔

جواب ③: کفارۃ لہ یعنی حد کے کفارہ ہونے کی امید ہے۔

جواب ④: خبر واحد ہے آیت کریمہ اور نصوص قطعیہ کے معارض ہونے کی وجہ سے قابل استدلال نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَقَامَةِ الْحَدِّ عَلَى الْإِمَاءِ

باب ۱۳: کنیزوں پر حد جاری کرنا

(۱۳۶۰) إِذَا زَنَتْ أَمَةٌ أَحَدُكُمْ فَلْيَجْلِدْهَا ثَلَاثًا بِكِتَابِ اللَّهِ فَإِنْ عَادَتْ فَلْيَبِعْهَا وَلَوْ بِحَبْلٍ مِّنْ شَعْرِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کسی شخص کی کنیز زنا کا ارتکاب کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے حکم کے مطابق تین مرتبہ اسے کوڑے لگوائے اگر وہ پھر (یعنی چوتھی مرتبہ) ایسا کرے تو اسے فروخت کر دے خواہ بالوں کی ایک رسی کے عوض میں کرے۔

(۱۳۶۱) خَطَبَ عَلِيٌّ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَقِيمُوا الْحُدُودَ عَلَى أَرْقَاءِ كُفٍّ مَنْ أَحْصَنَ مِنْهُمْ وَمَنْ لَّمْ يُحْصِنْ وَإِنَّ أَمَةً لِّرَسُولِ اللَّهِ ﷺ زَنَتْ فَأَمَرَنِي أَنْ أَجْلِدَهَا فَاتَيْتُهَا فَإِذَا هِيَ حَدِيثَةٌ عَاهِدٌ بِنَفْسٍ فَخَشِيتُ إِنْ أَنَا جَلَدْتُهَا أَنْ أَقْتُلَهَا أَوْ قَالَ تَمُوتُ فَاتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ أَحْسَنْتَ.

ترجمہ: حضرت ابو عبد الرحمن سلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے لوگو! اپنے غلاموں اور کنیزوں پر بھی حدود قائم کرو ان میں سے جو شادی شدہ ہوں اور جو شادی شدہ نہ ہوں بے شک نبی اکرم ﷺ کی ایک کنیز نے زنا کا ارتکاب کیا تھا تو نبی اکرم ﷺ نے مجھے یہ ہدایت کی تھی کہ میں اسے کوڑے لگواؤں میں اس کے پاس آیا تو ابھی اس کے نفاس کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ اگر میں نے اسے کوڑے لگائے تو میں اسے قتل کر دوں گا (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) وہ مر جائے گی میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ سے اس بات کا تذکرہ کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: تم نے ٹھیک کیا ہے۔

(۱۳۶۲) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ صَرَبَ الْحَدَّ بِنَعْلَيْنِ أَرْبَعِينَ قَالَ مِسْعَرٌ أَظُنُّهُ فِي الْحَبْرِ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے حد میں چالیس جوتے مارنے کی حد مقرر کی ہے۔ مسرنامی راوی بیان کرتے ہیں: میرا خیال ہے یہ حکم شراب پینے والے کے لئے ہے۔

(۱۳۶۳) أَنَّهُ أُتِيَ بِرَجُلٍ قَدْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَصَرَبَهُ بِمَجْرِيْدَتَيْنِ مَخُورًا أَلْزَبَعَيْنِ وَفَعَلَهُ أَبُو بَكْرٍ فَلَمَّا كَانَ عُمَرُ اسْتَشَارَ النَّاسَ فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ كَأَخْفِ الْحُدُودِ ثَمَانِينَ فَأَمَرَ بِهِ عُمَرُ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک شخص کو لایا گیا جس نے شراب پی تھی تو نبی اکرم ﷺ

نے دو چھڑیوں کے ذریعے اسے چالیس چھڑیاں لگوائیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا ہی کیا (یعنی چالیس چھڑیوں کی سزا دی) جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو انہوں نے لوگوں سے اس بارے میں مشورہ کیا تو حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اسے حدود میں سب سے کم تر حد کی طرح سزا ہونا چاہیے جو اسی کوڑے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے مطابق حکم دیا۔

مذہب فقہاء: تمام ائمہ متفق ہیں کہ غلام باندی اگر زنا کریں تو وہ خود خواہ شادی شدہ ہوں یا کنوارے ان کی سزا پچاس کوڑے ہے اور یہ مسئلہ سورۃ النساء آیت ۲۵ میں ہے البتہ حد جاری کرنے کا حق صرف حاکم کو ہے یا آقا کو بھی یہ حق حاصل ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ ① ائمہ ثلاثہ کے نزدیک آقا کو بھی یہ حق حاصل ہے۔ ② حنفیہ کے نزدیک آقا کو یہ حق حاصل نہیں صرف حاکم حد جاری کر سکتا ہے۔

احناف کی دلیل: حدیث ابی عبد اللہ ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ:

الزکوۃ والحدود والجمعة والجهاد الى الحکام والسلطان.

”زکوٰۃ، حدود، جمعہ اور جہاد کا قیام حکام اور سلاطین پر ہے۔“

امام طحاوی رضی اللہ عنہ نے اس کی تخریج کی ہے جس کی سند حسن ہے نیز آیت کریمہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ فَاجْلِدُوا... الخ حکم حکام کو ہے جیسے آزاد کے بارے میں حکام کو ہے ایسے ہی غلام کے بارے میں بھی حکام کو ہے ائمہ ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی دلیل: حدیث الباب ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اقبوا الحدود علی ارقائکم من احصن منهم ومن لم یحصن۔

جواب: یہ تسبیب پر محمول ہے کہ تم سب بن جاؤ ان کا معاملہ حکام کے پاس لے جاؤ تاکہ وہ حد جاری کریں معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کی زندگی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجتہاد کرنا صحیح ہے لیکن حجتہ تب ہوگا جب آپ ﷺ کی جانب سے تائید حاصل ہو تقریر حاصل ہو۔ محکوم علیہ الحد بیمار ہو تو آیا بیماری کے دوران اس پر حد جاری کی جائے گی یا نہیں تو تفصیل اس میں یہ ہے کہ اگر حد رجم یا قتل ہے تو پھر جاری کی جائے گی اور اگر حد رجم اور قتل نہیں ہے تو پھر تندرستی تک انتظار کیا جائے تندرست ہو جانے کے بعد حد جاری کی جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي حَدِّ السَّكَرَانِ

باب ۱۴: جو شخص شراب پئے اسے کوڑے لگاؤ اور جو شخص (سزا ملنے کے باوجود) چوتھی مرتبہ ایسا کرے تو اسے قتل کر دو

(۱۳۶۴) مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَاجْلِدُوهُ فَإِنْ عَادَ فِي الرَّابِعَةِ فَاقْتُلُوهُ.

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص شراب پئے اسے کوڑے لگاؤ اور اگر (بار بار) سزا ملنے کے باوجود) چوتھی مرتبہ وہ ایسا کرے تو اسے قتل کر دو۔

تشریح: آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں شرابی کو سزا دینے کا یہ طریقہ تھا کہ کوئی شخص دونوں ہاتھوں میں دو چھڑیاں یا دو چیل

لے کر ایک ساتھ چالیس مرتبہ مارتا تھا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی یہی معمول رہا پھر جب خرابی بڑھ گئی یعنی نئے ایمان لانے والوں میں شراب نوشی کا رجحان بڑھتا نظر آیا تو دور فاروقی میں اس سلسلہ میں مشورہ ہوا۔

بَاب مَا جَاءَ مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَاجْلِدُوهُ فَإِنْ عَادَ فِي الرَّابِعَةِ فَاقْتُلُوهُ

مخمور کو کوڑے مارے جائیں پھر اگر چوتھی مرتبہ پیئے تو قتل کر دیا جائے

عَنْ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَاجْلِدُوهُ فَإِنْ عَادَ فِي الرَّابِعَةِ فَاقْتُلُوهُ.

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کوئی شخص شراب پیئے تو اسے کوڑے مارو اور اگر چوتھی مرتبہ بھی پیئے تو اسے قتل کر دو۔

تشریح: کتاب العلل کے شروع میں امام ترمذی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے جامع ترمذی کی تمام روایتیں معمول بہا ہیں یعنی ان پر کسی نہ کسی مجتہد نے عمل کیا ہے مگر دو حدیثیں ایسی ہیں جن پر کسی نے عمل نہیں کیا ان میں سے ایک یہ حدیث ہے کہ اگر اس کو تعزیر و سیاست پر محمول کریں تو یہ حدیث بھی معمول بہا بن جاتی ہے۔

تعزیر: حدود کے علاوہ دوسری سزاؤں کو کہتے ہیں جن کا قاضی کو اختیار ہوتا ہے اور حدود و تعزیر میں فرق یہ ہے کہ حدود پر تو ہر حال میں عمل کرنا ضروری ہے اس میں کسی مصلحت کا لحاظ نہیں کیا جاتا نہ اس میں کمی بیشی ہو سکتی ہے نہ وہ معاف ہو سکتی ہے اور تعزیر میں مصلحت کا لحاظ کیا جاتا ہے پس اگر حاکم کسی شرابی کے قتل میں مصلحت دیکھے تو اس کو چوتھی مرتبہ میں قتل کر سکتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل علم اکابر صحابہ سے مشورہ کیا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے اور دیگر کتابوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی ذکر ہے انہوں نے مشورہ دیا کہ اس پر اخف الحد جاری کی جائے اور اخف الحد قذف ہے اور وہ ۸۰ کوڑے ہیں پھر اسی پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو گیا لیکن احناف اور مالکیہ کے نزدیک متعین ہے اور شوافع اور حنابلہ کے نزدیک چالیس لگا دے تو تب بھی ٹھیک ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي كَمْ تَقْطَعُ يَدَ السَّارِقِ؟

باب ۱۵: کتنی قیمت والی چیز کی چوری پر چور کا ہاتھ کاٹا جائے

(۱۳۶۵) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقْطَعُ فِي رُبْعٍ دِينَارٍ فَصَاعِدًا.

ترجمہ: حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم ﷺ جو تھائی دینار یا اس سے زیادہ مہنگی چیز کی چوری پر ہاتھ کٹوا دیتے تھے۔

(۱۳۶۶) قَطَعَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي مِجَنٍّ قِيمَتُهُ ثَلَاثَةُ دَرَاهِمَ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ایک ڈھال کی چوری پر ہاتھ کٹوا دیا تھا جس کی قیمت تین درہم تھی۔

مذہب فقہاء: نصاب سرقہ کیا ہے؟ یعنی کتنی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا؟ اس میں اختلاف ہے۔

① ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک نصاب سرقہ چوتھائی دینار یا تین درہم ہیں (امام شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک چوتھائی دینار کے ڈھائی درہم ہوتے ہیں اور عرب کسر چھوڑ دیتے ہیں یا پوری گنتے ہیں یہاں احتیاطاً پوری گنی گئی ہے)۔

② حنفیہ کے نزدیک نصاب سرقہ ایک دینار یا دس درہم ہیں۔

کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ میں کہ کتنی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے؟ کوئی تقدیر (اندازہ) مروی نہیں صرف یہ مروی ہے کہ ایک شخص نے ڈھال چرائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹا پھر اس ڈھال کی قیمت کا اندازہ کرنے میں صحابہ رضی اللہ عنہم میں اختلاف ہوا چوتھائی دینار بھی اس کا اندازہ کیا گیا تین درہم بھی اور اس کے علاوہ بھی اور ابن عباس اور عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم نے دس درہم اندازہ کیا علاوہ ازیں ایک ضعیف روایات میں یہ ارشاد نبوی مروی ہے (لا قطع الا فی عشرۃ دراهم یعنی دس درہم ہی میں ہاتھ کاٹا جائے حنفیہ نے اس روایت کو اور ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ نے جو ڈھال کی قیمت کا اندازہ کیا ہے اس کو لیا ہے یہ روایت اگرچہ کمزور ہے اور چوتھائی دینار اور تین درہم والی روایات اصح مافی الباب ہیں مگر احناف نے یہ روایت دو وجہ سے لی ہے ایک چوتھائی دینار اور تین درہم والی روایات دس درہم والی روایت کے ضمن میں خود بخود آ جاتی ہیں اس لیے ان پر بھی عمل ہو جاتا ہے۔

دوم: حدود میں احتیاط ضروری ہے اور احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ جو صورت حد کو ہٹانے والی ہو اس کو اختیار کیا جائے مثلاً ایک شخص نے پانچ درہم چرائے پس اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا اب فرض کرو نفس الامر میں قطع ید کی سزا لازم تھی پھر بھی ہاتھ نہ کاٹا گیا تو یہ حد جاری نہ کرنے میں غلطی ہوئی اور یہی بہتر ہے پہلے یہ حدیث گزری ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہاں تک ممکن ہو مسلمانوں سے حدود کو ہٹاؤ اگر مجرم کے لیے کوئی بچنے کی راہ ہو تو اس کو چھوڑ دو کیونکہ حاکم معاف کرنے میں غلطی کرے یہ بہتر ہے اس سے کہ سزا دینے میں غلطی کرے اس لیے احناف نے دس درہم نصاب سرقہ تجویز کیا ہے۔

فائدہ: نسب کی حفاظت کے لیے حد زنا ہے اور عقل کی حفاظت کے لیے حد خمر ہے اور آبرو کی حفاظت کے لیے حد زحف ہے اور مال کی حفاظت کے لیے حد سرقہ ہے اور دین کی حفاظت کے لیے حد ارتداد ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَعْلِيْقِ يَدِ السَّارِقِ

باب ۱۶: کٹے ہوئے ہاتھ کا ہار پہنانا

(۱۳۶۷) سَأَلْتُ فَضَالَهٗ بْنَ عُبَيْدٍ عَنْ تَعْلِيْقِ الْيَدِ فِي عُنُقِ السَّارِقِ أَمِنْ السُّنَّةِ هُوَ قَالَ أُنِيَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِسَارِقٍ فَقَطَعَتْ يَدُهُ ثُمَّ أَمَرَ بِهَا فَعُلِقَتْ فِي عُنُقِهِ.

ترجمہ: عبدالرحمن بن محیریز بیان کرتے ہیں: میں نے فضالہ بن عبید سے چور کا ہاتھ اس کی گردن میں لٹکانے کے بارے میں دریافت کیا۔ کیا یہ سنت ہے، تو انہوں نے جواب دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک چور کو لایا گیا اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے تحت اس کا ہاتھ اس کی گردن میں لٹکا دیا گیا۔

تشریح: یہ عمل دو مقصد سے کیا گیا تھا:

ایک: اس کی حرکت کی تشہیر کرنے کے لیے کہ لوگ جان لیں کہ وہ چور ہے۔

دوم: ظلماً ہاتھ کاٹنے اور سزا کے طور پر ہاتھ کاٹنے کے درمیان امتیاز کرنے کے لیے (مگر یہ بالا جماع حد کا جز نہیں تعزیر ہے اور قاضی کی صوابدید پر موقوف ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخَائِنِ وَالْمُخْتَلِسِ وَالْمُنْتَهَبِ

باب ۱۷: خیانت کرنے والا، اچک کر لے جانے والا اور ڈاکو کا ہاتھ

(۱۳۶۸) لَيْسَ عَلَى خَائِنٍ وَلَا مُنْتَهَبٍ وَلَا مُخْتَلِسٍ قَطْعٌ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: خیانت کرنے والے اچک کر لے جانے والے اور ڈاکو کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

تشریح: خائن اس آدمی کو کہتے ہیں جسے امین بنایا گیا ہو امانت رکھو اگر وہ اسے خود رکھ لے اور کہے کہ وہ ضائع ہو گیا ہو یا پھر سرے سے لینے کا انکار کر دے منتہب جو زبردستی چھین لے مختلس اچک کر لے جانے والے کو کہتے ہیں ان تینوں صورتوں میں قطع اس لیے نہیں ہے کہ یہاں چوری کے معنی متحقق نہیں ہوتے کیونکہ چوری اس کو کہتے ہیں کہ ایسے مال کو چھپکے سے لے لے جس کی حفاظت اس طور سے کی گئی ہو جو عادتہ حفاظت کے لیے کافی ہو پھر چور سب لوگوں کی نظروں سے بچنے کی کوشش کرتا ہوا لے جائے جبکہ خیانت کی صورت میں تو مال اسی کے پاس ہوتا ہے اور منتہب تو علانیہ لے جاتا ہے کسی کے دیکھنے کی پرواہ نہیں کرتا جبکہ مختلس صرف مالک کی نگاہوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے نہ کہ عام لوگوں سے۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا قَطْعَ فِي ثَمَرٍ وَلَا كَثْرٍ

باب ۱۸: پھلوں اور کھجور کے خوشوں کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا

(۱۳۶۹) لَا قَطْعَ فِي ثَمَرٍ وَلَا كَثْرٍ.

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔ پھلوں اور کھجوروں کے خوشوں کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنْ لَا يُقَطَّعَ الْأَيْدِي فِي الْغَزْوِ

باب ۱۹: جنگ کے دوران ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے

(۱۳۷۰) لَا تُقَطَّعُ الْأَيْدِي فِي الْغَزْوِ.

ترجمہ: حضرت بسر بن ارطاة رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔ جنگ کے دوران (کسی چور کے) ہاتھ کو نہیں کاٹا جائے گا۔

تشریح: جہاد کے دوران اگر کوئی سرقہ کرے تو دو حال سے خالی نہیں۔ ① مال غنیمت میں سے چوری کرے گا۔ ② کسی اور مال سے چوری کرے گا اگر مال غنیمت میں سے ہو تو نہ دارالحرب میں حد قائم کی جائے گی اور نہ دارالسلام میں حد قائم کی جائے گی اس لیے کہ شبہ موجود ہے کہ اپنی ملکیت ہو اور حدود شبہات کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہیں اور اگر مال غنیمت کے علاوہ چوری کرے یا کوئی خیانت کرے جو موجب حد ہو تو آیا دارالحرب میں حد قائم کی جائے گی یا نہیں تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر یہ اندیشہ ہو کہ حد جاری کی گئی تو کفار کے ساتھ مل جائے گا تو پھر دارالحرب میں حد قائم نہ کی جائے پھر آیا دارالسلام میں حد قائم کی جائے گی یا نہیں تو احناف کے اس میں دونوں قول ہیں البتہ امام اوزاعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہاں تو قائم نہیں کی جائے گی لیکن دارالسلام میں بہر حال حد قائم کی جائے گی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَقَعُ عَلَى جَارِيَةِ امْرَأَتِهِ

باب ۲۰: بیوی کی باندی سے صحبت کرنے کا حکم

(۱۳۷۱) رُفِعَ إِلَى التُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ رَجُلٌ وَقَعَ عَلَى جَارِيَةِ امْرَأَتِهِ فَقَالَ لَا قُضِيَئَ فِيهَا بِقَضَاءِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لِأَنَّ كَانَتْ أَحْلَتْهَا لَهُ لَا جِلْدَ لَهُ مِائَةً وَإِنْ لَمْ تَكُنْ أَحْلَتْهَا لَهُ رَجْمُهُ.

ترجمہ: حبیب بن سالم بیان کرتے ہیں: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک مقدمہ پیش ہوا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کی کنیز کے ساتھ زنا کر لیا ہے تو انہوں نے فرمایا: میں اس بارے میں نبی اکرم ﷺ کے فیصلے کے مطابق فیصلہ کروں گا اگر یہ عورت اس کنیز کو اس مرد کے لئے حلال قرار دے دیتی ہے تو میں اس مرد کو سو کوڑے لگاؤں، اور اگر وہ اس کے لئے حلال قرار نہیں دیتی تو میں اسے سنگسار کر دوں گا۔

مذہب فقہاء: ① اس حدیث کو صرف امام احمد رضی اللہ عنہ نے لیا ہے وہ فرماتے ہیں اگر کوئی شخص اپنی بیوی کی باندی سے بیوی کی اجازت سے صحبت کرے تو اس کو سو درے مارے جائیں گے اور اگر بلا اجازت صحبت کرے تو سنگسار کیا جائے گا اور شافعیہ رضی اللہ عنہ اور مالکیہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو نہیں لیا وہ فرماتے ہیں کہ یہ زنا ہے پس شوہر کو سنگسار کیا جائے گا خواہ بیوی نے اجازت دی ہو یا نہ دی ہو اور انہوں نے حضرت علی اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اثر سے استدلال کیا ہے دونوں بزرگوں کا فتویٰ یہ ہے کہ شوہر کو سنگسار کیا جائے۔ اور حنفیہ نے بھی اس حدیث کو نہیں لیا ابواب الحدود کے شروع میں (باب ۲ میں) بتایا گیا ہے کہ تین شبہوں کی وجہ سے حنفیہ کے نزدیک حد ساقط ہو جاتی ہے ان میں سے ایک شبہ فی الحکم ہے اور یہ اس کی مثال ہے۔ یہاں بیوی میں ایک دوسرے کی چیز استعمال کرنے میں بے تکلفی ہوتی ہے پس بیوی کی باندی سے صحبت کرنے میں شبہ ہے اس لیے حد ساقط ہو جائے گی البتہ قاضی مناسب سزا دے گا۔ اور حنفیہ کا استدلال حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول سے ہے انہوں نے فرمایا جس نے بیوی کی باندی سے صحبت کی اس پر حد جاری نہیں کی جائے۔

باب کی حدیث کی سند میں اضطراب ہے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی دو سندیں بیان کی ہیں ایک قتادہ یہ حدیث حبیب بن سالم سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت نعمان سے دوسری ابو بشر حبیب سے اور وہ حضرت نعمان سے روایت کرتے ہیں اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ نہ قتادہ نے یہ حدیث حبیب سے سنی ہے نہ ابو بشر نے دونوں نے خالد بن عرفطہ سے یہ حدیث سنی ہے (دونوں حدیثیں ابو داؤد میں ہیں نمبر ۴۴۵۸-۴۴۵۹) اس لیے یہ حدیث صرف امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے لی ہے دوسرے فقہاء نے یہ روایت نہیں لی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَرْأَةِ إِذَا اسْتُكْرِهَتْ عَلَى الزِّنَا

باب ۲۱: جب کسی عورت کے ساتھ زبردستی زنا کیا جائے

(۱۳۷۲) اسْتُكْرِهَتْ امْرَأَةٌ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَدَرَأْسُوْلُ اللَّهِ ﷺ عَنْهَا الْحَدَّ وَأَقَامَهُ عَلَى الَّذِي أَصَابَهَا وَلَمْ يَذْكُرْ أَنَّهُ جَعَلَ لَهَا مَهْرًا.

ترجمہ: عبد الجبار بن وائل اپنے والد (حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ) کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں ایک عورت کے ساتھ زبردستی زنا کیا گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے حد کو ساقط کر دیا اور جس شخص نے اس کے ساتھ زیادتی کی تھی اس پر حد کو جاری کیا۔

(۱۳۷۳) أَنَّ امْرَأَةً خَرَجَتْ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ تُرِيدُ الصَّلَاةَ فَتَلْقَاهَا رَجُلٌ فَتَجَلَّلَهَا فَقَطَعِي حَاجَتَهُ مِنْهَا فَصَاحَتْ فَانْطَلَقَ وَمَرَّ بِهَا رَجُلٌ فَقَالَتْ إِنَّ ذَلِكَ الرَّجُلَ فَعَلَ بِي كَذَا وَكَذَا وَمَرَّتْ بِعَصَابَةٍ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ فَقَالَتْ إِنَّ ذَلِكَ الرَّجُلَ فَعَلَ بِي كَذَا وَكَذَا فَانْطَلَقُوا فَأَخَذُوا الرَّجُلَ الَّذِي ظَنَنْتُ أَنَّهُ وَقَعَ عَلَيْهَا وَأَتَوْهَا فَقَالَتْ نَعَمْ هُوَ هَذَا فَأَتَوْا بِهِ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَلَبَّأَ أَمْرُهُ لِيُزَجَّمَ قَامَ صَاحِبُهَا الَّذِي وَقَعَ عَلَيْهَا فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنَا صَاحِبُهَا الَّذِي وَقَعَ عَلَيْهَا فَقَالَ لَهَا اذْهَبِي فَقَدْ غَفَرَ اللَّهُ لِكَ وَقَالَ لِلرَّجُلِ قَوْلًا حَسَنًا وَقَالَ لِلرَّجُلِ الَّذِي وَقَعَ عَلَيْهَا ارْجِعْهُ وَقَالَ لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا أَهْلُ الْمَدِينَةِ لَقُبِلَ مِنْهُمْ.

ترجمہ: علقمہ بن وائل کندی اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: ایک خاتون نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں نماز پڑھنے کے لئے نکلی ایک شخص اس کے سامنے آیا اس نے عورت کو پکڑ لیا اور اس کے ذریعے اپنی حاجت کو پورا کیا (یعنی زنا کا ارتکاب کیا) اس عورت نے چیخ ماری تو وہ شخص چلا گیا پھر ایک اور شخص اس کے پاس سے گزرا تو اس عورت نے کہا: اس آدمی نے میرے ساتھ یہ حرکت کی ہے، پھر وہ عورت کچھ مہاجرین کے پاس سے گزری تو اس عورت نے یہ بتایا کہ فلاں شخص نے میرے ساتھ یہ زیادتی کی ہے، وہ لوگ چلے گئے انہوں نے جا کر اس شخص کو پکڑا جس کے بارے میں اس نے یہ بیان کیا تھا۔ اس نے اس کے ساتھ زنا کیا ہے، پھر وہ اس عورت کے پاس آئے تو اس نے بتایا۔ ہاں یہی وہ شخص ہے، پھر وہ لوگ اس شخص کو لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو سنگسار کرنے کا حکم دیا تو ایک شخص کھڑا ہوا جس نے درحقیقت اس عورت کے ساتھ زنا کیا تھا اس نے عرض کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ شخص ہوں جس نے اس عورت کے ساتھ زنا کیا تھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس

دوسرے شخص کے بارے میں حکم دیا جس نے واقعی اس عورت کے ساتھ زنا کیا تھا۔ تم لوگ اسے سنگسار کر دو۔ پھر نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس شخص نے ایسی توبہ کی ہے اگر تمام اہل مدینہ اسے کر لیتے تو ان سب کی طرف سے قبول ہو جاتی۔
تشریح: اس حدیث میں دو مسئلے قابل ذکر ہیں:

① امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ امام نخعی اور سفیان ثوری رحمہ اللہ کا مذہب ایک یہ کہ اگر کسی عورت کے ساتھ زبردستی وطی کی جائے تو اس پر حد نہیں ہے دوسرا یہ کہ حد قائم کرنے کی صورت میں عورت کو مہر دینا نہیں ہے کیونکہ مہر اور حد دونوں جمع نہیں ہو سکتے ہیں ہاں اگر حد ساقط ہو جائے تب مہر لازم ہوگا یہ مذہب ہے۔

② امام مالک و امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مہر لازمی ہے ابن العربی رحمہ اللہ نے عارضہ میں نقل کیا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اگر گواہ نہ ہوں تو یمین کے بغیر مہر لازم نہ ہوگا۔

سوال: یہاں ایک سوال ہے کہ مجرم نے چار مرتبہ الگ الگ مجلسوں میں اقرار نہیں کیا بلکہ وہ انکار کرتا ہوگا پس زنا کا ثبوت نہیں ہوا پھر اس کو سنگسار کیوں کیا گیا؟

جواب: اگر اقرار یا انکار کے ساتھ قرینہ حالیہ مل جائے تو پھر نہ چار مرتبہ اقرار کی ضرورت ہے نہ انکار معتبر ہے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد گذرا ہے کہ اگر حمل ہو (اور زبردستی زنا کا ثبوت نہ ہو نہ نکاح کا کوئی ثبوت ہو) حمل ہی ثبوت زنا کے لیے کافی ہے یہاں بھی قرینہ حالیہ موجود ہے وہ رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہے اس لیے اقرار ضروری نہیں اور مجرم تو انکار کیا ہی کرتا ہے اگر اس کے انکار کا اعتبار کیا جائے گا تو پھر گواہوں سے بھی زنا کا ثبوت نہیں ہو سکے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْمَنْ يَقَعُ عَلَى الْبَهِيْمَةِ

باب ۲۲: جانور سے بعد فعلی کرنے کا حکم

(۱۳۷۴) مَنْ وَجَدَ مُمُوَّهُ وَقَعَ عَلَى بَهِيْمَةٍ فَاقْتُلُوهُ وَاقْتُلُوا الْبَهِيْمَةَ فَقِيلَ لِابْنِ عَبَّاسٍ مَا شَأْنُ الْبَهِيْمَةِ قَالَ مَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي ذَلِكَ شَيْئًا وَلَكِنْ أَرَى رَسُولَ اللَّهِ كَرِهَ أَنْ يُتَوَكَّلَ مِنْ لُحْمِهَا أَوْ يُنْتَفَعَ بِهَا وَقَدْ عَمِلَ بِهَا ذَلِكَ الْعَمَلُ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ جب تم کسی ایسے شخص کو پاؤ جس نے کسی جانور کے ساتھ بد فعلی کی ہو تو اسے بھی قتل کر دو اور جانور کو بھی مار دو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا اس جانور کا کیا قصور ہے تو انہوں نے فرمایا میں نے تو نبی اکرم ﷺ کو اس بارے میں کوئی بات ارشاد فرماتے ہوئے نہیں سنا لیکن میرا خیال ہے۔ آپ نے اس وجہ سے اسے ناپسند کیا ہے کہ اس جانور کا گوشت کھایا جائے یا اس سے نفع حاصل کیا جائے جبکہ اس کے ساتھ یہ بد فعلی کی گئی ہے۔

(۱۳۷۵) أَنَّهُ قَالَ مَنْ آتَى بَهِيْمَةً فَلَا حَدَّ عَلَيْهِ.

ترجمہ: سفیان ثوری رحمہ اللہ نے اس روایت کو عاصم کے حوالے سے، ابورزین کے حوالے سے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے

سے نقل کیا ہے: وہ یہ فرماتے ہیں جو شخص کسی جانور کے ساتھ بد فعلی کرے اس پر حد جاری نہیں ہوگی۔

حدود کا بیان پورا ہوا اب جواب اب ہیں ان میں چند اور جرائم کی سزاؤں کا بیان ہے یہ سزائیں از قبیل تعزیرات ہیں حدود نہیں ہیں سب سے پہلے مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص جانور کے ساتھ بد فعلی کرے تو اس کو بھی اور جانور کو بھی قتل کر دیا جائے نبی ﷺ نے فرمایا جب تم کسی کو جانور کے ساتھ بد فعل کرتے ہوئے پاؤ تو اس کو بھی قتل کرو اور جانور کو بھی قتل کرو۔

① امام اسحاق رحمہ اللہ کا مذہب اسی حدیث کے مطابق ہے اور ایک روایت میں امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب بھی اسی طرح ہے کہ اس شخص کو قتل کیا جائے۔

② جبکہ جمہور کے نزدیک اس آدمی کو تعزیر دی جائے گی ملا علی قاری رحمہ اللہ اس کا مطلب یہ بتاتے ہیں ای فاضر بواضری باشدیدا گویا یہ حکم تہدید کے لیے ہے امام ترمذی رحمہ اللہ دوسری سند میں فرماتے ہیں کہ من اتی بہیمۃ فلاحہ علیہ یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہما وزنی قرینہ ہے کہ فاقتلوا کا حکم زجر علی وجہ المبالغہ پر محمول ہے یا کنایہ ہے ضرب شدید سے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي حَدِّ اللَّوْطِيِّ

باب ۲۳: قوم لوط کا عمل کرنے والے کی سزا

(۱۳۷۶) مَنْ وَجَدَ مُؤْمَرًا يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوطٍ فَاقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُولَ بِهِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص کو تم قوم لوط کا سائل کرتے ہوئے دیکھو تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کروادو۔

(۱۳۷۷) اَنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلَى اُمَّتِي عَمَلُ قَوْمِ لُوطٍ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے اپنی امت کے بارے میں سب سے زیادہ اندیشہ اس بات کا ہے وہ قوم لوط کا سائل کریں گے۔

لواطت: فطرت کے خلاف عمل ہے اس لیے زنا سے بھاری گناہ ہے اور حدیث میں ہے کہ جب تم کسی کو لوط علیہ السلام کی قوم کا عمل کرتے ہوئے دیکھو تو فاعل و مفعول کو قتل کر دو اور دوسری حدیث میں ہے کہ اپنی امت پر جس چیز میں مبتلا ہونے سے سب سے زیادہ ڈرتا ہوں وہ لوط علیہ السلام کی قوم کا عمل ہے۔

لوطی کی کیا حد ہے؟ امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کوئی حد نہیں ہے بلکہ تعزیر ہے اور امام جتبی سخت سے سخت سزا دینا چاہے حتیٰ کہ اگر قتل کرنا چاہے تو قتل بھی کر سکتا ہے خصوصاً جب عادی مجرم ہو۔

دوسرا قول: صاحبین رحمہ اللہ کا ہے کہ حدۃ حد الزانی دیکھا جائے گا کہ محسن ہے یا نہیں۔ اگر محسن ہے تو رجم کیا جائے گا اور اگر غیر محسن ہے تو جلد مائتہ ہے۔

تیسرا قول: آئمہ ثلاثہ رحمہ اللہ کا ہے مطلقاً رجم ہے خواہ محسن ہو یا غیر محسن ہو اور یہ ایسا رجم ہے کہ جس میں احسان شرط نہیں ہے۔

امام صاحب رحمہ اللہ کی دلیل: اس کی سزاء میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہوا ہے بعض فرماتے ہیں کہ اس کو پہاڑ سے گرا دیا جائے اور بعض فرماتے ہیں کہ اس پر دیوار گرا دی جائے اور بعض فرماتے ہیں کہ اس کو گندی جگہ میں محبوس کیا جائے حتیٰ کہ وہیں مرجائے بھوکا پیاسہ ہو کر تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف یہ وزنی قرینہ ہے کہ اس کی شرعا کوئی حد متعین نہیں ہے ویسے بھی جیسے بہیمۃ کے بارے میں آیا کہ من وقع علی بہیمۃ فاقتلوه اب یہاں سب متفق ہیں کہ فاقتلوه کا حکم زجراً علی وجہ المبالغہ پر محمول ہے حقیقت پر محمول نہیں ہے کیونکہ یہ زناء کے حکم میں نہیں ہے اس لیے کہ زناء کہتے ہیں قضاء الشہوة فی محلہ کو اور یہاں پر قضاء الشہوة فی غیر محلہ ہے بالکل ایسے ہی لو اوطت کے اندر بھی قضاء الشہوة فی غیر محلہ ہے لہذا یہاں پر بھی تعزیر ہوگی باقی حدیث میں جو ہے اقتلوا الفاعل والمفعول یہ زجر علی وجہ المبالغہ پر محمول ہے یا سیاست ہے یا یہ کنایہ ہے ضرب شدید سے۔

پھر ائمہ ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک اغلام بحکم زنا ہے اس کے ثبوت کے لیے بھی زنا کی طرح چار عادل مرد گواہ ضروری ہیں جنہوں نے سرمہ دانی میں سلائی کے داخل ہونے کی طرح یہ فعل دیکھا ہو اور حنفیہ کے نزدیک یہ بہ زنا نہیں ہے کیونکہ اس سے نہ تو نسب گڈٹ ہوتا ہے اور نہ اس میں ہتک عزت ہے اس لیے عام معاملات کی طرح یہ معاملہ بھی دو عادل گواہوں سے ثابت ہو سکتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُرْتَدِّ

باب ۲۴: مرتد کی سزا

(۱۳۷۸) اَنَّ عَلِيًّا حَرَّقَ قَوْمًا ارْتَدُّوا عَنِ الْاِسْلَامِ فَبَلَغَ ذَلِكَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَالَ لَوْ كُنْتُ اَنَا لَقَتَلْتُهُمْ لِقَوْلِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ وَلَمْ اَكُنْ لِاُحَرِّقْهُمْ لِقَوْلِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ لَا تُعَذِّبُوْا بِعَذَابِ اللّٰهِ فَبَلَغَ ذَلِكَ عَلِيًّا فَقَالَ صَدَقَ ابْنُ عَبَّاسٍ.

ترجمہ: عکرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مرتد ہو جانے والے کچھ لوگوں کو جلوا دیا جب اس کی اطلاع حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو ملی تو انہوں نے فرمایا۔ اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو میں ان لوگوں کو قتل کرواتا کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے جو شخص اپنے دین کو تبدیل کرے اسے تم قتل کر دو میں انہیں جلواتا نہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی طرح کا کسی کو عذاب نہ دو۔

تشریح: دین کی حفاظت کے لیے حد ارتداد ہے مرتد کے بارے میں جمہور فقہاء متفق ہیں کہ اگر وہ مرد ہو تو اس کی سزاء قتل ہے باقی بعد الاستتابت ہے یا قبل الاستتابت ہے تو استجابی طریقہ یہ ہے کہ اس کو شکوک و شبہات زائل کرنے کا موقع دیا جائے لیکن وجوبی طور پر نہیں اگر مرتد عورت ہو تو احناف کہتے ہیں کہ اس کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ جیل خانہ میں ڈال دیا جائے یہاں تک کہ توبہ کرے یا وہیں مرجائے اور جمہور کہتے ہیں کہ اس کو قتل کر دیا جائے یہ اختلاف عورت کے بارے میں ہے مرد کے بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ اس کو قتل کیا جائے گا چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ اسی طرح دوسری حدیث میں فرمایا: لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِءٍ مُّسْلِمٍ اِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ ① النفس بالنفس ② الشيب الزاني ③ التارك لدينه۔

جمہور کی دلیل: عورت کے بارے میں التارک لدینہ۔ نمبر ۲۔ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما من بدل دینہ فاقتلوہ۔ اسی پر قصہ ذکر کیا کہ کچھ لوگ مرتد ہو گئے تھے لوگوں کو قتل کرنے کے بعد جلادیا تھا الملل والنحل لاسفرایینی میں ہے یہ عبداللہ بن سبا یہودی کے ساتھی کچھ روافض تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو الہ مانتے تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے توبہ کرنے کو کہا لیکن وہ نہ مانے۔

آگ سے جلانے کا حکم اختلافی ہے:

بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ مطلقاً ممنوع ہے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث باب میں ہے ان کے نزدیک نبی عن التحریق تحریمی ہے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا میلان اس طرف ہے کہ بعض صورتوں میں یہ جائز ہے گویا نبی تنزیہ کے لیے ہے چنانچہ درمختار میں لوطی کو جلانا جائز کہا ہے اسی طرح امام احمد رحمہ اللہ مؤذی حیوانات کا جلانا جائز مانتے ہیں فبلغ ذالک ابن عباس رضی اللہ عنہما جلانے کی یہ خبر ابن عباس رضی اللہ عنہما کو پہنچی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے بصرہ کے گورنر تھے تو فرمایا کہ اگر میں ہوتا تو ان کو نہ جلاتا گویا انہوں نے نبی تحریم پر محمول کیا من بدل دینہ دین سے مراد اسلام اور دین حق ہے لہذا اگر کوئی کافر مسلمان ہو جاتا ہے تو بالاتفاق اس کو تحفظ دیا جائے گا۔

فقال صدق ابن عباس رضی اللہ عنہما ابو داؤد کی روایت میں ہے ویح امر ابن عباس رضی اللہ عنہما چونکہ ویح کا لفظ مدح اور تعجب دونوں کے لیے آتا ہے لہذا کسی نے ویح کو تصویب و مدح پر حمل کیا تو اس پر صدق کا اطلاق کیا جبکہ بعض نے کہا کہ یہ ترحم کا کلمہ ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے رحم کی دعا مانگی کیونکہ انہوں نے مرفوع حدیث میں نبی کو تحریم پر حمل کر کے احراق کو ناجائز کہا حالانکہ یہ تنزیہ کے لیے ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِيْمَنْ شَهَرَ السِّلَاحَ

باب ۲۵: جو شخص (مسلمانوں پر) ہتھیار اٹھائے

(۱۳۷۹) مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا.

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: جو شخص ہمارے خلاف ہتھیار اٹھائے اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي حَدِّ السَّاحِرِ

باب ۲۶: جادو کرنے والے کی سزا

(۱۳۸۰) حَدُّ السَّاحِرِ ضَرْبَةٌ بِالسَّيْفِ.

ترجمہ: حضرت جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جادو کرنے والے کی سزا یہ ہے اسے تلوار کے ذریعے قتل کر دیا جائے۔

ساحر کی کیا حد ہے؟ ① احناف اور شوافع رحمہ اللہ کے ہاں تفصیل ہے کہ اگر ساحر کا سحر کسی کفریہ عمل پر مشتمل ہو تو اس کی حد قتل ہے ارتداد

- اور اگر اس کے سحر کی وجہ سے کسی نفس کا اطلاق ہو تو اس کی حد قتل ہے قصاص اور اگر ان دونوں میں سے کوئی نہ ہو تو اس کی سزا تعزیر ہے۔
- ② امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر حال میں قتل کیا جائے گا دلیل حدیث الباب جندب رضی اللہ عنہ ہے حد الساحر ضربۃ بالسيف۔
- جواب ①: یہ محمول ہے اس صورت پر کہ جب اس کا سحر کفریہ عمل پر مشتمل ہو یا اطلاق النفس کو مشتمل ہو۔
- جواب ②: یا پھر یہ سیاست ہے عبرۃ ہے۔
- جواب ③: یہ حدیث سنداً ضعیف ہے اس حدیث سے حد ثابت نہیں ہو سکتی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْغَالِ مَا يُصْنَعُ بِهِ؟

باب ۲۷: مال غنیمت میں چوری کرنے والے کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟

(۱۳۸۱) مَنْ وَجَدَ ثَمُوَةً غُلٍّ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَأَحْرَقُوا مَتَاعَهُ.

- ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ بات بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کو تم ایسی حالت میں پاؤ کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں چوری کی ہو تو تم اس کے سامان کو جلا دو۔
- تشریح: مال غنیمت میں تقسیم سے پہلے پہلے اگر کوئی شخص چیز لے لے تو اس کی کیا حد ہے۔
- ① جمہور کے نزدیک اس کی حد مفوض الی رائے الامام ہے۔
- ② امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اس کی سزا تخریق المتاع ہے کہ اس کے ساز و سامان کو جلا دیا جائے اگر کوئی جانور ہو یا قرآن پاک کا نسخہ ہو یا دینی کتابیں ہوں تو ان کو فروخت کیا جائے اور پھر ان کے ثمنوں کو صدقہ کر دیا جائے۔
- جمہور کی دلیل: آپ ﷺ کے زمانہ میں غزوات بھی متعدد ہیں اور سرایا بھی متعدد ہیں اور ان میں منافق بھی شامل ہو جاتے تھے اور مال غنیمت کے اندر خیانت کے مرتکب ہوتے تھے لیکن آپ ﷺ نے ان کے سامان کو جلانے کا حکم نہیں دیا۔
- حنابلہ کی دلیل: حدیث الباب حدیث عمر رضی اللہ عنہ ہے کہ مَنْ وَجَدَ ثَمُوَةً غُلٍّ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَأَحْرَقُوا مَتَاعَهُ آگے صالح کہتے ہیں کہ میں مسلمہ بن عبد الملک کے پاس گیا اور ان کی مجلس میں سالم بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بھی تھے مسلمہ بن عبد الملک نے ایک شخص کو پایا کہ جس نے مال غنیمت میں چوری کی اب مسئلہ چلا کہ اس غال کے ساتھ کیا کیا جائے اور کیا سزا دی جائے تو سالم بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے حدیث عمر رضی اللہ عنہ سنائی کہ انہوں نے ارشاد فرمایا: مَنْ وَجَدَ ثَمُوَةً غُلٍّ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَأَحْرَقُوا مَتَاعَهُ تو مسلمہ بن عبد الملک نے اس کے سامان کو جلانے کا حکم دیا تو اس غال کے ساز و سامان کو جلا دیا گیا پس اس غال کے سامان میں قرآن پاک کا ایک نسخہ بھی پایا گیا اب مسلمہ بن عبد الملک پریشان ہو گیا کہ اس کا کیا کریں تو پھر سالم بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو سالم بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس کو بیچ دو اور اس کے ثمنوں کو صدقہ کر دو تو معلوم ہوا کہ غال کی سزا شریعت میں تخریق المتاع ہے لیکن یہ خیانت شدہ مال کے علاوہ ہے اس لیے کہ وہ مال تو مجاہدین کا ہے۔

جواب ①: امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے محمد سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ اس کی سند

میں صالح بن محمد بن عبد اللہ بن زائدہ ہیں اور ابو اقدیش کی کیفیت مشہور ہے اور یہ منکر الحدیث ہیں پس منکر الحدیث سے استدلال بھی منکر ہے امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ غال کے بارہ میں متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں لیکن آپ ﷺ نے کہیں بھی متاع کے جلانے کا حکم نہیں فرمایا۔

جواب ②: سیئہ ہے تعزیر ہے اور مصلحت ہے حد شرعی ہونے کی حیثیت سے نہیں ہے وجہ وہی ہے کہ کسی حدیث میں بھی تحریق المتاع کا حکم نہیں ہے۔

جواب ③: ابو داؤد شریف میں ہے کہ اصل میں یہ سالم بن عبد اللہ کا فتویٰ ہے نبی کریم ﷺ کا فرمان نہیں ہے۔ اور سامان جلانا علاج بالصد ہے اس نے مال کی حرص میں خیانت کی اس لیے اس کو یہ سزا دی گئی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْمَنْ يَقُولُ لِلْأَخِيَا مُخَنَّثٌ

باب ۲۸: او ہجڑے کہنے کی سزا

(۱۳۸۲) إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِلرَّجُلِ يَا يَهُودِيٍّ فَاصْرِ بُوَّةَ عَشْرِينَ وَإِذَا قَالَ يَا مُخَنَّثٌ فَاصْرِ بُوَّةَ عَشْرِينَ وَمَنْ وَقَعَ عَلَى ذَاتِ مُحْرِمٍ فَاقْتُلُوهُ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: جب کوئی شخص کسی دوسرے شخص سے کہے اے یہودی! تم اسے بیس کوڑے لگواؤ اور جب وہ یہ کہے: اے ہجڑے! تم اسے بتیس کوڑے لگواؤ اور جو شخص کسی محرم عورت کے ساتھ زنا کا ارتکاب کرے تم اسے قتل کر دو۔ ایک شخص دوسرے کو یہودی کہے تو اس کو بیس کوڑے لگاؤ یا مخنث کہے کہ عورتوں کے مشابہ ہے چال ڈھال میں تو اس کو بھی بیس کوڑے لگاؤ اور یہ تعزیری سزا ہے۔

اور جو آدمی محارم کے ساتھ زنا کا مرتکب ہو جائے:

مذہب فقہاء: ① عند الاحناف اس کی سزا حد زنا ہے اگر محسن ہے رجم اگر غیر محسن ہے تو جلد مائتہ ہے اور فاقتلوه والا حکم سیئہ اور تعزیر ہے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے تحت یہ مسئلہ ذکر کیا کہ اگر کوئی آدمی محارم کے ساتھ نکاح کرے تو اس کا کیا حکم ہے عند الاحناف اس کی سزا تعزیر ہے۔

② باقی ائمہ رحمہم فرماتے ہیں کہ اس کی سزا حد ہے احناف یہ کہتے ہیں کہ نکاح والا شبہ پایا جاتا ہے اس لیے حد نہیں ہوگی البتہ تعزیر ہوگی اور یہ مسئلہ پہلے گزر چکا ہے یہاں دوبارہ اس کو ذکر (محسن تکرار ہے)۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّعْزِيرِ

باب ۲۹: تعزیر (گوشمالی) کا بیان

(۱۳۸۳) لَا يُجْلَدُ فَوْقَ عَشْرِ جَلْدَاتٍ إِلَّا فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللَّهِ.

تو کچھ نہیں: حضرت ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: دس سے زیادہ کوڑوں کی سزا صرف کسی حد میں دی جاسکتی ہے۔

تعزیر اور حد میں فرق ہے (کئی وجوہ سے)؟ ① حد میں سزاء کی مقدار شارع کی جانب سے متعین ہے اور تعزیر میں سزاء مفوض الی رائے الامام ہوتی ہے۔

② حد میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی بخلاف تعزیر کے کہ اس میں کمی بیشی ہو سکتی ہے لوگوں کے احوال مختلف ہونے کی وجہ سے کسی کے لیے اتنی بات کافی ہو جاتی ہے کہ اس کی طرف ذرا گھور کر دیکھ لو اور کسی کے لیے اتنی بات ہے کہ اس کو ڈنڈے لگائے جائیں گے۔

③ حد کو معاف نہیں کیا جاسکتا اور تعزیر کو معاف کیا جاسکتا ہے۔

④ حد میں جرائم متعین ہیں لیکن تعزیر کے اندر جرائم متعین نہیں ہیں بعض اوقات جرم نہیں ہوتا لیکن تعزیر لگا دی جاتی ہے۔

واقعہ: ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ خلافت میں گشت فرما رہے تھے تو ایک عورت یہ شعر پڑھ رہی تھی ہل من سبیل الی خمر اشربہا اور ہل من سبیل الی نصر بن الحجاج تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ نصر بن حجاج کون ہیں تو بتایا گیا کہ وہ بہت خوبصورت نوجوان ہیں اور اس کے بال بھی خوبصورت ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا اس کا بالوں کی وجہ سے حسن ہے اور یہ فتنہ کا باعث بن رہے ہیں اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو بال کاٹنے کا حکم دیا تو بال کاٹنے کی وجہ سے اس کے حسن میں اور اضافہ ہو گیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو عمامہ باندھنے کا حکم فرمایا خدا کی قدرت کہ عمامہ باندھا تو اس کی وجہ سے حسن میں اور اضافہ ہو گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو فرمایا کہ یہاں سے بصرہ چلے جاؤ میں اور تم دونوں ایک شہر میں نہیں رہ سکتے اس پر اس نے کہا کہ میرا قصور کیا ہے کہ تم مجھے یہاں سے جلا وطن کر رہے ہو فرمایا کہ قصور تو میرا ہے کہ میں نے ابھی تک تمہیں نکالا نہیں آخروہ بصرہ چلے گئے اور وہاں پر حاکم حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تھے وہاں پر بھی مسعود بن مشجع کی بیوی ان پر عاشق ہو گئی تو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ان کو فاس نامی جگہ میں بھیج دیا وہاں کے حاکم عثمان بن عاص تھے وہاں پر بھی ایسا واقعہ پیش آ گیا تو حضرت عثمان بن عاص رضی اللہ عنہ نے بھی یہی فرمایا کہ تم فلاں جگہ چلے جاؤ اس پر اس نے کہا کہ ایسا نہ کہ میں کہیں نصاریٰ کے ساتھ مل جاؤں جہاں بھی جاتا ہوں مجھے نکال دیتے ہو اس پر حضرت عثمان بن عاص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ اس کے ساتھ کیا کیا جائے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کے بال منڈوا دو اور اس کو بالکل سیدھا سادھا لباس پہنا دو اور اس کو سجدہ میں رہنے کا پابند کیا جائے الغرض یہ تعزیر بھی مشروع ہے اور اس میں جرم کا ہونا کوئی ضروری نہیں ہے حضرت عمرو بن عتبہ سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی اولاد سے ادب کی خاطر لائھی نہ اٹھاؤ قرآن مجید میں ہے ﴿فَعِظُوا هُنَّ وَابْهَرُوهُنَّ﴾ (النساء: ۳۴) اب بسترؤں کا علیحدہ کرنے اور ﴿وَاضْرِبُوهُنَّ﴾ یہ تعزیر ہی تو ہے ایسے ہی آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تمہاری اولاد سات سال کی ہو جائے تو ان کو نماز کا حکم کرو اور جب دس سال کی عمر ہو جائے تو نماز نہ پڑھنے پر ان کو مارو یہ کیا ہے تعزیر ہی تو ہے حد نہیں ہے پس جس طرح قرآن و حدیث سے حد کی مشروعیت ثابت ہے ایسے ہی تعزیر کی مشروعیت بھی ثابت ہے۔ فرق اتنا ہے کہ حد کی مقدار متعین ہے اور تعزیر کی مقدار مفوض الی رائے الامام ہے الخ اس میں اختلاف ہے کہ تعزیر میں زائد سے زائد مقدار متعین ہے یا نہیں۔ چار اقوال ہیں:

مذہب فقہاء: ① احناف اور شوافع کا قول یہ ہے کہ مادون الحد ہونی چاہیے اور عبد کے حق میں حد قذف کے چالیس کوڑے

ہیں تو اب اس کو تعزیر آنتالیس تک کوڑے لگائے جائیں اس سے زیادہ نہ لگائے جائیں۔

② اور قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حرکی جو حد ہے (۸۰) کوڑے اس تک مقدار نہ پہنچے مثلاً ۷۵ تک لگائے جاسکتے ہیں۔

③ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جرائم کے اعتبار سے تعزیر بھی مختلف ہو سکتی ہے اگر امام سو کوڑوں سے زیادہ لگانا چاہے اور مصلحتاً بھی اسی میں سمجھے تو تو زیادہ بھی لگا سکتا ہے۔

④ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ دس کوڑے لگا سکتا ہے اس سے زیادہ نہیں لگا سکتا۔

جہور کی دلیل: عمل صحابہ رضی اللہ عنہم ہے کہ دس کوڑوں سے زائد بھی لگائے ہیں جیسا کہ ابھی گزرا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو یہودی یا منکث کہے تو بیس کوڑے لگائے جائیں۔

حنابلہ کی دلیل: حدیث الباب ہے کہ لایجلد فوق عشر جلدات الا فی حد من حدود اللہ یہ حدیث پہلی حدیث کے بھی خلاف ہے اور جہور کے قول کے بھی خلاف ہے۔

جواب ①: یہ حکم منسوخ ہے دلیل نسخ عمل صحابہ ہے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم سے دس کوڑوں سے زیادہ کوڑے لگانا بھی ثابت ہے۔

جواب ②: یہ حکم مخصوص ہے فقط آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ اس لیے کہ اس وقت دس کوڑے بھی کافی ہوتے تھے لیکن اس جواب کو زیادہ پسند نہیں کیا گیا۔

جواب ③: لایجلد فوق عشر جلدات.... الخ یہ مطلق نہیں بلکہ گھریلو جرائم کے اعتبار سے ہے کہ اگر کسی کو تادیبی سزاء دے تو دس کوڑوں سے زیادہ نہ لگائے اس سے وہ جرائم مراد نہیں ہیں جن سے معاشرہ میں فساد پھیل جائے۔

جواب ④: صرف یہ اشراف کے اعتبار سے ہے کہ جو تھوڑی سی سزاء سے بھی منہ زجر ہو جائیں مجرموں کو تو روکنے کے لیے زیادہ بھی لگائے جاسکتے ہیں۔

جواب ⑤: فی حد من حدود اللہ کے دو معنی ہیں: (۱) حد اصطلاحی (۲) ایسے جرائم جو اہم ہوں کہ جن کی وجہ سے معاشرہ میں بگاڑ اور فساد پیدا ہو تو پھر اس میں زیادہ بھی لگا سکتا ہے۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی کہتے ہیں۔

سند پر بحث: اس کی سند میں بکیر بن عبد اللہ کے تلامذہ کے درمیان اختلاف ہو رہا ہے لیث بن سعد بکیر سے نقل کرتے ہوئے جابر بن عبد اللہ کے بعد ابو بردہ رضی اللہ عنہ بن نیار کا واسطہ ذکر کر رہے ہیں اور ابن لہیعہ وہ بکیر سے روایت کرتے ہوئے یوں کہتے ہیں: عن جابر بن عبد اللہ عن ابیہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم درمیان میں ابو بردہ بن نیار کا واسطہ ذکر نہیں کر رہے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ درمیان میں ابو بردہ بن نیار کا واسطہ ہے۔



أَبْوَابُ الصَّيْدِ

شکار کرنے کا بیان

بَابُ مَا جَاءَ مَا يُؤْكَلُ مِنْ صَيْدِ الْكَلْبِ وَمَا لَا يُؤْكَلُ؟

باب ۱: کون سا شکار حلال ہے اور کون سا حرام؟

(۱۳۸۴) قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِنَّا أَهْلُ صَيْدٍ قَالَ إِذَا أُرْسِلَتْ كَلْبُكَ وَذَكَرْتَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ فَأَمْسَكَكَ عَلَيْكَ فَكُلْ قُلْتُ وَإِنْ قَتَلَ قَالَ وَإِنْ قَتَلَ قُلْتُ أَنَا أَهْلُ رَحْمِي قَالَ مَا رَدَّكَ عَلَيْكَ قَوْسُكَ فَكُلْ قَالَ قُلْتُ أَنَا أَهْلُ سَفَرٍ تَمُرُّ بِالْيَهُودِ وَالنَّصَارَى وَالْمَجُوسِ فَلَا تَجِدُ غَيْرَ انِّيَتِهِمْ قَالَ فَإِنْ لَمْ تَجِدْ غَيْرَهَا فَاغْسِلُوهَا بِالْمَاءِ ثُمَّ كُلُوا فِيهَا وَاشْرَبُوا.

ترجمہ: حضرت ابو ثعلبہ خثنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ہم شکاری لوگ ہیں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جب تم اپنے کتے کو بھیجتے ہوئے اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لے لو اور وہ تمہارے لئے شکار کر لے تو تم اسے کھا لو۔ میں نے عرض کیا اگرچہ وہ اس جانور کو مار دے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اگرچہ وہ اسے مار دے۔ میں نے عرض کی۔ ہم تیر انداز لوگ ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جو تمہارے تیر لگنے سے مرے اسے کھا لو۔ میں نے عرض کی۔ ہم سفر میں ہوتے ہیں۔ بعض اوقات یہودیوں، عیسائیوں یا مجوسیوں کے پاس سے گزرتے ہیں، تو وہاں ہمیں صرف انہی کے برتن ملتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اگر تمہیں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ملتا تو تم اسے پانی کے ذریعے دھو کر پھر ان میں کھا بھی لو اور پی بھی لو۔

(۱۳۸۵) قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِنَّا نُرْسِلُ كِلَابَنَا مُعَلَّمَةً قَالَ كُلْ مَا أَمْسَكَنَّ عَلَيْكَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَإِنْ قَتَلَنَ قَالَ وَإِنْ قَتَلَنَ مَا لَمْ يَشْرُكْهَا كَلْبٌ غَيْرُهَا قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِنَّا نُرْجِي بِالْبَعْرَاضِ قَالَ مَا خَزَقَ فَكُلْ وَمَا أَصَابَ بِعَرَضِهِ فَلَا تَأْكُلْ.

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! ہم لوگ اپنے تربیت یافتہ کتے کو (شکار کے لئے) بھیجتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اگرچہ وہ اسے مار ڈالے۔ بشرطیکہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا کتا اس شکار میں شریک

نہ ہو۔ راوی بیان کرتے ہیں۔ میں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! ہم لاشی کے ذریعے بھی (جانور کو شکار کر لیتے ہیں) نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: (اس لاشی کی لوہے کی نوک) جسے چیر دے اسے کھا لو اور جو اس لاشی کے چوڑائی کی سمت میں لگنے کی وجہ سے مرے اسے نہ کھاؤ۔

شکار تیر کے ذریعے کتے کے ذریعے اور باز کے ذریعے جائز ہے لیکن مطلق نہیں بلکہ جب چند شرائط پائی جائیں:

- ① جس کتے کے ذریعے یا باز کے ذریعے شکار کیا جائے وہ معلم ہو۔ کتے کے معلم ہونے کی علامت یہ ہے کہ شکار کو پکڑے نے بعد خود نہ کھائے دوسری مرتبہ بھی پکڑنے کے بعد خود نہ کھائے اور تیسری مرتبہ پکڑنے کے بعد خود شکار میں سے خود نہ کھائے تو اب یہ کلب معلم سمجھا جائے گا اور باز کے معلم ہونے کے لیے اجابت کافی ہے کہ چھوڑنے پر چلا جائے اور بلانے پر واپس آ جائے۔
- ② عند الارسال تسمیہ پڑھی جائے یعنی حقیقتہً ہو یا حکماً ہو بعنوان آخر قصد ترک نہ ہو اگر حقیقتہً ذکر ہے تو فمھا اور اگر نسیان ہو گیا تو حکماً تسمیہ موجود ہے۔

③ چھوڑتے ہی شکار کی طرف چلا جائے درمیان میں وقفہ نہ ہو۔

④ شکار کو زخمی کرے۔

⑤ دوسرے کلب غیر معلم کی شرکت نہ ہو نیز ایسے کلب معلم کی بھی شرکت نہ ہو کہ جس پر تسمیہ نہ پڑھی گئی ہو (ورنہ شکار حلال نہیں ہوگا)۔

⑥ شکار مرا ہوا پایا گیا ہو اس کے زخم کی وجہ سے اور اگر اس کو زندہ پایا تو پھر ذبح کرنا ضروری ہوگا صرف اس کا زخمی کرنا کافی نہیں ہے اگر ذبح کرنے سے پہلے مر گیا تو حرام ہوگا (ذبح اختیاری پر قدرت کے باوجود ذبح نہ کرنے کی وجہ سے)۔

⑦ وہ صید حرم کا نہ ہو اگر شکار حرم کا ہے تو کتنے ہی کلب معلم بھیجے پھر بھی حلال نہیں ہوگا الغرض کتا جو ارزل الحیوان ہے برتن میں منہ ڈال دے تو ائمہ ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک سات مرتبہ دھونا ضروری ہے ایک مرتبہ مٹی سے مانجنا ضروری ہے لیکن جب اس میں انسانی صفات پیدا ہوتی ہیں تو اس کا ذبیحہ بھی حلال ہو جاتا ہے اور وہ انسان جس میں حیوانی صفات پیدا ہو جائیں تو اس کا ذبیحہ حرام ہو جاتا ہے مثلاً کفر و شرک اور مجوسیت والی وصف پائی جائے تو اس کا ذبیحہ حرام ہو جاتا ہے۔

شکار کے احکام سورۃ المائدہ آیت ۳ میں ہیں اور وہ احکام دو بنیادوں پر مبنی ہیں:

پہلی بنیاد: شکار میں بھی ذبح اس کی تمام شرائط کے ساتھ ضروری ہے مگر دو باتوں میں تخفیف کی گئی ہے ایک تسمیہ جانور کے بجائے آلہ پر مقرر کیا گیا ہے کیونکہ شکار میں جانور قابو میں نہیں ہوتا آلہ ہی اختیار میں ہوتا ہے۔ دوم: ذبح کے لیے گلہ اور لبہ میں ذبح کرنا شرط نہیں شکار کا سارا ہی جسم محل ذبح ہے اور ان دو شرطوں میں تخفیف اس لیے کی گئی ہے کہ شکار کا کچھ حاصل نکلے ورنہ شکار کا عمل لا حاصل ہو جائے گا جانور قابو میں نہ ہونے کی وجہ سے ذبح سے پہلے ہی مرجائے گا۔

دوسری بنیاد: شکار کی حلت کے لیے دو شرطیں بڑھائی گئی ہیں: ایک شکاری جانور کو بالقصد شکار پر چھوڑنا تاکہ اصطیاد (مشکل سے شکار) متحقق ہو۔ دوم: شکاری جانور کو روک رکھے خود نہ کھائے تاکہ اس کا معلم (سکھلایا ہوا) ہونا متحقق ہو۔

ذبح کی دو قسمیں ہیں: ذبح اختیاری اور ذبح اضطراری اگر جانور قابو میں ہو تو ذبح اختیاری ضروری ہے اور ذبح اختیاری کا محل حلق اور لبہ ہے اور اس میں تسمیہ ذبیحہ پر ضروری ہے پس اگر ذبح کرنے کے لیے بکری لٹائی اور اس پر بسم اللہ پڑھی پھر وہ بکری چھوڑ کر

② شوافع کا قول یہ ہے کہ باز کے معلم ہونے کے مفہوم میں عدم اکل داخل ہے اور اگر خود کھالے گا تو حلال نہیں ہوگا۔
 احناف کی دلیل: فتویٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما ہے ابن جریری طبری نے اپنی تفسیر طبری کے اندر اس کو نقل کیا ہے کہ جو اس بات پر دال ہے کہ باز کے معلم ہونے کے لیے نہ کھانا اس کے مفہوم میں داخل نہیں ہے اگر کھالے تو بھی معلم سمجھا جائے گا بشرطیکہ اجابت ہو۔
 شوافع کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے قال ما امسك عليك فكل اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر روکے نہ تو پھر نہ کھاؤ۔
 جواب ①: یہ استدلال بطور مفہوم مخالف کے ہے اور مفہوم مخالف احناف کے ہاں کوئی حجتہ نہیں ہے۔
 جواب ②: یہ قید بیان واقعہ کے لیے ہے احترازی نہیں ہے۔

جواب ③: اصل یہ ہے کہ جانور کے اندر تعلیم کا مفہوم یہ ہے کہ جانور اپنے مالوف اور مانوس چیز کو کو چھوڑ دے پس جب گوشت کو کھانا چھوڑ دے گا تو معلم سمجھا جائے گا اور پرندوں کے اندر مالوف چیز انسانوں سے دور رہنا ہے اب یہاں اس کی تعلیم یہ ہے کہ انسان بلائے تو آجائے اور جب چھوڑے تو چلا جائے لہذا کلب اور باز کی تعلیم کے درمیان فرق ہونا چاہیے۔

بَابُ فِي الرَّجُلِ يَرْمِي الصَّيْدَ فَيَغِيبُ عَنْهُ

باب ۴: شکار تیر کھا کر غائب ہو گیا پھر مرا ہوا ملا تو کیا حکم ہے؟

(۱۳۸۸) قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَرَأَيْتَ الصَّيْدَ فَأَجِدُ فِيهِ مِنَ الْغَدِ سَهْمِي قَالَ إِذَا عَلِمْتَ أَنَّ سَهْمَكَ قَتَلَهُ وَلَمْ تَرَفِهِ أَثَرُ سَبْعٍ فَكُلْ.

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں شکار کو تیر مارتا ہوں اور پھر میں اسے اگلے دن اپنے تیر کے ہمراہ پاتا ہوں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اگر تمہیں یہ یقین ہو کہ وہ تمہارے ہی تیر کی وجہ سے ہلاک ہوا ہے اور تم اس میں کسی درندے (کے حملے) کا نشان نہ پاؤ تو تم اسے کھا لو۔

شکار کو تیر مارا شکار تیر کھا کر غائب ہو گیا اور تلاش کرنے کے باوجود نہیں ملا پھر دوسرے دن مرا ہوا ملا اور اس میں ہمارا تیر پیوست ہے پس ظاہر یہ ہے کہ وہ ہمارے تیر سے مرا ہے کیونکہ موت کا کوئی دوسرا سبب موجود نہیں ایسے شکار کا کیا حکم ہے؟ حضور ﷺ سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر تمہیں یقین ہو کہ وہ شکار تمہارے ہی تیر سے مرا ہے اور اس پر کسی درندے کے نوچنے کا نشان نہ ہو تو تم کھا سکتے ہو (البتہ اگر کسی درندے نے اس کو نوچا ہو تو وہ حلال نہیں کیونکہ موت کے دو سبب جمع ہو گئے اور معلوم نہیں کس سبب سے مرا ہے؟ اس لیے حلال نہیں۔

بَابُ فِي مَنْ يَرْمِي الصَّيْدَ فَيَجِدُهُ مَيِّتًا فِي الْمَاءِ

باب ۵: شکار کو تیر مارا پس وہ پانی میں گر گیا اور مر گیا تو کیا حکم ہے؟

(۱۳۸۹) سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنِ الصَّيْدِ فَقَالَ إِذَا رَمَيْتَ بِسَهْمِكَ فَأَذْكَرَ اسْمَ اللَّهِ فَإِنْ وَجَدْتَهُ قَدْ قُتِلَ

فَكُلْ إِلَّا أَنْ تَجِدَهُ قَدْ وَقَعَ فِي مَاءٍ فَلَا تَأْكُلْ فَإِنَّكَ لَا تَدْرِي أَلَمَاءُ قَتَلَهُ أَوْ سَهْمُكَ.

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ سے شکار کے بارے میں دریافت کیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جب تم اسے اپنا تیر مارو تو اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لے لو پھر تم اسے اس حالت میں پاؤ کہ وہ مرچکا ہے تو تم اسے کھا لو ماسوائے اس صورت کے کہ تم اسے پانی میں گرا ہوا پاؤ تو اسے نہ کھانا کیونکہ تم یہ نہیں جانتے کہ وہ پانی کی وجہ سے مرا ہے یا تمہارے تیر کی وجہ سے مرا ہے۔

ایک شخص نے ایک شکار کو تیر مارا پھر وہ پانی میں جا گرا اس کے بعد مرا ہوا پایا گیا تو اب اس کا اکل جائز نہیں ہے اس لیے کہ تردد پیدا ہو گیا ہے کہ میرے تیر کی وجہ سے مرا ہے یا پانی میں گرنے کی وجہ سے مرا ہے اور جب حلت و حرمت دونوں کے سبب جمع ہو جائیں تو ترجیح حرمت کو ہوتی ہے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ جب حلقوم کٹ جائے اب اگر وہ پانی میں گر جائے تو بھی اس کا کھانا جائز ہے کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ موت تیر کی وجہ سے واقع ہوئی ہے۔

باب

باب ۶: جو کتا شکار میں سے کچھ کھالے، اس کا حکم

(۱۳۹۰) سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنْ صَيْدِ الْكَلْبِ الْمُعْلَمِ قَالَ إِذَا أُرْسِلَتْ كَلْبُكَ وَذَكَرْتَ اسْمَ اللَّهِ فَكُلْ مَا أَمْسَكَ عَلَيْكَ فَإِنْ أَكَلَ فَلَا تَأْكُلْ فَإِنَّمَا أَمْسَكَ عَلَى نَفْسِهِ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ إِنْ خَالَطَتْ كَلَابَنَا كِلَابٌ أُخْرَى قَالَ إِنَّمَا ذَكَرْتَ اسْمَ اللَّهِ عَلَى كَلْبِكَ وَلَمْ تَذْكُرْ عَلَى غَيْرِهِ.

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ سے تربیت یافتہ کتے کے شکار کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم اپنے کتے کو بھیجتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا نام لے لو تو جو وہ تمہارے لئے شکار کرے اسے کھا لو اگر وہ خود اسے کھا چکا ہو تو تم اسے نہ کھاؤ کیونکہ یہ شکار اس نے اپنے لئے کیا ہوگا۔ میں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ آپ کا کیا خیال ہے اگر ہمارے کتے کے ساتھ کچھ دوسرے کتے بھی آکر مل جاتے ہیں تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تم نے اللہ تعالیٰ کا نام اپنے کتے کو بھیجتے ہوئے لیا تھا دوسروں پر نہیں لیا تھا۔

دوسرا مسئلہ: کلب کے مفہوم میں عدم اکل داخل ہے یا نہیں۔

① اکثر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ کلب کے معلم ہونے کا مفہوم میں عدم اکل داخل ہے۔
وسیل: وان اكل فلا تأكل انما امسك على نفسه.

② امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جیسے باز کے معلم ہونے کے لیے عدم اکل شرط نہیں ہے اسی طرح کلب کے معلم ہونے کے لیے بھی عدم اکل شرط نہیں ہے مالکیہ کی دلیل ابو داؤد شریف کے اندر ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث موجود ہے کہ کل وان اكل کھا اگرچہ کتے نے کھا لیا ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ کھانا اس کے مفہوم میں داخل نہیں ہے۔

جواب: حدیث عدی بن حاتم جیسے سنن میں ہے ایسے ہی صحیحین میں بھی موجود ہے اور یہ حدیث ابو ثعلبہ صرف سنن میں ہے صحیحین میں نہیں ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي صَيْدِ الْمِعْرَاضِ

باب ۷: لاٹھی کے ذریعے شکار کا حکم

(۱۳۹۱) قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَنْ صَيْدِ الْمِعْرَاضِ فَقَالَ مَا أَصَبْتَ بِحَدِّهِ فَكُلْ وَمَا أَصَبْتَ بَعَرَضِهِ فَهُوَ وَقَيْنٌ.

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ سے لاٹھی کے شکار کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو اس کی نوک لگنے کی وجہ سے مرے اس کو کھالو اور جو چوڑائی کی سمت میں لاٹھی لگنے کی وجہ سے مرے وہ مردار شمار ہوگا۔

معراض کے متعدد معنی کیے گئے ہیں: ① ایسا تیر جس کے ساتھ پر اور پھالا لگا ہوا نہ ہو ② ایسی لکڑی جس کے ایک سرے پر لوہا لگا ہوا ہو ③ ایک خاص قسم کا تیر ہوتا ہے جب اس کو پھینکا جائے تو وہ عرضاً جا کر لگتا ہے ④ ایسی لکڑی جس کے دونوں سرے باریک ہوں اور درمیانی حصہ موٹا ہو ⑤ مطلقاً بھاری لکڑی بھی اس کا معنی کیا گیا ہے اس کے شکار کے اندر بعض کی رائے یہ ہے کہ مطلقاً حلال ہے جیسے امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ⑥ اور بعض کہتے ہیں کہ مطلقاً حرام ہے جیسے حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں۔
ائمہ اربعہ فرماتے ہیں کہ اس میں تفصیل ہے وہ یہ ہے کہ اگر دھار کی طرف سے لگے اور شکار کو زخمی کر دے تو شکار حلال ہے اور اگر عرضاً لگے ہو اور دباؤ اور ثقل کی وجہ سے شکار مرا ہو تو حرام ہے اور وہ چونکہ یہ عموماً یہ عرضا جاتا ہے اس لیے اس کو معراض کہتے ہیں۔

بَاب فِي الذَّبْحِ بِالْمَرْوَةِ

باب ۸: دھاردار پتھر سے ذبح کرنا جائز ہے

(۱۳۹۲) أَنَّ رَجُلًا مِنْ قَوْمِهِ صَادَ أَرْنَبًا أَوْ اِثْنَيْنِ فَذَبَحَهُمَا بِمَرْوَةٍ فَعَلَّقَهُمَا حَتَّى لَقِيَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَسَأَلَهُ فَأَمَرَهٖ بِأَكْلِهِمَا.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ان کی قوم سے تعلق رکھنے والے ایک شخص نے ایک یا شاید دو خرگوشوں کا شکار کیا اور انہیں پتھر کے ذریعے ذبح کر کے لٹکا دیا جب اس کی ملاقات نبی اکرم ﷺ سے ہوئی تو اس نے آپ ﷺ سے اس بارے میں دریافت کیا۔ آپ نے اسے ان دونوں کو کھالینے کی ہدایت کی۔

مروۃ خاص قسم کا پتھر ہوتا ہے جو سفید اور دھاردار ہوتا ہے اس سے اگر جانور ذبح کیا جائے تو حلال ہے مشکوٰۃ حدیث (۴۰۷۱) میں حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو چیز خون بہادے اور اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے تو حلال ہے (یہ حدیث آگے بھی آ رہی

ہے لہذا اگر دھاردار پتھر سے یا بانس وغیرہ کے چھلکے سے جانور ذبح کیا جائے تو جائز ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَكْلِ الْمَصْبُورَةِ

باب ۹: جس جانور کو باندھ کر (نشانے بازی کے ذریعے مارا جائے) اسے کھانا حرام ہے

(۱۳۹۳) نَبِيُّ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عَنْ أَكْلِ الْمُجْتَمَةِ وَهِيَ الَّتِي تُصَبَّرُ بِالنَّبْلِ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے مجسمہ کھانے سے منع کیا ہے اور یہ وہ جانور ہے جسے باندھ کر اس پر تیر اندازی کی جائے۔

(۱۳۹۴) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَى يَوْمَ خَيْبَرَ عَنْ لُحُومِ كُلِّ ذِي نَابٍ مِنَ السَّبْعِ وَعَنْ كُلِّ ذِي مَخْلَبٍ مِنَ الطَّيْرِ وَعَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ وَعَنِ الْمُجْتَمَةِ وَعَنِ الْخَلِيسَةِ وَإِنْ تَوَطَّأَ الْحَبَالَى حَتَّى يَضَعْنَ مَا فِي بُطُونِهِنَّ.

ترجمہ: اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت عرباض اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتی ہیں: نبی اکرم ﷺ نے غزوہ خیبر کے دن نوکیلے دانتوں والے درندے اور نوکیلے پنجوں والے پرندے، پالتو گدھوں، مجسمہ اور خلیسہ کھانے سے منع کیا تھا نیز حاملہ کنیزوں کے ساتھ صحبت کرنے سے منع کیا تھا جب تک وہ بچے کو جنم نہ دیں۔

(۱۳۹۵) نَبِيُّ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَنْ يَتَّخِذَ شَيْءٌ فِيهِ الرُّوحُ غَرْضًا.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے کسی بھی جاندار چیز کو پکڑ کر اس پر نشانے بازی کرنے سے منع کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے مجسمہ کے کھانے سے منع فرمایا ہے باقی مجسمہ کیا چیز ہے آگے راوی نے خود اس کی تفسیر کر دی وہی الی تصبر بالنبل کہ جس کو باندھ کر تیروں کے ذریعے نشانہ بنا کر مارا جائے اور وہ مر جائے اس کے کھانے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا چونکہ اس کو محبوس کیا جاتا ہے باندھ کر مارا جاتا ہے اس لیے امام ترمذی رحمہ اللہ نے عنوان بھی مصبورة کا لگایا ہے۔ یہ حرام ہے ذبح اختیاری پر قدرت کے ہوتے ہوئے ذبح اختیاری کا نہ پایا جانا ذبح اضطرار تو تب کفایت کرتی ہے جب ذبح اختیاری پر قدرت نہ ہو۔

اس باب کی دوسری حدیث ان رسول اللہ نہی يوم خيبر عن كل ذي ناب من السباع... الخ یعنی ہر ناب والے جانور کے کھانے سے ناب اگرچہ داڑھ کو کہتے ہیں لیکن مراد جانور ہیں۔ جو دوسرے جانوروں کو شکار کرتے ہیں ان کے ناب یعنی رباعیات کے بعد داڑھ خاص کر بڑے ہوتے ہیں جیسے کتے شیر وغیرہ وعن كل ذي مخلب من الطيور اور ہر پنجے والے پرندے سے یہاں بھی پنجے سے مراد وہ پنجہ ہے جو شکار کے لیے استعمال ہوتا ہے جو خاص طور پر ٹیڑھے اور تیز نوکدار ہوتے ہیں جبکہ حلال پرندوں کے پنجے تقریباً پھر بالکل سیدھے ہوتے ہیں۔ جیسے مرغی کے جبکہ باز اور گدھ وغیرہ کے یکسر مختلف ہوتے ہیں۔

بَابُ فِي ذِكْوَةِ الْجَنِينِ

باب ۱۰: جنین کو ذبح کرنا

(۱۳۹۶) ذِكَاةُ الْجَنِينِ ذَكَاةُ أُمِّهِ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں جنین کی ماں کو ذبح کرنا جنین کو ذبح کرنا شمار ہوگا۔
مذہب فقہاء: اگر بچہ ماں کے ذبح کے بعد زندہ نکلے اور ذبح کرنے کا موقع ملے تو بالاتفاق اس کا ذبح اختیاری لازم ہے اگر وہ بغیر ذبح کے مر گیا تو اس کا کھانا کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں ہاں اگر فوراً نکلتے ہی مر جائے امام محمد رحمہ اللہ اس کو مکروہ کہتے ہیں جیسا کہ عارضہ میں ہے لیکن اگر بچہ ماں کے ذبح کے ساتھ ہی مر جائے یعنی کھال اتارنے اور پیٹ چاک کرنے سے پہلے پہلے تو اس کے حلال ہونے میں اختلاف ہے۔

① امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا کھانا ممنوع ہوگا۔

② صاحبین رحمہم اللہ اور جمہور علماء کے نزدیک وہ ماں کے ذبح کے ساتھ حکماً ذبح ہو گیا لہذا وہ حلال ہے تاہم امام مالک و محمد رحمہم اللہ یہ شرط لگاتے ہیں کہ اس کے بدن پر بال نمودار ہوئے ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا استدلال: قرآن مجید کی اس آیت سے ہے ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ﴾ (المائدہ: ۳) اسی طرح ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے مروی ہے: لَا يَكُونُ ذِكْوَةُ نَفْسٍ ذِكْوَةَ نَفْسَيْنِ۔

جمہور کا استدلال باب کی حدیث سے ہے کہ بچہ کا ذبح وہی ہے جو ماں کا ہے نیز یہ ماں کا جزء ہے لہذا یہ کل کے ذبح کے ساتھ ذبح ہو گیا۔
حنفیہ نے حدیث باب کے جواب میں بہت دیئے۔ اور طبیعت کا تقاضا بھی یہ ہے کہ علامہ عینی نے بنایہ میں اسے اقویٰ قرار دیا ہے وہ بحث کو سمیٹتے ہوئے لکھتے ہیں: وبالجملۃ فقول من قال بموافقة الحديث اقوى علاوة ازیں ابوداؤد نسائی اور دارقطنی وغیرہ میں یہ حدیث ان الفاظ میں مروی ہے:

قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ نَحْرُ النَّاقَةِ وَنَذِيجُ الْبَقَرِ وَالشَّاةُ فَنَجِدُ فِي بَطْنِهَا أَنْتَلِقِيهِ أَمْ نَأْكُلُهُ؟ قَالَ: كُلُوا
ان شئتم فان زكوة زكوة أمه.

”ہم نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! ہم اونٹنی، گائے اور بکری کو ذبح کرتے ہیں اور اس کے پیٹ میں بچہ پاتے ہیں، اسے کھائیں یا پھینک دیں۔“
اس میں وہ تاویلات نہیں چل سکتی ہیں جو عام شارحین نے کی ہیں۔ واللہ اعلم وعلیہ اتم واحکم

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ كُلِّ ذِي نَابٍ وَذِي مَخْلَبٍ

باب ۱۱: ہرنو کیلے دانت والے درندے اور نوکیلے پنجوں والے پرندے (کو کھانا) حرام ہے

(۱۳۹۷) نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ كُلِّ ذِي نَابٍ مِنَ السَّبَاعِ.

ترجمہ: حضرت ابو ثعلبہ حنثی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ہر نوکیلے پنچے والے درندے (کو کھانے سے) منع کیا ہے۔

(۱۳۹۸) حَرَّمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَوْمَ خَيْبَرَ الْحُمْرَ الْإِنْسِيَّةَ وَالْحَوْمَ الْبِغَالِ وَكُلَّ ذِي نَابٍ مِّنَ السَّبَاعِ وَذِي مَخْلَبٍ مِّنَ الطَّيْرِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے حرام قرار دیا ہے۔ راوی کہتے ہیں یعنی غزوہ خیبر کے دن پالتو گدھوں کو، خچروں کے گوشت کو، ہر نوکیلے دانت والے درندے اور ہر نوکیلے پنچے والے پرندے کو (حرام قرار دیا ہے)۔

(۱۳۹۹) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ حَرَّمَ كُلَّ ذِي نَابٍ مِّنَ السَّبَاعِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ہر نوکیلے دانتوں والے درندے (کو کھانے) کو حرام قرار دیا ہے۔

(۱۴۰۰) قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَدِينَةَ وَهُمْ يُحِبُّونَ أَسْنِمَةَ الْإِبِلِ وَيَقْطَعُونَ الْيَابِ الْغَنَمِ فَقَالَ مَا قُطِعَ مِنَ الْبَهِيمَةِ وَهِيَ حَيَّةٌ فَهِيَ مَيْتَةٌ.

ترجمہ: حضرت ابو واقد لیشی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب نبی اکرم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں کے لوگ اونٹ کی کوہان اور دنبوں کی چکی کاٹ لیا کرتے تھے (اور اسے کھایا کرتے تھے) نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جس زندہ جانور کا کوئی حصہ کاٹ لیا جائے وہ حصہ مردار شمار ہوگا۔

تشریح: اس حدیث کی تشریح سابقہ باب سے پیوستہ باب میں گزری ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ مَا قُطِعَ مِنَ الْحَيِّ فَهُوَ مَيْتٌ

باب: زندہ جانور سے جو عضو کاٹا جائے وہ مردار ہے

عَنْ أَبِي وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَدِينَةَ وَهُمْ يُحِبُّونَ أَسْنِمَةَ الْإِبِلِ وَيَقْطَعُونَ الْيَابِ الْغَنَمِ فَقَالَ مَا يُقْطَعُ مِنَ الْبَهِيمَةِ وَهِيَ حَيَّةٌ فَهُوَ مَيْتَةٌ.

ترجمہ: حضرت ابو واقد لیشی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو وہاں کے لوگ زندہ اونٹوں کے کوہان اور زندہ دنبوں کی چکیاں کاٹتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا زندہ جانور سے جو حصہ کاٹا جائے وہ مردار ہے۔

تشریح: اور لوگ زندہ دنبوں کی چکیاں کاٹ لیا کرتے تھے یعنی زندہ جانوروں کے اعضاء کو کاٹ کر پکانے اور کھانے کا رواج تھا اس لیے آپ ﷺ نے اس عضو کو مردار اور حرام قرار دیدیا امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس میں کسی قسم کی اختلاف کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے لہذا اس پر اتفاق ہے کہ اگر زندہ جانور کا کوئی عضو کاٹ کر الگ کیا جائے تو وہ حرام و مردار ہے۔

بَابُ فِي الذَّكْوَةِ فِي الْخَلْقِ وَاللَّيْبَةِ

باب ۵: حلق اور لبہ میں ذبح کرنا

(۱۴۰۱) قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَمَا تَكُونُ الذَّكَاءُ إِلَّا فِي الْخَلْقِ وَاللَّيْبَةِ قَالَ لَوْ طَعَنْتُ فِي فَخْذِهَا لَأَجَزَ أَعْنَكَ.

ترجمہ: ابو العشاء اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: میں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ کیا شرعی طور پر ذبح کرنا صرف حلق اور لبہ میں ہوتا ہے تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تم ان کی ران پر نیزہ مار دو تو تمہارے لئے یہ بھی جائز ہے۔
تشریح: ذبح کی دو قسمیں ذبح اختیاری اور ذبح اضطراری۔ اگر جانور قابو میں ہو تو ذبح اختیاری ضروری ہے اور ذبح اختیاری کا محل حلق اور لبہ ہے اور اگر جانور قابو سے باہر ہو جیسے شکار تو ذبح اضطراری بھی کافی ہے اور اس کا محل جانور کا سارا جسم ہے سائل ذبح کی دوسری قسم کو نہیں جانتا تھا آپ ﷺ نے اس کو دوسری قسم سے بھی آگاہ کیا۔

بَابُ فِي قَتْلِ الْوَزَعِ

باب ۱: چھپکلی کو مارنے کا حکم

(۱۴۰۲) مَنْ قَتَلَ وَزَعَةً بِالصَّوْبَةِ الْأُولَى كَانَ لَهُ كَذَا وَكَذَا أَحْسَنَةٌ فَإِنْ قَتَلَهَا فِي الصَّوْبَةِ الثَّانِيَةِ كَانَ لَهُ كَذَا وَكَذَا أَحْسَنَةٌ فَإِنْ قَتَلَهَا فِي الصَّوْبَةِ كَانَتْ لَهُ كَذَا وَكَذَا أَحْسَنَةٌ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص پہلی ضرب میں چھپکلی کو مار دے اسے اتنی، اتنی نیکیاں ملیں گی اور اگر دوسری ضرب میں اسے مار دے تو اتنی، اتنی نیکیاں ملیں گی اور اگر تیسری ضرب میں اسے مار دے تو اسے اتنی، اتنی نیکیاں ملیں گی۔

وزع: اسم جنس ہے اس کی دونوں ہیں گرگٹ اور چھپکلی حضور اقدس ﷺ نے چھپکلی اور گرگٹ کو مارنے کا حکم دیا ہے اور ان کا فاسق (شرارتی) نام رکھا ہے اور فرمایا وہ حضرت ابراہیم کی آگ میں پھونک مارتا تھا اور فرمایا جس نے پہلے وار میں مار ڈالا اس کے لیے سو نیکیاں ہیں اور دوسرے وار میں اس سے کم اور تیسرے وار میں اس سے بھی کم۔ (مشکوٰۃ احادیث ۳۱۱۹-۳۱۲۲)

سوال: جس چھپکلی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آگ میں پھونک ماری تھی اس کا چاہے کچھ مر نکال دو مگر پوری نوع کو اس کی سزا دینا خلاف اصول ہے؟

جواب: چھپکلی کو مارنے کا حکم اس جرم کی سزا میں نہیں ہے بلکہ یہ حکم اس جانور کی ایذا رسانی کی وجہ سے ہے اور پھونک مارنے کو ایذا رسانی کی علامت کے طور پر ذکر کیا گیا ہے یعنی جہاں اس کا کچھ نہیں اٹھتا تھا وہاں بھی وہ اپنی حرکت سے باز نہیں آئی اسی طرح وہ انسان کو ہر ممکن ضرر پہنچانے کی کوشش کرتی ہے برتن میں تھوکتی ہے نمک میں رال ٹپکاتی ہے جس کے نتیجے میں برص کی بیماری پیدا ہوتی ہے اور کچھ بس نہیں چلتا تو چھت پر چڑھ کر کھانے وغیرہ پر بیٹھ کرتی ہے (حاشیہ الکوکب الدرر ۱۲: ۳۹) پس یہ حکم اس کے ضرر دینے کے لیے ہے۔

بَابُ فِي قَتْلِ الْحَيَّاتِ

باب ۲: سانپوں کو مارنے کا حکم

(۱۴۰۳) أَقْتُلُوا الْحَيَّاتِ وَأَقْتُلُوا إِذَا الطُّفَيْتَيْنِ وَالْأَبْتَرَفَاتِ مِمَّا يَلْتَمِسَانِ الْبَصَرَ وَيُسْقِطَانِ الْحَبْلَ.

ترجمہ: سالم بن عبد اللہ اپنے والد (حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ سانپوں کو مار دو بطور خاص دو سیاہ نقطوں والے کو ضرور مارو اور کئی ہوئی دم والے کو (بھی مار دو) کیونکہ یہ دونوں پینائی کو زائل کر دیتے ہیں اور حمل کو ضائع کر دیتے ہیں۔

(۱۴۰۴) إِنَّ لِبُيُوتِكُمْ عُمَرَاءَ فَخَرَجُوا عَلَيْهِنَّ ثَلَاثًا فَإِنْ بَدَأَ لَكُمْ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْهُنَّ شَيْءٌ فَأَقْتُلُوهُنَّ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: گھروں میں بھی کچھ سانپ رہتے ہیں۔ انہیں تین مرتبہ تنبیہ کرو اس کے بعد بھی وہ نظر آجائیں تو انہیں قتل کر دو۔

(۱۴۰۵) قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا ظَهَرَتِ الْحَيَّةُ فِي الْمَسْكَنِ فَقُولُوا لَهَا إِنَّا نَسْأَلُكَ بِعَهْدِ نُوحٍ وَبِعَهْدِ سُلَيْمَانَ بْنِ دَاوُدَ أَنْ لَا تُؤْذِينَا فَإِنْ عَادَتْ فَأَقْتُلُوهَا.

ترجمہ: عبد الرحمن بن ابولیلی بیان کرتے ہیں: حضرت ابولیلی رضی اللہ عنہ نے یہ بات روایت کی ہے: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب گھر میں کوئی سانپ نظر آجائے تو تم اسے کہو ہم تم سے حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کے عہد کا تقاضا کرتے ہیں۔ تم ہمیں اذیت نہ دو اگر وہ پھر آجائے تو اسے مار دو۔

سانپ بھی موزی جاندار ہیں لہذا ان کو قتل کرنا بھی مباح ہے خصوصاً جو زیادہ موزی ہیں ذوالطفین خاص قسم کا سانپ ہوتا ہے جس کے سر پر دو لکیریں سی ہوتی ہیں ان میں یہ نشانی ہوتی ہے کہ ان میں زہر زیادہ ہوتا ہے اور اتر دم کٹے ہوئے کے ساتھ مشابہ ورنہ حقیقت دم نہیں کٹا ہوا ہوتا یہ بھی زیادہ زہریلے ہوتے ہیں اگر کسی انسان کی ان پر نگاہ پڑ جائے تو بنائی ختم ہو جاتی ہے اور اگر وہ حاملہ عورت کی طرف دیکھ لے تو اس کا حمل گر جاتا ہے یہ ان کی تاثیر ہے۔ البتہ جو گھروں کے اندر رہتے ہیں بستے ہیں ان کے قتل سے منع فرمایا یعنی ان کو قتل کرنے میں جلدی نہ کی جائے وجہ اس کی یہ ہے کہ درحقیقت وہ جنات ہوتے ہیں ان کو نکلنے کا موقع دیا جائے۔ اگلی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس کے بعد جنات البیوت کے قتل سے ممانعت فرمائی ہے جنات بکسر الجیم جان کی جمع ہے چھوٹے باریک سانپ کو کہتے ہیں۔ ان کی نشانی یہ ہے کہ وہ باریک ہوتے ہیں اور ان کا رنگ چاندی کی طرح سفید ہوتا ہے اور پھر چلنے کے اندر سیدھے چلتے ہیں بل نہیں کھاتے ان کو قتل کرنے میں جلدی نہ کی جائے بلکہ ان کو کہا جائے کہ نکل جاؤ اور ان کو حضرت نوح علیہ السلام کا عہد و پیمان یاد دلاؤ اگر نکل جائیں تو ٹھیک ورنہ ان کو قتل کر دو ورنہ بسا اوقات نقصان دیتے ہیں۔

فائدہ: ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ اللہ عزوجل نے بعض اجسام میں ایسی ارواح ودیعت فرمائی ہیں جن میں بہت سخت تاثیر ہوتی ہے تاہم چونکہ روح اور آنکھ میں شدت ارتباط ہے اس لیے یہ تاثیر آنکھوں کی طرف منسوب ہوتی ہے لہذا آنکھ سے دیکھنا

اس تاثیر کی شرط پر نہیں دیکھئے کبھی نابینا شخص کے سامنے جب محسود کے اوصاف بیان ہوتے ہیں تو بھی اس کی نظر بد کا اس پر اثر ہوتا ہے۔ (مختصر زاد المعاد ص: ۲۳۷)

محشی نے طیبی رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ علماء نے ایک سانپ کا ذکر کیا ہے جس کو ناظر کہتے ہیں وہ جب آدمی کی آنکھوں کو دیکھتا ہے تو وہ اسی وقت مرجاتا ہے:

قال ابن القيم ولا يمكن لعامل انكار تأثير الارواح في الاجسام فانه امر مشاهد (ايضا)۔
”ابن القيم رحمہ اللہ فرماتے ہیں ارواح کی اجسام پر جو تاثیر ہے اس کا انکار کوئی عاقل نہیں کر سکتا کیونکہ یہ ایک مشاہدے کی بات ہے۔“

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَتْلِ الْكِلَابِ

باب ۳: کتوں کو مارنے کا حکم

(۱۴۰۶) لَوْلَا أَنَّ الْكِلَابَ أُمَّةٌ مِنَ الْأُمَمِ لَأَمَرْتُ بِقَتْلِهَا كُلِّهَا فَاقْتُلُوا مِنْهَا كُلَّ أَسْوَدَ بَيْهِيحٍ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر کتے مخلوق کی ایک مخصوص قسم نہ ہوتی تو میں ان سب کو مارنے کا حکم دے دیتا، تاہم ان میں سے ہر کالے کتے کو مار دیا کرو۔
تفصیل گزر چکی ہے اور آخری حکم بالاتفاق منسوخ ہے اب صرف کالا کتا یعنی پریشان کرتا ہو اس کو مارنا جائز ہے۔

بَابُ مَنْ أَمْسَكَ كَلْبًا مَا يَنْقُصُ مِنْ أَجْرِهِ؟

باب ۴: شوقیہ کتا پالنے سے روزانہ ثواب کم ہوتا ہے؟

(۱۴۰۷) مَنْ أَقْتَلَى كَلْبًا أَوْ اتَّخَذَ كَلْبًا لَيْسَ بِضَارٍّ وَلَا كَلْبٌ مَا شِئَةٍ نَقَصَ مِنْ أَجْرِهِ كُلَّ يَوْمٍ قَيْرَاطَانِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے جو شخص کتا پالے (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) کتا رکھے جو شکار کرنے یا جانوروں کی حفاظت کے لئے نہ ہو، تو اس شخص کے عمل میں روزانہ دو قیراط کم ہوتے ہیں۔

(۱۴۰۸) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَمَرَ بِقَتْلِ الْكِلَابِ إِلَّا كَلْبَ صَيْدٍ أَوْ كَلْبَ مَا شِئَةٍ قَالَ قِيلَ لَهُ إِنَّ أَبَاهُ رِيَّةَ كَانَ يَقُولُ أَوْ كَلْبَ زُرْعٍ فَقَالَ إِنَّ أَبَاهُ رِيَّةَ كَانَ زُرْعًا.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے کتوں کو مارنے کا حکم دیا ہے سوائے شکاری کتوں کے یا جانوروں کی حفاظت والے کتوں کے، راوی بیان کرتے ہیں: ان سے کہا گیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تو یہ کہتے ہیں: یا کھیت کی حفاظت کرنے والے کتوں کے، تو انہوں نے فرمایا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے کھیت تھے (اس لئے انہیں علم ہوگا)۔

(۱۴۰۹) مَنْ اتَّخَذَ كَلْبًا إِلَّا كَلْبَ مَا شِئَةٍ أَوْ صَيْدٍ أَوْ زُرْعٍ لَنْتَقُصَ مِنْ أَجْرِهِ كُلَّ يَوْمٍ قَيْرَاطًا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص جانوروں کی حفاظت والے یا کھیت کی حفاظت والے یا شکار کے کتے کے علاوہ کوئی اور کتا پالے تو اس کے اجر میں روزانہ ایک قیراط کم ہوتا ہے۔

(۱۴۱۰) قَالَ إِنِّي لَمَمَّنْ يَرْفَعُ أَغْصَانِ الشَّجَرَةِ عَنْ وَجْهِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَهُوَ يُحْطَبُ فَقَالَ لَوْلَا أَنَّ الْكِلَابَ أُمَّةٌ مِنَ الْأُمَمِ لَأَمَرْتُ بِقَتْلِهَا فَأَقْتُلُوا مِنْهَا كُلَّ أَسْوَدَ بَيْهِيمٍ وَمَا مِنْ أَهْلِ بَيْتٍ يَرْتَبِطُونَ كَلْبًا إِلَّا نَقَصَ مِنْ عَمَلِهِمْ كُلِّ يَوْمٍ قِيرَاطٌ إِلَّا كَلَبَ صَيِّدًا أَوْ كَلَبَ حَرِثًا أَوْ كَلَبَ غَنَمًا.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں ان افراد میں سے ایک ہوں جو اس وقت نبی اکرم ﷺ کے چہرہ مبارک سے ٹہنیاں ہٹا رہے تھے جب آپ خطبہ جمعہ دے رہے تھے آپ نے ارشاد فرمایا: اگر کتے مخلوق کی ایک مخصوص قسم نہ ہوتے تو میں انہیں قتل کرنے کا حکم دیتا م ان میں سے ہر کالے سیاہ کتے کو مار دو اور جس گھر کے لوگ کتا پالتے ہیں، ان کے عمل میں سے روزانہ ایک قیراط کم ہوتا ہے۔ سوائے شکاری کتے کے، یا کھیت کی حفاظت والے کتے کے، یا بکریوں کی حفاظت والے کتے کے (یعنی کہ انہیں پالنے کی اجازت ہے)۔

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ شوقیہ کتا پالنا جائز نہیں البتہ وہ کتا جس کو شکار کی تعلیم دی گئی ہو یا وہ کتا جو مویشی کی یا کھیتی یا گھر کی حفاظت کے لیے ہو وہ مستثنیٰ ہے اسکو پالنا بلا کراہت جائز ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ، مراقاة میں فرماتے ہیں کہ یہ تغلیظ پر محمول ہے کیونکہ اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک گناہ سے نیکی ختم نہیں ہوتی یا پھر مستقبل کی نیکیوں کے ثواب کی کمی پر محمول ہے یعنی جو شخص کتا پالے گا تو اس کے نیک عمل پر اتنا ثواب نہیں ملے گا جتنا کہ دوسروں کو ضابطے کے مطابق ملتا ہے پھر قیراط کے مقدار یہاں پر اس قیراط سے کم ہے جو صلوٰۃ جنازہ اور اتباع جنازہ کے بارے میں ہے کیونکہ وہاں انعام کی بات کی گئی ہے جو زیادہ۔

بَابُ فِي الذَّكَاةِ بِالْقَصَبِ وَغَيْرِهِ

باب ۵: بانس وغیرہ سے ذبح کرنا

(۱۴۱۱) قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَتَا نَلْفِي الْعَدُوَّ غَدًا وَلَيْسَتْ مَعَنَا مُدَى فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَا أَنْهَرَ الدَّمَ وَذَكَرَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ فَكُلُوهُ مَا لَمْ يَكُنْ سِنًا أَوْ ظُفْرًا أَوْ سَأُحَدِّثُكُمْ عَنْ ذَلِكَ أَمَّا السِّنُّ فَعَظْمٌ وَأَمَّا الظُّفْرُ فَمُدَى الْحَبَشَةِ.

ترجمہ: رفاعة بن رافع رضی اللہ عنہ اپنے والد کے حوالے سے، اپنے دادا حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: وہ فرماتے ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کل ہم دشمن کا مقابلہ کریں گے ہمارے پاس چھریاں نہیں ہیں تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو چیز خون کو بہا دے اور جس جانور پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو، تو تم اسے کھا لو بشرطیکہ اسے "سن یا ظفر" کے ذریعے ذبح نہ کیا گیا ہو۔ راوی بیان کرتے ہیں: میں تمہیں اسکے بارے میں بتاتا ہوں سن ہڈی کو کہتے ہیں اور ناخن حبشہ کی مخصوص چھری ہے۔

تشریح: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ہر چیز سے ذبح کیا جاسکتا ہے اگر اس سے کھال کٹ جائے اور خون بہ جائے خواہ پتھر ہو یا بانس کا چھلکا ہو یا کوئی اور چیز ہو حتیٰ کہ ویلڈنگ کرنے کی آگ سے بھی ذبح کیا جاسکتا ہے البتہ جسم میں لگے ہوئے ناخن اور دانت سے ذبح کرنا جائز نہیں کیونکہ ان میں دھار نہیں ہوتی اور ناخن میں ممانعت کی ایک دوسری وجہ کفار کی مشابہت بھی ہے۔
فائدہ: اگر دانت منفصل ہو اور اس میں دھار نکال نکال لی گئی ہو یا ناخن جدا ہو اور دھار دار ہو تو اس سے ذبح کرنا درست ہے یا نہیں؟ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مطلقاً ناخن اور دانت سے ذبح کرنا درست نہیں اور احناف کے نزدیک جائز ہے ان کے نزدیک حدیث میں متصل ناخن اور دانت مراد ہیں اور امام مالک رحمہ اللہ کی مختلف روایات ہیں مشہور یہ ہے کہ منفصل ہڈی سے ذبح جائز ہے اور دانت سے مطلقاً جائز نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْبَعِيرِ إِذَا نَذَّ

باب ۶: پالتو جانور بدک جائے تو اس کا حکم وحشی جانور کا ہو جاتا ہے

(۱۴۱۲) كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي سَفَرٍ فَنَدَّ بَعِيرٌ مِنْ إِبِلِ الْقَوْمِ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُمْ خَيْلٌ فَرَمَاهُ رَجُلٌ بِسَهْمٍ فَحَبَسَهُ اللَّهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ لِهَذِهِ الْبَهَائِمِ أَوَابِدَ كَأَوَابِدِ الْوَحْشِ فَمَا فَعَلَ مِنْهَا هَذَا فَا فَعَلُوا بِهِ هَكَذَا.

ترجمہ: عباہ بن رفاعہ اپنے والد کے حوالے سے، اپنے دادا حضرت رافع رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: ہم لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک سفر میں شریک تھے لوگوں کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ سرکش ہو کر بھاگ گیا۔ لوگوں کے پاس گھوڑے نہیں تھے ایک شخص نے اسے تیر مارا تو اللہ تعالیٰ نے اس جانور کو روک دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ جانور بھی وحشی جانوروں کی طرح سرکش ہو جاتے ہیں، تو ان میں سے جو اس طرح کی حرکت کرے تو تم اس کے ساتھ اسی طرح کا سلوک کرو۔

مانوس جانوروں میں سے اگر کوئی جانور وحشی بن جائے تو اس میں ذبح اضطراری کفایت کر جائے گی جیسے کہ وحشی جانوروں میں ذبح اضطراری کفایت کر جاتی ہے اسی کو بتلانے کے لیے باب قائم کیا۔

تشریح: لوگوں کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ بدک گیا اور بھاگنا شروع کر دیا اور ان کے پاس گھوڑے بھی نہیں تھے کہ ان پر سوار ہو اس اونٹ کو پکڑتے پس ایک شخص نے اس پر تیر پھینکا تیر لگنے کی وجہ سے وہ مر گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان چوپایوں میں سے سرکش ہیں جیسے وحشی جانوروں میں سے سرکش ہیں جو ایسا کرے تو اس کے ساتھ ایسے کرو۔



أَبْوَابُ الْأَضَاحِي

قربانی کے بیان میں

قربانی کے بارے میں نبی اکرم ﷺ سے منقول (احادیث کا) مجموعہ

ربط: پہلے ان جانوروں کا ذکر تھا جن کا ذبح کرنا جائز تھا مباح تھا لیکن عبادت نہیں تھا اب ان جانوروں کا ذکر ہے کہ جن کا ذبح کرنا عبادت بھی ہے۔

تشریح: اضاحی جمع ہے اضحیہ کی وہ جانور جو قربانی کی تاریخ ہائے متعینہ میں ذبح کیا جائے اگرچہ بعض اوقات نفس ذبیحہ کو بھی اضحیہ کہتے ہیں امام نووی فرماتے ہیں اضحیہ یوم النحر کے مذبحہ جانور کا نام ہے اس میں ہمزہ کا ضمہ و کسرہ دونوں جائز ہیں تاہم مشہور ضمہ ہے جبکہ ضحیہ بھی مروی ہے چوتھی لغت اضحیۃ بفتح الہمزہ ہے اولین کی جمع اضاحی ہے ثالث کی ضخایا اور رابع کی اضحیٰ ہے عید الاضحیٰ کی وجہ تسمیہ چوتھی لغت کے مطابق ہے۔

مذہب۔ فقہاء: اضحیہ عند الاحناف واجب ہے یعنی فرض عملی ہے اور عند الجمہور سنت مؤکدہ ہے۔

احناف کے دلائل: ① ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ (الکوثر: ۲) اور جب قرینہ صارفہ عن الوجوب نہ ہو تو امر وجوب کے لیے ہوتا ہے اور یہاں قرینہ صارفہ نہیں ہے۔

② بعض احادیث میں اضحیہ کا حکم دیا گیا ہے بصیغہ امر اور جب تک قرینہ صارفہ نہ ہو تو امر وجوب پر دال ہوتا ہے۔

③ وہ نصوص جن میں قدرت کے باوجود اضحیہ نہ کرنے پر وعید شدید کا ذکر ہے۔

④ وہ نصوص جن میں حضور ﷺ کے اضحیہ پر مداومت کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ مداومت مع الوعد علی ترک دلیل وجوب ہے۔

⑤ وہ نصوص جن میں نماز عید سے پہلے ذبح کیے گئے جانوروں کے بارے میں کہ اعادہ کیا جائے اور اعادہ کا حکم بھی دلیل ہے کہ اضحیہ بطور وجوب ہے ان نصوص کی بنا پر احناف کہتے ہیں کہ اضحیہ صاحب نصاب پر واجب ہے اور نصاب کے لیے حوالان حول شرط نہیں ہے۔

دیگر ائمہ کی دلیل: (۱) بعض حدیثوں میں اضحیہ کو ارادہ کے ساتھ معلق کیا گیا ہے: فمن اراد ان يضحيه؟

جواب: یہ ایسے ہے جیسے فرمایا: من اراد الحج فليعجل (جوجج کا ارادہ رکھے تو جلدی کرے) معلوم ہوا کہ عام ہے۔

(۲) نیز حضور ﷺ سے سوال ہوا کہ ما هذه الاضاحی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سنة ابيكم ابراهيم اس حدیث سے

معلوم ہوا کہ قربانی سنت ہے۔

جواب: یہاں سنت واجب کے مقابلے میں نہیں بلکہ سنت سے مراد طریقہ مسلوکہ فی الدین ہے۔
یوم النحر سے مراد دسویں ذوالحجہ ہے اس کی تخصیص اس وجہ سے کی کہ سب کا اتفاق ہے کہ دسویں ذوالحجہ کو قربانی کرنا افضل ہے اس لیے اس کی تخصیص کی ورنہ کوئی حصر مقصود نہیں ہے گیارہویں بھی یوم النحر ہے اور بارہویں بھی یوم النحر ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْأُضْحِيَّةِ

باب ۱: قربانی کرنے کی فضیلت کا بیان

(۱۴۱۳) مَا عَمِلَ آدِمُ مِنْ عَمَلٍ يَوْمَ النَّحْرِ أَحَبَّ إِلَى اللَّهِ مِنْ إِهْرَاقِ الدِّمَاءِ لَهَا لَتَأْتِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِقُرُونِهَا وَأَشْعَارِهَا وَأُظْلَافِهَا وَإِنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ مِنَ اللَّهِ بِمَكَانٍ قَبْلَ أَنْ يَقَعُ مِنَ الْأَرْضِ فَطَيَّبُوا بِهَا نَفْسًا.

ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: قربانی کے دن کسی بھی آدمی کا کوئی بھی عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک خون بہانے سے زیادہ محبوب نہیں ہے۔ قربانی کا وہ جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں، بالوں اور کھروں سمیت آئے گا اور بے شک (جانور کا خون) زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں (قبولیت کے مقام) پر گرتا ہے تو تم اس خوشخبری سے خوش ہو جاؤ۔
تشریح: قربانی کے فضائل دوسری احادیث میں بھی بہت آئے ہیں تاہم ابن العربی رحمہ اللہ عارضہ میں لکھتے ہیں کہ قربانی کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح ثابت نہیں ان میں لوگوں نے عجائبات نقل کیے ہیں جو صحیح نہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ قربانی جنت تک پہنچانے کی سواری ہوگی۔

بَابُ فِي الْأُضْحِيَّةِ بِكَبْشَيْنِ

باب ۲: دو مینڈھوں کی قربانی کرنا

(۱۴۱۴) صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِكَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ أَقْرَنَيْنِ ذَبَحَهُمَا بِيَدِهِ وَسَمَّى وَكَبَّرَ وَوَضَعَ رِجْلَهُ عَلَى صَفَاحِهِمَا.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے دو مینڈھوں کی قربانی کی تھی آپ نے اپنے دست مبارک کے ذریعے انہیں ذبح کیا تھا بسم اللہ پڑھی تھی، تکبیر کہی تھی اور اپنا ایک پاؤں ان کے پہلو پر رکھا تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْأُضْحِيَّةِ عَنِ الْمَيِّتِ

باب ۳: مرحوم کی طرف سے قربانی کرنا

(۱۴۱۵) عَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ كَانَ يُضَحِّي بِكَبْشَيْنِ أَحَدُهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَالْآخَرُ عَنْ نَفْسِهِ فَقِيلَ لَهُ فَقَالَ أَمَرَنِي بِهِ يَغْنِي النَّبِيُّ ﷺ فَلَا أَدْعُهُ أَبَدًا.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بات منقول ہے۔ وہ ہمیشہ دو مینڈھوں کی قربانی کیا کرتے تھے جن میں سے ایک نبی اکرم ﷺ کی طرف سے ہوتا تھا اور دوسرا اپنی طرف سے ہوتا تھا جب ان سے اس بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے ارشاد فرمایا آپ ﷺ نے مجھے اس بات کا حکم دیا ہے (راوی کہتے ہیں) یعنی نبی اکرم ﷺ نے (یہ حکم دیا ہے) (حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) اس لئے میں اسے کبھی ترک نہیں کروں گا۔

فائدہ: ائمہ اربعہ کے نزدیک میت کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے اور اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے غیر مقلدین اس کا انکار کرتے ہیں ان کے نزدیک میت کی طرف سے قربانی جائز نہیں اور ابن المبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے قربانی کرنے کی بہ نسبت میت کی طرف سے صدقہ کرنا زیادہ پسند ہے اور اگر کوئی قربانی کرے تو اس کا گوشت صدقہ کرنا واجب ہے مگر ائمہ اربعہ رحمہم السلام کے نزدیک تصدق ضروری نہیں عام قربانی کی طرح اس کا گوشت بھی کھا سکتے ہیں کیونکہ وہ قربانی علی ملک الحی ہوتی ہے یعنی خود قربانی کرنے والے کی ملک ہوتی ہے البتہ اس کا ثواب مرنے والے کو پہنچایا جاتا ہے ہاں اگر میت نے وصیت کی ہو اور اس کے ترکہ سے قربانی کی جائے تو پھر گوشت صدقہ کرنا واجب ہے کیونکہ وہ بحکم نذر ہے۔

بَابُ مَا يُسْتَحَبُّ مِنَ الْأَضَاحِ

باب ۴: کون سے جانور کی قربانی مستحب ہے؟

(۱۳۱۶) صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِكَغَبِشٍ أَقْرَنَ فَحِيلٍ يَأْكُلُ فِي سَوَادٍ وَيَمْشِي فِي سَوَادٍ وَيَنْظُرُ فِي سَوَادٍ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے سینگ والے، نرمینڈھے کی قربانی کی تھی اس کا منہ، چاروں پاؤں اور آنکھیں سیاہ تھیں۔

قربانی اس جانور کی مستحب ہے جس کا گوشت عمدہ ہو اور فقہاء کرام نے گوشت کی عمدگی کا سب سے پہلے لحاظ کیا ہے باقی چیزوں کو دوسرے نمبر پر رکھا ہے۔

بَابُ مَا لَا يَجُوزُ مِنَ الْأَضَاحِ

باب ۵: کون سے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے

(۱۳۱۷) قَالَ لَا يُضْحَى بِالْعَرَّ جَاءَ بَيْنَ ظَلْعُهَا وَلَا بِالْعَوْدَاءِ بَيْنَ عَوْرَتِهَا وَلَا بِالْمَرِيضَةِ بَيْنَ مَرَضِهَا وَلَا بِالْعَجْفَاءِ الَّتِي لَا تُنْقَى.

ترجمہ: حضرت براء بن عازب "مرفوع" روایت کے طور پر نقل کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ایسے لنگڑے جانور، جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو، ایسا کا نا جانور، جس کا کا نا پن ظاہر ہو، ان کی قربانی نہ کی جائے۔ اسی طرح بیمار، نہایت کمزور جانور کی بھی قربانی نہ کی جائے، جس کی بیماری ظاہر ہو یا جس کی ہڈیوں میں گودا ہی نہ ہو (یعنی وہ اتنا زیادہ کمزور ہو)۔

تشریح: عیب دار جانور کی قربانی جائز نہیں اور وہ عیب جن کی وجہ سے قربانی صحیح نہیں ہوتی یہ ہیں:

① وہ جانور جو اتنا لنگڑا ہو کہ فقط تین پاؤں سے چلتا ہو چوتھا پاؤں زمین پر رکھتا ہی نہ ہو یا چوتھا رکھتا تو ہو مگر اس سے چل نہ سکتا ہو تو اس کی قربانی درست نہیں وہ واضح لنگڑا اور جو چلتے وقت لنگڑا پاؤں ٹیک کر چلتا ہو اور چلنے میں اس سے سہارا لیتا ہو اگرچہ لنگڑا کر چلتا ہو تو اس کی قربانی درست ہے یہ واضح لنگڑا نہیں۔

② وہ جانور جو اندھایا کاٹا ہو یعنی ایک آنکھ کی تہائی یا اس سے زیادہ روشنی چلی گئی ہو تو اس کی قربانی درست نہیں یہ واضح کاٹا ہے۔

③ ایسا بیمار جانور جو گھاس نہ کھاتا ہو اس کی قربانی بھی درست نہیں۔

④ اتنا بلامریل جانور جس کی ہڈیوں میں گودا نہ رہا ہو اور اس کی علامت یہ ہے کہ وہ پیروں پر کھڑا نہ ہو سکتا ہو اس کی قربانی درست نہیں۔

فائدہ: جس جانور کا سینگ بالکل جڑ سے ٹوٹ گیا ہو اس کی قربانی درست نہیں البتہ پیدائشی سینگ نہ ہوں یا سینگ کا خول اتر گیا ہو یا گری (اصل سینگ) کا کچھ حصہ ٹوٹ گیا ہو اس کی قربانی درست ہے۔

بَابُ مَا يَكْرَهُ مِنَ الْأَضَاحِ

کس جانور کی قربانی مکروہ ہے؟

(۱۴۱۸) أَمَرَ نَارِسُؤْلُ اللَّهِ ﷺ أَنْ تُسْتَشْرِفَ الْعَيْنَ وَالْأُذُنَ وَأَنْ لَا تُضَحَّى بِمُقَابِلَةٍ وَلَا مُدَابِرَةٍ وَلَا شَرْقَاءَ وَلَا خَرْقَاءَ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ہمیں یہ ہدایت کی تھی ہم (قربانی کے جانور کی) آنکھ اور کان کا اچھی طرح جائزہ لیں اور ہم کوئی ایسا جانور قربان نہ کریں جس کا کان آگے کی طرف سے یا پیچھے کی طرف سے کٹا ہوا ہو یا اس میں سوراخ موجود ہو۔

تشریح: قربانی کے تعلق سے لایجوز اور مکروہ ایک ہیں پس اس باب میں بھی وہی مسئلہ ہے جو گذشتہ باب میں تھا یعنی عیب دار جانور کی قربانی جائز نہیں۔

وہ جانور جن کی قربانی مکروہ ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں حضور ﷺ نے حکم فرمایا کہ ہم قربانی کے جانوروں کی آنکھوں اور کانوں کو غور سے دیکھیں مقابلہ جس کا کان اگلی جانب سے کٹا ہوا ہو اور لٹک رہا ہو مدابره جس کا کان پیچھے سے کٹا ہوا ہو اور لٹک رہا ہو شرقاء جس کا کان طولا کٹا ہوا ہو (یا پھٹا ہوا ہو) خرقاء جس کے کان کے اندر گول سراخ ہو بعضوں نے کہا کہ جو عرضا پھٹا ہوا ہو اس قسم کے عیوب کو دیکھیں کہ اگر عیب یسر ہے تو پھر کوئی مانع نہیں یہ قابل برداشت ہے اور اگر عیب کثیر ہے تو یہ قابل برداشت نہیں ہے لہذا یہ مانع ہے۔ باقی عیب کثیر اور قلیل کے درمیان کیا فرق ہے: (۱) ثلث یا مافوق الثلث کثیر ہے اور مادون الثلث یسر ہے۔ (۲) ربع اور مافوق الربع کثیر ہے اور مادون الربع یسر ہے۔ (۳) نصف اور مافوق النصف کثیر ہے اور مادون النصف یسر ہے۔

توضیح راوی: راوی تھے شریح بن نعمان امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شریح کل تین ہیں:

(۱) شریح بن نعمان ساعدی کوفی۔

(۲) شریح بن حارث ان کی نسبت کسندی ہے اور یہ کسندہ قبیلہ ہے علاقہ کوفہ ہے اور یہ قاضی بھی ہیں اور ان کی کنیت ابوالیسر ہے۔

(۳) شریح بن ہانی یہ بھی کوفی ہیں البتہ ان کے والد جوہانی ہیں لہ صحبہ (یہ صحابی ہیں) ان تینوں کے اندر قدر مشترک یہ ہے کہ یہ تینوں اصحاب علی رضی اللہ عنہ میں سے ہیں اور ایک ہی زمانہ کے ہیں۔

بَابُ فِي الْجَذْعِ مِنَ الضَّانِ فِي الْأَضَاحِي

باب ۷: چھ ماہ کی بھیڑ کی قربانی

(۱۴۱۹) جَلَبْتُ غَنَمًا جَذْعَانًا إِلَى الْمَدِينَةِ فَكَسَدْتُ عَلَى فَلَقَيْتُ أَبَاهُ يَزِيدَ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: نَعَمْ أَوْ نَعَمَتِ الْأُضْحِيَّةُ الْجَذْعُ مِنَ الضَّانِ قَالَ فَأَنْتَهَبُهُ النَّاسُ.

ترجمہ: ابو کباش بیان کرتے ہیں: میں چھ ماہ کے دنبے کو فروخت کرنے کے لئے مدینہ منورہ لے کر گیا لیکن وہ فروخت نہ ہوئے میری ملاقات حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی میں نے ان سے اس بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے ارشاد فرمایا۔ میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: بہترین قربانی چھ ماہ کی بھیڑ کی ہے۔ راوی بیان کرتے ہیں۔ یہ سن کر لوگوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ خرید لیا۔

(۱۴۲۰) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَعْطَاكَ غَنَمًا يُقَسِّمُهَا عَلَى أَصْحَابِهِ ضَحَايَا فَبَقِيَ عُثُودٌ أَوْ جَذْمٌ فَقَدْ كَرِهْتُ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ صَحِّحْ بِهِ أَنْتَ.

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے انہیں کچھ بکریاں عطا کی تاکہ ان بکریوں کو نبی اکرم ﷺ کے اصحاب کے درمیان قربانی کرنے کے لئے تقسیم کر دیں ان میں سے ایک ”عثود یا جدی“ باقی بچ گئی (یعنی ایک سال کی بکری یا چھ ماہ کا بچہ) راوی بیان کرتے ہیں۔ میں نے اس بات کا تذکرہ نبی اکرم ﷺ سے کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ اسے تم قربان کولو۔

تشریح: تمام ائمہ رحمہم متفق ہیں کہ قربانی کا جانور جوان ہونا ضروری ہے بچے کی قربانی درست نہیں اور جانور اس وقت جوان ہوتا ہے جب اس کے دودھ کے دانت ٹوٹتے ہیں عربی میں اس کو ثنی (وہ جانور جس کے سامنے کے دانت گر گئے ہوں) اور من (بڑی عمر کا مراد جوان جانور) کہتے ہیں اور اونٹ پانچ سال میں گائے بھینس دو سال میں اور بھیڑ بکری ایک سال میں جوان ہوتے ہیں پس اس سے کم عمر کے جانور کی قربانی درست نہیں البتہ بھیڑ دنبہ خواہ چکیتی دار ہو یا بے چکیتی اگر چھ ماہ یا زیادہ عمر کا ہو اور فرہ ہو کہ اگر سال بھر کی بھیڑوں میں چھوڑ دیا جائے تو دور سے چھوٹا معلوم نہ ہو: ایسی بھیڑ کی قربانی درست ہے۔

بَابُ فِي الْأَشْرَاقِ فِي الْأَضْحِيَّةِ

باب ۸: بڑے جانور میں کتنے آدمی شریک ہو سکتے ہیں

(۱۳۲۱) كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي سَفَرٍ فَخَضَرَ الْأَضْحَى فَاشْتَرَكْنَا فِي الْبَقْرَةِ سَبْعَةً وَفِي الْبَعِيرِ عَشْرَةً.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ہم لوگ نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ ایک سفر میں شریک تھے عید الاضحیٰ کا موقع آ گیا تو ہم لوگ سات آدمی ایک گائے میں اور دس آدمی ایک اونٹ میں شریک ہوئے۔

(۱۳۲۲) نَحَرْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ بِالْحَدِيدِيَّةِ الْبَدَنَةَ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْبَقْرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم نے نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ حدیبیہ کے مقام پر سات آدمیوں کی طرف سے ایک اونٹ اور سات آدمیوں کی طرف سے ایک گائے قربان کی۔

تشریح: ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے نزدیک اونٹ گائے بھینس میں زیادہ سے زیادہ سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں اور حضرت اسحاق رحمہ اللہ کے نزدیک اونٹ میں دس آدمی شریک ہو سکتے ہیں تفصیل کتاب الحج میں گزر چکی ہے۔

بَابُ فِي الضَّحِيَّةِ بَعْضَاءَ الْقَرْنِ وَالْأَذْنِ

باب ۹: ٹوٹے سینگ یا کٹے کان والے جانور کی قربانی کا بیان

(۱۳۲۳) الْبَقْرَةُ عَنْ سَبْعَةٍ قُلْتُ فَإِنْ وَلَدَتْ قَالَ اذْبَحْ وَلَدَهَا مَعَهَا قُلْتُ فَالْعَزَّاءُ قَالَ إِذَا بَلَغَتْ الْمَنَسِكَ قُلْتُ فَمَكْسُورَةُ الْقَرْنِ فَقَالَ لَا بَأْسَ أَمْرًا أَوْ أَمَرَ تَارَسُورُ اللَّهِ ﷺ أَنْ تُسْتَشِيرَ الْعَيْنَيْنِ وَالْأُذُنَيْنِ

ترجمہ: حجیہ بن عدی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بات نقل کرتے ہیں: انہوں نے ارشاد فرمایا ہے۔ گائے کو سات آدمیوں کی طرف سے قربان کیا جائے گا۔ راوی بیان کرتے ہیں۔ میں نے دریافت کیا۔ اگر وہ بچے کو جنم دے؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم اس کے ساتھ اس کے بچے کو بھی ذبح کر دو۔

راوی بیان کرتے ہیں: میں نے عرض کی۔ اگر وہ لنگڑی ہو تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اگر وہ قربان گاہ تک پہنچ سکتی ہو (تو قربانی جائز ہوگی)۔

(۱۳۲۴) قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ يُضْحَى بِأَعْضَبِ الْقَرْنِ وَالْأُذْنِ قَالَ قِتَادَةُ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِسَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ فَقَالَ الْعَضْبُ مَا بَلَغَ النِّصْفَ فَمَا فَوْقَ ذَلِكَ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے اس بات سے منع کیا ہے ٹوٹے ہوئے سینگ یا کٹے کان والے جانور کو قربان کیا جائے۔

قائدہ نبی ﷺ بیان کرتے ہیں: میں نے اس روایت کا تذکرہ سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے کیا تو انہوں نے ارشاد فرمایا: لفظ غضب سے مراد یہ ہے۔ جس کا نصف یا اس سے زیادہ (سینگ ٹوٹا ہوا یا کان کٹا ہوا) ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الشَّاةَ الْوَاحِدَةَ تُجْزَى عَنْ أَهْلِ الْبَيْتِ

باب ۱۰: ایک بکری پوری فیملی کی طرف سے قربانی ہو سکتی ہے؟

(۱۳۲۵) سَأَلْتُ أَبَا أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيَّ كَيْفَ كَانَتِ الصَّحَابَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ كَانَ الرَّجُلُ يُضْحِي بِالشَّاةِ عَنْهُ وَعَنْ أَهْلِ بَيْتِهِ فَيَأْكُلُونَ وَيُطْعَمُونَ حَتَّى تَبَاهِيَ النَّاسُ فَصَارَتْ كَمَا تَرَى.

ترجمہ: عطاء بن یسار بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا۔ نبی اکرم ﷺ کے زمانہ اقدس میں قربانی کس طرح ہوا کرتی تھی؟ تو انہوں نے جواب دیا۔ ایک آدمی ایک بکری کو اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے قربان کر لیتا تھا اور وہ لوگ اسے کھا لیتے تھے اور دوسروں کو بھی کھلایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ (بعد کے زمانے میں) لوگ ایک دوسرے کے مقابلے میں فخر کا اظہار کرنے لگے اور صورتحال وہ ہو گئی جواب تم دیکھتے ہو۔

مذہب فقہاء: ① امام مالک اور امام احمد رحمہما کے نزدیک اگر کوئی شخص پوری فیملی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرے تو جائز ہے سب کی طرف سے قربانی ہو جائے گی بشرطیکہ وہی تنہا اس بکری کا مالک ہو اور سب گھر والے ایک ہی گھر میں رہتے ہوں۔

② حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک ایک بکری سب گھر والوں کی طرف سے کافی نہیں ہر صاحب نصاب پر مستقل قربانی واجب ہے اگرچہ رشتہ دار ہوں اور ایک ہی گھر میں رہتے ہوں کیونکہ قربانی ایک عبادت ہے اور عبادت ہر شخص پر لازم ہے اس میں ایک دوسرے کی طرف سے قائم مقام نہیں کر سکتا۔ امام مالک رحمہ اللہ وغیرہ کا استدلال باب کی حدیث سے ہے۔

احناف فرماتے ہیں: حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہے کہ نبی ﷺ کے زمانہ میں لوگ عام طور پر غریب ہوتے تھے اور گھر کے ایک شخص پر ہی قربانی واجب ہوتی تھی وہی قربانی کرتا تھا اور ایک ہی قربانی کرتا تھا جس کو سب کھاتے تھے پھر مفاخرت کا سلسلہ شروع ہو گیا اور لوگ کئی کئی قربانیاں کرنے لگے (مفاخرت کبھی بیش قیمت جانور میں ہوتی ہے اور کبھی قربانیوں کی تعداد میں) پس اس حدیث سے امام مالک رحمہ اللہ وغیرہ کا استدلال درست نہیں۔ ان حضرات کی دوسری دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے ایک مینڈھے کی قربانی کی اور اس میں امت کے ان لوگوں کو شریک کیا جو استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے قربانی نہیں کر سکے تھے معلوم ہوا کہ اپنی قربانی میں دوسروں کو شریک کر سکتے ہیں۔

جواب: یہ ہے کہ یہ روایت مختصر ہے پوری روایت یہ ہے کہ آپ ﷺ نے دو مینڈھے قربان کئے تھے ایک اپنی طرف سے واجب قربانی کی تھی اور دوسری نفل قربانی کی تھی جس میں امت کو شریک کیا تھا یعنی ان کو ایصالِ ثواب کیا تھا اور ایسا کرنا جائز ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں مسئلہ واجب قربانی میں دوسروں کو شریک کرنے کا ہے اور اس کی کوئی دلیل نہیں۔

بَابُ وَجُوبِ الْأُضْحِيَّةِ

باب ۱۱: قربانی کرنا سنت ہے

(۱۳۲۶) أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ ابْنَ عُمَرَ عَنِ الْأُضْحِيَّةِ أَوْاجِبَةٌ هِيَ فَقَالَ ضَحَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَالْمُسْلِمُونَ فَأَعَادَهَا عَلَيْهِ فَقَالَ اتَّعَقِلْ ضَحَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَالْمُسْلِمُونَ.

ترجمہ: جلد بن حکیم بیان کرتے ہیں: انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے قربانی کے بارے میں دریافت کیا۔ کیا یہ واجب ہے؟ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا نبی اکرم ﷺ نے قربانی کی ہے۔ مسلمانوں نے بھی کی ہے۔ راوی نے دوبارہ ان سے یہ سوال کیا، تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا۔ کیا تمہیں سمجھ نہیں آتی نبی اکرم ﷺ نے اور مسلمانوں نے قربانی کی ہے۔

(۱۳۲۷) أَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِالْمَدِينَةِ عَشَرَ سِنِينَ يُضَحِّي.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ دس برس مدینہ منورہ میں قیام پذیر رہے اور آپ نے (ہر سال) قربانی کی۔

بَابُ فِي الذَّبْحِ بَعْدَ الصَّلَاةِ

باب ۱۲: نماز (عید) پڑھنے کے بعد قربانی کرنا

(۱۳۲۸) خَطَبَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي يَوْمِ نَحْرٍ فَقَالَ لَا يَذْبَحَنَّ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُصَلِّيَ قَالَ فَقَامَ خَالِي فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ هَذَا يَوْمٌ مَكْرُوهٌ وَإِنِّي عَجَلْتُ نُسْكَى لِأُطْعِمَ أَهْلِي وَأَهْلَ دَارِي أَوْ جِئْتَنِي قَالَ فَأَعِدْ ذَبْحًا آخَرَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ عِنْدِي عَنَاقُ لَبَنٍ وَهِيَ خَيْرٌ مِنْ شَاةٍ لَحْمٍ أَفَأَذْبَحُهَا قَالَ نَعَمْ وَهِيَ خَيْرٌ نَسِيكَتِكَ وَلَا تُجْزِ جَذْعَةٌ بَعْدَكَ.

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے عید قربان کے دن ہمیں خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: کوئی بھی شخص اس وقت تک قربانی نہ کرے جب تک وہ نماز عید ادا نہ کر لے۔ راوی بیان کرتے ہیں۔ میرے ماموں کھڑے ہوئے انہوں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ! آج کے دن گوشت سے لوگ جلد اکٹا جاتے ہیں، اس لئے میں نے جلدی قربانی کر لی ہے تاکہ اپنے گھر والوں کو اپنے محلے والوں کو (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) اپنے پڑوسیوں کو (گوشت) کھلا دوں تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ تم دوبارہ دوسری قربانی کرو انہوں نے عرض کی۔ لیکن اس کی عمر ایک سال سے کم ہے کیا میں اسے قربان کر دوں؟ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ہاں وہ تمہاری بہترین قربانی ہوگی۔ لیکن تمہارے بعد کسی بھی شخص کے لئے ایک سال سے کم عمر بکری کی قربانی جائز نہیں ہوگی۔

بَابُ فِي كَرَاهِيَةِ أَكْلِ الْأَضْحِيَّةِ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ

باب ۱۳: تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت کھانا مکروہ ہے

(۱۳۲۹) لَا يَأْكُلُ أَحَدُكُمْ مِنَ لَحْمِ أُضْحِيَّتِهِ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ فرمان نقل کرتے ہیں: کوئی بھی شخص تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت نہ کھائے۔
یہ دو باب ہیں پہلے باب میں یہ مسئلہ ہے کہ قربانی کا گوشت صرف ایام قربانی (۱۰-۱۲) میں کھا سکتے ہیں اس کے بعد نہیں کھا سکتے۔ آنحضور ﷺ نے ایک سال یہ اعلان کرایا تھا کہ تین دن کے بعد کوئی قربانی کا گوشت نہ کھائے کیونکہ مدینہ منورہ میں باہر سے بہت مسلمان آگئے تھے پس آپ ﷺ نے چاہا کہ سب کو گوشت پہنچے مگر آئندہ سال بھی صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس پر عمل کیا تو آپ ﷺ نے پھر اعلان کرایا کہ ایام قربانی کے بعد بھی قربانی کا گوشت کھا سکتے ہیں اور پہلے اعلان کی وجہ سمجھائی کہ وہ مصلحت تھی مسئلہ نہیں تھا۔
ہذا یوم اللحم فیہ مکروہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے ماموں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ یہ ایسا دن ہے جس میں گوشت مکروہ ہے طبیعت کو مرغوب نہیں اس میں اختلاف ہے کہ اس کا کیا مطلب ہے اس کی کئی توجیہات ہیں۔

تشریح: توجیہ (۱): اے اللہ کے پیغمبر یہ قربانی کا دن ایسا ہے جس کے ابتدائی حصہ میں گوشت مرغوب ہوتا ہے ہر شخص کی رغبت ہوتی ہے اور دن کے آخر حصہ میں غیر مرغوب ہو جاتا ہے بار بار کھالینے کی وجہ سے یاد کیھنے کی وجہ سے اس وجہ سے کہ کیونکہ دن کے ابتدائی حصہ میں رغبت ہوتی ہے اور دن کے آخری حصہ میں رغبت باقی نہیں رہتی اس لیے میں نے خیال کیا کہ دن کے ابتدائی حصہ میں میں قربانی کر لوں تاکہ میرے اہل و عیال اور ہمسائے رغبت کے وقت گوشت کھالیں اس لیے میں نے قربانی کا جانور نماز سے پہلے ذبح کر لیا۔

توجیہ (۲): یہاں مضاف مخدوف ہے کہنا یہ چاہیے کہ یہ ایسا دن ہے جس میں دوسرے گوشت کا سوال کرنا گوشت کا لالچ کرنا کہ فلاں گھر سے آئے گا فلاں گھر سے آئے گا پھر پکایا جائے گا پھر کھایا جائے گا یہ ناپسندیدہ ہے تو میں نے یہ خیال کیا کہ نماز سے پہلے ذبح کر لوں تاکہ میرے بچوں کو دوسروں سے سوال نہ کرنا پڑے تو عبارت یوں بنے گی: ہذا یوم سوال اللحم فیہ مکروہ۔
ہذا یوم طلب اللحم فیہ مکروہ۔

توجیہ (۲): یہ لفظ لحم نہیں ہے بلکہ لحم ہے حاء کی زبر کے ساتھ اب معنی ہوگا گوشت کی لالچ کرنا تو مطلب ہوگا یہ ایسا دن ہے جس میں گوشت کی لالچ رکھنا ناپسندیدہ ہے میں نے اس خیال سے کہ میرے بچوں کے دلوں میں لالچ نہ آئے نماز سے پہلے جانور ذبح کر دیا۔ الغرض نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا پہلا ارادہ ہو دوسرا ہو یا تیسرا ہو نماز سے پہلے اگر قربانی کا جانور ذبح کر دیا پھر بھی تمہیں دوبارہ قربانی کرنا ہوگی پہلے والی کفایت نہ کرے گی معلوم ہوا کہ شہری آدمی کے لیے جو شہر کے حکم میں ہے اس کے لیے نماز سے پہلے قربانی جائز نہ ہوگی تو انہوں نے فرمایا میرے پاس عتاق لبن ہے عتاق لبن میرے پاس بکری کا بچہ ہے جو مادہ ہے اور ابھی تک۔

دودھ پی رہا ہے آیا میں اس کی قربانی کر سکتا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا اس کی قربانی کر لو عناق لبن ایک معنی یہ کیا گیا ہے اس قسم کی نسل کا ہے جو بڑے ہو کر دودھ زیادہ دیتا ہے عناق جس کی عمر سال سے کم ہو اسی وجہ سے حضور ﷺ نے فرمایا یہ صرف تیرے لیے ہی جائز ہوگا۔

سوال: بچے کا تو دودھ ہوتا ہی نہیں تو عناق لبن کیسے کہا؟

جواب: اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی دودھ پی رہا ہے یا پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسی نسل کا ہے جو نسل بڑی ہو کر دودھ زیادہ دیتی ہے۔

بَابُ فِي الرُّخْصَةِ فِي أَكْلِهَا بَعْدَ ثَلَاثِ

باب ۱۴: تین دن کے بعد قربانی کا گوشت کھانے کی اجازت

(۱۴۳۰) كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ لُحُومِ الْأَضَاحِيِّ فَوْقَ ثَلَاثٍ لِيَتَّسِعَ ذُو الطَّوْلِ عَلَى مَنْ لَا طَوْلَ لَهُ فَكُلُوا مَا بَدَا لَكُمْ وَأَطْعِمُوا وَادَّخِرُوا.

ترجمہ: سلیمان بن بریدہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے تمہیں پہلے تین دن سے زیادہ قربانی کو گوشت استعمال کرنے سے منع کیا تھا تا کہ صاحب حیثیت لوگ غریب لوگوں کو زیادہ گوشت دیں اب تم جتنا مناسب سمجھو اسے کھاؤ اور دوسروں کو بھی کھلاؤ اور ذخیرہ کر کے رکھو۔

(۱۴۳۱) قُلْتُ لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِينَ أَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَنْهَى عَنْ لُحُومِ الْأَضَاحِيِّ قَالَتْ لَا وَلَكِنْ قُلْ مَنْ كَانَ يُضَيِّجُ مِنَ النَّاسِ فَأَحَبُّ أَنْ يَطْعَمَ مَنْ لَمْ يَكُنْ يُضَيِّجُ وَلَقَدْ كُنَّا نَرْفَعُ الْكُرَاعَ فَنَأْكُلُهُ بَعْدَ عَشْرَةِ أَيَّامٍ.

ترجمہ: عابس بن ربیعہ بیان کرتے ہیں: میں نے سیدہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا۔ کیا نبی اکرم ﷺ نے قربانی کا گوشت استعمال کرنے سے منع کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا۔ نہیں! بلکہ ایک مرتبہ لوگوں نے کم قربانی کی تو آپ ﷺ کو یہ اچھا لگا کہ وہ لوگ (جنہوں نے قربانی کی ہے) وہ ان کو کھلائیں جنہوں نے قربانی نہیں کی ہے۔ (ام المؤمنین بیان کرتی ہیں) ہم لوگ تو ایک پایا سنبھال کر رکھ لیتے تھے اور اسے دس دن گزرنے کے بعد کھایا کرتے تھے۔

بَابُ فِي الْفَرْعِ وَالْعَتِيرَةِ

باب ۱۵: فرع اور عتیرہ کا بیان

(۱۴۳۲) لَا فَرْعَ وَلَا عَتِيرَةَ وَالْفَرْعُ أَوَّلُ النَّتَاجِ كَانَ يُنْتَجَجُ لَهُمْ فَيَذْبَحُونَهُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ فرع اور عتیرہ کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ راوی بیان کرتے ہیں۔ فرع جانور کے پیدا ہونے والے پہلے بچے کو کہتے ہیں جسے کافر اپنے بتوں کے لئے ذبح کیا کرتے تھے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْعَقِيقَةِ

باب ۱۶: عقیقہ کا بیان

(۱۴۳۳) أَنَّهُمْ دَخَلُوا عَلَى حَفْصَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ فَسَأَلُوهَا عَنِ الْعَقِيقَةِ فَأَخْبَرَتْهُمْ أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَمَرَهُمْ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ مُكَافِئَتَانِ وَعَنِ الْبُكَارِيَةِ شَاةٌ.

ترجمہ: یوسف بن مالک بیان کرتے ہیں: وہ لوگ سیدہ حفصہ بنت عبد الرحمن رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے عقیقہ کے بارے میں دریافت کیا، تو سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے انہیں بتایا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں یہ بات بتائی تھی کہ نبی اکرم ﷺ نے لڑکے کے بارے میں لوگوں کو (عقیقہ کے موقع پر) دو بکریاں ذبح کرنے اور لڑکی کے عقیقہ پر ایک بکری ذبح کرنے کی ہدایت کی تھی۔

(۱۴۳۴) مَعَ الْغُلَامِ عَقِيقَةٌ فَأَهْرَيْقُوا عَنْهُ دَمًا وَآمِطُوا عَنْهُ الْأَذَى.

ترجمہ: حضرت سلمان بن عامر بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بچے کا عقیقہ ہوتا ہے تو اس کی طرف سے خون بہاؤ اور اس سے گندگی کو دور کر دو (یعنی بال صاف کر دو)۔

(۱۴۳۵) أَنَّ أُمَّ كُرْزٍ أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا سَأَلَتْ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنِ الْعَقِيقَةِ فَقَالَ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ وَعَنِ الْأُنْثَى وَاحِدَةٌ وَلَا يَضُرُّكُمْ ذُكْرَانَا كَنْ أَمْرَانَا.

ترجمہ: سیدہ ام کرز رضی اللہ عنہا نے یہ بات بیان کی ہے: میں نے نبی اکرم ﷺ سے عقیقہ کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا۔ لڑکے کے عقیقہ میں دو بکریاں اور لڑکی کے عقیقہ میں ایک بکری ذبح کی جائے گی اور وہ بکرا ہو یا بکری، اس سے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔

مذہب فقہاء: عقیقہ: ① احناف کے نزدیک مستحب ہے۔ ② شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک سنت ہے۔ ③ حنابلہ کے نزدیک سنت یا واجب ہے

دوسرا مسئلہ: ① امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک لڑکے اور لڑکی کا عقیقہ یکساں ہے یعنی دونوں کا ایک بکری سے عقیقہ کرنا مسنون ہے۔ ② باقی ائمہ کے نزدیک لڑکے کی طرف سے دو اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری کا عقیقہ مستحب ہے باب کی حدیث جمہور کی دلیل ہے۔ عقیقہ میں فدیہ کے معنی ہیں اس سے بچے کی بلائیں دور ہوتی ہیں آگے حدیث آ رہی ہے کہ لڑکا گروی رکھا ہوا ہے کہ یعنی لڑکا معرض آفات میں رہتا ہے عقیقہ کے ذریعہ اس کو چھڑایا جاتا ہے۔ یعنی عقیقہ سے اس کی آفتیں ملتی ہیں اور لڑکے پر چونکہ لڑکی کی بہ نسبت آفتیں زیادہ آتی ہیں اس لیے شریعت نے لڑکے کی طرف سے دو بکریوں کا عقیقہ مسنون کیا اور لڑکی کی طرف سے ایک کا علاوہ ازیں لڑکے کی خوشی دو چند ہوتی ہے اس لیے عقیقہ کی مانگ کرنے والے بھی زیادہ ہوتے ہیں پس دو بکریاں ذبح کریں تاکہ سب کو گوشت پہنچے۔

بَابُ الْإِذَانِ فِي أَذَنِ الْمَوْلُودِ

باب ۱۷: نومولود کے کان میں اذان دینا

(۱۴۳۶) رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَذَّنَ فِي أُذُنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ حِينَ وَلَدَتْهُ فَاطِمَةُ بِالصَّلَاةِ.

ترجمہ: عبید اللہ بن ابورافع اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں۔ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے کان میں اذان دی جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے انہیں جنم دیا تھا۔

(۱۴۳۷) خَيْرُ الْأُصْحِيَةِ الْكَبْشُ وَخَيْرُ الْكَفَنِ الْحُلَّةُ.

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ سب سے بہترین قربانی مینڈھے کی ہے اور سب سے بہترین کفن حلہ ہے۔

(۱۴۳۸) كُنَّا وَقُوفًا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ بِعَرَافَاتٍ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَلَى كُلِّ أَهْلٍ بَيْتٍ فِي كُلِّ عَامٍ أُصْحِيَّةٌ وَعَتِيرَةٌ هَلْ تَدْرُونَ مَا الْعَتِيرَةُ هِيَ الَّتِي تَسْمُوْنَهَا الرَّجْبِيَّةَ.

ترجمہ: حضرت مخنف بن سلیم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم لوگوں نے نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ عرافات میں وقوف کیا ہوا تھا میں نے آپ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا۔ اے لوگو! ہر گھر میں ہر سال ایک قربانی اور عتیرہ لازم ہے، کیا تم لوگ جانتے ہو عتیرہ سے مراد کیا ہے؟ یہ وہ چیز ہے، جسے تم ”رحیہ“ کا نام دیتے ہو۔

اور یہ حکم اس لیے ہے کہ دنیا میں آنے کے بعد پہلا کلمہ جو بچے کے کان میں پڑے وہ اللہ کا نام ہونا چاہیے اور اذان و اقامت کی تخصیص اس لیے ہے کہ بچے کے دل و دماغ میں نماز کی اہمیت جاگزیں ہو اور دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ اذان سے شیطان بھاگتا ہے اور حدیث میں ہے کہ بچہ کو ولادت کے وقت شیطان ستاتا ہے جس سے بچہ چلاتا ہے۔ (بخاری حدیث ۳۴۳۱) پس ولادت کے بعد فوراً اذان دینا شیطان کو بھگانے کے لیے بھی ہے تاکہ وہ بچہ کو پریشان نہ کرے۔

فائدہ: شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ اذان و اقامت نماز جنازہ کے لیے ہیں یعنی ہر مسلمان کی پس مرگ جو نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے یہ اذان و اقامت اس کے لیے ہے۔

باب

باب ۱۸: عقیقہ میں ایک بکری (کی قربانی)

(۱۴۳۹) عَقَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنِ الْحُسَيْنِ بِشَاةٍ وَقَالَ يَا فَاطِمَةُ إِحْلِقِي رَأْسَهُ وَتَصَدَّقِي بِزَنَةِ شَعْرِهِ فَضَةٌ قَالَ فَوَزَنَتْهُ فَكَانَ وَزْنُهُ دِرْهَمًا أَوْ بَعْضُ دِرْهَمٍ.

تَرْجِمَتُہَا: امام محمد بن علی بن حسین (محمد الباقر علیہ السلام) حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابوطالب کے بارے میں یہ بات نقل کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ”حسن“ کے عقیقہ پر ایک بکری ذبح کی تھی اور ارشاد فرمایا تھا: اے فاطمہ رضی اللہ عنہا! اس کے سر کے بال منڈوا دو اور ان بالوں کے وزن جتنی چاندی صدقہ کر دو جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ان کا وزن کیا، تو اس کا وزن ایک درہم یا ایک درہم کے کچھ حصے جتنا تھا۔

(۱۳۴۰) اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ ثُمَّ نَزَلَ فَدَعَا بِكَبْشَيْنِ فَذَبَحَهُمَا.

تَرْجِمَتُہَا: عبدالرحمن بن ابوبکرہ اپنے والد کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا پھر آپ منبر سے نیچے تشریف لائے آپ نے دو مینڈھے منگوائے اور انہیں ذبح کر دیا۔

(۱۳۴۱) شَهِدْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَصْحَى بِالْبَصَلِ فَلَمَّا قَضَى خُطْبَتَهُ نَزَلَ عَنْ مِئْبَرِهِ فَأَتَى بِكَبْشٍ فَذَبَحَهُ رَسُولُ اللَّهِ بِيَدِهِ وَقَالَ بِسْمِ اللَّهِ وَاللَّهُ أَكْبَرُ هَذَا عَمِّي وَعَمَّنْ لَمْ يُضْخْ مِنْ أُمَّتِي.

تَرْجِمَتُہَا: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ عید الاضحیٰ کے موقع پر عید گاہ میں موجود تھا جب آپ نے اپنا خطبہ ختم کیا، تو آپ منبر سے نیچے تشریف لائے آپ کے پاس ایک دنبہ لایا گیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک کے ذریعے اسے ذبح کیا اور یہ پڑھا۔

اللہ تعالیٰ کے نام سے برکت حاصل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے یہ میری طرف سے ہے اور میری امت کے ہر اس شخص کی طرف سے ہے۔ جو شخص قربانی نہ کر سکے۔

(۱۳۴۲) الْغُلَامُ مُرْتَمِنٌ بِعَقِيْقَتِهِ يُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ السَّابِعِ وَيُسْتَمَى وَيُخْلَقُ رَأْسُهُ.

تَرْجِمَتُہَا: حضرت سرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: بچہ اپنے عقیقے کے عوض میں رہن ہوتا ہے (اس کی پیدائش) کے ساتویں دن اس کی طرف سے جانور ذبح کیا جائے گا، اس کا نام رکھا جائے گا اور اس کا سر مونڈھ دیا جائے گا۔

تَشْرِیْح: نومولود کے بالوں کے ہم وزن چاندی صدقہ کرنا مسنون ہے اور اس کی حکمت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حجۃ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ بچہ کا پیٹ سے باہر آنا ایسی نعمت ہے جس کا شکر بجالانا ضروری ہے کیونکہ بچہ جب تک پیٹ میں تھا اس کی دید سے محرومی تھی اور جب پیدا (ظاہر) ہو گیا تو اس سے آنکھ ٹھنڈی ہوئی اور شکر یہ ادا کرنے کی بہترین صورت یہ ہے کہ نعمت سے موازنہ کر کے شکر بجالایا جائے جیسے قابل زکوٰۃ مال کو گن کر اور حساب لگا کر زکوٰۃ ادا کرنا ویسے ہی اندازے سے زکوٰۃ نکالنے سے بہتر ہے اور نومولود کے بال پیٹ کی زندگی کا بقیہ ہیں اور ان کا دور کرنا نئی مستقل زندگی کی علامت ہے اس لیے جب وہ بال کاٹے جائیں اور نئی زندگی کا آغاز ہو تو بہترین طریقہ پر شکر بجالانے کے لیے ان کو چاندی سے تولنے کا حکم دیا۔

باب

باب: امام کا عید گاہ میں قربانی کرنا

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ شَهِدْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ الْأَضْحَى بِالْمُصَلَّى فَلَمَّا قُطِيَ خُطْبَتُهُ نَزَلَ عَنْ مَنبَرِهِ فَأَتَى بِكَبْشٍ فَذَبَحَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِيَدِهِ وَقَالَ بِسْمِ اللَّهِ وَاللَّهُ أَكْبَرُ هَذَا عَيْتِي وَعَمَّنْ لَمْ يُضَحِّ مِنْ أُمَّتِي هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ وَغَيْرِهِمْ أَنْ يَقُولَ الرَّجُلُ إِذَا ذَبَحَ بِسْمِ اللَّهِ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَهُوَ قَوْلُ بِنِ الْمُبَارَكِ وَالْمُطَّلِبِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ حَنْطَلٍ يُقَالُ أَنَّهُ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ جَابِرٍ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں عید الاضحیٰ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عید گاہ میں تھا۔ جب آپ ﷺ خطبے سے فارغ ہوئے تو منبر سے نیچے آ گئے۔ پھر ایک ذنبہ لایا گیا اور آپ ﷺ نے اسے اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور ”بِسْمِ اللَّهِ وَاللَّهُ أَكْبَرُ هَذَا عَيْتِي وَعَمَّنْ لَمْ يُضَحِّ مِنْ أُمَّتِي“ پڑھا۔ ترجمہ: ”شروع اللہ کے نام سے اور اللہ بہت بڑا ہے، یہ میری طرف سے ہے اور میری امت کے ان افراد کی طرف سے جو قربانی نہیں کر سکتے۔“ یہ حدیث اس سند سے غریب ہے۔ اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔ کہ ذبح کرتے وقت ”بِسْمِ اللَّهِ وَاللَّهُ أَكْبَرُ“ پڑھا جائے۔ ابن مبارکؒ کا بھی یہی قول ہے۔ مطلب بن عبد اللہ بن حنطل کے بارے میں کہا گیا ہے کہ انہیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سماع حاصل نہیں۔

تشریح: ① حضور ﷺ نے عید گاہ میں قربانی دو وجہ سے کی تھی ایک اس لیے کہ لوگ ذبح کرنے کا طریقہ اور مسائل سیکھیں۔

② لوگوں کو ترغیب ہو اور وہ بھی قربانی کریں اس لیے کہ انسانی فطرت ہے الناس علی دین ملو کہم لوگ بڑوں کی پیروی کرتے ہیں۔

باب

عقیقہ کی حکمت

عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ مُسْلِمٍ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْغُلَامُ مَرْتَهْنٌ بِعَقِيقَتِهِ يُذَبِّحُ عَنْهُ يَوْمَ السَّابِعِ وَيُسَمَّى وَيُحْلَقُ رَأْسُهُ.

ترجمہ: حضرت سمرہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لڑکا اپنے عقیقے کے ساتھ مرتبط ہے (یعنی رہن ہے) لہذا چاہیے کہ ساتویں دن اس کا عقیقہ کر دیا جائے اور پھر اس کا نام رکھ کر سر منڈوایا جائے۔

الغلام مرتہن العقیقۃ: اصل میں لفظ رہن ہے بعض نے اس کو مرتہن سے تعبیر کر دیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ نومولود بچہ اپنے عقیقہ کی وجہ سے محبوب رہتا ہے باقی اس کی کئی توجیہات ہیں:

توجیہ ①: امام احمد بن حنبلؒ سے منقول ہے کہ ہر نومولود بچہ جو بچپن میں ہی وفات پا جائے وہ قیامت کے دن والدین کے حق میں سفارش کرے گا تو فرمایا کہ بچہ محبوب رہتا ہے یعنی والدین کے حق میں سفارش تب کریگا جب عقیقہ ہو اگر عقیقہ نہ کیا جائے

تو وہ بچہ ایسا نہیں کرے گا کہا گیا ہے کہ سب سے عمدہ مطلب یہی ہے۔

توجیہ ②: جس طرح شئی مرہونہ اور جس عند المرہن میں تلازم ہے بالکل ایسے ہی نومولود بچہ اور عقیقہ میں بھی تلازم ہے یعنی عقیقہ بھی ضروری ہے۔

توجیہ ③: یعنی بچہ کما ینبغی نشوونما پانے سے محبوس رہتا ہے اگر عقیقہ کیا جائے تو انتہائی عمدہ طریقے سے اس کی نشوونما ہوتی ہے۔

توجیہ ④: مس شیطان کے اثر میں محبوس رہتا ہے تا وقتیکہ اس کا عقیقہ کر دیا جائے اگر عقیقہ کر دیا جائے تو مس شیطان جو بوقت ولادت ہوا تھا وہ زائل ہو جاتا ہے۔

توجیہ ⑤: نومولود بچہ بالوں کی گندگی میں محبوس رہتا ہے تا وقتیکہ اس کا عقیقہ کیا جائے اس لیے کہ جس دن اس کا عقیقہ کیا جائے گا اسی دن اس کے بالوں کا حلق ہوگا تو بالوں کی گندگی دور ہوگی۔

(۱) حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے ساتویں دن کی تخصیص کی دو حکمتیں بیان فرمائی ہیں:

پہلی حکمت: ولادت اور عقیقہ کے درمیان فصل ضروری ہے کیونکہ ولادت کی ابتداء میں اہل خانہ زچہ بچہ کو سنوارنے میں مشغول ہوتے ہیں پس اس وقت میں عقیقہ کرنے کا حکم دینا مناسب نہیں اس سے گھر والوں کی مشغولیت دو چند ہو جائے گی۔

دوسری حکمت: کبھی جانور فوراً مہیا نہیں ہوتا تلاش کرنا پڑتا ہے پس پہلے ہی دن عقیقہ کرنے کا حکم دینے میں تنگی ہے اور سات دن سے معتد بہ فصل ہو جاتا ہے نہ کم نہ زیادہ اس لیے ساتویں دن عقیقہ کرنے کا حکم دیا۔ اور جانور ذبح کرنے کے بعد سر منڈانے میں حاجیوں کی مشابہت اختیار کی جاتی ہے اور ساتویں دن نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے نام رکھنے کی کچھ ضرورت نہیں۔

باب

باب ۱۹: جو شخص قربانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو، وہ بال نہ کٹوائے

(۱۴۴۳) مَنْ رَأَى هِلَالَ ذِي الْحِجَّةِ وَأَرَادَ أَنْ يُضَحِّيَ فَلَا يَأْخُذَنَّ مِنْ شَعْرِهِ وَلَا مِنْ أَظْفَارِهِ.

ترجمہ: سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتی ہیں: جو شخص ذوالحجہ کا چاند دیکھ لے اور اس کا قربانی کرنے کا ارادہ ہو تو وہ اپنے بال یا ناخن نہ کٹوائے۔

مذہب فقہاء: جب ذوالحجہ کا چاند دیکھ لے اور اس کا ارادہ قربانی کرنے کا ہو عام ازیں بطور وجوب کے ہو یا بطور تطوع کے ہو پس وہ اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے آیا یہ حکم استحبی ہے یا وجوبی ہے۔

(۱) جمہور کے ہاں یہ حکم استحبی ہے باقی اس کے خلاف میں کراہت ہے یا نہیں؟

① احناف کہتے ہیں کہ کوئی کراہت نہیں ہے۔ ② امام شافعی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ کراہت ہے۔

③ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم وجوبی ہے لیکن ان دونوں کے ماسواء خوشبو لگانا شادی شدہ لوگوں کا اپنی ازواج کے پاس جانا خصوصی انتفاع کرنا بالاجماع جائز ہے۔

أَبْوَابُ النَّذْرِ وَالْإِيْمَانِ

منتوں اور قسموں کا بیان

ربط: پہلے ان احکام کا بیان تھا جو من جانب اللہ تھے اب ان احکام کا بیان ہے جو من جانب نفسہ یعنی جن کو بندہ اپنے اوپر لازم کرتا ہے۔ نذر کے معنی منت اور یمین کے معنی ہیں قسم پھر منت کی دو قسمیں ہیں ایک وہ منت ہے جس کو پورا کرنا واجب ہے اور دوسری وہ منت ہے جس کو پورا کرنا جائز نہیں مثلاً کسی نے منت مانی کہ اگر اس کا کام ہو گیا تو وہ دس روزے رکھے گا اس منت کو پورا کرنا ضروری ہے اور اگر منت مانی کہ اس کا کام ہو گیا تو وہ اپنے لڑکے کی قربانی کرے گا یا شراب پیئے گا اس منت کا وفا (پورا کرنا) جائز نہیں۔

شرعاً جس منت کا وفا واجب ہے اس کی تعریف ہے: ایجاب الانسان علی نفسه والتزامه من طاعة یكون الواجب من جنسها۔ یعنی کسی ایسی عبادت کو اپنے ذمے لازم کرنا اور اس کو سر لینا جس کے قبیل سے کوئی واجب عبادت ہو جیسے روزہ نماز اور صدقہ وغیرہ کی منت مانی اور شرط پائی گئی تو اس کو پورا کرنا ضروری ہے اور طاعت کی قید سے مباح چیزیں نکل گئیں مثلاً منت مانی کہ اگر اس کا کام ہو گیا تو وہ دو کلو ٹماٹر کھائے گا ظاہر ہے کہ یہ کام مباح ہے اس کے قبیل سے کوئی واجب عبادت نہیں اس لیے اس منت کا وفا ضروری نہیں اسی طرح کسی گناہ کے کام کی منت مانی تو بھی اس کا وفا جائز نہیں۔

یمین کی تعریف:

عقد قوی به عزم الحالف علی الفعل او التروک یعنی کوئی ایسا عہد کرنا جس کی وجہ سے قسم کھانے والے کا کسی کام کو کرنے کا یا نہ کرنے کا ارادہ پختہ ہو جائے۔ پھر یمین کی چار قسمیں ہیں۔

① یمین منعقدہ: آئندہ کسی ممکن کام کے کرنے کا پختہ ارادہ کرنا جیسے میں کل روزہ رکھوں گا یا نہیں رکھوں گا۔

اس قسم کے بارے میں ارشاد پاک ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس قسم پر پکڑتے ہیں جس کو تم نے مضبوط کیا ہے۔ (المائدہ آیت ۸۹) یعنی اس کو توڑنے کی صورت میں کفارہ واجب ہے۔

② یمین لغو: (بیہودہ قسم) اس کی دو صورتیں ہیں ایک لوگ بول چال میں جو قسم کے ارادہ کے بغیر ہاں بخدا اور نہیں بخدا کہتے ہیں یہ یمین لغو ہے دوسری کسی گذشتہ بات پر اپنی دانست کے مطابق قسم کھانا جبکہ واقعہ میں ایسا نہ ہو جیسے کسی ذریعہ سے معلوم ہوا کہ زید آیا ہے اس پر اعتماد کر کے قسم کھائی کہ وہ آ گیا پھر ظاہر ہوا کہ نہیں آیا تو یہ یمین لغو ہے اس میں نہ کفارہ ہے نہ گناہ اس قسم کے بارے میں ارشاد پاک ہے اللہ تم کو تمہاری بیہودہ قسموں پر نہیں پکڑتے (مائدہ آیت ۸۹) یعنی اس میں کفارہ واجب نہیں۔

③ یمین غموس: قاضی کے سامنے جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانا تاکہ اپنے حق میں فیصلہ کرا کے کسی مسلمان کا مال ہتھیالے یہ سخت کبیرہ گناہ ہے۔ (مشکوٰۃ حدیث ۵۰ باب الکبائر) اسی طرح اگر کسی گزشتہ بات پر جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھائی تو وہ بھی یمین غموس ہے اور گناہ کبیرہ ہے اختلاف کے نزدیک اس میں کفارہ نہیں یہ سخت گناہ ہے توبہ لازم ہے۔

④ یمین محال: کسی محال عقلی یا عادی کی قسم کھانا۔ محال عقلی جیسے رات دن کو یکجا کر دینے کی قسم کھانا اور محال عادی جیسے آسمان پر چڑھنے کی قسم کھانا۔ آخری دونوں قسموں میں قرآن وحدیث میں کوئی نص نہیں ہے اس لیے ان میں اختلاف ہوا ہے کہ کفارہ واجب ہے یا نہیں؟ یمین غموس میں صرف امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک کفارہ واجب ہے دیگر آئمہ کے نزدیک واجب نہیں وہ اتنا بھاری گناہ ہے کہ کفارہ سے نہیں دھل سکتا توبہ ہی سے معاف ہو سکتا ہے۔ سورۃ البقرہ آیت ۲۲۵ میں ارشاد پاک ہے:

﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ (آخرت میں) تمہاری داروغہ نہ فرمائیں گے تمہاری بیہودہ قسموں پر البتہ اس پر داروغہ فرمائیں گے جس میں تمہارے دلوں نے (جھوٹ بولنے کا) ارادہ کیا ہے (مراد یمین غموس ہے) اور اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑے بردبار ہیں۔

اور محال کی قسم میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک کفارہ واجب ہے امام اعظم رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک چونکہ انعقاد یمین کے لیے امکان بر شرط ہے اس لیے ان کے نزدیک ایسی قسم منعقد نہیں ہوتی پس کفارہ واجب نہیں۔

نذر وایمان کے درمیان ربط: اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہ نذر پسندیدہ ہے نہ قسم چنانچہ بکثرت قسم کھانا ممنوع ہے اگر قسم کھانا نیکی کا کام ہوتا تو اس کی کثرت مطلوب ہوتی جیسے نماز اور روزے وغیرہ کی کثرت مطلوب ہے لیکن چونکہ یہ ایک معاشرتی ضرورت ہے لوگ بات چیت قول وقرار اور معاملات میں قسمیں کھاتے ہیں اس لیے فی الجملہ اس کو مشروع کیا گیا ہے اسی طرح نذر متعلق بھی ناپسندیدہ ہے حدیث میں ہے کہ منت نہ مانا کرو کیونکہ منت تقدیر کو نہیں ٹال سکتی اس کے ذریعہ بس بخیل کی جیب سے مال نکال لیا جاتا ہے (اور تقدیر منجر یعنی کسی چیز پر معلق کئے بغیر کوئی عبادت مقصودہ اپنے ذمے لازم کرنا پسندیدہ ہے) مگر چونکہ وہ بھی ایک معاشرتی ضرورت ہے جب لوگ پریشانیوں میں خاص طور پر بیماریوں میں پھنستے ہیں اور علاج معالجہ میں لاکھوں روپے اڑا دیتے ہیں پھر جب اس طرف سے مایوسی ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور آخری علاج کے طور پر راہ خدا میں خرچ کرنے کا عہد کرتے ہیں اس لیے اس کو بھی فی الجملہ مشروع کیا گیا اور یہ بات یعنی دونوں کا دراصل ناپسندیدہ ہونا اور معاشرتی ضرورت سے فی الجملہ مشروع ہونا دونوں کے درمیان مشترک امر ہے اس لیے کتب حدیث اور کتب فقہ میں دونوں کے احکام ساتھ ساتھ بیان کئے جاتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَن لَّا نَذَرُ فِي مَعْصِيَةٍ

باب ۱: گناہ کے کام کی منت ماننا جائز نہیں

(۱۴۴۲) لَا نَذَرُ فِي مَعْصِيَةٍ وَكَفَّارَتُهُ كَفَّارَةُ يَمِينٍ.

ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا گناہ کے کام سے متعلق نذر کی کوئی حیثیت نہیں ہے

اور اس کا کفارہ وہی ہے، جو قسم کا کفارہ ہے۔

(۱۳۴۵) لَا نَذَرَ فِي مَعْصِيَةِ اللَّهِ وَكَفَّارَتُهُ كَفَّارَةُ يَمِينٍ.

ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے متعلق نذر کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔

مذہب فقہاء: ① امام شافعی اور امام مالک رحمہما کے نزدیک نذر معصیت منعقد نہیں ہوتی لہذا اگر کوئی شخص کسی گناہ کے کام کی نذر مانے تو وہ نذر بے کار ہے پس کفارہ بھی واجب نہیں۔

② اور امام اعظم اور امام احمد رحمہما کے نزدیک نذر معصیت منعقد ہو جاتی ہے اگرچہ اس کا وفا جائز نہیں پس قسم کا کفارہ واجب ہوگا۔

③ لا نذر فی معصیۃ: میں نفی کس چیز کی ہے انعقاد کی یا وفا کی؟ امام شافعی رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک انعقاد کی نفی ہے یعنی نذر معصیت منعقد ہی نہیں ہوتی۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک وفا کی نفی ہے۔ یعنی نذر معصیت منعقد ہو جاتی ہے مگر اس کا پورا کرنا جائز نہیں اور دلیل اگلا جملہ ہے کہ اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے معلوم ہوا کہ نذر معصیت منعقد ہو جاتی ہے اس وجہ سے کفارہ واجب ہے۔

اور دوسری دلیل یہ ہے کہ معصیت کی نذر ماننا حرام کو حلال کرنا ہے جو حکم یمین ہے جیسا کہ اس کے برعکس صورت یعنی حلال کو حرام کرنا یمین ہے رسول اللہ ﷺ نے شہد کو حرام کیا تھا چنانچہ سورۃ التحریم کی ابتدائی آیات میں آپ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ ﷺ شہد استعمال کریں اور قسم کا کفارہ دیں پس آپ ﷺ نے شہد استعمال فرمایا اور کفارہ میں ایک غلام آزاد فرمایا۔

فائدہ: باب میں حضرت عمران کی صحیح حدیث موجود ہے جو نسائی (حدیث ۳۸۴۵) میں ہے اس کے الفاظ بہت واضح ہیں:

قال: النذر نذر ان فما كان من نذر في طاعة الله فذلك لله وفيه الوفاء وما كان من نذر في معصية

الله فذلك للشيطان ولا وفاء فيه ويكفره ما يكفر اليمين.

یعنی نذر یہ شیطان کے لیے ہے اور اس کو پورا کرنا جائز نہیں اور اس کا گناہ وہ چیز مٹاتی ہے جو قسم (توڑنے) کا گناہ مٹاتی ہے یعنی قسم کا کفارہ ادا کرنے سے اس کا گناہ مٹ جاتا ہے۔

باب

باب ۲: جو شخص اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری (کے کام) سے متعلق نذر مانے وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرے

(۱۳۴۶) مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللَّهَ فَلْيُطِعهُ وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَ اللَّهَ فَلَا يَعْصِهْ.

ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتی ہیں: جو شخص اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری (کے کام) کی نذر مانے تو وہ اس کی فرمانبرداری کرے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی (کے کام) کی نذر مانے وہ اس کی نافرمانی نہ کرے۔

بَابُ لَا نَذْرَ فِي مَا لَا يَمْلِكُ ابْنُ آدَمَ

باب ۳: آدمی جس چیز کا مالک نہ ہو اس سے متعلق نذر کی کوئی حیثیت نہیں ہے

(۱۴۴۷) لَيْسَ عَلَى الْعَبْدِ نَذْرٌ فِيمَا لَا يَمْلِكُ.

ترجمہ: حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: آدمی جس چیز کا مالک نہ ہو اس (کے بارے میں) نذر بندے پر لازم نہیں ہوتی۔

اپنی مملوکہ چیز کی نذر ماننا بالاجماع جائز ہے البتہ غیر مملوک کی بوقت نذر نذر ماننا جائز ہے یا نہیں؟

- ① احناف کہتے ہیں کہ اگر نسبت الی الملک ہو یا الی سبب الملک ہو تو نذر جائز ہوگی وگرنہ نذر جائز نہ ہوگی مثلاً یوں کہا کہ اگر اللہ نے میرے مریض کو شفا دے دی اور فلاں غلام کو میں نے خرید لیا تو وہ آزاد ہے اور اگر نہ ملک کی طرف نسبت ہے اور نہ سبب ملک کی طرف تو یہ بالاجماع ناجائز ہے مثلاً یہ کہا کہ اگر اللہ نے میرے مریض کو شفا دے دی تو فلاں کا غلام آزاد ہے۔
 - ② شوافع کے نزدیک نذر منعقد نہیں ہوگی ان کی دلیل حدیث الباب ہے: لَيْسَ عَلَى الْعَبْدِ نَذْرٌ فِيمَا لَا يَمْلِكُ.
- جواب: یہ اس صورت پر محمول ہے جس میں نہ ملک کی طرف نسبت ہو اور نہ سبب ملک کی طرف نسبت ہو۔

بَابُ فِي كَفَّارَةِ النَّذْرِ إِذَا لَمْ يُسَمَّ

باب ۴: غیر متعین نذر کا کفارہ

(۱۴۴۸) كَفَّارَةُ النَّذْرِ إِذَا لَمْ يُسَمَّ كَفَّارَةُ يَمِينٍ.

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب آدمی نے نذر متعین نہ کی ہو تو اس کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہوتا ہے۔

بَابُ فِيمَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ فَرَأَى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا

باب ۵: قسم کھائی پھر اس کے علاوہ میں بھلائی دیکھی تو کیا کرے؟

(۱۴۴۹) يَا عَبْدَ الرَّحْمَنِ لَا تَسْأَلِ الْإِمَارَةَ فَإِنَّكَ إِنْ أَتَيْتَكَ عَنْ مَسْأَلَةٍ وَكَلَّتْ إِلَيْهَا وَإِنْ أَتَيْتَكَ عَنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتُ عَلَيْهَا وَإِذَا حَلَفْتَ عَلَى يَمِينٍ فَرَأَيْتَ غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا فَأَتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَلْتُكْفِرْ عَنْ يَمِينِكَ.

ترجمہ: حضرت عبد الرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے عبد الرحمن! تم حکومت نہ مانگنا کیوں اگر یہ مانگے بغیر تمہیں مل گئی تو اس کے بارے میں تمہاری مدد کی جائے گی اور جب تم کوئی قسم اٹھاؤ اور پھر اس کے برعکس کام کو اس سے

زیادہ بہتر سمجھو تو وہ کام کرو جو زیادہ بہتر ہے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دو۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کسی بات پر قسم کھا لیتا ہے مثلاً ماں باپ سے یا بہن بھائی سے نہیں بولے گا پھر جب غصہ ٹھنڈا پڑتا ہے تو پچھتا تا ہے اور قسم ایمان میں سے ہے جب کھالی، کھالی اب وہ ختم نہیں ہو سکتی اس لیے شریعت نے حکم دیا کہ اس قسم پر برقرار مت رہو قسم توڑ دو اور کفارہ دے دو۔

بَابُ فِي الْكَفَّارَةِ قَبْلَ الْحِنْثِ

باب ۶: قسم توڑنے سے پہلے کفارہ دینا

(۱۳۵۰) مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ فَرَأَى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا فَلْيُكْفِرْ عَنْ يَمِينِهِ وَلْيَفْعَلْ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: جو شخص کوئی قسم اٹھائے اور اس کے برعکس کام کو اس سے زیادہ بہتر سمجھے تو اپنی قسم کا کفارہ دے اور وہ کام کرے (جو زیادہ بہتر ہو)

مذہب فقہاء: کفارۃ قبل الحنث جائز ہے یا نہیں؟ ① احناف کے نزدیک مطلقاً جائز نہیں عام ازیں کہ کفارہ مالیہ ہو یا غیر مالیہ ② حنابلہ کے نزدیک مطلقاً جائز ہے اور ③ شوافع کے نزدیک اگر غیر مالیہ ہو تو پھر تقدیم جائز نہیں اگر مالیہ ہو تو تقدیم جائز ہے۔ احادیث دونوں قسم کی ہیں تو ضرورت ہے کہ درایت کے ذریعے ترجیح دی جائے اصل اختلاف اس بات میں ہے کہ کفارہ کا سبب کیا ہے تو احناف کے نزدیک کفارہ کا سبب حنث ہے اور شوافع اور مالکیہ کہتے ہیں کہ کفارہ کا سبب یمین ہے احناف کا قول زیادہ رائج ہے ظاہر ہے کہ سبب کے پائے جانے سے پہلے پہلے ادائیگی صحیح نہیں باقی اس پر کیا دلیل ہے کہ کفارہ کا سبب حنث ہے۔

دلیل: یہ ہے کہ کفارہ تکفیر سے ہے یعنی مکفر الاثم ہونا اب گناہ حنث میں سے ہے نہ کہ یمین سے اور یمین تو سیئہ کے قبیل سے نہیں ہے اس لیے کہ نبی کریم ﷺ کا قسم اٹھانا اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا قسم اٹھانا یہ دلیل ہے اس بات کی کہ یمین سیئہ کے قبیل سے نہیں ہے تو یہ کفارہ کا سبب بن نہیں سکتی پس لامحالہ سبب حنث ہے۔ لہذا حنث ہوگا تو سبب پایا جائے گا حنث نہیں ہوگا تو سبب نہیں پایا جائے گا اور کفارہ بھی لازم نہ ہوا اور دیگر ائمہ کے ہاں کیونکہ سبب یمین ہے اس لئے سبب پایا گیا اس لئے کفارہ ادا کیا جاسکتا ہے۔

بَابُ فِي الْإِسْتِثْنَاءِ فِي الْيَمِينِ

باب ۷: قسم کے ساتھ ان شاء اللہ ملا کر کہنے کا حکم

(۱۳۵۱) مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ فَقَالَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ فَلَا حِنْثَ عَلَيْهِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص کوئی قسم اٹھائے اور پھر ان شاء اللہ کہہ دے تو وہ قسم توڑنے والا شمار نہ ہوگا۔

(۱۳۵۲) مَنْ حَلَفَ فَقَالَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ فَلَا حِنْثَ عَلَيْهِ.

تَرْجِمَتُهَا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص کوئی قسم اٹھائے اور پھر ان شاء اللہ کہہ دے تو وہ قسم توڑنے والا نہیں ہوگا۔

(۱۳۵۲) إِنَّ سُلَيْمَانَ بْنَ دَاوُدَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ قَالَ لَا طُوفَنَ اللَّيْلَةَ عَلَى سَبْعِينَ امْرَأَةً تَلِدُ كُلُّ امْرَأَةٍ غُلَامًا فَطَافَ عَلَيْهِنَّ فَلَمْ تَلِدْ امْرَأَةً مِنْهُنَّ إِلَّا امْرَأَةً نِصْفَ غُلَامٍ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَوْ قَالَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ لَكَانَ كَمَا قَالَ.

تَرْجِمَتُهَا: نبی اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے یہ بات کہی کہ آج رات میں اپنی ستر بیویوں کے ساتھ صحبت کروں گا ان میں سے ہر ایک بچے کو جنم دے گی۔ تو حضرت سلیمان نے ان تمام ازواج کے ساتھ صحبت کی لیکن ان میں سے صرف ایک خاتون نے نامکمل بچے کو جنم دیا، نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی اگر وہ انشاء اللہ کہہ دیتے تو اسی طرح ہوتا جیسے انہوں نے کہا تھا۔

ابواب الایمان کے اندر جب لفظ استثناء آئے تو مراد ان شاء اللہ کا کلمہ ہے اگر حالف حلف کے ساتھ ساتھ ان شاء اللہ کہہ دے تو اگر یہ استثناء موصول ہو تو مؤثر ہے یمن منعقد نہیں ہوگی اور اگر مفصول ہو درمیان میں وقفہ ہو بلا کسی عذر کے اس کے بعد استثناء کرے تو یہ استثناء مؤثر نہ ہوگی یعنی یمن کے انعقاد سے مانع نہیں ہے ائمہ اربعہ کا اسی مسئلہ پر اجماع ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا جاتا ہے کہ مفصول ابھی استثناء مؤثر ہے مگر ائمہ اربعہ میں سے کسی کا قول نقل نہیں۔

اور یہی حکم طلاق، عتاق، نکاح اور رجعت وغیرہ تمام ایمان کا ہے جن میں اقالہ نہیں ہوتا مثلاً کوئی شخص بیوی سے کہے: اذنت طالق ان شاء اللہ (اگر اللہ چاہے تو تجھے طلاق) تو طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ اللہ نے چاہا یا نہیں اس کا پتہ نہیں چل سکتا۔
لہذا یحذرت حاشا نہ ہونا یمن کے منعقد نہ ہونے کی وجہ سے ہے امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے متعلق امام بخاری رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا تو امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ خطا ہے خطا عبد الرزاق سے ہوئی۔

بَابُ فِي كَرَاهِيَةِ الْخَلْفِ بِغَيْرِ اللَّهِ

باب ۸: غیر اللہ کی قسم کھانا ممنوع ہے

(۱۳۵۳) سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ عُمَرُ وَهُوَ يَقُولُ وَابْنُ وَابْنٍ فَقَالَ أَلَا إِنَّ اللَّهَ يَنْهَاهَا كُمْ أَنْ تَحْلِفُوا بِآبَاءِ كُمْ فَقَالَ عُمَرُ فَوَاللَّهِ مَا حَلَفْتُ بِهِ بَعْدَ ذَلِكَ ذَا كِرًا وَلَا اثِرًا.

تَرْجِمَتُهَا: سالم اپنے والد (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا، میرے باپ کی قسم میرے باپ کی قسم تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ خبردار! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس بات سے منع کر دیا ہے کہ تم لوگ اپنے باپ دادا کی قسم اٹھاؤ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی قسم! اس کے بعد میں نے جان بوجھ کر یا بھول کر کبھی بھی (باپ دادا کی) قسم نہیں اٹھائی۔

(۱۳۵۴) إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَذْرَكَ عُمَرُ وَهُوَ فِي رَكْبٍ وَهُوَ يَحْلِفُ بِأَبِيهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ اللَّهَ يَنْهَاهَا كُمْ

أَنْ تَحْلِفُوا بِآبَاءِكُمْ لِيُحْلِفَ خَالِفٌ بِاللَّهِ أَوْ لَيْسَ كُنْتُمْ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پایا وہ اس وقت چند سواروں کے درمیان تھے اور اپنے والد کے نام کی قسم اٹھا رہے تھے، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کو اس بات سے منع کر دیا ہے کہ تم اپنے باپ دادا کی قسم اٹھاؤ، قسم اٹھانے والے شخص کو اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اٹھانی چاہیے یا پھر خاموش رہنا چاہیے۔

(۱۳۵۵) اَنَّ ابْنَ عُمَرَ سَمِعَ رَجُلًا يَقُولُ لَا وَالْكَعْبَةَ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ يَخْلِفُ بِغَيْرِ اِذْنِ اللَّهِ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ مَنْ خَلَفَ بِغَيْرِ اِذْنِ اللَّهِ فَقَدْ كَفَرَ أَوْ أَشْرَكَ.

ترجمہ: سعد بن عبیدہ بیان کرتے ہیں: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک شخص کو خانہ کعبہ کی قسم اٹھاتے ہوئے سنا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس شخص نے غیر اللہ کی قسم اٹھائی ہے میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔ جو شخص غیر اللہ کی قسم اٹھائے اس نے کفر کیا (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) اس نے شرک کیا۔

غیر اللہ کی قسم کھانے کی تین صورتیں ہیں:

اول: حقیقتاً غیر اللہ کی قسم کھانا یہ شرک ہے۔ دوم: تکیہ کلام کے طور پر غیر اللہ کی قسم کھانا۔ سوم: دلیل کو بصورت قسم ذکر کرنا۔ یعنی جس چیز کی قسم کھائی جائے وہ حقیقت میں قسم نہ ہو بلکہ دلیل ہو قرآن کریم میں کائناتی چیزوں کی جو قسمیں کھائی گئی ہیں وہ اسی قبیل سے ہیں یعنی وہ سب دلیلیں ہیں جو قسم کی صورت میں لائی گئی ہیں مثلاً سورۃ التین میں اللہ تعالیٰ نے پہلے چار چیزوں کی قسم کھائی ہیں پھر فرمایا ہے ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ﴾ چاروں قسمیں اس مقسم بہ کی دلیل ہیں یہ جائز ہے کیونکہ یہ حقیقت میں قسمیں نہیں ہیں اسی طرح بطور تکیہ کلام غیر اللہ کی قسم کھانا بھی جائز ہے اور وہ بمنزلہ یمین لغو کے ہے مثلاً عربی میں تکیہ کلام کے طور پر قسم کھاتے ہیں لعمرک تیری زندگی کی قسم لعمری میری زندگی کی قسم ای وا یعنی ای واللہ ہاں بخدا! حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی ایک واقعہ میں قسم کھائی ہے وقرۃ عینی میری آنکھوں کی ٹھنڈک کی قسم یہ قسمیں بمنزلہ لغو یمین ہے ان پر کوئی مواخذہ نہیں۔ البتہ حقیقتاً غیر اللہ کی قسم کھانا گناہ کبیرہ اور شرک ہے اور غیر اللہ کی حقیقتاً قسم کھانا یہ ہے کہ دو باتوں کا اعتقاد کر کے قسم کھائے ایک جس کی قسم کھاتا ہے اس کی عظمت کا اللہ کی عظمت کی طرح اعتقاد ہو دوسرے اللہ کے نام کی بے حرمتی کی طرح غیر اللہ کی بے حرمتی پر گناہ اور وبال کا اعتقاد ہو مثلاً کوئی پیران پیر (حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ) کی قسم کھاتا ہے تو ان دونوں باتوں کا اعتقاد ہوتا ہے اس لیے وہ شرک ہے۔

اس باب کی پہلی حدیث کا مطلب سابقہ باب کی تشریح میں گزرا ہے اس کی دوسری حدیث میں ہے: من قال فی حلفۃ ولہات والعزی فلیقل لا الہ الا اللہ اگر اس قسم سے مراد لات اور عزئی کی تعظیم ہو تو چونکہ یہ کفر ہے اس لیے ایمان کی تجدید ضروری ہے وہ دخول فی الاسلام کی نیت سے لا الہ الا اللہ.... الخ پڑھ کر تجدید کرے لیکن ظاہر یہ ہے کہ آپ ﷺ کا یہ ارشاد ایسے لوگوں کے لیے ہے جن کی زبان غیر اختیاری طور پر سابقہ عادت کی وجہ سے اس پر جاری ہو جائے تو وہ تہمت سے بچنے اور زبان کو صاف کرنے کے لیے کلمہ پڑھ لے کذا فی العارضة والکوکب الدری والحاشیۃ۔

مسئلہ: غیر اللہ کی قسم کھانے سے قسم نہیں ہوتی جیسے رسول اللہ کی قسم! کعبہ کی قسم، باپ کی قسم، بچے کی قسم وغیرہ اس طرح کی قسم کھا کر اگر کوئی اس کے خلاف کرے تو کفارہ واجب نہیں البتہ غیر اللہ کی قسم کھانا کبیرہ گناہ ہے۔

قرآن کریم کی قسم: کلام اللہ کی قسم ہے جو اللہ کی صفت ہے پس جائز ہے البتہ قرآن کو ہاتھ میں لے کر یا اس پر ہاتھ رکھ کر کوئی بات کہی مگر قسم نہیں کھائی تو قسم نہیں ہوئی۔

بَابُ فِيمَنْ يَخْلِفُ بِالْمَشْيِ وَلَا يَسْتَطِيعُ

باب ۹: جو شخص پیدل چلنے کی قسم اٹھائے حالانکہ وہ اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو

(۱۳۵۶) نَذَرْتُ امْرَأَةً أَنْ تَمْشِيَ إِلَى بَيْتِ اللَّهِ فَسُئِلَ نَبِيُّ اللَّهِ ﷺ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنْ مَشْيِهَا مُرُوءَهَا فَلَمْ تَرْكَبْ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک عورت نے بیت اللہ تک پیدل جانے کی نذر مانی، نبی اکرم ﷺ سے اس بارے میں دریافت کیا گیا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اس کے پیدل چلنے سے بے نیاز ہے تم اس سے کہو کہ وہ سوار ہو جائے۔

(۱۳۵۷) مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِشَيْخٍ كَبِيرٍ يَتَهَاذِي بَيْنَ ابْنَيْهِ فَقَالَ مَا بَالُ هَذَا قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَذَرْنَا أَنْ يَمْشِيَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ لَغَنِيٌّ عَنْ تَعْذِيبِ هَذَا نَفْسَهُ قَالَ فَأَمَرَهُ أَنْ يَزُكَبَ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ ایک بڑی عمر کے صاحب کے پاس سے گزرے جو اپنے دو بیٹوں کے سہارے چل رہے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا۔ ان کا کیا معاملہ ہے لوگوں نے بتایا۔ رسول اللہ ﷺ! انہوں نے پیدل چلنے کی نذر مانی ہے، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ان صاحب کے اپنی ذات کو تکلیف دینے سے بے نیاز ہے، راوی بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ان صاحب کو ہدایت کی کہ وہ سوار ہو جائیں۔

اس پر اتفاق ہے کہ اس قسم کے الفاظ سے حج یا عمرہ بطور نذر واجب ہو جاتا ہے اس پر بھی اتفاق ہے کہ اگر مقام نذر کی دوری یا کسی اور مجبوری کی بنا پر پیدل پا جانا دشوار ہو تو سوار ہو کر جانا جائز ہے۔ اور اگر پیدل چلنا دشوار ہو تو سوار ہو کر جائے اس صورت میں ایک ہدیٰ اور استطاعت نہ ہونے کی صورت میں تین روزے واجب ہوں گے۔

بَابُ فِيمَنْ كَرَاهِيَةِ النَّذْرِ

باب ۱۰: نذر ماننے کا مکروہ ہونا

(۱۳۵۸) لَا تَنْذِرُوا فَإِنَّ النَّذْرَ لَا يُغْنِي مِنَ الْقَدْرِ شَيْئًا وَأَمَّا يُسْتَخْرَجُ بِهِ مِنَ الْبَخِيلِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم لوگ نذر نہ مانا کرو کیونکہ نذر تقدیر کو نہیں ٹال سکتی اس کے ذریعے کنجوس آدمی کا مال نکلوایا جاتا ہے۔

اعتراض: نذر مت مانو کیونکہ نذر تقدیر کو نال نہیں سکتی ماقبل کی احادیث اور آیت قرآنیہ ﴿وَلْيُؤْفَوْا نَذْرَهُمْ﴾ (الحج: ۲۹) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نذر جائز ہے اور یہاں پر منع آ گیا؟

جواب: مطلقاً نذر سے نہیں نہیں ہے بلکہ خاص نذر سے روکنا مقصود ہے جبکہ نذر ماننے والا نذر کو تقدیر کے ٹل جانے کے اندر موثر بالذات سمجھ رہا ہو تو یہ عقیدہ فاسدہ ہے اس عقیدہ کے ساتھ نذر مانو اس صورت میں یہ بھی تحریمی ہوگی۔

بعنوان ثانی کہ عمومی طور پر نذر کا مقصود نذر سے جلب منفعت ہوتا ہے یا دفع مضرت ہوتا ہے اور یہ ایک قسم کا معاوضہ بن جاتا ہے اور معاوضہ پر کام کرنا بخیلوں کا کام ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ بعض جلب منفعت اور دفع مضرت کی وجہ سے نذر ماننی مناسب نہیں ہے اس صورت میں بھی تنزیہی ہوگی

- ① بعنوان ثالث نذر دو قسم پر ہے نذر مطلقاً اللہ علی ان اصوم یوم الجمعة کسی مقصد کے حصول کے ساتھ معلق نہیں۔
- ② نذر معلق کہ اگر فلاں کام ہو گیا تو اتنا مال صدقہ کروں گا حدیث کا مدلول نذر مطلق سے روکنا ہے باقی نذر معلق سے روکنا اس وجہ سے ہے کہ عمومی طور پر لوگ اس کو رد تقدیر میں موثر بالذات سمجھتے ہیں اگر نذر معصیت کی ہو تو اس کو پورا کرنا صحیح نہیں ہے۔

بَابُ فِي وَفَاءِ النَّذْرِ

باب ۱۱: نذر کو پورا کرنا

(۱۳۵۹) قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِنِّي كُنْتُ نَذَرْتُ أَنْ أَعْتَكِفَ لَيْلَةً فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ قَالَ أَوْفِ بِنَذْرِكَ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بات نقل کرتے ہیں۔ انہوں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ! میں نے یہ نذر مانی تھی کہ مسجد حرام میں ایک رات اعتکاف کروں گا (میں نے یہ نذر) زمانہ جاہلیت میں مانی تھی تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ تم اپنی نذر کو پورا کرو۔

اوف بنذرک: اپنی اس نذر کو پورا کر لو اس میں اختلاف ہے کہ اگر کسی نے زمانہ کفر میں نذر مانی تو آیا اسلام قبول کرنے کے بعد اس کو پورا کرنا واجب ہے؟ یا نہیں؟

مذاہب فقہاء: ① کہ بعض شافعیہ کے نزدیک واجب ہے۔ ② جمہور کے نزدیک واجب نہیں۔

شافعیہ کا استدلال: حدیث باب میں صیغہ امر سے ہے جو ایجاب کے لیے آتا ہے جبکہ جمہور کا استدلال یہ ہے کہ اسلام ماقبل اسلام کے جملہ افعال و اعمال کے لیے ہادم ہے اور یہ کہ کافر کی نذر بذات خود منعقد ہوتی نہیں ہے کہ نذر تو عبادت ہے جس کے لیے اسلام شرط ہے لہذا ایفاء بھی لازم نہیں۔

جواب: حدیث باب کا جواب جمہور یہ دیتے ہیں کہ جب آنحضور ﷺ نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کا ارادہ کر چکے ہیں اس لیے بطور تطوع واستحباب کے اجازت دے دی۔

رہا یہ مسئلہ کہ اعتکاف کے لیے روزہ شرط ہے یا نہیں؟ تو اس کی تفصیل باب ماجاء فی الاعتکاف میں گزری ہے۔

بَابُ كَيْفَ كَانَ يَمِينُ النَّبِيِّ ﷺ

باب ۱۲: نبی اکرم ﷺ (کن الفاظ میں) قسم اٹھاتے تھے

(۱۳۶۰) كَثِيرًا مَّا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَخْلِفُ بِهَذِهِ الْيَمِينِ لَا وَمُقَلِّبِ الْقُلُوبِ.

ترجمہ: سالم بن عبد اللہ اپنے والد (حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) کا یہ بیان نقل کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ اکثر اوقات ان الفاظ میں قسم اٹھایا کرتے تھے۔ ”دلوں کو پھیرنے والی ذات کی قسم“

تشریح: لا ومقلب القلوب یہ قسم بہ کا بیان ہے جبکہ کلمہ لا کلام سابق کی نفی کے لیے ہے تقلیب قلوب سے مراد احوال اور رائے کا بدلنا ہے احیاء العلوم میں جہاں قلب کا ذکر آتا ہے تو اس سے مراد یہ گوشت کا ٹکڑا نہیں ہوتا بلکہ اس کے ساتھ ایک لطیفہ غیبیہ ہے جو ممکن روح ہے۔ واللہ اعلم

ابن العربی رحمہ اللہ عارضہ میں اس سے معلوم ہوا کہ اسم اعظم یعنی اللہ کے علاوہ دیگر افعال باری تعالیٰ و صفات کی قسم کھانا بھی جائز ہے تاہم حنفیہ کے نزدیک اگر کسی نے علم کی قسم کھائی جیسے وعلم اللہ کہا تو یمن منعقد نہ ہوگی بخلاف وقدرة اللہ کیونکہ علم بمعنی معلوم بھی آتا ہے جیسے: ﴿قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا...﴾ (الآیۃ)

بَابُ فِي ثَوَابِ مَنْ أَعْتَقَ رَقَبَةً

باب ۱۳: غلام آزاد کرنے کا ثواب (پہلا باب)

(۱۳۶۱) مَنْ أَعْتَقَ رَقَبَةً مُّؤْمِنَةً أَعْتَقَ اللَّهُ مِنْهُ بِكُلِّ عَضْوٍ مِنْهُ عَضْوًا مِنَ النَّارِ حَتَّى يُعْتَقَ فَرَجَهُ بِفَرَجِهِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔ جو شخص مؤمن غلام کو آزاد کرے اللہ تعالیٰ اس غلام کے ہر ایک عضو کے عوض میں اس آزاد کرنے والے کے ایک عضو کو جہنم سے آزاد کر دے گا۔ یہاں تک کہ اس غلام کی شرمگاہ کے عوض اس شخص کی شرمگاہ کو بھی آزاد کر دے گا۔

یہ باب ابواب الایمان والندور میں اس لیے لائے ہیں کہ قسم کے کفارہ میں غلام بھی آزاد کیا جاتا ہے اور غلام آزاد کرنے کی منت بھی مانی جاتی ہے اس مناسبت سے امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہاں غلام آزاد کرنے کا ثواب بیان کیا ہے۔

بَابُ فِي الرَّجُلِ يُلْطَمُ خَادِمَهُ

باب ۱۴: خادم اور غلام کو تھپڑ مارنے کی سزا

(۱۳۶۲) لَقَدْ رَأَيْتُنَا سَبْعَةَ إِخْوَةٍ مَّا لَنَا خَادِمٌ إِلَّا وَاحِدَةً فَلَطَمَهَا أَحَدُنَا فَأَمَرَنَا النَّبِيُّ ﷺ أَنْ نُعْتِقَهَا.

ترجمہ: حضرت سدید بن مقرن مزی بن النعمان بیان کرتے ہیں: مجھے اپنے بارے میں یہ بات یاد ہے ہم سات بھائی تھے اور ہمارے پاس صرف ایک خادم تھا ہم میں سے ایک بھائی نے اسے طمانچہ رسید کر دیا تو نبی اکرم ﷺ نے ہمیں یہ ہدایت کی کہ ہم اس (غلام) کو آزاد کر دیں۔

اس پر اجماع ہے کہ یہ امر ندب و استحباب کے لیے تھا کیونکہ تھپڑ مارنا آزاد کرنے کے لیے موجب نہیں بالاتفاق تاہم مستحب ہے کہ اسے آزاد کیا جائے تاکہ قیامت کے دن بدلہ چکانے کی نوبت ہی نہ آئے۔

باب

باب ۱۵: اسلام کے علاوہ مذہب کی جھوٹی قسم کھانا حرام ہے

(۱۴۶۳) مَنْ حَلَفَ بِمِلَّةٍ غَيْرِ الْإِسْلَامِ كَاذِبًا فَهُوَ كَمَا قَالَ:

ترجمہ: حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب کی جھوٹی قسم اٹھائے تو وہ اسی طرح ہو جائے گا جیسے اس نے کہا ہے۔

(۱۴۶۴) قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِنْ أُخْتِي نَذَرَتْ أَنْ تَمْسِيَ إِلَى الْبَيْتِ حَافِيَةً غَيْرَ مُتَخَبِّرَةٍ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّ اللَّهَ لَا يَصْنَعُ بِشَقَاءٍ أُخْتِكَ شَيْئًا فَلْتَرْكَبْ وَلْتَحْتَبِرْ وَلْتَصُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ.

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ! میری بہن نے یہ نذر مانی ہے۔ وہ بیت اللہ پیدل جائے گی۔ چادر اوڑھے بغیر، تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کو تمہاری بہن کے اس سختی کو جھیلنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس عورت کو چاہیے کہ وہ سوار ہو جائے اور چادر بھی اوڑھے اور (قسم کے کفارے کے طور پر) تین دن روزے رکھے۔

(۱۴۶۵) مَنْ حَلَفَ مِنْكُمْ فَقَالَ فِي حَلْفِهِ وَاللَّاتِ وَالْعُزَّىٰ فَلْيَقُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَمَنْ قَالَ تَعَالَىٰ أَقَامِرُكَ فَلْيَتَصَدَّقْ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ تم میں سے جو شخص قسم اٹھاتے ہوئے ”لات“ اور ”عزى“ کی قسم اٹھائے تو اسے کلمہ پڑھنا چاہیے اور جو شخص یہ کہے۔ آؤ میں تمہارے ساتھ جو اکیلے ہوں اسے صدقہ کرنا چاہیے۔

اگر کوئی شخص یہ قسم اٹھالے کہ میرا یہ کام نہ ہوا تو نصرانی یا مجوسی ہو جاؤں گا اگر اس کا قصد و ارادہ نصرانی یا مجوسی ہونے کا ہو تو ہو جائے گا اور اگر محض تاکید ہو تو کافر نہ ہوگا بلکہ گناہ گار ہوگا باقی کفارہ بھی ہوگا یا نہیں۔ احناف کے نزدیک کفارہ بھی واجب ہوگا حقیقت قسم کے پائے جانے کی وجہ سے اور حنابلہ کے نزدیک کفارہ نہ ہوگا کیونکہ قسم نہیں پائی گئی۔

باب

باب: ننگے پاؤں ننگے سر حج کرنے کی منت ماننا

عَنْ عُقْبَةَ ابْنِ عَامِرٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنْ أُخْتِيَ نَذَرْتُ أَنْ تَمْشِيَ إِلَى الْبَيْتِ حَافِيَةً غَيْرَ مُخْتَصِرَةٍ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّ اللَّهَ لَا يَصْنَعُ بِشَقَاءِ أُخْتِكَ فَلْتَرْكَبْ وَلْتَخْتَصِرْ وَلْتَصُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ.

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میری بہن نے نذر مانی تھی کہ بیت اللہ ننگے پاؤں اور بغیر چادر کے چل کر جائے گی۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو تیری بہن کی اس سختی کو جھیلنے کی ضرورت نہیں۔ اسے چاہیے کہ سوار ہو اور چادر اوڑھ کر جائے اور تین روزے رکھے۔

تشریح: یہاں نذر و چیزوں کی ہے پیدل چل کر جانے کی (۲) دوپٹہ نہ اوڑھنے کی اب جس صفت پر کعبۃ اللہ جانے کی نذر مانی تھی وہ پورا نہ کیا اس لیے ہدی لازم آئے گی اگرچہ اس میں ذکر نہیں ہے لیکن اس مضمون سے متعلق دوسری احادیث میں اس کا ذکر ہے دوسرا یہ تھا کہ سر کو نہیں ڈھانپوں گی تو یہ معصیت ہے اور معصیت کی نذر منعقد تو ہو جاتی ہے البتہ ایفاء جائز نہیں ہوتا بلکہ حکم ہے کہ کفارہ یحییٰ ادا کرے یعنی تین دن کے روزے رکھے اس حدیث میں آپ ﷺ نے ہدی کا بھی حکم دیا ہے اور تین روزوں کا بھی حکم دیا ہے لیکن بعض حضرات نے صرف ہدی کا ذکر کیا اور بعض نے صرف تین روزوں کا ذکر کیا ہے۔

تشریح: حدیث کے حصہ اولیٰ کے متعلق بحث ”باب فی کراہیۃ الحلف بغیر اللہ“ کے بعد والے باب بلا ترجمہ میں گزری ہے۔

بَابُ قَضَاءِ النَّذْرِ عَنِ الْمَيِّتِ

باب ۱۶: میت کی طرف سے نذر کو پورا کرنا

(۱۳۶۶) أَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ اسْتَفْتَى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فِي نَذْرِ كَانَ عَلَى أُمِّهِ تُوفِّيَتْ قَبْلَ أَنْ تَقْضِيَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ إَقْضِ عَنْهَا.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے نذر کا مسئلہ دریافت کیا۔ جو ان کی والدہ کے ذمے لازم تھی اور ان کی والدہ کا اسے پورا کرنے سے پہلے انتقال ہو گیا تھا تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ تم اس خاتون کی طرف سے اسے پورا کر دو۔

کسی نے نذر مانی اور نذر پوری کرنے سے پہلے پہلے مر گیا ایسی صورت میں اس کے ورثاء پر عہد کا ایفاء ہوگا۔ عند الاحناف تفصیل یہ ہے کہ وہ نذر بدنی عبادت کی ہوگی یا مالی عبادت کی ہوگی مثلاً یہ کہا کہ سو رکعت نفل پڑھوں گا یا تین روزے رکھوں گا تو پھر ورثاء پر پورا کرنا ضروری نہیں ہے اس لیے کہ بدنی عبادت میں نیابت جاری نہیں ہوتی اور اگر مالی نذر ہے تو پھر دو حال سے خالی نہیں ہے وصیت کی ہوگی یا نہیں اگر وصیت کی ہے تو پھر دیکھا جائے گا کہ ثلث مال کے ساتھ پوری ہو سکتی

ہے یا نہیں اگر ہو سکتی ہے تو پورا کرنا ضروری ہے اگر وصیت کی ہی نہیں یا ثلث مال سے پوری نہیں ہو سکتی تو ان دونوں صورتوں میں تبرع ہوگا یعنی ادا کرنا جائز ہوگا واجب نہ ہوگا حدیث شریف میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت سعد کو حکم دیا کہ اپنی والدہ کی نذر پوری کرو دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نذر مافی تھی باقی اگر وصیت کی ہے تو پورا کرنا وجوبی ہے ورنہ تبرعاً پورا کرے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ مَنْ أَعْتَقَ

باب ۱۷: غلام آزاد کرنے کا ثواب (دوسرا باب)

(۱۳۶۷) اَيُّمَا امْرِئٍ مُّسْلِمٍ اَعْتَقَ امْرَاً مُّسْلِمًا كَانَ فِكَاهُ مِنَ النَّارِ يُجْزِي كُلُّ عَضْوٍ مِنْهُ عَضْوًا مِنْهُ وَاَيُّمَا امْرِئٍ مُّسْلِمٍ اَعْتَقَ امْرَأَتَيْنِ مُّسْلِمَتَيْنِ كَانَتْ فِكَاهُ مِنَ النَّارِ يُجْزِي كُلُّ عَضْوٍ مِنْهُمَا عَضْوًا مِنْهُ وَاَيُّمَا امْرَاةٍ مُّسْلِمَةٍ اَعْتَقَتْ امْرَاةً مُّسْلِمَةً كَانَتْ فِكَاهُ مِنَ النَّارِ يُجْزِي كُلُّ عَضْوٍ مِنْهَا عَضْوًا مِنْهَا.

ترجمہ: حضرت ابو امامہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کیا ہے، جو مسلمان کسی مسلمان غلام کو آزاد کر دے تو وہ غلام اس کے لئے جہنم (سے بچاؤ کے لئے) فدیہ ہو جائے گا اس غلام کا ہر ایک عضو (آزاد کرنے والے) کے عضو کا بدلہ ہوگا اور جو مسلمان دو مسلمان کنیزوں کو آزاد کر دے تو وہ دونوں کنیزیں اس شخص کے لئے جہنم سے بچاؤ کا فدیہ ہو جائیں گی ان عورت کے لئے جہنم سے بچاؤ کا فدیہ ہوگی اس کنیز کا ہر ایک عضو آزاد کرنے والی کی ہر ایک عضو کا بدلہ ہوگا۔



أَبْوَابُ السَّيْرِ

اسلام کا حربی نظام

بَاب مَا جَاءَ فِي الدَّعْوَةِ قَبْلَ الْقِتَالِ

باب ۱: جنگ سے پہلے دعوت دینا

(۱۳۶۸) أَنَّ جَيْشًا مِنْ جِيُوشِ الْمُسْلِمِينَ كَانَ أَمِيرُهُمْ سَلْمَانُ الْفَارِسِيُّ حَاصِرُوا قَصْرًا مِنْ قُصُورِ فَارِسَ فَقَالُوا يَا أَبَا عَبْدِ اللَّهِ أَلَا نَنْهَدُ إِلَيْهِمْ قَالَ دَعُونِي أَدْعُوهُمْ كَمَا سَمِعْتَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَدْعُوهُمْ فَاتَاهُمْ سَلْمَانُ فَقَالَ لَهُمْ إِنَّمَا أَنَا رَجُلٌ مِنْكُمْ فَارِسِيُّ تَرَوْنَ الْعَرَبَ يُطِيعُونِي فَإِنْ أَسْلَمْتُمْ فَلَكُمْ مِثْلُ الَّذِي لَنَا وَعَلَيْكُمْ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْنَا وَإِنْ أَبَيْتُمْ إِلَّا دِينَكُمْ تَرَكْنَاكُمْ عَلَيْهِ وَأَعْطَوْنَا الْجُزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَأَنْتُمْ صَاغِرُونَ وَقَالَ وَرَظَنَ إِلَيْهِمْ بِالْفَارِسِيَّةِ وَأَنْتُمْ غَيْرُ فَحْمُودِينَ وَإِنْ أَبَيْتُمْ نَابِذْنَاكُمْ عَلَى سَوَاءٍ قَالُوا أَمَا نَحْنُ بِالَّذِي نُعْطِي الْجُزْيَةَ وَلَكِنَّا نُقَاتِلُكُمْ فَقَالُوا يَا أَبَا عَبْدِ اللَّهِ أَلَا نَنْهَدُ إِلَيْهِمْ قَالَ لَا قَالَ فَبَدَعَاهُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِلَى مِثْلِ هَذَا ثُمَّ قَالَ انْهَدُوا إِلَيْهِمْ قَالَ فَتَهَدَّنَا إِلَيْهِمْ فَفَتَحْنَا ذَلِكَ الْقَصْرَ.

ترجمہ: ابو بخری بیان کرتے ہیں: مسلمانوں کے ایک لشکر کے امیر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے ایران کے ایک قلعے کا محاصرہ کر لیا لوگوں نے کہا اے ابو عبد اللہ! کیا ہم ان پر حملہ نہ کر دیں تو انہوں نے فرمایا۔ مجھے موقع دو کہ میں ان لوگوں کو اسی طرح دعوت دوں جیسے میں نے نبی اکرم ﷺ کو کفار کو دعوت دیتے ہوئے سنا ہے۔ پھر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور ان سے فرمایا۔ میں بھی تمہاری طرح ایرانی ہوں اور تم نے عربوں کو دیکھا ہے۔ وہ میری اطاعت کرتے ہیں اگر تم لوگ اسلام قبول کر لیتے ہو تو تمہیں وہ تمام سہولیات حاصل ہوں گی جو ہمیں حاصل ہیں اور تم پر وہ تمام ادائیگیاں لازم ہوں گی جو ہم پر لازم ہیں اور اگر تم اپنے دین پر قائم رہنا چاہتے ہو تو ہم تمہیں اس پر قائم رہنے دیتے ہیں تم لوگ ہمیں جزیہ دو جبکہ تم ذلت کی حالت میں ہو۔

راوی بیان کرتے ہیں: حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے فارسی زبان میں یہ تقریر کی تھی (اور انہوں نے یہ بھی فرمایا) کہ تم لوگوں کی تعریف نہیں کی گئی ہوگی۔ اگر تم اس کا بھی انکار کر دیتے ہو، تو یہ تمہارے لئے بہتر نہیں ہوگا۔ ہم تمہیں آگاہ کرنے کے بعد

جنگ کریں گے انہوں نے کہا ہم جزیہ نہیں دیں گے ہم آپ کے ساتھ جنگ کریں گے مسلمانوں نے کہا۔ اے ابو عبد اللہ! کیا ہم ان پر حملہ نہ کر دیں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ نہیں! حضرت سلمان رضی اللہ عنہ تین دن تک انہیں، اس طرح کی دعوت دیتے رہے پھر انہوں نے حکم دیا ان پر حملہ کر دو! راوی بیان کرتے ہیں۔ ہم نے ان پر حملہ کیا اور اس قلعے کو فتح کر لیا۔

سیر: سیرۃ کی جمع ہے اس کے معنی ہیں۔ سوانح، حالات زندگی اور یہ مفرد کے معنی ہیں جمع کے معنی دوسرے ہیں سیر النبی ﷺ کے معنی ہیں اسلام کا حربی نظام نبی ﷺ کے حالات زندگی سے یہی مراد ہے۔

لغت میں سیر سے مراد مطلق طریقہ ہے محدثین کے ہاں وہ طریقہ جو رسول اللہ ﷺ نے غزوات میں اختیار فرمایا یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سرا یا میں اختیار کیا کفار کو قتال سے پہلے دعوت دینا ضروری ہے یا نہیں اگر ایسے کفار ہوں جن کو پہلے دعوت نہ پہنچی ہو تو قتال سے پہلے دعوت دینا واجب ہے اور اگر دعوت پہنچ چکی ہو تو پھر قبل القتال دعوت دینا مستحب ہے اسی پر باب میں احادیث پیش کی ہیں: انما انا رجل منكم فارسی ترون العرب یطیعونی۔

واقعہ سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ:

بس فارسی مرد ہوں عرب لوگ میری اطاعت کر رہے ہیں یہ بات یا تو اس وجہ سے کہی کہ تم جانتے ہو کہ عرب لوگ جلدی کی اطاعت قبول نہیں کرتے لیکن میری اطاعت قبول کر رہے ہیں یہ اسلام کی برکات ہیں اگر تم نے بھی اسلام قبول کر لیا تو تمہاری بھی اطاعت کریں گے یا پھر اس وجہ سے کہا یہ عرب جو نسب کے اعتبار سے میرے خاندان میں سے نہیں اور میرے علاقہ سے بھی نہیں یہ غیر ہو کر میری اطاعت کر رہے ہیں اور تم اپنے ہو کر اطاعت نہیں کر رہے اس واقعہ کے اندر دعوۃ استجابی مراد ہے۔

باب

آبادی میں مسلمان بھی ہوں تو حملے سے پہلے ان کو علیحدہ ہونے کا موقعہ دیا جائے

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ حِينَ خَرَجَ إِلَى خَيْبَرَ أَتَاهَا لَيْلًا وَكَانَ إِذَا جَاءَ قَوْمًا بَلِيلٌ لَمْ يُغِرْ عَلَيْهِمْ حَتَّى يُصْبِحَ فَلَمَّا أَصْبَحَ خَرَجَتْ يَهُودُ مَسَاحِيهِمْ وَمَكَاتِلِهِمْ فَلَمَّا رَأَوْهُ قَالُوا مُحَمَّدٌ وَآفَقٌ وَاللَّهِ مُحَمَّدٌ النَّحْمِيسُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اللَّهُ أَكْبَرُ خَرَبْتُ خَيْبَرَ إِنَّا إِذَا أَنْزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب غزوہ خیبر کے لئے نکلے تو وہاں رات کو پہنچے۔ آپ ﷺ کا معمول تھا کہ اگر کسی قوم کے پاس رات کو پہنچتے تو صبح ہونے سے پہلے حملہ نہیں کیا کرتے تھے۔ چنانچہ جب صبح ہوئی تو یہودی اپنے پھاؤڑے اور ٹوکڑے وغیرہ لے کر آپ کی آمد سے بے خبر کھیتی باڑی کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ لیکن جب نبی اکرم ﷺ کو دیکھا تو کہنے لگے محمد ﷺ آگئے۔ خدا کی قسم محمد ﷺ لشکر لے کر آگئے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اللہ اکبر“ خیبر برباد ہو گیا۔ ہم لوگ جب کسی قوم کے میدان جنگ میں اترتے ہیں تو اس ڈرائی گئی قوم کی صبح بڑی بُری ہوتی ہے۔

تشریح: عام طور پر علماء ایک فریق بیان کرتے ہیں کہ جس لشکر میں نبی ﷺ بذاتِ خود شریک ہوں وہ غزوہ اور جیش (بڑا لشکر) کہلاتا

ہے اور جس میں آپ ﷺ شریک نہ ہوں وہ سریہ (چھوٹا لشکر) کہلاتا ہے مگر یہاں جیش کے معنی ہیں بڑا لشکر اور سریہ کے معنی ہیں چھوٹا لشکر قطع نظر اس سے کہ اس میں نبی پاک ﷺ شریک ہیں یا نہیں؟ حضور ﷺ ہر لشکر کو خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا ہدایت دیا کرتے تھے کہ جس بستی پر حملہ کرنا ہے اگر وہاں اسلام کی کوئی فعلی علامت مثلاً مسجد ہو یا کوئی یا قولی علامت مثلاً اذان سنی جائے تو اندھا دھند حملہ نہ کر دیا جائے بلکہ مسلمانوں کو وہاں سے ہٹ جانے کا موقع دیا جائے پھر جنگ شروع کی جائے۔

بَابُ فِي الْبَيَاتِ وَالْغَارَاتِ

باب ۲: شب خون مارنے کا اور دشمن کو دھوکہ میں رکھ کر حملہ کرنے کا بیان

(۱۳۷۰) كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا بَعَثَ جَيْشًا أَوْ سَرِيَّةً يَقُولُ لَهُمْ إِذَا رَأَيْتُمْ مَسْجِدًا أَوْ سَمِعْتُمْ مُؤَذِّنًا فَلَا تَقْتُلُوا أَحَدًا.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ جب خیبر کے لئے تشریف لے گئے تو آپ رات کے وقت وہاں پہنچے آپ جب بھی کسی قوم کے علاقے میں رات کے وقت پہنچتے تھے تو صبح سے پہلے ان پر حملہ نہیں کرتے تھے جب صبح ہوئی اور یہودی اپنی کدالیں اور پھاؤڑے لے کر باہر نکلے اور انہوں نے آپ کو دیکھا اور بولے محمد ﷺ آگئے ہیں اللہ کی قسم! حضرت محمد لشکر سمیت آئے ہیں تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ اکبر! خیبر برباد ہو گیا۔ جب ہم کسی قوم کے میدان میں اترتے ہیں تو وہ ان لوگوں کی بہت بری صبح ہوتی ہے جنہیں ڈرایا گیا ہو۔

(۱۳۷۱) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا ظَهَرَ عَلَى قَوْمٍ أَقَامَ بِعَرَصَتِهِمْ ثَلَاثًا.

ترجمہ: حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ جب کسی قوم پر غلبہ پا لیتے تھے تو آپ ان کے علاقے میں تین دن قیام کرتے تھے۔

البیات اور الغارات دونوں جمع مونث سالم ہیں ان کا مفرد البیة اور الغارة ہے تاندورہ ہٹا کر آخر میں الف اور ل ب م ی ت بڑھائی گئی ہے اور البیة کے معنی ہیں شب خون مارنا یعنی رات میں اچانک حملہ کرنا اور الغارة کے معنی ہیں دشمن کو دھوکہ میں رکھ کر حملہ کرنا۔

البتہ آپ ﷺ کی سیرت میں سب سے اہم بات یہ تھی کہ آپ ﷺ دشمن کو غافل رکھ کر اچانک اس کے سر پر پہنچ جاتے تھے دشمن کو کانوں کان حملہ کی خبر نہیں ہونے دیتے تھے فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار کا لشکر جرار لے کر جب آپ ﷺ مکہ مکرمہ کے آنگن میں پہنچ گئے تھے تب مکہ والوں کو پتہ چلا ہے کہ آپ ﷺ آگئے حالانکہ اتنے بڑے لشکر کی نقل و حرکت مخفی نہیں رہتی۔

اسی طرح غزوہ خیبر کے موقع پر آپ ﷺ پندرہ سو صحابہ کے ساتھ اچانک رات میں خیبر پہنچے تھے اس وقت یہودی قلعہ بند ہو کر سو رہے تھے نبی ﷺ نے نماز فجر کے بعد ریہرسل کا حکم دیا اور خود بھی گھوڑے پر سوار ہو کر ریہرسل میں شریک ہوئے اس جنگ میں تین سو گھوڑے تھے انہوں نے چاروں طرف بے تحاشا دوڑنا شروع کر دیا اور خیبر میں ایک ہنگامہ پیا کر دیا جب یہود کدال

پھاڑے اور بورے لے کر قلعہ سے باہر نکلے تو حیران رہ گئے کہنے لگے محمد بخدا بہت بڑا لشکر لے کر آگئے ہیں حالانکہ کل پندرہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم تھے آپ ﷺ نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور فرمایا خیر کا ناس ہو اس سے اور رعب پڑا یہ جو آپ ﷺ راتوں رات خیر پہنچ گئے اور دشمن کو کانوں کان خبر نہیں ہونے دی اسی کا نام الغارة ہے نبی ﷺ کی کامیابیوں کا بڑا مدار اسی طریقہ پر تھا۔

بَابُ فِي التَّخْرِيقِ وَالتَّخْرِيبِ

باب ۳: (دشمن کے گھروں یا باغات) کو آگ لگانا اور برباد کرنا

(۱۴۷۲) اَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ حَرَّقَ نَخْلَ بَنِي النَّضِيرِ وَقَطَعَ وَهِيَ الْبُيُوتُ فَأَنْزَلَ اللَّهُ ﷻ مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لَيْنَةٍ أَوْ تَرَكْتُمْوهَا قَاءَ مَاءٍ عَلَى أَصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے بنو نضیر کے باغات جلوا دیئے تھے اور انہیں کٹوا دیا تھا جو ”بویرہ“ کے مقام پر تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔

”تم نے جو بھی کھجور کے درخت کاٹے ہیں یا جن کی جڑوں پر انہیں چھوڑ دیا ہے، تو یہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے تحت ہے تاکہ وہ گنہگاروں کو رسوا کر دے۔“

دشمن کے درخت وغیرہ اموال ضائع کرنے کے بارے میں اختلاف ہے جیسا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے ملا علی قاری رحمہ اللہ نے مرقات میں لکھا ہے کہ جمہور کے نزدیک جائز ہے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کو اس سے منع کیا تھا۔ لیکن محقق قول یہ ہے کہ یہ امام کی صوابدید پر ہے کہ اگر وہ ضرورت محسوس کرے تو جائز ورنہ مکروہ ہوگا جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ کا قول ترمذی نے نقل کیا ہے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا مقصد بھی یہی تھا یعنی انہوں نے محسوس کیا ہوگا کہ شام کی فتح جلاؤ کے بغیر بھی ہو جائے گی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْغَنِيمَةِ

باب ۴: غنیمت کا بیان

(۱۴۷۳) اِنَّ اللَّهَ فَضَّلَنِي عَلَى الْأَنْبِيَاءِ أَوْ قَالَ أُمَّتِي عَلَى الْأُمَمِ وَأُحِلَّ لِي الْغَنَائِمُ.

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام انبیاء پر فضیلت دی ہے۔ (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) میری امت کو تمام امتوں پر فضیلت دی ہے اور ہمارے لئے مال غنیمت کو حلال قرار دیا ہے۔ تشریح: نبی کریم ﷺ کی فضیلت باقی انبیاء پر کئی وجوہ سے ثابت ہے اگلی روایت میں چھ کا ذکر ہے لیکن ان میں حصر مقصود نہیں ہے کہ چھ سے زیادہ بھی صحیح روایات سے ثابت ہیں اس لیے کہا جائے گا کہ آپ ﷺ نے یہ ارشاد مختلف موقعوں پر فرمایا علم کے اضافے کے ساتھ ساتھ تعداد بڑھتی چلی گئی اور پھر بھی اخیر تک نہیں پہنچی۔ تاہم آپ ﷺ کی ایسی مدح و تعریف کرنا کہ جس سے دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کی شان میں کمی کا تاثر ابھرنے لگے جائز نہیں۔

قوله واحل لنا الغنائم: سابقہ امم میں بعض امتیں ایسی تھیں جن کو جہاد کا حکم نہیں دیا گیا تھا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے ادوار میں۔

دوسری وہ تھیں جن کو جہاد کرنے کا حکم تھا مگر ان کے لیے غنائم سے کسی قسم کا استفادہ جائز نہ تھا بلکہ جہاد قبول ہونے کی صورت میں آسمان سے آگ آتی اور غنیمت کو کھا جاتی اور اس کی حکمت حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ حضور ﷺ کے علاوہ تمام انبیاء کی بعثت مخصوص علاقہ اور مخصوص قوم کے لیے ہوتی تھی اس لیے ان کا جہاد وقتی ہوتا تھا اور نبی ﷺ کی بعثت ساری دنیا کی طرف ہے اور قیامت تک کے لیے ہے اس لیے آپ ﷺ کی امت میں ہمیشہ جہاد جاری رہے گا اس لیے اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کی ضرورت کے پیش نظر غنیمت کو حلال کیا ہے۔

بَابُ فِي سَهْمِ الْخَيْلِ

باب ۵: غنیمت میں گھوڑوں کا حصہ

(۱۴۷۵) اَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَسَمَ فِي النَّفْلِ لِلْفَرَسِ بِسَهْمَيْنِ وَلِلرَّجُلِ بِسَهْمٍ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے مال غنیمت تقسیم کرتے ہوئے سوار کو دو حصے دیئے تھے اور پیدل شخص کو ایک حصہ دیا تھا۔

مذاہب فقہاء: ① امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں غنیمت میں گھوڑ سوار کے دو حصے ہیں: ایک گھوڑے کا اور ایک سوار کا۔ ② جبہور فقہاء کے نزدیک بشمول صاحبین گھوڑ سوار کے تین حصے ہیں ایک حصہ سوار کا اور دو حصے گھوڑے کے اس لیے کہ گھوڑا زیادہ کھاتا ہے اس لیے اس کا حصہ بھی دو گنا ہے۔

امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل: یہ ہے کہ جنگ خیبر میں صرف وہ صحابہ رضی اللہ عنہم شریک ہوئے تھے جو صلح حدیبیہ میں شریک تھے نیا کوئی شخص جنگ خیبر میں شریک نہیں ہوا تھا اور وہ پندرہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم تھے جن میں تین سو گھڑ سوار تھے نبی ﷺ نے خیبر کی کل غنیمت کے پہلے اٹھارہ حصے کئے پھر ہر حصے کے سو حصے کئے پس کل اٹھارہ سو حصے ہوئے تقسیم اس طرح فرمائی کہ پیادوں کو ایک ایک حصہ دیا اور گھڑ سواروں کو دو دو حصے دیئے یہ مجمع بن جاریہ کی روایت ہے اور ابو داؤد میں ہے۔

سوال: امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد حاشیہ پر لکھا ہے ہذا وہم کہ اس نے کہہ دیا کہ سوار تین سو تھے حالانکہ سوار دو سو تھے تو اب کل تعداد ۱۴۰۰ ہوگئی اب جمہور کے مطابق بھی تفسیر آسانی کے ساتھ منطبق ہوگئی ۱۸ حصوں میں سے ۱۲ جلیں کو اور سوار دو سو ہیں تو ہر سوار کو جب تین حصے ملیں گے تو ۱۸ پورے ہو جائیں گے۔

جواب: ۱۵۰۰ کے عدد کو وہم کہنا خود وہم ہے کیونکہ اس کے خلاف پر دلیل موجود ہے چنانچہ بخاری میں تصریح ہے کہ اہل حدیبیہ کی تعداد ۱۵۰۰ تھی اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ راجل ۱۲۰۰ تھے تو لا محالہ فارس تین سو ہوں گے۔

سوال: بخاری کے اسی صفحہ پر ۱۴۰۰ سو کی بھی روایت ہے؟

جواب: عدد اقل اکثر کے منافی نہیں ہے اور نیز مثبت للزیادۃ روایت کو ترجیح ہوتی ہے۔

دلیل: جہور: حدیث الباب ابن عمر رضی اللہ عنہما لِلْفَرَسِ بِسَهْمَيْنِ وَلِلزَّجْلِ بِسَهْمٍ۔

جواب: ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اس موقع پر فارس کو تین حصے دیئے دو حصے تو بطور استحقاق کے اور ایک حصہ بطور انعام کے اور امیر ایسا کر سکتا ہے۔

جواب ثانی: اس حدیث میں فرس سے مراد فارس ہے اس پر قرینہ یہ ہے کہ اس کو راجل کے مقابلہ میں ذکر کیا ہے اور راجل کے مقابل فارس ہو گا نہ کہ فرسی بس معلوم ہوا کہ فارس کے دو حصے ہیں باقی وہ روایات جن میں تین حصوں کی تصریح ہے یہ روایات بالمعنی کے قبیل سے ہیں کہ نافع نے فرس کو حقیقی معنی پر محمول کر کے ایک حصہ مالک کا سمجھ کر کہہ دیا: للفرس ثلاثہ اسہم۔

سوال: یہ توجیہ القول بما لا یرضی بہ القائل ہے کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اپنا قول تین حصوں کا ہے؟

جواب: یہ توجیہ القول بما لا یرضی بہ القائل نہیں بلکہ بما یرضی قائلہ کے قبیل سے ہے۔

سوال: جب راوی کا فتویٰ کسی نص کی وجہ سے ہو تو وہ روایت کے منسوخ ہونے کی دلیل ہے؟

جواب: یہ تب ہو گا جب راوی کا فتویٰ اس نص کی وجہ سے ہو اور یہاں تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اجتہاد ہے۔

جواب ثانی: یہ درایت کے بھی خلاف ہے کہ حیوان کے دو حصے اور انسان کا ایک حصہ تو یہ حیوان کو انسان پر مقدم کرنا لازم آئے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّرَايَا

باب ۶: جنگی مہمات کا بیان

(۱۴۷۶) خَيْزُ الصَّخَابَةِ اَرْبَعَةٌ وَ خَيْزُ السَّرَايَا اَرْبَعُ مِائَةٍ وَ خَيْزُ اَلْجِيُوشِ اَرْبَعَةُ اَلْفٍ وَلَا يُغْلَبُ اِثْنَا عَشَرَ اَلْفًا مِنْ قَلَّةٍ۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: چار آدمی بہترین ساتھی ہوتے ہیں چار سو آدمیوں کی جنگی مہم سب سے بہتر ہوتی ہے چار ہزار لوگوں کا لشکر سب سے بہتر ہوتا ہے اور بارہ ہزار لوگ کم ہونے کی وجہ سے مغلوب نہیں ہو سکتے۔

قولہ السرایا سریۃ بتشدید الیاء کی جمع ہے لشکر کی وہ ٹکڑی جو زیادہ سے زیادہ چار سو تک افراد پر مشتمل ہو چونکہ اس میں عموماً تجربہ کار آدمی ہوتے ہیں۔

سریہ میں اچھی تعداد چار سو اور لشکر کی چار ہزار کی حکمت تو اللہ ہی کو معلوم ہے جو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی بتلادی مگر جو ظاہر حکمت ہے ابن العربی کے قول کے مطابق تین سو حد کثرت ہے اور سو کا اضافہ کر کے حد کثرت پر پہلی زیادتی شمار ہوتی ہے جبکہ بارہ ہزار چار ہزار پر کم از کم تضعیف ہے تو چار ہزار چار سو کی۔

بَابُ مَنْ يُعْطَى الْفَى؟

باب ۶: مال غنیمت میں سے بطور انعام کس کو دیا جائے؟

(۱۳۷۷) أَنَّ نَجْدَةَ الْحُرُورِ كَتَبَ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ يَسْأَلُهُ هَلْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَغْزُو بِالنِّسَاءِ وَهَلْ كَانَ يَضْرِبُ لَهُنَّ بِسَهْمٍ فَكَتَبَ إِلَيْهِ ابْنُ عَبَّاسٍ كَتَبْتُ إِلَيْكَ تَسْأَلُنِي هَلْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَغْزُو بِالنِّسَاءِ وَكَانَ يَغْزُو بِهِنَّ فَيُدَاوِينَ الْمَرْضَى وَيُخَذِّلُونَ مِنَ الْغَنِيمَةِ وَأَمَّا بِسَهْمٍ فَلَمْ يَضْرِبْ لَهُنَّ بِسَهْمٍ.

ترجمہ: یزید بن ہریر بیان کرتے ہیں: نجدہ حروری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو خط لکھا جس میں ان سے دریافت کیا۔ نبی اکرم ﷺ جنگ میں خواتین کو شامل رکھتے تھے اور کیا آپ انہیں کوئی طے شدہ حصہ بھی دیتے تھے؟ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے جواب میں لکھا۔ تم نے مجھے خط لکھا جس میں مجھ سے سوال کیا کہ نبی اکرم ﷺ خواتین کو جنگ میں شامل رکھتے تھے؟ تو آپ ﷺ خواتین کو جنگ میں لے جایا کرتے تھے وہ بیماریوں (یعنی زخمیوں) کی تیمارداری کرتی تھیں اور انہیں مال غنیمت سے کچھ دے دیا جاتا تھا، تاہم نبی اکرم ﷺ نے ان کے لئے کوئی باقاعدہ حصہ مقرر نہیں کیا۔

فئی کا اصل یعنی وہ مال جو کفار سے بلا قتال حاصل ہو لیکن یہاں پر مال غنیمت مراد ہے یعنی مال غنیمت کن کن کو دیا جائے گا۔
مذہب فقہاء: اگر عورتیں اور بچے جہاد میں شریک ہوں تو ان کو حصہ دیا جائے گا یا نہیں تو اس میں اختلاف ہے۔
عند الجمهور: ① ان کو مستقل حصہ نہیں دیا جائے گا البتہ امام ان کی دل جوئی کے لیے جتنا مناسب سمجھے حصہ سے کم کم دے۔
② امام اوزاعی رحمہ اللہ کے ہاں عورتوں اور بچوں کو مجاہدین کے برابر حصہ ملے گا۔

جمهور کی دلیل: حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما نجدہ مروی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف خط لکھا وہ سوال کر رہے تھے کہ ہل کان رسول اللہ ﷺ یغزو بالنساء وهل کان یضرب لهن بسهم. پس حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ آپ ﷺ عورتوں کو ساتھ لے جاتے تھے اور وہ مریضوں کا علاج کرتی تھیں اور آپ ﷺ ان کو کچھ نہ کچھ دیتے تھے۔ بہر حال مستقل حصہ نہیں دیتے تھے۔

دلیل امام اوزاعی رحمہ اللہ: رسول اللہ ﷺ نے غزوہ خیبر سے حاصل شدہ مال غنیمت سے بچوں کو بھی حصہ دیا اور آپ ﷺ کے بعد حکام بھی بچوں کو حصہ دیا کرتے تھے حتیٰ کہ جو دارالحرب میں قتال کرتے ہوئے عورت بچہ جن دیتی اس کو بھی حصہ دیتے تھے۔
جواب: بہت کمزور استدلال اس کا معنی یہ ہے کہ کچھ نہ کچھ عطیہ دیتے تھے مستقل حصہ نہیں دیتے تھے لہذا کوئی محل نزاع نہیں۔

بَابُ هَلْ يُسَمَّمُ الْعَبْدُ؟

باب ۸: کیا غلام کو حصہ دیا جائے گا؟

(۱۳۷۸) قَالَ شَهِدْتُ خَيْبَرَ مَعَ سَادَتِي فَكَلَّمُوا فِي رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَكَلَّمُوهُ أَنِّي مَمْلُوكٌ قَالَ فَأَمَرَ بِي فَقَلَّدْتُ

السَّيْفُ فَإِذَا أَنَا أَجْرُهُ فَأَمَرَنِي بِشَيْءٍ مِنْ خُرَّتِي الْمَتَاعِ وَعَرَضْتُ عَلَيْهِ رُقِيَّةً كُنْتُ أَرُقِي بِهَا الْمَجَانِينَ فَأَمَرَنِي بِطَرَحِ بَعْضِهَا وَحَبْسِ بَعْضِهَا.

ترجمہ: عمیر جو ابولحم کے آزاد کردہ غلام ہیں وہ بیان کرتے ہیں: میں اپنے آقا کے ہمراہ غزوہ خیبر میں شریک ہوا لوگوں نے میرے بارے میں نبی اکرم ﷺ سے بات کی لوگوں نے اس بارے میں آپ کو بتایا کہ میں غلام ہوں، راوی بیان کرتے ہیں تو نبی اکرم ﷺ نے سامان میں سے کوئی چیز مجھے عطا کرنے کی ہدایت کی پھر میں نے آپ کو ایک دم پڑھ کے سنایا جس کے ذریعے میں پاگلوں کو دم کیا کرتا تھا تو آپ نے اس کا کچھ حصہ مجھے استعمال کرنے کی ہدایت کی اور کچھ کو ترک کرنے کی ہدایت کی۔

اگر کوئی غلام فوج میں شامل ہو کر باقاعدہ لڑے تو کیا اس کو مال غنیمت میں سے حصہ دیا جائے گا؟ تمام ائمہ متفق ہیں کہ غلام کا مال غنیمت میں کوئی حصہ نہیں کیونکہ غلام کا مال اس کا نہیں ہوتا اس کے آقا کا ہوتا ہے اور اگر آقا جنگ میں شریک ہوا ہے تو وہ اپنا حصہ پائے گا اور اگر شریک نہیں ہوا تو غنیمت میں اس کا حصہ نہیں البتہ امام اپنی صوابدید سے کچھ انعام دے سکتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَهْلِ الذِّمَّةِ يَغْزُونَ مَعَ الْمُسْلِمِينَ هَلْ يُسَهَّمُ لَهُمْ؟

باب ۹: اگر ذمی مسلمانوں کے ساتھ مل کر لڑے تو اس کو غنیمت میں سے حصہ دیا جائے گا؟

(۱۳۷۹) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ خَرَجَ إِلَى بَدْرٍ حَتَّى إِذَا كَانَ بِحَرَّةِ الْوَبَرَةِ لَحِقَهُ رَجُلٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ يَذْكُرُ مِنْهُ جُرْأَتَهُ وَنَجْدَةً فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ أَلَسْتَ تُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ قَالَ لَا قَالَ ارْجِعْ فَلَنْ أَسْتَعِينَنِي مُشْرِكٌ.

ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم ﷺ بدر تشریف لے گئے جب آپ حرۃ الوبر کے مقام پر پہنچے تو ایک مشرک آپ سے ملا اس کی جرات اور بہادری کا تذکرہ کیا گیا، تو نبی اکرم ﷺ نے اس سے دریافت کیا۔ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہو اس نے جواب دیا۔ نہیں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تم واپس چلے جاؤ کیونکہ ہم کسی مشرک سے مدد نہیں لیں گے۔

(۱۳۸۰) وَيُزَوَّى عَنِ الزُّهْرِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَسَهَمَ لِقَوْمٍ مِنَ الْيَهُودِ قَاتِلُوا مَعَهُ.

ترجمہ: زہری سے یہ روایت نقل کی گئی ہے: نبی اکرم ﷺ نے یہود سے تعلق رکھنے والے ایک گروہ کو حصہ دیا تھا جنہوں نے آپ کے ساتھ جنگ میں شرکت کی تھی۔

(۱۳۸۱) قَدِمْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي نَفَرٍ مِّنَ الْأَشْعَرِيِّينَ خَيْبَرَ فَأَسَهَمَ لَنَا مَعَ الَّذِينَ افْتَتَحُوهَا.

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں اشعر قبیلے کے کچھ افراد کے ہمراہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں خیبر میں حاضر ہوا تو آپ نے ہمیں بھی ان لوگوں کے ساتھ حصہ دیا جو خیبر کی فتح میں شریک تھے۔

مذہب فقہاء: غیر مسلم اہل ذمہ مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو کر جہاد کریں تو مجاہدین کے ساتھ ان کا بھی حصہ مستقل ہے یا

نہیں (۱) ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کا اتفاق ہے کہ ان کا حصہ مستقل نہیں لیکن ان کو خدمت کی وجہ سے کچھ نہ کچھ دے دیا جائے گا۔ (۲) بعض تابعین رحمہم اللہ کی رائے یہ ہے کہ ان کو بھی مستقل حصہ دیا جائے گا۔

دلیل کے طور پر زہری سے مرسل روایت نقل کی ہے کہ یہودیوں کو آپ ﷺ نے حصہ دیا تھا جواب یہ بطور حصہ کے نہیں تھا بلکہ بطور عطیہ کے تھا۔

جسہور کی دلیل: حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کہ آپ ﷺ نے اہل ذمہ کو واپس بھیج دیا تھا (خلاصہ حدیث) اب امام ترمذی رحمہم اللہ نے اس سے استدلال کیا جب جہاد میں شریک نہیں فرمایا تو حصہ بطریق اولیٰ نہ دیا ہوگا باقی اہل ذمہ سے یعنی غیر مسلموں سے تعاون لینا جائز ہے یا نہیں اگر کوئی مصلحت ہو تو جائز ہے جبکہ انتظام مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو اگر مصلحت نہ ہو بلکہ النقصان ہو تو پھر تعاون لینا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ: قتال سے فارغ ہونے سے پہلے پہلے اگر کوئی امداد کی غرض سے لشکر میں آ کر مل جائے تو مستقل حصہ دیا جائے گا اگر قتال کے بعد آ کر ملے تو حصہ نہیں دیا جائے گا باقی حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی فتح کے بعد آئے تھے تو ان کو مستقل حصہ نہیں ملنا چاہیے تھا۔

جواب: یہ حصہ خمس میں سے دیا تھا اور خمس سے دینا جائز ہے۔

جواب: ممکن ہے غنیمت سے حصہ دیا ہو لیکن رضامندی کے ساتھ۔

جواب: یا پھر سہم بمعنی عطیہ کے طور پر دیا تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْإِنْتِفَاعِ بِأَنْبِيَةِ الْمُشْرِكِينَ

باب ۱۰: مشرکین کے برتنوں استعمال کرنا

(۱۳۸۲) سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ قُدُورِ الْمَجُوسِ قَالَ أَنْقُوَهَا غَسِلًا وَاطْبُخُوا فِيهَا وَنَهَى عَنْ كُلِّ سَبْعٍ وَذِي نَابٍ.

ترجمہ: حضرت ابو ثعلبہ حشنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ سے مجوسیوں کی ہانڈیوں کے بارے میں دریافت کیا گیا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ انہیں دھو کر اچھی طرح صاف کر لو اور پھر ان میں پکالو! ویسے نبی اکرم ﷺ نے ہر نوکیلے دانتوں والے درندے (گوشت کھانے) سے منع کیا ہے۔

(۱۳۸۳) أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا بَارِضُ قَوْمٍ أَهْلِ كِتَابٍ نَأْكُلُ فِي أَنْبِيَتِهِمْ قَالَ إِنْ وَجَدْتُمْ غَيْرَ أَنْبِيَتِهِمْ فَلَا تَأْكُلُوا فِيهَا فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فَاغْسِلُوهَا وَكُلُوا فِيهَا.

ترجمہ: حضرت ابو ثعلبہ حشنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ! ہم اہل کتاب کے علاقے میں رہتے ہیں اور ان کے برتنوں میں کھا لیتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ تمہیں اس کے علاوہ

اگر برتن مل جائیں تو تم ان میں نہ کھاؤ لیکن اگر نہیں ملتے تو تم ان برتنوں کو دھو کر ان میں کھاؤ۔

(۱۳۸۴) اِنَّهٗ قَالَ يٰۤاَرَسُوْلُ اللّٰهِ اِنَّا بِاَرْضِ اَهْلِ كِتٰبٍ فَتَنْطَبِخُ فِيْ قُدُوْرِهِمْ وَنَشْرَبُ فِيْ اَنْبِيْتِهِمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنْ لَّمْ تَجِدُوْا غَيْرَهَا فَارْحَضُوْهَا بِالْمَآءِ ثُمَّ قَالَ يٰۤاَرَسُوْلُ اللّٰهِ اِنَّا بِاَرْضِ صَيِّدٍ فَكَيْفَ نَصْنَعُ قَالَ اِذَا اَرْسَلْتَ كَلْبَكَ الْمُكَلَّبَ وَذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ فَقَتَلَ فَكُلْ وَاِنْ كَانَ غَيْرَ مُكَلَّبٍ فَذَكَرْ كُلَّ وَاِذَا رَمَيْتْ بِسَهْمِكَ وَذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ فَقَتَلَ فَكُلْ۔

ترجمہ: حضرت ابو ثعلبہ حشّی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، انہوں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ہم لوگ اہل کتاب کے علاقے میں رہتے ہیں، ان کی ہنڈیا میں پکا لیتے ہیں، ان کے برتنوں میں پی لیتے ہیں (اس کا حکم کیا ہے؟) نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اگر تمہیں ان کے علاوہ برتن نہیں ملتے تو تم ان (کے برتنوں) کو پانی کے ذریعے دھو کر (استعمال کرلو)۔ پھر حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ ہم ایسے علاقے میں رہتے ہیں جہاں شکار کر کے جانور حاصل کیا جاتا ہے تو ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جب تم اپنے تربیت یافتہ کتے کو بھیجتے ہوئے بسم اللہ پڑھ لو اور پھر وہ کتا اس شکار کو مار دے تو تم اسے کھاؤ، لیکن اگر تمہارا بھیجا ہوا کتا تربیت یافتہ نہ ہو، تو تم شکار کو پہلے ذبح کرو، پھر اسے کھانا اور جب تم اپنا تیر پھینکتے ہوئے اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لے لو اور اس تیر کی وجہ سے شکار مر جائے تو تم اسے کھاؤ۔

بَابُ فِي السَّفَلِ

باب ۱۱: مال غنیمت میں سے انعام دینے کا بیان

(۱۳۸۵) اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُنْفِلُ فِي الْبَدَاةِ الرَّبْعَ وَفِي الْقُفُولِ الثَّلَاثَ۔

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ ابتدا میں چوتھائی مال غنیمت تقسیم کر دیتے تھے اور واپسی پر باقی تین حصے تقسیم کرتے تھے۔

(۱۳۸۶) اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ تَنَقَّلَ سَيْفَهُ ذَا الْفَقَارِ يَوْمَ بَدْرٍ وَهُوَ الَّذِي رَاى فِيهِ الرُّثُوْا يَوْمَ اُحُدٍ۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے اپنی تلوار ذوالفقار غزوہ بدر کے دن مال غنیمت سے لی تھی اور یہ وہی تلوار ہے، جسے آپ نے غزوہ احد کے دن خواب میں دیکھا تھا۔

نفل کا معنی انعام اور ایک معنی غنیمت ہے انعام کا مطلب یہ ہے کہ شرعی طور پر جتنے کا مستحق بنتا ہے اس استحقاقی حصہ سے زائد بطور انعام کے دیا جاتا ہے باقی تنفل جائز ہے یا نہیں کہ کسی مجاہد کو یا پوری جماعت کو اس کے حصہ سے زائد دے دے تو یہ بالا جماع جائز ہے البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ مال غنیمت کے کون سے حصے سے دیا جائے گا۔

مذہب فقہاء: ① احناف کے نزدیک مال غنیمت کو دارالاسلام میں لانے سے پہلے دیا جائے گا پھر خمس نکالنے کے بعد مجاہدین

کے جو چار حصے ہیں ان سے انعام دیا جائے گا اور بقیہ کو مجاہدین میں تقسیم کیا جائے گا اگر دارالاسلام میں لانے کے بعد دینا چاہتے ہیں تو خمس سے دے سکتے ہیں باقی چار حصوں میں سے نہیں دیا جائے گا۔

② اور حنابلہ کے ہاں ہر حال میں خمس نکالنے کے بعد باقی چار حصوں میں سے دیا جائے گا۔

③ ایک قول امام مالک رحمہ اللہ کا ہے کہ یہ انعام ہر صورت میں خمس سے ہوگا یعنی اولاً خمس نکالا جائے گا پھر اس میں سے حصہ دیا جائے گا۔

④ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نفل خمس الخمس سے دیا جائے گا اور اس میں بھی اختلاف ہوا ہے کہ نفل کی مقدار کتنی ہوگی احناف کی رائے یہ ہے کہ یہ امام کی صوابدید پر ہے البتہ بعض اہل علم نے کہا کہ ثلث یا ربع دیا جاسکتا ہے اور یہ پورے مال غنیمت کا مراد ہے چنانچہ حدیث اس لیے ذکر کی ہے اور ان کی دلیل یہی حدیث ہے کہ بڑا لشکر کسی مہم پر روانہ ہوتا ہے تو بعض اوقات امیر جہاد اس بڑے لشکر سے ایک چھوٹی جماعت ایک خاص مہم پر روانہ کر دیتے ہیں ان کے لیے بطور انعام کے ربع مقرر کرتے کہ اس مہم میں جتنا مال غنیمت تمہیں حاصل ہوگا اس کا ربع تمہیں بطور تنفیل کے ملے گا اور باقی پورے لشکر کو قاعدہ شریعہ کے مطابق ملے گا جب بڑا لشکر اپنی مہم سے فارغ ہو جاتا تو دارالحرب سے واپس آ رہا ہوتا اور واپسی کے موقع پر آپ ﷺ اس لشکر سے ایک چھوٹی جماعت روانہ کرتے ان کے لیے نفل ثلث مقرر کر دیتے اور باقی مال تمام لشکر میں تقسیم کرتے باقی تفاوت اس لیے ہے کہ ابتداء میں مشقت نہیں ہوتی سب کا جوش ہوتا ہے اور جب پورا لشکر واپس آ رہا ہوتا ہے تو ہر شخص تھکا ماندہ ہوتا ہے اور ایسی صورت میں بڑے لشکر کو چھوڑ کر جانا یہ دل گردے کا کام ہے کیونکہ ہر شخص چاہتا ہے کہ جلدی اپنے بیوی بچوں میں جاؤں تو وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

جواب: یہاں پر ثلث اور ربع کا ذکر ہے زیادتی کی نفی تو نہیں ہے دوسری حدیث میں ہے: تنفل سیفہ ذوالفقار یوم بدر بطور صفی کے تلوار لی یہ آپ ﷺ کی خصوصیت ہے آپ ﷺ کے بعد کسی امیر یا بادشاہ کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے۔ نفل کا ایک معنی یہ بھی ہو گیا یعنی ایک نفل بمعنی غنیمت ② نفل بمعنی انعام ③ نبی کریم ﷺ کا اپنے لیے انتخاب کر لینا اس کو عام اصطلاح میں صفی کہتے ہیں فقار اصل میں ریڑھ کی ہڈی کے مہروں کو کہتے ہیں اس طور پر وہ نشان ریڑھ کی ہڈی کے مشابہ تھے اس لیے اس کا نام ذوالفقار پڑ گیا کہ حضور ﷺ نے خواب دیکھا کہ میں نے اس کو ہوا میں لہرایا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَنْ قَتَلَ قَتِيلًا فَلَهُ سَلْبُهُ

باب ۱۲: جو شخص کسی مقتول کو قتل کرے اس کا سامان اس شخص کو ملے گا

(۱۳۸۷) مَنْ قَتَلَ قَتِيلًا لَهُ عَلَيْهِ بَيِّنَةٌ فَلَهُ سَلْبُهُ.

ترجمہ: حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی مقتول کو قتل کر دے اور اس پر ثبوت پیش کر دے تو اس مقتول کا سامان اسے ملے گا۔

سلب (مقتول کا ساز و سامان) قاتل کا حق ہے یا انعام؟ یعنی نبی ﷺ کا یہ ارشاد ہے یا اعلان ہے؟

سلب مقتول کا فر کا ساز و سامان کپڑے اور تھمیا وغیرہ آیا قاتل ان کا مستحق ہوگا یا نہیں اس میں اختلاف ہوا ہے قاتل کے سلب

کا مستحق ہونا دائمی قانون شرعی ہے امام اعلان کرے یا نہ کرے یا یہ موقوف ہے امام کی تفصیل امام کے اعلان کرنے پر کہ جو کسی کافر کو قتل کرے گا اس کا ساز و سامان اس کو ملے گا۔

① احناف کہتے ہیں کہ قاتل کا مستحق سلب ہونا یہ موقوف ہے امام کے اعلان پر اگر امام نے اعلان کیا تو پھر تو کافر کے سلب کا مستحق ہوگا ورنہ مستحق نہ ہوگا امام مالک رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے۔

② امام شافعی، امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قاتل کا مستحق سلب ہونا یہ دائمی قاعدہ شرعیہ ہے امام خواہ اعلان کرے یا نہ کرے وہ اس کا مستحق ہوگا۔

منشاء اختلاف: یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جو یہ ارشاد فرمایا: من قتل قتیلًا..... اس ارشاد کی کیا حیثیت ہے قال الاحناف اس کی حیثیت تفصیل ہے یعنی آپ ﷺ نے یہ جو ارشاد فرمایا یہ امیر المسلمین امیر جہاد ہونے کی حیثیت سے ہے یہ شارع ہونے کی حیثیت سے نہیں لہذا یہ اعلان ہوگا کسی امیر جہاد کی جانب سے تو پھر مستحق ہوگا ورنہ مستحق نہ ہوگا۔
شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ یہ ارشاد قاعدہ شرعیہ ہونے کی حیثیت سے ہے شارع ہونے کی حیثیت سے ہے۔

احناف کے ہاں وجوہ ترجیح کیا ہے؟

① یہ جو ارشاد فرمایا ہے یہ خاص مواقع میں سے ہے ایک غزوہ بدر کے موقع پر اور ایک غزوہ حنین کے موقع پر اور آپ ﷺ جانتے ہیں کہ ان دونوں موقعوں پر تحریض علی القتال مقصود تھا اس لیے امیر المسلمین ہونے کی حیثیت سے جہاد پر ابھارنے کے لیے فرمایا: من قتل قتیلًا فلہ سلبہ بے شک ہم اس کو تسلیم کر لیتے ہیں کہ یہ قاعدہ شرعیہ ہے اگر یہ ارشاد مسجد نبوی میں ہوتا جبکہ یہاں نہیں فرمایا بلکہ غزوہ بدر اور غزوہ حنین کے موقع پر فرمایا۔

② حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جن کی ساری عمر جہاد میں گزری جہاد کے متعلق احکام کا علم ان کو زیادہ ہوگا چنانچہ بعض مواقع میں جھگڑا ہوا کہ قاتل نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے سلب کا مطالبہ کیا لیکن حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے نہیں دیا الغرض حضور ﷺ کے پاس مقدمہ پہنچا شکایت ہوئی تو حضور ﷺ نے اس فیصلہ کو برقرار رکھا تو لہذا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا قاتل کے بارہ میں نہ دینے کا فیصلہ کرنا یہ دلیل ہے اس بات کی کہ یہ ارشاد بطور تفصیل کے تھا شارع ہونے کی حیثیت سے نہیں تھا۔

بَابُ فِي كَرَاهِيَةِ بَيْعِ الْمَغَانِمِ حَتَّى تُقَسَّمَ

باب ۱۳: تقسیم سے پہلے غنیمت میں سے حصہ بیچنا جائز نہیں

(۱۳۸۸) تَفْهِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ شُرَاءِ الْمَغَانِمِ حَتَّى تُقَسَّمَ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے اسے فروخت کرنے سے منع کیا ہے۔
تشریح: تقسیم سے پہلے مال غنیمت میں سے اپنا حصہ فروخت کرنا جائز نہیں کیونکہ غنیمت میں سے کس کو کیا اور کتنا ملے گا یہ بات متعین نہیں پس یہ مہول کی بیع ہے اس لیے جائز نہیں۔

بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَّةِ وَطِي الْحَبَالِي مِنَ السَّبَايَا

باب ۱۴: حاملہ قیدی عورتوں کے ساتھ صحبت کرنا حرام ہے

(۱۴۸۹) اِنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَهْلِي اَنْ تُوْطَا السَّبَا يَا حَتّٰى يَضَعْنَ مَا فِي بُطُوْنِهِنَّ.

ترجمہ: اُم حبیبہ بنت عر باض بن ساریہ بیان کرتی ہیں: ان کے والد نے انہیں یہ بات بتائی ہے نبی اکرم ﷺ نے اس بات سے منع کیا ہے۔ قیدی عورتوں کے ساتھ صحبت کی جائے جب تک وہ اپنے پیٹ میں موجود بچوں کو جنم نہیں دیتی۔
تشریح: جنگ میں جو عورتیں قید ہوں اور وہ باندی بنا کر فوج میں تقسیم کر دی جائیں تو ان سے استبرائے رحم کے بعد ہی مولیٰ صحبت کر سکتا ہے یعنی جب تک باندی کو حیض نہ آجائے آقا اس سے صحبت نہیں کر سکتا اور اگر وہ حاملہ ہو تو وضع حمل کے بعد جب نفاس بند ہو صحبت کر سکتا ہے۔ اسی طرح جب باندی میں ملکیت بدلے تب بھی استبرائے رحم ضروری ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي طَعَامِ الْمُشْرِكِيْنَ

باب ۱۵: اہل کتاب کے ذبیحہ کا حکم

(۱۴۹۰) سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَنْ طَعَامِ النَّصَارَى فَقَالَ لَا يَتَخَلَّجَنَّ فِي صَدْرِكَ طَعَامُ ضَارَعَتْ فِيْهِ النَّصْرَانِيَّةَ.

ترجمہ: قبیصہ بن ہلب اپنے والد کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں: وہ فرماتے ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ سے عیسائیوں کے کھانے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایسا کھانا جس میں عیسائیت کی مشابہت ہو وہ تمہارے ذہن میں کوئی شک پیدا نہ کرے۔

یہ مشکل باب ہے یہاں طعام کے معنی ذبیحہ کے ہیں سورۃ المائدہ (آیت ۵) میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں آیا ہے اور باب میں جو دو حدیثیں ہیں (حضرت ہلب اور حضرت عدی کی) وہ اہل کتاب کے ذبیحہ کے بارے میں ہیں اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے باب میں مسئلہ بھی اہل کتاب کے ذبیحہ کی علت بیان کیا ہے مشرکین کے ذبیحہ سے کوئی تعرض نہیں کیا اس لیے نہیں کہا جاسکتا ہے کہ باب میں لفظ مشرکین محفوظ ہے یا کہ نہیں؟ میرے خیال میں یہ تصحیف ہے اور شروع سے چلی آرہی ہے اس لیے میں نے عربی عنوان نہیں بدلا اور اردو میں عنوان معنون (باب) کے مطابق قائم کیا ہے۔

مشرکین کا ذبیحہ بالا جماع حرام ہے: پہلے حدیث گزری ہے کہ اگر شکار پر مجوسی کتا چھوڑے تو وہ شکار حلال نہیں یہی حکم مشرکین اور ہندوؤں کے ذبیحہ کا ہے اور اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کا ذبیحہ بہ نص قرآنی حلال ہے سورۃ المائدہ (آیت ۵) میں ہے اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لیے حلال ہے البتہ اگر وہ لوگ ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لیں تو پھر ان کا ذبیحہ حرام ہے جیسے مسلمان اگر

جان بوجھ کر بسم اللہ چھوڑ دے تو اس کا ذبیحہ بھی جمہور کے نزدیک حرام ہے اور ہدایہ ۲: ۳۴۷) میں ہے: ان المسلم والکتابی فی ترک التسمیة سواء اور ابن قدامہ نے معنی (۲۵۸: ۱۳) میں یہی مذہب امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کا نقل کیا ہے۔
البتہ بت پرستوں اور آتش پرستوں کا ذبیحہ جائز نہیں پھر اس آیت میں طعام سے مراد ذبیحہ ہے کیونکہ عام کھانا تمام کفار کا برابر ہے یعنی جائز ہے بشرطیکہ اس میں کوئی اور وجہ نہ ہو تفسیر مدارک میں ہے: ای ذبائحهم لان سائر الاطعمة لا يختص حلها بالملة اسی طرح خازن وغیرہ میں اس آیت کی تفسیر میں بھی یہی لکھا ہے:

واجمعوا علی تحریم ذبائح المجوس وسائر اهل الشرك ... الی ... واجمعوا علی ان المراد بطعام الذین او تو الكتاب ذبائحهم خاصة لان ماسوی الذبائح فهي محللة قبل ان کانت لاهل الكتاب وبعد ان صارت لهم فلا یبقی لتخصیصها باهل الكتاب فائدة.

کہ الذین اوتوا الکتاب کے علاوہ جتنے کافر ہیں ان کی ذبیحہ حرام ہے۔ چنانچہ فقہ کی کتب میں کافر کی ذبیحہ حرام ہونے پر اس آیت کو فقہاء مذاہب اربعہ رحمہم اللہ نے پیش کیا ہے:

أَخَذَ الْجَاهِلِيُّ مِنْ مَفْهُومِ أَهْلِ الْكِتَابِ أَنْ طَعَامَ الْوَثْنِيِّ لَا يَحِلُّ لِلْمُسْلِمِينَ وَكَذَا نَسَاءَهُمْ. (تفسیر المنارج ۶/ ص ۱۸۵)
”اہل کتاب کے مفہوم سے جمہور نے یہ مطلب لیا ہے کہ بت پرستوں کا کھانا اور ان کی عورتیں مسلمانوں کے لیے جائز نہیں۔“
اجمعوا علی تحریم ذبائح الکفار غیر اهل الكتاب لقوله تعالى وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَلْلٌ لَّكُمْ. (شرح مؤطا محمد ص ۱۶۶)۔

نیز لکھتے ہیں:

اس امت کے مشرکین کا حکم: اس امت میں کوئی فرد یا مذہب کفریہ عقائد رکھتا ہو تو اس پر جہاں کفر کا فتویٰ لگایا جائے گا ساتھ ہی یہ حکم بھی لگایا جائے گا کہ اس کی ذبیحہ حرام ہے۔ اور اس سے رشتہ نانا حرام ہے ناجائز۔

فائدہ: ① اہل کتاب کا ذبیحہ اس وقت حلال ہے جب وہ تسمیہ کے ساتھ شرعی طریقہ پر ذبح کریں اور ذبح کرنے والا حقیقت میں عیسائی یا یہودی ہو اگر صرف مردم شماری میں عیسائی یا یہودی ہو اور اس مذہب پر یقین نہ رکھتا ہو تو اس کا ذبیحہ حلال نہیں اسی طرح اگر وہ بالقصد اللہ کا نام نہ لے تو بھی ذبیحہ حلال نہیں اسی طرح اگر مشروع طریقہ پر ذبح کی چار رگوں میں سے تین رگیں نہ کاٹے تو بھی ذبیحہ حلال نہیں۔

آج کل یہود تو ان باتوں کی پابندی کرتے ہیں مگر عیسائیوں کی صورت حال بگڑ گئی ہے وہ صرف مردم شماری کے فارم میں عیسائی ہوتے ہیں حقیقت میں وہ کسی مذہب کے قائل نہیں ہوتے نہ وہ بسم اللہ پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں نہ وہ ہاتھ سے ذبح کرتے ہیں بلکہ ان کے ہاں مشینی ذبح رائج ہے اسی لیے ایشاء کے تمام علماء کا فتویٰ عام ہے کہ عیسائیوں کے ذبیحہ کے بارے میں حرمت کا کم از کم احتیاط کا ہے البتہ اگر کوئی واقعی عیسائی ہو اور وہ تسمیہ کے ساتھ شرعی طریقہ پر ذبح کرے تو اس کا ذبیحہ حلال ہے۔

بَابُ فِي كَرَاهِيَةِ التَّفْرِيقِ بَيْنَ السَّبَبِ

باب ۱۶: قیدیوں کے درمیان تفریق کرنا حرام ہے

(۱۳۹۱) مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ وَالِدَةٍ وَوَلَدِهَا فَتَرَقَّ اللَّهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَحِبَّتِهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ.

ترجمہ: حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جو شخص والدہ اور اس کے بچے کے درمیان علیحدگی کروادے اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کے محبوب لوگوں کے درمیان قیامت کے دن علیحدگی کروادے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَتْلِ الْأَسَاذِ وَالْفِدَاءِ

باب ۱۷: قیدیوں کو قتل کرنے کا اور بدلہ لے کر چھوڑنے کا بیان

(۱۳۹۲) عَنْ عَلِيٍّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِنَّ جَبْرَيْئِيلَ هَبَطَ عَلَيْهِ فَقَالَ لَهُ خَيَّرْهُمْ يَعْزِي أَسَاذَكَ فِي أَسَاذِي بَدْرٍ الْقَتْلِ أَوِ الْفِدَاءِ عَلَى أَنْ يُقْتَلَ مِنْهُمْ قَائِلٌ مِثْلَهُمْ قَالُوا الْفِدَاءُ وَيُقْتَلُ مِثْلًا.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جبریل علیہ السلام ان کے پاس آئے اور ان سے کہا۔ آپ انہیں اختیار دیجئے! یعنی اس بارے میں اختیار دیجئے کہ وہ غزوہ بدر میں قیدی ہونے والے مشرکین کو قتل کر دیں یا پھر ان سے فدیہ لیں، لیکن اگر فدیہ لیا تو پھر ان (مسلمانوں) میں سے بھی اتنے ہی افراد اگلے سال (جنگ میں) مارے جائیں گے۔ تو اصحاب نے اس بات کو اختیار کیا کہ ہم اب فدیہ لے لیتے ہیں اگرچہ (اگلے برس) ہمارے افراد قتل کر دیئے جائیں۔

(۱۳۹۳) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَدْ رَجُلَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ بِرَجُلٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ.

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ایک مشرک کے عوض میں دو مسلمانوں کو قید سے آزاد کروایا تھا۔

جنگ میں جو قیدی پکڑے جاتے ہیں ان کا مسئلہ چار طرح سے حل کیا جاتا ہے۔

پہلا طریقہ: جس قیدی کا قتل کرنا قرین مصلحت ہو اس کو قتل کر دیا جائے آج بھی دنیا اس بات کو تسلیم کرتی ہے۔

دوسرا طریقہ: جس قیدی کو مفت رہا کرنا قرین مصلحت ہو اس کو چھوڑ دیا جائے اس کو عربی میں من (بلا معاوضہ چھوڑ دینا) کہتے ہیں سورہ محمد میں آیت ۵ میں اس کا ذکر ہے۔

تیسرا طریقہ: اپنے قیدیوں سے تبادلہ کیا جائے یا جنگ کا ہر جانہ لے کر چھوڑ دیا جائے اس کو فداء (معاوضہ لے کر چھوڑنا) کہتے ہیں سورہ محمد کی مذکورہ آیت میں اس کا بھی ذکر ہے۔

چوتھا طریقہ: قیدیوں کو غلام باندی بنا کر فوج میں تقسیم کر دیا جائے یہ مسئلہ کا آخری حل ہے اور یہ حل اسلام نے شروع نہیں کیا بلکہ

پہلے سے یہ طریقہ چلا آ رہا تھا اسلام نے اس کو باقی رکھا ہے کیونکہ اس میں بہت سی مصلحتیں ہیں قید میں رکھنا اور کھانا پلانا ملک کی تباہی کا باعث ہو سکتا ہے اور مفت چھوڑ دینا وبال جان بن سکتا ہے اور بلا وجہ قتل کرنا انسانیت کے خلاف ہے اس لیے قیدیوں کے مسئلہ کا آخری حل غلامی ہے دنیا کو اگر یہ حل پسند نہیں تو وہ اس سے بہتر حل پیش کرے۔

مذہب فقہاء: کافر قیدی مسلمانوں کے پاس قید ہو جائیں ان کے بارے میں چار حکم نصوص میں منقول ہیں: (۱) بغیر فدیہ لیے چھوڑ دینا (۲) فداء عام یہ ہے کہ مفادہ بالمال ہو یا الاسیر ہو ادلے بدلے (۳) القتل (۴) استرقاق یعنی غلام بنایا جائے۔ ان میں سے جو دو آخری حکم ہیں بالا جماع جائز ہیں امام اپنی صوابدید پر عمل کرے۔

اولین جو ہیں یہ جائز ہیں یا نہیں (۱) احناف کی کتابیں جو کہ مشہور ہیں ان میں عدم جواز ہے (۲) دیگر ائمہ کے ہاں یہ جائز ہے احناف کہتے ہیں: فاما مننا وانا فداء، یہ منسوخ ہے،

﴿فَاَقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ﴾ (التوبہ: ۵) یہ نسخ ہے دیگر ائمہ کے ہاں یہ پہلی دو صورتیں بھی جائز ہیں اور وہ منسوخ نہیں سمجھتے۔

امام محمد رحمہ اللہ کا قول سیر کبیر میں نقل کیا گیا ہے کہ جہاں ضرورت شدیدہ ہو تو وہاں پر یہ من بھی جائز ہے جب یہ جائز ہے تو فداء تو بطریق اولیٰ جائز ہوگا۔

سوال: غزوہ بدر میں تو فدیہ لیا گیا؟

جواب: یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب ابھی، ﴿فَاَقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ﴾ نازل نہ ہوئی تھی۔

سوال: جب اختیار دے دیا گیا تو پھر عتاب کیوں نازل ہوا؟

جواب: یہ تخیر بطور امتحان کے تھی یہ بطور اباحت کے نہ تھی اس کی نظیر جیسے ازواج مطہرات کو تخیر دی گئی کہ اگر چاہو تو دنیا اختیار کر لو تمہیں چھوڑ دیا جاتا ہے اور اگر چاہو تو حضور ﷺ کے ساتھ رہنا اختیار تو تخیر بطور امتحان کے تھی اس طرح یہ تخیر بھی بطور امتحان کے تھی۔

سند پر کلام: وروی ابن عون عن سیرین۔

سوال: یہ روایت مرسل کیسے بن گئی جبکہ صحابی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر موجود ہے؟

جواب: صحیح جواب یہ ہے کہ اس نسخہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر یہ کاتب کی خطا ہے مصری نسخوں میں ہے عن عبیدہ عن النبی ﷺ

(۲) یہاں مرسل کا اصطلاحی معنی افراد نہیں بلکہ مرسل بمعنی منقطع مراد اور انقطاع یوں ہے کہ ابن عون کی جتنی بھی روایات ہیں ابن سیرین سے وہ سب ہشام کے واسطے سے ہیں یہاں ابن عون براہ راست ابن سیرین سے روایات کر رہے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ

باب ۱۸: جنگ میں خواتین اور بچوں کو قتل کرنے کی ممانعت

(۱۴۹۴) أَنَّ امْرَأَةً وَجَدَتْ فِي بَعْضِ مَغَازِي رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مَقْتُولَةً فَأَنكَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ذَلِكَ وَنَهَى عَنْ

قَتْلُ النِّسَاءِ وَالصَّبِيَّانِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ کی ایک جنگ میں ایک خاتون مقتول پائی گئی تو نبی اکرم ﷺ نے اس بات پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا اور آپ نے خواتین اور بچوں کو قتل کرنے سے منع کر دیا۔

(۱۳۹۵) قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِنْ خَيَّلَنَا أُوطِئْتُ مِنْ نِسَاءِ الْمُشْرِكِينَ وَأَوْلَادِهِمْ قَالَ هُمْ مِنْ آبَائِهِمْ.

ترجمہ: حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ میں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے گھوڑوں نے کفار کی عورتوں اور ان کے بچوں کو روند ڈالا ہے تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ اپنے باپ دادا کے ساتھ ہیں۔

جنگ میں صرف فوجیوں کو جوڑنے کے لیے آئے ہیں قتل کیا جاتا ہے عام شہریوں کو قتل نہیں کیا جاتا اسی طرح فوج کے ساتھ جو عورتیں بچے غلام اور نوکر آئے ہیں ان کو بھی قتل نہیں کیا جاتا نہ ان کے دوکانداروں کو قتل کیا جاتا ہے جو فوجیوں کے ساتھ دوکانیں لے کر آئے ہیں۔
فائدہ: یہ پرانے زمانہ کی بات ہے جب جنگ میں اختیار ہوتا تھا اب تو فضائی جنگ بھی ہوتی ہے جس میں بم پھینکے جاتے ہیں اور میزائل داغے جاتے ہیں اب یہ بات اختیار میں نہیں رہی کہ جسے چاہیں ماریں اور جسے چاہیں نہ ماریں آج کی جنگ میں جان و مال کی تباہی پہلے سے ہزاروں گناہ زیادہ ہوتی ہے۔

باب

باب: دشمن کو جو قتل کیا جائے آگ میں جلا یا نہ جائے

(۱۳۹۶) قَالَ بَعَثَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي بَعْثٍ فَقَالَ إِنْ وَجَدْتُمْ فُلَانًا وَفُلَانًا لِرَجُلَيْنِ مِنْ قُرَيْشٍ فَأَحْرِقُوهُمَا بِالنَّارِ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حِينَ أَرَدْنَا الْحُرُوجَ إِنِّي كُنْتُ أَمَرْتُكُمْ أَنْ تَحْرِقُوا فُلَانًا وَفُلَانًا بِالنَّارِ وَإِنَّ النَّارَ لَا يُعَذِّبُ بِهَا إِلَّا اللَّهُ فَإِنْ وَجَدْتُمُوهُمَا فَاقْتُلُوهُمَا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ہمیں ایک مہم پر روانہ کیا آپ نے ارشاد فرمایا۔ اگر تم فلاں اور فلاں شخص کو پاؤ آپ ﷺ نے قریش سے تعلق رکھنے والے دو آدمیوں کے بارے میں یہ بات ارشاد فرمائی، تو ان دونوں کو آگ سے جلا دینا پھر نبی اکرم ﷺ نے جب دیکھا کہ ہم روانہ ہونے لگے ہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا: میں نے تمہیں یہ ہدایت کی تھی کہ تم فلاں اور فلاں کو آگ کے ذریعے جلا دینا، آگ کے ذریعے عذاب صرف اللہ تعالیٰ دے سکتا ہے اگر تم ان دونوں کو پاؤ تو انہیں قتل کر دینا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْغُلُولِ

باب: ۱۹: مال غنیمت میں خیانت کرنا

(۱۳۹۷) مَنْ مَاتَ وَهُوَ بَرِيٌّ مِنْ ثَلَاثِ الْكِبَرِ وَالْغُلُولِ وَالذَّيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ.

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ جو شخص اس حالت میں مرے کہ وہ تکبر اور مال غنیمت میں خیانت اور قرض سے بری الذمہ ہو تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

(۱۴۹۸) مَنْ فَارَقَ الرُّوحَ الْجَسَدَ وَهُوَ بِرِيٍّ مِنْ ثَلَاثٍ الْكَنُزِ وَالْغُلُولِ وَالَّذِينَ دَخَلَ الْجَنَّةَ.

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ جس شخص کی روح جسم سے اس عالم میں جدا ہو کہ وہ تین چیزوں سے بری الذمہ ہو، خزانہ اکٹھا کرنے، مال غنیمت میں خیانت کرنے اور قرض سے، تو وہ شخص جنت میں داخل ہوگا۔

(۱۴۹۹) قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ فُلَانًا قَدْ اسْتَشْهَدَ قَالَ كَلَّا قَدْ رَأَيْتُهُ فِي النَّارِ بَعْبَاءٍ قَدْ غَلَّهَا قَالَ قُمْ يَا عُمَرُ فَتَدَا أَنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُونَ ثَلَاثًا.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجھے یہ بات بیان کی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں یہ بات عرض کی گئی۔ یا رسول اللہ ﷺ! فلاں شخص شہید ہو گیا ہے، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ہرگز نہیں میں نے اسے جہنم میں اس چادر کے ہمراہ دیکھا ہے، جسے اس نے مال غنیمت میں سے خیانت کے طور پر لیا تھا۔ پھر نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ عمر! تم اٹھو اور یہ اعلان کرو کہ جنت میں صرف اہل ایمان داخل ہوں گے، اور یہ تین مرتبہ اعلان کرو۔
تشریح: اس حدیث میں مؤمن سے مؤمن کامل مراد ہے اور مؤمن کامل وہ ہے جس کے نامہ اعمال میں کوئی کبیرہ گناہ نہ ہو اور نجات اولی کے لیے ایمان کامل شرط ہے اور مال غنیمت میں خیانت کرنا کبیرہ گناہ ہے اس لیے نبی ﷺ نے اس کو معذب دیکھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي خُرُوجِ النِّسَاءِ فِي الْحَرْبِ

باب ۲۰: جنگ کے دوران خواتین کا جانا

(۱۵۰۰) قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَغْزُو بِأَمِّهِ سُلَيْمٍ وَنِسْوَةٍ مَعَهَا مِنَ الْأَنْصَارِ يَسْقِيْنَ الْمَاءَ وَيُدَاوِينَ الْجُرْحَى.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہ اور ان کے ہمراہ چند دیگر انصاری خواتین کو جنگ میں ساتھ لے کر گئے تھے جو پانی پلایا کرتی تھیں، بیماروں (یعنی زخمیوں) کو دوا دیا کرتی تھیں۔

تشریح: عورتوں پر جہاد فرض نہیں جیسا کہ بخاری باب جہاد النساء میں ص ۴۰۲ ج ۱ پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے اسی طرح نعم الجہاد الحج اس کی وجہ محشی نے ابن ابطال سے یہ نقل کی ہے کہ چونکہ عورتوں کے حق میں تستر اور مردوں سے اجتناب مطلوب ہے جو وجوب جہاد کی صورت میں مشکل ہے اس لیے جہاد واجب نہ ہوا۔ تاہم اس کا یہ مطلب نہیں کہ عورتیں قطعاً جہاد میں جاسکتیں کیونکہ متعدد صحابیات کا جہاد میں جانا ثابت ہے جو مریضوں کی دیکھ بھال وغیرہ جیسے امور سرانجام دیتیں۔

بَاب مَا جَاءَ فِي قَبُولِ هَذَا يَا الْمُشْرِكِينَ

باب ۲۱: مشرکین کے تحائف قبول کرنا

(۱۵۰۱) إِنَّ كِسْرَى أَهْدَى لَهُ فَقِيلَ وَإِنَّ الْمُلُوكَ أَهْدُوا إِلَيْهِ فَقِيلَ مِنْهُمْ .

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے بارے میں یہ بات نقل کرتے ہیں: کسری نے آپ کی خدمت میں تحفہ بھیج دیا تو آپ نے اسے قبول کر لیا۔ اسی طرح بادشاہوں نے آپ کی خدمت میں تحائف بھیجائے تو آپ نے انہیں قبول کر لیا۔

باب

باب ۲۲: مشرکین کے تحائف قبول کرنا مکروہ ہے

(۱۵۰۲) أَنَّهُ أَهْدَى لِلنَّبِيِّ ﷺ هَدِيَّةً لَهُ أَوْ نَاقَةً فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَسْلَمْتُ قَالَ لَا قَالَ فَإِنِّي نُهِيتُ عَنْ زَبْدِ الْمُشْرِكِينَ.

ترجمہ: حضرت عیاض بن حمار بیان کرتے ہیں۔ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں اپنی طرف سے ایک تحفہ (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) ایک اونٹنی پیش کی تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم نے اسلام قبول کر لیا ہے؟ انہوں نے عرض کی۔ نہیں، تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے مشرکین کے تحائف قبول کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

تشریح: یہ جو نبی ﷺ نے ہدیہ قبول نہیں کیا تھا تو وہ ہدیہ دینے والے کی مصلحت سے تھا بعض مرتبہ ہدیہ واپس کر دیا جائے تو اس سے ہدیہ دینے والی کی اصلاح ہو جاتی ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي سَجْدَةِ الشُّكْرِ

باب ۲۳: سجدہ شکر کا بیان

(۱۵۰۳) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَتَاهُ أَمْرٌ فَسُرَّ بِهِ فَخَرَّ لِلَّهِ سَاجِدًا.

ترجمہ: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک اطلاع آئی جس سے آپ بہت خوش ہوئے تو آپ ﷺ سجدہ میں چلے گئے۔

تشریح: جب کوئی خوش کن خبر پہنچے یا فرحت افزا معاملہ پیش آئے یا کوئی آفت و مصیبت ملے تو اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانا مسنون ہے اور شکر بجالانے کے دو طریقے ہیں کامل اور ناقص۔ کامل شکر بجالانا یہ ہے کہ کم از کم دو نفلیں پڑھے اور زیادہ پڑھے تو اور بھی بہتر ہے اور ناقص شکر بجالانا یہ ہے کہ سجدہ تلاوت کی طرح سجدہ شکر کرے سجدہ شکر احناف کے نزدیک بھی مشروع ہے اور امام اعظم رحمہ اللہ سے جو

مروی ہے کہ لہ میرہ آپ نے اس کو نہیں دیکھا یعنی اس کو شکر تام نہیں سمجھا شکر تام دو نفلیں پڑھنا ہے اور فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے جو آٹھ نفلیں پڑھی تھیں ان کے بارے میں امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے وہ نفلیں فتح مکہ کے شکر یہ کی پڑھی ہوں۔

بَاب مَا جَاءَ فِي أَمَانِ الْمَرْأَةِ وَالْعَبْدِ

باب ۲۴: عورت اور غلام کا امان دینا

(۱۵۰۴) أَنَّ الْمَرْأَةَ لَتَأْخُذَ لِلْقَوْمِ يَعْنِي تُجِيرُ عَلَى الْمُسْلِمِينَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: عورت لوگوں کی طرف سے پناہ دے سکتی ہے۔ یعنی مسلمانوں کی طرف سے پناہ دے سکتی ہے۔

(۱۵۰۵) أَنَّهَُا قَالَتْ أَجَزْتُ رَجُلَيْنِ مِنْ أَحْمَائِي فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَدْ آمَنَّا مَنْ آمَنَتْ

ترجمہ: سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہ بیان کرتی ہیں میں نے اپنے سرسالی عزیزوں میں سے دو آدمیوں کو پناہ دی تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جسے تم نے پناہ دی ہے ہم بھی اسے پناہ دیتے ہیں۔

اگر کوئی مسلمان عورت کسی کافر کو پناہ دے تو اس کا پناہ دینا معتبر ہے اب اس کافر کو قتل کرنا کسی کے لیے جائز نہیں اسی طرح جو غلام مازون فی القتال ہے یعنی وہ جنگ میں شامل کر لیا گیا ہے جیسے حضرت عمیر رضی اللہ عنہ جنگ خیبر میں شامل کر لیے گئے تھے ایسا غلام اگر کسی کافر کو پناہ دے تو وہ پناہ بھی معتبر ہے اور اگر وہ غلام جنگ میں شامل نہیں کیا گیا تو اس کا پناہ دینا معتبر نہیں۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْعَدْرِ

باب ۲۵: عہد شکنی کا بیان

(۱۵۰۶) كَانَ بَيْنَ مُعَاوِيَةَ وَبَيْنَ أَهْلِ الرُّومِ عَهْدٌ وَكَانَ يَسِيرُ فِي بِلَادِهِمْ حَتَّى إِذَا انْقَضَى الْعَهْدُ أَغَارَ عَلَيْهِمْ فَإِذَا رَجُلٌ عَلَى دَابَّةٍ أَوْ عَلَى فَرَسٍ وَهُوَ يَقُولُ اللَّهُ ﷻ أَكْبَرُ وَفَاءٌ لَا غَدْرَ وَإِذَا هُوَ عَمْرُو بْنُ عَبْسَةَ فَسَأَلَهُ مُعَاوِيَةُ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: مَنْ كَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ قَوْمٍ عَهْدٌ فَلَا يَحْلُقُ عَهْدًا وَلَا يَشُدُّهُ حَتَّى يَمُتَ أَمْدُهُ أَوْ يُنْبَذَ إِلَيْهِمْ عَلَى سَوَاءٍ قَالَ فَرَجَعَ مُعَاوِيَةُ بِالنَّاسِ.

ترجمہ: سلیم بن عامر بیان کرتے ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور رومیوں کے درمیان امن معاہدہ چل رہا تھا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف پیش قدمی شروع کی جیسے ہی معاہدے کا وقت ختم ہوا تو ان پر حملہ کر دیا۔ اسی دوران ایک شخص اپنے جانور پر یا شاید اپنے گھوڑے پر سوار تھا اور وہ یہ کہہ رہا تھا اللہ اکبر وعدہ پورا ہوا ہے کوئی عہد شکنی نہیں ہوئی۔ وہ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے اس بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے بتایا۔ میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔

جس شخص کا کسی قوم کے ساتھ امن معاہدہ چل رہا ہو تو جب تک اس کی طے شدہ مدت پوری نہیں ہو جاتی یا وہ دشمن کو آگاہ نہیں کر دیتا اس کی خلاف ورزی نہ کرے اور اسے توڑے نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ لِكُلِّ غَادِرٍ لَوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَمَةِ

باب ۲۶: قیامت کے دن ہر عہد شکن کے لئے مخصوص جھنڈا ہوگا

(۱۵۰۷) إِنَّ الْغَادِرَ يُنْصَبُ لَهُ لَوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: قیامت کے دن ہر عہد شکن کے لئے جھنڈا گاڑا جائے گا۔

تشریح: اہل عرب کا یہ دستور تھا کہ جب کسی کی نیک تشہیر کرتے تو اس کے آگے جھنڈا گاڑتے اور جب کسی کو رسوا کرتے تو اس کی پشت پر جھنڈا کھڑا کرتے آنحضور ﷺ نے اسی کے مطابق یہ ارشاد فرمایا چنانچہ پوری حدیث اسی طرح ہے: ینصب لكل غادر لواء عنداستہ بقدر غدرتہ لہذا بڑے غدار کا جھنڈا زیادہ بلند ہوگا تاکہ وہ زیادہ رسوا ہو یہ گویا علامت میں سے ہے سزا تو الگ ہوگی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّرُّوْلِ عَلَى الْحُكْمِ

باب ۲۷: کسی کے فیصلہ کی شرط پر دشمن کا جنگ بند کرنا

(۱۵۰۸) رُمِيَ يَوْمَ الْأَحْزَابِ سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ فَقَطَعُوا أَوَّلَ حَلَّةٍ أَوْ آخِرَ حَلَّةٍ فَحَسَمَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِالنَّارِ فَانْتَفَخَتْ يَدُهُ فَتَرَكَهُ فَتَرَفَهُ الدَّمُ فَحَسَمَهُ أُخْرَى فَانْتَفَخَتْ يَدُهُ فَلَبَّأَ رَأَى ذَلِكَ قَالَ اللَّهُمَّ لَا تُخْرِجْ نَفْسِي حَتَّى تَقَرَّ عَيْنِي مِنْ بَنِي قُرَيْظَةَ فَاسْتَمْسَكَ عِرْقُهُ فَمَا قَطَرَ قَطْرَةً حَتَّى نَزَلُوا عَلَى حُكْمِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ فَحَكَمَ أَنْ يُقْتَلَ رِجَالُهُمْ وَيُسْتَحْيَا نِسَاءُهُمْ يَسْتَعِينُ بِهِنَ الْمُسْلِمُونَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَصَبْتَ حُكْمَ اللَّهِ فِيهِمْ وَكَانُوا أَرْبَعَ مِائَةٍ فَلَبَّأَ فَرَّغَ مِنْ قَتْلِهِمْ انْفَتَقَ عِرْقُهُ فَمَاتَ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: غزوہ احزاب کے موقع پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو تیر لگ گیا جس نے ان کی ایک رگ کاٹ دی، نبی اکرم ﷺ نے انہیں آگ کے ذریعے داغ لگوا دیا تو ان کا ہاتھ سوج گیا جب انہوں نے یہ دیکھا تو یہ دعا کی اے اللہ! میری جان کو اس وقت تک نہ نکالنا جب تک بنو قریظہ کے حوالے سے میری آنکھوں کو ٹھنڈا نہ کر دے تو ان کی رگ سے خون نکلنا بند ہو گیا اس کے بعد ایک قطرہ بھی نہیں گرا یہاں تک کہ جب ان لوگوں نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو ثالث تسلیم کیا، تو نبی اکرم ﷺ نے انہیں بلوایا اور انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ان کے مردوں کو قتل کر دیا جائے اور ان کی خواتین کو زندہ رکھا جائے اور مسلمان ان سے کام لیں تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ تم نے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ دیا ہے وہ لوگ چار سو افراد

تھے جب مسلمان ان کے قتل سے فارغ ہوئے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی رگ میں سے خون بہنا شروع ہو گیا اور ان کا انتقال ہو گیا۔

(۱۵۰۹) أَقْتُلُوا أَشْيُوخَ الْمُشْرِكِينَ وَاسْتَحْيُوا شَرَفَهُمُ وَالشَّرِخَ الْغُلَامَانِ الَّذِينَ لَمْ يُنْبِئُوا.

ترجمہ: حضرت سرہ بن جندب بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ ارشاد فرمایا: مشرکین کے عمر رسیدہ لوگوں کو قتل کر دو البتہ ان کے بچوں کو زندہ رہنے دو۔

(۱۵۱۰) قَالَ عِرْضَنَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ قَرْيَظَةَ فَكَانَ مَنْ أَتَيْتَ قُتِلَ وَمَنْ لَمْ يُنْبِئْ خُلِيَ سَبِيلُهُ فَكُنْتُ مِمَّنْ لَمْ يُنْبِئْ فَخُلِيَ سَبِيلِي.

ترجمہ: حضرت عطیہ قرظی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ ہمیں جنگ قریظہ کے دن نبی اکرم ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو جس لڑکے کے زیر ناف بال اُگ چکے تھے اسے قتل کر دیا گیا۔ اور جس کے نہیں اُگے تھے اسے چھوڑ دیا گیا میں ان لوگوں میں سے تھا جس کے بال نہیں اُگے تھے تو مجھے چھوڑ دیا گیا۔

اس باب میں تین حدیثیں ہیں پہلی اور تیسری حدیث کا تعلق غزوہ بنو قریظہ سے ہے اور دوسری حدیث عام ہے۔

فائدہ: جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فیصلہ کے لیے بلائے گئے تو وہ گدھے پر سوار ہو کر آئے تھے جب وہ کیمپ کے قریب پہنچے تو نبی ﷺ نے ان کے قبیلے کے لوگوں سے فرمایا: قوموا الی سیدکم اپنے سردار کی طرف کھڑے ہوؤ یعنی وہ بیمار ہیں ان کو سہارا دے کر اتارو کچھ لوگ اس سے قیام تعظیمی کے جواز پر استدلال کرتے ہیں مگر یہ استدلال درست نہیں یہ استدلال جب ہو سکتا ہے کہ قوموا السیدکم ہو یعنی اپنے سردار کے لیے کھڑے ہوؤ جبکہ حدیث میں لام نہیں ہے بلکہ الی ہے اور اس کے معنی وہ ہیں جو اوپر بیان کیے گئے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحَلْفِ

باب ۲۸: باہمی تعاون کا معاہدہ کرنا

(۱۵۱۱) فِي خُطْبَتِهِ أَوْفُوا بِحَلْفِ الْجَاهِلِيَّةِ فَإِنَّهُ لَا يَزِيدُكُمْ عَنِ الْإِسْلَامِ إِلَّا شِدَّةً وَلَا تُخَدُّوا حِلْفًا فِي الْإِسْلَامِ.

ترجمہ: عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے اپنے خطبے میں یہ بات ارشاد فرمائی۔ زمانہ جاہلیت کے حلف کو پورا کرو کیونکہ اسلام اس کی شدت میں اضافہ ہی کرتا ہے اور اسلام (قبول کر لینے کے بعد) کسی کافر قبیلے کے ساتھ (تم کوئی معاہدہ نہ کرو۔ یعنی اس بات کا معاہدہ کہ کسی جنگ کی صورت میں تم ان کا ساتھ دو گے۔

زمانہ جاہلیت میں عربوں کی کوئی باقاعدہ حکومت نہ تھی بلکہ محض قبائلی نظام تھا اس لیے لوگ دوسرے کی مدد کے لیے اتحاد کرتے بائیں صورت کہ فریقین قسمیں کھاتے کہ ایک دوسرے کی مدد کریں گے اور میراث باہم لینے کا عہد و پیمان بھی کرتے ایسے معاہدے کو حلف (بکسر الحاء) کہا جاتا تھا۔

دوسری طرف اسلام نے جاہلیت کی رسومات میں سے بعض کو یکسر ختم کر دیا تھا بعض کو باقی رکھا۔

تشریح: زمانہ جاہلیت میں لوگ آپس میں قسمیں کھا کر معاہدہ کیا کرتے تھے کہ ہم ہر حال میں متحد رہیں گے اور حاجت مندوں کی مدد کریں گے نبی ﷺ نے فرمایا یہ معاہدے پورے کرو یعنی ان پر عمل کرو کیونکہ اسلام اس قسم کے معاہدوں کی تاکید ہی کرتا ہے ان کو کالعدم قرار نہیں دیتا لیکن اب اسلام میں اس قسم کے معاہدوں کی ضرورت نہیں کیونکہ اسلام خود ایک مضبوط رشتہ ہے اب اس کی بنیاد پر تعاون ہونا چاہیے اور ظلم و زیادتی کی اسلام خود ممانعت کرتا ہے پس اس کے ازالہ کے لیے کسی تحائف کی ضرورت نہیں۔

بَابُ فِي اخْذِ الْجُزْيَةِ مِنَ الْمَجُوسِ

باب ۲۹: مجوسیوں سے جزیہ لینا

(۱۵۱۲) كُنْتُ كَاتِبًا لِّجَزْءِ بَنِي مُعَاوِيَةَ عَلَى مُنَادِرَ فَجَاءَ تَاكِتَابُ عُمَرَ اَنْظُرْ هَجُوسَ مَنْ قَبْلَكَ فَخَذَ مِنْهُمْ الْجُزْيَةَ فَإِنَّ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ عَوْفٍ أَخْبَرَنِي أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَخَذَ الْجُزْيَةَ مِنْ هَجُوسِ هَجَرَ.

ترجمہ: حضرت بجالہ بن عبدہ بیان کرتے ہیں: میں حضرت جزء بن معاویہ کا ”منادر“ کے مقام پر سیکرٹری تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خط ہمارے پاس آیا انہوں نے فرمایا۔ اپنے علاقے کے مجوسیوں سے جزیہ وصول کرو کیونکہ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے مجھے یہ بات بتائی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ہجر کے رہنے والے مجوسیوں سے جزیہ وصول کیا تھا۔

(۱۵۱۳) اَنَّ عُمَرَ كَانَ لَا يَأْخُذُ الْجُزْيَةَ مِنَ الْمَجُوسِ حَتَّى أَخْبَرَهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَخَذَ الْجُزْيَةَ مِنْ هَجُوسِ هَجَرَ.

ترجمہ: حضرت بجالہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجوسیوں سے جزیہ نہیں لیتے تھے یہاں تک کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے انہیں بتایا۔ نبی اکرم ﷺ نے ہجر کے رہنے والے مجوسیوں سے جزیہ وصول کیا تھا۔

(۱۵۱۴) أَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْجُزْيَةَ مِنْ هَجُوسِ الْبَحْرَيْنِ.

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے بحرین کے رہنے والے مجوسیوں سے جزیہ وصول کیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پہلے ترد تھا کہ آیا مجوس سے جزیہ لیا جائے یا نہیں؟ تو حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی جیسا کہ باب کی دوسری ہے اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عام فرمان جاری فرمادیا مجوس سے جزیہ لینے پر اجماع ہے۔

مذہب فقہاء: ① امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک جزیہ صرف اہل کتاب اور مجوس سے لیا جائے گا۔
② حنفیہ کے نزدیک جزیرۃ العرب میں جو مشرکین و مجوس ہیں ان کے سوا تمام کفار سے لیا جائے گا یعنی مشرکین عرب کے لیے یہ رخصت نہیں ان کے لیے قتل یا اسلام ہے لشدة کفر ہم۔

③ امام مالک اور اوزاعی رحمہ اللہ کے نزدیک سوائے مرتد کے باقی تمام کفار سے لیا جائے گا تفصیل و دلائل سے معذرت کی وجہ پہلے بیان کی جا چکی ہے۔

بَاب مَا جَاءَ مِنْ أَمْوَالِ أَهْلِ الذِّمَّةِ؟

باب ۳۰: ذمیوں کے مال میں سے کون سی چیز حلال ہے؟

(۱۵۱۵) قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِنَّا نَمُرُّ بِقَوْمٍ فَلَا هُمْ يُضَيِّفُونَا وَلَا هُمْ يُثَدُّونَ مَالَنَا عَلَيْهِمْ مِنَ الْحَقِّ وَلَا نَحْنُ نَأْخُذُ مِنْهُمْ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنْ أَبَوْا إِلَّا أَنْ تَأْخُذُوا كَرَّهًا فَخُذُوا.

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ میں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ! جب ہم کسی قوم کے پاس سے گزرتے ہیں اور وہ ہماری مہمان نوازی نہیں کرتے اور ہمارا ان پر جو حق ہے وہ اسے ادا نہیں کرتے۔ نہ ہی ہم (معاوضہ دے کر) ان سے کوئی چیز حاصل کر سکتے ہیں (ایسی صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟) تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اگر وہ لوگ انکار کرتے ہیں تو تم ان سے زبردستی وصول کر لو۔

تشریح: آنحضور ﷺ کے عہد مبارک میں جب کوئی لشکر کسی مہم پر روانہ ہوتا تھا تو وہ رسد ساتھ لے کر چلتا تھا مگر چھوٹا لشکر رسد ساتھ کر لے نہیں چل سکتا تھا۔ اس لیے اس زمانہ کا دستور تھا کہ چھوٹا لشکر جس گاؤں سے گزرے گاؤں والے اس کی ایک وقت دعوت کریں یا ان کی ضرورت کی چیزیں فروخت کریں یہ طریقہ پہلے سے چلا آ رہا تھا پھر جب اسلام کا زمانہ آیا تو غیر مسلموں کو چونکہ مسلمانوں سے بیر تھا اس لیے وہ ان کی دعوت نہیں کرتے تھے نہ ان کو کھانے پینے کی چیزیں فروخت کرتے تھے جس کی وجہ سے مسلمانوں کو پریشانی کا سامنا تھا انہوں نے آپ ﷺ سے اس پریشانی کا تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر وہ تمہیں خوشی سے نہ دیں تو زبردستی لے لو (اور دام ان کو دے دو)۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْهَجْرَةِ

باب ۳۱: ہجرت کا بیان

(۱۵۱۶) يَوْمَ فَتَحَ مَكَّةَ لَا هَجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ وَلَكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ وَإِذَا اسْتَنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوا.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے دن یہ بات ارشاد فرمائی۔ مکہ فتح ہونے کے بعد ہجرت باقی نہیں رہی البتہ جہاد اور نیت باقی ہیں جب تم سے جنگ میں نکلنے کے لئے کہا جائے تو تم روانہ ہو جاؤ۔

ابن العربی رحمہ اللہ عارضہ میں لکھتے ہیں کہ ہجرت کی دو قسمیں اگرچہ اب باقی نہ رہیں: ① دین اور نفس کے خطرہ سے (مکہ وغیرہ) چھوڑ کر) مدینہ منورہ جانا۔ ② حضور ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی غرض سے وہاں جانا۔ مگر نفس ہجرت قیامت تک باقی ہے۔ یعنی جب ہجرت پر قدرت ہو اور دین کو خطرہ لاحق ہو تو ہجرت لازمی ہوگی مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آج دنیا میں کون سی جگہ ہے جہاں

دین کو خطرہ درپیش نہیں؟ یعنی ہر جگہ کچھ نہ کچھ گناہ ناگزیر تو ہیں ہی۔

اس کے لیے ابن العربی رحمہ اللہ نے یہ ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ جہاں نسبتاً کم مظالم اور اقل معاصی ہوں اسی کی طرف ہجرت کرے۔ جس دار الکفر میں رہ کر دین پر عمل کرنا ممکن نہ ہو وہاں سے ہجرت کرنا واجب ہے رہی یہ بات کہ کہاں جائیں؟ یہ سوچنا نہیں اللہ تعالیٰ انتظام کرنے والے ہیں: ﴿وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرْعًىٰ كَثِيرًا وَسَعَةً ۚ﴾ (النساء: ۱۰۰) یعنی جو اللہ کے دین کے لیے اپنا وطن چھوڑ دے گا وہ زمین میں جانے کی بہت جگہ پائے گا اور وسعت اللہ تعالیٰ اس کا انتظام فرمائیں گے بس دار الکفر سے نکل کھڑا ہونا شرط ہے البتہ جس دار الکفر میں دین پر عمل کرنے میں کوئی خاص پریشانی نہ ہو وہاں دین پر عمل کرنا ممکن ہو جیسے آج کا ہندوستان تو وہاں سے ہجرت ضروری نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي بَيْعَةِ النَّبِيِّ ﷺ

باب ۳۲: نبی ﷺ سے بیعت جہاد کرنے کا بیان

(۱۵۱۷) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ (الفتح: ۱۸) قَالَ جَابِرٌ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى أَنْ لَا نَفِرَ وَلَمْ نُبَايِعْهُ عَلَى الْمَوْتِ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فرمان کے بارے میں بیان کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان اہل ایمان سے راضی ہو گیا جنہوں نے درخت کے نیچے تم سے بیعت کی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم نے نبی اکرم ﷺ کے دست اقدس پر اس بات کی بیعت کی تھی کہ ہم فرار نہیں ہوں گے ہم نے آپ ﷺ کے دست اقدس پر مرجانے کی بیعت نہیں کی تھی۔

(۱۵۱۸) قَالَ قُلْتُ لِسَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ عَلَى آتِي شَيْءٍ بَايَعْتُمْ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ قَالَ عَلَى الْمَوْتِ.

ترجمہ: ابو سعید بیان کرتے ہیں۔ میں نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا۔ آپ لوگوں نے کس بات پر نبی اکرم ﷺ کے دست اقدس پر حدیبیہ کے موقع پر بیعت کی تھی؟ تو انہوں نے فرمایا۔ موت پر۔

(۱۵۱۹) قَالَ كُنَّا نُبَايِعُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فَيَقُولُ لَنَا قِيَمًا اسْتَطَعْتُمْ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ہم لوگوں نے نبی اکرم ﷺ کے دست اقدس پر اطاعت و فرمانبرداری کی بیعت کی تو آپ ﷺ نے ہم سے فرمایا۔ اس حد تک جس کی تم میں استطاعت ہو۔

(۱۵۲۰) قَالَ لَمْ نُبَايِعْ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَلَى الْمَوْتِ إِنَّمَا بَايَعْنَاهُ عَلَى أَنْ لَا نَفِرَ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم نے نبی اکرم ﷺ کے دست اقدس پر موت کی بیعت نہیں کی تھی ہم نے اس بات کی بیعت کی تھی کہ ہم فرار نہیں ہوں گے۔

تشریح: اس باب میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ حدیبیہ میں جو بیعت ہوئی تھی وہ موت پر نہ تھی جبکہ حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث جو اسی باب میں مروی ہے موت پر بیعت کی تصریح کرتی ہے تو بظاہر دونوں میں تعارض لگتا ہے۔

اس تعارض کو رفع کرنے کی ایک صورت یہ ہے کہ بیعتوں کی دو قسمیں بنالی جائیں کہ بعض صحابہ نے موت پر بیعت کی اور بعض نے عدم فرار پر جیسا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا معنی کلا الحدیثین صحیح۔ حافظ ابن حجر نے بھی اس توجیہ کو محتمل قرار دیا ہے مگر علامہ عینی اور اصحاب السیر وغیرہ ہم اس تطبیق سے خوش نہیں۔

اس لیے صحیح بات یہ ہے کہ سب صحابہ نے صبر کرنے پر بیعت کر لی تھی مگر صبر کے ساتھ چونکہ کبھی عدم فرار ملزوم ہوتا ہے اور کبھی موت اس لیے کسی نے ایک ملزوم کا ذکر کیا اور کسی نے دوسرے کا گویا اصل مقصد میں کوئی اختلاف نہیں صرف تعبیر کا فرق ہے کیونکہ مراد موت نہ تھی بلکہ جم کر لڑنا مقصد تھا اگرچہ اس میں موت کی نوبت آئے۔

بَابُ فِي نَكْثِ الْبَيْعَةِ

باب ۳۳: بیعت کو توڑ دینا

(۱۵۲۱) ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ رَجُلٌ بَايَعَ إِمَامًا فَإِنْ أَعْطَاهُ وَفَى لَهُ وَإِنْ لَمْ يُعْطِهِ لَمْ يَفِ لَهُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ قیامت کے دن تین طرح کے لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کلام نہیں کرے گا، ان کا تزکیہ نہیں کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا، ایک وہ شخص جو کسی امام کی بیعت کرے اور اگر امام اسے کچھ دے تو وہ اس بیعت کو پورا کرے اور اگر کچھ نہ دے تو اس کو پورا نہ کرے۔

تشریح: قولہ لا یکلمہم اللہ کنایہ ہے اعراض سے یا مطلب یہ ہے کہ ان سے نرم لہجہ میں بات نہیں کریں گے بلکہ سخت انداز سے گفتگو فرمائیں گے مسلم ص: ۱۷۱ ج: ۱ میں یہ اضافہ بھی ہے ولا ینظر الیہم اس سے مراد نظر رحمت کی نفی ہے یا پھر یہ بھی اعراض سے کنایہ ہے قولہ ولا یزکیہم یعنی ان کو گناہوں اور عیوب سے۔

فائدہ: امام ترمذی رحمہ اللہ نے حدیث مختصر لکھی ہے باقی دو شخصوں کا تذکرہ چھوڑ دیا ہے بخاری شریف (حدیث ۲۳۵۸، کتاب المساقاة) میں مفصل ہے: دوسرا شخص جس کے پاس سر راہ ضرورت سے زیادہ پانی ہے اور وہ مسافر کو نہیں دیتا اور تیسرا شخص وہ ہے جس نے عصر کی نماز کے بعد کسی کو کوئی سامان بیچا اور قسم کھائی کہ وہ اتنے میں لایا ہے خریدار نے اس کی بات مان کر سامان خرید لیا حالانکہ وہ اتنے میں نہیں لایا۔

بَاب مَا جَاءَ فِي بَيْعَةِ الْعَبْدِ

باب ۳۴: غلام کی بیعت کا بیان

(۱۵۲۲) جَاءَ عَبْدٌ فَبَايَعَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَلَى الْهَجْرَةِ وَلَا يَشْعُرُ النَّبِيُّ ﷺ أَنَّهُ عَبْدٌ فَجَاءَ سَيِّدُهُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ بَعْنِيهِ فَأَشْتَرَاهُ بِعَبْدَيْنِ أَسْوَدَيْنِ وَلَمْ يُبَايِعْ أَحَدًا بَعْدَ حَتَّى يَسْأَلَهُ أَعْبَدُهُو.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک غلام آیا اس نے نبی اکرم ﷺ کے دست اقدس پر ہجرت کی بیعت کی نبی اکرم ﷺ کو یہ پتہ نہیں تھا۔ وہ غلام ہے، پھر اس کا آفت آیا تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ تم اسے مجھے فروخت کر دو۔ پھر آپ ﷺ نے اسے دو سیاہ فام غلاموں کے عوض میں خرید لیا اس کے بعد نبی اکرم ﷺ جب بھی کسی سے بیعت لیتے تھے تو اس سے دریافت کر لیتے تھے کہ کیا وہ غلام تو نہیں ہے۔

تشریح: ابن العربی رحمہ اللہ عارضہ میں لکھتے ہیں کہ عبد مملوک کی بیعت مولیٰ کو ترک کرنے کی صورت میں صحیح نہیں کہ اس کا حق مقدم ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي بَيْعَةِ النِّسَاءِ

باب ۳۵: عورتوں سے بیعت لینے کا بیان

(۱۵۲۳) بَايَعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فِي نِسْوَةٍ فَقَالَ لَنَا فِيْمَا اسْتَطَعْتُنَّ وَأَطَقْتُنَّ قُلْتُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَرْحَمُ بِنَا مِنَّا بِأَنْفُسِنَا قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ بَايَعْنَا قَالَ سُفْيَانُ تَعْنِي صَاحِبِنَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّمَا قَوْلِي لِبَاءَةِ أَمْرَةٍ كَقَوْلِي لِأَمْرَةٍ وَاحِدَةٍ.

ترجمہ: سیدہ امیمہ بنت رقیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ہم خواتین نے نبی اکرم ﷺ کی بیعت کی تھی، آپ ﷺ نے ہم سے ارشاد فرمایا۔ یہ بیعت اس حد تک ہوگی جس کی تم میں استطاعت ہو، جس کی تم طاقت رکھتی ہو تو میں نے عرض کی۔ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ ہمارے بارے میں ہم سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں۔ میں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ! آپ ہم سے بیعت لیں۔ سفیان نامی راوی بیان کرتے ہیں۔ اس خاتون کی مراد یہ تھی کہ آپ اپنا ہاتھ ہمارے ہاتھ میں دیں تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ۱۰۰ عورتوں سے میرا کلام بھی ایک عورت کے ساتھ بات کرنے کی مانند ہے۔

فائدہ: عورتوں کی بیعت کا ذکر سورۃ الممتحنہ آیت ۱۲ میں ہے اور بزرگوں کے یہاں جو طریقہ ہے کہ عورت پس پردہ ہوتی ہے اور عمامہ چادر یا رومال وغیرہ پکڑا کر بیعت کی جاتی ہے اس میں بھی کوئی حرج نہیں مگر یہ ضروری نہیں بغیر کوئی چیز پکڑائے بھی عورت سے الفاظ بیعت کہلوائے جاسکتے ہیں البتہ عورت کا پس پردہ ہونا ضروری ہے اور پیر جو کچھ کہلوائے عورت اس کو سرا کہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي عِدَّةِ أَصْحَابِ بَدْرٍ

باب ۳۶: اصحاب بدر کی تعداد

(۱۵۲۴) قَالَ كُنَّا نَتَحَدَّثُ أَنَّ أَصْحَابَ بَدْرٍ يَوْمَ بَدْرٍ كَعِدَّةِ أَصْحَابِ طَالُوتَ ثَلَاثَ مِائَةٍ وَثَلَاثَةَ عَشَرَ رَجُلًا.

ترجمہ: حضرت براء بن العازبؓ بیان کرتے ہیں: ہم لوگ یہ گفتگو کیا کرتے تھے، غزوہ بدر کے دن، اصحاب بدر کی تعداد، حضرت طالوت علیہ السلام کے ساتھیوں جتنی تھی۔ یعنی وہ تین سو تیرہ افراد تھے۔

تشریح: ترمذی اور دیگر مشہور روایت کے مطابق اصحاب بدر کی تعداد تین سو تیرہ ہے اور اتنی ہی تعداد حضرت طالوت علیہ السلام کے ساتھیوں کی تھی جن کا ذکر سورہ بقرہ میں آیا ہے اور بہت واضح ہے اصحاب طالوت سے مراد وہ لوگ ہیں جو ان کے ساتھ نہر اردن عبور کر کے جالوت سے لڑ کر فتح سے ہم کنار ہوئے تھے طالوت نے کہا تھا کہ جو بھی جالوت کو قتل کرے گا وہ اسے اپنی لڑکی نکاح میں دے گا اور حکومت بھی تقسیم کر کے اسے آدھی دے گا چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام اس انعام کے مستحق ٹھہرے تفصیل خازن وغیرہ تفاسیر میں دیکھی جاسکتی ہے۔

بدری صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد میں روایتیں مختلف ہیں مشہور روایت یہی ہے کہ وہ تین سو تیرہ تھے: اور مسلم شریف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل بدر تین سو انیس تھے ان روایات میں تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ اگر اس آخری شخص کو اور نبی ﷺ کو بھی شمار کیا جائے تو تین سو پندرہ تھے اور اگر اس آخری شخص کو اور نبی پاک ﷺ کو شمار نہ کیا جائے تو تعداد تین سو تیرہ تھی اور اس سفر میں چار کم عمر لڑکے بھی ساتھ تھے حضرت براء، حضرت ابن عمر، حضرت جابر بن عبد اللہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہم ان کو قتال کی اجازت نہیں تھی اگر ان کو بھی شمار کیا جائے تو تعداد تین سو انیس ہو جاتی ہے یہ سب تفصیل فتح الباری (۷: ۲۲۶) میں ہے۔

فائدہ: ابن العربی رحمہ اللہ عارضہ میں لکھتے ہیں کہ واقعہ بدر سے آٹھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود نہیں تھے (جن کے الگ الگ اعذار تھے یا پھر حضور ﷺ نے ان کو کسی نہ کسی کام پر لگا دیا تھا اس لیے ان کو شریک سہام کر دیا گیا تھا)۔ حضرت عثمان غنی، حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل حضرت ابولبابہ بن عبد المنذر حضرت عاصم بن عدی حضرت حارث بن حاطب رضی اللہ عنہم ان کو نبی کریم ﷺ نے خلفاء بنا کر روکا تھا حضرت حارث بن ابیصہ و خوات بن جابر کسر ابالروحاء لا خلاف فیہم۔ جبکہ حضرت سعد بن عبادہ حضرت سعد بن مالک الساعدی رضی اللہ عنہم ورجل من الانصار ورجل آخر لم یتفق علی ہولاء الاربعۃ یعنی ان کے بارے میں کوئی حتمی بات طے نہیں کیے تھے یا نہیں تاہم سہم غالباً ثابت ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخُمْسِ

باب ۳۷: خمس (غنیمت کے پانچویں حصہ) کا بیان

(۱۵۲۵) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَوْ فِدَا عَبْدُ الْقَيْسِ أَمْرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْخُمْسَ مَا غَنِمْتُمْ قَالَ وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے عبد القیس قبیلہ کے وفد سے یہ فرمایا تھا۔ میں تم لوگوں کو یہ

ہدایت کرتا ہوں، تمہیں جو مال غنیمت حاصل ہو اس کے پانچویں حصے کو ادا کرو۔

تشریح: جو اموال کفار سے حاصل ہوتے ہیں وہ دو قسم کے ہیں:

① مال غنیمت: وہ مال ہے جو غیر مسلموں سے جنگ و قتال کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔

② مال فئی: یہ وہ مال ہے جو غیر مسلموں سے جنگ کے بغیر حاصل ہوتا ہے جیسے جزیہ خراج (مال گزاری) غیر مسلم تاجروں سے لی ہوئی چنگی (ٹیکس) اور وہ مال جو کفار سے مصالحت کے طور پر حاصل ہوتا ہے یا وہ مال جس کو چھوڑ کر کفار بھاگ گئے ہوں۔

مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ بیت المال کا حق ہے اور اس کے پانچ مصرف ہیں جن کا تذکرہ سورہ الانفال آیت ۴۱ میں آیا ہے اور ارشاد پاک ہے اور یہ بات جان لو کہ جو چیز کفار سے بطور غنیمت تم کو حاصل ہو اس کا حکم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اس کا پانچواں حصہ ہے اور اس کے رسول ﷺ کے لیے اور رسول ﷺ کے رشتہ داروں کے لیے اور یتیموں اور غریبوں اور مسافروں کے لیے۔

تفصیل: مصارف خمس میں کائنات کے خالق و مالک کا تذکرہ بطور توطعہ ہے باقی مصارف کی تفصیل درج ذیل ہے۔

① غنیمت میں جو حصہ رسول اللہ ﷺ کا تھا آپ اپنی حیات مبارکہ میں اس میں سے اپنا اور اپنے اہل و عیال کا خرچ نکالتے تھے آپ ﷺ کی وفات کے بعد یہ حصہ مصالح مسلمین میں خرچ کیا جانے لگا اور جو کام زیادہ اہم ہوتے تھے ان میں پہلے خرچ کیا جاتا تھا پھر دوسرے کاموں میں۔

② اور آپ ﷺ کے رشتہ داروں کا حصہ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کو دیا جاتا ہے خواہ وہ غریب ہوں یا مالدار اور خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں اور ان میں جو مقروض ہوتا تھا یا شادی کرنا چاہتا تھا یا حاجت مند تھا اس کی اعانت پہلے کی جاتی تھی۔

③ اور یتیموں کا حصہ ایسے بچوں پر خرچ کیا جاتا ہے جو غریب ہوں اور ان کا باپ وفات پا چکا ہو۔

④ اور غریبوں مسکینوں اور مسافروں کا حصہ انہیں پر خرچ کیا جاتا تھا اور مسافر سے مراد وہ ہے جو وطن سے دور ہو اور اس کو مال کی شدید حاجت پیش آگئی ہو۔

فائدہ: ① خمس کے مذکور مصارف میں سے کس مصرف پر کتنا خرچ کیا جائے گا؟ یہ امام کی صوابدید پر موقوف ہے وہ خوب غور کر کے طے کرے کہ زیادہ اہم کون ہے؟ اور کس مصرف میں کتنا خرچ کرنا ہے؟ اور کس شخص کو کتنا دینا ہے؟

فائدہ: ② حنفیہ کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی ذات کا خرچ نہیں رہا اور آپ ﷺ کے رشتہ داروں کا حصہ نصرت قدیم کی بناء پر تھا اس لیے وہ بھی نہیں رہا البتہ مساکین اور حاجت مندوں کا جو حصہ ہے اس میں حضور ﷺ کے قربت دار مساکین و اہل حاجت کو مقدم رکھا جائے گا۔ (نوائد عثمانی)

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ النَّهْبَةِ

باب ۳۸: مال غنیمت لوٹنا جائز نہیں

(۱۵۲۶) كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي سَفَرٍ فَتَقَدَّمَ سَرَّعَانُ النَّاسِ فَتَعَجَّلُوا مِنَ الْغَنَائِمِ فَأَطْبَحُوا وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي أُخْرَى النَّاسِ فَمَرَّ بِالْقُدُورِ فَأَمَرَ بِهَا فَأُكْفِئَتْ ثُمَّ قَسَمَ بَيْنَهُمْ فَعَدَلَ بَعِيرًا بِعَشْرِ شِيَاهِ.

ترجمہ: عباہ بن رفاعہ اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: کچھ جلد باز لوگوں نے جلدی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مال غنیمت میں (ملنے والے جانوروں کو) پکانا شروع کر دیا، نبی اکرم ﷺ پیچھے والے لوگوں کے ساتھ آرہے تھے جب آپ ﷺ ہنڈیوں کے پاس سے گزرے تو آپ ﷺ کے حکم کے تحت انہیں الٹا دیا گیا، پھر نبی اکرم ﷺ نے ان کے درمیان مال غنیمت کو تقسیم کیا، آپ ﷺ نے ایک اونٹ کو دس بکریوں کے برابر قرار دیا۔

(۱۵۲۷) مَنِ انْتَهَبَ فَلَيْسَ مِنَّا.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: جو شخص مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے اس میں سے کچھ لے، اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایسا کیوں کیا؟ تو حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ آنحضور ﷺ تو ویسے بھی ہمیں حسب ضرورت عطاء فرمائیں گے اس لیے وہ اجازت کو لازمی نہ سمجھے حالانکہ اذن ضروری تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّسْلِيمِ عَلَى أَهْلِ الْكِتَابِ

باب ۳۹: یہود و نصاریٰ کو سلام کرنے کا حکم

(۱۵۲۸) لَا تَبْدُؤُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى بِالسَّلَامِ وَإِذَا لَقِيتُمْ أَحَدَهُمْ فِي الطَّرِيقِ فَاصْطَرُّوهُمْ إِلَى أَصْبَاحِهِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہودیوں اور عیسائیوں کو سلام کرنے میں پہل نہ کرو اور جب تمہارا ان میں سے کسی ایک کے ساتھ راستے میں سامنا ہو تو اسے تنگ راستے کی طرف جانے پر مجبور کرو۔

(۱۵۲۹) إِنَّ الْيَهُودَ إِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمْ أَحَدُهُمْ فَإِنَّمَا يَقُولُ السَّامُ عَلَيْكُمْ فَقُلْ عَلَيْهِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کوئی یہودی تمہیں سلام کرے، اور السام علیکم (تمہیں موت آئے) کہے، تو علیک (یعنی تم کو بھی) کہہ دو۔

تشریح: مدینہ منورہ اور اس کے قرب و جوار میں جو یہودی آباد تھے وہ مسلمانوں کو سلام کیا کرتے تھے مگر وہ یہ حرکت کیا کرتے تھے کہ السلام علیکم کے بجائے السام علیکم کہتے تھے جس کے معنی ہیں تم مرو جب نبی ﷺ کو ان کی اس حرکت کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا یہود السام علیکم کہتے ہیں پس تم جواب میں علیکم کہو یعنی ہم نہیں تم مرو چنانچہ یہودیوں نے یہ حرکت چھوڑ دی۔ اور اس حدیث میں نبی ﷺ نے مسلمانوں کو دو حکم اور بھی دیئے ہیں ایک ان کو سلام کرنے میں پہل نہ کی جائے دوسرا جب آنا سامنا ہو تو ان کو دائیں بائیں ہٹنے پر مجبور کیا جائے یہ دونوں حکم آپ ﷺ نے مسلمانوں کے احساس کمتری کو ختم کرنے کے لیے دیئے تھے۔

مبتدع اگر مفسد اور خطرناک ہو تو اپنے تحفظ کے پیش نظر اسے ابتداء بالسلام کی گنجائش ہے قالہ الطیبی ابن قیم رحمہ اللہ زاد المعاد میں لکھتے ہیں:

وَمِنْ هَدِيَّةٍ تَرَكْتُ السَّلَامَ ابْتِدَاءً وَرَدًا عَلَى مَنْ أَحْدَثَ حَدَّثًا حَتَّى يَتُوبَ.

”نبی ﷺ کی اقتداء میں سے یہ بھی ہے کہ بدعتی کو نہ سلام کیا جائے اور نہ ہی سلام کا جواب دیا جائے۔“

مگر آج کل کے دور کے نازک حالات کے پیش نظر طبعی و طبیعی کا قول اسہل ہے گویا اہل بدع سے دور رہنے کی بھرپور کوشش ہونی چاہیے لیکن اگر ناگزیر ضرورت کی بناء پر آمنا سامنا ہو جائے اور ترک سلام یا رد سلام کے ترک میں کسی نقصان کا اندیشہ ہو خصوصاً دینی نقصان کا مثلاً فساد برپا ہونا یا اس مبتدع کا ضدی بننے اور لوگوں میں باقاعدہ کام کرنے کا اندیشہ ہو تو بہتر ہے کہ اسے اپنے قابو میں رکھنے کے لیے ظاہری سطح پر خوشگوار تعلق قائم کر دیا جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْمَقَامِ بَيْنَ أَظْهَرِ الْمُشْرِكِينَ

باب ۴۰: مشرکین کے درمیان بود و باش اختیار کرنا

(۱۵۳۰) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بَعَثَ سَرِيَّةً إِلَى خَثْعَمٍ فَأَعْتَصَمَ نَاسٌ بِالسُّجُودِ فَأَسْرَعَ فِيهِمُ الْقَتْلَ فَبَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيَّ ﷺ فَأَمَرَ لَهُمْ بِنُصْفِ الْعَقْلِ وَقَالَ أَنَا بَرِيءٌ مِنْ كُلِّ مُسْلِمٍ يُقِيمُ بَيْنَ أَظْهَرِ الْمُشْرِكِينَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَلِمَ قَالَ لَا تَرَايَا تَارَاهُمَا.

ترجمہ: حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: بنی اکرم رضی اللہ عنہم نے خثعم قبیلے کی طرف ایک جنگی مہم روانہ کی کچھ لوگوں نے سجدے کے ذریعے بچنے کی کوشش کی لیکن مسلمانوں نے انہیں تیزی سے قتل کر دیا اس بات کی اطلاع نبی اکرم رضی اللہ عنہم کو ملی تو آپ ﷺ نے ان لوگوں کی نصف دیت ادا کرنے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا۔ میں ایسے ہر مسلمان سے بری الذمہ ہوں جو مشرکین کے درمیان رہتا ہو، لوگوں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ وہ کس وجہ سے؟ آپ نے ارشاد فرمایا (انہیں ایک دوسرے سے اتنا دور رہنا چاہیے) کہ ایک کی آگ دوسرے کو نظر نہ آئے۔

اس مسئلہ کی ضروری تشریح باب ما جاء ليس على المسلمين جزية میں گزر چکی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِخْرَاجِ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ

باب ۴۱: جزیرۃ العرب سے یہود و نصاریٰ کا نکالنے کا بیان

(۱۵۳۱) لَئِنْ عِشْتُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ لَا أُخْرِجَنَّ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں، نبی اکرم رضی اللہ عنہم نے ارشاد فرمایا ہے۔ اگر میں زندہ رہا اور اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو میں یہودیوں اور عیسائیوں کو جزیرہ عرب سے نکال دوں گا۔

(۱۵۳۲) لَا أُخْرِجَنَّ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ فَلَا أَتْرُكُ فِيهَا إِلَّا مُسْلِمًا.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجھے یہ بتایا انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔ عنقریب یہودیوں، عیسائیوں کو جزیرہ عرب سے نکال دوں گا، اور یہاں صرف مسلمانوں کو رہنے دوں گا۔
تشریح: ملک کے شہری کو ملک بدر کرنا جائز نہیں اور یہود و نصاریٰ اس وقت اسلامی مملکت کے شہری تھے اور اسلامی حکومت صرف جزیرہ العرب کی حد تک تھی مگر جب دوسرے علاقے اسلامی قلم رو میں آئیں گے تو ان کو جزیرہ العرب سے نکال کر باہر بسایا جائے گا۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اسلامی حکومت کی حدود میں وسعت ہوئی تو آپ نے ان کو جزیرہ العرب سے باہر اذرعہات میں بسایا اپنی حکومت سے نہیں نکالا اور جزیرہ العرب کو ان سے خالی کرنے کی وجہ کتاب الزکوٰۃ (باب ۱۱) میں گذر چکی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَرْكَ السَّبِيِّ ﷺ

باب ۴۲: نبی ﷺ کی میراث کا بیان

(۱۵۳۳) جَاءَتْ فَاطِمَةُ إِلَى أَبِي بَكْرٍ فَقَالَتْ مَنْ يَرِثُكَ قَالَ أَهْلِيَّ وَلَدِي قَالَتْ فَمَا لِي لَا أَرِثُ أَبِي فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ لَا تُورَثُ وَلَكِنْ أَعُولُ مَنْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَعُولُهُ وَأُنْفِقُ عَلَى مَنْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُنْفِقُ عَلَيْهِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور دریافت کیا۔ آپ کا وارث کون ہوگا؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ میری بیوی اور میرے بچے، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بولیں۔ پھر کیا وجہ ہے؟ میں اپنے والد کی وارث نہیں بن رہی؟ تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یہ بات بیان کی میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا (پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا) لیکن میں ان تمام لوگوں کی کفالت کرتا رہوں گا جن کی نبی اکرم ﷺ کفالت کیا کرتے تھے اور میں ان تمام لوگوں کا خرچ فراہم کروں گا جن کا نبی اکرم ﷺ خرچ فراہم کیا کرتے تھے۔

(۱۵۳۴) أَنَّ فَاطِمَةَ جَاءَتْ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا تَسْأَلُ مِيرَاثَهُمَا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ سَمِعْنَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ إِنِّي لَا أُوْرَثُ قَالَتْ وَاللَّهِ لَا أَكْلِبُكُمَا أَبَدًا فَمَا تَأْتِ وَلَا تُكَلِّمُهُمَا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آئیں تاکہ نبی اکرم ﷺ کی وراثت طلب کریں۔ ان دونوں حضرات نے یہ بات بیان کی۔ ہم نے نبی اکرم ﷺ کو یہ بات ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔ میرا کوئی وارث نہیں ہوتا تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا اللہ کی قسم میں آپ دونوں حضرات کے ساتھ کبھی کلام نہیں کروں گی۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: اس کے بعد مرتے دم تک سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ان دونوں حضرات کے ساتھ کبھی کلام نہیں کیا۔

(۱۵۳۵) قَالَ دَخَلْتُ عَلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَدَخَلَ عَلَيْهِ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ وَالزُّبَيْرُ بْنُ الْعَوَّامِ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ وَسَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ ثُمَّ جَاءَ عَلِيٌّ وَالْعَبَّاسُ يَخْتَصِمَانِ فَقَالَ عُمَرُ لَهُمَا أَنْشِدُكُمَا بِاللَّهِ الَّذِي تَقُومُ

السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَتَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ لَا نُورُثُ مَالًا كُنَّا صَدَقَةً قَالُوا نَعَمْ قَالَ عُمَرُ فَلَمَّا تُوُوِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَالَ أَبُو بَكْرٍ أَنَا وَلِيُّ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَجِئْتُكَ أَنْتَ وَهَذَا إِلَى أَبِي بَكْرٍ تَطْلُبُ أَنْتَ مِيرَاثَكَ مِنْ ابْنِ أَخِيكَ وَيَطْلُبُ هَذَا مِيرَاثَ امْرَأَتِهِ مِنْ أَبِيهَا فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ لَا نُورُثُ مَالًا كُنَّا صَدَقَةً وَاللَّهِ يَعْلَمُ إِنَّهُ صَادِقٌ بَارٌّ رَاشِدٌ تَابِعٌ لِلْحَقِّ وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ طَوِيلَةٌ.

ترجمہ: مالک بن اوس بن حدثان بیان کرتے ہیں: میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا پھر حضرت عثمان حضرت زبیر بن عوام حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم بھی وہاں آگئے پھر حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما بھی وہاں آئے وہ دونوں کسی بات پر تکرار کر رہے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا میں آپ لوگوں کو اللہ کے نام کی قسم دے کر دریافت کرتا ہوں جس کے حکم کے تحت آسمان اور زمین قائم ہیں کیا آپ حضرات یہ بات جانتے ہیں؟ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا جو ہم چھوڑ کر جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے، انہوں نے جواب دیا۔ جی ہاں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ جب نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ کہا میں اللہ تعالیٰ کے رسول کا نائب ہوں اس وقت آپ اور یہ صاحب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے آپ نے اپنے بھتیجے کی وراثت کے بارے میں سوال کیا اور ان صاحب نے اپنی اہلیہ کی ان کے والد سے ملنے والی وراثت کا مطالبہ کیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ بتایا کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا جو ہم چھوڑ کر جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ وہ (یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) سچے تھے، نیک تھے، ہدایت یافتہ تھے، حق کے پیروکار تھے۔

ترکہ: ”ر“ کے زیر کے ساتھ ہے اردو میں ”ر“ کے سکون کے ساتھ بولا جاتا ہے یہ باب امام ترمذی رضی اللہ عنہ ابواب السیر میں اللہ جانے کیوں لائے ہیں؟ نبی ﷺ کی میراث کا اسلام کے حربی نظام سے کچھ تعلق نہیں شاید یہ باب یہاں اس لیے لائے ہیں کہ ہر خلیفہ کا جب انتقال ہوتا ہے تو اس کا ترکہ اسکے وارثوں میں تقسیم ہوتا ہے مگر اس ضابطہ سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام مستثنیٰ ہیں ان کا ترکہ ان کے وارثوں میں تقسیم نہیں ہوتا بلکہ امت پر وقف (صدقہ) ہوتا ہے اور یہی حکم خلیفہ کے ہاتھ میں جو سرکاری املاک ہیں ان کا ہے وہ بھی ملک کی ہیں خلیفہ کے ورثاء کی نہیں۔

تشریح: یہ مسئلہ اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک اجماعی ہے شیعہ اس میں اختلاف کرتے ہیں بلکہ شیعوں کے مذہب کی بنیاد جن چند مسائل پر ہے ان میں سے ایک یہ مسئلہ بھی ہے وہ کہتے ہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کو میراث نہ دے کر ان کا حق مارا اور اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک تمام انبیاء علیہم السلام کے متروکات امت پر صدقہ ہوتے ہیں اور وہ کار خیر میں خرچ کئے جاتے ہیں ورثاء میں تقسیم نہیں کئے جاتے۔

تشریح: قولہ لَا نُورُثُ اس کو بفتح را بھی پڑھ سکتے ہیں اور بالکسر بھی پہلی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ہمارا (یعنی جماعۃ الانبیاء علیہم السلام) کا کوئی وارث نہیں ہوتا دوسری صورت میں مطلب یہ ہے کہ ہم کسی کو میراث نہیں دیتے یعنی جو کچھ بچتا ہے وہ صدقہ ہوتا ہے کسی خاص فرد معین کا حق نہیں ہوتا۔

سوال: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس کیوں تشریف لے گئیں؟ کیا ان کو یہ حکم معلوم نہیں تھا؟ معلوم تھا تو پھر کیا وجہ تھی؟

جواب: باعتبار شق اول بھی دیا جاسکتا ہے اور یہ کوئی عیب نہیں کہ آدمی پر بعض نادر اور قلیل الوقوع مسائل کا علم مخفی رہے باعتبار شق ثانی کے جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ قرآنی آیات میراث کو عام سمجھ کر کچھ تاویل کی قائل ہوں کیونکہ وہ مجتہدہ تھیں۔

اعتراض: کہ پھر وہ ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ناراض کیوں ہوئیں جیسا کہ بخاری میں ہے: فہجرت ابابکر فلم تزل مهاجرة حتى توفيت... الخ (ص: ۴۳۵ ج: ۱)؟

جواب: حضرت تھانوی صاحب رحمہ اللہ نے دیا ہے کہ طبعی بات ہے کہ جب مناظرہ میں کسی کی بات نہیں چلتی ہے تو اس کو ندامت ہوتی ہے کہ خواہ مخواہ مناظرہ کیا پس معلوم ہوا کہ یہ رنج ندامت تھا نہ کہ رنج عداوت سمہودی نے فرمایا کہ ان کا مطالبہ تولی وقف کا تھا نہ کہ ملک کا و هذا الطف۔

یہ ایک طویل حدیث ہے جو آپ نے بخاری شریف (حدیث ۳۰۹۴) میں پڑھی ہوگی نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی جائیدادوں کے متولی تاحیات حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ رہے آپ رضی اللہ عنہ جائیداد کی آمدنی از واج مطہرات پر اور آل رسول پر خرچ کرتے تھے اور جو بیج جاتی اس کو وجوہ خیر میں خرچ کرتے تھے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ متولی بنے ان کے زمانے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے درخواست کی کہ نبی ﷺ کی جائیداد کا متولی ہمیں بنادیا جائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تولیت ان کے سپرد کردی اور شرط لگائی کہ آمدنی جس طرح حضور ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ خرچ کرتے تھے اسی طرح کریں گے مگر ان میں نباہ نہ ہوا تو وہ پلان کے تحت آئے اور مذکورہ چار اکابر کو سفارش کے لیے پہلے بھیجا پھر خود اپنا مقدمہ لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا ہم چاہتے ہیں کہ جائیداد کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے اور ایک حصہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اور دوسرے حصہ کا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو متولی بنادیا جائے ان چاروں صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کی تائید کی اور سفارش کی مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو قبول نہ کیا ان کو یہ منظور نہیں تھا کہ نبی ﷺ کی جائیداد پر تقسیم کا لفظ بولا جائے کیونکہ آج تولیت تقسیم ہوگی تو کل میراث تقسیم ہوگی اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر آپ دونوں متفق ہو کر متولی رہ سکتے ہو تو رہو ورنہ میں نظم خود سنجال لوں گا چنانچہ وہ سب اٹھ کر چلے گئے اور تولیت مشترک طور پر باقی رہی پھر اس جائیداد کا کیا ہوا؟ معلوم نہیں کیا ہوا؟ آج وہ محفوظ نہیں سب خرد برد ہو گئی۔

اعتراض: اگر یہ حکم تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا ہے تو پھر اس آیت کا مطلب کیا ہے: ﴿وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوُدَ﴾ (النمل: ۱۶)

جواب: ابن العربی رحمہ اللہ نے دیا ہے کہ اس سے مراد مرتبہ اور والد کا مقام ہے اور اسی منزلت و مقام کی دعا حضرت زکریا علیہ السلام نے بھی کی تھی: ﴿فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا ۖ يَرِثُنِي وَيَرِثْ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ﴾ (مریم: ۶۰) اور ﴿رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا﴾ (الانبیاء: ۸۹)

انبیاء کا مال میراث کیوں نہیں ہوتا؟ اس کی حکمت میں علماء کے کئی اقوال ہیں:

- ① تاکہ بعض ورثہ کو ان کی موت کی خواہش پیدا نہ ہو کہ یہ سب ہلاکت ہے: قالہ القاری فی شرح الشمائیل۔
- ② یا اس لیے کہ کوئی یہ نہ کہے کہ انہوں نے بھی باقی لوگوں کی طرح اپنی اولاد کے لیے مال کمایا۔
- ③ یا اس لیے کہ ان کی دیکھا دیکھی کوئی مال کی رغبت میں نہ پڑے اور رغبت تیز نہ کرے۔
- ④ یا اس لیے کہ کوئی یہ نہ کہے کہ ان کا فقر غیر اختیاری تھا۔
- ⑤ انبیاء علیہم السلام سب امت کے لیے ابا کی طرح ہیں: وغیر ذلک من التوجیہات۔

بَاب مَا جَاءَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ فَتَحِ مَكَّةَ أَنَّ هَذِهِ لَا تُغْزَى بَعْدَ الْيَوْمِ

باب ۴۳: فتح مکہ کے دن آپ ﷺ نے فرمایا آئندہ اس پر فوج کشی نہیں ہوگی

(۱۵۳۶) لَا تُغْزَى هَذِهِ بَعْدَ الْيَوْمِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ.

ترجمہ: حضرت حارث بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ کو فتح کے دن یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا۔ آج کے دن کے بعد قیامت تک اس پر حملہ نہیں کیا جائے گا۔

تشریح: مکہ مکرمہ ان شاء اللہ قیامت تک مسلمانوں کی تحویل میں رہے گا اب دوبارہ کافروں کا اس پر تسلط نہیں ہوگا جو بھی فوج کشی کرے گا نامراد ہوگا حدیث میں ہے کہ قیامت کے قریب ایک شخص مکہ پر فوج کشی کرے گا مگر اس کا سارا لشکر زمین میں دھنس جائے گا (بخاری کتاب الحج باب ۴۹) غرض اب مکہ کبھی کافروں کے قبضہ میں اس طرح نہیں جائے گا کہ اس کو چھڑانے کے لیے باقاعدہ جنگ لڑنی پڑے ہاں قیامت کے بالکل قریب چھوٹی پنڈلیوں والا حبشی کعبہ شریف ڈھائے گا پھر وہ کبھی آباد نہ ہوگا۔

بَاب مَا جَاءَ فِي السَّاعَةِ الَّتِي يُسْتَحَبُّ فِيهَا الْقِتَالُ

باب ۴۴: کن اوقات میں قتال مستحب ہے؟

(۱۵۳۷) غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَكَانَ إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ أَمْسَكَ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَإِذَا طَلَعَتِ قَاتَلَ فَإِذَا انْتَصَفَ النَّهَارُ أَمْسَكَ حَتَّى تَزُولَ الشَّمْسُ فَإِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ قَاتَلَ حَتَّى الْعَصْرُ ثُمَّ أَمْسَكَ حَتَّى يُصَلِّيَ الْعَصْرَ ثُمَّ يُقَاتِلُ وَكَانَ يُقَالُ عِنْدَ ذَلِكَ تَهْبِيجُ رِيَّاحِ النَّصْرِ وَيَدْعُو الْمُؤْمِنُونَ لِحَيُّوشِهِمْ فِي صَلَواتِهِمْ.

ترجمہ: حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ غزوہ میں شرکت کی ہے جب صبح صادق ہو جاتی تو سورج نکلنے تک نبی اکرم ﷺ جنگ شروع نہیں کرتے تھے جب وہ نکل آتا تھا تو جنگ شروع کر دیتے تھے اور جب دوپہر کا وقت ہو جاتا تو آپ جنگ سے رک جاتے تھے جب سورج ڈھل جاتا تو پھر آپ جنگ شروع کر دیتے تھے۔ یہاں تک کہ عصر کا وقت ہو جاتا تو آپ پھر رک جاتے تھے۔ پھر آپ عصر کی نماز ادا کرتے تھے پھر جنگ شروع کر دیتے تھے اور اس وقت کے بارے میں یہ کہا جاتا تھا اس وقت مدد کی ہوا چلتی ہے اور اس دوران اہل ایمان اپنی نمازوں میں اپنے لشکروں کے لئے دعا کیا کرتے تھے۔

(۱۵۳۸) أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ بَعَثَ النُّعْمَانَ بْنَ مِقْرَنٍ إِلَى الْهَرَمُزَانِ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ بِطَوِيلِهِ فَقَالَ النُّعْمَانُ بْنُ مِقْرَنٍ شَهِدْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَكَانَ إِذَا لَمْ يُقَاتِلْ أَوَّلَ النَّهَارِ انْتَظَرَ حَتَّى تَزُولَ الشَّمْسُ وَتَهْبِجَ الرِّيحُ وَيَنْزِلَ النَّصْرُ.

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے۔ انہوں نے نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کو ہرمزان کی طرف بھیجا۔

اس کے بعد انہوں نے طویل حدیث نقل کی ہے۔

حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ (جنگوں میں) شریک ہوا ہوں آپ دن کے ابتدائی حصے میں جنگ نہیں کرتے تھے اور انتظار کرتے رہتے تھے، یہاں تک کہ جب سورج ڈھل جاتا اور ہوائیں چلنے لگتیں اور مدد نازل ہوتی (اس وقت جنگ شروع کرتے تھے)۔

ان اوقات ثلاثہ میں یعنی صبح بعد الزوال اور بعد العصر لڑائی کی ایک حکمت اسی باب کی حدیث میں مروی ہے کہ زوال کے وقت نصرت و مدد کی ہوائیں چلتی ہیں اور نمازوں میں مسلمان مجاہدین کے لیے دعائیں مانگتے ہیں علاوہ ازیں تکبیر کی بھی بڑی فضیلت ہے جبکہ عصر کے بعد کا وقت انبیاء علیہم السلام کے لیے مختص ہے۔

کہ دعا اگرچہ ہر وقت قبول ہو سکتی ہے مگر بعض اوقات بطور خاص اجابت دعا کے لیے اہم ہیں:

آخر الليل، نزول المطر، التقاء الصفوف مع العدو، ليلة القدر، ساعة الجمعة، حين السجود، ومنها وقت الضرورة.

”یعنی رات کا آخری حصہ، بارش کے وقت، دشمن کے ساتھ لڑائی کے وقت، شب قدر میں، جمعہ کی خاص گھڑی میں، سجدہ کی حالت میں، ضرورت کے وقت۔“

بَابُ مَا جَاءَ فِي الطَّيْرَةِ

باب ۴۵: نیک فالی اور بد فالی کا بیان

(۱۵۳۹) الطَّيْرَةُ مِنَ الشُّرُكِ وَمَا مِثْلُهَا وَلَكِنَّ اللَّهَ يُذْهِبُهُ بِالتَّوَكُّلِ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ طیرہ شرک ہے ہم میں سے ہر شخص کو اس کا خیال آتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے توکل کو ختم کر دیتا ہے۔

(۱۵۴۰) لَا عَدُوِي وَلَا طَيْرَةٍ وَاجِبُ الْفَالِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا الْفَالُ قَالَ الْكَلِمَةُ الطَّيْبَةُ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ بیماری کے متعدی ہونے اور بد فالی کی کوئی حقیقت نہیں ہے البتہ میں فال کو پسند کرتا ہوں، لوگوں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ فال سے مراد کیا ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اچھی بات۔

(۱۵۴۱) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُعْجِبُهُ إِذَا خَرَجَ لِحَاجَةٍ أَنْ يَسْمَعَ يَارَاشِدُ يَا نَجِيحُ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ کی یہ بات پسند تھی کہ جب آپ کسی کام کے لئے نکلیں تو آپ یہ الفاظ سنیں۔ ”اے ٹھیک راستہ پانے والے! اے کامیاب شخص!“

طیسرے کے معنی ہیں شگون خواہ اچھا ہو یا برا۔ پھر نبی ﷺ نے اس کو برے شگون کے ساتھ خاص کر دیا اور اچھے شگون کے لیے لفظ ”فال“ استعمال کیا آگے حدیث آرہی ہے کہ عدوی اور طیرہ کچھ نہیں اور میں فال کو پسند کرتا ہوں صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا فال کیا

ہے؟ یہ پوچھنا اس لیے پڑا کہ آپ ﷺ نے یہ نیا لفظ استعمال کیا تھا۔

شریعت نے بدفالی کی ممانعت کی ہے اور نیک فال کی اجازت دی ہے کیونکہ بدفالی سے دل میں طرح طرح کے وساوس پیدا ہوتے ہیں آدی ادھیڑ بن میں لگ جاتا ہے کہ میرا کام ہوگا یا نہیں؟ اور کبھی بدشگونی سے اللہ کے انکار کی۔

22

بَاب مَا جَاءَ فِي وَصِيَّةِ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْقِتَالِ

باب ۴۶: جنگ میں رسول اللہ ﷺ کی ہدایات

(۱۵۴۲) كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا بَعَثَ أَمِيرًا عَلَى جَيْشٍ أَوْ صَاهُ فِي خَاصَّةٍ نَفْسِهِ يَتَّقُوا اللَّهَ وَمَنْ مَعَهُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ خَيْرًا وَقَالَ اغْزُوا بِسْمِ اللَّهِ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ قَاتِلُوا مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ وَلَا تَغْلُوا وَلَا تَغْدُرُوا وَلَا تُمَثِّلُوا وَلَا تَقْتُلُوا وَلِيْدًا فَإِذَا لَقِيتَ عَدُوَّكَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ فَادْعُهُمْ إِلَى إِحْدَى ثَلَاثِ خِصَالٍ أَوْ خِلَالِ أَيْتِمَاهَا أَجَابُوكَ فَأَقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ وَادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ وَالتَّحَوَّلِ مِنْ دَارِهِمْ إِلَى دَارِ الْمُهَاجِرِينَ وَآخِذْهُمْ أَنَّهُمْ إِنْ فَعَلُوا ذَلِكَ وَإِنْ أَبَوْا أَنْ يَتَحَوَّلُوا فَآخِذْهُمْ أَنَّهُمْ يَكُونُونَ كَأَعْرَابِ الْمُسْلِمِينَ يَجْرِي عَلَيْهِمْ مَا يَجْرِي عَلَى الْأَعْرَابِ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْغَنِيمَةِ وَالْفَقَى شَيْءٌ إِلَّا أَنْ يُجَاهِدُوا فَإِنْ أَبَوْا فَاسْتَعِزَّ بِاللَّهِ عَلَيْهِمْ وَقَاتِلْهُمْ وَإِذَا حَاصَرْتَ حِصْنًا فَارَادُوكَ أَنْ تَجْعَلَ لَهُمْ ذِمَّةَ اللَّهِ وَذِمَّةَ نَبِيِّهِ فَلَا تَجْعَلَ لَهُمْ ذِمَّةَ اللَّهِ وَلَا ذِمَّةَ نَبِيِّهِ وَاجْعَلْ لَهُمْ ذِمَّتَكَ وَذِمَّةَ أَصْحَابِكَ فَإِنَّكُمْ أَنْ تُخْفِرُوا وَادْعِيكُمْ وَذِمَّةَ أَصْحَابِكُمْ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تُخْفِرُوا ذِمَّةَ اللَّهِ وَذِمَّةَ رَسُولِهِ وَإِذَا حَاصَرْتَ أَهْلَ حِصْنٍ فَارَادُوكَ أَنْ تُنْزِلُوهُمْ عَلَى حُكْمِ اللَّهِ فَلَا تُنْزِلُوهُمْ وَلَكِنْ أَنْزِلْ لَهُمْ عَلَى حُكْمِكَ فَإِنَّكَ لَا تَدْرِي أَتَصِيبُ حُكْمَ اللَّهِ فِيهِمْ أَمْ لَا أَوْ تَخَوْ.

ترجمہ: سلیمان بن بریدہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: جب نبی اکرم ﷺ کسی شخص کو کسی لشکر کا امیر بنا کر روانہ کرتے تو اس کو اس کی اپنی ذات کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور دیگر مسلمانوں کے بارے میں بھلائی کی تلقین کرتے آپ ﷺ یہ ارشاد فرماتے۔ اللہ تعالیٰ کے نام سے برکت حاصل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ کا آغاز کرو اور ان لوگوں کے ساتھ جنگ کرو جنہوں نے اللہ تعالیٰ کا انکار کیا ہے۔ اور مال غنیمت میں چوری نہ کرو، عہد شکنی نہ کرو، مثلہ نہ کرو، بچوں کو قتل نہ کرو، جب تمہارا اپنے مشرک دشمن سے سامنا ہو، تو اسے تین میں سے کسی ایک کو قبول کرنے کی دعوت دو وہ ان میں سے جس بات کو مان جائیں تم ان کی طرف سے اسے قبول کرو اور ان کے ساتھ جنگ کرنے سے رک جاؤ تم انہیں، اسلام کی دعوت دو اور اس بات کی کہ وہ اپنے علاقے کو چھوڑ کر مہاجرین کے علاقے میں آجائیں اور انہیں یہ بتاؤ کہ اگر انہوں نے ایسا کر لیا تو انہیں وہ سب کچھ ملے گا جو مہاجرین کو حاصل ہے اور ان پر وہ تمام ادائیگیاں لازم ہوں گی جو مہاجرین پر لازم ہیں تاہم اگر وہ وہاں جانے سے انکار کر دیں تو تم انہیں یہ بتادینا کہ تم لوگ دیہاتی مسلمانوں کی طرح رہ سکتے ہو تم پر بھی وہ حکم جاری ہوگا، جو دیگر دیہاتی مسلمانوں پر جاری ہوتا ہے لیکن انہیں جہاد میں شریک ہونا پڑے گا اگر وہ لوگ اس سے بھی انکار کر دیں تو تم اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے ہوئے ان کے ساتھ جنگ شروع کرو، پھر تم اگر

کسی قلعے کا محاصرہ کرو اور قلعہ والے تم سے اللہ، اور اس کے رسول ﷺ کی پناہ مانگیں تو تم انہیں اللہ، اور اس کے رسول ﷺ کے نام پر پناہ نہ دینا بلکہ تم اپنی طرف سے اور اپنے لشکر کی طرف سے پناہ دینا کیونکہ اگر تم عہد شکنی کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے نام پر دیئے گئے پیمانے کو توڑنے کے مقابلے میں تمہارا اپنے پیمانے کو توڑنا بہتر ہے اسی طرح اگر وہ لوگ یہ کہیں تم ان کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق فیصلہ کرو تو تم ایسا نہ کرنا بلکہ اپنے ذاتی فیصلے کے مطابق فیصلہ کرنا کیونکہ تم یہ بات نہیں جانتے کہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم کیا ہے؟ اور کیا تم اس کے مطابق فیصلہ کر رہے ہو یا نہیں؟ (راوی کو شک ہے یا شاید اسی کی مانند کچھ منقول ہے)۔

(۱۵۴۳) كَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يُغَيِّرُ إِلَّا عِنْدَ صَلَاةِ الْفَجْرِ فَإِنْ سَمِعَ أَذَانًا أَمْسَكَ وَإِلَّا أَغَارَ فَاسْتَمَعَ ذَاتَ يَوْمٍ فَسَمِعَ رَجُلًا يَقُولُ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ فَقَالَ عَلَى الْفِطْرَةِ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَقَالَ خَرَجْتَ مِنَ النَّارِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ صبح کی نماز کے وقت حملہ کیا کرتے تھے اگر آپ کو وہاں سے اذان کی آواز آ جاتی تھی تو آپ حملے سے رک جاتے تھے ورنہ حملہ کر دیتے تھے۔ ایک دن آپ ﷺ نے غور سے سننے کی کوشش کی تو آپ کو ایک شخص کی آواز سنائی دی جو اللہ اکبر، اللہ اکبر کہہ رہا تھا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ یہ فطرت پر ہے۔ اس شخص نے کہا میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں، اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے۔

قولہ فادعهم الى احدي ثلث خصال. یعنی اولاد دعوت، ثانیاً جز یہ کا حکم پیش کرو جو یہاں اگرچہ مذکور نہیں مگر دوسری روایات میں مصرح ہے اور ثالثاً قتال ہے۔

اشکال: اس حدیث میں ہے ایتھا اجابوك فاقبل منهم و کف عنهم اس کا ظاہری مطلب تو یہ ہے کہ ان تینوں میں سے جو بھی قبول کر لیں پھر ان سے تعرض نہ کرنا حالانکہ یہ حکم تو اول دو شقوں کا ہے؟

حل: اس کا جواب حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے الکوکب میں دیا ہے کہ کف یہاں پر متعدی ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ آپ کے ساتھ جس رخ اور جس صورت پر چلنا چاہیں آپ بھی باقی خصلتوں کو چھوڑ کر اسی سمت کو اختیار کر لیں لہذا اگر وہ قتال کریں گے تو آپ غیر قتال کی خصلتیں سے دور رہو یعنی خصلت قتال ہی اختیار کر لیں۔

فائدہ: اس حدیث میں ہے کہ اگر وہ دعوت قبول نہ کریں تو فاستعن باللہ علیہم وقاتلہم آج کل لوگ اس قسم کی احادیث و نصوص سے چڑتے ہیں یہ دراصل ان کی غفلت و حماقت ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے ان کو بڑے پیار اور شفقت سے دعوت دی اور بار بار ان کو سمجھایا کہ اللہ کی زمین پر فساد مت پھیلاؤ اپنی غلط حرکات سے باز آؤ اور اس دعوت میں نہ صرف یہ کہ مدت مدیدہ صرف کی بلکہ ہر قسم کی تکلیفات بھی برداشت کیں مگر یہ باغی لوگ اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہ آئے تو بتائیے کہ جب انسانی جسم میں کوئی عضو کینسر کا شکار ہو جائے اور ہر طرح کا علاج فیل ہو جائے اور وہ سرایت کرنے لگے تو کیا اس کو یوں ہی چھوڑنا عقلمندی ہے یا پھر آپریشن کر کے اسے کاٹنا تاکہ باقی جسم کو بچایا جائے؟



أَبْوَابُ فَضَائِلِ الْجِهَادِ

جہاد کے فضائل کا بیان

بَابُ فَضْلِ الْجِهَادِ

باب ۱: جہاد کی فضیلت

(۱۵۴۴) قَالَ قَيْلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَا يَعْدِلُ الْجِهَادَ قَالَ إِنَّكُمْ لَا تَسْتَطِيعُونَهُ فَرَدُّوا عَلَيْهِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا كُلَّ ذَلِكَ يَقُولُ لَا تَسْتَطِيعُونَهُ فَقَالَ فِي الثَّالِثَةِ مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ مَثَلُ الصَّائِمِ الْقَائِمِ الَّذِي لَا يَفْتُرُ مِنْ صَلَوةٍ وَلَا صِيَامٍ حَتَّى يَزْجَعَ الْمُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ کون سی چیز جہاد کے برابر ہے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم اس کی استطاعت نہیں رکھو گے لوگوں نے دو تین مرتبہ اس سوال کو دہرایا، نبی اکرم ﷺ نے ہر مرتبہ یہی ارشاد فرمایا: تم اس کی استطاعت نہیں رکھتے پھر آپ نے تیسری مرتبہ ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے شخص کی مثال اس روزہ دار اور نفل پڑھنے والے کی طرح ہے جو اپنی نماز میں کوئی وقفہ نہیں کرتا اور روزے میں کوئی وقفہ نہیں کرتا اس وقت تک جب تک اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا واپس نہ آجائے۔

(۱۵۴۵) يَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ الْمُجَاهِدُ فِي سَبِيلِي هُوَ عَلَى صَمَانٍ إِنْ قَبِضَتْهُ أَوْ رُتِئَتْهُ الْجَنَّةُ وَإِنْ رَجَعَتْهُ رَجَعَتْهُ بِأَجْرِ أَوْ غَنِيمَةٍ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ میری راہ میں جہاد کرنے والے شخص کی ذمہ داری مجھ پر ہے اگر میں نے اس کی روح کو قبض کر لیا تو میں اسے جنت کا وارث کروں گا اور اگر میں نے اسے (اس کے گھر) واپس بھیجا تو اسے اجر (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) غنیمت کے ہمراہ بھیجوں گا۔

جہاد قرآن و حدیث کی ایک خاص اصطلاح ہے اس کے معنی ہیں دین کی حفاظت اور سر بلندی کے لیے دشمنان اسلام سے

لڑنا جہاد العدو مجاہدۃ و جہاد کے معنی ہیں دشمن سے لڑنا اور جہاد فی الأمر کے معنی ہیں کسی کام میں پوری طاقت لگانا پوری کشش کرنا اسی سے مجاہدہ ہے۔

قرآن وحدیث میں یہ لفظ مختلف طرح استعمال کیا گیا ہے کہیں صرف جہاد اور مجاہدہ آیا ہے کہیں اس کے ساتھ فی سبیل اللہ ملایا ہے اور کہیں اس کے بعد اللہ یا اللہ کی طرف لوٹنے والی ضمیر آئی ہے اسی طرح فی سبیل اللہ بھی کبھی تنہا آیا ہے اور کبھی جہاد کے مادہ کے ساتھ آیا ہے پس جہاں لفظ مجاہدہ مطلق آیا ہے یا اس کے بعد فی اللہ آیا ہے یا فینا آیا ہے وہ آیتیں عام ہیں مفسرین کرام ان جگہوں میں لفظ دین محذوف مانتے ہیں جیسے ﴿وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ﴾ (الحج: ۷۸) یعنی اللہ کے دین کے لیے پوری طاقت خرچ کرو ﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ (العنکبوت: ۶۸) یعنی جو لوگ ہمارے دین کے لیے انتہائی کوشش کرتے ہیں ہم ان کو اپنی راہیں بھاتے ہیں یہ آیات پاک دین کی ہر محنت کے لیے عام ہیں کسی بھی لائن سے دین کی محنت کرنے والے اس کا مصداق ہیں لیکن جہاں لفظ جہاد آیا ہے یا مجاہدہ کے مادہ کے ساتھ فی سبیل اللہ آیا ہے یا صرف فی سبیل اللہ آیا ہے جیسے مصارف زکوٰۃ کے بیان میں اور انفاق کی فضیلت میں تو ان سب جگہوں میں خاص اصطلاحی معنی مراد ہیں سورۃ التوبہ میں جہاں بھی اس قسم کی آیات آئی ہیں: شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی قدس سرہ نے اور ان کی اتباع میں حضرت الہند قدس سرہ نے لڑنا ترجمہ کیا ہے اور حدیث کی کتابوں میں جو ابواب الجہاد اور ابواب فضائل الجہاد آئے ہیں وہاں بھی یہی خاص اصطلاحی معنی مراد ہیں آپ غور سے یہ ابواب پڑھیں۔

کہ جہاد ایک اسلامی اصطلاح ہے اور جب قرآن وحدیث میں یہ لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے قتال فی سبیل اللہ مراد ہوتا ہے البتہ بعض کاموں کو جہاد کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے ان کے لیے یہ الحاق ہی فضیلت ہے جیسے حدیث ہے: من خرج في طلب العلم فهو في سبيل الله حتى يرجع اس میں نبی ﷺ نے طلب علم کو فی سبیل اللہ قرار دیا ہے یہ الحاق ہی طالب علم کی فضیلت ہے۔
 قولہ: ما يعدل الجہاد؟ یعنی وہ کونسا عمل ہے جس کا ثواب جہاد کے مساوی ہو؟ قولہ لا یفترباب نصر سے ہے فتور کے معنی سستی واضمحلال کے ہیں جس کی ہمت پست نہ ہو اس حدیث میں مجاہد کو تشبیہ اس صائم کے ساتھ دے دی جو روزہ نماز پر مداومت کرتا ہو۔ وجہ تشبیہ یہ ہے کہ جس طرح اس صائم کی ہر حرکت وسکون پر ثواب ملتا ہے اسی طرح مجاہد کا حال ہے۔ گو کہ وہ سو رہا ہو مگر حکما وہ پھر بھی مشغول عبادت ہوتا ہے کیونکہ وہ ہر وقت دشمن کے لیے حزن دائم اور غیظ لازم بنا رہتا ہے جبکہ باقی اعمال میں فتور آتا رہتا ہے:
 قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: ﴿ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَلَا نَصَبٌ وَلَا مَخَصَصَةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَطْلُونَ مَوْطِئًا يَغِيظُ الْكُفَّاءَ وَلَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوٍّ نَيْلًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهِ عَمَلٌ صَالِحٌ...﴾ (الایۃ) (الایۃ وبعد بالتوبۃ: ۱۲۰-۱۲۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ مَنْ مَاتَ مُرَابِطًا

باب ۲: سرحد کا پہرہ دیتے ہوئے موت آنے کی فضیلت

(۱۵۳۶) كُلُّ مَيِّتٍ يُحْتَمُّ عَلَى عَمَلِهِ إِلَّا الَّذِي مَاتَ مُرَابِطًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَإِنَّهُ يُنْمَى لَهُ عَمَلُهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ

وَيَأْمُرُ فِي ثَنَةِ الْقَبْرِ وَتَمَعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ الْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ.

ترجمہ: ابوبانی خولانی یہ بات بیان کرتے ہیں: عمرو بن مالک جنبی نے انہیں نے حضرت فضالہ بن عبید کو نبی اکرم ﷺ کے حوالے سے یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا ہے۔ ہر مرنے والے شخص کا عمل ختم ہو جاتا ہے ماسوائے اس شخص کے، جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں پہرہ دیتے ہوئے فوت ہو، اس شخص کا عمل قیامت تک چلتا رہتا ہے اور وہ شخص قبر کی آزمائش سے محفوظ رہتا ہے۔ راوی بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔ مجاہد وہ شخص ہے، جو اپنی جان کے ساتھ جہاد کرے۔

فائدہ: یہاں بین السطور میں لکھا ہے: هذا الجهاد الاكبر یعنی نفس سے نکل لینا ہی بڑا جہاد ہے یہ ایک دوسری حدیث کی طرف اشارہ ہے نبی کریم ﷺ نے غزوہ تبوک سے واپسی پر جب مدینہ قریب آیا تو یہ ارشاد فرمایا اس حدیث کا مطلب عام طور پر صحیح نہیں سمجھا جاتا۔

جب نبی کریم ﷺ کو اطلاع ملی کہ ہرقل شاہ روم چالیس ہزار کا لشکر جرار لے کر مدینہ پر چڑھائی کرنا چاہتا ہے اور مقدمہ بحیش بلقاء تک پہنچ گیا ہے تو آپ ﷺ تیس ہزار کا لشکر لے کر اس کا مقابلہ کرنے کے لیے نکلے اور تبوک تک گئے جو جزیرۃ العرب کی سرحد پر ہے اور وہاں بیس دن قیام کیا مگر کوئی مقابلہ کے لیے نہیں آیا تو آپ ﷺ ظفر مند واپس لوٹے آگے بڑھنا مصلحت کے خلاف تھا۔ جب مدینہ قریب آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: رجعنا من الجهاد الأصغر الى الجهاد الاكبر ای ذاہبا الى الجهاد الاكبر یعنی ہم چھوٹے جہاد سے لوٹ آئے اب بڑے جہاد کی تیاری کرنی ہے۔

حدیث کا صحیح مطلب: یہ ہے کہ فوج کو غلط فہمی نہ ہو کہ رومی ہمارا مقابلہ نہیں کر سکے ہم زبردست ہیں ہم سے کوئی ٹکر نہیں لے سکتا یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے نبی ﷺ نے فرمایا یہ تو چھوٹا معرکہ تھا آگے ان سے بڑے بڑے معرکے پیش آنے والے ہیں لوٹ کر اس کی تیاری کرنی ہے غافل نہیں ہو جانا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الصَّوْمِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

باب ۳: جہاد میں روزہ رکھنے کی فضیلت

(۱۵۴۷) مَنْ صَامَ يَوْمًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ زَحَّزَحَهُ اللَّهُ عَنِ النَّارِ سَبْعِينَ خَرِيفًا أَحَدُهُمَا يَقُولُ سَبْعِينَ وَالْآخَرُ يَقُولُ أَرْبَعِينَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں (جہاد کرتے ہوئے) ایک دن روزہ رکھے گا اللہ تعالیٰ اسے جہنم سے ستر برس کی مسافت تک دور کر دے گا۔

(۱۵۴۸) لَا يَصُومُ عَبْدٌ يَوْمًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ إِلَّا بَاعَدَ ذَلِكَ الْيَوْمَ النَّارَ عَنْ وَجْهِهِ سَبْعِينَ خَرِيفًا.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں (جہاد کرتے ہوئے) ایک دن روزہ رکھے گا اللہ تعالیٰ اس ایک دن کی وجہ سے اسے جہنم سے ستر برس کے فاصلے پر دور کر دے گا۔

(۱۵۴۹) مَنْ صَامَ يَوْمًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ جَعَلَ اللَّهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّارِ خَنْدَقًا كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ.

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں (جہاد کرتے ہوئے) ایک دن روزہ رکھے گا اللہ تعالیٰ اس کے اور جہنم کے درمیان اتنی بڑی خندق بنادے گا جتنا آسمان اور زمین کے درمیان فاصلہ ہے۔ مومن کی زندگی پیہم (مسل) عمل ہے آرہی ہے کہ سب سے زیادہ پسندیدہ عمل الحال المرتحل ہے یعنی وہ مسافر جو منزل پر اترتے ہی آگے سفر شروع کر دے اور جہاد کا سفر خود ایک عبادت ہے مگر اس کے ساتھ اور عبادتیں بھی جمع ہو سکتی ہیں اور ایسی عبادتیں دو ہیں اللہ کا ذکر اور روزہ۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ النَّفَقَةِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

باب ۴: اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی فضیلت

(۱۵۵۰) مَنْ أَنْفَقَ نَفَقَةً فِي سَبِيلِ اللَّهِ كُتِبَتْ لَهُ بِسَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ.

ترجمہ: حضرت خریم بن فاتک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں کوئی ایک چیز خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض میں اسے سات سو گنا ثواب عطا کرتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْخِدْمَةِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

باب: جہاد میں خدمت پیش کرنے کا ثواب

عَنْ عَبْدِ بْنِ حَاتِمٍ الطَّائِي أَنَّهُ سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ قَالَ خِدْمَةُ عَبْدٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ ظِلُّ فُسْطَاطٍ أَوْ طَرُوقَةٌ فَحُلٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ.

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا کہ کون سا صدقہ افضل ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کی راہ میں ایک غلام خدمت کے لئے دینا یا سائے کے لئے خیمہ دینا یا جوان اونٹنی اللہ کی راہ میں دینا۔

سوال: یہ ہے کہ جس طرح مجاہد کے لیے سامان فراہم کرنا اور اس کے گھر کی خبر گیری کرنا جہاد ہے اسی طرح راہ خدا میں خیمہ دینا، خادم مہیا کرنا اور سواری دینا بھی جہاد ہے پھر ان چیزوں کو خیرات کیوں کیا گیا؟

جواب: مجاہد کو سامان جہاد فراہم کرنا اور اس کے گھر کی خبر گیری کرنا چونکہ مجاہد کا براہ راست تعاون ہے اس لیے ان کو جہاد قرار دیا اور جو چیزیں جہاد کے چندہ میں دی جاتی ہیں ان پر پہلے حکومت قبضہ کرتی ہے پھر مجاہدین تک پہنچتی ہیں اور ضروری نہیں کہ وہ ان تک پہنچیں حکومت مسلمانوں کی دیگر ضروریات میں بھی ان کو خرچ کر سکتی ہے اس لیے ان کو صدقہ کہا گیا۔

(۱۵۵۱) أَنَّهُ سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ قَالَ خِدْمَةُ عَبْدٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ ظِلُّ فُسْطَاطٍ أَوْ طَرُوقَةٌ

فَحَلَّ فِي سَبِيلِ اللَّهِ.

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا۔ کون سا صدقہ زیادہ فضیلت رکھتا ہے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بندے کا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خدمت کرنا (یعنی اپنے ساتھیوں کی کام کاج میں مدد کرنا، یہاں یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے غلام کی خدمات دینا) یا سائے کے لئے خیمہ لگا دینا، یا جوان اونٹنی کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینا۔

(۱۵۵۲) أَفْضَلُ الصَّدَقَاتِ ظِلٌّ فُسْطَاطٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَنْ يَحْتَجُّ خَادِمٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ طَرُوقَةً فَحَلَّ فِي سَبِيلِ اللَّهِ.

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا۔ کون سا صدقہ زیادہ فضیلت رکھتا ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بندے کا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خدمت کرنا (یعنی اپنے ساتھیوں کی کام کاج میں مدد کرنا، یہاں یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے غلام کی خدمات دینا) یا سائے کے لئے خیمہ لگا دینا، یا جوان اونٹنی کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینا۔ تشریح: ولید بن جمیل نے اس روایت کو قاسم ابو عبد الرحمن کے حوالے سے، حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے، نبی اکرم ﷺ سے نقل کیا ہے۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: سب سے زیادہ فضیلت رکھنے والا صدقہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خیمے کا سایہ فراہم کرنا ہے اور کسی خادم کو معاوضے کے بغیر اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینا ہے یا کسی اونٹنی کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینا ہے۔ نبی ﷺ کے زمانہ میں کوئی باقاعدہ فوج نہیں تھی ہر شخص فوجی ترتیب پائے ہوئے تھا اور لوگ رضا کارانہ لڑتے تھے اور جو غنیمت ملتی تھی اس میں سے حصہ پاتے تھے اسی طرح ابتدائے اسلام میں حکومت کے پاس بھی کچھ نہیں تھا فوج کے لیے ہتھیار اور رسد مہیا کرنا بھی حکومت کے بس میں نہیں تھا اس لیے جہاد کے لیے خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی اور اس کے بڑے فضائل بیان کئے گئے ہیں قرآن کریم میں جگہ جگہ جہاد کے لیے خرچ کرنے کو اللہ تعالیٰ کو قرض دینا کہا گیا اور وعدہ کیا گیا کہ یہ قرض دو چند کر کے واپس کیا جائے گا اور اس کا عملی ظہور اس طرح ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں مسلمان خوش حال ہو گئے فتوحات کی کثرت سے ہر شخص مالامال ہو گیا یہ اللہ تعالیٰ نے قرض دو چند کر کے واپس کر دیا یعنی جہاد کے لیے خرچ کرنا صرف آخرت ہی میں مفید نہیں بلکہ دنیا میں بھی اس کا نفع حاصل ہوتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا

باب ۵: مجاہد کے لیے سامان جہاد فراہم کرنے کی فضیلت

(۱۵۵۳) مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَقَدْ غَزَا وَمَنْ خَلَفَ غَازِيًا فِي أَهْلِهِ فَقَدْ غَزَا.

ترجمہ: حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں کسی غازی کو سامان فراہم کرے تو اس شخص نے بھی گویا جنگ میں حصہ لیا اور جو شخص غازی کی غیر موجودگی میں اس کے گھر والوں کا خیال رکھے اس نے بھی جنگ میں حصہ لیا۔

(۱۵۵۴) مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ خَلَفَهُ فِي أَهْلِهِ فَقَدْ غَزَى.

ترجمہ: حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ کرنے

والوں کو سامان فراہم کرے تو اس نے بھی جنگ میں شرکت کی۔

(۱۵۵۵) مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَقَدْ غَزَا وَمَنْ خَلَفَ غَازِيًا فِي أَهْلِهِ فَقَدْ غَزَا.

ترجمہ: حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں کسی غازی کو سامان فراہم کرے اس نے ہی جنگ میں شرکت کی یا اس کے گھر والوں کا (اس کی غیر موجودگی میں) خیال رکھے اس نے بھی جنگ میں شرکت کی۔
تشریح: پہلے یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ ثواب کی دو قسمیں ہیں اصلی اور فضلی یعنی انعامی اور وہ تمام حدیثیں جن میں ثواب سے مقابلہ کیا گیا ہے ان میں ایک اصلی اور دوسرا فضلی ہوتا ہے یعنی تقابل کی صورت میں ایک کا اصلی ثواب لیا جاتا ہے اور دوسرا کا فضلی۔ اصلی ثواب کا اصلی ثواب ہے اور فضلی ثواب کا فضلی ثواب سے مقابلہ نہیں کیا جائے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ مَنْ اغْبَرَّتْ قَدَمَاهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

باب ۶: جس کے قدم جہاد میں گرد آلود ہوں اس کی فضیلت

(۱۵۵۶) قَالَ لِحَقْنِي عِبَايَةُ بْنُ رَفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ وَأَنَا مَاشٍ إِلَى الْجُمُعَةِ فَقَالَ أَبَشِّرْ فَإِنَّ خَطَاكَ هَذِهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ سَمِعْتُ أَبَا عُبَيْسٍ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ اغْبَرَّتْ قَدَمَاهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَهُمَا حَرَامٌ عَلَى النَّارِ.

ترجمہ: حضرت برید بن ابومریم بیان کرتے ہیں: حضرت عبایہ بن رفاعہ رضی اللہ عنہ کی میرے ساتھ ملاقات ہوئی میں اس وقت جمعہ کے لئے جا رہا تھا انہوں نے فرمایا۔ تمہیں خوشخبری ہو کیونکہ تمہارے قدم اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہیں۔ میں نے حضرت ابو عبس رضی اللہ عنہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ جس شخص کے دونوں پاؤں اللہ تعالیٰ کی راہ میں غبار آلود ہوں تو یہ دونوں پاؤں جہنم پر حرام ہوں گے۔

تشریح: غبار کے معنی گرد آلود ہونا ہے مگر یاد رہے کہ اس سے مراد اختیاری مٹی ملنا نہیں ہے بلکہ چلتے چلتے جو گرد و غبار لگ جائے اور جس سے بچا نہ جاسکے وہی باعث اجر ہے تو جب نفس گرد لگنے کا یہ اجر ہے تو تعب و مشقت اور سعی کا حال کیا ہوگا؟

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْغُبَارِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

باب ۷: جہاد کے غبار کی فضیلت

(۱۵۵۷) لَا يَلِجُ النَّارَ رَجُلٌ بَكَى مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ حَتَّى يَعُودَ اللَّبَنُ فِي الصَّرْعِ وَلَا يَجْتَمِعُ غُبَارٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَدُخَانُ جَهَنَّمَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے روئے وہ اس وقت تک جہنم میں داخل نہیں ہوگا جب تک دودھ واپس تھن میں نہ چلا جائے (یعنی یہ ناممکن ہے) اور اللہ تعالیٰ کی راہ کا غبار اور جہنم کا

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ مَنْ شَابَ شَيْبَةً فِي سَبِيلِ اللَّهِ

باب ۸: جو اعمال اسلامی کرتا ہوا بوڑھا ہوا اس کی فضیلت

(۱۵۵۸) مَنْ شَابَ شَيْبَةً فِي الْإِسْلَامِ كَانَتْ لَهُ نُورًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ: سالم بن ابوالجعد بیان کرتے ہیں۔ شریح بن سمط نے کہا۔ اے کعب بن مرہ رضی اللہ عنہ! ہمیں نبی اکرم ﷺ کے حوالے سے کوئی حدیث سنائیے اور احتیاط سے تو انہوں نے بتایا: میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔ جو شخص مسلمان ہونے کی حالت میں بوڑھا ہو جائے تو یہ بڑھاپا اس کے لئے قیامت کے دن نور ہوگا۔

(۱۵۵۹) مَنْ شَابَ شَيْبَةً فِي الْإِسْلَامِ كَانَتْ لَهُ نُورًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ: حضرت عمر بن عبسہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں بوڑھا ہو جائے تو یہ بڑھاپا قیامت کے دن اس کے لئے نور ہوگا۔

جو شخص آغاز جوانی سے راہ خدا میں جہاد کرتا رہا یا دیگر اعمال اسلامی کرتا رہا یہاں تک کہ کچھ بال سفید ہو گئے تو اس کے لیے کیا فضیلت ہے؟ باب میں دو حدیثیں ہیں پہلی حدیث میں ہے کہ جو شخص کوئی بھی دینی کام کرتے ہوئے بوڑھا ہو تو وہ بڑھاپا اس کے لیے قیامت کے دن نور ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ مَنْ ارْتَبَطَ فَرَسًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ

باب ۹: جہاد کے لیے گھوڑا پالنے کی فضیلت

(۱۵۶۰) الْخَيْلُ مَعْقُودٌ فِي تَوَاصِيهَا الْخَيْرُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ الْخَيْلُ لِثَلَاثَةِ رَجُلٍ أَحْرَجُ وَهِيَ لِرَجُلٍ سِتْرٌ وَهِيَ عَلَى رَجُلٍ وَزْرٌ فَأَمَّا الَّذِي لَهُ أَجْرٌ فَالَّذِي يَتَّخِذُهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُعِدُّهَا لَهُ هِيَ لَهُ أَجْرٌ لَا يَغُيْبُ فِي بَطُونِهَا شَيْءٌ إِلَّا كَتَبَ اللَّهُ لَهُ أَجْرًا وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ گھوڑوں کی پیشانی میں قیامت کے دن تک کے لئے بھلائی لکھ دی گئی ہے۔ گھوڑے تین طرح کے ہوتے ہیں ایک شخص کے لئے اجر کی حیثیت رکھتے ہیں، ایک شخص کے لئے جہنم سے بچاؤ کا ذریعہ ہوتے ہیں اور ایک شخص کے لئے گناہ ہوتے ہیں۔ جہاں تک اس شخص کا تعلق ہے، جس کے لئے یہ اجر ہوتا ہے تو یہ وہ شخص ہے جو اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں حاصل کرتا ہے اور اسی کے لئے اسے تیار کرتا ہے تو یہ گھوڑا اس کے لئے اجر ہوگا اس کے پیٹ میں جو بھی چیز جائے گی اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس شخص کے حق میں اجر لکھے گا (اس حدیث میں قصہ منقول ہے)۔

تشریح: چارہ پانی پر اجر اس لیے لکھا جاتا ہے کہ جب گھوڑا پالنے والے نے ان چیزوں میں مشقت اٹھائی تو اس کا یہ عمل اس کے نفس کے ساتھ چپک گیا پھر عمل اور اس کی جزاء اضافی تعلق ہونے کی وجہ سے صورت عمل میں جزا کی شان پیدا ہوگئی اس لیے قیامت کے دن اس کی جزا بصورت عمل متمثل ہوگی۔

فائدہ: یہ حدیث یہاں مختصر ہے بخاری و مسلم میں مفصل ہے اور وہ شخص جس کے لیے گھوڑا پردہ ہے وہ وہ گھوڑا ہے جو اسباب معیشت کے طور پر پالا گیا ہو اور اس میں سے زکوٰۃ وغیرہ حقوق ادا کئے ہوں اور جس نے فخر و مباهات ریاء و سمعہ اور اہل اسلام کی مخالفت میں استعمال کے لیے گھوڑا پالا وہ اس کے لیے وزر گناہ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الرَّمِيِّ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

باب ۱۰: اللہ تعالیٰ کی راہ میں تیر اندازی کی فضیلت

(۱۵۶۱) اَنَّ اللَّهَ لَيَدْخُلُ بِالسَّهْمِ الْوَاحِدِ ثَلَاثَةَ الْجَنَّةِ صَانِعُهُ يَحْتَسِبُ فِي صُنْعَتِهِ الْخَيْرُ وَالرَّاحِي بِهِ وَالْمُهْدِي بِهِ وَقَالَ اِرْمُوا وَاَرْكَبُوا وَلَا تَرْمُوا اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ تَرْكَبُوا كُلُّ مَا يُلْهُو بِهِ الرَّجُلُ الْمُسْلِمُ بَاطِلٌ اِلَّا رَمِيَهُ بِقَوْسِهِ وَتَأْدِيبُهُ قَرْسَهُ وَمُلَا عَبْتَهُ اَهْلُهُ فَاَتَمُّهُمْ مِنَ الْحَقِّ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عبد الرحمن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ایک تیر کی وجہ سے تین آدمیوں کو جنت میں داخل کرے گا اسے بنانے والا جس نے ثواب کی امید میں اسے بنایا ہو، اس تیر کو چلانے والا اور اس تیر کو اٹھا کر پکڑانے والا۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تیر اندازی سیکھو اور گھڑ سواری سیکھو تمہارا تیر اندازی سیکھنا میرے نزدیک گھڑ سواری سیکھنے سے زیادہ محبوب ہے اور آدمی جو کھیل کھیلتا ہے، وہ سب باطل ہیں سوائے تیر اندازی کے اور گھوڑے کو سدھانے کے اور اپنی بیوی کے ساتھ خوش مزاجی کرنے کے کیونکہ یہ حق ہیں۔

(۱۵۶۲) مَنْ رَمَى بِسَهْمٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَهُوَ لَهُ عَدْلٌ مُخَوَّرٌ.

ترجمہ: حضرت ابو جحیح سلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک تیر پھینکتا ہے تو یہ اس کے لئے غلام آزاد کرنے کے برابر ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ایک تیر کی وجہ سے تین آدمیوں کو جنت میں داخل فرمائیں گے بنانے والے کو جو بنانے میں ثواب کی نیت کرے۔ پھینکنے والے کو اور تیر اٹھا کر دینے والے کو اور آپ ﷺ نے فرمایا تیر اندازی اور گھڑ سواری سیکھو اور تمہارا تیر اندازی کرنا مجھے زیادہ پسند ہے گھڑ سواری سے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رکوب سے مراد نیزہ بازی سیکھنا ہے پھر تیر اندازی کی افضلیت کس بنا پر ہے تو ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تیر اندازی کا نفع عام ہے اور یہ آسان بھی ہے جبکہ گھڑ سواری میں کبر و خیلاء کا اندیشہ ہے اس لیے آیت کریمہ میں تیر

اندازی کو مقدم کیا ہے: ﴿وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ﴾ (الانفال: ۶۰)

قولہ: کل ما یلھو بہ الرجل المسلم... الخ یعنی ان تین کھیلوں کے سوا تمام اقسام کھیلوں کی فضول ہیں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو حق یعنی مقصد آخرت میں معاون و مفید ہو وہ بھی ان تینوں کے حکم میں ہوگی جیسے مسابقت خواہ پیدل ہو یا گھڑسواری یا اونٹ دوڑ وغیرہ اسی طرح چہل قدمی جو صحت کی نیت سے ہو تا کہ علم و عمل میں سستی و کاہلی نہ آنے پائے اور دماغ میں بشارت پیدا ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْخَرَسِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

باب ۱۱: اللہ تعالیٰ کی راہ میں پہرہ دینے کی فضیلت

(۱۵۶۳) عَيْنَانِ لَا تَمْسُهُمَا النَّارُ عَيْنٌ بَكَتْ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَعَيْنٌ بَاتَتْ تَحْرُسُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔ دو طرح کی آنکھوں کو جہنم نہیں چھو سکے گی ایک وہ آنکھ جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے رو پڑے اور ایک وہ آنکھ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں پہرہ دیتے ہوئے رات گزار دے۔

سرحد پر پہرہ دینا رباط اور مرابطہ ہے اور جب لشکر پڑاؤ کرے تو ان کی اور ان کے سامان کی حفاظت کرنا حرس (چوکیداری) اس حدیث میں اسی کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي ثَوَابِ الشَّهِيدِ

باب ۱۲: شہید کے ثواب کا بیان

(۵۶۴۱) الْقَتْلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُكَفِّرُ كُلَّ خَطِيئَةٍ فَقَالَ جَبْرِيلُ أَلَا الدِّينُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَلَا الدِّينُ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہو جانا ہر گناہ کا کفارہ بن جاتا ہے، جبریل علیہ السلام نے یہ بات بتائی۔ صرف قرض معاف نہیں ہوتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ صرف قرض معاف نہیں ہوتا۔

(۱۵۶۵) أَنَّ أَرْوَاحَ الشُّهَدَاءِ فِي طَيْرٍ خُطِرَ تَعْلُقُ مِنْ ثَمَرِ الْجَنَّةِ أَوْ شَجَرِ الْجَنَّةِ.

ترجمہ: حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ شہداء کی ارواح سبز پرندوں کے اندر ہوتی ہیں اور وہ جنت کے پھلوں (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) جنت کے درختوں سے کھاتی ہیں۔

(۱۵۶۶) عُرِضَ عَلَى أَوَّلِ ثَلَاثَةِ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ شَهِيدٌ وَعَفِيفٌ مُتَعَفِّفٌ وَعَبْدٌ أَحْسَنَ عِبَادَةَ اللَّهِ وَنَصَحَ لِمَوْلَاهُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جنت میں داخل ہونے والے پہلے تین (قسم کے) افراد کو میرے سامنے پیش کیا گیا (ایک) شہید (دوسرا) وہ پاکدامن شخص جو حرام کے ارتکاب سے بچتا ہو اور (تیسرا) وہ غلام ہو گا جو بہتر طریقے سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہو، اور اپنے آقا کے حقوق کا خیال رکھتا ہو۔

(۱۵۶۷) أَنَّهُ قَالَ مَا مِنْ عَبْدٍ يَمُوتُ لَهُ عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ يُحِبُّ أَنْ يَرْجَعَ إِلَى الدُّنْيَا وَإِنَّ لَهُ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا إِلَّا الشَّهِيدُ لِمَا يَرَى مِنْ فَضْلِ الشَّهَادَةِ فَإِنَّهُ يُحِبُّ أَنْ يَرْجَعَ إِلَى الدُّنْيَا فَيُقْتَلَ مَرَّةً أُخْرَى.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں۔ جو بھی بندہ فوت ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرے تو وہ یہ پسند نہیں کرے گا کہ دوبارہ دنیا میں جائے اگرچہ اسے دنیا اور اس میں موجود ہر چیز مل جائے۔ صرف شہید ایسا شخص ہے (جو یہ آرزو کرے گا) کیونکہ وہ شہادت کی فضیلت کو دیکھے گا تو وہ یہ آرزو کرے گا وہ دوبارہ دنیا میں جائے اور اسے دوبارہ شہید کر دیا جائے۔

شہداء کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کو جنت میں جانے کا موقع ملتا ہے ان کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے پوٹوں میں بیٹھ کر (ہرے رنگ کے ہوائی جہازوں کی اگلی سیٹوں پر بیٹھ کر) جنت میں جاتی ہیں اور وہاں چگتی چرتی ہیں پھر واپس آ جاتی ہیں اور عرش کے نیچے فائوسوں میں بسیرا کرتی ہیں جنت میں مستقل داخلہ شہداء کا بھی قیامت کے دن ہوگا جیسا کہ دوسری حدیث میں آ رہا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جنت میں ابھی کوئی نہیں گیا جو بھی مرتا ہے قبر میں جاتا ہے یعنی روح عالم برزخ میں چلی جاتی ہے اور جسم مٹی میں مل جاتا ہے اور عالم برزخ ہماری اسی دنیا کا ضمیمہ ہے آخرت کا حصہ نہیں البتہ آخرت سے اس کا قریبی تعلق ہے پھر قیامت کے دن جب دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو اجسام کی نشاۃ ثانیہ ہوگی اور ارواح عالم برزخ سے لوٹ کر آئیں گی اور اپنے اپنے جسموں میں داخل ہو جائیں گی اور قیامت کے معاملات شروع ہو جائیں گے وہ دن اس دنیا کی زندگی کا آخری دن ہوگا جو پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا (سورۃ المعارج آیت ۴) اس دن میں حساب ہوگا اور جزاء سزا کے فیصلے کئے جائیں گے پھر لوگ آخرت میں منتقل کئے جائیں گے جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں پہنچیں گے اور سب سے پہلے جو تین قسم کے لوگ جنت میں جائیں گے ان میں شہداء بھی ہوں گے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الشَّهْدَاءِ عِنْدَ اللَّهِ

باب: اللہ کے نزدیک شہداء کے مراتب

(۱۵۶۸) الشُّهَدَاءُ أَرْبَعَةٌ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ جَيِّدٌ إِلَّا يُمَانٍ لَيْقَى الْعَدُوَّ فَصَدَّقَ اللَّهُ حَتَّى قُتِلَ فَذَاكَ الَّذِي يَرْفَعُ النَّاسَ إِلَيْهِ أَعْيُنُهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ هَكَذَا وَرَفَعَ رَأْسَهُ حَتَّى وَقَعَتْ قَلَنْسُوتُهُ فَلَا أَدْرِي قَلَنْسُوتَ عُمَرَ أَرَادَ أَمْ قَلَنْسُوتَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ وَرَجُلٌ مُؤْمِنٌ جَيِّدٌ إِلَّا يُمَانٍ لَيْقَى الْعَدُوَّ فَكَأَنَّمَا ضَرَبَ جِلْدُهُ بِشَوْكٍ طَلَحَ مِنَ الْجُبْنِ أَتَاكَ سَهْمٌ غَرِبَ فَقَتَلَهُ فَهُوَ فِي الدَّرَجَةِ الثَّانِيَةِ وَرَجُلٌ مُؤْمِنٌ مَخْلُطٌ عَمَلًا صَالِحًا وَآخِرَ سَيِّئًا لَيْقَى الْعَدُوَّ فَصَدَّقَ اللَّهُ

حَتَّى قُتِلَ فَذَاكَ فِي الدَّجَةِ الثَّالِثَةِ وَرَجُلٌ مُؤْمِنٌ أَسْرَفَ عَلَى نَفْسِهِ لَقِيَ الْعَدُوَّ وَفَصَّدَقَ اللَّهُ حَتَّى قُتِلَ فَذَاكَ فِي الدَّجَةِ الرَّابِعَةِ.

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔ شہید چار طرح کے لوگ ہوتے ہیں ایک وہ مؤمن جس کا ایمان مضبوط ہو اور وہ دشمن سے مقابلہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے وعدے کو سچ ثابت کرے اور شہید ہو جائے یہ وہ شخص ہے۔ قیامت کے دن لوگ نگاہیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھیں گے نبی اکرم ﷺ نے (عملی طور پر کر کے دکھایا) اس طرح اور پھر آپ کی ٹوپی گر گئی۔ راوی بیان کرتے ہیں۔ مجھے یہ علم نہیں ہے۔ ٹوپی گرنے والے الفاظ کا تعلق نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ہے یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے۔ دوسرا وہ مؤمن شخص جس کا ایمان مضبوط ہو اور دشمن کے مقابلے میں خوف کی وجہ سے اس کی یہ کیفیت ہو کہ گویا اس کی جلد کو کانٹوں نے چھلنی کر دیا گیا ہے پھر ایک تیرا آ کر لگے اور وہ شہید ہو جائے۔ تیسرا وہ مؤمن شخص جس کا ایمان مضبوط ہو اور دشمن کے مقابلے میں خوف کی وجہ سے اس کی یہ کیفیت ہو کہ گویا اس کی جلد کو کانٹوں سے چھلنی کر دیا گیا ہے، پھر ایک تیرا سے آ کر لگے اور وہ شہید ہو جائے۔

تیسرا وہ مؤمن شخص جس کے نیک اور برے اعمال خلط ملط ہو چکے ہوں اور جب وہ دشمن کے سامنے آئے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کے اجر و ثواب کی امید رکھتے ہوئے شہید ہو جائے، یہ تیسرا درجہ ہے۔ چوتھا وہ مؤمن شخص ہے جو گنہگار ہو لیکن اس کے باوجود دشمن کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھتے ہوئے شہید کر دیا جائے یہ چوتھے درجے میں ہوگا۔

شہداء میں شہادت (اللہ کے راستہ میں جانے دینے) کے علاوہ دو چیزیں اور بھی ہوتی ہیں جن کی وجہ سے آخرت میں ان کے درجات متفاوت ہوں گے یہ دو چیزیں: ایمان اور وصف شجاعت ہیں جن کے درجات متفاوت ہیں اس لیے شہداء کے درجات بھی متفاوت ہوں گے۔

قولہ الشہداء اربعۃ ای اربعۃ انواع اس تقسیم و ترجیح کی وجہ یہ ہے کہ مجاہد یا تو تقویٰ و بہادری دونوں سے موصوف ہوگا تو یہ قسم اول ہوئی یا صرف متقی ہوگا یہ دوسری قسم ہوئی یا پھر شجاع ہوگا مگر متقی نہیں ہوگا تو اس کی دو قسمیں ہیں بایں طور کہ یا تو اس کے برے اور اچھے اعمال مخلوط ہونے کے باوجود وہ مسرف نہ ہوگا یا پھر فاسق اور مسرف بھی ہوگا تو یہ بالترتیب تیسری اور چوتھی قسمیں ہو گئیں۔

وصف شجاعت: بھی ایک پسندیدہ وصف ہے حدیث میں ہے: لِمُؤْمِنٍ قَوِيٍّ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ مِنْ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ یعنی طاقت ور (بہادر) مؤمن اللہ کو کمزور (بزدل) مؤمن سے زیادہ پسند ہے۔

پھر صلاح و تقویٰ اور بہادری میں سے اول کی اہمیت زیادہ ہے پس بوقت اجتماع صالح کا درجہ بڑھ جائے گا اور بوقت تجرید (خالی ہونے کی صورت) بھی مؤمن صالح متقی آگے رہے گا نبی پاک ﷺ نے انہی امور کا لحاظ کر کے شہداء کے چار درجے بیان فرمائے ہیں:

- ① جید الایمان بہادر کا ہے جو جم کر لڑتا ہے۔
- ② جید الایمان بزدل کا ہے جو میدان میں بھیگی ملی بن جاتا ہے۔
- ③ اس بہادر مؤمن کا ہے جس سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہے مگر اس نے توبہ کر لی ہے۔

④ بہادر گنہگار مومن کا ہے۔

فائدہ: اس حدیث سے ایک خاص فائدہ یہ حاصل ہوا کہ نبی کریم ﷺ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ دونوں ٹوپی پہنتے تھے اور کبھی صرف ٹوپی پہنتے تھے یعنی پگڑی کے بغیر کیونکہ ٹوپی گرنا اسی صورت میں کہا جائے گا جب اس پر پگڑی نہ ہو پگڑی اول تو گرتی نہیں اور اگر گرے تو اس کو پگڑی گرنا کہیں گے غیر مقلدین جن کو اصرار ہے کہ نماز بے ٹوپی پڑھنا سنت ہے وہ غور کریں نبی ﷺ سے کبھی بھی کھلے سر نماز پڑھنا ثابت نہیں عذر اور نوافل کی بات الگ ہے پھر اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ نماز مزین ہو کر پڑھو (الاعراف: ۳۱) اور اسلامی تہذیب میں کھلے سر رہنا پسندیدہ بات نہیں پھر اس حال میں نماز پڑھنا کیسے پسندیدہ ہو سکتا ہے؟

بَابُ مَا جَاءَ فِي غَزْوِ الْبَحْرِ

باب ۱۴: سمندر کے راستے سے جہاد کرنے کا ثواب

(۱۵۶۹) كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَدْخُلُ عَلَى أُمِّ حَرَامٍ بِنْتِ مِلْحَانَ فَتُطْعِمُهُ وَكَانَتْ أُمُّ حَرَامٍ تَحْتَ عِبَادَةِ بْنِ الصَّامِتِ فَدَخَلَ عَلَيْهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَوْمًا فَاطْعَمَتْهُ وَحَبَسَتْهُ تَفْلِحُ رَأْسَهُ فَنَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ وَهُوَ يَضْحَكُ قَالَتْ فَقُلْتُ مَا يُضْحِكُكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ نَأْسٌ مِّنْ أُمَّتِي عُرِضُوا عَلَيَّ غَزَاةً فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَزِيدُ كِبُونَ ثَبَجَ هَذَا الْبَحْرُ مُلُوكٌ عَلَى الْأَسِيرَةِ أَوْ مِثْلَ الْمُلُوكِ عَلَى الْأَسِيرَةِ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ ادْعُ اللَّهَ أَنْ يَجْعَلَ لِي مِنْهُمْ فَدَعَا لَهَا ثُمَّ وَضَعَ رَأْسَهُ فَنَامَ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ وَهُوَ يَضْحَكُ قَالَتْ فَقُلْتُ لَهُ مَا يُضْحِكُكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ نَأْسٌ مِّنْ أُمَّتِي عُرِضُوا عَلَيَّ غَزَاةً فِي سَبِيلِ اللَّهِ نَحْوُ مَا قَالَ فِي الْأَوَّلِ قَالَتْ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ ادْعُ اللَّهَ أَنْ يَجْعَلَ لِي مِنْهُمْ قَالَ أَنْتِ مِنَ الْأَوَّلِينَ فَرَكِبْتُ أُمُّ حَرَامٍ الْبَحْرَ فِي زَمَنِ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ فَصُرِعَتْ عَنْ دَابَّتِهَا حِينَ خَرَجَتْ مِنَ الْبَحْرِ فَهَلَكَتْ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ سیدہ ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے جایا کرتے تھے وہ آپ کو کھانا کھلایا کرتی تھیں، سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی اہلیہ تھیں، ایک دن نبی اکرم ﷺ ان کے ہاں تشریف لے گئے انہوں نے آپ کو کھانا پیش کیا اور آپ کے سر سے جو کس نکالنے لگیں اس دوران نبی اکرم ﷺ سو گئے جب آپ بیدار ہوئے تو آپ مسکرا رہے تھے، سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ آپ کس بات پر مسکرا رہے ہیں؟ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے سامنے میری امت کے کچھ افراد پیش کئے گئے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ کرنے کے لئے اس سمندر پر یوں سوار ہوں گے جیسے بادشاہ تخت پر بیٹھتے ہیں (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) جس طرح بادشاہ تخت پر ہوتے ہیں (سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں) میں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے بھی ان میں شامل کر لے، نبی اکرم ﷺ نے ان کے حق میں دعائے خیر کر دی پھر آپ سر رکھ کر سو گئے پھر جب آپ بیدار ہوئے تو آپ مسکرا رہے تھے سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں۔ میں نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کی۔ یا رسول

اللہ آپ کس بات پر مسکرا رہے ہیں؟ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت کے کچھ لوگ میرے سامنے پیش کئے گئے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ کر رہے ہوں گے اس کے بعد آپ ﷺ نے اسی طرح کی بات ارشاد فرمائی جو آپ ﷺ نے پہلے لوگوں کے بارے میں بیان کی تھی۔ سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، میں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ بھی ان میں شامل کرے تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم پہلے والوں میں شامل ہو۔

راوی بیان کرتے ہیں: سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی عہد حکومت میں سمندری جنگ میں شریک ہوئی تھیں اور اسی دوران ان کا انتقال ہو گیا تھا۔

تشریح: سمندر کے سفر کا پہلا غزوہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں پیش آیا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کی خلافت کے آخری ایام میں جزیرہ قبرص پر حملہ کرنے کی اجازت چاہی تھی اس وقت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شام کے گورنر تھے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو بحری جہاد کی اجازت دینے میں تامل تھا ابھی اجازت نہیں ملی تھی کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بحری حملہ کی اجازت چاہی تو آپ رضی اللہ عنہ نے چند شرائط کے ساتھ اجازت دے دی چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تحریک سے ایک جماعت قبرص پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہو گئی جس میں حضرت ابوذر غفاری، حضرت ابو الدرداء، حضرت شداد بن اوس، حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ وغیرہ تھے حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا بھی ساتھ گئیں جب فوج ساحل پر اترتی اور خشکی کا سفر شروع ہوا تو ام حرام کی سواری بدکی اور وہ نیچے گریں اور شہید ہو گئیں یہ واقعہ ۲۸ھ کا ہے اور سمندر کا دوسرا غزوہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ۴۵ھ میں یزید کی سربراہی میں پیش آیا ہے اس وقت قسطنطنیہ پر حملہ کیا گیا تھا اور اس میں حضرات حسنین رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے اسی غزوہ میں حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ نے محاصرہ کے دوران قسطنطنیہ کے باہر انتقال فرمایا اور وہ وہیں مدفون ہیں۔ (فتح الباری ۱۱: ۷۵ کتاب الاستیعذان باب من زار قوما فقال عندهم)

سوال: ام حرام رضی اللہ عنہا تو جہاد کے لیے نہیں گئی تھیں نیز عورتوں پر جہاد فرض بھی نہیں پھر ان کو مجاہدین والی فضیلت کیسے حاصل ہوئی؟

جواب: نبی ﷺ کی دعا کی برکت سے یہ مقام و مرتبہ ان کو حاصل ہوا علاوہ ازیں مجاہدین کی جماعت وہ جماعت ہے جس میں برائے نام شرکت کرنے والے بھی محروم نہیں رہتے ہم قوم لایشتقی جلیسہم مئی خانے کا محروم بھی محروم نہیں ہے۔

هذا الحديث اصل في تفضيل معاوية لان الاولين الذين ركبوا البحر كانوا مع الخ هذا كله من العارضة الاحوذی.

بَابُ مَا جَاءَ مَنْ يُقَاتِلُ لِلرِّيَاءِ وَلِلدُّنْيَا

باب ۱۵: دکھاوے اور دنیا طلبی کے لیے لڑنا

(۱۵۷۰) سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنِ الرَّجُلِ يُقَاتِلُ شُجَاعَةً وَيُقَاتِلُ حِمِيَّةً وَيُقَاتِلُ رِيَاءً فَأَمَّا ذَلِكَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ مَنْ قَاتَلَ لَتَكُونَ كَلِمَةً اللَّهُ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ.

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ سے ایسے شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جو بہادری ظاہر کرنے

کے لئے یار یا کاری کی وجہ سے یاد کھاوے کے لئے جنگ میں حصہ لیتا ہے۔ ان میں سے کون اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہے؟ تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اس لئے جنگ میں حصہ لے کہ اللہ تعالیٰ کا دین سر بلند ہو وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں شمار ہوگا۔

(۱۵۷۱) إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ وَإِنَّمَا لِامْرِئٍ مَّا تَوَى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَإِلَى رَسُولِهِ فَهَاجَرَتْهُ إِلَى اللَّهِ وَإِلَى رَسُولِهِ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوْ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهَاجَرَتْهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ.

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ اعمال کی جزاء کا دار و مدار نیت پر ہوتا ہے۔ آدمی کو وہی ثواب ملتا ہے، جو اس نے نیت کی ہو جس شخص کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف ہو اس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف شمار ہوگی اور جو شخص دنیا کے لئے ہجرت کرے تاکہ اسے حاصل کر لے یا کسی عورت کی وجہ سے ہجرت کرے تاکہ اس کے ساتھ شادی کر لے تو اس کی ہجرت اسی طرف شمار ہوگی جس کی طرف اس نے (نیت کر کے ہجرت) کی ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پانچ حدیثوں پر عمل کرو جن کو میں نے پانچ لاکھ حدیثوں سے جمع کیا ہے۔
① انما الاعمال بالنیات... الخ (اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے) رواہ البخاری ص: ۲۰۲ ج: ۱ کتاب الایمان صحیح مسلم ص: ۱۴۰ ج: ۲ کتاب الامارۃ سنن کبریٰ للبیہقی ص: ۷۰ ج: ۱۔

② من حسن الاسلام البرء ترکہ ما لا یغنیہ۔ (آدمی کے اسلام کا کمال یہ ہے کہ وہ لایعنی باتوں کو چھوڑ دے) رواہ ابن ماجہ ص: ۲۸۶ ابواب الفتن مؤطا مالک ص: ۷۰۵ باب ماجاء فی حسن الخلق کتاب الجامع مسند ص: ۳۳۱ ج: ۱ رقم حدیث ۷۳۹: ترمذی ابواب الزبد۔

③ لایؤمن احدکم حتی یحب لایخیه ما یحب لنفسه۔ (کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں بن سکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہ پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے) رواہ البخاری ص: ۶۰ ج: ۱ باب من الایمان ان یحب لایخیه... الخ کتاب الایمان صحیح مسلم ص: ۵۰ ج: ۱ کتاب الایمان۔ کالراعی... الخ

④ ان الحلال بین والحرام بین وبینہما مشتبہات لایعلمہن کثیر من الناس۔ (حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان مشتبہات ہیں جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے) اس حدیث پر بحث گزر چکی ہے: فمن اتقی الشبہات استبرا للدينه وعرضه ومن وقع فی الشبہات وقع فی الحرام۔ رواہ البخاری ص: ۷۵ ج: ۱ کتاب البیوع صحیح مسلم ص: ۲۸ ج: ۲ کتاب البیوع سنن کبریٰ للبیہقی ص: ۲۳۷ ج: ۷ کتاب البیوع۔

⑤ المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ۔ (مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں) رواہ البخاری ص: ۶۰ ج: ۱ کتاب الایمان مسلم ص: ۳۸ ج: ۱ کتاب الایمان۔

انما الاعمال بالنیات: یہ حدیث چونکہ مشہور معرکہ الآراء ہے اس لیے اس کی لمبی شرحیں کی گئی ہیں طلبہ ان بحثوں میں الجھ کر اصل حدیث نہیں سمجھتے اس لیے جاننا چاہیے کہ اس حدیث میں ایک ہی مضمون ہے پہلے جملہ ہے:

انما الاعمال بالنیات: جار مجرور کا متعلق محذوف ہے اور وہ معتبر یعنی موازنہ کیا ہوا ہے اور ترجمہ یہ ہے اعمال کا نیتوں

کے ساتھ موازنہ کیا ہوا ہے اس لیے دوسرا جملہ بڑھایا و انما لکل امرأ ما نوى یعنی ہر شخص کو وہی ملتا ہے جس کی اس نے نیت کی ہے یہ پہلے ہی جملہ کی وضاحت ہے اب پہلے جملہ کے معنی متعین ہو گئے کہ اس کا تعلق ثواب و عدم ثواب سے ہے وجود و عدم وجود سے نہیں ہے پھر مثال سے اس کی مزید وضاحت کی اس زمانہ میں ہجرت ایک کٹھن عمل تھا اور بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کا تجربہ تھا اس کی مثال دی کہ تین شخص ہجرت کرتے ہیں ایک دین کی نصرت کے لیے دوسرا مدینہ میں کاروبار کرنے کے لیے اور تیسرا ام قیس سے نکاح کرنے کے لیے ان میں سے پہلے کی ہجرت باعث اجر ہے باقی دو کی ہجرت کا کوئی ثواب نہیں کیونکہ اعمال کے ثواب و عدم ثواب کائناتوں کے ساتھ موازنہ کیا ہوا ہے اور پوری حدیث کا سبق اخلاص ہے اخلاص کے معنی ہیں خالص کرنا یعنی ہر عمل میں صرف اللہ کی خوشنودی ملحوظ رہنی چاہیے کوئی بھی عمل نہ تو بے نیت کرنا چاہیے نہ اللہ کی رضا کے علاوہ کسی اور نیت سے کرنا چاہیے۔

بَابُ فِي فَضْلِ الْغَدْوَةِ وَالرَّوَاحِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

باب ۱۶: اللہ تعالیٰ کی راہ میں صبح شام جانے کی فضیلت

(۱۵۷۲) غَدْوَةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا وَمَوْضِعُ سَوَاطِ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا.

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کی راہ میں صبح کے وقت جانا دنیا اور اس میں موجود ہر چیز سے زیادہ بہتر ہے اور جنت میں ایک کوڑا رکھنے کی جگہ دنیا اور اس میں موجود ہر چیز سے زیادہ بہتر ہے۔

(۱۵۷۳) غَدْوَةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کی راہ میں صبح کے وقت جانا یا شام کے وقت جانا دنیا میں موجود ہر چیز سے زیادہ بہتر ہے۔

(۱۵۷۴) مَرَّرَ جُلٌّ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ بِشَعْبٍ فِيهِ عُيَيْنَةٌ مِنْ مَاءٍ عَذْبَةٍ فَأَعْجَبَتْهُ لَطِيبُهَا فَقَالَ لَوْ اِعْتَزَلْتُ النَّاسَ فَأَقَمْتُ فِي هَذَا الشَّعْبِ وَلَكِنْ أَفْعَلُ حَتَّى اسْتَأْذِنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَذَكَرَ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ لَا تَفْعَلْ فَإِنَّ مَقَامَ أَحَدٍ كُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَفْضَلُ مِنْ صَلَوَتِهِ فِي بَيْتِهِ سَبْعِينَ عَامًا إِلَّا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَيُدْخِلَكُمُ الْجَنَّةَ اغْزَوْا فِي سَبِيلِ اللَّهِ مَنْ قَاتَلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فُوتَاقَ نَاقَةٍ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ کے اصحاب میں سے ایک صاحب ایک گھاٹی کے پاس سے گزرے جہاں ٹھٹھے پانی کا ایک چھوٹا سا چشمہ تھا انہیں یہ جگہ پسند آئی انہوں نے آرزو کی کاش وہ لوگوں سے الگ ہو کر اس گھاٹی میں رہیں لیکن پھر انہوں نے یہ سوچا کہ میں نبی اکرم ﷺ سے اجازت لئے بغیر ایسا نہیں کروں گا۔ جب وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے اس بات کا تذکرہ کیا تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم ایسا نہ کرنا کیونکہ کسی شخص کا اللہ تعالیٰ کی راہ میں کھڑے ہونا اس کے اپنے گھر میں ستر برس تک نفل نمازیں ادا کرنے سے بہتر ہے کیا تم لوگ اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری

مغفرت کر دے اور تمہیں جنت میں داخل کرے تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ میں حصہ لو جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک اونٹنی کا دودھ دوہنے جتنے عرصے کے لئے جنگ میں حصہ لیتا ہے اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔

(۱۵۷۵) لَعْدُوَّةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ رُوْحَةٌ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا وَلَقَابٌ قَوِيں أَحَدٍ كُمْ أَوْ مَوْضِعٌ يَدِيهِ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا وَلَوْ أَنَّ امْرَأَةً مِّنْ نِّسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ أَطْلَعَتْ إِلَى الْأَرْضِ لَأَصْأَتْ مَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَلَمَّا لَتْ مَا بَيْنَ يَدَيْهَا رِيْحًا وَلَنَصِيْفُهَا عَلَى رَأْسِهَا خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کی راہ میں صبح کے وقت جانا یا شام کے وقت جانا دنیا اور اس میں موجود ہر چیز کے مقابلے میں زیادہ بہتر ہے اور جنت کی اتنی جگہ جو کسی شخص کی کمان جتنی ہو یا ہاتھ رکھنے جتنی ہو یہ دنیا اور اس میں موجود ہر چیز سے زیادہ بہتر ہے اور اگر جنت کی خواتین میں سے کوئی ایک عورت دنیا کی طرف جھانک لے تو آسمان وزمین کے درمیان موجود ہر چیز کو روشن کر دے اور اس پوری جگہ کو خوشبو سے بھر دے اور اس کے سر کی اوڑھنی دنیا اور اس میں موجود ہر چیز سے زیادہ بہتر ہے۔ آنحضور ﷺ کے عہد مبارک میں اور آج بھی جنگ میں فوجیوں کی ڈیوٹیاں لگتی ہیں جو فوجی صبح کی شفٹ میں لڑتے ہیں وہ شام کو آرام کرتے ہیں اور جو شام کی شفٹ میں کھڑے ہوتے ہیں وہ صبح آرام کر لیتے ہیں فوجیوں کے لیے مسلسل لڑنا مشکل امر ہے آدمی تھک جاتا ہے درج ذیل احادیث میں ایک شفٹ میں لڑنے کا ثواب بیان کیا گیا ہے۔

قوله خير من الدنيا وما فيها: اس میں یا تو تشبیہ غیر محسوس کی محسوس کے ساتھ مراد ہے یعنی اگر یہ ثواب محسوس ہوتا تو دنیا و ما فیہا کی ساری ظاہری نعمتوں سے افضل ہوتا کیونکہ ثواب باقی آتی ہے جبکہ دنیا فانی اور وقتی ہے دوسرا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ساری دنیا اللہ کی راہ میں خرچ کر دے تو وہ ثواب جو مجاہد ایک بار جہاد کے لیے چلنے سے کماتا ہے زیادہ ہے اس اتفاق سے جیسا کہ عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: والذي نفسي بيده لو انفقت ما في الارض ما ادركت فضل غدوهم یہ ارشاد اس وقت فرمایا جب عبد اللہ بن رواحہ کے ساتھی صبح چلے گئے تھے اور انہوں نے جمعہ کی نماز کی خاطر شام کو جا کر ان سے ملنے اور دو گناہ ثواب کمانے کی کوشش کی تھی۔

قوله: ولقَاب قَوِيں أَحَدٍ كُمْ أَوْ مَوْضِعٌ يَدِيهِ فِي الْجَنَّةِ خير من الدنيا وما فيها. قاب سے مراد مقدار ہے یعنی تم میں سے ایک کو اگر گمان کی بقدر یا ہاتھ کی مقدار میں جگہ ملے تو وہ دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے مطلب یہ ہے کہ جنت کا ادنیٰ ترین مقام دینا کے بلند ترین مقامات سے افضل ہے کیونکہ اور کچھ نہیں تو آدمی اس کی بدولت دوزخ سے تونچ ہی جائے گا جبکہ دنیا داری کا انجام بربادی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ

باب ۱۷: کون سے لوگ زیادہ بہتر ہیں؟

(۱۵۷۶) أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ النَّاسِ رَجُلٌ مُّهِسِكٌ بِعَنَانٍ فَرَسِهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِالَّذِي يَتَلَوُّهُ رَجُلٌ مُّعْتَزِلٌ فِي غَنَمِهِ لَهُ يَوْمِي حَقٌّ اللَّهُ فِيهَا أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِشَرِّ النَّاسِ رَجُلٌ يُسْأَلُ بِاللَّهِ وَلَا يُعْطَى بِهِ.

تَرْجِمَتُہَا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ کیا تمہیں سب سے بہتر لوگوں کے بارے میں بتاؤں؟ ایک وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے گھوڑے کی لگام پکڑ لیتا ہے (اور نکل کھڑا ہوتا ہے) کیا میں تمہیں بتاؤں جو شخص اس کے بعد ہوگا؟ یہ وہ شخص ہے جو اپنی بکریاں لے کر لوگوں سے الگ ہو جاتا ہے اور ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حق کو ادا کرتا ہے کیا میں تمہیں سب سے بدترین شخص کے بارے میں نہ بتاؤں؟ یہ وہ شخص ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے نام پر مانگا جائے اور وہ نہ دے۔ تشریح: اس حدیث میں دو باتیں ہیں:

پہلی بات: راہ خدا میں جہاد کرنے والے کا درجہ اس شخص سے بڑھا ہوا ہے جو اپنی زندگی بناتا ہے اور اعمال صالحہ میں مشغول ہے کیونکہ اس کا عمل لازمی ہے اس کا فائدہ صرف اس کی ذات تک ہے اور مجاہد کا عمل متعدی ہے وہ ساری دنیا کو سنوارنے کی محنت کر رہا ہے اس لیے اس کا درجہ بڑھا ہوا ہے۔

دوسری بات: اگر اللہ کا واسطہ دے کر سوال کیا جائے تو ضرور دینا چاہیے اللہ کے نام کی عظمت کا یہی تقاضا ہے مگر پیشہ و رسائل اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ اللہ کے نام پر مانگنا ان کا تکیہ کلام ہے پس اس میں سنجیدگی نہیں ہے جیسے سلام کا جواب دینا واجب ہے مگر پیشہ و رسائل کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں شامی میں اس کی صراحت ہے کیونکہ اس کا سلام سلام نہیں ہے بلکہ سوال ہے کذا ہذا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ سَأَلَ الشَّهَادَةَ

باب ۱۸: شہادت کی سچی چاہت کا اجر

(۱۵۷۷) مَنْ سَأَلَ اللَّهَ الشَّهَادَةَ مِنْ قَلْبِهِ صَادِقًا بَلَّغَهُ اللَّهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ وَإِنْ مَاتَ عَلَى فِرَاشِهِ.

تَرْجِمَتُہَا: حضرت سہل بن حنیف نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: جو شخص سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے شہادت کی دعا مانگے اللہ تعالیٰ اسے شہداء کے مرتبے پر فائز کرے گا اگرچہ وہ شخص اپنے بستر پر فوت ہوا ہو۔

(۱۵۷۸) مَنْ سَأَلَ اللَّهَ الْقَتْلَ فِي سَبِيلِهِ صَادِقًا مِنْ قَلْبِهِ أَعْطَاهُ اللَّهُ أَجْرَ الشَّهِيدِ.

تَرْجِمَتُہَا: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: جو شخص سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اسے شہید کا سا اجر عطا کرتا ہے۔

تشریح: سچے دل سے شہادت کی تمنا اور آرزو کرنے سے بھی شہادت کا ثواب ملتا ہے اور اللہ کو خوب معلوم ہے کہ کون سچے دل سے مانگ رہا ہے اور کون اوپرے دل سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جن کا لقب سیف اللہ (اللہ کی تلوار) ہے جب ان کا انتقال چار پائی پر ہونے لگا تو وہ بہت بے چین تھے لوگوں نے بے چینی کی وجہ پوچھی تو فرمایا میں نے شہادت کی تمنا میں اتنے زخم کھائے ہیں کہ میرے بدن پر کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں زخم کا نشان نہ ہو پھر بھی میں چار پائی پر مر رہا ہوں یہ تھی شہادت کی سچی طلب ایسے لوگوں کا مقام یقیناً شہیدوں کے برابر ہے اور ایک ہم ہیں کہ آپس میں تو خوب لڑتے ہیں مگر جب جہاد کا موقع آتا ہے تو کواڑ بند کر کے چار پائی کے نیچے گھس کر نعرہ تکبیر بلند کرتے ہیں اس کو شہادت کی سچی طلب کیسے قرار دیا جاسکتا ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْمَجَاهِدِ وَالْمُكَاتِبِ وَالنَّكَاحِ وَعَوْنِ اللَّهِ إِيَّاهُمْ

باب ۱۹: مجاہد مکاتب کی اور نکاح کرنے والے کی اللہ تعالیٰ مدد کرتے ہیں

(۱۵۷۹) ثَلَاثَةٌ حَقٌّ عَلَى اللَّهِ عَوْنُهُمُ الْمَجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُكَاتِبُ الَّذِي يُرِيدُ الْأَدَاءَ وَالنَّكَاحُ الَّذِي يُرِيدُ الْعِفَافَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تین طرح کے لوگوں کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا شخص، دوسرا وہ مکاتب شخص جو ادائیگی کا ارادہ رکھتا ہو، اور وہ نکاح کرنے والا شخص جو پاکدامن رہنا چاہتا ہو۔

تشریح: پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اللہ پر کوئی چیز واجب نہیں ہاں جو فرماتے ہیں وہ ضرور کرتے ہیں۔ اس لیے اسے حق سے تعبیر فرمایا چونکہ یہ امور انتہائی مشکل ہیں کیونکہ ان میں نفس کا مقابلہ اور حیوانی صفات سے مبرا ہونا پڑتا ہے اس لیے یہ لوگ جب اپنی نیت کو خالص بنانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو اللہ کی خاص مدد ان کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔

فائدہ: مذکورہ تین شخصوں میں حصر نہیں اس لیے کہ ذکر عدنی ماغدا کو مستلزم نہیں اور اسی لیے حنفیہ نے مفہوم عدد کا اعتبار نہیں کیا تجربات سے یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کی بھی مدد فرماتے ہیں۔

بَاب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ مَنْ يُكَلِّمُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

باب ۲۰: جہاد میں زخم لگنے کی فضیلت

(۱۵۸۰) لَا يُكَلِّمُ أَحَدٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَنْ يُكَلِّمُ فِي سَبِيلِهِ إِلَّا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَلْوَنُ لَوْنِ الدِّمِ وَالرِّيحُ رِيحُ الْبَسْكِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں زخمی کر دیا جائے اور اللہ تعالیٰ زیادہ بہتر جانتا ہے۔ کسے اس کی راہ میں زخمی کیا گیا ہے، جب وہ شخص قیامت کے دن آئے گا، تو اس زخم کا رنگ خون جیسا ہوگا، لیکن اس کی خوشبو مشک کی طرح ہوگی۔

(۱۵۸۱) مَنْ قَاتَلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ مِنْ رَجُلٍ مُسْلِمٍ فَوَاقٍ نَاقَةٍ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ وَمَنْ جُرِحَ جَرْحًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ نَكِبَ نَكْبَةً فَإِنَّهَا تَجِبُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَغْزَرِ مَا كَانَتْ لَوْئُهَا الزُّعْفَرَانُ وَرِيحُهَا كَالْبَسْكِ.

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں۔ جس شخص کو اونٹنی کا دودھ دوہنے جتنے عرصے کے لئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں کوئی زخم آجائے یا کوئی چوٹ لگ جائے تو وہ شخص قیامت کے دن اس سے زیادہ بڑے زخم کو ساتھ لے کر آئے گا

جس کا رنگ زعفران جیسا ہوگا، اور اس کی خوشبو مشک کی طرح ہوگی۔

تشوئیح: قیامت کے دن شہید کے اور محض زخمی ہونے والے کے یہ ہرے زخم اس کی جزائے خیر ہوں گے اور وہ ان سے لطف اندوز ہوگا مشک جیسی خوشبو میں اس طرف اشارہ ہے۔

اعمال اپنی ہیئت و صورت کے ساتھ یعنی کما ہی نفس کے ساتھ چپک جاتے ہیں لہذا شہید کی صورت شہادت بھی اس کے نفس کے ساتھ واسطہ ہو جاتی ہے۔

مجازات کا مدار مماثلت پر ہے آخرت میں نعمت و راحت عمل کی قریب ترین صورت میں متمثل ہونگے پہلے آیا ہے کہ جیسا کہ جانور قربان کیا ہوگا ویسا ہی آخرت میں ملے گا البتہ مماثلت میں آخرت کے احوال کا لحاظ ہوگا۔

جب یہ باتیں جان لیں تو اب یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجائے گی کہ جب قیامت کے دن میدان محشر میں شہید حاضر ہوگا تو اس پر اس کا عمل ظاہر ہوگا یعنی وہ ہرے زخموں کے ساتھ آئے گا اور وہ ان سے لطف اندوز ہوگا۔

اس حدیث کا مضمون وہی ہے جو سابقہ باب میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ہے تاہم اس حدیث میں اس کا رنگ زعفران بتلایا ہے جبکہ یہاں اللون الدم فرمایا حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ اصل مقصد یہ بتلانا ہے کہ وہ خون اپنے رنگ و بو کے حوالے سے برا نہیں ہوگا بلکہ خوشنما اور خوشبودار ہوگا عارضہ میں ہے کہ خون وہی ہوگا مگر اس کی خباثت نفاست میں تبدیل ہوگئی۔

بَابُ أَيِّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟

باب ۲۱: کون سا عمل زیادہ فضیلت رکھتا ہے؟

(۱۵۸۲) قَالَ سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ أَوْ أَيُّ الْأَعْمَالِ خَيْرٌ قَالَ إِيْمَانٌ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ قِيلَ ثُمَّ أَيُّ شَيْءٍ قَالَ الْجِهَادُ سَنَامُ الْعَمَلِ قِيلَ ثُمَّ أَيُّ شَيْءٍ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ ثُمَّ حُجٌّ مَبْرُورٌ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ سے دریافت کی گیا۔ کون سا عمل زیادہ فضیلت رکھتا ہے (یا شاید یہ الفاظ ہیں) کون سا عمل زیادہ بہتر ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنا، عرض کی گئی۔ پھر کون سا ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جہاد عم کی کوہان ہے۔ (یعنی سب سے بلند ترین عمل ہے) عرض کی گئی۔ پھر کون سا ہے؟ یا رسول اللہ ﷺ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ پھر مقبول حج ہے۔

تشوئیح: اعمال میں الفضل فالافضل کی ترتیب عارضہ میں اس طرح بیان کی گئی ہے کہ سب سے پہلے ایمان ہے پھر وقت پر نماز ادا کرنا ہے پھر جہاد ہے ثم الصدقة (الزکوٰۃ) ثم الصیام الحج ثم الحج۔ ایمان تو اس لیے پہلے نمبر پر ہے کہ یہ بنیاد ہے نماز میں نیت جو عمل قلب ہے اور عمل جوارح دونوں جمع ہو جاتے ہیں مع ہذا وہ دیگر برائیوں سے بھی روکتی ہے۔ جہاد میں وعد کی سچائی کی تصدیق کی جاتی ہے جیسا کہ پہلے گزرا ہے پھر صدقہ جو غیر کو دیا جاتا ہے جس سے عمل کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے پھر روزہ جس کی بدولت آدمی آدمیت کی

عادت سے نکل کر فرشتوں کی صف و صفت میں شامل ہو جاتا ہے۔

باب

باب ۲۲: جنت کے دروازے تلواروں کے سائے تلے ہیں

(۱۵۸۳) إِنَّ أَبْوَابَ الْجَنَّةِ تَحْتَ ظِلِّ السُّيُوفِ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ رَأَيْتُ الْهَيْئَةَ أَأَنْتَ سَمِعْتَ هَذَا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ يَذْكُرُهُ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَرَجَعَ إِلَى أَصْحَابِهِ قَالَ أَقْرَأُ عَلَيْكُمُ السَّلَامَ وَكَسَّرَ جَفْنَ سَيْفِهِ فَضَرَبَ بِهِ حَتَّى قَتَلَ.

ترجمہ: ابو بکر بن ابوموسیٰ اشعری بیان کرتے ہیں: میں نے اپنے والد کو دشمن کا سامنا ہونے کے وقت یہ کہتے ہوئے سنا کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک جنت کے دروازے تلواروں کے سائے کے نیچے ہیں، حاضرین میں سے ایک صاحب جو بظاہر مفلوک الحال لگ رہے تھے انہوں نے دریافت کیا۔ آپ نے خود نبی اکرم ﷺ کی زبانی یہ بات سنی ہے تو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ جواب دیا۔ جی ہاں

قولہ: ان ابواب الجنة تحت ظلال السيوف یہ کنایہ ہے گھسان کی لڑائی میں شرکت سے کہ جب دو بدو جنگ ہو رہی ہو اور مجاہد اس میں گھس جائے بایں طور کہ وہ تلوار کے سایہ تلے شہید ہو جائے تو وہ فوراً جنت میں داخل ہو جاتا ہے لہذا یہاں ذکر سبب ہوا اور مراد اس سے مسبب ہے مجاز جیسا کہ ایک اور حدیث میں ہے جعل الرزق (رزق) تحت ظل ریحی.

بَابُ مَا جَاءَ آيُ النَّاسِ أَفْضَلُ؟

باب ۲۳: لوگوں میں سب سے افضل کون ہے؟

(۱۵۸۴) سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ آيُ النَّاسِ أَفْضَلُ قَالَ رَجُلٌ يُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالُوا ثُمَّ مَنْ قَالَ ثُمَّ مُؤْمِنٌ فِي شَعْبٍ مِّنَ الشَّعَابِ يَتَّقِي رَبَّهُ وَيَدْعُ النَّاسَ مِّنْ شَرِّهِ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا۔ کون سا شخص زیادہ فضیلت رکھتا ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرے لوگوں نے دریافت کیا۔ پھر کون سا؟ آپ نے ارشاد فرمایا۔ پھر وہ مؤمن ہے جو کسی گھائی میں رہے اور اپنے پروردگار سے ڈرتا رہے اور لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھے۔

یہاں اگرچہ بظاہر مجاہد کی فضیلت تمام لوگوں پر ثابت ہوتی ہے مگر دیگر دلائل سے علماء و صدیقین کی افضلیت کل الناس پر سوائے انبیاء کرام علیہم السلام کے ثابت ہے بلکہ شہداء جب قیامت کے دن علماء کا مقام دیکھیں گے تو تمنا کریں گے کہ کاش وہ علماء ہوتے چنانچہ ابن قیم رحمہ اللہ مفتاح دار السعادة میں قطراز ہیں:

فمن طلب العلم ليحيى به الاسلام فهو من الصديقين ودرجته بعد درجة النبوة... الى...

”جو شخص اسلام کو زندہ کرنے کی نیت سے علم حاصل کرے گا تو وہ شخص صدیقین میں شمار کیا جائے گا اور اس کا درجہ نبوت کے درجے کے بعد دوسرا درجہ ہے۔“

قال ابن مسعود رضی اللہ عنہ علیکم بالعلم قیل ان یرفع ورفعه هلاک العلماء فوالذی نفسی بیدہ لیودن رجال قتلوا فی سبیل اللہ شهداء ان یبعثہم اللہ علماء لہا یرون من کرامتہم وان احدا یولد عالما وانما العلم بالتعلم۔ (مفتاح ص: ۱۲۴ دارالکتاب العلمیۃ)

”ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ علم کے اٹھ جانے سے پہلے علم سیکھو۔ اور علماء کے اٹھ جانے سے پہلے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے وہ لوگ جو اللہ کے راستے میں شہید کیے گئے علماء کا اعزاز و اکرام دیکھ کر تمنا کریں گے کہ انہیں علماء کے ساتھ اٹھایا جائے اور کوئی بھی عالم پیدا نہیں ہوتا بلکہ علم تو سیکھنے سے آتا ہے۔“

باب

باب ۲۴: شہید کے لیے مخصوص ثواب

(۱۵۸۵) مَا مِنْ أَحَدٍ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ يَسُرُّهُ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا غَيْرَ الشَّهِيدِ فَإِنَّهُ يُحِبُّ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا يَقُولُ حَتَّى أَقْتَلَ عَشْرَ مَرَّاتٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ مَا يَزِي مَا أَعْطَاهُ مِنَ الْكَرَامَةِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ جنت کے رہنے والے کسی بھی شخص کی یہ آرزو نہیں ہوگی کہ وہ دنیا میں واپس جائے صرف شہید ہی یہ آرزو کرے گا کیونکہ وہ اس بات کو پسند کرے گا کہ وہ دوبارہ دنیا میں جائے وہ یہ کہے گا کہ مجھے دس مرتبہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید کیا جائے ایسا اس وجہ سے ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جو بزرگی عطا کی ہوگی جب وہ اس کو دیکھے گا تو پھر یہ آرزو کرے گا۔

(۱۵۸۶) لِلشَّهِيدِ عِنْدَ اللَّهِ سِتُّ خِصَالٍ يُغْفَرُ لَهُ فِي أَوَّلِ دَفْعَةٍ وَيُزِي مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَيُجَارُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَيَأْمَنُ مِنَ الْفَزَعِ الْأَكْبَرِ وَيُوضَعُ عَلَى رَأْسِهِ تَاجُ الْوَقَارِ أَلْيَا قُوَّةً مِنْهَا خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا وَيُزَوَّجُ اثْنَتَيْنِ وَسَبْعِينَ زَوْجَةً مِنَ الْحُورِ الْعِينِ وَيُشْفَعُ فِي سَبْعِينَ مِنْ أَقَارِبِهِ.

ترجمہ: حضرت مقدم بن معدی کرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ شہید کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں چھ خصوصیات حاصل ہوتی ہیں۔ اس کے خون کا پہلا قطرہ گرنے کے ساتھ ہی اس کی بخشش ہو جاتی ہے۔ وہ جنت میں اپنے مخصوص ٹھکانے کو دیکھ لیتا ہے۔ وہ قبر کے عذاب سے محفوظ رہے گا، وہ قیامت کے دن کی بھیا تک وحشت سے محفوظ رہے گا، اس کے سر پر یاقوت سے جڑا ہوا وقار کا تاج رکھا جائے گا، جو دنیا اور اس میں موجود ہر چیز سے زیادہ بہتر ہے اور اسے بڑی آنکھوں والی بہتر (۷۲) حوریں نکاح میں دی جائیں گی اور اس شخص کے ستر رشتے داروں کے بارے میں اس کی شفاعت کو قبول کیا جائے گا۔

قوله: للشَّهِيدِ عِنْدَ اللَّهِ سِتُّ خِصَالٍ.

اشکال: حدیث میں تو سات کا ذکر ہے؟

جواب: حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا ہے کہ مفہوم مخالف معتبر نہیں یا پھر ان میں سے دو انعامات کو یکجا شمار کر کے ایک مانا جائے گا جیسے عذاب قبر سے حفاظت اور فزع اکبر سے بے خوف ہونا کہ دونوں میں تلازم ہے۔

فائدہ: ویسے تو فضائل جہاد کی بحث یہاں آ کر ختم ہو جاتی ہے لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ جہاد کے صرف یہی فضائل ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جہاد کے فضائل اتنے زیادہ ہیں جن کا احصاء مشکل ہے اور مستقل کتاب ہی شاید ان کو اکٹھا کرنے میں کامیاب ہو جائے۔

باب

باب ۲۵: پہرے دار کی فضیلت

(۱۵۸۷) رَبَّاطُ يَوْمٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا وَالرَّوْحَةُ يُرْوَحُهَا الْعَبْدُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْغَدْوَةُ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا وَمَوْضِعُ سَوِّطٍ أَحَدٍ كُمْ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا.

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک دن کے لئے پہرہ دینا، دنیا اور اس میں موجود تمام چیزوں سے بہتر ہے، ایک دن صبح کے وقت یا شام کے وقت اللہ تعالیٰ کی راہ میں چلنا، دنیا اور اس میں موجود ہر چیز سے بہتر ہے اور جنت میں کوڑا رکھنے کی جگہ، دنیا اور اس میں موجود ہر چیز سے بہتر ہے۔

(۱۵۸۸) سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ.

ترجمہ: حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک دن پہرہ دینا، ایک ماہ کے روزوں اور (رات بھر نوافل میں) قیام سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے (اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں) بہتر ہے۔ جو شخص اس دوران میں فوت ہو جائے وہ قبر کی آزمائش سے محفوظ ہو جائے گا اور قیامت تک اس کا عمل پھلتا پھولتا رہے گا۔

(۱۵۸۹) مَنْ لَقِيَ اللَّهَ بِغَيْرِ أَثَرٍ مِنْ جِهَادٍ لَقِيَ اللَّهَ وَفِيهِ ثَلَاثَةٌ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ جو شخص کسی جہاد کا نشان لئے بغیر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوگا تو گویا وہ اپنے دین میں کمی کے ہمراہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوگا۔

(۱۵۹۰) سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ رَبَّاطُ يَوْمٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ يَوْمٍ فِي مَا سِوَاهُ مِنَ الْمَنَازِلِ.

ترجمہ: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو منبر پر یہ بیان کرتے ہوئے سنا، انہوں نے فرمایا: میں نے تم لوگوں سے ایک حدیث چھپا کر رکھی ہوئی تھی جو میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سنی تھی اس اندیشے کے تحت کہ تم لوگ مجھ سے الگ ہو جاؤ گے پھر مجھے یہ مناسب لگا کہ میں وہ حدیث تمہیں سنا دوں تا کہ ہر شخص اپنی ذات کے بارے میں فیصلہ کر لے جو اسے مناسب لگے، میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک دن (سرحد پر) پہرہ دینا دیگر جگہوں پر ایک ہزار دن گزارنے سے بہتر ہے۔

(۱۵۹۱) مَا يَجِدُ الشَّهِيدُ مِنْ مَيِّسِ الْقَتْلِ إِلَّا كَمَا يَجِدُ أَحَدُكُمْ مِنْ مَيِّسِ الْقَرْصَةِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ شہید کو قتل ہوتے وقت اتنی ہی تکلیف محسوس ہوتی ہے جتنی کسی شخص کو چیونٹی کے کانٹے سے ہوتی ہے۔

(۱۵۹۲) لَيْسَ شَيْءٌ أَحَبَّ إِلَى اللَّهِ مِنْ قَطْرَةٍ تَبَيَّنَ وَآثَرَيْنِ قَطْرَةُ دُمُوعٍ مِنْ حَشِيَّةِ اللَّهِ وَقَطْرَةُ دَمٍ مُهْرَاقٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأَمَّا الْآثَرَانِ فَأَثَرٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأَثَرٌ فِي فَرِيضَةٍ مِنْ فَرَائِضِ اللَّهِ.

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ یہ فرمان نقل کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی بھی چیز دو قطرودں سے زیادہ پسندیدہ نہیں ہے۔ ایک اللہ تعالیٰ کے خوف سے نکلنے والے آنسو کا قطرہ اور ایک خون کا وہ قطرہ جسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں بہایا گیا ہو جہاں تک دو نشانات کا تعلق ہے (جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں) تو ایک نشان وہ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں (زخم کی شکل میں) آئے اور ایک نشان وہ جو اللہ تعالیٰ کے فرض کی وجہ سے (ماتھے پر سجدے کے نشان کی صورت میں) ہوتا ہے۔



أَبْوَابُ الْجِهَادِ

جہاد کا بیان

بَابُ فِي أَهْلِ الْعُذْرِ فِي الْقُعُودِ

باب ۱: معذوروں پر جہاد نہیں

(۱۵۹۳) اِئْتُونِي بِالْكَتِفِ أَوْ اللَّوْحِ فَكَتَبَ ﴿لَا يَسْتَوِي الْقُعُودُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ﴾ (النساء: ۹۵) وَ عَمْرُو ابْنِ أُمِّ مَكْتُومٍ خَلَفَ ظَهْرَهُ فَقَالَ هَلْ لِي مِنْ رُحْصَةٍ فَنَزَلَتْ ﴿غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ﴾

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا میرے پاس (کسی جانور کے) شانے کی ہڈی یا کوئی تختی لاؤ (راوی بیان کرتے ہیں) پھر نبی اکرم ﷺ نے (یہ آیت) تحریر کروائی۔ اہل ایمان میں سے بیٹھے رہنے والے لوگ برابر نہیں ہیں۔ راوی بیان کرتے ہیں حضرت عمرو بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کی پشت کے پیچھے موجود تھے انہوں نے عرض کی۔ کیا میرے لئے کوئی رخصت ہے؟ تو یہ آیت نازل ہوئی: وہ لوگ جنہیں کوئی ضرر نہ ہو۔

تشریح: اہل عذر سے مراد وہ لوگ ہیں جو جہاد میں شرکت کی قدرت نہ رکھتے ہوں خواہ بیماری کی وجہ سے ہو یا کوئی اور طبعی و شرعی عذر کی بناء پر ہو۔ پھر معذورین کے لیے اگرچہ رخصت تو ہے مگر ثواب میں وہ مجاہدین کے برابر نہیں ہیں ہاں ان کو نیت کا اور جذبے کا ثواب ملتا ہے۔

قرآن نے قاعدین کی دو قسمیں ذکر کی ہیں اور دونوں کا حکم الگ الگ بیان کیا ہے۔

① وہ قاعدین جو اولی الضرر ہیں ان پر مجاہدین کو ایک درجہ کی فضیلت حاصل ہے چنانچہ ارشاد ہے: ﴿فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ

بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقُعُودِينَ دَرَجَةً ۖ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ﴾ (النساء: ۹۵)

② وہ جو غیر اولی الضرر ہیں ان پر مجاہدین کو کئی گنا زیادہ فضیلت حاصل ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى

الْقُعُودِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ۖ دَرَجَتٍ مِنْهُ وَمَغْفِرَةً وَرَحْمَةً ۖ﴾ (النساء: ۹۵، ۹۶)

اس میں درجہ مغفرت اور رحمت تینوں اجزا سے بدل ہیں۔ (تدبر)

اور یہی وجہ تھی کہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے فارس کی مشہور جنگ جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں لڑی گئی تھی۔ میں خود کو جھنڈا اٹھانے کے لیے پیش کیا کہ میں نابینا ہوں یا تو کھڑا رہوں گا یا پھر شہید ہو جاؤں گا چنانچہ تین دن کی شدید لڑائی کے بعد جب مسلمانوں کو تاریخی فتح نصیب ہوئی تو شہداء میں ان کو اس حال میں پایا گیا کہ خون میں لہولہاں تھے اور جھنڈا اپنے سینے سے تھامے ہوئے تھے۔

اہل مدینہ ان کو عبداللہ کہتے ہیں اہل عراق ان کو عمر والد کا نام قیس بن زائدہ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ خَرَجَ إِلَى الْغُرُورِ وَتَرَكَ أَبَوَيْهِ

باب ۲: ماں باپ کو چھوڑ کر جہاد کے لیے نکلنا

(۱۵۹۴) جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ يَسْتَأْذِنُهُ فِي الْجِهَادِ فَقَالَ أَلَيْكَ وَالِدَانِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَفِيهِمَا فَجَاهِدْ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں جہاد کی اجازت لینے کے لئے حاضر ہوا نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا۔ کیا تمہارے ماں باپ ہیں؟ اس نے عرض کی۔ جی ہاں! نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم ان دونوں کی خدمت کا جہاد کرو۔

جہاد کی قسمیں: جہاد کی دو قسمیں ہیں ① فرض کفایہ ② فرض عین۔

فرض کفایہ کا مطلب یہ ہے کہ جب چند لوگ اس فریضہ کو انجام دے رہے ہوں تو باقی لوگ بھی فارغ الذمہ ہو جاتے ہیں جیسے نماز جنازہ وغیرہ کا حکم ہے جبکہ فرض عین کی صورت میں ہر آدمی پر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔

پہلی صورت: میں ماں باپ کی اجازت کے بغیر جہاد کرنے کی اجازت نہیں ہے حدیث باب کی وجہ سے کیونکہ بحالت احتیاج والدین کی خدمت فرض عین ہے اور فرض عین کا درجہ فرض کفایہ پر مقدم ہوتا ہے اور اگر والدین خدمت کے محتاج نہ بھی ہوں مگر ان کی دل ازاری حرام ہے اس لیے بھی ان کی اجازت و خوشی لازمی ہے اسی طرح حکم باقی تطوعات کا ہے جیسے نفلی حج و عمرہ اور روزہ وغیرہ بشرطیکہ والدین مسلمان ہوں۔ علم دین میں توسع حاصل کرنے کی غرض سے سفر کرنے کا حکم بھی اسی طرح ہے جبکہ دوسری صورت یعنی فرض عین ہونے کی صورت میں یا والدین کے مسلمان نہ ہونے کی صورت میں اجازت کی حاجت نہیں اور نہ ہی والدین کو روکنا چاہیے۔

جہاد اقدامی و دفاعی: جہاد کس وقت فرض کفایہ ہے اور کس وقت فرض عین ہو جاتا ہے؟ فقہاء کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اقدامی جہاد فرض کفایہ ہے اور دفاعی جہاد فرض عین ہے جو الاقرب فالاقرب کے اوپر یا نفیر عام کی صورت میں فرض عین ہو جاتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يُبْعَثُ مِنْ سَرِيَّةٍ وَاحِدَةٍ

باب ۳: جس شخص کو تنہا کسی مہم پر روانہ کیا جائے

(۱۵۹۵) حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ فِي قَوْلِهِ ﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ (النساء: ۵۹) قَالَ عَبْدُ اللَّهِ

بُنْ حُذَافَةَ بْنِ قَيْسٍ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ السَّهْمِيِّ بِعَثَّةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عَلَى سَرِيَّةٍ أَخْبَرَنِيهِ يَعْلَى بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا.

ترجمہ: ابن جریج اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں بیان کرتے ہیں: تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے اولی الامر کی اطاعت کرو، تو حضرت عبد اللہ بن حذافہ نے یہ بات بیان کی کہ نبی اکرم ﷺ نے انہیں ایک مہم پر روانہ کیا تھا۔

سریہ: فوجی دستہ (پانچ سے تین سو تک) سوال یہ ہے کہ ایک نفری سریہ بھیجا جاسکتا ہے؟

جواب: یہ ہے کہ بھیجا جاسکتا ہے جیسے ایک نفری کمیشن بٹھایا جاسکتا ہے اور حدیث مختصر ہے اس کا پورا واقعہ یہ ہے کہ نبی ﷺ کو کسی مہم پر سریہ بھیجنا تھا مگر امیر بنانے کے لیے کوئی موزوں نام سمجھ نہیں آ رہا تھا چنانچہ افراد منتخب کر کے سریہ روانہ کر دیا اور ان کو ہدایت کی کہ فلاں راستہ پر روانہ ہو جاؤ میں پیچھے سے کسی کو امیر بنا کر بھیجوں گا سریہ روانہ ہو گیا آپ ﷺ نے پیچھے سے حضرت عبد اللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر بھیجا اور ان کو ایک تحریر لکھ کر دی کہ عبد اللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ تمہارے امیر ہیں ان کا حکم مانو وہ تحریر لے کر روانہ ہوئے اور قافلہ سے جا ملے جب سریہ کے لوگوں نے تحریر دیکھی تو ان کو امیر مان لیا اسی سریہ کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہے کہ امیر صاحب کسی بات پر ناراض ہو گئے انہوں نے آگ جلوائی اور حکم دیا کہ اس میں کو دو لوگوں میں چہ گویاں ہوئیں کہ امیر کا حکم مانا جائے یا نہیں؟ بعض نے کہا ہم مسلمان ہی آگ سے بچنے کے لیے ہوئے ہیں اس لیے آگ میں نہیں کودیں گے بات لمبی ہو گئی اور آگ بجھ گئی اور امیر صاحب کا غصہ بھی ٹھنڈا ہو گیا اور معاملہ رفع دفع ہو گیا جب سریہ واپس آیا تو انہوں نے نبی ﷺ کو پورا واقعہ بتلایا آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم امیر کی اطاعت کرتے اور آگ میں کود جاتے تو ہمیشہ آگ میں رہتے امیر کی اطاعت صرف نیک کاموں میں ہے معصیت کے کام میں کسی کی اطاعت نہیں (بخاری حدیث ۷۱۴۵) غرض یہ ایک نفری سریہ نہیں تھا سریہ تو قافلہ کی شکل میں پہلے روانہ ہو چکا تھا مگر چونکہ امیر صاحب مدینہ سے قافلہ تک تنہا گئے تھے اس لیے امام ترمذی رضی اللہ عنہ نے اس کو ایک نفری سریہ قرار دیدیا۔ اس کی خبر آنحضور ﷺ کو پہنچتی ہے تو آپ ﷺ فرماتے ہیں: لو دخلوها ما خرجوا منها الى يوم القيامة الطاعة في المعروف. امیر سریہ نے یہ حکم کسی کام یا بات سے رنجیدہ ہونے کے وقت دیا تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَنْ يُسَافِرَ الرَّجُلُ وَحْدَهُ

باب ۴: آدمی کا تنہا سفر کرنا مکروہ ہے

(۱۵۹۶) لَوْ أَنَّ النَّاسَ يَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ مِنَ الْوَحْدَةِ مَا سَارَى رَاكِبٌ بِلَيْلٍ يَعْنِي وَحْدَهُ.

ترجمہ: حضرت ابن عمرہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ تنہا (سفر کرنے) کے بارے میں مجھے جو علم ہے اگر لوگوں کو پتہ چل جائے تو کبھی بھی کوئی شخص رات کے وقت سفر نہ کرے (یعنی تنہا سفر نہ کرے)۔

(۱۵۹۷) أَلَّا رَاكِبٌ شَيْطَانٌ وَالرَّائِيَانِ شَيْطَانَانِ وَالثَّلَاثَةُ رَكْبٌ.

ترجمہ: عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ ایک سوار شیطان ہوتا ہے دوسوار دوشیطان ہوتے ہیں اور تین سوار حقیقتاً سوار ہوتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي الْكَذِبِ وَالْخَدِيعَةِ فِي الْحَرْبِ

باب ۵: جنگ میں چال چلنا جائز ہے

(۱۵۹۸) قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْحَرْبُ خَدَعَةٌ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ جنگ دھوکہ دہی کا نام ہے۔ کذب (اسم) خلاف واقعہ بات مگر یہاں یہ لفظ خدیعہ کا مترادف ہے اور عطف تفسیری ہے اور خدیعہ کے معنی ہیں چال چلنا نبی ﷺ نے فرمایا جنگ چال ہے یعنی جنگ میں جو چال چلنے میں کامیاب ہو گیا وہی ظفر مند رہا اسی طرح مناظرہ میں بھی علمی صلاحیت سے کم اور چال سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے اور چونکہ جنگ میں دشمن کو دھوکہ دینے کے لیے جو چال چلی جاتی ہے وہ کذب کے مشابہ ہوتی ہے اس لیے امام ترمذی رحمہ اللہ نے باب میں لفظ کذب بڑھایا ہے جیسے دشمن سے کہا پیچھے دیکھ اس نے یہ سمجھ کر پیچھے دیکھا کہ شاید پیچھے سے کوئی آگیا اور اس کا کام تمام کر دیا جیسے فوج بظاہر پسپا ہو گئی جب دیکھا کہ دشمن تتر بتر ہو گیا تو پلٹ کر حملہ کر دیا اور میدان سر کر لیا یہ چال چلنا ہے۔ ابن العسری اور نووی رحمہما اللہ کے نزدیک: اس سے صریح کذب مراد ہے گو کہ افضل یہ ہے کہ آدمی تو یہ اور تعریض سے کام چلانے کی کوشش کرے جبکہ طبری وغیرہ علماء فرماتے ہیں کہ حقیقی کذب جائز نہیں بلکہ معاریض جائز ہیں۔ امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صدق و کذب کے حسن اور قبح کا دار و مدار مقصد کے نیک اور بد ہونے پر ہے اگر مقصد نیک ہے تو کذب حسن بن جاتا ہے۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ عرف میں فرماتے ہیں کذب صرف چار استثنائی صورتوں میں جائز ہے اور وہ بھی دراصل تو یہ ہے صلح، دفع ظلم، بیوی کو راضی کرنے اور جنگ میں برتری حاصل کرنے کی غرض سے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي غَزَوَاتِ النَّبِيِّ ﷺ: وَكَمْ غَزَى

باب ۶: نبی اکرم ﷺ نے کتنی جنگیں لڑیں؟

(۱۵۹۹) كُنْتُ إِلَى جَنْبِ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمٍ فَقِيلَ لَهُ كَمْ غَزَا النَّبِيُّ ﷺ قَالَ تِسْعَ عَشْرَةَ فَقُلْتُ كَمْ غَزَوْتَ أَنْتَ مَعَهُ قَالَ سَبْعَ عَشْرَةَ قُلْتُ آتَيْتُهُمْ كَانَ أَوَّلَ قَالَ ذَاتَ الْعُشَيْرِ أَوِ الْعُشَيْرَةِ.

ترجمہ: ابواسحاق بیان کرتے ہیں۔ میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے پہلو میں موجود تھا ان سے دریافت کیا گیا۔ نبی اکرم ﷺ نے کتنے غزوات میں شرکت کی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا انیس غزوات میں، راوی بیان کرتے ہیں۔ میں نے دریافت کیا۔ ان میں سب سے پہلا کون سا تھا؟ تو انہوں نے جواب دیا۔ ذات العشیر (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) ذات العشیرہ۔

قولہ غزوۃ: اصل میں قصد کو کہتے ہیں۔ اصحاب السیر کی اصطلاح میں ایسے معرکہ کو جس میں نبی کریم ﷺ بنفس نفیس شریک ہوتے غزوہ کہا جاتا ہے غزوات کی تعداد کے حوالے سے روایات میں بظاہر تعارض پایا جاتا ہے باب کی حدیث میں انیس کا ذکر پایا جاتا ہے جبکہ ابویعلیٰ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے اس میں اکیس کا ذکر ہے جبکہ عبدالرزاق نے ابن المسیب رضی اللہ عنہ سے چوبیس اور ابن سعد نے ستائیس ذکر کیے ہیں۔ ان میں دو طرح کی تطبیق دی گئی ہے:

پہلی تطبیق: یہ کہ شاید بعض راویوں نے اختصار سے کام لیا ہو یا اس طور کہ بڑے بڑے غزوات کو ذکر کیا اور باقی کو چھوڑ دیا۔

دوسری تطبیق: اس طرح ہے کہ جو غزوات قریب الوقوع تھے ان میں سے بعض کو بعض میں ضم کر کے راوی نے اختصار کیا جیسے طائف و حنین اور احزاب و بنی قریظہ۔ پھر جن غزوات میں جنگ کی نوبت آئی ہے ان کی تعداد ابن اسحاق رضی اللہ عنہ کے مطابق نو ہے: ① بدر ② احد ③ خندق ④ بنو قریظہ ⑤ بنو المصطلق ⑥ خیبر ⑦ فتح مکہ ⑧ حنین ⑨ طائف۔

سب سے پہلا غزوہ کون سا ہے؟ اس میں اختلاف ہے محمد بن اسحاق رضی اللہ عنہ وغیرہ کہتے ہیں: سب سے پہلا غزوہ ابواء ہے پھر بواط پھر عثیرہ اسی ترتیب کو امام بخاری رضی اللہ عنہ نے اختیار کیا ہے اور اسی کو حافظ رضی اللہ عنہ نے شرح بخاری میں اختیار کیا ہے اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ پہلا غزوہ عثیرہ ہے۔ (سیرۃ المصطفیٰ ۲: ۴۹)

سرایا اور بعوث کی تعداد میں بھی اختلاف ہے ابن اسحاق رضی اللہ عنہ کے نزدیک چھتیس، واقدی کے ہاں اڑتالیس، ابن جوزی رضی اللہ عنہ کے یہاں چھپن اور مسعودی کے نزدیک ساٹھ ہیں شاہ صاحب رضی اللہ عنہ نے عرف الشذی میں ستر ذکر کئے ہیں جبکہ اکیلل میں حاکم نے سو سے زیادہ بتلائے ہیں شاید ان کا مقصد کل غزوات و سرایا ملا کر دونوں کی مجموعی تعداد ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّفِّ وَالتَّعْبِيَةِ عِنْدَ الْقِتَالِ

باب ۷: جنگ کے وقت صفیں قائم کرنا اور ترتیب دینا

(۱۶۰۰) عَبَّأَنَا النَّبِيُّ ﷺ بِبَدْرٍ لَيْلًا.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں۔ غزوہ بدر سے پہلے والی رات نبی اکرم ﷺ نے ہمیں مناسب مقامات پر کھڑا کر دیا تھا۔

عمی تعبیه الجیش کے معنی ہیں لشکر کو ترتیب دینا جنگ میں کامیابی کا بڑا مدار اس پر ہے کہ کس فوجی کو کیا کام سونپا جائے اور کس کو کہاں کھڑا کیا جائے جو کمانڈر اس میں ماہر ہوتا ہے اور موقع محل کے لحاظ سے صفیں ترتیب دیتا ہے: ظفر مندی اس کے قدم چومتی ہے اور دنیا کے تمام جنگی معاملات کے ماہر متفق ہیں کہ اس فن میں سب سے زیادہ مہارت نبی کریم ﷺ کو تھی جو کمال آپ ﷺ کو حاصل تھا وہ کمال کسی اور کو حاصل نہیں ہوا آپ ﷺ میدان میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو جو جہاں کے لیے موزوں ہوتا تھا متعین فرماتے تھے جنگ بدر میں جو اسلام کی سب سے پہلی جنگ ہے آپ ﷺ نے رات ہی میں سب کو ان کی جگہیں بتادی تھیں چنانچہ صبح ہوتے ہی صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے اپنے ٹھکانے پکڑ لئے۔

ابن العربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مغرب کی جانب منہ کر کے سورج کو پشت کی طرف چھوڑ دیا جبکہ مشرکین کا رخ سورج کی طرف تھا یہ بھی بڑی حکمت عملی تھی کہ جب جنگ شروع ہوئی تو مشرکین کی آنکھوں پر روشنی کی تیز شعاعیں پڑتیں جس کی بناء پر ان کو صحیح نظر نہیں آتا تھا۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الدُّعَاءِ عِنْدَ الْقِتَالِ

باب ۸: جنگ کے وقت دعا کرنا

(۱۶۰۱) سَمِعْتُهُ يَقُولُ يَعْزِي النَّبِيُّ ﷺ يَدْعُوا عَلَى الْأَحْزَابِ فَقَالَ اللَّهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ سَرِّعِ الْحِسَابِ اهْزِمِ الْأَحْزَابَ وَذَلِّزْ لَهُمُ

ترجمہ: حضرت ابن ابی ادنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے آپ ﷺ کو یعنی نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: آپ ﷺ نے (دشمن کے) لشکروں کے لئے دعائے ضرر کی اور یہ دعا کی ”اے اللہ! کتاب کو نازل کرنے والے! جلدی حساب لینے والے تو (دشمن کے) لشکروں کو پسپا کر دے اور انہیں (یعنی ان کے قدم) اکھاڑ دے۔

کچھ جگہیں اور کچھ زمانے دعا کی قبولیت کے ہیں ان میں سے ایک جب جنگ شباب پر ہو اور گھسان کا بن پڑ رہا ہو دعا قبول ہوتی ہے نبی ﷺ کو غزوہ احزاب میں یہ دعا مانگتے سنا ہے اے اللہ قرآن کے نازل کرنے والے اے جلد حساب لینے والے لشکر کے جھٹوں کو شکست دے دے اور ان کے قدم اکھاڑ دے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْأَلْوِيَةِ

باب ۹: چھوٹے جھنڈوں کا بیان

(۱۶۰۲) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ مَكَّةَ وَلِوَاءُهُ أَبْيَضُ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب نبی اکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ کا مخصوص جھنڈا سفید تھا۔ لواء اور رایہ میں کیا فرق ہے؟ الویۃ لواء کی جمع ہے جو بکسر اللام آتا ہے جھنڈے کو کہتے ہیں مگر لواء اور رایہ میں کیا فرق ہے؟ جس کے لیے امام ترمذی رحمہ اللہ کو الگ الگ باب باندھنے کی ضرورت پیش آئی؟ تو اس بارے میں بہت سارے اقوال ہیں۔ ابن العربی رحمہ اللہ عارضہ میں لکھتے ہیں کہ لواء وہ جھنڈا ہے جو نیزے کے ساتھ باندھ کر لپیٹ دیا جائے جبکہ رایہ وہ ہے جو نیزے سے باندھ کر کھلا چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ لہراتا رہے کو کب الدری میں ہے کہ لواء امیر جیش کے ساتھ ہوتا ہے جبکہ رایہ ایک مرکزی جگہ پر میدان جنگ میں گاڑ دیا جاتا ہے۔

بَابُ فِي الرَّايَاتِ

باب ۱۰: بڑے جھنڈوں کا بیان

(۱۶۰۳) بَعَثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْقَاسِمِ إِلَى الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ أَسْأَلُهُ عَنْ رَأْيَةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ كَانَتْ سَوْدَاءَ مَرْبَعَةً مِنْ ثَمَرَةٍ.

ترجمہ: یونس بن عبید اللہ بیان کرتے ہیں: محمد بن قاسم نے مجھے براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تا کہ میں ان سے نبی اکرم ﷺ کے جھنڈے کے بارے میں دریافت کروں تو انہوں نے بتایا۔ وہ سیاہ رنگ کا تھا اور چوکور تھا اور اس پر لکیریں بنی ہوئی تھیں۔

(۱۶۰۴) كَانَتْ رَأْيَةُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ سَوْدَاءَ وَلَوْ اَتَوْهَا أَبْيَضُ.

ترجمہ: ابو مجاز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ کا بڑا جھنڈا سیاہ رنگ کا تھا اور چھوٹے جھنڈے سفید تھے۔

یہ راۓ کی جمع ہے اسکے معنی ہیں جھنڈا، لشکر میں ایک بڑا جھنڈا ہوتا ہے جو لشکر کا نشان ہوتا ہے اور فوج اس کے نیچے لڑتی ہے آنحضور ﷺ کا جھنڈا چوکور سفید تھا اور اس میں کالی دھاریاں تھیں اور دور سے دیکھنے میں کالا نظر آتا تھا چنانچہ حضرت براء رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کو کالا کہا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الشُّعَارِ

باب ۱۱: شعار (کوڈ ورڈ) کا بیان

(۱۶۰۵) إِنْ بَيَّتَكُمْ الْعَدُوُّ فَقُولُوا الْحَمْدُ لَا يُنْصَرُونَ.

ترجمہ: مہلب بن ابو صفراء ان صحابی کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں۔ جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا۔ اگر دشمن رات کے وقت تم پر حملہ کر دے تو تم لوگ (نشانی کے طور پر) یہ کہنا: ”حم لا ینصرون“ تشریح: ”شعار“ علامت و نشانی کو کہتے ہیں آج کل مجاہدین کی اصطلاحی میں اس کو، نام شب، کہا جاتا ہے اس کا مطلب خفیہ کوڈ کا تعین ہوتا ہے جس وجہ سے رات کو یا گھمسان کی لڑائی کے دوران اپنے ساتھیوں کی تمیز آسان ہو جاتی ہے۔

إِنْ بَيَّتَكُمْ الْعَدُوُّ اگر دشمن رات کے وقت تم پر حملہ آور ہو ”فَقُولُوا الْحَمْدُ لَا يُنْصَرُونَ“ اس انتخاب میں واللہ اعلم کیا حکمت ملحوظ تھی تاہم محشی نے لکھا ہے کہ اس صورت کی برکت اور فضل سے کفار غالب نہیں ہوں گے گویا تقاول ہے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حوامیم سبعہ ہیں جن کی اپنی امتیازی شان ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ سَيْفِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ

باب ۱۲: نبی اکرم ﷺ کی تلوار کا بیان

(۱۶۰۶) قَالَ صَنَعْتُ سَيْفِي عَلَى سَيْفِ سُمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ وَزَعَمَ سُمُرَةُ أَنَّهُ صَنَعَ سَيْفَهُ عَلَى سَيْفِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَكَانَ حَنْفِيًّا.

ترجمہ: ابن سیرین بیان کرتے ہیں۔ میں نے اپنی تلوار حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کی تلوار کی مانند بنوائی تھی اور حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات بیان کی تھی کہ انہوں نے اپنی تلوار نبی اکرم ﷺ کی تلوار کی طرح بنوائی ہے جو بنو حنیفہ کی مخصوص تلواروں کی مانند تھی۔

فائدہ: جس طرح مدینہ منورہ اور دیگر شہروں کی طرف نسبت کرتے وقت اول میں یاء حذف کر کے مدنی اور ثانی میں یاء باقی رکھ کر مدینی کہتے ہیں، اسی طرح ملت حنیفی میں یاء باقی رکھ کر ملت حنیفیہ اور قبیلہ بنو حنیفہ میں اور مذہب ابی حنیفہ میں یاء حذف کر کے حنفی کہتے ہیں۔

بَابُ فِي الْفِطْرِ عِنْدَ الْقِتَالِ

باب ۱۳: جنگ کے وقت روزہ توڑ دینا

(۱۶۰۷) لَمَّا بَلَغَ النَّبِيُّ ﷺ عَامَ الْفَتْحِ مَرَّ الظُّهْرَانِ فَأَذَنَّا بِلِقَاءِ الْعَدُوِّ فَأَمَرْنَا بِالْفِطْرِ فَأَفْطَرْنَا أَجْمَعُونَ.

ترجمہ: حضرت اب سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: فتح مکہ کے سال جب نبی اکرم ﷺ "مر الظهران" کے مقام پر پہنچے تو آپ نے ہمیں دشمن کا سامنا ہونے کی اطلاع دی اور ہمیں ہدایت کی کہ ہم روزہ توڑ دیں تو ہم سب لوگوں نے روزہ توڑ دیا تھا۔

تشریح: نبی کریم ﷺ فتح مکہ کے لئے دس رمضان کو مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تھے اور آپ ﷺ اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم رمضان کے روزے رکھتے ہوئے سفر کر رہے تھے، جب مکہ قریب آیا تو آپ ﷺ نے روزے بند کرنے کا حکم دیا تاکہ فوج کھائے پیئے اور طاقت حاصل کرے اور اس سلسلہ کے احکام کتاب الصوم باب 18 میں گزر چکے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخُرُوجِ عِنْدَ الْفَرَعِ

باب ۱۴: خطرے کے وقت گھر سے نکلنے کا بیان

(۱۶۰۸) رَكِبَ النَّبِيُّ ﷺ فَرَسًا لَا بِيَ طَلْحَةَ يُقَالُ لَهُ مَمْدُوبٌ فَقَالَ مَا كَانَ مِنْ فَرَجٍ وَإِنْ وَجَدْنَا ذَا لَبَحْرًا.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر سوار ہوئے جس کا نام ممدوب تھا (واپس آ کر آپ نے ارشاد فرمایا) کوئی خطرے کی بات نہیں ہے ہم نے اس (گھوڑے کو) سمندر (کی طرح تیز رفتار) پایا ہے۔

(۱۶۰۹) كَانَ فَزَعٌ بِالْمَدِينَةِ فَاسْتَعَارَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَرَسًا لَنَا يُقَالُ لَهُ مَمْدُوبٌ فَقَالَ مَا رَأَيْنَا مِنْ فَزَعٍ وَإِنْ وَجَدْنَاهُ لَبَحْرًا.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: مدینہ منورہ میں خطرے کا اندیشہ ہوا تو نبی اکرم ﷺ نے ہمارا ایک گھوڑا عارضی طور پر لیا جس کا نام مندوب تھا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہم نے تو خطرے کی کوئی بات نہیں دیکھی اور ہم نے اس (گھوڑے کو) سمندر کی طرح پایا ہے۔

(۱۶۱۰) كَانَ النَّبِيُّ ﷺ مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ وَأَجْوَدِ النَّاسِ وَأَشَجَّ النَّاسِ قَالَ وَقَدْ فَزَعَ أَهْلَ الْمَدِينَةِ لَيْلَةً سَمِعُوا صَوْتًا قَالَ فَتَلَقَّاهُمُ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى فَرَسٍ لِأَبِي طَلْحَةَ عُرِيٍّ وَهُوَ مُتَقَلِّدٌ سَيْفَهُ فَقَالَ لَمْ تَرَا عُوا لَمْ تَرَا عُوا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ وَجَدْتُهُ بَحْرًا يَعْنِي الْفَرَسَ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ سب سے زیادہ خوبصورت تھے سب سے زیادہ سخی تھے سب سے زیادہ بہادر تھے ایک مرتبہ رات کے وقت اہل مدینہ نے ایک آواز سنی اور اس کی وجہ سے گھبراہٹ کا شکار ہو گئے تو نبی اکرم ﷺ حضرت ابوطحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر سوار ہو کر اس طرف گئے۔ اس گھوڑے کی پشت پر کچھ نہیں تھا (یعنی گھوڑے کی ننگی پشت پر سوار ہو کر گئے) نبی اکرم ﷺ نے اپنی تلوار لٹکائی ہوئی تھی (واپس آ کر آپ ﷺ نے) ارشاد فرمایا: تم لوگ گھبراؤ نہیں، تم لوگ گھبراؤ نہیں! پھر نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے اسے سمندر پایا ہے (یعنی گھوڑے کو)۔

تشریح: رات میں اگر گھبرا دینے والی کوئی بات پیش آئے تو فوراً سب کو باہر نکلنا چاہئے، گھر میں چھپ کر نہیں بیٹھنا چاہئے، ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں رات کے وقت کچھ شور سنائی دیا سب صحابہ گھروں سے نکل آئے اور شور کی جانب چل پڑے، لوگوں نے دیکھا کہ نبی ﷺ ادھر سے واپس آ رہے ہیں یعنی آپ ﷺ سب سے پہلے نکلے اور حضرت ابوطحہ رضی اللہ عنہ کے آگن میں گھوڑا بندھا ہوا تھا جس کا نام ”مندوب“ تھا آپ ﷺ نے وہ گھوڑا اھولا اور ننگی پیٹھ پر بیٹھ کر دور تک دیکھنے چلے گئے، آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: گھبراؤ نہیں، میں دور تک دیکھ آیا ہوں، خطرے کی کوئی بات نہیں“ پھر آپ ﷺ نے فرمایا، یہ گھوڑا سمندر ہے یعنی بڑا سبک رفتار، تیز رو ہے۔

مندوب: ندب سے ہے، ندب کے معنی ہیں: میت پر رونا یا بلانا، کسی کام کی دعوت دینا، اس گھوڑے کا نام یا تو اس لئے ہوگا کہ وہ گھوڑا است رفتار ہوگا جس پر سواری کرنے والا روتا ہوگا، نبی ﷺ کی برکت سے وہ تیز ہو گیا، آپ ﷺ نے فرمایا: کون کہتا ہے: یہ ست رفتار ہے، یہ تو سمندر ہے یا وہ سبک رفتار تیز و مشہور ہوگا اور لوگوں کو سواری کرنے کی دعوت دیتا ہوگا نبی ﷺ نے تجربہ کے بعد اس شہرت کی تائید فرمائی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الثَّبَاتِ عِنْدَ الْقِتَالِ

باب ۱۵: جنگ کے وقت ثابت قدمی اختیار کرنا

(۱۶۱۱) قَالَ لَنَا رَجُلٌ أَفْرَرْتُمْ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ يَا أَبَا عَمَّارَةَ قَالَ لَا وَاللَّهِ مَا وَلَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَلَكِنْ وَلَّى

سَرَّ عَانَ النَّاسِ تَلَقَّوْهُمْ هَؤُلَاءِ بِالتَّبْلِ وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى بَعْلَتِهِ وَأَبُو سُفْيَانَ بْنُ الْحَارِثِ ابْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ
أَخْبَدُ بِلَجَائِمِهَا وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبَ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ.

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بات منقول ہے ایک شخص نے ان سے دریافت کیا۔ اے ابوعمارہ! کیا آپ لوگ نبی اکرم ﷺ کو چھوڑ کر فرار ہو گئے تھے؟ تو انہوں نے جواب دیا۔ نہیں اللہ کی قسم! نبی اکرم ﷺ نے پیٹھ نہیں پھیری تھی بلکہ کچھ جلد باز لوگوں نے پیٹھ پھیر لی تھی جب ہوازن نے ان پر تیر اندازی کی تھی، نبی اکرم ﷺ اپنے خچر پر سوار تھے ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے اس کی لگام تھامی ہوئی تھی اور نبی اکرم ﷺ یہ کہہ رہے تھے۔ میں نبی ہوں، اس میں کوئی جھوٹ نہیں ہے، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

(۱۶۱۲) لَقَدْ رَأَيْنَا يَوْمَ حُنَيْنٍ وَإِنَّ الْفَتْحَيْنِ لَمَوْلِيَّتَانِ وَمَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مِائَةُ رَجُلٍ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: مجھے غزوہ حنین کے بارے میں اچھی طرح یاد ہے اس وقت دو گروہ تھے جو پیٹھ پھیر کر بھاگے تھے اور اس وقت نبی اکرم ﷺ کے ساتھ صرف ۱۰۰ افراد رہ گئے تھے۔

تشریح: جنگ میں ثابت قدم رہنا اور ڈٹ کر دشمن کا مقابلہ کرنا ضروری ہے بھاگنا حرام ہے اس لیے کہ اللہ کا دین اسی وقت سر بلند ہوگا جب مسلمانوں میں ثابت قدمی کا جوہر موجود ہو وہ صبر و ہمت کے ساتھ جنگ کی سختیاں جھیلیں اگر یہ عادت پڑ جائے کہ لوگ خطرہ کی بو محسوس کرتے ہی بھاگ کھڑے ہوں تو مقصد فوت ہو جائے گا بلکہ نوبت کبھی رسوائی تک پہنچ جائے گی اس لیے جب کافروں سے دو بدو مقابلہ ہو تو بھاگنا حرام ہے علاوہ ازیں مقابلہ سے بھاگنا نامردی اور کمزوری کی علامت ہے جو بدترین اخلاق میں سے ہے مسلمانوں کو اس سے پاک ہونا چاہیے۔

یہ حنین کے متعلق سوال و جواب ہیں جیسا کہ بخاری میں تصریح ہے اتولیت یوم حنین تاریخ ابن خلدون وغیرہ میں اس غزوہ کی منظر کشی ہے۔

غزوہ حنین میں نبی ﷺ کے ساتھ بارہ ہزار کا لشکر تھا جب لشکر اسلام وادی حنین میں پہنچا اور جنگ شروع ہوئی تو فوج کے دو بازو میمنہ اور میسرہ بے ترتیب آگے بڑھ گئے ہوازن و ثقیف کے تیر انداز کمین گاہوں میں چھپے بیٹھے تھے انہوں نے اچانک تیر برسائے شروع کر دیئے جس کی وجہ سے دونوں بازو سرا سیمہ ہو کر بھاگے اور ان کو دیکھا دیکھی دوسرے بھی بھاگے مگر نبی ﷺ اور چند جاں نثار صحابہ رضی اللہ عنہم میدان میں ڈٹے رہے اس وقت آپ ﷺ نے پکار کر فرمایا: انا النبی ﷺ لا کذب انا ابن عبدالمطلب یعنی میں سچا نبی ہوں اور اللہ نے مجھ سے جو فتح و نصرت کا وعدہ کیا ہے وہ برحق ہے اس میں جھوٹ کا شائبہ تک نہیں میں عبدالمطلب کی اولاد ہوں عبدالمطلب کا حوالہ اس لیے دیا کہ عرب میں مشہور تھا کہ عبدالمطلب کی اولاد میں بڑا آدمی پیدا ہوگا آپ ﷺ نے فرمایا وہ میں ہی ہوں پھر آپ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ مہاجرین و انصار کو آواز دو حضرت عباس رضی اللہ عنہ جہری الصوت تھے دس میل تک ان کی آواز سنائی دیتی تھی جب ان کی آواز کانوں میں پڑی تو لوگ یکدم پلٹ گئے اور پروانے شمع نبوت کے گرد جمع ہو گئے حضرت براء رضی اللہ عنہ نے یہی فرمایا ہے کہ نبی ﷺ میدان میں ڈٹے رہے اور سردار جب تک میدان میں ڈٹا ہوا ہو بھاگنا نہیں کہتے

اگرچہ لوگ منتشر ہو جائیں اسی طرح فوج تھوڑی دیر کے لیے منتشر ہو جائے تو اسے بھی عرف میں بھاگنا نہیں کہتے بھاگنا یہ ہے کہ لشکر ی ایسے جائیں جیسے گدھے کے سر سے سینک گئے یہ صورت حال حنین میں پیش نہیں آئی تھی۔

سوال: کہ آنحضور ﷺ تو شعر نہیں جانتے تھے پھر آپ ﷺ نے ایسا منظوم کلام فی البدیہہ کیسے بنایا؟

اس کے متعدد جواب دیئے گئے ہیں سب سے بہتر جواب یہ ہے کہ شعر میں نیت و ارادہ اور سوچ و بچار کی ضرورت ہوتی ہے جب کہ یہ ارشاد آپ ﷺ کی زبان مبارک پر بغیر قصد شعر کے جاری ہو۔

قوله: احسن الناس ای خلقاً و خلقاً و صورة و سيرة و نسباً و حسباً و معاشرۃ و مصاحبة.

بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّيْفِ وَحِلْيَتِهَا

باب ۱۶: تلواروں کا بیان اور ان کی آرائش و زیبائش

(۱۶۱۳) دَخَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَوْمَ الْفَتْحِ وَعَلَى سَيْفِهِ ذَهَبٌ وَفِضَّةٌ قَالَ طَالِبٌ فَسَأَلْتُهُ عَنِ الْفِضَّةِ فَقَالَ كَانَتْ قَبِيْعَةَ السَّيْفِ فِضَّةً.

ترجمہ: حضرت مزیدہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ فتح مکہ کے سال جب (مکہ میں) داخل ہوئے تو آپ ﷺ کی تلوار پر سونا اور چاندی لگا ہوا تھا۔

طالب نامی راوی بیان کرتے ہیں۔ میں نے اپنے استاد سے چاندی کے بارے میں دریافت کیا، تو انہوں نے بتایا۔ اس تلوار کا قبضہ چاندی کا تھا۔

(۱۶۱۴) قَالَ كَانَتْ قَبِيْعَةُ سَيْفِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مِنْ فِضَّةٍ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ کی تلوار مبارک کا قبضہ چاندی سے بنا ہوا تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الدَّرْعِ

باب ۱۷: زرہ کا بیان

(۱۶۱۵) كَانَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ دُرْعَانِ يَوْمَ أُحُدٍ فَهَضَّ إِلَى الصَّخْرَةِ فَلَمْ يَسْتَطِعْ فَأَقْعَدَ طَلْحَةَ تَحْتَهُ فَصَعِدَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَيْهِ حَتَّى اسْتَوَى عَلَى الصَّخْرَةِ فَقَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: أَوْجَبَ طَلْحَةُ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے دوزر ہیں پہنی ہوئی تھیں یہ غزوہ احد کے دن کی بات ہے آپ ایک چٹان پر چڑھنے لگے، لیکن آپ چڑھ نہیں سکے، تو آپ نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو نیچے بٹھایا پھر نبی اکرم ﷺ اس پر چڑھ گئے جب آپ چٹان پر پہنچ گئے، تو راوی بیان کرتے ہیں۔ میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد

فرماتے ہوئے سنا: طلحہ نے (اپنے لئے جنت) واجب کر لی ہے۔

تشریح: ورع: کے معنی ہیں لوہے کا جالی دار کرتا جس کو فارسی میں زرہ اور اردو میں بکتر کہتے ہیں نبی ﷺ نے جنگ احد میں دو زرہیں زیب تن فرمائی تھیں آپ ﷺ نے ایک چٹان پر چڑھنا چاہا مگر نہ چڑھ سکے کیونکہ چٹان بہت اونچی تھی اور بدن پر زرہوں کا بوجھ تھا چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو نیچے بٹھایا اور آپ ﷺ چڑھے یہاں تک کہ چٹان پر پہنچ گئے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے جنت واجب کر لی۔

﴿حُذُوا إِحْدَ رِكْعَةٍ﴾ (النساء: ۷۱) اور اس آیت ﴿وَإِعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ﴾ (الانفال: ۲۰) پر عمل و مبالغہ دراصل عمل کے پیش نظر تھا جس سے یہ بتلانا ملحوظ یا مقصود تھا کہ جہاد کے اسباب میں مبالغہ توکل کے منافی نہیں ہے قولہ فنهض الى الصخرة یعنی نبی کریم ﷺ نے ایک چٹان پر چڑھنے کا قصد کیا تا کہ کفار کا جائزہ اور میدان جنگ کا اندازہ کر سکیں اور یہ کہ اہل ایمان آپ ﷺ کو دیکھ کر جھوٹی افواہ جو آپ ﷺ کی موت سے متعلق شیطان کی صدا سے پھیل گئی تھی کی زد میں نہ آئیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَغْفَرِ

باب ۱۸: خود (لوہے کی ٹوپی) کا بیان

(۱۶۱۶) دَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ عَامَ الْفَتْحِ وَعَلَى رَأْسِهِ الْبَغْفَرُ فَقِيلَ لَهُ ابْنُ خَطْلٍ مُتَعَلِّقٌ بِأَسْتَارِ الْكَعْبَةِ فَقَالَ أَقْتُلُوهُ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ فتح مکہ کے سال جب نبی اکرم ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو آپ نے سر مبارک پر خود پہنا ہوا تھا آپ کی خدمت میں عرض کی گئی۔ ابن خطل خانہ کعبہ کے پردوں کے پیچھے چھپا ہوا ہے، تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اسے قتل کر دو۔

تشریح: مغفر کے معنی ہیں لوہے کی ٹوپی جس کو جنگ میں پہنتے ہیں فارسی اور اردو میں اس کو خود کہتے ہیں جب نبی ﷺ فتح مکہ کے سال مکہ میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے خود پہن رکھا تھا آپ ﷺ نے سب اہل مکہ کو امان دیدیا تھا مگر بارہ آدمیوں کو مستثنیٰ کیا تھا ان میں سے ایک ملعون ابن خطل بھی تھا آپ ﷺ کو اطلاع دی گئی کہ ابن خطل کعبہ کے پردوں سے چمٹا ہوا ہے (پس وہاں اس کو قتل کریں یا نہ کریں؟) آپ ﷺ نے فرمایا اس کو قتل کر دو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْخَيْلِ

باب ۱۹: گھوڑوں کی فضیلت کا بیان

(۱۶۱۷) الْخَيْلُ مَعْقُودَةٌ فِي نَوَاصِي الْخَيْلِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ الْأَجْرُ وَالْمَغْنَمُ.

ترجمہ: حضرت عروہ باری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ قیامت تک کے لئے گھوڑوں کی پیشانی میں

بھلائی رکھ دی گئی ہے اجر اور غنیمت (کی شکل میں)۔

یہ حدیث ابھی ابواب فضائل الجہاد میں گزری ہے

قوله الى يوم القيامة: امام احمد رحمہ اللہ نے اس سے یہ مسئلہ مستنبط فرمایا کہ جہاد قیامت تک ہر امام کے زیر کمان وزیر فرمان جاری رہے گا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ قیامت تک سب آئمہ عادل تو نہیں ہو سکتے لہذا جابر و ظالم کی ماتحتی میں جہاد کرنا ثابت ہوا بلکہ اگر وہ حکم دے تو لازم ہوگا۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی یہ حکم اخذ کیا ہے اور شرح عقائد وغیرہ میں بھی ہے۔

بَابُ مَا يُسْتَحَبُّ مِنَ الْخَيْلِ

باب ۲۰: کون سا گھوڑا پسندیدہ ہے؟

(۱۶۱۸) يُمْنُ الْخَيْلِ فِي الشَّقْرِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: سرخ رنگ کے گھوڑوں میں برکت ہے۔

(۱۶۱۹) خَيْرُ الْخَيْلِ الَّتِي لَهَا الْفَرْحُ الْاَزْهَمُ ثُمَّ الْاَفْرَحُ الْمَحْجَلُ طَلُقَ الْيَمِينِ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ اَذْهَمَ فَكَمِيَتْ عَلَى هَذِهِ الشَّيْءِ.

ترجمہ: حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: سب سے بہترین گھوڑے وہ ہیں جو سیاہ رنگ کے ہوتے ہیں اور ان کی پیشانی اور ناک کے قریب تھوڑی سی سفیدی ہوتی ہے اس کے بعد وہ گھوڑے ہیں جن کے دونوں ہاتھ دونوں پاؤں اور پیشانی سفید ہوتے ہیں، صرف دایاں ہاتھ سفید نہیں ہوتا اور اگر کالے رنگ والا گھوڑا نہ ہو، تو اپنی صفات کا حامل سیاہی مائل سرخ گھوڑا (بہتر ہوتا ہے)۔

تشریح: ادھم سیاہ گھوڑے کو کہتے ہیں اور کمیت اس گھوڑے کو کہتے ہیں جس کا رنگ سرخ سیاہی مائل ہو یعنی براؤن رنگ کا ہو پھر دونوں کے دو درجے ہیں: ① وہ سیاہ جس کی پیشانی اور ہونٹ سفید ہوں اس کا پہلا نمبر ہے۔ ② وہ سیاہ جس کی پیشانی اور تین پاؤں سفید ہوں مگر اگلا دایاں پاؤں سفید نہ ہو اس کا دوسرا نمبر ہے۔ ③ وہ گھوڑا جس کا رنگ سرخ سیاہی مائل ہو اور اس کی پیشانی اور ہونٹ سفید ہوں اس کا تیسرا نمبر ہے ④ وہ گھوڑا جس کا رنگ براؤن ہو اور پیشانی اور تین پاؤں سفید ہوں مگر اگلا دایاں پاؤں سفید نہ ہو اس کا چوتھا نمبر ہے۔

بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ الْخَيْلِ

باب ۲۱: ناپسندیدہ گھوڑے

(۱۶۲۰) اَنَّهُ كَرِهَ الشَّكَّالَ مِنَ الْخَيْلِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے بارے میں یہ بات نقل کرتے ہیں۔ آپ ﷺ اس گھوڑے کو پسند نہیں کرتے

تھے جس کے دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں پر سفید نشان ہو یا دائیں پاؤں اور بائیں ہاتھ پر نشان ہو۔
تشریح: شکل کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں کما فی الحاشیہ جمہور کی رائے یہ ہے کہ جس کی تین ٹانگیں سفید اور ایک رنگ کی ہوں دوسری تفسیر اس کے بالکل برعکس ہے یعنی ایک ہی نقطہ سفید ہو جبکہ تیسری تفسیر یہ ہے کہ اس کا ایک ہاتھ اور دوسری جانب کا پاؤں سفید ہو باقی دونوں مخالف سمتوں سے سیاہ ہوں۔ تجربہ سے ایسے گھوڑے کا برا ہونا ثابت ہے بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگر شکل کی پیشانی سفید ہو تو پھر کراہیہ ختم ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّهَانِ

باب ۲۲: گھڑ دوڑ کا بیان

(۱۶۲۱) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَجْرَى الْمُضَمَّرَ مِنَ الْحَيْلِ مِنَ الْحَفِيَاءِ إِلَى ثَنِيَّةِ الْوِدَاعِ وَبَيْنَهُمَا سِتَّةُ أَمْيَالٍ وَمَا لَمْ يُضَمَّرَ مِنَ الْحَيْلِ مِنَ ثَنِيَّةِ الْوِدَاعِ إِلَى مَسْجِدِ بَنِي زُرَيْقٍ وَبَيْنَهُمَا مِثْلٌ وَكُنْتُ فِيهِمْ أَجْرَى فَوَثَبَ بِي فَرَسِي جَدَارًا.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے تربیت یافتہ گھوڑوں کی دوڑ کا مقابلہ کروایا تھا۔ جو حفیاء سے لے کر ثنیۃ الوداع تک تھا ان دونوں کے درمیان چھ میل کا فاصلہ ہے میں بھی ان لوگوں میں شامل تھا جنہوں نے اس میں حصہ لیا تھا اور میرا گھوڑا مجھے لے کر ایک دیوار پھلانگ گیا تھا۔

(۱۶۲۲) لَا سَبْقَ إِلَّا فِي نَصْلِ أَوْ خُفٍّ أَوْ حَافِرٍ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں۔ مقابلہ صرف تیر اندازی میں، اونٹوں کی دوڑ میں اور گھوڑوں کی دوڑ میں ہو سکتا ہے۔

تشریح: رہان کے معنی ہیں گھوڑ دوڑ کی بازی لگانا دوڑ میں جو انعام مقرر کیا جاتا ہے اس کو سبق کہتے ہیں گھوڑوں کی ریس کرانا جائز ہے خود حضور ﷺ گھوڑوں کی دوڑ کراتے تھے اور جیتنے والے کو انعام بھی دیتے تھے ہاں اگر ریس کے شرکاء باہم شرط لگائیں تو ناجائز ہے کیونکہ یہ قمار (سٹ) ہے۔

قوله المضم تضيير واضمار سے ہے چونکہ موٹا گھوڑا لڑائی میں زیادہ مفید ثابت نہیں ہو سکتا ہے اس لیے اسے لاغر بنایا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے اسے خوب کھلایا پلایا جاتا ہے۔ جب وہ اچھی طرح فربہ طاقتور بن جائے تب اس کا چارہ کم کر کے صرف بقدر قوت دیا جاتا ہے اور ایک بند کمرہ میں لا کر اس کو جلال و کپڑوں میں لپیٹ دیا جاتا ہے تاکہ خوب پسینہ نکلے اس طرح وہ لاغر ہو جاتا ہے اسی کو مضر کہتے ہیں قوله فوثن بفرسی جدار یعنی میرا گھوڑا سب سے پہلے ہدف تک پہنچنے کے ساتھ۔

تشریح: نصل کے معنی ہیں پیکاں یعنی برچھی یا بھالے وغیرہ کی انی، مراد تیر ہے اور خف (موزہ) سے مراد اونٹ ہیں اور حافر (کھر) سے مراد گھوڑا ہے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مقابلہ صرف تین چیزوں میں ہونا چاہیے تیر اندازی میں اونٹ دوڑانے میں

اور گھوڑے دوڑانے میں کیونکہ اس مقابلہ کا فائدہ ہے اس کے ذریعہ جہاد کی تیاری ہوتی ہے باقی چیزوں میں مقابلہ کرنا بے فائدہ ہے اور آج کل ٹینک چلانا، بندوق چلانا، راکٹ اور میزائل داغنا فائز اڑانا اور ان میں مقابلہ کرنا اسی حکم میں ہے وہ بھی جہاد میں کام آنے والی چیزیں ہیں۔

بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَنْ تُنْزَى الْخُمُرُ عَلَى الْخَيْلِ

باب ۲۳: گدھے کے ذریعے گھوڑی کی جفتی کروانا مکروہ ہے

(۱۶۲۳) قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَبْدًا مَأْمُورًا مَا اخْتَصَبَا دُونَ النَّاسِ بِشَيْءٍ إِلَّا بِثَلَاثِ أَمْرَيْنَا أَنْ تُسَبِّغَ الْوُضُوءَ وَأَنْ لَا تَأْكُلَ الصَّدَقَةَ وَأَنْ لَا تُنْزَى جِمَارًا أَعْلَى فَرَسٍ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ (اللہ تعالیٰ کے) احکامات کے پابند تھے آپ نے ہم لوگوں کو بطور خاص خصوصیت کے ساتھ صرف تین چیزیں بتائیں آپ نے ہمیں ہدایت کی کہ ہم اچھی طرح وضو کریں، اور ہم صدقے میں سے کچھ نہ کھائیں اور ہم گدھے کے ذریعے گھوڑی کی جفتی نہ کروائیں۔

اگر کسی کے پاس گھوڑی ہو تو اس سے گھوڑا پیدا کرنا چاہیے خیر پیدا نہیں کرنا چاہیے۔ (ابوداؤد: حدیث ۲۵۶۵) تشریح: شیعوں نے یہ پروپیگنڈا کیا تھا کہ نبی ﷺ نے اہل بیت کو کچھ خاص علوم دیئے ہیں جو دوسروں کو نہیں دیئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ایسی کوئی بات نہیں نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ﴾ (المائدہ: ۶۷) یعنی اے پیغمبر جو دین آپ ﷺ کی طرف اتار گیا ہے وہ لوگوں تک پہنچائیے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے دین کا کچھ حصہ اپنے خاندان کے لیے خاص کیا ہو پھر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سائل کا ذہن کارآمد باتوں کی طرف پھیرتے ہوئے فرمایا ہاں تین باتیں ہمیں خاص طور پر بتائی گئی ہیں ان میں سے پہلی اور تیسری تو آل رسول کے ساتھ خاص نہیں اور دوسری اگرچہ خاص ہے مگر اس کو ساری امت جانتی ہے پس وہ بھی خاص نہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اس قسم کے سوال کا یہی جواب مروی ہے کہ ہمارے پاس کوئی خاص تحریر نہیں پھر سائل کے ذہن کو پھیرتے ہوئے فرمایا تھا ہاں میرے پاس زکوٰۃ نامہ ہے جس میں زکوٰۃ کے نصاب کے علاوہ کچھ اور احکام بھی ہیں یہ روایت پہلے گزر چکی ہے۔ کذا ہذا

بَاب مَا جَاءَ فِي الْإِسْتِفْتَاكِ بِصَعَالِيكِ الْمُسْلِمِينَ

باب ۲۴: غریب مسلمانوں سے دعائے خیر کروانا

(۱۶۲۴) إِبْغُونِي ضَعْفَاءَ كُمْ فَإِنَّمَا تُرْزَقُونَ وَتُنْصَرُونَ بِضَعْفَاءِ كُمْ.

ترجمہ: حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔ مجھے اپنے، ظاہری طور پر کمتر حیثیت کے، لوگوں کے درمیان تلاش کرو کیونکہ کمزوروں کی وجہ سے ہی تم لوگوں کو رزق اور مدد ملتی ہیں۔

الاستفتاح: فتح طلب کرنا، کامیابی تلاش کرنا۔ صعالیک: صعلوک کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں، نادار نہایت غریب۔
حدیث کا پہلا جملہ ہے: ابغونی فی ضعفائکم: اس کے شروع میں ہمزہ وصلی ہے یا قطعی؟ دونوں احتمال ہیں، بغی الشئی
بغیۃ کے معنی ہیں: چاہنا، طلب کرنا۔ اور ابغاء الشئی: کے معنی ہیں: تلاش کرنا، طلب کرنے میں مدد دینا، یہ حدیث چھ کتابوں میں
ہے اور سب میں پہلا جملہ مختلف ہے (حدیث 2954) ابغوالی الضعفاء: میرے لئے کمزوروں کو تلاش کراؤ، نسائی (حدیث
3179) ابغونی الضعیف: کمزور کو طلب کرنے میں میری مدد کرو۔ مسند احمد (5: 198) ابغونی ضعفائکم سنن بیہقی
(۳۴۵: ۳)۔ ابغونی الضعفاء: مستدرک حاکم (۲: ۱۰۶) ابغونی فی الضعفاء ترمذی ابغونی فی ضعفائکم مجھے اپنے
کمزوروں میں تلاش کرو۔

نبی کریم ﷺ کا یہ فرمانا کہ مجھے اپنے کمزور لوگوں میں تلاش کرو باعتبار ظاہر و باطن دونوں کے صحیح ہے تاہم ظاہری معنی کا تعلق
آپ ﷺ کی حیات تک محدود تھا پس مطلب یہ ہوا کہ میرا اٹھنا بیٹھنا مساکین کے ساتھ ہے میں انہی کو پسند کرتا ہوں اگر مجھے ڈھونڈ
نا ہو تو میرے ملنے کی جگہ غریب و مسکین لوگوں کی مجالس ہیں چنانچہ آپ ﷺ جب گھر سے باہر ہوتے تو اکثر اصحاب صفہ کے ساتھ
مسجد میں جلوہ افروز ہوتے۔

نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد باطنی معنی ہی متعین ہیں یعنی تم اپنی نشست و برخاست مساکین کے ساتھ رکھو کیونکہ ان کا
قرب میرا قرب ہے اور ان کی رضا میری خوشنودی ہے۔

قوله فانما ترزقون.... الخ یہ ما قبل کے لیے تعلیل ہے یعنی ان بے کسوں کی وجہ سے اللہ عز وجل تمہاری مدد فرماتا ہے اور
تمہیں رزق دیتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جہاد کا حکم دیا اور اس کے لیے قوت و طاقت حاصل کرنے کا امر دیا مگر ساتھ ساتھ نصرت
و مدد کو ضعفاء کے ساتھ وابستہ فرمایا تاکہ لوگوں کو اپنی طاقت پر ناز نہ رہے اور یہ کہ اسباب تو محض ایک بہانہ ہے اصل فتح دینے والا تو
اللہ ہے تاہم اسباب اختیار کرنا جائز بلکہ مامور بہ ہے مگر ان اسباب میں موزوں ترین سبب تو وضع و عبادت اور اللہ کی بندگی ہے چونکہ غربا
میں یہ چیزیں زیادہ ہوتی ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْأَجْرِ اسِ عَلَى الْخَيْلِ

باب ۲۵: گھوڑوں کے گلے میں گھنٹیاں لٹکانا

(۱۶۲۵) لَا تَصْعَبِ الْمَلَائِكَةُ رُفْقَةً فِيهَا كَلْبٌ وَلَا جَرَسٌ.

توجہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں۔ فرشتے ان سواروں کے ساتھ نہیں چلتے جن کے ساتھ کتا
ہو یا گھنٹی موجود ہو۔

تشریح: یہ حدیث جہاد کے قافلہ کے ساتھ خاص ہے اس میں نبی ﷺ نے اس بات کی تاکید کی ہے کہ فوجیوں کو کتا ساتھ نہیں رکھنا
چاہیے نہ جانوروں کے گلوں میں گھنٹی ہونی چاہیے کیونکہ جب کتا بھونکے گا یا گھنٹی بجے گی تو دشمن کو فوج کی نقل و حرکت کی خبر ہو جائے گی

اور یہ بات جنگی مصلحت کے خلاف ہے اس لیے نبی ﷺ نے فوج کے قافلہ میں گھنٹی اور کتے کو ناپسند فرمایا اور یہ حکم جہاد کے قافلہ کے ساتھ خاص ہے عام قافلوں کے لیے یہ حکم نہیں بعض حضرات حدیث کو عام سمجھتے ہیں۔

یہ توجیہ ممانعت کی ایک زائد وجہ تو ہو سکتی ہے لیکن مستقل علت یہ نہیں ہے اصل وجہ جیسا کہ بعض روایات میں ہے الجرس مزامیر الشیطان اس کی شیطانی آواز ہے اور کلب کے ذکر سے یہی معنی متعین ہو جاتا ہے اسی طرح وفی الباب احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے چنانچہ ابوداؤد میں ہے: سمعت رسول الله ﷺ يقول لا تدخل الملائكة بیتا فیہ جرس۔

بَابُ مَنْ يُسْتَغْمَلُ عَلَى الْخَرْبِ؟

باب ۲۶: جنگ کا امیر کسے بنایا جائے؟

(۱۶۲۶) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَ جَيْشَيْنِ وَأَمَرَ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ وَعَلَى الْآخِرِ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ فَقَالَ إِذَا كَانَ الْقِتَالُ فَعَلِيٌّ قَالَ فَافْتَتَحَ عَلِيٌّ حِصْنًا فَأَخَذَ مِنْهُ جَارِيَةً فَكَتَبَ مَعِيَ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ يَشِي بِهِ فَقَدِمْتُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَرَأَ الْكِتَابَ فَتَغَيَّرَ لَوْنُهُ ثُمَّ قَالَ مَا تَرَى فِي رَجُلٍ يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيُحِبُّهُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ قَالَ قُلْتُ أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ غَضَبِ اللَّهِ وَغَضَبِ رَسُولِهِ وَإِنَّمَا أَنَا رَسُولُ فَسَكَّتْ.

ترجمہ: حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے دو لشکر روانہ کئے ان میں سے ایک کا امیر حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا اور دوسرے کا امیر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا اور ارشاد فرمایا۔ جب جنگ شروع ہو تو علی (دونوں لشکروں کے مشترکہ) امیر ہوں گے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ ضابطہ نکلا کہ جنگ کی ذمہ داری اس شخص کو سونپی چاہیے جو جنگ لڑانے کی زیادہ صلاحیت رکھتا ہے چونکہ یہ صلاحیت حضرت علی رضی اللہ عنہ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے زیادہ تھی اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا جب جنگ شروع ہو تو امیر علی رضی اللہ عنہ ہوں گے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی امارت ختم کیونکہ جنگ میں دو امیر مناسب نہیں دو امیر ہوں گے تو اختلاف ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْأَمَامِ

باب ۲۷: امیر المؤمنین کی ذمہ داری

(۱۶۲۷) أَلَا كُلكُمْ رَاعٍ وَكُلكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ فَأَلَا مِيرُ الدِّينِ عَلَى النَّاسِ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُمْ وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى بَيْتِ بَعْلِهَا وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْهُ وَالْعَبْدُ رَاعٍ عَلَى مَالِ سَيِّدِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُ أَلَا فَكُلكُمْ رَاعٍ وَكُلكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں۔ خبردار! تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور ہر شخص سے اس کی نگرانی کے بارے میں حساب لیا جائے گا۔ امیر لوگوں کا نگران ہے اور اس سے ان کے بارے میں حساب لیا جائے گا، عورت اپنے

شوہر کے گھر کی نگران ہے اور اس سے اس حوالے سے حساب لیا جائے گا، غلام اپنے آقا کے مال کا نگران ہے اور اس سے اس حوالے سے حساب لیا جائے گا خبردار! تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی نگرانی کے بارے میں حساب لیا جائے گا۔

تشریح: اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسانوں کو مختلف طبقات میں تقسیم فرمایا ہے اور یہ اس کی حکمت کا تقاضا ہے کیونکہ انسانی زندگی کے مختلف لوازمات ہیں جو مساوات کی صورت میں پورے نہیں ہو سکتے کسی کو مرد بنایا اور کسی کو عورت کسی کو امیر بنایا اور کسی کو فقیر پھر اس نظام کو ایک اور نظام کے سہارے کی ضرورت تھی تاکہ ہر انسانی مشینری کا ہر پرزہ اپنی جگہ صحیح کام آجائے اس حدیث میں اسی حکمت و فلسفہ کی طرف اشارہ ہے اگر باپ کو اولاد پر اور شوہر کو بیوی پر فوقیت نہ دی جاتی تو نظام فیل ہو جاتا اسی طرح اگر مرد کی غیر موجودگی میں بیوی خیانت کرنے لگے اور سید کے مال میں غلام خیانت کرے تو ایک دوسرے پر اعتماد ختم ہو جائے گا خاص کر ملکی سطح پر اگر امام عام نہ ہو یا اس کی تعمیل حکم نہ ہو تو سب کچھ تباہ ہو جائے گا۔ لہذا جب زیریں فریق کو اپنے کام کی وفاداری و امانت داری کا پابند بنایا گیا تو حکام بالا کو بھی اپنی رعایا کا خیال رکھنا چاہیے کہ وہ ان کے معاش و معاد کا پورا پورا حق ادا کریں ورنہ کوتاہی برتنے کے وہ خود ذمہ دار ہوں گے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي طَاعَةِ الْإِمَامِ

باب ۲۸: امیر المؤمنین کی فرمانبرداری

(۱۶۲۸) قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَخْطُبُ فِي حَجَّةِ الْوِدَاعِ وَعَلَيْهِ بُرْدٌ قَدْ التَّفَعَّ بِهِ مِنْ تَحْتِ ابْطِهِ قَالَتْ فَاَنَا أَنْظُرُ إِلَى عَضَلَةٍ عَضْدِهِ تَرْجُحُ سَمْعُهُ يَقُولُ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا اللَّهَ وَإِنِّ أَمْرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ مُجَدِّعٌ فَاسْمَعُوا لَهُ وَأَطِيعُوا مَا أَقَامَ لَكُمْ كِتَابَ اللَّهِ.

ترجمہ: سیدہ ام حصین احمسیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں۔ میں نے نبی اکرم ﷺ کو حجۃ الوداع کے دوران خطبہ دیتے ہوئے یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: اس وقت آپ نے چادر اوڑھی ہوئی تھی اور آپ نے اس کو اپنی بغل کے نیچے سے لپیٹا ہوا تھا وہ خاتون بیان کرتی ہیں۔ (میں آپ سے اتنے فاصلے پر تھی) کہ آپ کے بازو کے پٹھوں کی حرکت کو دیکھ سکتی تھی میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔

”اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو! اگرچہ تم پر کسی حبشی شخص کو حاکم بنایا جائے جس کا کان کٹا ہوا ہو، تو تم اس کی بھی اطاعت و فرمانبرداری کرو جب تک وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو تمہارے لئے قائم رکھے۔“

تشریح: امام کی اطاعت فرض ہے لوگ امام کی اطاعت نہیں کریں گے تو وہ حکومت کیسے چلائے گا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا آپ کی حکومت میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکومت میں فرق کیوں ہے؟ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکومت مثالی تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حکومت میں انتشار تھا) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رعیت میں تھا اور میری رعیت تو ہے یعنی ہم اپنے امیر کی پوری اطاعت کرتے تھے اور تم بات ہی نہیں مانتے پھر فرق ہوگا یا نہیں؟

اشکال: امام کے لیے تو حریت و قریشیت شرط ہے جیسا کہ حدیث آخر میں ہے الائمة من قریش اور یہ حدیث تقریباً چالیس صحابہ

کرام بنی النبیؐ سے مروی ہے اور عقائد نسفی میں ہے: ویکون من قریش ولا يجوز من غیرهم اس پر شرح عقائد میں مزید لکھا گیا ہے۔

حل: اس کے جواب میں محشی نے مجمع البحار سے دو توجیہ نقل کی ہیں۔

① قریشی ہونا شرط ہے مگر جب لوگ اپنے اختیار سے انتخاب کر سکیں جبکہ زبردستی اقتدار پر قبضہ کرنے والے کی اطاعت بھی لازمی ہے گو کہ وہ غیر قریشی ہو۔

② حدیث باب میں غلام کے امام ہونے کی تصریح تو نہیں حتیٰ کہ تعارض کا ایہام پیدا ہو بلکہ وہ امام کی طرف سے کسی ادارے کا نگران و مسئول بھی تو ہو سکتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ لَطَاعَةِ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ

باب ۲۹: اللہ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں

(۱۶۲۹) أَلَسَمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْبَرِّ الْمُسْلِمِ قِيَمًا أَحَبَّ وَكَرَاهًا مَالَهُ يُثْمَرُ بِمَعْصِيَةٍ فَإِنْ أَمَرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ عَلَيْهِ وَلَا طَاعَةَ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ بندہ مسلمان کو کوئی بات پسند ہو یا ناپسند ہو اطاعت و فرمانبرداری اس پر لازم ہے، جب تک اسے (اللہ تعالیٰ کی) کسی نافرمانی کا حکم نہ دیا جائے کیونکہ اس صورت میں اطاعت و فرمانبرداری اس پر لازم نہیں ہوگی۔

(۱۶۳۰) نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنِ التَّحْرِيشِ بَيْنَ الْبَهَائِمِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے جانوروں کی لڑائی کروانے سے منع کیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّحْرِيشِ بَيْنَ الْبَهَائِمِ وَالْوُسْمِ فِي الْوُجْهِ

جانور لڑانا اور چہرے پر نشان بنانا ممنوع ہے

(۱۶۳۱) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنِ التَّحْرِيشِ بَيْنَ الْبَهَائِمِ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَيُقَالُ هَذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ قُطْبَةَ.

ترجمہ: مجاہد بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے جانوروں کی لڑائی کروانے سے منع کیا ہے۔

(۱۶۳۲) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنِ الْوُسْمِ فِي الْوُجْهِ وَالضَّرْبِ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے چہرے پر داغ لگانے اور ضرب لگانے سے منع کیا ہے۔

تشریح: اس باب میں دو حدیثیں ہیں: پہلی حدیث میں جانوروں کو آپس میں لڑانے کی ممانعت ہے اور دوسری حدیث میں جانور کے چہرے پر گرم لوہے سے داغنے کی اور چہرے پر مارنے کی ممانعت ہے قدیم زمانہ سے یہ بری عادتیں چلی آرہی ہیں کہ جانوروں کو لڑاتے ہیں بکرے اور مینڈھے لڑاتے ہیں اس طرح جانوروں کو لڑانا جائز نہیں ہے اس سے جانوروں کو اذیت پہنچتی ہے وہ لہو لہان ہو جاتے ہیں اور اس میں کوئی دینی فائدہ نہیں ہوتا صرف سامان تفریح ہے بلکہ بعض تو شرط باندھتے ہیں جو قمار (سٹ) ہے اور حرام ہے اسی طرح علامت کے طور پر لوہا گرم کر کے جانور کے چہرے پر داغتے ہیں یہ بھی جائز نہیں اگر علامت بنانی ہے تو جسم کے کسی اور حصہ پر بنائی جائے اسی طرح جانور کے چہرے پر مارنا بھی جائز نہیں بعض مرتبہ اس سے آنکھ پھوٹ جاتی ہے پھر رونا پڑتا ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي حَدِّ بُلُوغِ الرَّجُلِ وَمَتَى يُفْرَضُ لَهُ

باب ۳۰: آدمی کی بلوغت کی حد، جب مال غنیمت میں اس کا حصہ مقرر ہوگا

(۱۶۳۳) عَرَضْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي جَيْشٍ وَأَنَا ابْنُ أَرْبَعِ عَشْرَةَ فَلَمْ يَقْبَلْنِي ثُمَّ عَرَضْتُ عَلَيْهِ مِنْ قَابِلٍ فِي جَيْشٍ وَأَنَا ابْنُ خَمْسِ عَشْرَةَ فَقَبَّلَنِي.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: مجھے ایک لشکر میں شرکت کے لئے نبی اکرم ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا اس وقت میری عمر چودہ سال تھی آپ ﷺ نے مجھے قبول نہیں کیا اس سے اگلے سال ایک لشکر میں شرکت کے لئے مجھے پیش کیا گیا میں اس وقت پندرہ سال کا تھا تو آپ نے مجھے قبول کر لیا۔

بَاب مَا جَاءَ فِي مَنْ يُسْتَشْهَدُ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ

قرضہ چھوڑ کر شہید ہونے والا

(۱۶۳۴) أَنَّهُ قَامَ بَيْنَهُمْ فَذَكَرَهُمْ أَنَّ الْجِهَادَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْإِيْمَانَ بِاللَّهِ أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَرَأَيْتَ إِنْ قُتِلْتُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُكَفَّرُ عَنِّي خَطَايَايَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ نَعَمْ إِنْ قُتِلْتَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ مُقْبِلٌ غَيْرُ مُدْبِرٍ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ كَيْفَ قُلْتَ قَالَ أَرَأَيْتَ إِنْ قُتِلْتُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَيْكَفَّرُ عَنِّي خَطَايَايَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ نَعَمْ وَأَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ مُقْبِلٌ غَيْرُ مُدْبِرٍ إِلَّا الدَّيْنَ فَإِنَّ جَيْرَئِيلَ قَالَ لِي ذَلِك.

ترجمہ: عبد اللہ بن ابی قتادہ رضی اللہ عنہ اپنے والد کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں۔ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے حوالے سے یہ حدیث سنائی ہے: ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ ہم لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے تھے آپ ﷺ نے لوگوں کے سامنے اس بات کا تذکرہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنا تمام اعمال میں سب سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے ایک شخص کھڑا ہوا اس نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ آپ کا کیا خیال ہے اگر مجھے اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کر دیا جائے، تو کیا میرے تمام گناہ معاف

ہو جائیں گے، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جی ہاں، اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کر دیا جائے، تم صبر کرنے والے ہو، اور ثواب کی امید رکھنے والے ہو، آگے بڑھنے والے ہو، پیٹھ پھیرنے والے نہ ہو، (تو تمہیں یہ اجر ملے گا) پھر نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا تم نے کیا کہا تھا؟ اس نے عرض کی۔ آپ کا کیا خیال ہے اگر مجھے اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کر دیا جائے، تو کیا میرے تمام گناہوں کو معاف کر دیا جائے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ ہاں اگر تم صبر کرنے والے ہو، ثواب کی امید رکھنے والے ہو، آگے بڑھنے والے ہو، پیٹھ پھیرنے والے نہ ہو (تو تمہیں یہ اجر ملے گا) البتہ قرضہ معاف نہیں ہوگا۔ کیونکہ جبریل نے مجھے یہ بات بتائی ہے۔

تشریح: قولہ وانت صابر.... الخ یعنی اگر تم ثابت قدمی سے لڑو اور جزع فزع نہ کرو اور ثواب ہی کی نیت کرو اور آگے بڑھتے رہو اور پیچھے ہٹنے والا نہ ہو تو ایسے میں تیرے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے پھر حضور ﷺ نے اس سے پوچھا تم نے کیسے کہا تھا؟ چونکہ اسی دوران حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو بتلادیا کہ دین شہادت سے معاف نہیں ہوتا تو آپ ﷺ نے اس سائل سے دوبارہ سوال دہرانے کو کہا تا کہ جواب میں الا الدین کا اضافہ اس پر فرمائیں۔ پھر دین سے تمام حقوق العباد مراد ہیں کیونکہ دائن کی طرح دیگر اہل حقوق جیسے مغضوب منہ اور مسروق منہ وغیرہا بھی مطالبہ کرنے میں برابر کے شریک ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي دَفْنِ الشَّهْدَاءِ

شہداء کو دفن کرنے کا بیان

(۱۶۳۵) شُكِيَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ الْجَرَاحَاتُ يَوْمَ أُحُدٍ فَقَالَ احْفَرُوا وَآوِسَعُوا وَآحْسِنُوا وَادْفِنُوا الْإِثْنَيْنِ وَالثَّلَاثَةَ فِي قَبْرِ وَاحِدٍ وَقَدِّمُوا أَكْثَرَهُمْ قُرْآنًا فَمَاتَ ابْنِي فَقَدِّمَ بَيْنَ يَدَيَّ رَجُلَيْنِ.

ترجمہ: حضرت ہشام بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ غزوہ احد کے موقع پر نبی اکرم ﷺ کو شہداء کے بارے میں بتایا گیا آپ ﷺ نے (کہ شہید ہونے والوں کے بارے میں) یہ ہدایت کی ان کی قبر کھودو، اس کو کشادہ رکھو اور اسے اچھی طرح صاف رکھو اور دو یا تین آدمیوں کو ایک قبر میں رکھو اور ان میں آگے اسے رکھو جو سب سے زیادہ قرآن پاک کا عالم ہو۔ راوی بیان کرتے ہیں۔ میرے والد کا انتقال ہو گیا تو نبی اکرم ﷺ نے انہیں، ان کے باقی دوستوں سے آگے رکھوایا تھا۔

قولہ وادفنوا الاثنین... الخ اس سے معلوم ہوا کہ عندا ضرورت ایک سے زائد مردے ایک ہی قبر میں دفنانا جائز ہے تاہم ابن العربی رحمہ اللہ عارضہ میں لکھتے ہیں کہ قحط سالی اور وباء کی وجہ سے اموات کو ایک ساتھ دفنانا جائز نہیں کیونکہ ان حالات میں عموماً زندہ لوگوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے لہذا ضرورت متحقق نہیں ہوتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَشْوَرَةِ

باب ۳۲: مشورے کا بیان

(۱۶۳۶) لَمَّا كَانَ يَوْمَ بَدْرٍ وَجِئَ بِالْأَسَاذِيِّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا تَقُولُونَ فِي هَؤُلَاءِ الْأَسَاذِيِّ وَذَكَرَ قِصَّةَ

فِي هَذَا الْحَدِيثِ طَوِيلَةٌ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ غزوہ بدر کے موقع پر جب قیدیوں کو لایا گیا تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم ان قیدیوں کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہو راوی بیان کرتے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے طویل قصہ کیا ہے۔
تشریح: مشورہ باہمی تجویز کو کہتے ہیں آنحضور ﷺ نے کئی موقعوں پر صحابہ کرام سے مشورہ لیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ (آل عمران: ۱۵۹) وقال تعالیٰ: ﴿وَأْمُرْهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾ (اشوری: ۳۸) گوکہ آنحضرت ﷺ کو کسی بھی کام کے نتیجہ پر پہنچنے کے لیے مشورہ کی ضرورت تو نہ تھی کہ ہر کام و انجام وحی کے ذریعہ معلوم ہو سکتا تھا تاہم مشورہ لینے میں کچھ اور حکمتیں بھی تھیں مثلاً آنے والی امت کے لیے تعلیم صحابہ کی تطبیب خاطر ان کے باہم تالیف علی الدین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام اجاگر کرنا۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا تَفَادَى جِيْفَةَ الْأَسِيرِ

باب ۳۳: قیدی کی لاش کا فدیہ نہ لیا جائے

(۱۶۳۷) إِنَّ الْمُشْرِكِينَ أَرَادُوا أَنْ يَشْتَرُوا جَسَدَ رَجُلٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ فَأَبَى النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَبِيعَهُمْ إِيَّاهُ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں۔ مشرکین نے یہ ارادہ کیا کہ وہ مشرکین سے تعلق رکھنے والے ایک شخص کی میت کو خرید لیں تو نبی اکرم ﷺ نے اسے فروخت کرنے سے انکار کر دیا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اس مسئلہ پر باب باندھا ہے باب طرح جیف المشرکین فی البئر ولا یؤخذ لہم ثمن کتاب الجہاد ص: ۴۵۲ ج: ۱ جیف جیفۃ کی جمع ہے جو سڑی ہوئی لاش کو کہتے ہیں تاہم یہاں مراد مطلق نعش اور میت ہے۔ قولہ جسد رجل ای میت اقوت المغتدی میں ہے کہ یہ نوفل بن عبداللہ بن المغیرہ من بنی مخزوم تھا یہ خندق پھلانگتا ہوا مر گیا تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْفَرَارِ مِنَ الزَّخْفِ

باب ۳۴: جہاد سے فرار اختیار کرنا

(۱۶۳۸) بَعَثَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي سَرِيَّةٍ فَخَاصَ النَّاسَ حَيْصَةً فَقَدِمْنَا الْمَدِينَةَ فَاخْتَبَيْنَاهَا وَقُلْنَا هَلَكْنَا ثُمَّ أَتَيْنَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ نَحْنُ الْفَرَارُونَ قَالَ بَلْ أَنْتُمُ الْعَكَارُونَ وَأَنَا فِئَتُكُمْ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے ہمیں ایک مہم پر بھیجا لیکن لوگ وہاں سے بھاگ گئے جب ہم مدینہ منورہ پہنچے تو ہم شرم سے چھپتے پھر رہے تھے اور ہم یہ سوچ رہے تھے کہ ہم ہلاکت کا شکار ہو گئے، جب ہم نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہم نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ ہم فرار ہو کر آئے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ نہیں! بلکہ تم دوبارہ پلٹ کر حملہ کرنے والے لوگ ہو، اور میں تمہارے ساتھ ہوں۔

بعض نسخوں میں اس باب کے ساتھ یہ ترجمہ بھی ہے: باب ماجاء في الفرار من الزحف قوله فخاص الناس حصية محشی نے طبریؒ سے نقل کیا ہے کہ اگر ناس سے مراد دشمن ہو تو پھر حصیہ کا مطلب حملہ کرنا ہے اور ترجمہ اس طرح ہوگا کہ دشمن نے ہم پر حملہ کر دیا جس کے نتیجہ میں ہمیں شکست ہوئی اور ہم مدینہ آگئے اور اگر ناس سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سریہ ہو تو حصیہ سے مراد میلان ہوگا یعنی ہم جنگ سے گریزاں ہو کر واپس مدینہ منورہ آگئے۔

قوله وانا فتكهم اس میں آیت مبارکہ کی طرف اشارہ ہے ﴿أَوْ مَتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِتْنَةٍ﴾ (الانفال: ۱۶) پھر اس آیت کے دو تین مطلب بیان کئے گئے ہیں ایک یہ کہ آدمی تنہا رہ جائے اور کافر دوسے زیادہ آجائیں تو ایسے وقت میں اپنے لشکر اور گروہ میں آکر مل جائے تو گناہ نہیں دوسری صورت یہ ہے کہ مسلمانوں کی تعداد کم ہو اور اس نیت سے بھاگ کر آئے کہ اپنے گروہ میں جا کر مسلمانوں کو جمع کر کے پھر لڑنے کے لیے آئیں گے تیسری صورت یہ ہے کہ لڑائی میں پینترہ بدلنے کے لیے بھاگ کر پلٹ کر حملہ کر دے یہ تمام صورتیں جائز ہیں۔

باب

باب ۳۵: شہید کو مقتل میں دفن کرنا

(۱۶۳۹) لَمَّا كَانَ يَوْمُ أَحَدٍ جَاءَتْ عَمَّتِي بِأَبِي لَيْثٍ دُفِنَتْ فِي مَقَابِرِ نَافَعٍ دَايٍ مُنَادِي رَسُولِ اللَّهِ ﷺ رُدُّوهُ الْقَتْلَى إِلَى مَضَاجِعِهِمْ.

توضیح: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ غزوہ احد کے موقع پر میری پھوپھی میرے والد کی میت کے پاس آئیں تاکہ انہیں ہمارے خاندانی قبرستان میں دفن کریں تو نبی اکرم ﷺ کے اعلان کرنے والے نے یہ اعلان کیا کہ مقتولین کو ان کی مخصوص جگہ پر واپس کر دو۔

تشریح: قوله جاءت عمتي ان کا نام فاطمہ بنت عمرو بن حزام الانصاری ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَلْقَى الْغَائِبِ إِذَا قَدِمَ

باب ۳۶: جب کوئی شخص باہر سے واپس آئے تو اس کا استقبال کرنا

(۱۶۴۰) لَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنْ تَبُوكَ خَرَجَ النَّاسُ يَتَلَقُّوهُ إِلَى ثِنْيَةِ الْوُدَاعِ قَالَ السَّاءِبُ فَخَرَجْتُ مَعَ النَّاسِ وَأَنَا غَلَامٌ.

توضیح: حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ جب نبی اکرم ﷺ غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے تو لوگ آپ ﷺ کا استقبال کرنے کے لئے ثنیۃ الوداع تک آئے حضرت سائب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ میں بھی لوگوں کے ساتھ نکلا میں اس وقت کس بچہ تھا۔

تشریح: بخاری کی روایت میں ہے: خرجت مع الصبیان قوله ثنیۃ الوداع۔ ثنیۃ ٹیلے کو کہتے ہیں اور پہاڑی راستہ کو بھی کہا جاتا ہے وداۃ اس کو اس لیے کہتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کسی کو اس سمت رخصت فرماتے تو یہاں تک اس کے ساتھ تشریف لے جا کر تودیع فرماتے ثنیۃ الوداع جبل سلع کے پاس مسجد نبوی سے شمال مشرق کی جانب تقریباً دس پندرہ منٹ پیدل کے فاصلے پر ہے اس موقع پر وہ مشہور اشعار بھی ہیں۔

طلع البلد علینا من ثنیۃ الوداع
وجب الشکر علینا ما دعا لله داع

ترجمہ: ”ہمارے اوپر چاند طلوع ہوا ثنیۃ الوداع کی گھاٹی سے۔ ہم پر شکر واجب ہو گیا جب تک کوئی اللہ کا پکارنے والا رہے گا۔“

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْفَيْ

باب ۷۳: مال فئی کا بیان

(۱۶۴۱) كَانَتْ أَمْوَالُ بَنِي النَّضِيرِ مِمَّا آفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مَا لَمْ يُؤْخَفِ الْمُسْلِمُونَ عَلَيْهِ بِخَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَكَانَتْ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ خَالِصًا وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَعْزِلُ نَفَقَةَ أَهْلِهِ سَنَةً ثُمَّ يَجْعَلُ مَا بَقِيَ فِي الْكُرَاعِ وَالسَّلَاحِ عِدَّةً فِي سَبِيلِ اللَّهِ.

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، بنو نضیر کے اموال وہ چیزیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو مال فے کے طور پر عطا کئے تھے یہ وہ چیزیں ہیں جن کے لئے مسلمانوں نے جنگ نہیں کی تھی، اپنے جانور نہیں دوڑائے تھے یہ صرف اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے لئے مخصوص تھے اس میں سے آپ اپنے گھروالوں کا سال بھر کا خرچ لیا کرتے تھے اور باقی مال کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کی تیاری کے لئے گھوڑوں اور ہتھیاروں وغیرہ پر خرچ کر دیا کرتے تھے۔



أَبْوَابُ اللَّبَاسِ

لباس کے احکام

پہلے چند اہم باتیں:

پہلی بات: لباس کے یہاں مغروف معنی یعنی کپڑا پہننا ہی مراد نہیں بلکہ پہناوا مراد ہے یعنی جو بھی چیز بدن سے لگا کر پہنی جائے وہ لباس ہے جو تا چپل اور انگوٹھی وغیرہ بھی لباس کے دائرہ میں آتے ہیں اور قرآن کریم نے تو زوجین کی ہم خوابی کو بھی ایک دوسرے کا لباس کہا ہے: ﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ (البقرہ: ۱۸۷) ”یعنی وہ تمہارا پہناوا ہیں اور تم ان کا پہناوا ہو“۔

دوسری بات: حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ محدث دہلوی قدس سرہ نے حجتہ اللہ البالغہ قسم اول بحث ہفتم باب اول میں فرمایا احادیث کی دو قسمیں کی ہیں:

پہلی قسم: وہ حدیثیں ہیں جن کا پیغام رسانی سے تعلق ہے یعنی جو حکم شرعی کے طور پر ارشاد فرمائی گئی ہیں۔

دوسری قسم: وہ حدیثیں ہیں جن کا پیغام رسانی سے تعلق نہیں بلکہ وہ دینی امور میں ایک رائے کے طور پر وارد ہوئی ہیں جیسے کھجوروں کا گابھا دینے کے معاملہ میں آپ ﷺ کے تین ارشادات اسی قبیل سے ہیں۔ اس دوسری قسم میں پانچ طرح کی روایات شامل ہیں۔

① علاج و معالجہ اور طب سے تعلق رکھنے والی روایات جو آگے ابواب الطب میں آرہی ہیں۔

② امور عادیہ یعنی وہ روایات جن میں آپ ﷺ کی عادات شریفہ کا ذکر آیا ہے یعنی آپ ﷺ نے وہ کام عبادت (حکم شرعی) کے طور پر نہیں کئے بلکہ آپ ﷺ کے زمانہ کا رائج طریقہ یہی تھا جیسے چمڑے کے دسترخوان پر کھانا لکڑی کے پیالہ میں پینا اور کھجور کے درخت کی چھال بھرے بستر پر سونا وغیرہ۔

③ عام مروجہ باتیں یعنی وہ روایات جن میں ایسی باتیں مذکور ہیں جیسی باتیں سبھی لوگ کیا کرتے ہیں جیسے حدیث ام زرع۔

④ ہنگامی ارشادات یعنی وہ روایات جن میں کوئی ایسی بات بیان کی گئی ہے جس کا تعلق وقت کی خاص مصلحت سے ہے وہ تمام امت کے لیے لازم نہیں جیسے دوران جنگ کوئی شعار مقرر کرنا۔

⑤ کوئی خاص حکم اور فیصلہ جس کا مدار گواہیوں اور قسموں پر ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں صرف قسم اول کی روایات کی شرح کی ہے قسم دوم کو نہیں لیا مگر حدیث کی کتابوں میں یہ فرق نہیں کیا گیا اور محدثین کے لیے یہ بات ممکن بھی نہیں ہے اس لیے کہ اب جو ابواب شروع ہو رہے ہیں ان کو پڑھتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ وہ سب احکام شرعیہ نہیں ہیں بلکہ کچھ آداب اسلامیہ بھی ہیں جیسے مردوں کے لیے سونا اور ریشم حرام ہیں یہ حکم شرعی ہے اور ایک چیل پہن کر چلنا ممنوع ہے کیونکہ یہ بے ڈھنگا پن ہے مگر یہ کوئی شرعی حکم نہیں۔

ادب: کی تعریف ما یحمد فعلہ ولا یذم تو کہ یعنی اگر وہ کام کیا جائے تو وہ واہ اور اگر نہ کیا جائے تو کوئی بات نہیں یعنی اگر وہ کام کیا جائے تو اس پر ثواب ملے گا اور نہ کیا جائے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔

بعنوان دیگر: فقہاء کرام رحمہم اللہ نے بھی سنتوں کی دو قسمیں کی ہیں: سنن ہدیٰ یعنی احکامات شرعیہ اور سنن زوائد یعنی زائد باتیں اور فقہ کی کتابوں میں عام طور پر سنن ہدیٰ کو لیا گیا ہے سنن زوائد کو چھوڑ دیا گیا ہے مگر محدثین کرام رحمہم اللہ کے لیے یہ امتیاز کرنا مشکل تھا اس لیے وہ ہر طرح کی حدیثیں لائے ہیں۔ اس لیے حدیثیں پڑھتے ہوئے آپ کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ کون سی باتیں سنن ہدیٰ کے قبیل کی ہیں اور کون سی باتیں سنن زوائد کے قبیل کی اول کو اپنا لازم اور ثانی پر عمل استحباب کے درجہ میں ہے۔

تیسری بات: لباس کے بارے میں شرعی اصول: تقویٰ کا لباس وہ لباس ہے جس میں جائز ناجائز امور کا خیال رکھا گیا ہو یہی پرہیزگاری کا لباس ہے۔ تقویٰ ایک باطنی چیز ہے اس کا نمونہ سامنے آئے تو اس کا پہنچانا آسان ہوتا ہے۔ لباس کے اندر شریعت نے بڑی لچک رکھی ہے اور امت کے لیے کوئی ایسا لباس لازم نہیں کیا کہ جس کی خلاف ورزی ناجائز اور حرام ہو اس کے بجائے اسلام نے لباس کے بارے میں کچھ اصول بتائے ہیں اور یہ بتا دیا کہ ان اصولوں کی پابندی کرتے ہوئے انسان جس قسم کا بھی لباس پہنے وہ شرعاً جائز اور مباح ہے وہ اصول یہ ہیں کہ مردوں کے لباس حریر کے نہ ہوں دوسرے یہ کہ وہ لباس ساتر ہو یعنی جسم کا جتنا حصہ عورت ہے اس لباس کے ذریعہ وہ حصہ صحیح طریقے پر چھپ جائے قرآن کریم میں فرمایا: ﴿أَنزَلْنَا عَلَيْكَ لِبَاسًا يُّوَارِي سُوءَاتِكَ وَيُزَكِّيكَ﴾ (الاعراف: ۲۶) اس آیت میں لباس کا اصل مقصد بتا دیا کہ وہ ساتر ہو اور لباس کا دوسرا مقصد یہ بتایا کہ وہ لباس انسان کے لیے زینت کا باعث ہو لہذا لباس کے ذریعہ زینت حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ ان اصولوں کے تحت ہو جو شریعت نے لباس کے بارے میں بتائے ہیں۔

تیسرا اصول: یہ ہے کہ مرد کا لباس عورتیں نہ پہنیں اور عورتوں کا لباس مرد نہ پہنیں یعنی لباس کے ذریعہ مرد عورت کی مشابہت اختیار نہ کریں اور عورتیں مردوں کی مشابہت اختیار نہ کریں۔

چوتھا اصول: یہ ہے کہ زیر جامہ ٹخنوں سے نیچے نہ ہو۔

پانچواں اصول: یہ ہے کہ اس کے ذریعہ تکبر کا اظہار کرنا مقصود نہ ہو اور اس کے اندر اسراف نہ ہو اور زیادہ قیمتی لباس اس لیے پہننا کہ اس کے ذریعہ لوگوں کی نظروں میں بڑا بن جائے یہ بھی ناجائز ہے۔

چھٹا اصول: یہ ہے کہ اس کے ذریعہ تشبیہ بالکفار نہ ہو تشبیہ بالکفار کا مطلب یہ ہے کہ قصد اور ارادہ کر کے ایسا لباس پہننا تاکہ میں ان جیسا نظر آؤں یہ بھی ناجائز اور حرام ہے۔

تشبہ اور مشابہت میں فرق: البتہ تشبہ اور مشابہت میں فرق ہے اس کو سمجھ لینا چاہیے تشبہ اسے کہتے ہیں کہ باقاعدہ قصد اور اختیار

سے آدمی دوسری ملت والے کے مشابہ بننے کی کوشش کرے تاکہ میں ان جیسا نظر آؤں یہ تو ناجائز اور حرام ہے اور دوسری چیز ہے مشابہت وہ یہ ہے کہ ان جیسا بننے کا قصد اور ارادہ تو نہیں تھا لیکن اس لباس کے ذریعہ بلا قصد ان کے ساتھ مشابہت ہو گئی یہ مشابہت حرام تو نہیں ہے البتہ مکروہ تنزیہی ہے اس لیے حتی الامکان مشابہت سے بھی بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

خلاصہ کلام: لباس کے چند مقاصد ہیں: ① لباس ساتر ہو ② لباس باعث زینت ہو ③ لباس میں مشابہت نہ ہو یعنی مرد اور عورت ایک دوسرے کا لباس نہ پہنیں ④ شلو اور تہبند کعبین سے نیچے نہ ہو ⑤ تکبر کا اظہار مقصود نہ ہو ⑥ تشبیہ بالکفار نہ ہو یعنی قصداً کفار والا لباس پہننا تاکہ میں ان جیسا نظر آؤں یہ ناجائز اور حرام ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحَرِيرِ وَالذَّهَبِ لِلرِّجَالِ

باب ۱: مردوں کے ریشمی کپڑے یا سونا پہننے کا حکم

(۱۶۴۲) حَرَّمَ لِبَاسُ الْحَرِيرِ وَالذَّهَبِ عَلَى ذُكُورِ أُمَّتِي وَأَجَلٌ لِأَنَّهُمْ.

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ ریشمی کپڑے کو پہننا اور سونے کو پہننا میری امت کے مردوں کے لئے حرام قرار دیا گیا ہے البتہ خواتین کے لئے اسے حلال قرار دیا گیا ہے۔

(۱۶۴۳) نَهَى نَبِيُّ اللَّهِ ﷺ عَنِ الْحَرِيرِ الْأَمْوَضِ أَصْبُعَيْنِ أَوْ ثَلَاثٍ أَوْ أَرْبَعٍ.

ترجمہ: سوید بن غفلہ بیان کرتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جابیہ کے مقام پر خطبہ دیتے ہوئے یہ بات بیان کی۔ نبی اکرم ﷺ نے ریشم پہننے سے منع کیا ہے البتہ دو انگلی یا تین انگلی یا چار انگلی کے برابر استعمال کیا جاسکتا ہے۔

تشریح: اس حدیث کے مطابق مردوں کے لیے ریشمی لباس اور سونے کا استعمال ناجائز اور حرام ہے تاہم بقدر چار انگشت کے ریشم کا استعمال کسی بھی کپڑے میں جائز ہے اگرچہ عرضا ہو جیسا کہ باب کی اگلی حدیث میں اس کی تصریح ہے۔ ابن العربی رحمہ اللہ نے عارضہ میں اس ممانعت کی تین وجوہات نقل کی ہیں:

① عورتوں سے مشابہت کی بناء پر حرام ہے۔ ② تکبر کی وجہ سے۔ ③ اسراف کی وجہ سے ممنوع ہے۔ صحیحین میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

قال رسول الله ﷺ: انما يلبس الحرير في الدنيا لا خلاق له في الآخرة.

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دنیا میں ریشم وہی پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔“

یہ روایت اگرچہ بظاہر عام ہے مگر باب کی حدیث نے عورتوں کو مستثنیٰ کر دیا ہے۔

بَاب مَا جَاءَ الرُّخْصَةَ فِي لُبْسِ الْحَرِيرِ فِي الْحَرْبِ

باب ۲: جنگ کے دوران ریشمی کپڑا پہننے کے اجازت

(۱۶۴۴) اَنَّ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ عَوْفٍ وَالزُّبَيْرَ بْنَ الْعَوَامِ شَكَّيَا الْقُبْلَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فِي غَزَاةٍ لَّهُمَا فَرَخَّصَ لَهُمَا فِي قَمِيصِ الْحَرِيرِ قَالَ وَرَأَيْتُهُ عَلَيْهِمَا.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضرت عبد الرحمن بن عوف اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک جنگ کے دوران، جو قمیص پڑ جانے کی شکایت کی تو نبی اکرم ﷺ نے ان دونوں حضرات کو ریشمی قمیص پہننے کی اجازت دی۔

(۱۶۴۵) قَدِمَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ فَأَتَيْتُهُ فَقَالَ مَنْ أَنْتَ فَقُلْتُ أَنَا وَقَدْ بَلَغَ عَمْرٍو قَالَ فَبَكِي وَقَالَ إِنَّكَ لَشَبِيهٌ بِسَعْدٍ وَأَنَّ سَعْدًا كَانَ مِنْ أَكْثَرِ النَّاسِ وَأَطْوَلَ وَإِنَّهُ بُعِثَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ جُبَّةً مِنْ دِيْبَاجٍ مَسْجُوجٍ فِيهَا الذَّهَبُ فَلَبِسَهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ فَقَامَ أَوْ قَعَدَ فَجَعَلَ النَّاسُ يَلْبِسُونَهَا فَقَالُوا أَمَارًا أَيْنَا كَالْيَوْمِ ثَوْبًا قَطْ فَقَالَ اتَّعَجِبُونَ مِنْ هَذِهِ لَمَّا دِئِلُ سَعْدٍ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِمَّا تَرَوْنَ.

ترجمہ: واقعہ بن عمرو بیان کرتے ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ تشریف لائے میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا انہوں نے دریافت کیا تم کون ہو؟ میں نے جواب دیا میں واقعہ بن عمرو ہوں راوی بیان کرتے ہیں، تو حضرت انس رضی اللہ عنہ رو پڑے اور فرمایا۔ تم حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے مشابہت رکھتے ہو، حضرت سعد رضی اللہ عنہ سب سے عظیم اور بلند مرتبہ شخصیت تھے ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ریشمی جبہ لایا گیا جس پر سونے کا کام ہوا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے اسے زیب تن کیا جب آپ ﷺ منبر پر تشریف لائے تو لوگ اسے چھو کر دیکھنے لگے اور بولے۔ ہم نے آج تک ایسا کپڑا نہیں دیکھا تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ کیا تم لوگوں کو یہ پسند آیا ہے، سعد کے جنت میں رومال اس سے زیادہ اچھے ہیں جسے تم دیکھ رہے ہو۔

تشریح: بضم القاف والمیم قمیص کی جمع ہے اس روایت سے استدلال کر کے امام شافعی رحمہ اللہ اور صاحبین نے جنگی ضرورت کے تحت مجاہد کے لیے خالص ریشمی لباس کو جائز قرار دیا ہے بلکہ ابن ماجہ شون نے تو حرب میں مستحب کہا ہے۔ پھر امام شافعی رحمہ اللہ دیگر ضروریات کی بنا پر بھی مردوں کے لیے خالص ریشمی لباس پہننا جائز مانتے ہیں جیسے خارش جوؤں یا کسی اور بیماری کی وجہ سے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک چونکہ ریشم اصلاً مردوں کے لیے حرام ہے البتہ جہاں ضرورت ہوگی وہاں جواز کا فتویٰ دیا جائے گا جیسا کہ الاشباہ والنظائر میں ابن نجیم نے العسر و عموہ البلوی کے قاعدے کے تحت جہاں بہت سے ایسے مسائل کا ذکر کیا ہے جو عند الحنفیہ آسانی پیدا کرنے کی غرض سے جائز قرار پائے ہیں۔

باب

باب: جنت میں ریشمی کپڑے

قولہ لمنادیل سعد.... الخ منديل کی جمع ہے وہ چھوٹا سا رومال جو ناک صاف کرنے یا اوساخ اور پسینہ خشک کرنے کی غرض سے ہاتھ میں رکھا جاتا ہے۔ چونکہ یہ سب سے زیادہ معمولی کپڑا ہوتا ہے اور کوئی قابل فخر قابل قدر اور قابل ذکر بھی نہیں سمجھا جاتا ہے اس لیے نبی کریم ﷺ نے اس کو بطور خاص ذکر فرمایا کہ جب جنتی رومال کا یہ حال ہے تو باقی لباس کا نہ پوچھو۔ اس روایت کے ذکر کرنے سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ رضی اللہ عنہ کا علو مقام ذکر کرنا مقصود تھا جیسا کہ ظاہر ہے۔

رومال کے بارے میں علماء کے اقوال متعدد ہیں کسی نے مباح اور کسی نے مکروہ اور بدعت قرار دیا ہے مگر ہدایہ نے تطبیق دے کر فیصلہ فرمایا ہے کہ اگر تکبر کی وجہ سے ہو تو مکروہ ہے اور اگر ضرورت کے پیش نظر ہو تو جائز ہے جیسا کہ چارزانو بیٹھنے کا حکم ہے کہ تکبر بیٹھنا منع ہے اور للحاجۃ جائز ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخَصَةِ فِي الثَّوْبِ الْأَحْمَرِ لِلرِّجَالِ

باب ۳: مردوں کے لیے سرخ کپڑا جائز ہے

(۱۶۳۶) قَالَ مَا رَأَيْتُ مِنْ ذِي لُحَّةٍ فِي حُلَّةٍ حُمْرَاءَ أَحْسَنَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَهُ شَعْرٌ يَضْرِبُ مَنْكِبَيْهِ بَعِيدٌ مَا بَيْنَ الْمَنْكَبَيْنِ لَمْ يَكُنْ بِالْقَصِيرِ وَلَا بِالطَّوِيلِ.

ترجمہ: حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ میں نے سرخ کپڑوں میں لمبے بالوں والے کسی بھی شخص کو نبی اکرم ﷺ سے زیادہ خوبصورت نہیں دیکھا آپ کے بال شانوں تک آتے تھے آپ کا سینہ چوڑا تھا آپ نہ چھوٹے قد کے مالک تھے نہ انتہائی طویل قد کے مالک تھے۔

(۱۶۳۷) تَهَانِي النَّبِيِّ ﷺ عَنِ النَّبَسِ الْقَسِيِّ وَالْمُعَصْفِرِ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے (مردوں کو) ریشمی کپڑے اور کم سے رنگے ہوئے کپڑے کو پہننے سے منع کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث سے سرخ رنگ کا جواز ثابت ہوتا ہے فقہاء کرام کے یہاں بھی مختلف قول ہیں شریعتی نے اس موضوع پر ایک رسالہ لکھا ہے جس میں آٹھ اقوال ذکر کئے ہیں ان میں سے ایک قول استحباب کا بھی ہے اور سرخ ٹوپی کی اجازت تو بالاتفاق مروی ہے۔ (شامی ۵: ۲۵۳)

خلاصہ یہ ہے کہ تیز سرخ رنگ مردوں کے لیے ناپسندیدہ ہے یعنی مکروہ تنزیہی ہے اور ہلکا سرخ رنگ اور سیاہی مائل سرخی یعنی

براؤن رنگ بغیر کراہت کے جائز ہے۔ اور نبی ﷺ کے لباس میں جو سرخ جوڑے کا ذکر آتا ہے حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ وہ یکن کا بنا ہوا خمرہ کپڑا تھا جس کی زمین سفید تھی اور اس میں سرخ دھاریاں تھیں اذان کے بیان میں (تحفۃ: ۵۱۳) حضرت سفیان رحمہ اللہ کا یہ قول آیا ہے جیسے آج کل لال رومال اوڑھے جاتے ہیں ان کی زمین سفید ہوتی ہے اور ان میں سرخ پھول ہوتے ہیں اور جس سرخ لباس پہننے والے کے سلام کا جواب آپ ﷺ نے نہیں دیا تھا وہ احمر قانی یعنی شوخ سرخ رنگ کا کپڑا پہنے ہوئے ہوگا اور ایسا رنگ بہر حال ناپسندیدہ ہے۔

فائدہ: مونڈھوں تک لنگی ہوئی زلفیں جھٹکہ لاتی ہیں اور کان کی لو سے بڑھی ہوئی زلفیں لمبہ کہلاتی ہیں اور کانوں تک زلفیں و فرکہ کہلاتی ہیں ان کو یاد رکھنے کا فارمولہ یہ ہے کہ حروف ہجاء کی ترتیب کے خلاف تینوں حالتیں ہیں جب آپ ﷺ زلفیں بنواتے تھے تو بال کانوں تک کٹواتے تھے یہ وفرہ ہیں پھر وہ بڑھ کر آدھی گردن تک پہنچ جاتے تھے یہ لمہ ہیں پھر جب بال بڑھتے تھے تو کندھوں کو چھوتے تھے یہ جمہ ہیں اس کے بعد آپ ﷺ پھر بال کٹوا لیتے تھے مگر اس حدیث میں یہ سب تفصیل مراد نہیں بلکہ مطلق زلفیں مراد ہیں۔ (یہ حدیث شائل کے بالکل شروع میں بھی ہے)

فائدہ: یہاں طلبہ ایک سوال پوچھتے ہیں کہ سر پر بال رکھنا سنت ہے یا منڈوانا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں سنت ہیں نبی ﷺ نے احرام کھولتے وقت سر منڈوایا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہمیشہ سر منڈواتے تھے اور نبی ﷺ اور صحابہ کا سروں پر بال رکھنا سنن عادیہ میں سے تھا سنن ہدی میں سے نہیں تھا کیونکہ آپ نے نہ بال رکھنے کی ترغیب دی ہے نہ سر منڈوانے کو ناپسند کیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْمُعَصْفَرِ لِلرِّجَالِ

مردوں کے لیے گیر وارنگ ناپسندیدہ ہے

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنْ لُبَيْسِ الْقَيْسِيِّ وَالْمُعَصْفَرِ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لُبَیْسِ الْقَیْسِیِّ کے رنگے ہوئے کپڑے اور ریشمی کپڑے پہننے سے منع فرمایا۔
قولہ المعصفر: وہ کپڑا جو عصفَر (بضم الاوّل والثالث) سے رنگا ہوا ہو عصفَر ایک سرخ پودا ہوتا ہے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ زرد رنگ کی بوٹی ہے پہلے مطلب کے مطابق یہ روایت حنفیہ کی دلیل ہے کہ سرخ رنگ کا استعمال مردوں کے لیے ممنوع ہے تاہم شافعیہ وغیرہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ نفی ایک مخصوص سرخ رنگ کی ہے جبکہ حلتہ الحمراء عام ہے لہذا دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے یہی رائے قاضی شوکانی رحمہ اللہ وغیرہ کی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي لُبْسِ الْفِرَاءِ

باب ۴: پوستان پہننا

(۱۶۴۸) سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنِ السَّيِّدِ وَالْجُبْنِ وَالْفِرَاءِ فَقَالَ اُلْحَالُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ وَالْحَرَامُ مَا

حَرَّمَ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ مِمَّا عَفَا عَنْهُ.

ترجمہ: حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ سے گھی، پنیر اور پوستین کے بارے میں دریافت کیا گیا، تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ وہ چیز حلال ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال قرار دیا ہے اور وہ حرام ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام قرار دیا ہے اور جس چیز کا حکم اللہ تعالیٰ نے بیان نہیں کیا یہ ان چیزوں سے تعلق رکھتی ہے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے درگزر کیا ہے۔

تشریح: قولہ وما سکت عنه فهو مما عفا عنه اس جملے سے استدلال کر کے بہت سے علماء نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔

کیا اصل اشیاء میں اباحت ہے؟

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ آیا اشیاء میں اصل اباحت ہے یا حظر؟ یعنی اگر شریعت میں کسی چیز کا حکم بیان نہ کیا گیا ہو تو اس کو جائز اور مباح کہا جائے گا یا پھر حرام؟ لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ ایسی کوئی چیز نہیں جس میں ازلی حکم نہ ہو لہذا یہاں حکم سے مراد ازلی حکم نہیں بلکہ وہ حکم ہے جو کسی فعل سے متعلق کر کے شریعت میں بیان کیا گیا ہو اور جو نہ بیان کیا گیا اسے مسکوت عنہ کہا جاتا ہے جیسا کہ باب کی حدیث میں ہے تو شافعیہ اور اکثر حنفیہ اسی طرح دیگر بہت سے علماء کے نزدیک اشیاء کے اندر اصل اباحت ہے جبکہ عند البعض اصل حظر ہے جیسا کہ مسلم الثبوت میں ہے۔

ایک تیسری رائے توقف کی ہے جیسا کہ الاشباہ والنظائر میں تیسرے قاعدہ الیقین لایزول بالشک ضمن میں بیان ہوئی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي جُلُودِ الْمَيْتَةِ إِذَا دُبِغَتْ

باب ۵: مردار کی کھال رنگنے سے پاک ہو جاتی ہے

(۱۶۳۹) مَا تَنَتَّ شَاةٌ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا تَزْعُمُوا جُلْدَهَا ثُمَّ دَبَّغْتُمُوهَا فَاسْتَمْتَعْتُمُوهَا.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں۔ ایک بکری مر گئی نبی اکرم ﷺ نے اس کے مالک سے فرمایا۔ تم نے اس کی کھال اتار کر اسے دباغت کر کے اسے استعمال کیوں نہیں کیا؟

(۱۶۵۰) أَيْمُنًا إِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهَّرَ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ جس چمڑے کی دباغت کر دی جائے وہ پاک ہو جاتا ہے۔

(۱۶۵۱) أَتَانَا كِتَابُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَنْ لَا تَنْتَفِعُوا مِنَ الْمَيْتَةِ بِإِهَابٍ وَلَا عَصَبٍ.

تَوْحِيحُهُمَا: حضرت عبداللہ بن عکیم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ ہمارے پاس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریر آئی کہ تم لوگ مردار کی کھال یا اس کے پٹھوں میں سے کسی چیز کو استعمال نہ کرو۔

فَائِدَةٌ: غیر ماکول اللحم جانور کو اگر بسم اللہ پڑھ کر شرعی طریقہ پر ذبح کر لیا جائے تو اس کا گوشت پاک ہو جاتا ہے اور کھال بھی البتہ وہ گوشت کھانا حرام ہے پس اگر وہ گوشت پانی میں گر جائے تو پانی ناپاک نہیں ہوگا اور اس کے ساتھ نماز پڑھی جائے تو نماز صحیح ہوگی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ جَزَائِزٍ

باب ۶: ٹخنوں سے نیچے تہبند رکھنا حرام ہے

(۱۶۵۲) لَا يَنْظُرُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَى مَنْ جَزَّ ثَوْبَهُ خِيَلًا.

تَوْحِيحُهُمَا: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اس بندے کی طرف قیامت کے دن نظر رحمت نہیں کرے گا جو تکبر کے طور پر اپنے کپڑے کو لٹکائے گا۔

تَشْرِيحُ: عربی میں ازار لنگی کو کہتے ہیں اور اردو میں پا جامہ کو اور مراد مطلق کپڑا ہے خواہ لنگی ہو، پا جامہ ہو، پتلون ہو، کرتا ہو، ٹوپی ہو یا پگڑی ہو کیونکہ حدیث میں عام لفظ ثوب آیا ہے ہر کپڑا معروف انداز پر پہننا چاہیے بھونڈے انداز پر نہیں پہننا چاہیے نہ لباس میں تکبر کو راہ ملنی چاہیے ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانا آدمی پنڈلی سے بھی نیچے کرتا پہننا اور بالشت بھر اونچی ٹوپی پہننا کبر کی علامت ہے اور ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ ایک امام نماز پڑھانے آیا اس کے عمامہ سے ساری محراب بھر گئی یہ بات تکبر سے ناشی ہے یا تکبر اس کا منشاء (پیدا ہونے کی جگہ) ہے یعنی پہلے سے اگر تکبر نہیں بھی ہوتا تو رفتہ رفتہ پیدا ہو جاتا ہے۔

تکبر کے کبیرہ ہونے پر اتفاق ہے بلکہ تکبر ام الامراض ہے اس پر بھی اتفاق ہے کہ لباس ٹخنوں سے نیچے لٹکانا ممنوع ہے تاہم عورتوں کے لیے لٹکانے کے جواز پر اتفاق ہے بلکہ اجماع ہے کہ فی الحاشیۃ عن مجمع مگر اس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ ممانعت علت تکبر کی بناء پر ہے یا عام ہے؟ تو شاہ صاحب عرف میں فرماتے ہیں کہ کتب حنفیہ میں ہے کہ نہیں مطلق عن قید الخیلاء ہے اور خیلاء کی قید اتفاقی ہے جبکہ شافعیہ کی کتابوں میں ہے کہ نہیں مقید ہے خیلاء کی قید کے ساتھ اور قید احترازی ہے۔ ان کے نزدیک تفصیل یہ ہے کہ نصف ساق تک مستحب ہے۔ جبکہ ٹخنوں تک مباح ہے اور ٹخنوں سے نیچے اگر تکبر ہو تو حرام ورنہ مکروہ تنزیہی ہے۔ یہ حضرات اس پر ایک تو باب کی حدیث میں وارد قید سے استدلال کرتے ہیں۔

دوم: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ ارشاد فرمایا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: احیاناً یسترخی شق ازاری اتعاهد ذالک منه قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لست ممن یصنعه خیلاء۔ مگر خود حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں لکھتے ہیں: فی هذه الاحادیث اسبال الازار للخیلاء کبیرۃ واما الاسبال لغير الخیلاء فظاهر الاحادیث تحریمہ ایضاً گو کہ وہ بھی تنقید کے قائل ہیں۔ لیکن وہ اس جانب اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ جن احادیث میں قید وارد ہوئی ہے یا پھر جن مواقع پر جز ثابت ہے تو وہ بعض احیان پر محمول ہے اور وہ احیان وہی تھے جب جز سے بچنے کے باوجود غیر شعوری طور ازار نیچے چلا گیا ہو مثلاً جلدی میں ازار باندھا گیا

وہ پوری طرح ملاحظہ نہ کر سکے جیسا کہ احیاناً۔

شیخ الحدیث مولانا زکریا رشتیؒ فرماتے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ تواضع کی حقیقت یہ ہے کہ اپنی پستی اور خواری اپنی نظر میں اس درجہ ہو کہ اپنی رفعت شان یا کسی منصب و جاہ کا وسوسہ تک بھی نہ ہو سر سے پاؤں تک اپنے آپ کو خوار و ذلیل دیکھے اور جس کا یہ حال ہوگا وہ کبھی دعویٰ کسی بات کا نہ کرے گا نہ تواضع کا اور نہ کسی صفت محمود کا اس لیے کہ دعویٰ جب کبھی ہوتا ہے وہ اپنی رفعت کے مشاہدہ سے ہوتا ہے۔ (شریعت و طریقت کا تلازم ص: ۲۲۳)

بَابُ مَا جَاءَ فِي ذِيُولِ النِّسَاءِ

باب ۷: عورتوں کے کرتے کہاں تک ہوں؟

(۱۶۵۳) مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خِيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللَّهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ فَكَيْفَ يَصْنَعْنَ النِّسَاءُ بِذِيُولِهِنَّ قَالَ يُزَخِّينَ شُبْرًا فَقَالَتْ إِذَا تَنَكَّشُفُ أَقْدَامُهُنَّ قَالَ فَيُزَخِّينَهُ ذِرَاعًا لَا يَزِدُّنَ عَلَيْهِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جو شخص تکبر کے طور پر اپنے کپڑے کو لٹکائے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر رحمت نہیں کرے گا، تو سیدہ ام سلمہؓ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ پھر خواتین اپنے دامن کے بارے میں کیا کریں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ وہ ایک باشت لٹکا کر رکھیں تو سیدہ ام سلمہؓ نے عرض کی پھر تو ان کے پاؤں ظاہر ہو جائیں گے، تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ ایک ہاتھ تک لٹکا سکتی ہیں، اس سے زیادہ نہ کریں۔

(۱۶۵۴) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ شَبَّرَ لِفَاطِمَةَ شُبْرًا مِنْ نِطَاقِهَا.

ترجمہ: سیدہ ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں، نبی اکرم ﷺ نے سیدہ فاطمہؓ کو، تہبند ایک باشت سے زیادہ (ٹخنوں سے نیچے) رکھنے کی اجازت دی تھی۔

تشریح: کساء بکسر الکاف وہ چادر جو بدن کے بالائی حصہ کو چھپانے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔

قولہ ملبد ا باب تفعیل کا اسم مفعول ہے تلبدید پیوند لگانے اور ٹکڑے لگانے کو بھی کہتے ہیں اور گوند وغیرہ سے چپکا کر منہ نہا کرنے کو بھی کہتے ہیں یہاں مراد معنی اول ہے پھر اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ مراد ایسی چادر ہو جس میں ٹکڑوں کی پیوند کاری کی گئی تھی دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ ٹکڑے ایک دوسرے کے اوپر لگائے گئے تھے تاکہ موٹی بنے۔

فائدہ: اس حدیث سے آسانی سے یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ دور نبوی ﷺ میں مردوں کے کرتے زمین سے ایک ہاتھ اونچے ہوتے تھے اس سے نیچا کرتا پہننا مردوں کے لیے زیبا نہیں اور آج کل عربوں میں جو کرتا رائج ہے اس کو مردوں کا کرتا کھامشکل ہے یہ تو عورتوں کا کرتا ہے اور جرثوب کے دائرہ میں آتا ہے۔

یہ حدیث ترمذی من الدنیا کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتی ہے کیونکہ اس وقت سردار دو جہاں ﷺ دنیا کے ہر بادشاہ سے زیادہ معزز و طاقتور تھے اگر وہ چاہتے تو ایک سے ایک اور اعلیٰ سے اعلیٰ ترین لباس زیب تن فرما سکتے تھے مگر دنیاوی متاع سے اعراض ان کا ایسا

اخلاق تھا جو امت کے لیے راہ آخرت کے سفر کی تیاری میں ہمہ وقت لگے رہنے کا درس تھا گو کہ آپ ﷺ نے عمدہ لباس بھی زیب تن فرمایا ہے مگر زیادہ تر معمولی کو معمول بنایا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي لُبْسِ الصُّوفِ

باب ۸: اونی لباس پہننا

(۱۶۵۵) أَخْرَجَتْ إِلَيْنَا عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا كِسَاءً مُلَبَّدًا وَآرَا غَلِيظًا فَقَالَتْ قُبِضَ رُوحُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي هَذَيْنِ.

ترجمہ: ابو بردہ بیان کرتے ہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ہمارے سامنے صوف (اون) کی موٹی چادر نکالی اور ایک موٹے کپڑے کا تہبند نکالا اور بتایا کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال ان دو کپڑوں میں ہوا تھا۔

(۱۶۵۶) كَانَ عَلَى مُوسَى يَوْمَ كَلَّمَهُ رَبُّهُ كِسَاءٌ صُوفٍ وَجُبَّةٌ صُوفٍ وَكُمَّةٌ صُوفٍ وَسَرَّاءُ وِلِّ صُوفٍ وَكَانَتْ نَعْلَاهُ مِنْ جِلْدٍ حَمِيرٍ مَمِيتٍ.

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے پروردگار سے کلام کرنے کے لئے گئے اس وقت انہوں نے اون کا لباس پہنا ہوا تھا اون کا جبہ تھا اون کی ٹوپی تھی اور اونی شلوار پہنی ہوئی تھی اور ان کے پاؤں میں جو، جوتے تھے وہ مردہ گدھے کی کھال کے بنے ہوئے تھے۔

قدیم زمانہ سے چمڑے اور اون کا لباس پہننے کا رواج چلا آ رہا ہے پہلے سوتی کپڑوں کا رواج زیادہ نہیں تھا نیز بے سلا لباس پہنا جاتا تھا یعنی چادر اوڑھی جاتی اور لنگی باندھی جاتی تھی اوڑھنے کی چادر کو کساء کہتے تھے یہ چادر عام طور پر اون کی ہوتی تھی اور لنگی کو ازار کہتے تھے یہ بھی اون کی ہوتی تھی سلعے ہوئے کپڑوں کا عام رواج نہیں تھا۔ آج بھی چمڑا اور اون لباس میں استعمال ہوتا ہے، مگر اب ان کی کو الٹی اعلیٰ ہو گئی ہے ادنیٰ لباس اعلیٰ لباس سمجھا جاتا ہے چمڑے کے کوٹ ٹوپی موزے اور صدری وغیرہ پہنتے ہیں اور طرح طرح کے اونی کپڑے تیار ہوتے ہیں جو سردیوں میں پہنے جاتے ہیں مگر در نبوی ﷺ میں اونی کپڑوں کا درجہ سوتی کپڑوں سے نیچے تھا بعد میں بھی ایک عرصہ تک ان کا درجہ نیچے رہا جب دنیا نے ترقی کر لی اور سب لوگ سوتی کپڑے پہنے لگ اس وقت اللہ کے نیک بندے صوف (اون) پہنتے تھے چنانچہ وہ صوفی کہلانے لگے اور ان کا طریقہ تصوف کہا جانے لگا قبل ازیں اس کے لیے زہد زہادہ اور احسان کے الفاظ استعمال کئے جاتے تھے اب ان کی جگہ تصوف اور صوفی نے لے لی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعِمَامَةِ السَّوْدَاءِ

باب ۹: سیاہ عمامے کا حکم

(۱۶۵۷) دَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ مَكَّةَ يَوْمَ الْفَتْحِ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءٌ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر نبی اکرم ﷺ جب مکہ میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے سیاہ

عمامہ باندھا ہوا تھا۔

تشریح: پگڑی کسی بھی رنگ کی باندھنا جائز ہے نبی ﷺ نے سیاہ پگڑی بھی باندھی ہے ہری بھی اور سفید بھی پس لال پگڑی تو مناسب نہیں باقی جس رنگ کی چاہے پگڑی باندھ سکتا ہے اور چونکہ جنتیوں کا لباس ہر اس لیے عام طور پر علماء ہری پگڑی کو پسند کرتے ہیں۔ عمامہ باندھنا سنت ہے اور انبیاء کرام اور سادات کی عادات میں سے ہے۔ عمامہ کی مقدار کیفیت اور شرعی حیثیت کے بارے میں کافی سارا اختلاف پایا جاتا ہے یہ اختلافات روایات میں اختلاف اور سندوں کے درجات کی وجہ سے ہے۔ گویا اس میں بہت گنجائش ہے چاہے چھوٹا ہو یا بڑا بشرطیکہ اس پر عرفاً عمامہ کا اطلاق ہو سکے ابن العربی رحمہ اللہ عارضہ میں لکھتے ہیں:

فالسنة ان تلبس القلنسوة والعمامة فاما لبس القلنسوة وحدها فهو زي المشرکین واما لبس العمامة على غير قلنسوة فهو لباس غير ثابت ولا نها تنحل ولا سيما عند الوضوء وبالقلنسوة تشتد. (وفيه ما فيه وسيأتي)

”سنت یہ ہے کہ ٹوپی اور عمامہ دونوں استعمال کرے صرف ٹوپی استعمال کرنا مشرکین کا لباس ہے اور ٹوپی کے بغیر صرف عمامہ باندھنا ایسا لباس ہے جو کہ ثابت نہیں اور ساتھ یہ بھی ہے کہ یوں جلدی کھل جاتا ہے اور خاص طور سے وضو کے وقت ٹوپی کے ساتھ مضبوط رہتا ہے۔“

بَابُ سَدَلِ الْعِمَامَةِ بَيْنَ الْكَتِفَيْنِ

باب ۱۰: عمامے کا شملہ دونوں کندھوں کے درمیان لٹکانا

(۱۶۵۸) كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا اعْتَمَّ سَدَلَ عِمَامَتَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ قَالَ نَافِعٌ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يُسَدِّلُ عِمَامَتَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ وَرَأَيْتُ الْقَاسِمَ وَسَالِمًا يَفْعَلَانِ ذَلِكَ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ جب عمامہ باندھتے تھے تو شملہ کو دونوں کندھوں کے درمیان لٹکایا کرتے تھے۔ **تشریح:** پگڑی بغیر شملہ کے باندھنا بھی درست ہے اور شملہ کے ساتھ بھی پھر ایک شملہ رکھنا بھی درست ہے اور دو بھی اور اس کی مقدار کم از کم ایک بالشت اور زیادہ سے زیادہ کمر تک ہونی چاہیے اس سے لبا شملہ جڑوٹب کے دائرہ میں آتا ہے اور شملہ دائیں جانب سے بھی اور بائیں جانب سے بھی سینہ پر ڈالا جاسکتا ہے پہلے روافض بائیں کندھے سے سینہ پر شملہ ڈالتے تھے مگر اب ان کا یہ شعار نہیں رہا اس لیے یہ بھی درست ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ خَاتَمِ الذَّهَبِ

باب ۱۱: سونے کی انگوٹھی پہننا حرام ہے

(۱۶۵۹) نَهَانِي النَّبِيُّ ﷺ عَنِ التَّخْتُمِ بِالذَّهَبِ وَعَنِ لِبَاسِ الْقِسِيِّ وَعَنِ الْقِرَاعَةِ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ وَعَنِ

لِبَاسِ الْمُعَصَّرِ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابوطالب بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے مجھے سونے کی انگوٹھی پہننے، ریشمی لباس پہننے، رکوع اور سجدے میں قرأت کرنے اور کم سے رنگے ہوئے کپڑے کو پہننے سے منع کیا ہے۔

(۱۶۶۰) قَالَ مَهْلَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنِ الثَّعْتُمِ بِالذَّهَبِ.

ترجمہ: حفص لیشی بیان کرتے ہیں۔ میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کے بارے میں گواہی دے کر یہ بات بیان کرتا ہوں، انہوں نے یہ بات بیان کی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع کیا ہے۔
تشریح: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھے سونے کی انگوٹھی پہننے سے اور قسی (ریشم کے) لباس پہننے اور رکوع اور سجدے میں تلاوت کرنے اور عصفر سے رنگے ہوئے کپڑے پہننے سے منع کیا ہے۔
اس حدیث کی تشریح سابقہ ابواب میں گزری ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي خَاتَمِ الْفِضَّةِ

باب ۱۲: چاندی کی انگوٹھی کا بیان

(۱۶۶۱) قَالَ كَانَ خَاتَمُ النَّبِيِّ ﷺ مِنْ وَرَقٍ وَكَانَ فَضُّهُ حَبْشِيًّا.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کی انگوٹھی چاندی سے بنی ہوئی تھی اور اس کا نگینہ حبشی تھا۔
قولہ حبشیا اس کے مطلب میں کئی اقوال ہیں: ① حبشہ سے آیا ہوا تھا جو عقیق یا کسی اور قیمتی پتھر کا تھا۔ ② یا یہ نگینہ حبش کے طرز اور نقش پر بنا ہوا تھا جیسا کہ اوپر ترجمہ میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ ③ یا بنانے والا حبشی تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ مَا يُسْتَحَبُّ مِنْ نَصِ الْخَاتَمِ؟

باب ۱۳: انگوٹھی کا نگینہ کیسا ہونا چاہیے؟

(۱۶۶۲) كَانَ خَاتَمُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مِنْ فِضَّةٍ فَضُّهُ مِنْهُ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ کی انگوٹھی چاندی سے بنی ہوئی تھی اور اس کا نگینہ بھی اسی سے بنا ہوا تھا۔
تشریح: مردوں کے لیے چاندی کی انگوٹھی پہننا جائز ہے بشرطیکہ اس کا وزن مثقال یعنی ساڑھے چار ماشوں سے زیادہ نہ ہو جیسا کہ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے عرف میں درمختار وغیرہ سے نقل کیا تھا تاہم ایک حدیث میں ولا تنبہ مثقالا کے الفاظ ہیں لہذا مثقال سے کم ہی بنوانا چاہیے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي لُبْسِ الْخَاتَمِ فِي الْيَمِينِ

باب ۱۴: دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا

(۱۶۶۳) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَنَعَ خَاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ فَتَخَتَّمَهُ بِهِ فِي يَمِينِهِ ثُمَّ جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ إِنِّي كُنْتُ اتَّخَذْتُ هَذَا الْخَاتَمَ فِي يَمِينِي ثُمَّ نَبَذَهُ وَنَبَذَهُ النَّاسُ خَوَاتِيمَهُمْ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے سونے کی انگوٹھی بنوائی آپ نے اسے اپنے دائیں ہاتھ میں پہنا جب آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے تو آپ نے ارشاد فرمایا میں نے یہ انگوٹھی اپنے دائیں ہاتھ میں پہنی ہے، پھر آپ ﷺ نے اسے اتار دیا تو لوگوں نے بھی اپنی انگوٹھیوں کو اتار دیا۔

(۱۶۶۴) رَأَيْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِينِهِ وَلَا أَخَالَهُ إِلَّا قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِينِهِ.

ترجمہ: صلت بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ انہوں نے اپنے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنی تھی میرا خیال ہے۔ انہوں نے یہ بات بھی بیان کی تھی میں نے نبی اکرم ﷺ کو اپنے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنے ہوئے دیکھا ہے۔

(۱۶۶۵) كَانَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ يَتَخَتَّمَانِ فِي يَسَارِهِمَا.

ترجمہ: امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے والد (امام محمد الباقر رضی اللہ عنہ) کا یہ بیان نقل کرتے ہیں۔ امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما اپنے بائیں ہاتھ میں انگوٹھیاں پہنا کرتے تھے۔

(۱۶۶۶) رَأَيْتُ ابْنَ أَبِي رَافِعٍ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِينِهِ فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ رَأَيْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ جَعْفَرٍ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِينِهِ وَقَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِينِهِ.

ترجمہ: حماد بن سلمہ بیان کرتے ہیں۔ میں نے ابن ابی رافع کو دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنے ہوئے دیکھا تو ان سے اس بارے میں دریافت کیا، تو انہوں نے بتایا۔ میں نے حضرت عبد اللہ بن جعفر کو اپنے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنے ہوئے دیکھا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ اپنے دائیں دست مبارک میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے۔

(۱۶۶۷) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَنَعَ خَاتَمًا مِنْ وَرَقٍ فَنَقَشَ فِيهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ثُمَّ قَالَ لَا تَنْقُشُوا عَلَيْهِ

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی آپ نے اس میں محمد رسول اللہ ﷺ نقش کروایا پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ یہ نقش تم لوگ اپنی انگوٹھی پر نہ بنانا۔

(۱۶۶۸) كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ نَزَعَ خَاتَمَهُ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ جب بیت الخلاء میں تشریف لے جاتے تھے تو اپنی انگوٹھی اتار دیا کرتے تھے۔

تشریح: اس کی افضلیت میں اختلاف ہے امام نووی رحمہ اللہ نے یمن کو ترجیح دی ہے کہ انگوٹھی زینت کی چیز ہے اور یمن اولی بالزینت ہے جبکہ حنفیہ کی مشہور کتاب درمختار میں بائیں کی ترجیح معلوم ہوتی ہے کہ یمن میں پہننا روافض کا شعار ہے تاہم یہ شعار ہر دور کے ساتھ نہیں چلتا اسلیے اب گویا دونوں جانب برابر ہیں۔

اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں ہاتھوں میں انگوٹھی پہننا ثابت ہے ابو داؤد نے ان میں کسی کو ترجیح نہیں دی ہے جبکہ امام بیہقی نے سونے کا تعلق یمن سے جوڑا ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي نَقْشِ الْخَاتَمِ

باب ۱۵: انگوٹھی پر نقش (کندہ کروانا)

(۱۶۶۹) نَقْشُ خَاتَمِ النَّبِيِّ ﷺ مُحَمَّدٌ سَطْرٌ وَرَسُولٌ سَطْرٌ وَاللَّهُ سَطْرٌ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی پر تین لائنوں میں یہ نقش تھا ”محمد“ ایک لائن میں لفظ ”رسول“ ایک لائن میں اور لفظ ”اللہ“ ایک لائن میں۔

(۱۶۷۰) قَالَ كَانَ نَقْشُ خَاتَمِ النَّبِيِّ ﷺ ثَلَاثَةَ أَسْطُرٍ مُحَمَّدٌ سَطْرٌ وَرَسُولٌ سَطْرٌ وَاللَّهُ سَطْرٌ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی پر تین لائنوں میں یہ نقش تھا لفظ ”محمد“ ایک لائن میں لفظ رسول ایک لائن میں اور لفظ اللہ ایک لائن میں۔

تشریح: حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء تشریف لے جاتے تو اپنی انگوٹھی اتار دیا کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس پر محمد رسول اللہ منقش تھا اور بیت الخلاء نجاست کے لیے بنایا جاتا ہے نیز وہاں استنجاء بھی کرنا پڑتا ہے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ مرقات میں لکھتے ہیں کہ اس میں دلیل ہے اس کی کہ مستحی اللہ اور رسول و قرآن کے الفاظ سے گریز کرے اور یہ واجب ہے اسی طرح باقی انبیا کرام علیہم السلام اور فرشتوں کے نام کا حکم ہے بلکہ ہر قابل تعظیم عبارت کا۔ تاہم اگر کوئی اس میں ذکر اللہ یا کلام اللہ مسطور ہو مگر وہ مستور ہو تو وہ اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔ اسی طرح اگر جیب میں ہو اور جیب بند ہو وہ عبارت اوپر سے پڑھی نہ جاسکتی ہو تو اس کے ساتھ بیت الخلاء میں داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصُّورَةِ

باب ۱۶: تصویر کی حرمت کا بیان

(۱۶۷۱) قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنِ الصُّورَةِ فِي الْبَيْتِ وَنَهَى أَنْ يُصْنَعَ ذَلِكَ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر میں تصویریں رکھنے سے منع کیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بنانے سے بھی منع کیا ہے۔

(۱۶۷۲) أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى أَبِي طَلْحَةَ الْأَنْصَارِيِّ يَعُوذُهُ فَوَجَدَ عِنْدَهُ سَهْلَ بْنَ حَنْظَلٍ قَالَ قَدَعِيَ أَبُو طَلْحَةَ
إِنْسَانًا يَنْزِعُ نَمَطًا تَحْتَهُ فَقَالَ لَهُ سَهْلٌ لِمَ تَنْزِعُهُ قَالَ لِأَنَّ فِيهَا تَصَاوِيرًا وَقَالَ فِيهِ النَّبِيُّ ﷺ مَا قَدْ عَلِمْتَ قَالَ
سَهْلٌ أَوَلَمْ يَقُلْ إِلَّا مَا كَانَ رَقْمًا فِي ثَوْبٍ قَالَ بَلَى وَلَكِنَّهُ أَطْيَبُ نَفْسِي.

ترجمہ: عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بیان کرتے ہیں وہ حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ان کی عیادت کرنے کے لئے
حاضر ہوئے تو انہوں نے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو پایا راوی بیان کرتے ہیں۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ
نے ایک شخص کو بلایا تا کہ وہ ان کے نیچے سے چادر نکال دے تو حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا آپ اسے کیوں نکال رہے ہیں؟ تو
انہوں نے بتایا۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ اس میں تصاویر موجود ہیں اور تصاویر کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے جو بات ارشاد فرمائی ہے
وہ آپ جانتے ہیں تو حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے کہا۔ کیا نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد نہیں فرمائی ہے؟ جو تصویریں کپڑے میں نقش کے
طور پر ہوں (ان کی اجازت ہے) تو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ جی ہاں! لیکن میں اپنی تسلی کرنا چاہتا ہوں۔

تشریح: قولہ عن الصورة اس سے مراد جاندار کی تصویر ہے کیونکہ بے جان تصویر بنانا اور استعمال کرنا دونوں جائز ہیں قولہ فی
البیت بیت سے مراد مطلق رہائش گاہ اور ٹھہرنے کی جگہ ہے چاہے گھر ہو یا خیمہ وغیرہ۔

قولہ ونہی ان یصنع ذالک اور اس کے بنانے سے بھی منع فرمایا ہے لہذا عن الصورة میں لفظ اتخاذ مقدر مانا جائے گا یعنی گھر
میں تصویر رکھنے اور بنانے سے منع فرمایا ہے۔ تصویر اگر مجسمہ کی ہو تو اس کی حرمت پر اجماع ہے عام اصطلاح میں اسے ذی ظل یعنی
سایہ دار بھی کہتے ہیں ابن العربی رحمہ اللہ عارضہ میں لکھتے ہیں: واما کیفیة الحکم فیہا فانہا محرمۃ اذا کانت اجسادا
بالاجماع یعنی مجسموں کا بنانا اور استعمال بالاجماع حرام ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَصُورِينَ

باب ۷۱: تصویر سازوں کی سزا

(۱۶۷۳) مَنْ صَوَّرَ صُورَةً عَذَّبَهُ اللَّهُ حَتَّى يَنْفَخَ فِيهَا يَعْغَى الرُّوحَ وَلَيْسَ بِنَافِخٍ فِيهَا وَمَنْ اسْتَمَعَ إِلَى حَدِيثِ
قَوْمٍ وَهُمْ يَفَرُّونَ بِهِ مِنْهُ صُبَّ فِي أُذُنِهِ الْأَنْكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص کوئی تصویر بنائے گا اللہ تعالیٰ اسے یہ عذاب
دے گا کہ وہ اس میں پھونک مارے (یعنی اسے زندہ کرے) اور جو کوئی شخص لوگوں کی بات چھپ کر سننے کی کوشش کرے گا جبکہ وہ
لوگ اس بات کو ناپسند کرتے ہوں تو قیامت کے دن اس شخص کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا۔

تشریح: اس حدیث میں دو گناہوں کی سزا کا بیان ہے۔

پہلا گناہ: تصویر سازی ہے تصویر بنانے والوں کو جہنم میں مسلسل عذاب میں مبتلا رکھا جائے گا اور ان کے عذاب کی موتوفی کو
ایک محال امر پر معلق کر دیا جائے گا تصویر سازوں سے کہا جائے گا احووا ما خلقتہم تم نے جو تصویریں بنائی ہیں ان میں

روح ڈالو اور ظاہر ہے یہ بات ان کے بس کی نہیں پس ان کی سزا مسلسل جاری رہے گی ہاں اگر اللہ تعالیٰ ان کے گناہ سے درگزر فرمائیں تو دوسری بات ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ شرک کے علاوہ دوسرے گناہ جس کے لیے منظور ہوگا بخش دیں گے۔

دوسرا گناہ: لوگوں کی خانگی باتیں سننا ہے جو شخص ایسے لوگوں کی بات سننے کی کوشش کرتا ہے جو اس سے بچ کر باتیں کر رہے ہیں تو قیامت کے دن اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا سیسہ بہت جلد گرم ہو جاتا ہے۔ اور بہت تیز گرم ہوتا ہے پس اس کی اذیت کا ہر شخص بخوبی اندازہ کر سکتا ہے۔

فائدہ: حدیث میں جو حقی یمنفخ فیہا آیا ہے وہ تعلیق بالحال ہے جیسے حقی یلج الجمل فی سم الخیاط تعلیق بالحال ہے اور جیسے من تحملہ کلف ان یعقد شعیرۃ جو شخص خواب گھڑتا ہے وہ مکلف کیا جائے گا کہ جو دانوں میں گرہ لگائے (ابوداؤد حدیث ۵۰۲۴) یہ روایت ترمذی میں کتاب الروایا میں آئے گی۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْخِضَابِ

باب ۱۸: خضاب کا حکم

(۱۶۷۴) غَيِّرُوا الشَّيْبَ وَلَا تَشَبَّهُوا بِالْيَهُودِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بڑھاپے کو (یعنی سفید بالوں کو خضاب کے ذریعے) تبدیل کر دو اور یہودیوں کے ساتھ مشابہت اختیار نہ کرو (کیونکہ وہ سفید بال رکھتے ہیں)۔

(۱۶۷۵) إِنَّ أَحْسَنَ مَا غَيَّرَ بِهِ الشَّيْبَ الْحِنَاءُ وَالْكُثْمُ.

ترجمہ: حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: سب سے بہترین چیز جس کے ذریعے تم اپنے سفید بالوں کو تبدیل کرو وہ مہندی اور نیل کے پتے ہیں۔

جب سر یا داڑھی سفید ہو جائیں تو خضاب لگانا چاہیے متفق علیہ روایت ہے کہ یہود و نصاریٰ خضاب نہیں لگاتے پس تم ان کی مخالفت کرو یعنی خضاب لگاؤ (مشکوٰۃ حدیث ۴۴۲۳) اور مرد کے لیے صرف سر اور داڑھی کا خضاب سنت ہے ہاتھوں پیروں پر بے ضرورت خضاب لگانا حرام ہے۔

اور شادی شدہ عورت کے لیے ہاتھوں پیروں پر بھی خضاب کرنا سنت ہے حدیث میں ہے کہ ایک عورت نے پردہ کے پیچھے سے نبی ﷺ کی خدمت میں ایک خط پیش کیا آپ ﷺ نے ہاتھ سیکڑ لیا اور فرمایا میں کیا جانوں مرد کا ہاتھ ہے یا عورت کا؟ اس نے عرض کیا عورت کا ہاتھ ہے آپ ﷺ نے فرمایا اگر تو عورت ہوتی تو اپنے ناخنوں پر مہندی کا رنگ کئے ہوئے ہوتی۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی) اور حضرت ہند بنت عتبہ جب بیعت کے لیے آئیں تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا میں اس وقت تک تجھ کو بیعت نہیں کروں گا جب تک تو اپنی ہتھیلیوں کو مہندی سے نہ بدل دے دیکھ تو سہی گویا درندے کی ہتھیلیاں ہیں۔ البتہ اگر شوہر کو مہندی کی بو پسند نہ ہو تو پھر عورت کے لیے بہتر یہ ہے کہ مہندی کا خضاب نہ کرے بلکہ کوئی ایسا خضاب کرے جو شوہر کو پسند ہو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے

مہندی کے خضاب کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کوئی حرج نہیں مگر مجھے مہندی کا خضاب پسند نہیں کیونکہ میرے حبیب ﷺ کو اس کی بو پسند نہیں تھی۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

فائدہ: نبی ﷺ نے خضاب کیا ہے یا نہیں؟ اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ نہیں کیا کیونکہ آپ ﷺ کی داڑھی اور سر مبارک میں کل سترہ بال سفید ہوئے تھے البتہ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے کیا ہے اور آپ ﷺ نے اس کی ترغیب بھی دی ہے اس لیے خضاب کرنا سنت ہے۔

خضاب: مطلق رنگ کو بھی کہتے ہیں اور اس چیز کو بھی جس سے بالوں کو رنگا جائے الشیب بڑھاپے اور بالوں کی سفیدی کو کہتے ہیں یعنی بڑھاپے اور بالوں کی سفیدی کو تبدیل کرو اور یہود کے ساتھ مشابہت اختیار مت کرو امام احمد رحمہ اللہ اور ابن حبان کی روایت میں والنصاری کا بھی اضافہ ہے اور صحیحین کی روایت میں ہے:

ان اليهود والنصارى لا یصبغون فخالقوہم۔ ”یہود اور عیسائی خضاب نہیں کرتے تم ان کی مخالفت کرو۔“

باب کی دوسری حدیث ہے:

ان احسن ما غیر بہ الشیب الحناء والکتم۔

”سب سے اچھی چیز جس سے بالوں کی سفیدی کو دور کیا جائے مہندی اور کتم ہے۔“

قولہ: ”والکتم“ ہفت تین ایک پودا ہے جس کے بیج سے قدیم زمانے میں روشنائی بھی بنائی جاتی تھی اور بالوں کو خضاب بھی کیا جاتا تھا۔

یہ عموماً وسمہ کے ساتھ ملا کر استعمال کیا جاتا ہے وسمہ بھی ایک درخت ہے جس کے پتوں کو خضاب کے طور پر استعمال کرتے ہیں، بعض حضرات نے کتم اور وسمہ دونوں کو ایک ہی قرار دیا ہے بہر حال کتم بھی مہندی کے ساتھ ملا کر استعمال کیا جاتا ہے اور کبھی وسمہ کے ساتھ اس طرح اس کا رنگ سرخی مائل ہو جاتا ہے۔

یہاں یہ مسئلہ قابل ذکر ہے کہ آیا بالوں کو خالص کالے رنگ سے سیاہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟ چونکہ اس بارے میں روایات زیادہ ہیں ابن قیم رحمہ اللہ نے تفصیلاً زاد المعاد میں ذکر فرمائی ہیں ان میں ایک طرف کی روایات ممانعت پر ناطق ہیں اور دوسری جانب کی روایات جواز پر دال ہیں اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین اور ائمہ رحمہم میں سے بعض حضرات کی طرف جواز کی نسبت کی گئی ہے یہ تمام روایات اور مجوزین کے نام تحفۃ الاحوذی میں بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْجُمَةِ وَاتِّخَاذِ الشَّعْرِ

باب ۱۹: زلفیں اور بال رکھنے کا بیان

(۱۶۷۶) كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ رُبْعَةً لَيْسَ بِالطَّوِيلِ وَلَا بِالْقَصِيرِ حَسَنَ الْجِسْمِ أَسْمَرَ اللَّوْنِ وَكَانَ شَعْرُهُ لَيْسَ يَجْعِدُ وَلَا سَبِطًا إِذَا مَشَى يَتَوَكَّأُ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ درمیانہ قد کے مالک تھے، نہ زیادہ طویل تھے، نہ زیادہ چھوٹے تھے، آپ ﷺ خوبصورت جسم کے مالک تھے، گندمی رنگ کے مالک تھے، آپ کے بال نہ بالکل گھنگھریالے تھے اور نہ ہی بالکل سیدھے تھے، جب آپ ﷺ چلتے تھے، تو جھک کر چلتے تھے۔

(۱۶۷۷) قَالَتْ كُنْتُ أَعْتَسِلُ أَنَا وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ وَكَانَ لَهُ شَعْرٌ فَوْقَ الْجُمَةِ وَدُونَ الْوَفْرِ.

ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں اور نبی اکرم ﷺ ایک ہی برتن سے غسل کیا کرتے تھے آپ ﷺ کے بال کانوں کی لو سے کچھ زیادہ لمبے تھے۔

تشریح: قولہ ربعة بفتح الراء وسكون الباء شامل ترمذی حدیث ۳ میں مربوعاً کا لفظ آیا ہے دونوں کا مطلب ایک ہے یعنی درمیانہ قد (قدرے درازی مائل جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے) قولہ اسمر اللون گندمی رنگ تھے قولہ لیس بالطویل والا قصر ربعة کی تفسیر اور بیان ہے قولہ لیس بمجدد گھونگر یا لے بالوں کو کہتے ہیں جبکہ سبط سیدھے بالوں کو کہتے ہیں یعنی آپ ﷺ کے بال نہ بالکل بچ دار تھے اور نہ بالکل سیدھے تھے بلکہ ان میں ہلکی سی پیچیدگی اور گھونگر یا لہ پن تھا قولہ یتکفأ آگے جھکتے ہوئے چلتے پورا ترجمہ اس طرح ہوا کہ حضور ﷺ درمیانہ قد کے تھے نہ زیادہ لمبے تھے اور نہ کوتاہ قد (ٹھگنے) تھے نہایت خوبصورت معتدل جسم والے تھے گندمی رنگ سے متصف تھے آپ ﷺ کے بال نہ گھنگھریالے تھے اور نہ بالکل سیدھے جب آپ چلتے تو آگے کی طرف جھک کر چلتے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ التَّرَجُّلِ إِلَّا غَبَاً

باب ۲۰: روزانہ کنگھی کرنے کی ممانعت

(۱۶۷۸) قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنِ التَّرَجُّلِ إِلَّا غَبَاً.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے روزانہ کنگھی کرنے سے منع کیا ہے۔ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

عن عبداللہ بن مغفل قال نہی رسول اللہ ﷺ عن الترجل الا غباً.

تشریح: قولہ عن الترجل ترجل اور ترجل بالوں کی صفائی ستھرائی اور تزئین کو کہتے ہیں جیسے کنگھی کرنا اور غبا ایک دن چھوڑ دوسرے دن کام کرنے کو کہتے ہیں جیسے زر غبا مزد دحباً دراصل غبا اونٹوں کو دوسرے دن پانی کے گھاٹ پر لے جانے کے لیے استعمال ہوتا ہے یہاں پر مراد نفی مبالغہ ہے یعنی حضور ﷺ نے کثرت سے اور اہتمام کے ساتھ کنگھی کرنے سے منع فرمایا کیونکہ اس سے مبالغہ فی التزئین ہوتا ہے اور یہ مورث غفلت و رعونت اور تشبہ بالنساء ہوتا ہے البتہ ضرورت کی بناء پر روزانہ بھی جائز ہے۔ پھر اخلاق کے لیے مفید یہ ہے کہ حالت زیادہ اچھی نہ ہو کیونکہ اس سے عاجزی و تواضع پیدا ہوتی ہے جبکہ زیادہ ٹھاٹھاٹ سے تکبر جنم لیتا ہے چنانچہ ابوداؤد کی روایت ہے:

عن ابی امامة قال ذکر اصحاب رسول الله ﷺ یوما عندہ الدنیا فقال رسول الله ﷺ: الا تسبعوا؟ الا تسبعوا؟ ان البذاذة من الایمان ان البذاذة من الایمان یعنی التفعل. (اول کتاب الترجل)
”رسول اللہ ﷺ کے سامنے صحابہ رضی اللہ عنہم نے دنیا کا تذکرہ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خبردار سنو! خبردار سنو! سادگی ایمان کا حصہ ہے۔ سادگی ایمان کا حصہ۔“

یہ حکم داڑھی اور باقی لباس کا بھی ہے مگر یہاں یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ شامل ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:
کان رسول الله ﷺ یکثر دهن راسه وتسریح لحيته.
”رسول اللہ ﷺ اپنے سر کو بہت تیل لگایا کرتے اور داڑھی میں کثرت سے کنگھی کرتے تھے۔“

اس سے تو باب کی حدیث سے تعارض معلوم ہوتا ہے مگر اس کا جواب یہ ہے کہ اکثر اس سے روزانہ کنگھی کرنا لازم نہیں آتا بلکہ جب کوئی کام حسب عادت بقدر حاجت کیا جائے تو اسے بھی اکثر کہتے ہیں جیسے ایک طالب علم ہر دوسرے دن گھر جاتا ہے تو استاذ کہتے ہیں یہ لڑکا بہت زیادہ گھر جاتا ہے۔

اور امام غزالی رحمہ اللہ نے احیاء العلوم میں جو نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ داڑھی مبارک میں دن میں دو مرتبہ کنگھی فرماتے تو اس کی سند قوی نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْاِكْتِحَالِ

باب ۲۱: سرمہ لگانا

(۱۶۷۹) اِكْتَحِلُوا بِالْاُثْمِدِ فَإِنَّهُ يَجْلُو الْبَصَرَ وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ وَرَعِمَهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَتْ لَهُ مُكْحَلَةٌ يَكْتَحِلُ بِهَا كُلَّ لَيْلَةٍ ثَلَاثَةً فِي هَذِهِ وَثَلَاثَةً فِي هَذِهِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ اٹھ نامی سرمہ لگایا کرو کیونکہ یہ بینائی کو تیز کرتا ہے اور پلکوں کے بالوں کو اگاتا ہے۔

راوی یہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ کی ایک سرمہ دانی تھی جس کے ذریعے آپ ﷺ روزانہ رات کے وقت تین مرتبہ اس آنکھ میں اور تین مرتبہ اس آنکھ میں سرمہ لگایا کرتے تھے۔

شاہ صاحب عرف میں فرماتے ہیں کہ سرمہ دو طرح کا ہوتا ہے: ① سفید ② سیاہ دونوں جائز ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ اشْتِمَالِ الصَّمَاءِ وَالْاِخْتِبَاءِ بِالشُّوبِ الْوَاحِدِ

باب ۲۲: اشتمال صماء اور ایک کپڑے کو اختباء کے طور پر لپیٹنے کی ممانعت

(۱۶۸۰) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنِ لِبَسَتَيْنِ الصَّمَاءِ وَأَنْ يَخْتَبِيَ الرَّجُلُ بِشَوْبِهِ لَيْسَ عَلَى فَرْجِهِ مِنْهُ شَيْءٌ.

تَرْجُمَتُهُ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے دو طرح کے لباس پہننے سے منع کیا ہے ایک صماء اور دوسرا یہ کہ آدمی اپنے کپڑے کو اس طرح لپیٹے کہ اس کی شرمگاہ پر کوئی کپڑا نہ ہو۔

قوله الصماء بالمدا یہ لبستین سے بدل ہے اس لیے مجرور پڑھا جائے گا صماء اس کو کہتے ہیں کہ آدمی چادر کے اندر اپنے آپ کو اس طرح لپیٹ دے کہ اس کے ہاتھ اندر ہی بندھے رہے۔ صماء اسے کہتے ہیں کہ ایک چادر باندھ کر اس طرح بیٹھ جانا جس میں ہاتھ اور پاؤں بند ہو جائیں کہ اگر آدمی جلدی میں اس سے نکلنا چاہے تو نہ نکل سکے اس سے ممانعت کی علت بھی یہی ہے کہ اگر ضرورت اور حادثہ پیش آجائے تو اس وقت جلدی سے نکلنا مشکل ہوگا۔

احتباء: کہ ایک کپڑے میں احتباء کرنا اس طرح کہ شرمگاہ پر اس کے علاوہ کوئی کپڑا نہ ہو اس سے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں کشف عورت کا قوی امکان ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مُوَاصَلَةِ الشَّعْرِ

باب ۲۳: بالوں میں بال ملانے کی ممانعت

(۱۶۸۱) لَعَنَ اللَّهُ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ وَالْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ قَالَ نَافِعُ أَلَوْ شِمْتُ فِي اللَّيْلِ.

تَرْجُمَتُهُ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے مصنوعی بال لگانے والی اور مصنوعی بال لگوانے والی، جسم گودنے والی اور گودانے والی خواتین پر لعنت بھیجی ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ بالوں کے ساتھ دوسرے بال لگانے والی اور لگوانے والی اور گودنے والی اور گودانے والی (عورتوں) پر لعنت کرے۔ نافع فرماتے ہیں کہ وشم مسوڑھے میں ہے وصل ایک عورت کا کسی دوسری کے بالوں کو اپنے بالوں میں جوڑنے اور لگانے کو کہتے ہیں جبکہ وشم بدن کے کسی بھی حصہ کی کھال کو سوئی سے گود کر خون نکالنے اور اس پر نیل چھڑکنے کو کہتے ہیں سرمہ اور چونہ ملانے سے بھی یہی عمل کیا جاتا ہے دونوں مادوں میں سین تاء طلب کے لیے ہیں جیسا کہ ترجمہ میں اشارہ کیا ہے اور باب استفعال کی خاصیت بھی ہے۔

حافظ رحمہ اللہ نے فتح میں لکھا ہے کہ اس سے وہ جگہ نجس ہو جاتی ہے حتی الامکان اس کو صاف کرنا لازمی ہے شاید یہ ان کے اصول پر مبنی ہو کہ نجاست قلیلہ بھی مانع ہوتی ہے لہذا حنفیہ کے نزدیک بھی اگرچہ دم مسفوح نجس ہی ہے مگر قلیل میں شاید اتنی سختی نہ ہو جتنی کثیر میں ہے قلیل و کثیر کی مقدار ابواب الطہارت میں گزری ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي زُكُوبِ الْمَيَاثِرِ

باب ۲۴: میاثر (ریشمی بچھونوں) پر بیٹھنے کی ممانعت

(۱۶۸۲) نَهَانَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ زُكُوبِ الْمَيَاثِرِ قَالَ وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ.

تَرْجُمَتُهُ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے میاثر پر سوار ہونے (یعنی ریشمی بچھونوں پر بیٹھنے) سے منع

کیا ہے۔

میاثر میثرة کی جمع ہے اور میثرة ایک کپڑا ہوتا تھا جو دولت مند قسم کے لوگ اپنی سواری کے اوپر بچھایا کرتے تھے گھوڑے پر ایک منہ ہوتا ہے ایک زین ہوتی ہے اور زین کے اوپر میثرة ہوتا تھا اس سے منع کیا گیا ہے اور ممانعت کی علت اور اس نہی کی وجوہات متعدد ہیں:

① سرخ رنگ کی وجہ سے۔

② ریشم کی وجہ سے کہ مردوں کے لیے سرخ رنگ منع ہے اور ریشم پر صاحبین ﷺ کے نزدیک بیٹھنا مکروہ تحریمی ہے جبکہ امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک تنزیہی ہے روایت سے صاحبین کے قول کی تائید ہوتی ہے جس میں ریشم پر بیٹھنے سے ممانعت آئی ہے۔

③ اس میں متعمین اور مترفین سے مشابہت آتی ہے۔

④ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس میں ناز و نعم میں پٹی ہوئی عورتوں سے مشابہت ہو جائے گی کہ ان کے لیے زین اور کجاوے پر خصوصی طور سے میسرہ بچھانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فِرَاشِ النَّبِيِّ ﷺ

باب ۲۵: نبی اکرم ﷺ کے بستر کا بیان

(۱۶۸۳) قَالَتْ اِنَّمَا كَانَ فِرَاشُ النَّبِيِّ ﷺ الَّذِي يَنَامُ عَلَيْهِ اَدَمُ حَشْوُهُ لَيْفٌ.

ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، نبی اکرم ﷺ کا وہ بستر جس پر آپ ﷺ سویا کرتے تھے چمڑے کا بنا ہوا تھا اور اس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقُمِصِ

باب ۲۶: قمیص کا بیان

(۱۶۸۴) كَانَ أَحَبُّ الثِّيَابِ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ الْقَمِيصُ.

ترجمہ: سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، نبی اکرم ﷺ کے نزدیک پسندیدہ ترین لباس قمیص تھا۔

(۱۶۸۵) كَانَ أَحَبُّ الثِّيَابِ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ الْقَمِيصُ.

ترجمہ: عبد اللہ بن بریدہ اپنی والدہ کے حوالے سے، سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا یہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ کے نزدیک پسندیدہ لباس قمیص تھا۔

(۱۶۸۶) كَانَ أَحَبُّ الثِّيَابِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ الْقَمِيصُ.

تَرْجَمَتُهُ: سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، نبی اکرم ﷺ کا پسندیدہ لباس قمیص تھا۔

(۱۶۸۷) كَانَ كُمٌ يَدْرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِلَى الرُّسُغِ.

تَرْجَمَتُهُ: سیدہ اسماء بنت یزید بن سکن انصاریہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، نبی اکرم ﷺ کی قمیص کے بازو آپ کی کلائی تک تھے۔

(۱۶۸۸) كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا لَبَسَ قَمِيْصًا بَدَأَ بِمِيَامِنِهِ.

تَرْجَمَتُهُ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ جب قمیص پہنتے تھے تو دائیں طرف سے پہننا شروع کرتے تھے۔
تشریح: قمیص جمع ہے قمیص کی اس کو پسند کرنے کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ یہ ساتر ہے اور شلوار بھی اگرچہ ساتر ہے مگر وہ اس وقت رائج نہیں تھی۔ دوسری بات یہ ہے کہ قمیص سے شلوار کا کام لیا جاسکتا ہے جب کہ شلوار قمیص کے قائم مقام نہیں بن سکتی، دوم قمیص ہلکا لباس بھی ہے اور اس میں سہولت بھی ہے کہ ایک دفعہ پہننے کے بعد بار بار تھامنے کی ضرورت پیش نہیں آتی بخلاف چادر کے اور جن روایات میں حلہ کا احب ہونا ثابت ہے تو وہ باقی چادروں کی نسبت اور جبکہ قمیص سلعے ہوئے کپڑوں کی نسبت ہے اور بیض کا احب ہونا باعتبار رنگ کے ہے لہذا ان روایات میں کسی طرح کا تعارض نہیں ہے۔

بَابُ مَا يَقُوْلُ اِذَا لَبَسَ ثَوْبًا جَدِيْدًا

باب ۲۷: جب آدمی نیا کپڑا پہنے تو دعا کرے؟

(۱۶۸۹) كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اسْتَجَدَّ ثَوْبًا سَمَاہُ بِاسْمِہٖ عَمَامَۃً اَوْ قَمِيْصًا اَوْ رِدَآءً ثُمَّ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ كَسَوْتَنِيْہٖ اَسْأَلُكَ خَيْرَہٗ وَخَيْرَ مَا صُنِعَ لَہٗ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّہٖ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَہٗ.

تَرْجَمَتُهُ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ جب کوئی نیا لباس پہنتے تھے تو اس کا نام لیتے یعنی عمامہ یا قمیص یا تہبند اور پھر یہ دعا کرتے۔

”اے اللہ تمام تعریفیں تیرے لئے ہیں، تو نے ہی مجھے یہ پہننے کے لئے دیا ہے، لہذا میں اس کی بھلائی اور جس بھلائی کے لئے اسے

بنایا گیا ہے اس کا تجھ ہی سے طلبگار ہوں۔ اور اس کے شر اور جس شر کے لئے اسے بنایا گیا ہے اس سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔“

تشریح: پھر نیا لباس جمعہ کے دن زیب تن فرماتے پھر کپڑے کی خیر سے مراد اس کا باقی ہونا یعنی دیر پا ہونا حلال ہونا پاک ہونا اور عند الضرورت والحاجۃ پہننے میں کام آنا ہے اور جس خیر کے لئے بنایا گیا ہے اس سے مراد وہ ضروریات ہیں جن کے لئے لباس بنایا جاتا ہے مثلاً گرمی سردی اور ستر عورت میں مفید ہونا اسی طرح اللہ کا شکر ادا کرنا تو وضع کرنا اطاعت کرنا جبکہ شر سے مراد ان امور کے مخالف اور عکس ہیں۔

غرض نیا لباس پہنتے وقت اللہ کی حمد و ثناء بیان کرنی چاہیے اور ہر حال پر شکر گزار رہنا چاہیے اللہ کی طرف سے خیر و بھلائی کی توقع اور دعا کرنی چاہیے اور شر سے پناہ مانگنی چاہیے اپنی حالت پر کبھی نازاں نہ ہونا چاہیے اور نہ ہی کسی چیز کو اللہ عز و جل کے سوا قابل بھروسہ ماننا چاہیے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي لُبْسِ الْجُبَّةِ وَالْخَفَيْنِ

باب ۲۸: جبہ اور موزے پہننے کا ذکر

(۱۶۹۰) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَبِسَ جُبَّةً رُومِيَّةً ضَيِّقَةً الْكُمَيْنِ.

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے رومی جبہ پہنا تھا، جس کی آستینیں تنگ تھیں۔

(۱۶۹۱) قَالَ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ أَهْدَى دَحِيَّةَ الْكَلْبِيِّ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ خُفَيْنِ فَلَبِسَهُمَا.

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں دو موزے تحفے کے طور پر پیش کئے، نبی اکرم ﷺ نے انہیں پہن لیا۔

تشریح: نبی کریم ﷺ نے تنگ آستین والا رومی جبہ زیب تن فرمایا ہے بعض روایات میں شامیہ آیا ہے مگر ان میں تطبیق آسان ہے کہ شام اس وقت روم کے زیر تسلط تھا لہذا دونوں نسبتیں صحیح ہوئیں پھر جیسا کہ ابواب الطہارۃ میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہننا تبوک کے سفر سے واپسی پر تھا جب حضرت مغیرہ نے آپ ﷺ کے وضوء کا پانی ڈالا تھا تاہم اس سے دیگر اوقات میں پہننے کی نفی ثابت نہیں ہوتی۔ حدیث الباب سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کافر ہدیہ میں نئے کپڑے دے دے تو ان کا استعمال جائز ہے دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ اون موت سے نجس نہیں ہو جاتی۔ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ مشہور صحابی عام طور پر اس میں دال کو کسور پڑھا جاتا ہے اگرچہ اس میں فتہ بھی جائز ہے۔

حضور ﷺ جب حدیبیہ سے واپس تشریف لائے تو گ ان کو سنہ ۶ ہجری کے آخر میں ہرقل کے پاس خط دے کر بھیجا تھا جس کا تفصیلی واقعہ بخاری کے شروع میں مذکور ہے یہ وہاں سنہ ۷ ہجری محرم کے مہینہ میں پہنچے ظاہر یہی ہے کہ یہ خفین بھی اسی مرتبہ ہدیہ کئے تھے لہذا عارضہ میں ابن العربی رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ وکان کافرا فقبل ہدیۃ محل نظر ہے کیونکہ یہ اس سے کافی پہلے اسلام قبول کر چکے تھے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي شِدَا الْأَسْنَانِ بِالذَّهَبِ

باب ۲۹: سونے کے تاروں سے دانتوں کو باندھنا

(۱۶۹۲) قَالَ أُصِيبَ أَنْفِي يَوْمَ الْكَلَابِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَأَتَّخَذْتُ أَنْفًا مِنْ وَرَقٍ فَأَنْتَنَ عَلَيَّ فَأَمَرَنِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ أَتَّخِذَ أَنْفًا مِنْ ذَهَبٍ.

ترجمہ: حضرت عرفجہ بن اسعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، زمانہ جاہلیت میں جنگ کلاب کے دن میری ناک کٹ گئی تو میں نے چاندی کی ناک بنوائی پھر اس میں سے مجھے بو آنے لگی تو نبی اکرم ﷺ نے ہدایت کی کہ میں سونے کی ناک بنواؤں۔

باب ۱۳ میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ ضرورت کے وقت مرد کے لیے سونے کا استعمال جائز ہے حضرت عرفہ رضی اللہ عنہ کی ناک جنگ کلاب (بضم الکاف) میں کٹ گئی تھی یہ زمانہ جاہلیت کا ایک معرکہ تھا پس انہوں نے پہلے چاندی کی ناک بنوائی مگر وہ بدبودار ہو جاتی تھی اس لیے نبی ﷺ نے ان کو سونے کی ناک بنوانے کی اجازت دی (اسی طرح سونے کے تاروں سے دانت پر خول چڑھانا بھی جائز ہے اس لیے کہ چاندی کالی پڑ جاتی ہے)۔

صاحبین رحمہما کی دلیل حدیث الباب ہے جبکہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ سونے میں اصل تحریم ہے جبکہ اباحت ضرورت کے پیش نظر ہے جہاں ضرورت چاندی سے پوری ہو گئی وہاں چاندی پر ہی اکتفاء لازمی ہے کیونکہ چاندی کی تحریم ادون واقف ہے۔ (کتاب لکراہیۃ فصل فی البس ج ۴)

حدیث الباب کا جواب یہ ہے کہ یہاں چاندی سے ضرورت پوری نہیں ہوئی تھی امام طحاوی رحمہ اللہ نے جواز کا قول کیا ہے جو رفع اختلاف کے لیے کافی ہے۔ (عرف)

بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّهْيِ عَنْ جُلُودِ السَّبَاعِ

باب ۳۰: درندوں کی کھال استعمال کرنا جائز نہیں

(۱۶۹۳) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ جُلُودِ السَّبَاعِ أَنْ تَتَفَتَّرَ ش.

ترجمہ: ابوالسلیح اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے درندوں کی کھال کو پچھونے کے طور پر استعمال کرنے سے منع کیا ہے۔

حضرت ابوالسلیح اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے درندوں کی کھال استعمال کرنے سے منع کیا ہے۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے درندوں کی کھال استعمال کرنے کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔

تشریح: ابوالسلیح کا نام عامریا زید یا زیاد ہے ان کے والد کا نام اسامہ بن عمیر ہے اور صحابی ہیں۔ ابو داؤد نسائی کے الفاظ یہ ہیں: نَهَى عَنْ لِبْسِ جُلُودِ السَّبَاعِ وَالرَّكُوبِ عَلَيْهَا عِنْدَ الْبَعْضِ چونکہ سباع کی کھال دباغت سے پاک نہیں ہوتی اس لیے استعمال ممنوع ہوا لیکن جمہور کے نزدیک یہ دباغت سے پاک ہو جاتی ہے پھر اس نہی کی وجہ متکبرین سے مشابہت اور کثرت استعمال سے رعوت کا پیدا ہونا اور درندوں کے اخلاق رذیلہ سے بچنا ہے: کما مر فی باب ما جاء فی جلود المیتة اذا دبغت.

بَابُ مَا جَاءَ فِي نَعْلِ النَّبِيِّ ﷺ

باب ۳۱: نبی اکرم ﷺ کے نعلین شریفین کا بیان

(۱۶۹۴) قُلْتُ لَأَنْتَ بِنِ مَالِكٍ كَيْفَ كَانَ نَعْلُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ لَهَا قَبَالَانِ.

ترجمہ: قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا۔ نبی اکرم ﷺ کے نعلین کیسے تھے؟ تو

انہوں نے بتایا ان کے دو تسمے تھے۔

(۱۶۹۵) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ نَعْلَاهُ لَهَا قَبَالَانِ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ کے نعلین کے دو تسمے تھے۔
تشریح: قولہ نعلانہ نعل کا تشبیہ ہے نعل تسمے دار چپل کو بھی کہتے ہیں اور جوتے کو بھی بعض حضرات اس کا اطلاق ہر اس چیز پر کرتے ہیں جو پاؤں کو زمین کی رگڑ سے بچائے یہاں تسمے دار چپل مراد ہے۔

قولہ قبالاتان بکسر القاف قبالات کا تشبیہ ہے تسمے کو کہتے ہیں مطلب یہ ہوا کہ حضور ﷺ کے چپل جوتے دو تسمے والے تھے۔ چونکہ یہاں دو قسم کی روایات ہیں ایک سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تسمے پاؤں کی پشت پر تھے جبکہ دوسری سے معلوم ہوتا ہے کہ انگلیوں کے درمیان ہوتے تھے بایں طور کہ ایک ابہام اور ساتھ والی انگلی کے درمیان ہوتا تھا جبکہ دوسرا وسطی اور ساتھ والی کے درمیان ہوتا تھا اس لیے کہا جائے گا کہ اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ دونوں تسمے انگلیوں کے درمیان سے علیحدہ علیحدہ نکل کر جا کے قدم مبارک کی پشت پر جمع ہو جاتے یعنی بندھے ہوئے تھے تاکہ پاؤں کو تھام لیں پھر پشت سے ایک ایک طرف اور دوسرا دوسری جانب۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْمَشْيِ فِي النَّعْلِ الْوَاحِدَةِ

باب ۳۲: ایک جوتا پہن کر چلنا مکروہ ہے

(۱۶۹۶) لَا يَمْشِي أَحَدُكُمْ فِي نَعْلٍ وَاحِدَةٍ لِيُنْعِلَهَا جَمِيعًا أَوْ لِيُحَقِّقَهَا جَمِيعًا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ کوئی بھی شخص ایک جوتا پہن کر نہ چلے یا تو دونوں کو پہن لے یا دونوں کو اتار دے۔

شمائل ترمذی میں جہاں یہ حدیث آئی ہے تو وہاں واحدہ کی بجائے واحد کا لفظ تذکیر کے ساتھ آیا ہے چونکہ لفظ نعل مونث ہے لہذا شمائل کی روایت میں توجیہ کی جائے گی یعنی لفظ نعل کو بمعنی ملبوس لیا جائے گا۔

شارحین لکھتے ہیں کہ یہ نہی تنزیہی ہے تاکہ اگلے باب کی روایت سے تعارض پیدا نہ ہو۔

اس نہی کی کیا وجہ ہے؟ ① اس سے اعتدال اور توازن بگڑ جاتا ہے کہ اس طرح چلنے سے ایک پاؤں اونچا ہو جائے گا۔

② اس سے دونوں پاؤں میں یکسانیت نہیں رہے گی کہ ایک تو چپل کی وجہ سے محفوظ رہے گا جبکہ دوسرا زمین سے رگڑ کھاتا رہے گا اور ظاہر ہے کہ اس سے چلنے پر اثر پڑے گا کما ہوا المشاہد۔

③ اس طرح چلنا برا معلوم ہوتا ہے اور چونکہ اس سے لوگوں کے تمسخر کا اندیشہ ہے جس سے وہ گنہگار ہوں گے شفقت ممانعت فرمائی۔

حافظ رحمہ اللہ نے فتح میں لکھا ہے کہ اس حکم میں باقی لباس بھی داخل ہے یعنی یہ نہ ہونا چاہئے کہ ایک موزہ پہن کر چلے یا ایک آستین میں ہاتھ ڈالے یا ایک کندھے پر چادر ڈال کر چلے (جیسے اکثر طلباء رومال ڈالتے ہیں بعض روایات میں خف کی تصریح ہے۔ کما عند ابن ماجہ و مسلم کذا فی التحفۃ)

بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَنْ يَتَنَعَلَ الرَّجُلُ وَهُوَ قَائِمٌ

باب ۳۳: کھڑے ہو کر جوتا پہننے کی ممانعت

(۱۶۹۷) نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ يَتَنَعَلَ الرَّجُلُ وَهُوَ قَائِمٌ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے اس بات سے منع کیا ہے کہ کوئی شخص کھڑا ہو کر جوتا پہنے۔

(۱۶۹۸) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَى أَنْ يَتَنَعَلَ الرَّجُلُ وَهُوَ قَائِمٌ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے اس بات سے منع کیا ہے کہ آدمی کھڑا ہو کر جوتا پہنے۔
تشریح: کھڑے کھڑے جوتے پہننے سے ممانعت کی کیا وجہ ہے؟ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ ان جوتوں کے متعلق ہے جن کے پہننے میں ہاتھ کی مدد کی ضرورت پڑتی ہے جیسے تنگ اور فٹ جوتے یا موزے اور جرابے وغیرہ باعث تعب و مشقت بھی مع ہذا اس میں گرنے کا بھی خطرہ ہوتا ہے اس لئے بیٹھ کر پہننا چاہئے علیٰ ہذا عام چپل یا وہ جوتے جن میں آسانی سے پاؤں داخل ہوتا ہے اس حکم میں داخل نہیں۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي النَّعْلِ الْوَاحِدَةِ

باب ۳۴: ایک جوتا پہن کر چلنے کی اجازت

(۱۶۹۹) رُبَّمَا مَشَى النَّبِيُّ ﷺ فِي نَعْلٍ وَاحِدَةٍ.

ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں۔ بعض اوقات نبی اکرم ﷺ ایک جوتا پہن کر چلا کرتے تھے۔

(۱۷۰۰) أَنَّهُمَا مَشَتْ بِنَعْلٍ وَاحِدَةٍ وَهَذَا أَصَحُّ.

ترجمہ: عبدالرحمن بن قاسم اپنے والد کے حوالے سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں یہ بات نقل کرتے ہیں۔ وہ ایک جوتا پہن کر چلتی تھیں۔

بَاب مَا جَاءَ بِأَيِّ رَجُلٍ يَبْدَأُ إِذَا انْتَعَلَ

باب ۳۵: پہلے کس پاؤں میں جوتا پہننا چاہیے

(۱۷۰۱) إِذَا انْتَعَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِالْيَمِينِ وَإِذَا نَزَعَ فَلْيَبْدَأْ بِالشِّمَالِ فَلْيَتَكُنِ الْيَمْنَى أَوَّلَهُمَا تُنْعَلُ وَآخِرُهُمَا تُنْزَعُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ جب کسی شخص نے جوتا پہننا ہو تو دائیں پاؤں میں پہلے پہنے اور جب جوتا اتارنا ہو تو بائیں پاؤں سے پہلے اتارے، دایاں پاؤں پہنتے ہوئے پہلے ہو، اور اتارتے ہوئے بعد میں ہو۔
تشریح: جب تم میں سے کوئی چپل (وغیرہ) پہنے تو دائیں (پاؤں) سے شروع کرے اور جب اتارے تو بائیں (پاؤں) سے شروع کرے پس دایاں پہننے میں اول ہو اور اتارنے میں مؤخر۔ اس کا ضابطہ بارہا گزرا ہے کہ یمن کو افضلیت حاصل ہے لہذا ہر لائق

تحسین کام میں وہ پہلے ہونا چاہیے جبکہ نسبتہ خسیس کاموں میں دایاں پیچھے ہونا چاہیے تو چونکہ لباس پہننا اچھا کام ہے لہذا کوئی بھی لباس پہنتے وقت پہلے دائیں سے شروع کرے جبکہ اتارنا خلاف تشر اور خلاف زینت ہے لہذا بائیں سے شروع کرے علیٰ ہذا القیاس۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَرْقِيعِ الثُّوبِ

باب ۳۶: کپڑوں میں پیوند لگانے کا بیان

(۱۷۰۲) قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا أَرَدْتَ اللَّحُوقَ بِي فَلْيَكُفِكَ مِنَ الدُّنْيَا كَزَادِ الرَّاحِبِ وَإِيَّاكَ وَمُجَالَسَةَ الْأَغْنِيَاءِ وَلَا تَسْتَخْلِقِ ثَوْبًا حَتَّى تُرَقِّعِيهِ.

ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا۔ اگر تم (آخرت میں) میرے ساتھ رہنا چاہتی ہو تو تمہارے لئے دنیا اتنی ہی کافی ہوگی جتنا سفر کا زادراہ ہوتا ہے اور خوشحال لوگوں کے ساتھ بیٹھنے سے پرہیز کرنا اور کسی بھی کپڑے کو پہننا اس وقت تک نہ چھوڑنا جب تک اس میں پیوند نہ لگا لو۔

فائدہ: مالداروں کے ساتھ تعلق کی تین صورتیں ہیں:

- ① ایک وہ دین کے طالب علم بن کر آپ کے پاس آئیں پس آپ ان کی مدارات کریں ان کو اپنے سے قریب کریں اور ان کو دین سکھائیں یہ ضروری ہے اور اس میں کوئی ضرر نہیں۔
- ② دوم برابری والا دوستانہ تعلق اس کی حدیث میں ممانعت ہے علماء کے لیے یہی سخت مضر ہے اسی ذریعے سے شیطان عالم کی راہ مارتا ہے۔
- ③ محتاج بن کر مالداروں کے پاس جانا اور ان کی کاسہ لیس کرنا یہ قطعاً عالم کی شان کے خلاف ہے یہ تو بئس الفقیر علی باب الأمیر ہے اور پہلی صورت نعمہ الأمیر علی باب الفقیر ہے (یہ حدیث ان الفاظ سے مشہور ہے مگر ابن ماجہ میں دوسرے لفظوں سے ہے)۔

تشریح: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اگر تم مجھ سے (یعنی جنت میں) ملنا چاہتی ہو تو دنیا میں اتنا حصہ تمہارے لیے کافی ہو جائے جتنا ایک مسافر کا توشہ ہوتا ہے اور مالداروں کی ہم نشینی سے بچو اور کسی کپڑے کو اس وقت تک پرانا نہ سمجھو جب تک اس میں پیوند نہ لگا لو۔

قولہ فلیکفک کزاد الراکب چونکہ راکب (گھوڑ سوار) راحل اور راجل سے زیادہ تیز ہوتا ہے اس لیے راکب کا ذکر بالخصوص کم زادراہ سے کنایہ ہوا کہ صرف بقدر کفاف تھوڑا سا لیا کرو۔

قولہ وإیاک ومجالسة الاغنیاء یہ بات بالکل صحیح ہے کہ اغنیاء کے پاس بیٹھنے سے دنیا کا شوق بڑھ جاتا ہے اور آخرت کی فکر کم یا ختم ہو جاتی ہے کمالا یخفی۔

امام حاکم نے ایک اور حدیث کی تخریج کی ہے جو حضرت عبد اللہ بن اشیر سے مرفوعاً مروی ہے: اقلوا الدخول علی الاغنیاء فانہ احری الا تزدروا نعمة الله.

اغنیاء کے پاس بیٹھنا ہی نہیں چاہیے اگر عند الضرورت ایسی نوبت پیش آتی ہے تو کم سے کم وقت میں اپنا کام مکمل کر کے وہاں

سے اٹھنا چاہیے اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ عدم انتہاک کی وجہ سے ان کی نمائش والی چیزوں پر رشک کا موقع نہیں ملے گا اس طرح آدمی کو دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کا موقع نہیں ملے گا۔

باب دخول النبی ﷺ مکہ ولہ اربع غدائر

باب ۳۷: نبی اکرم ﷺ کا مکہ میں داخل ہونا

(۱۷۰۳) قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَكَّةَ وَلَهُ أَرْبَعُ غَدَائِرٍ.

ترجمہ: سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم ﷺ مکہ تشریف لائے تو اس وقت آپ نے بالوں کو چار حصوں میں باندھا ہوا تھا۔ تشریح: اگر مرد کے بڑے بال ہوں تو عورتوں کی طرح چوٹیاں بنانا تو ان کی مشابہت ہے اور جائز نہیں لیکن اگر آدمی ان کی لٹیں بنالے یعنی چند حصے کر کے ان کو گول کر لے تو یہ جائز ہے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب فتح مکہ کے دن نبی ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ کے بال چار لٹیں تھیں۔ غدائر غدیرۃ کی جمع ہے بالوں کی لٹوں جوڑوں اور چٹیا کے لیے یہ لفظ مستعمل ہے یہاں پہلے معنی مراد ہیں۔

باب کیف کان کمام الصحابة؟

باب ۳۸: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ٹوپیاں کیسی تھیں؟

(۱۷۰۴) كَانَتْ كُمَّامُ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ بَطْحًا.

ترجمہ: حضرت ابو کبشہ انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ کے اصحاب کی ٹوپیاں سر سے ملی ہوئی تھیں (یعنی اونچی نہیں ہوتی تھیں)۔

کمام (بالسر) کمة (بالضم) کی جمع ہے اس کے معنی ہیں گول ٹوپی اور بطحا، ابطح کی جمع ہے جس کے معنی ہیں چپکی ہوئی یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کی ٹوپیاں سروں سے لگی ہوئی ہوتی تھیں اونچی نہیں ہوتی تھیں اور اگر کمام کمة کی جمع ہے تو اس کے معنی ہیں آستین اور اس صورت میں بطح کے معنی ہیں چوڑی یعنی صحابہ کے کرتوں کی آستینیں تنگ نہیں ہوتی تھیں بلکہ چوڑی ہوتی تھیں امام ترمذی رحمہ اللہ کے ذہن میں یہی معنی ہیں مگر یہ حدیث انتہائی درجہ ضعیف ہے اس کا ایک راوی عبد اللہ بن بسر سکسکی خیرانی ابو سعید حمصی ضعیف ہے۔

باب فی مبلغ الازار

باب ۳۹: پانچے کا مقام

(۱۷۰۵) أَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِعِصْلَةِ سَاقِي أَوْ سَاقِهِ فَقَالَ هَذَا مَوْضِعُ الْإِزَارِ فَإِنْ أَبَيْتَ فَاسْفَلْ فَإِنْ أَبَيْتَ

فَلَا حَظَّ لِزَارِي فِي الْكُعْبَةِ

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے میری (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) اپنی پٹلی کا سخت حصہ پکڑا اور ارشاد فرمایا۔ یہ تمہیں رکھنے کی جگہ ہے اگر تم نہیں مانتے تو انھوں سے نیچے تمہیں رکھنے کی جگہ ہے، اگر تم نہیں مانتے تو اس سے نیچے کرو کیونکہ اگر یہ بھی نہیں مانتے تو انھوں سے نیچے تمہیں رکھنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ یہ حدیث اسی درجہ کی صحیح ہے اس سے ثابت ہوا کہ مسنون طریقہ آدمی پٹلی تک لٹکی پہننا ہے اور انھوں سے اوپر تک جائز ہے اور انھوں سے نیچے پہننا جائز نہیں۔

باب العمانم علی القلائس

باب ۴۰: ٹوپی پر گجری باندھنے کا بیان

(۱۴۰۶) اَنَّ رُكْنَةَ صَارَعَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَضَرَهُ النَّبِيُّ ﷺ قَالَ رُكْنَةُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ اِنَّ فَرْقَ مَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْكُفَرِ كَيْفَ الْعَمَامَةِ عَلَى الْقَلَائِسِ

ترجمہ: ابو جعفر بن محمد بن رکنہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں، رکنہ نے جب نبی اکرم ﷺ سے کشتی کی اور نبی اکرم ﷺ نے اسے بچھڑا دیا تو رکنہ نے یہ بات بیان کی ہے۔ میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔ ہمارے اور مشرکین کے درمیان بڑی فرق ٹوپی پر عمامہ باندھنا ہے۔

تشریح: ہم نے اس حدیث کے دو مطلب بیان کئے ہیں ایک مشرکین بغیر ٹوپی کے گجری باندھتے ہیں اور مسلمان ٹوپی پہن کر اس پر گجری باندھتے ہیں یہ مطلب رائج ہے۔ دوم: مشرکین صرف ٹوپی پہنتے ہیں گجری نہیں باندھتے اور مسلمان ٹوپی پر گجری بھی باندھتے ہیں مگر یہ مطلب صحیح نہیں۔

باب مَا جَاءَ فِي الْخَاتَمِ الْحَدِيدِ

باب ۴۱: لوہے کی انگوٹھی کا حکم

(۱۴۰۷) جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَعَلَيْهِ خَاتَمٌ مِنْ حَدِيدٍ فَقَالَ مَا لِي أَرَى عَلَيْكَ جِلْيَةَ أَهْلِ الثَّارِ ثُمَّ جَاءَهُ وَعَلَيْهِ خَاتَمٌ مِنْ صُفْرِ فَقَالَ مَا لِي أَجِدُ مِنْكَ رِيحَ الْأَصْنَامِ ثُمَّ أَتَاهُ وَعَلَيْهِ خَاتَمٌ مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَ مَا لِي أَرَى عَلَيْكَ جِلْيَةَ أَهْلِ الْجَنَّةِ قَالَ مِنْ أَتَى شَيْئًا اتَّخَذَهُ قَالَ وَرَقٌ وَلَا تَتَّبِعُهُ مِثْقَالًا

ترجمہ: عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں، ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے لوہے کی انگوٹھی پہنی ہوئی تھی، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ کیا وجہ ہے؟ میں تمہارے اوپر اہل جہنم کا لباس دیکھ رہا ہوں؟ پھر وہ شخص آیا تو اس نے سونے کی انگوٹھی پہنی ہوئی تھی نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا وجہ ہے؟ مجھے تم سے جوں کی بوا رہی ہے، پھر وہ شخص آپ کی

خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے سونے کی انگوٹھی پہنی ہوئی تھی آنے فرمایا۔ کیا وجہ ہے؟ میں تمہارے جسم پر اہل جنت کا زیور دیکھ رہا ہوں؟ اس نے عرض کی۔ پھر میں کون سی انگوٹھی پہنوں؟ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ چاندی کی اور اس میں بھی تم ایک مشقال پورا نہ کرنا۔

تشریح: عورتوں کے لیے چاندی سونے کے علاوہ اور کسی بھی دھات کا زیور پہننا درست ہے جیسے پیتل گلت رانگا وغیرہ مگر انگوٹھی (عورتوں کے لیے بھی) سونے چاندی کے علاوہ اور کسی چیز کی درست نہیں اور مردوں کو چاندی کے سوا کسی اور چیز کی انگوٹھی درست نہیں صرف چاندی کی جائز ہے۔

باب کراہیۃ التختیم فی اصبعین

باب ۴۲: دو انگلیوں میں انگوٹھی پہننے کی کراہیت

(۱۷۰۸) نَهَانِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنِ الْقَيْسِيِّ وَالْمَيْثُورَةِ الْحُمْرَاءِ وَأَنْ أَلْبَسَ خَاتَمِي فِي هَذِهِ وَفِي هَذِهِ وَأَشَارَ إِلَى السَّبَابَةِ وَالْوُسْطَى.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے مجھے ریشمی کپڑا پہننے سے، سرخ میسرہ استعمال کرنے سے اور اس انگلی میں انگوٹھی پہننے یعنی شہادت کی انگلی اور اس کے ساتھ والی انگلی میں (انگوٹھی پہننے سے) منع کیا ہے۔
تشریح: یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے اور مسلم کی روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی ﷺ اس انگلی میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے اور انہوں نے اپنے بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی کی طرف اشارہ کیا۔ (مشکوٰۃ حدیث ۴۳۸۹)

باب ماجاء فی احب الثیاب الی رسول اللہ ﷺ

باب ۴۳: نبی اکرم ﷺ کا پسندیدہ لباس

(۱۷۰۹) كَانَ أَحَبُّ الثِّيَابِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ يَلْبَسُهَا الْخَبْرَةَ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ کے نزدیک پسندیدہ لباس دھاری دار یعنی چادر تھی۔



أَبْوَابُ الْأَطْعِمَةِ

کھانے پینے کے بیان میں

کھانے کی اشیاء کے متعلق مختلف ابواب جو رسول ﷺ سے مروی ہیں

ما قبل ربط: ابواب الاطعمہ کو ما قبل کے ابواب سے ربط یہ ہے کہ ما قبل میں ابواب اللباس کو بیان فرمایا تھا ظاہر ہے کہ لباس و طعام دونوں اہم ضرورتوں میں سے ہیں حتیٰ کہ نفقہ زوجہ کے وجوب میں دونوں کی حیثیت برابر ہے بدیں مناسبت ابواب اللباس کے بعد ابواب الاطعمہ کو ذکر فرمایا ہے اور لباس کی اہمیت کے پیش نظر اس کو مقدم کر دیا ہے۔
طیب و خبیث کا فرق ہے؟ کھانے پینے کے سلسلہ میں بنیادی بات طیب و خبیث کا فرق ہے۔

سورة الاعراف آیت ۱۵۷ میں نبی ﷺ کے جو اوصاف خمسہ بیان کئے گئے ہیں ان میں ہے: ﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبِيثَاتِ﴾ یعنی آپ ﷺ ستھری چیزوں کو لوگوں کے لئے حلال کرتے ہیں اور گندی چیزوں کو (بدستور) ان پر حرام رکھتے ہیں۔

مذہب فقہاء: کہ طیب اور خبیث کی کوئی کیا ہے؟ عربوں کا ذوق یا نبی ﷺ کا ذوق؟

احناف: ذوق نبوی کا اعتبار کرتے ہیں جن کی دلیل حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی مسلم شریف کی حدیث (۱۹۳۸) ہے کہ نبی کریم ﷺ نے گوہ کا گوشت نہیں کھایا بلکہ ہاتھ کھینچ لیا تو حضرت فضل بن عباس اور حضرت خالد بن الولید اور ام حفیدہ رضی اللہ عنہا نے اس کو کھایا مگر حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: لا آکل من شئ الا شئ یا کل منہ رسول اللہ ﷺ یعنی میں تو وہی چیز کھاؤں گی جو رسول اللہ ﷺ کھائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے گوہ نہیں کھائی، انہوں نے ذوق نبوی کا لحاظ کیا۔ احناف بھی اسی کا لحاظ کرتے ہیں اور عقل کا بھی یہی تقاضا ہے، آپ ﷺ کی شریعت ساری دنیا کے لئے ہے۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ: عربوں کے ذوق کا اعتبار کرتے ہیں یعنی جس کو عرب ستھرا سمجھتے ہیں وہ حلال ہے اور جس کو عرب گندہ سمجھتے ہیں وہ حرام ہے۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا بجو کی حلت میں مشہور قول ہے کہ وہ برابر صفا مرہ کے درمیان بکتا ہے اور لوگ کھاتے ہیں پس وہ حلال ہے، معلوم ہوا کہ حضرت نے عربوں کے ذوق کا اعتبار کیا ہے۔ اور امام احمد رحمہ اللہ کے مذہب کی کتابوں میں حلت و حرمت میں عربوں کے ذوق کا اعتبار ہے۔

عرض: یہ ایک ایسی بات ہے جس سے بعض حیوانات کی حلت و حرمت کا فیصلہ کرنے میں اختلاف ہو گیا ہے۔
طبعی کراہت: کہ ایک طبعی کراہت (ناپسندیدگی) ہے اور ایک کسی چیز سے گھن کرنا ہے یعنی نفرت کرنا۔

اول: مزاج خاصہ کا تقاضہ ہو سکتا ہے مگر ثانی کو حلت و حرمت کا معیار بنانا ہوگا ورنہ کوئی معیار باقی نہیں رہے گا مثلاً نبی ﷺ نے کبھی خرگوش پسند نہیں کیا یہ طبعی کراہت تھی، اس پر حلت و حرمت کا مدار یعنی وہ اس سے نفرت کریں تو اس کو حلال قرار دینا مشکل ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ عَلَى مَا كَانَ يَأْكُلُ النَّبِيُّ ﷺ

باب ۱: نبی اکرم ﷺ جس چیز پر رکھ کر کھایا کرتے تھے

(۱۷۱۰) قَالَ مَا أَكَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى خُوانٍ وَلَا فِي سُكَّرَجَةٍ وَلَا حُبْرَلَهْ مُرَقَّقٍ قَالَ فَقُلْتُ لِقَتَادَةَ فَعَلَامَهُ كَانُوا يَأْكُلُونَ قَالَ عَلَى هَذِهِ الشُّفْرِ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے کبھی بھی ”چوکی“ پر رکھ کر نہیں کھایا اور نہ ہی کبھی چھوٹے پیالے میں کھایا ہے اور نہ ہی آپ کے لئے کبھی چپاتی تیار کی گئی ہے۔

راوی بیان کرتے ہیں، میں نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا، پھر وہ لوگ کسی چیز رکھ کر کھایا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا۔ عام دسترخوان پر۔

تشریح: امام ترمذی رحمہ اللہ اور دوسرے حضرات محدثین رحمہم اللہ نے ابواب الاطعمہ کے تحت مختلف عنوان قائم کر کے امت کو آپ ﷺ کی اتباع کی ترغیب دی ہے۔ خصائص کے علاوہ آپ ﷺ کی زندگی خواہ اجتماعی ہو یا انفرادی، قابل اتباع ہے اور حقیقت امت کی کامیابی و کامرانی کا مدار بھی اسی پر ہے۔

خوان کی تفسیر:

ملا علی قاری رحمہ اللہ شرح شامی میں فرماتے ہیں صحیح یہ ہے کہ یہ عجی ہے اس کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جو زمین سے اُچی ہو اور اس میں پیر لگے ہوئے ہوں۔ ابن الفارس نے بھی اس کو عجی قرار دیا ہے۔ مولانا گنگوہی رحمہ اللہ نے اس کی تفسیر ایسی چیز کے ساتھ کی ہے جس میں بڑے بڑے پیر لگے ہوئے ہوں جیسے میز۔ علامہ عینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ پیتل وغیرہ کا بڑا طباق جس کے نیچے پیتل وغیرہ کی ٹانگیں لگی ہوئی ہوں کہ جس کا طول ایک ذراع ہو یہ برتن اتنا بڑا ہوتا تھا کہ اس کو دو یا اس سے زائد آدمی اٹھاتے تھے اور بڑے آدمی کے سامنے رکھا جاتا تھا۔ متکبرین کی یہ عادت تھی کہ وہ اس کو سامنے رکھ کر کھانا کھاتے تاکہ سر نہ جھکانا پڑے جیسا کہ شراح حدیث نے بیان کیا ہے۔ راوی نے فرمایا کہ آپ ﷺ نے متکبرین کی اس مکروہ عادت کو اختیار نہیں فرمایا۔

خوان پر کھانے کا شرعی حکم:

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آپ ﷺ کا خوان میز وغیرہ پر کھانا نہ کھانے سے کراہت ثابت ہو گئی۔ اس لئے کہ یہ متکبرین کا طریقہ ہے۔

(١١) أَنْفَجْنَا أَرْبَابًا مِمَّنْ الظَّهْرَانِ فَسَعَى أَصْحَابُ النَّبِيِّ ﷺ خَلْفَهَا فَأَذَرُوكُهَا فَأَخَذُهَا فَأَتَيْتُ بِهَا أَبَا طَلْحَةَ فَذَبَحَهَا بِمَرْوَةٍ فَبَعَثَ مَعِيَ بِقُحْدِهَا أَوْ بِوَرِكِهَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَأَكَلَهُ قَالَ قُلْتُ أَكَلَهُ قَالَ قَبِلَهُ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ”مر الظہران“ کے مقام پر ہم لوگ ایک خرگوش کے پیچھے گئے نبی اکرم ﷺ کے اصحاب اس کے پیچھے بھاگے میں اس تک پہنچ گیا اور میں نے اسے پکڑ لیا میں اسے لے کر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا انہوں نے ایک سخت پتھر کے ذریعے اسے ذبح کیا اور اس کی دورانیں یا دوسریں میرے ذریعے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بھجوائیں تو آپ ﷺ نے انہیں کھالیا۔

تشریح: فبعث معی بفخذھا او بور کھا لفظ اوشک کی وجہ سے ہے جو راوی کو پیش آیا ہے مگر حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے فخذ اور ورك دونوں کو لے کر بھیجا ہو اور راوی نے بعض روایتوں میں ورك کا اور بعض میں فخذ کا ذکر کر دیا۔

خرگوش کا شرعی حکم:

والعمل علیٰ هذا عندا کثیر اهل العلم

امام ترمذی رحمہ اللہ نے حسب عادت اکل ارنب کے بارے میں فقہاء کا اختلاف نقل کیا ہے اور دو قول نقل کئے ہیں۔

دو مذہب ہیں: ① جمہور کے نزدیک خرگوش کھانا جائز ہے۔

② عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے عبداللہ اور عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ اور عکرمہ رضی اللہ عنہ اکل ارنب کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔

جمہور کے دلائل: ① حدیث باب جمہور کی دلیل ہے کہ خرگوش کا گوشت حلال ہے کیونکہ اس میں ہے کہ آپ ﷺ نے اسے قبول فرمایا اگر یہ حرام یا مکروہ ہوتا تو آپ ﷺ اسے ہرگز قبول نہ فرماتے۔

② امام بخاری رحمہ اللہ نے باب الہبہ میں اس روایت میں مزید یہ بھی روایت کیا ہے: قلت واکلہ؟ قال واکل منہ وقبلہ آپ ﷺ نے اسے کھایا اور قبول فرمایا۔

③ سنن نسائی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خرگوش کھانے کا حکم دیا۔

④ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص آپ ﷺ کے پاس خرگوش لایا تو آپ نے اسے کھانے کا حکم دے دیا اس شخص نے عرض کیا کہ میں نے اس کا خون دیکھا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا لہذا اسے کھالو۔ (تحفۃ الاحوذی ۵/۴۰۰)

قائلین کراہت کے دلائل: جو لوگ اکل ارنب کو مکروہ سمجھتے ہیں انہوں نے مختلف روایات سے استدلال کیا ہے۔

① روایت خزیمہ رضی اللہ عنہ بن جز قلت یا رسول اللہ ﷺ ما تقول فی الارنب. (خرجہ ابن ماجہ) جس کا حاصل یہ کہ آپ ﷺ سے جب راوی نے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہ میں کھاتا ہوں اور نہ حرام قرار دیتا ہوں۔

② دوم عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی روایت جس کے الفاظ لا آکلھا ولا احرمھا ہیں۔ (خرجہ الطبرانی)

③ سال جریر بن انس رضی اللہ عنہ النبی ﷺ عن الارنب فقال لا آکلھا انبئت انھا تحیض. (خرجہ عبدالرزاق)

④ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت جس کے الفاظ جئنا الی رسول اللہ ﷺ وانا جالس فلم یأکلھا ولم ینہ عن اکلھا وزمیر انھا تحیض ہیں۔ (خرجہ ابوداؤد)

روایات کراہت کے جوابات:

- جواب ①: ان میں سے اکثر روایات متکلم فیہ ہیں جیسا کہ عینی اور ابن حجر رحمہما علیہما مستقلانی اور دیگر شراح نے تصریح کی ہے۔
- جواب ②: یہ روایات حلت پر دال ہیں چونکہ آپ ﷺ کا فرمان لا احرمة عین دلیل حلت ہے۔
- جواب ③: اوپر پیش کی گئیں روایات میں صراحتہ وارد ہوا: لہٰذا ینہ عنہا وامر باکلہا کہ آپ ﷺ نے منع نہیں فرمایا بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو کھانے کا حکم فرمایا۔

انہا تدمی: اس کے بارے میں حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں ادماء کا معنی حیض نہیں ہے بلکہ اسالت دم ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس کا گوشت تو سر اسر خون ہی ہے کیونکہ جتنی بار بھی اس کو دھویا جاتا ہے تو اس سے خون ہی نکلتا ہے یہاں تک کہ دھوتے دھوتے اس کو ختم بھی کیا جاسکتا ہے تو گویا یہ دم مسفوح کے مشابہ ہو گیا اگرچہ شریعت نے اس کو خون تسلیم نہیں کیا ہے بلکہ عرف کا اعتبار کرتے ہوئے اس کو گوشت قرار دیا ہے۔

امام رافعی رحمہ اللہ نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے ایک روایت حرمت کی نقل کی ہے مگر علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ غلط ہے ہمارے حنفیہ میں کسی سے بھی عدم جواز مروی نہیں ہے اور نووی رحمہ اللہ نے بھی امام اعظم رحمہ اللہ سے حرمت کی روایت غلط نقل کی ہے چنانچہ امام کرنی رحمہ اللہ نے فرمایا: لہٰذا یروٰ اجمیعاً باسباب الازنب۔

مسائل مستنبط

حدیث پاک سے مختلف مسائل معلوم ہوئے۔

- ① شکار کو اس کی جگہ سے بھڑکانے اور اس کا پیچھا کرنے کا جواز بشرطیکہ مصالح دینیہ فوت نہ ہوں: والا قدورد من اتباع الصيد غفل۔ (اخرجه ابو داؤد والنسائی)
- ② شکار کا اس شخص کی ملکیت میں ہو جانا جو اس کو پکڑے خواہ شکار کو بھڑکانے والے اور بھی ہوں۔
- ③ شکار کے ہدیہ کرنے اور شکاری کی طرف سے ہدیہ قبول کرنے کا جائز ہونا۔
- ④ عظیم المرتبت شخص کی خدمت میں معمولی چیز کا ہدیہ پیش کرنا بشرطیکہ یہ معلوم ہو کہ اس سے ناراض نہیں ہوگا۔

خرگوش کے خاصیات

خرگوش جانوروں میں سب سے بزدل کثیر الشہوت جانور ہے۔ علامہ دمیری وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ اس کی مؤنث کو حیض آتا ہے جس طرح دیگر بہت سے حیوانات کو حیض آتا ہے۔ علامہ دمیری کہتے ہیں کہ خرگوش کی ایک قسم ایسی بھی ہے جو ایک سال بڈ کر اور ایک سال مؤنث رہتی ہے۔ فسجان القادر علی کل شیء بقراط کہتے ہیں کہ اس کا گوشت گرم اور خشک ہے پیٹ کے لیے صفائی کا ذریعہ ہے اور پیشاب کثرت سے بہانے والا ہے اور اگر رات کو بستر پر پیشاب کرنے والے کو اس کا گوشت کھلایا جائے تو اس کے لیے نہایت

نافع ہے۔ بری خرگوش کا بھنا ہوا دماغ ایسے رعشہ کے لیے مفید ہے جو کسی بیماری کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہو اس کے خون کو بطور سرمہ استعمال کرنے سے آنکھوں کے اندر بال نہیں آگتے۔

لعنات: انفج یہ لفظ باب افعال سے ہے بمعنی باہر نکالنا۔ مر الظہران یہ مکہ مکرمہ کے شمال جانب تقریباً سولہ میل کے فاصلے پر ایک نخلستانی علاقہ ہے، جہاں تھوڑی بہت آبادی بھی ہے، وہاں سے مکہ مکرمہ میں سبزیاں لائی جاتی ہیں، مکہ کے لوگ سیرو تفریح کے لیے وہاں جاتے ہیں، آجکل اس جگہ کو ”وادی فاطمہ“ کہا جاتا ہے جو کہ ترکی عہد کی فاطمہ نامی ایک مالدار عورت کی طرف منسوب ہے۔ (حیات الحيوان ۱: ۸-۱)

مروۃ (میم پرزبر اور را کے سکون کے ساتھ)

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَكْلِ الضَّبِّ

باب ۳: گوہ کھانے کے بارے میں جو کچھ منقول ہے

(۱۷۱۲) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سُئِلَ عَنْ أَكْلِ الضَّبِّ فَقَالَ لَا أَكُلُهُ وَلَا أُحَرِّمُهُ.

توضیح: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ سے گوہ کھانے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: نہ تو میں اسے کھاتا ہوں اور نہ ہی حرام قرار دیتا ہوں۔

تشریح: ضب کا شرعی حکم: مذاہب فقہاء: دو قول ہے: ① حضرات ائمہ ثلاثہ اسحاق بن راہویہ اور ظاہریہ جواز کے قائل ہیں۔

② حضرات احناف اس کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔

قائلین کراہت احناف کے دلائل: ① حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت انہ اہدی للنبی ﷺ ضب فلم يأكله فقام عليه سائل فارادت عائشة رضي الله عنها ان تعطيه فقال لها اتعطيه ما لا تأكلين۔ (اخرجه الطحاوی)

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کو ایک گوہ ہدیے میں دی گئی آپ ﷺ نے نہیں کھائی ایک سائل

کھڑا ہوا میں نے اُسے دینے کا ارادہ کیا آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو وہ چیز دے رہی ہے جو تو خود نہیں کھاتی۔“

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے خود اپنے لئے اور دوسروں کے لیے اکل ضب کو مکروہ سمجھا ہے۔

② حدیث عبد الرحمن بن حسنہ قال نزلنا أرضاً كثيرة الضبات۔ (الحديث) وفيه انهم طبعوا منها فقال النبي ﷺ امة من بني اسرائيل مسخت دواب في الارض فاخشى ان تكون هذه فاكفوها قال الحافظ سنداه على شرط الشيخين۔ (اخرجه ابو داؤد وابن حبان والطحاوی واحمد)۔ مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوا کہ گوہ کی صورت پر بنی اسرائیل کی ایک قوم مسوخ ہوئی ہے۔

③ حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ نے فرمایا کہ کسی قوم کا کسی جانور کی صورت پر مسخ ہونا اس جانور کے خبیث ہونے کی علامت ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جانوروں کی حرمت کے بارے میں یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ آیا اس کی

صورت پر کسی قوم کا مسخ ہوا ہے یا نہیں جیسے بندر و خنزیر ہے اگرچہ قوم مسوخ کی نسل باقی نہیں رہتی (کہا و رد فی الحدیث) مگر اس جانور کی صورت پر مسخ ہونا بہر حال اس کے خبث کی علامت ہے۔ تو یقیناً یہ خبیث جانور ہے نیز وہ حشرات الارض میں سے ہونے کی بناء پر بھی خبیث ہے اور بھص قرآن و یحرم علیہم الخبائث گوہ حرام ہونی چاہئے۔

جمہور کے دلائل: جمہور ان تمام روایات سے استدلال کرتے ہیں جن میں صراحتاً یا اشارۃً گوہ کھانے کا ذکر ہے:

① عن ابن عباس رضی اللہ عنہما عن خالد بن الولید رضی اللہ عنہ انه دخل مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت میمونۃ رضی اللہ عنہا فاتی بضب محنود فاهوی الیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدہ فقال بعض النسوة اخبروا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بما یرید ان یا کل فقالوا هو ضب یا رسول اللہ فرفع یدہ فقلت احرام هو یا رسول اللہ فقال لا ولكن لم یکن بارض قومی فاجدنی اعافہ قال خالد فاحتز فاکلتہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینظر۔ (اخرجه البخاری)

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھونی ہوئی گوہ لائی گئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف ہاتھ بڑھائے بیویوں میں سے کسی نے کہا معلوم کرو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کھانا چاہتے ہیں انہوں نے کہا وہ گوہ ہے اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ نے اپنا ہاتھ ہٹالیا میں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا وہ حرام ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ لیکن یہ عرب کی سرزمین میں نہیں پائی جاتی مجھے اس سے گھن آتی ہے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے اُسے کھایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ رہے تھے۔“

② دیگر وہ روایات ہیں جن میں لا الکھ ولا احرمہ وارد ہے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دسترخوان پر گوہ کھانے کا ذکر ہے جیسا کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل فرمایا ہے۔ ان جملہ مذکورہ بالا روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تو گوہ کو تناول نہیں فرمایا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کی اجازت دی یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دوسروں نے دسترخوان پر کھائی ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ اس کا کھانا جائز ہے۔

ضب کا توحید و رسالت کی گواہی دینا:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک محفل میں تشریف فرما تھے کہ قبیلہ بنو سلیم کا ایک اعرابی آیا یہ شخص گوہ کا شکار کر کے اسے اپنی آستین میں رکھ کر گھر لے جا رہا تھا تا کہ اسے بھون کر کھالے جب اس نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت کو دیکھا تو پوچھا کہ یہ ہجوم کس کے پاس جمع ہے لوگوں نے بتایا کہ یہ اجتماع اس شخص کے آس پاس ہے جو نبوت کا دعویدار ہے۔ چنانچہ پھر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آگیا اور لوگوں کو مشقت میں ڈال دیا، کہنے لگا قسم ہے لات و عزریٰ کی (اے محمد) نہیں جانا عورتوں نے ایسا کوئی انسان جو آپ کے مقابلے میں میرے نزدیک زیادہ مغنوس اور قابل نفرت ہو اور اگر مجھے اس بات کا اندیشہ نہ ہوتا کہ اہل عرب مجھے جلد باز کہیں گے تو میں تجھے قتل کر کے سب لوگوں کو خوش کر دیتا یہ بیہودہ گوئی سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ حضور مجھے اجازت دے دیجئے تاکہ میں اسے قتل کر دوں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نہیں اے عمر! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ بردبار شخص ہی نبوت کا مستحق ہوتا ہے۔

پھر وہ اعرابی نبی کریم ﷺ کے سامنے آیا اور کہا کہ لات اور عزیٰ کی قسم میں آپ پر اس وقت تک ایمان نہیں لاؤں گا جب تک کہ یہ گوہ تم پر ایمان نہ لے آئے یہ کہہ کر اس نے وہ گوہ اپنی آستین سے نکال کر حضور ﷺ کے سامنے چھوڑ دی اور کہا کہ اگر یہ گوہ تم پر ایمان لے آئے تو میں بھی تم پر ایمان لے آؤں گا۔

نبی کریم ﷺ نے اسے آواز دی یا ضب! اے گوہ! آپ کی آواز سن کر نہایت ہی واضح اور فصیح زبان میں اس نے جواب دیا جس کو سب لوگ بھی سن رہے تھے۔ (اس گوہ نے یہ جواب دیا)

لبیک وسعدیک یا زین من وافی القيامة: (میں حاضر ہوں، آپ خوب خوشحال اور خوش نصیب ہوں، اے قیامت میں آنے والے تمام لوگوں کی زینت) پھر آپ ﷺ نے اس سے فرمایا:

من تعبد یا ضب؟ (اے گوہ! تم کس کی عبادت کرتی ہو؟) گوہ نے جواب دیا:

”الذی فی السماء عرشہ، وفی الارض سلطانہ، وفی البحر سبیلہ، وفی الجنة رحمته، وفی النار عذابه“

”میں اس ذات کی بندگی کرتی ہوں، جس کا عرش آسمانوں میں ہے، جس کی سلطنت زمینوں میں ہے، جس کے بنائے ہوئے

راستے سمندر میں ہیں، جس کی رحمت جنت میں ہے اور جس کا عذاب جہنم میں ہے۔“

آپ ﷺ نے فرمایا من انا یا ضب؟ میں کون ہوں اے گوہ؟ گوہ نے جواب دیا:

انت رسول رب العالمین، وخاتم النبیین، وقد افلح من صدقك، وقد خاب من کذبك.

”آپ پروردگار عالم کے رسول اللہ خاتم الانبیاء ﷺ ہیں، جس نے آپ کی تصدیق کی وہ کامیاب رہا، اور جس نے آپ کو

جھٹلایا وہ ناکام ہوا۔“

اس اعرابی نے کہا: اپنی آنکھوں سے معجزے کا مشاہدہ کرنے کے بعد اب میں کسی اور چیز کی پیروی نہیں کروں گا، چنانچہ گوہ کا جواب سُن کر اس نے اسلام قبول کر لیا، اور کہا اللہ کی قسم میں جس وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، تو میرے نزدیک روئے زمین پر کوئی بھی آپ سے زیادہ مبغوض نہیں تھا، اور اب آپ میرے نزدیک میری جان اور میری اولاد سے بھی زیادہ محبوب ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ میرے جسم کا رواں رواں ظاہر و باطن سے آپ کا دلدادہ ہو چکا ہے، میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور یہ کہ آپ اللہ کے رسول برحق ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے تجھے اس دین کی ہدایت دی، جو دین کہ غالب ہے، مغلوب نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ اس دین کو نماز کے بغیر قبول نہیں فرماتے، اور نماز کو قرآن کے بغیر قبول نہیں فرماتے، اس اعرابی نے کہا کہ پھر مجھے قرآن سکھا دیجئے، حضور ﷺ نے اس کو سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص سکھا دی، اعرابی نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اور بھی سکھا دیجئے، کیونکہ مختصر سے مختصر اور طویل سے طویل کلاموں میں بھی میں نے اس سے بہتر کوئی کلام نہیں سنا، حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ پروردگار عالم کا کلام ہے، کوئی شعر نہیں ہے، لہذا جب تو سورہ اخلاص ایک مرتبہ پڑھ لے گا تو گویا تو نے ایک تہائی قرآن پڑھ لیا، اور جب تو اسے دو مرتبہ پڑھ لے گا تو گویا تو نے دو تہائی قرآن پڑھ لیا، اور اگر تین مرتبہ اسے پڑھ لیا تو گویا پورا قرآن مجید پڑھ لیا۔ اعرابی نے کہا: ہمارا معبود کس قدر اچھا ہے کہ تھوڑا سا عمل قبول کر کے اسکا ڈھیروں ڈھیر ثواب دیتا ہے، پھر حضور اکرم ﷺ نے اس سے پوچھا کہ تمہارے پاس مال و دولت ہے؟ اس نے بتایا کہ پورے قبیلہ بنو سلیم میں مجھ سے

زیادہ تنگدست کوئی نہیں ہے، نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ اس کی مالی امداد کریں، چنانچہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسے مال دیا اور مال دینے میں خوب فراخ دلی کا مظاہرہ کیا۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اسے اللہ کی رضا کی خاطر دس ماہ کی گاہن اونٹنی دیتا ہوں جو اس قدر تیز رفتار ہے کہ آگے والے کو پالیتی ہے اور پیچھے والا بھی کوئی اس کو نہیں پکڑ سکتا، یہ وہی اونٹنی ہے جو غزوہ تبوک کے لیے بھیجی تھی، اس پر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے جو کچھ دیا ہے اسے بیان کر دیا ہے، اور اس کے عوض اللہ تعالیٰ جو تم کو عطا فرمائے گا میں اس کو بیان کروں؟ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا! حضور بیان فرما دیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم کو اسکے بدلے میں ایک ایسی اونٹنی ملے گی جو شاندار اور کشادہ بڑے موتی کی طرح ہوگی جس کے پاؤں سبز زمرد کے اور گردن (یا آنکھیں) زرد زبرجد کی ہوں گی، اس پر ایک کجاوہ ہوگا، جس پر باریک اور موٹا ریشم ہوگا، یہ اونٹنی تمہیں پل صراط پر سے آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی بجلی کی مانند لے کر گزر جائے گی، اس دن جو بھی تجھے دیکھے گا وہ رشک کرے گا (کہ کاش یہ فضیلت مجھے بھی حاصل ہوتی)، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا (اے اللہ کے رسول ﷺ) میں راضی ہوں۔ پھر وہ اعرابی حضور ﷺ کے پاس سے اٹھ کر باہر نکلے تو ان کی ملاقات قبیلہ بنو سلیم کے ان ہزار گھوڑ سوار اعرابیوں سے ہوئی، جن کے پاس ایک ہزار تلوار اور ایک ہزار نیزے تھے، اس مومن اعرابی نے ان سے دریافت کیا کہ کہاں جا رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم اس شخص (جھوٹے نبی) کو قتل کرنے جا رہے ہیں، جس نے ہمارے معبودوں کو غلط قرار دیا، مومن اعرابی نے کہا کہ تم ایسا (یعنی قتل) نہ کرو، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، تو ان لوگوں نے کہا کہ اچھا تم بھی صابی ہو گئے (یعنی اپنے آباؤ اجداد کے دین کو چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کر لیا) تو پھر انہوں نے اپنا پورا قصہ ان لوگوں کو سنایا، قصہ سنکر سب لوگوں نے کلمہ طیبہ پڑھا اور مشرف باسلام ہو گئے۔ اس حیرت انگیز واقعہ کا علم جب حضور ﷺ کو ہوا تو آپ نے ان سب کا چادر سے استقبال کیا پھر وہ اپنی سواریوں سے اتر آئے، اور ان کی زبان پر یہ کلمہ جاری تھا: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہمارے لئے کیا حکم ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ آپ لوگ حضرت خالد بن ولید کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو جاؤ، آپ کے زمانہ مبارک میں قبیلہ بنو سلیم کے ان ہزار لوگوں کے علاوہ اتنی بڑی تعداد میں ایک ساتھ پھر کبھی نہ عرب میں لوگ ایمان لائے اور نہ عجم میں (یہ فضیلت اسی قبیلے کے ان ہزار لوگوں کو حاصل ہوئی ہے)۔

خاصیات گاوہ

الضب: بفتح الضاد المعجمة وتشديد الباء بری جانور ہے۔ مؤنث کے لیے ضبۃ آتا ہے اور جمع ضباب وانصب آتی ہے۔ اس کو فارسی میں سوس مار اور ہندی میں گاوہ یونانی زبان میں انفوٹانس کہتے ہیں یہ قد میں بلی سے چھوٹا جانور ہے اور اس کی دم انتہائی چھوٹی ہوتی ہے اور اس کا رنگ زردی اور سیاہی کے درمیان ہوتا ہے۔ دیار عرب میں یہ جانور کثیر الوجود ہے۔

علامہ دمیری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ جانور پانی نہیں پیتا اور سات سو سال سے زائد زندہ رہتا ہے (کہا قالہ ابن خالویہ) چالیس دن میں ایک قطرہ پیشاب کرتا ہے اس کے دانت الگ الگ نہیں ہوتے بلکہ ملے ہوئے ہوتے ہیں اور کبھی نہیں گرتے گرمی اور

سردی کے اثر سے اس کے رنگ میں تلون ہوتا رہتا ہے مذکر کے دودھ ہوتے ہیں۔ بچھو سے اس کی دوستی ہے۔ اس لئے اس کو اپنے بھٹ میں جگہ دیتی ہے تاکہ جب کوئی شکاری اس کو پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھائے تو بچھو اس کو ڈس لے اس کی طبیعت میں نسیان اور بھگنا ہے اسی وجہ سے یہ اپنا بھٹ کسی پتھر یا ٹیلہ کے پاس بناتی ہے تاکہ آتے جاتے نہ بھولے کہوتر جیسے انڈے دیتی ہے جن کی تعداد ستر سے بھی زائد ہوتی ہے اور جب انڈے دینے کا ارادہ کرتی ہے تو زمین میں گڑھا کھودتی ہے اور اس گڑھے میں انڈے کر مٹی ملا دیتی ہے اور روزانہ ان کو سیتی رہتی ہے۔ حتیٰ کہ چالیس دن میں بچہ نکل آتا ہے۔ اس کی کنیت ابو حسل ہے بکسر الحاء و سکون السین واللام۔



بَابُ مَا جَاءَ فِي أَكْلِ الضَّبْعِ

باب ۴: بجو کھانے کے بارے میں جو کچھ منقول ہے

(۱۷۱۳) قُلْتُ لِحَبِيبِ الضَّبْعِ صَيِّدٌ هِيَ قَالَ نَعَمْ قَالَ قُلْتُ أَكُلُهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ قُلْتُ لَهُ أَقَالَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَالَ نَعَمْ.

ترجمہ: ابن ابوعمار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا۔ کیا بجو شکار ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ جی ہاں! میں نے دریافت کیا، کیا میں اسے کھا سکتا ہوں؟ انہوں نے جواب دیا۔ جی ہاں میں نے دریافت کیا، کیا یہ بات نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمائی ہے؟ انہوں نے جواب دیا جی ہاں۔

(۱۷۱۴) سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنْ أَكْلِ الضَّبْعِ فَقَالَ أَوْ يَأْكُلُ الضَّبْعُ أَحَدٌ وَسَأَلْتُهُ عَنِ الذِّئْبِ فَقَالَ أَوْ يَأْكُلُ الذِّئْبُ أَحَدٌ فِيهِ خَيْرٌ.

ترجمہ: حضرت خزیمہ بن جزء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ سے بجو کھانے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ کوئی شخص بجو کھا سکتا ہے؟ میں نے آپ سے،، بھیڑیا،، کھانے کے بارے میں دریافت کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کیا کوئی ایسا شخص بھیڑیے کو کھا سکتا ہے، جس میں بھلائی موجود ہو؟

مذہب فقہاء: بجو کا شرعی حکم: ① امام شافعی، احمد بن حنبل رحمہما، اسحاق بن راہویہ کے نزدیک کھانا جائز ہے نیز ظاہر یہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

② جمہور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اکل ضبع کی حرمت کے قائل ہیں اور جمہور علماء کا مسلک بھی یہی ہے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ اولہ کے تعارض کی بناء پر کراہت کے قائل ہیں۔

حبہور قائلین حرمت کے دلائل: ① حبان رحمہ اللہ بن جزء کی روایت کہ حبان بن جزء نے اپنے بھائی خزیمہ سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ سے بجو کھانے کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا بجو کو بھی کوئی آدمی کھاتا ہے (جس

میں خیر ہو) یہ روایت بجو کھانے کے عدم جواز پر صراحتہ دال ہے۔ (رواہ الترمذی)

② وہ اثر جو سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ سے احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ، اسحاق بن راہویہ اور ابو یعلیٰ وغیرہ نے اپنی اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔ کہ سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کوئی قوم بجو کھاتی ہے؟ انہوں نے کہا ان اکلہا لایجل اس وقت ابن مسیب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک بوڑھا شخص بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے بیان کیا کہ مجھ سے عبد اللہ نے بیان کیا کہ میں نے ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے یہ کہتے ہوئے سنا: نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اکل کل ذی خطفة ونہیبة ومجشمة وکل ذی ناب من السباع۔ عبد الرزاق رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی مصنف میں اسی کے قریب قریب بطریق سفیان ثوری ابن مسیب رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ ابن مسیب رضی اللہ عنہ نے بجو کے کھانے کو حلال نہیں فرمایا پھر ان کا یہ قول ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ روایت سے مؤید بھی ہو گیا کیونکہ بجو حملہ آور جانور ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے جانور کو کھانے سے منع فرمایا ہے۔

③ آیت شریفہ ﴿وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ﴾ (الاعراف: ۱۵۷) کہ مسلمانوں کے حق میں خبیث جانور حرام کیے گئے ہیں اور بجو اخبث الحیوانات ہے کیونکہ یہ انسان کے گوشت اور اس کے خون کا بہت عاشق ہے حتیٰ کہ قبر کھود کر مردار انسان کو بھی کھا لیتا ہے۔ کما مر لہذا اس کے خبیث ہونے میں کیا شک ہے اس لیے بجو آیت کے تحت داخل ہے اور اس کا کھانا حرام ہے۔

قائلین اباحت کے دلائل: جو حضرات بجو کھانے کو مباح قرار دیتے ہیں انہوں نے مختلف روایات سے استدلال کیا ہے۔

① حدیث باب جس کا حاصل یہ ہے کہ راوی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بجو کے شکار ہونے اور اپنے کھانے کے بارے میں پوچھا تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے مثبت جواب دیا اور جب راوی نے پوچھا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یونہی فرمایا ہے تو اس پر بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نعم فرمایا۔ معلوم ہوا کہ بجو کا کھانا جائز ہے۔

② حاکم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الضبع صید و جزاء کبش مسن ویؤکل۔ ”بجو شکار ہے اور اس کے قتل کرنے کی جزاء ایک سال والا مینڈھا ہے اور بجو کو کھایا جاسکتا ہے۔“

قال الحاکم هو صحیح اسنادا و ذکرہ ابن السکن فی صحیحہ قال الترمذی سالت البخاری عنہ فقال انه حدیث صحیح۔ یہ روایت جواز اکل ضبع پر صریح دال ہے۔

③ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بارے میں امام شافعی رضی اللہ عنہ اور دیگر محدثین نے نقل کیا ہے کہ وہ بجو کھایا کرتے تھے۔

جواب: روایات دونوں طرح کی ہیں بعض سے حلت اور بعض سے حرمت معلوم ہوتی ہے اور قاعدہ ہے کہ ادلہ کے تعارض کے وقت احتیاطاً حرمت کو ترجیح دی جاتی ہے۔ لہذا دلائل احناف رائج ہوں گے۔

الضبع: ضبع بفتح الصاد و ضم الباء ابن الانباری اور ابن ہشام رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اس کا اطلاق اسم جنس ہونے کی وجہ سے مذکر و مؤنث دونوں پر ہوتا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مؤنث کے لئے ضبعانہ اور مذکر کے لئے ضبعان بولتے ہیں۔ مذکر کی جمع ضباعین اور مؤنث کی ضبعانات آتی ہے۔ اور ضباع کا اطلاق مثل سباع کے مذکر و مؤنث دونوں پر ہوتا ہے (کہا قالہ الجوهری) ضبع کی تصغیر اضبیع بتقدیم الباء المثناة علی الباء الموحدة آتی ہے یہ ایک جانور ہے جس کو ہندی زبان میں بجو کہتے ہیں۔

بجو کے خاصیات اور عجائبات:

یہ جانور ایک سال مذکر اور ایک سال مؤنث رہتا ہے۔ علامہ جاحظ، زحشری رحمہ اللہ اور قزوینی رحمہ اللہ نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ یہ حالت ذکورۃ میں حاملہ ہوتا ہے اور حالت انوثت میں بچہ جنتا ہے۔ علامہ ابن الصلاح اور ارسطاطالیس وغیرہ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ یہ جانور انسان کے گوشت اور خون کو بہت زیادہ پسند کرتا ہے اور اتنا عاشق ہے کہ قبر سے مردہ کو نکال کر کھا لیتا ہے اور سوتے ہوئے آدمی کے سر کے نیچے گڑھا کھود کر اس کا خون پی لیتا ہے نہایت فسادی جانور ہے اور ہر جانور پر غالب آنے کی کوشش کرتا ہے اور حماقت میں مشہور ہے اگر بجو اور بھیڑیا بکریوں کے ریوڑ میں ہوں تو بکریاں محفوظ رہتی ہیں کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے کے دفاع میں مشغول رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ اہل عرب سے دعا منقول ہے اللہم ضبعا و ذئبا ای اجمعہما بجو کی چربی لکھنے کتے کے زہر کے لیے دافع ہے۔ اس کا پتہ قاطع شہوت ہے اور اس کے پت سے بنا ہوا سرمہ آنکھوں کے پانی اور اس کی ظلمت کے لیے دافع ہے اور اس کی کھال کی چھلنی میں بیج چھان کر بونے سے کھیتی کی مٹی سے حفاظت ہوتی ہے اگر اس کی آنکھ انگوٹھی میں جڑ والی جائے تو جادو کے اثر سے اور نظر سے حفاظت رہتی ہے نیز اس انگوٹھی کا پانی مسح شخص کو پلانے سے جادو کا اثر ختم ہو جاتا ہے۔ جو شخص اس کی زبان اپنے پاس رکھے تو کتے اس کو نہیں بھونکیں گے چنانچہ چور رات کو ایسا ہی کرتے ہیں اور اس کے خون کو پینے سے وساوس ختم ہو جاتے ہیں۔

تعبیر: اگر کوئی شخص بجو کو خواب میں دیکھے تو یہ اس کے کاشف اسرار ہونے کی علامت ہے اور وہ لایعنی باتوں میں مبتلا ہے نیز اس کی ملاقات کسی کمین ذلیل عورت سے ہوگی۔ علامہ ارطامیدروس کہتے ہیں کہ اس کو خواب میں دیکھنا دھوکہ دینے کی علامت ہے اور جو شخص خواب میں اس پر سوار ہو اس کو بادشاہت ملے گی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَكْلِ لَحُومِ الْخَيْلِ

باب ۵: گھوڑے کا گوشت کھانے کے بارے میں

(۱۷۱۵) أَطْعَمَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَحْمَ الْخَيْلِ وَنَهَانَا عَنْ لَحْمِ الْحُمْرِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے ہمیں گھوڑوں کا گوشت کھلایا ہے اور آپ ﷺ نے ہمیں گدھوں کا گوشت کھانے سے منع کیا ہے۔

مذہب فقہاء: گھوڑے کے گوشت کا حکم؟ گھوڑے کا گوشت کھانے کے بارے میں فقہاء کرام رحمہم اللہ کے درمیان اختلاف ہے۔

① شافعیہ، حنابلہ، حنفیہ میں سے امام محمد اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک گھوڑے کا گوشت بغیر کسی کراہت کے حلال ہے، ان حضرات کا استدلال حدیث باب سے ہے، جس میں آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو گھوڑوں کا گوشت کھلایا۔

دوسرا مذہب: امام مالک اور امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ کے پہلے قول کے مطابق گھوڑے کا گوشت مکروہ تحریمی ہے۔

احناف، مالکیہ کے دلائل: ① سنن ابوداؤد میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ

نے گھوڑے، خچر اور گدھے کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔

② صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو بطور احسان جتلانے کے فرمایا: ﴿وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً﴾ (النحل: ۸) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے گھوڑے، خچر اور گدھوں، کے صرف دو منافع ذکر فرمائے ہیں، ایک سواری اور دوسرا زینت، اگر ان کا کھانا حلال ہوتا تو ضرور اللہ تعالیٰ اسے بھی ذکر فرما دیتے کہ گھوڑا حلال ہے، اور جب ذکر نہیں فرمایا تو یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ گھوڑا حلال نہیں ہے۔

فائدہ: الدر المختار میں علامہ حصکفی نے اسکی تصریح کی ہے کہ امام صاحب نے اپنی وفات سے تین دن قبل حرمت کے قول سے رجوع کر لیا ہے۔

بہر حال اب حنفیہ کے ہاں فتویٰ اس پر ہے کہ گھوڑے کا گوشت صرف مکروہ تنزیہی ہے، اور یہ کراہت اس کے نجس ہونے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس کے اعزاز و اکرام کی وجہ سے ہے کیونکہ وہ جہاد کا ایک اہم آلہ ہے۔ (تحفۃ الاحوذی: ۵، ۶، ۷) الخیل: گھوڑوں کی جماعت کو کہا جاتا ہے اس کا من لفظہ کوئی واحد نہیں ہے جیسے قوم، رہط اور نفر کا کوئی مفرد نہیں مطلقاً لوگوں کی جماعت پر ان کا اطلاق ہوتا ہے۔ مگر ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ مؤنث ہے اور اس کا مفرد داخل ہے اس کی جمع خیول آتی ہے کہ اس کی تصغیر خیل آئی ہے۔

خیل کی وجہ تسمیہ: یہ ہے کہ وہ اپنے چلنے میں منک کر اور جھوم کر چلتا ہے اس وجہ سے اس کو خیل کہتے ہیں۔ اس کی کنیت ابو شجاع، ابو مدرک، ابو مضیٰ، ابو المضمار اور ابو الممئی ہے۔

گھوڑے کی فضیلت:

صحیح بخاری میں جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ اپنی دونوں انگلیوں سے گھوڑے کی پیشانی کو جھکائے ہوئے فرما رہے ہیں: الخیل معقود فی نواصیہا الخیر الی یوم القیامۃ الاجر والغنیمة۔ یعنی گھوڑے میں قیامت تک خیر ہی خیر ہے کہ اجر بھی ہے اور مال غنیمت کے حصول کا ذریعہ بھی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کی قسم کھائی ہے: چنانچہ فرمایا: والعذیت ضبحاً فالہوریت قدحاً۔

اسی طرح بعض روایات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب گھوڑے کو پیدا کیا تو دیگر مخلوقات کے ساتھ گھوڑے کو بھی آدم علیہ السلام کے سامنے پیش کیا اور حکم ہوا کہ میری مخلوق میں سے جس چیز کو تو پسند کرے تو حضرت آدم علیہ السلام نے گھوڑے کو پسند کیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اخترت عذک وعز ولدک۔ یعنی تو نے اپنے اور اپنی اولاد کے لیے عزت کی چیز کو پسند کیا ہے۔

سب سے پہلے گھوڑے پر حضرت اسماعیل علیہ السلام نے سواری کی ورنہ اس سے پہلے یہ وحشی تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: ارکبوا الخیل فإنہا میراث ابیکم اسماعیل علیہ السلام یعنی گھوڑے کی سواری کرو یہ تمہارے باپ اسماعیل علیہ السلام کی میراث ہے۔ (رواہ الحکیم الترمذی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما)

گھوڑے کے خاصیات:

یہ جانور بعض خصائل، کرم، شرافت نفس، علو ہمت میں انسان کے مشابہ ہے۔ اس کا گوشت قاطع ریاچ ہے۔ اگر عورت برذون

گھوڑے کا خون پی لے تو کبھی حاملہ نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی عورت گھوڑی کا دودھ پی لے اور وہ نہ جانتی ہو کہ گھوڑی کا دودھ پی رہی ہے اور پھر اس کا شوہر اس سے مجامعت کرے تو وہ حاملہ نہ ہوگی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي لُحُومِ الْخُمَرِ الْأَهْلِيَّةِ

باب: ان روایات کے سلسلہ میں جو پالتو گدھوں کے گوشت کے بارے میں وارد ہوئی ہیں

(۱۷۱۶) نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ زَمَنَ خَيْبَرَ وَعَنْ لُحُومِ الْحَمِيرِ.

ترجمہ: حضرت یحییٰ بن سعید انصاری رضی اللہ عنہ، حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے زہری کا یہ بیان نقل کرتے ہیں، زہری رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو عبد اللہ اور حسن رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے جو امام محمد بن علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں انہوں نے اس روایت کو اپنے والد کے حوالے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے خیبر کی جنگ کے موقع پر خواتین کے ساتھ متعہ کرنے اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع کیا تھا۔

(۱۷۱۷) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ حَرَّمَ يَوْمَ خَيْبَرَ كُلَّ ذِي نَابٍ مِنَ السَّبَاعِ وَالْمُجْتَمَةِ وَالْحِمَارِ إِلَّا نِسِي.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے غزوہ خیبر کے موقع پر نوکیلے دانتوں والے درندوں کا گوشت کھانے اور جانور کو باندھ کر اس پر نشانے بازی کرنے اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع کیا ہے۔
تشریح: متعہ اور نسخ متعہ کی تحقیق بمع دلائل باب فی نکاح المتعہ گزر چکی ہے۔

روافض کے ہاں متعہ کا مقام:

شیعہ کے نزدیک متعہ ایک عظیم عبادت ہے، ان کا یہ عقیدہ ہے کہ اگر کوئی آدمی ایک مرتبہ متعہ کرتا ہے تو اس کا درجہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے برابر ہو جاتا ہے اور اگر یہ سعادت دوسری مرتبہ حاصل ہو جائے تو وہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے مساوی ہو جاتا ہے۔ اور جو تین مرتبہ متعہ کر لے تو اس کا درجہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے برابر ہو جاتا ہے، اور جو چار مرتبہ کر لے اس کا درجہ (نعوذ باللہ) حضور اکرم ﷺ کے برابر ہو جاتا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ متعہ کرنے والا جب متعہ کے بعد غسل کرتا ہے تو دوران غسل کرنے والے قطرات میں ہر قطرہ سے فرشتہ پیدا ہوتا ہے اور وہ اس متعہ کرنے والے کے لیے مغفرت اور درجات کی بلندی کی دعا کرتا رہتا ہے۔ متعہ کی یہ فضیلت خود ان کی کتابوں میں درج ہے۔

حلت متعہ پر روافض کا استدلال:

قرآن مجید کی سورۃ النساء کی آیت (نمبر ۲۴) سے استدلال کرتے ہیں:

﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَضَّيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝﴾ (النساء: ۲۴)

”اس لیے جن عورتوں سے تم فائدہ اٹھاؤ انہیں ان کا مقرر کیا ہوا مہر دے دو اور مہر مقرر ہو جانے کے بعد تم آپس کی رضامندی سے جو ملے کرلو، اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں، بے شک اللہ تعالیٰ علم والا حکمت والا ہے۔“

”استمتاع“ کے لفظ سے شیعہ حضرات نکاح متعہ کا اور ”اجودھن“ سے اجرت کا اثبات کرتے ہیں۔

نیز حضرت ابی بن کعب اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی قرأت میں ﴿إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ (لقمان: ۲۹) گویا کہ اس میں اجل (مدت) متعہ اور اجرت تینوں چیزوں کا ذکر ہے، اسی کا نام ”متعہ“ ہے لہذا متعہ کا ثبوت قرآن مجید میں موجود ہے لیکن روافض کا بیان کردہ مفہوم درست نہیں ہے، اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ جب تم ان حلال عورتوں میں سے کسی کے ساتھ نکاح کر لو اور اس کے بعد استمتاع یعنی نکاح کے بعد صحبت و مباشرت اور ازدواجی تعلقات قائم کر لو تو پھر اس کا پورا مہر ادا کرو، فہما استمتعتم سے کسی نئی چیز کا حکم نہیں دیا جا رہا بلکہ یہ سابقہ کلام سے متعلق ہے، اور اسی کا تمبہ ہے، لہذا اہل تشیع کا یہ کہنا کہ اس سے نکاح متعہ کا اثبات ہے، درست نہیں ہے۔

اور ”منہن“ کی ضمیر منکوحہ عورتوں کی طرف لوٹ رہی ہے، اور ”اجودھن“ سے مہر مراد ہے، کیونکہ ”اجر“ کا لفظ قرآن مجید کی دوسری آیت میں مہر کے لیے استعمال ہوا ہے۔ جیسے ﴿فَأَنْكِحُوا هُنَّ بِأَذْنِ أَهْلِهِنَّ وَأَتَوْهُنَّ أَجُورَهُنَّ﴾ (النساء: ۲۵) اس میں بالاتفاق اجر سے مہر مراد ہے، اس لیے زیر بحث آیت میں بھی اجر سے مہر ہی مراد ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قرأت سے شیعہ کا استدلال اس لیے درست نہیں ہے کہ وہ قرأت شاذہ ہے، جس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

اہلسنت والجماعت کے نزدیک نکاح متعہ حرام ہے:

اس پر کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ اجماع بھی اور درایت بھی دال دال ہے کہ یہ حرام ہے۔ آیت قرآنی: ﴿إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ﴾ (المومنون: ۶) اور ظاہر ہے جن سے منع کیا گیا ہے وہ نہ تو زوجہ کے تحت داخل ہے زوجین کے احکام جاری نہ ہونے کی وجہ سے مثلاً حکم وراثت اور نہ ہی ملوکہ کے تحت داخل ہے پس یہ داخل ہے ﴿فَمَنْ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ﴾ (المومنون: ۷) کے تحت اس لیے حرام ہے لیکن بایں ہمہ حد جاری نہ ہوگی اس لیے کہ حدود و شبہات کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہیں ممکن ہے متعہ کرنے والے کو اس کا علم نہ ہو۔

سوال: یہ آیت کریمہ قرآن کی دوسورتوں میں ہے سۃ مؤمنون اور سورۃ معارج اور یہ دونوں مکی سورتیں ہیں اور متعہ کی حرمت سن ۷ھ میں غزوہ خیبر کے موقع پر ہوئی ہے اگر آیتوں میں متعہ کو داخل کریں گے تو مطلب ہوگا کہ متعہ حرام ہو گیا ہجرت سے پہلے حالانکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سن ۷ھ میں متعہ کی حرمت ہوئی فکیف الاستدلال ایہا الجمهور؟

جواب: اکثر آیات کے اعتبار سے مکی ہیں لیکن بعض آیات مدنی ہیں اور ایسا ہوتا ہے کہ اکثر آیات کی وجہ سے سورۃ مکی ہوئی ہیں، حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے کہ یہ سورتیں مجموع آیات مکی ہیں لہذا یہ جواب دینا صحیح نہیں۔

جواب: اگر مان لیا جائے کہ تمام آیات مکی ہیں تو پھر جواب یہ ہے کہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ احکام پہلے نازل ہوتے ہیں اور آیتیں بعد میں نازل ہوتی ہیں جیسے وضو کا حکم اور ایسے ہی اس کا عکس بھی ہوتا ہے کہ آیتوں کا نزول پہلے اور حکم بعد میں۔

جیسے اس کی نظیر ﴿لَا يَضْرَكُكُمْ مِّنْ صَلَّٰ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ﴾ (المائدہ: ۱۰۵) ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس آیت پر عمل کرنے کا وقت نہیں آیا

یہ اس وقت جب بالکل مایوس ہو جائے کہ یہ تبلیغ قبول نہیں کریں گے یہ آیت پہلے نازل ہوئی حکم بعد میں۔

نیز استدلال اسی میں بند نہیں دیگر آیات بھی دال ہیں مثلاً: ﴿لَا تَعْدِلُوا فَوَاحِشَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۖ﴾ (النساء: ۳) جب جور کا خوف ہو تو ایک حرہ یا مملوکہ سے نکاح کر لو اس سے معلوم ہوا کہ بوقت خوف احد الامر اتین جائز ہے یا نکاح یا مملوکہ اس سے معلوم ہوا کہ حالت عدم جور میں بھی اباحت منحصر ہے احد الامرین میں زوجہ ہو یا مملوکہ ہو اور متعہ والی عورت نہ زوجہ ہے نہ مملوکہ اور زوجیت والے احکام جاری نہیں ہوئے۔

حدیث علی دلیل نمبر ۲: حدیث علی نہی عن المتعہ: امامت کے قائل حضرات حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مقتدی مانتے ہیں کم از کم ان ہی کی بات مان لو ویسے بھی وہی الباب کے تحت احادیث کثیرہ قدر مشترک تو اترے جو کہ حرمت متعہ دال ہیں۔

دلیل نمبر ۳: امت کا اجماع ہے اس کی حرمت پر سوال ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ابتداء اختلاف تھا۔

جواب: ترمذی میں موجود ہے کہ ان کا رجوع ثابت ہے اب یہ کہنا کہ وہ متعہ کے قائل تھے یہ مدعی ست گواہ چست والی بات ہے۔

دلیل نمبر ۴: درایت کا مقتضی بھی یہی ہے کیونکہ مقاصد نکاح متعہ سے پورے نہیں ہوتے مثلاً توالد تناسل وراثت یہ مقاصد پورے نہیں ہوتے۔

متعہ کی حرمت کب ہوئی؟

اس میں مختلف روایات ہیں ترمذی کی روایت میں ہے کہ خیبر کے موقع پر اور بعض روایات میں ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر غزوہ اوطاس، غزوہ حنین، عمرۃ القضاء حجۃ الوداع ان تمام کے بارے میں روایات موجود ہیں؟

جواب: غزوہ خیبر اور عمرۃ القضاء کا زمانہ قریب قریب ہے قرب کی وجہ سے بعض نے عمرۃ القضاء اور بعض نے غزوہ خیبر نقل کر دیا باقی غزوہ اوطاس اور غزوہ حنین اور فتح مکہ کا سفر ایک ہے اس لیے غزوہ اوطاس کی طرف منسوب کر دیا البتہ ایک روایت غزوہ حبوک کی بھی ہے وہ ضعیف ہے اور ایک حجۃ الوداع کی بھی ہے وہ مؤول ہے اصل تقابل دو روایتوں میں ہے غزوہ خیبر اور فتح مکہ والی۔

تطبیق ①: نسخ دومرتبہ ہوا ہے پہلے اباحت تھی خیبر میں نہیں ہوئی پھر فتح مکہ میں تین دن کے لیے اباحت ہوئی پھر دوبارہ نسخ ہو گیا زیادہ سے زیادہ نسخ مرتین لازم آئے گا اور وہ جائز ہے۔

تطبیق ②: غزوہ خیبر کے موقع پر تحریم ہوئی ہے جیسے میتہ اور خنزیر کی تحریم ایسے ہی یہ تحریم ہوئی لیکن حالت اضطرار کے ماسواء میں حالت اضطرار میں میتہ اور خنزیر پر مباح ہو جاتا ہے۔ پھر فتح مکہ کے موقع پر تحریم بالکلیہ ہوئی نہ حالت اختیار میں اباحت باقی رہی اور نہ ہی اضطرار میں۔

تطبیق ③: یہ ہے کہ اصل نبی غزوہ خیبر کے موقع پر ہوئی لیکن بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو علم نہ ہوا انہوں نے یہ سمجھ کر کہ ابھی نسخ نہیں ہوا اس لیے فتح مکہ کے موقع پر انہوں نے پھر اس کا ارتکاب کیا پھر حضور ﷺ نے اعلان کر دیا کہ متعہ حرام ہے جنہوں نے پہلے سنا نہیں تھا انہوں نے سمجھا کہ انشاء تحریم ہے حالانکہ یہ اشاعت تحریم تھی یہی اعلان مختلف مواقع پر کیا اور یہی تاویل ہے حجۃ الوداع کی۔

متعہ بالمعنی المعروف کبھی مباح ہوا ہی نہیں: حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ متعہ بالمعنی المعروف کبھی مباح ہوا ہی نہیں چہ جائیکہ

اس کا نسخ ہوا ہو باقی احادیث میں جو نسخ کا ذکر ہے یہ ایک خاص قسم کا نکاح تھا یہ زمانہ جاہلیت میں ہوتا تھا اس کا ذکر حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما میں ہے کہ اگر کوئی آدمی سفر میں ہوتا وہ کسی جگہ ٹھہرتا تو کھانے پینے کے لیے ساز و سامان کی حفاظت کے لیے کسی عورت سے نکاح کر لیتا اور دل میں یہ ہوتا کہ ضرورت پوری کرنے کے بعد طلاق دیدوں گا زبان سے تلفظ نہ ہوتا ابتداء اس کی گنجائش تھی بعد میں اس بھی نسخ ہو گیا۔

لعنات: الحمرا الاہلیۃ: حرم حمار کی جمع ہے اور اس کی جمع حمیر اور احمرہ بھی آتی ہے مؤنث کے لیے حمارة مستعمل ہے مذکر کی کنیت ابو صابر، ابو زیاد اور مؤنث کی ام محمود، ام تولب، ام جش، ام نافع، ام وہب ہے۔ اہلیہ بمعنی انسیتہ (کما ورد فی الروایۃ أخرجه البخاری) ضد الوحشیۃ جس کے معنی پالتو کے ہیں۔ ذی ناب: کچلی والا جانور، اس سے وہ تمام جانور مراد ہیں جن کے تند و تیز شکاری دانت ہوتے ہیں، اور انہی دانتوں سے وہ چیر پھاڑ کرتے ہیں اور شکار کرتے ہیں جیسے بھیڑیا، شیر، چیتا اور بلی وغیرہ۔ المجشمۃ: (میم پر پیش، جیم پر زبر اور تاء پر تشدید اور زبر) وہ جانور جسے گھونٹ کر مار دیا جائے یا وہ جسے زمین میں گاڑ کر یا کسی چیز سے باندھ کر نشانہ بنا کر تیر یا گولی ماری جائے، اور ذبح کے بغیر ہی وہ مرجائے کہا جاتا ہے۔ جشمہ: اتنا گھوٹنا کہ دم نکل جائے، گھونٹ کر مار دینا، کسی شئی کو نشانہ بنا کر تیر وغیرہ مارنا۔

گدھے کے خواص:

گدھے اور گھوڑے کے علاوہ کوئی ایسا جانور نہیں ہے جو اپنی غیر جنس سے جفتی کرے اور مؤنث کے حمل رہ جائے۔ جب گدھا تیس ماہ کا ہو جاتا ہے تو جفتی کرنے لگتا ہے۔ اس کی ایک قسم ایسی ہے جو بوجھ کو جانوروں میں سب سے زیادہ اٹھا لیتی ہے اور ایک قسم ایسی ہے جو دوڑنے میں گھوڑوں سے بھی آگے بڑھ جاتی ہے۔ گدھا راستوں کی معلومات خوب رکھتا ہے حتیٰ کہ اگر ایک مرتبہ کسی راستے سے گزر جائے تو اس کو وہ محفوظ ہو جاتا ہے لوگوں نے گدھے کی تعریف اور برائی دونوں ہی بیان کی ہیں جیسا کہ اہل عرب کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے لیکن یہ بھی یاد رہے کہ وہ بلاوت و بلاہت میں مشہور ہے کہ عرفا گدھا کہہ کر بیوقوفی سے کنایہ کیا جاتا ہے۔ اگر اس کے کان کی میل کو کسی پینے والی چیز میں ملا کر پیا جائے تو نیند آئے گی۔ اگر کوئی شخص اس کی دم کا بال اس کے جفتی کرتے وقت اکھاڑ کر اپنی ران میں باندھ لے تو اس کی شہوت میں بھڑکاؤ ہو جائے اگر اس کا گوشت پکا کر اس میں پانی بھر دیا جائے پھر اس میں ٹینس والے مریض کو بٹھا یا جائے تو وہ شفا پائے۔ اگر اس کے کھر کی انگوٹھی بنا کر کسی بے ہوش کو پہنادی جائے تو اس کو ہوش آجائے اور اگر وہ مرگی کا مریض ہے تو اس سے نجات پا جائے۔ اس کی پیشانی کی کھال بچوں کے گلے میں ڈالی جائے تو بچے سوتے ہوئے نہیں گھبرائیں گے۔ اس کی لید پر اگر سرکہ چھڑک کر سونگھا جائے تو نکسیر بند ہو جائے۔

تعبیر: اگر کوئی شخص اس کو خواب میں دیکھے تو اس کو غلام یا اولاد یا کوئی اور خیر حاصل ہوگی یا علمی سفر ہوگا: لقولہ تعالیٰ: ﴿كَمَثَلِ الْجَارِ يَجْمَلُ سَفَارًا﴾ (المجمہ: ۵) اور بعض مرتبہ اس کو خواب میں دیکھنا مصائب و شدائد سے خلاصی کی طرف اشارہ ہے اور بلند مراتب کے حصول پر دال ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے دیکھا کہ وہ گدھے کو ذبح کر رہا ہے تاکہ اس کا گوشت کھائے تو یہ رزق میں وسعت پر دال ہے اور اگر اس کو ذبح کرتے دیکھے مگر کھانے کے لیے نہیں تو یہ اس کے معاش کے فاسد ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اگر اس نے یہ دیکھا کہ گدھے کو پچھاڑ دیا تو اس کے بعض اقارب کے مرنے کی طرف اشارہ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْأَكْلِ فِي آيَةِ الْكَفَّارِ

باب ۷: کفار کے برتنوں میں کھانے کے بارے میں جو کچھ منقول ہے

2

(۱۷۱۸) سُبُلُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عَنْ قُدُورِ الْمُجُوسِ فَقَالَ أَنْقُوَهَا غَسَلًا وَاطْبَعُوا فِيهَا وَطَلَى عَنْ كُلِّ سَبْعِ ذِي نَابٍ.

ترجمہ: حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ سے مجوسیوں کی ہانڈیوں کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم دھو کر انہیں صاف کر لو اور ان میں پکالو (راوی کہتے ہیں) نبی اکرم ﷺ نے ہر نوکیلے دانت والے پرندے کا گوشت کھانے سے منع کیا ہے۔

(۱۷۱۹) أَنَّهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا بِأَرْضِ أَهْلِ الْكِتَابِ فَتَنْطَبِخُ فِي قُدُورِهِمْ وَنَشْرَبُ فِي آيَتِهِمْ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنْ لَمْ تَجِدُوا غَيْرَهَا فَارْحَضُوهَا بِالْمَاءِ ثُمَّ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا بِأَرْضِ صَيِّدٍ فَكَيْفَ نَصْنَعُ قَالَ إِذَا أَرَسَلْتَ كَلْبَكَ الْمَكْلَبَ وَذَكَرْتَ اسْمَ اللَّهِ فَقَتَلَ فَكُلْ وَإِنْ كَانَ غَيْرَ مُكْلَبٍ فَذَرِيْ فَكُلْ وَإِذَا رَمَيْتَ بِسَهْمِكَ وَذَكَرْتَ اسْمَ اللَّهِ فَقَتَلَ فَكُلْ.

ترجمہ: حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں انہوں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ ہم لوگ اہل کتاب کی سرزمین پر رہتے ہیں اور ان کی ہانڈیاں میں پکا لیتے ہیں اور ان کے برتنوں میں پی لیتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا! اگر تمہیں ان کے علاوہ اور کوئی برتن نہ ملے تو تم انہیں پانی کے ذریعے صاف کر لیا کرو پھر حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ ہم شکار کی سرزمین پر رہتے ہیں ہم کیا کریں؟ تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب تم اپنے تربیت یافتہ کتے کو بھیجو اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لے لو اور وہ کتا جانور کو مار دے تو تم اسے کھا لو اور اگر وہ تربیت یافتہ نہ ہو تو تم اسے ذبح کر کے کھا لو اور اگر تم نے اپنا تیر پھینکا ہو اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لے لیا ہو اور اس نے جانور کو قتل کر دیا ہو تو اسے کھا لو۔

تشریح: قدور: قدر کی جمع ہے: ہانڈی، دیگی، دیگ۔ آئینہ: یہ انا کی جمع ہے، اور پھر آئینہ کی جمع ”اوانی“ ہے: برتن۔ المکلب یہ اسم مفعول کا صیغہ ہے، کلب تکلیباً: کتے کو سدھانا، سکھانا، شکاری بنانا، پھر یہ لفظ ہر شکاری جانور باز وغیرہ کے سکھلانے اور شکار پر چھوڑنے کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے۔

مذہب فقہاء: کفار اور اہل کتاب کے برتنوں کا شرعی حکم کیا ہے؟ ① جمہور کا یہی مذہب ہے کہ ان کے برتن دھونے کے بعد مطلقاً جائز الاستعمال ہیں۔

② ابن حزم ظاہر رحمہ اللہ کے نزدیک ان کے برتنوں کے استعمال کی ممانعت ہے مگر دو شرطوں کے ساتھ اجازت دیتے ہیں:

(۱) ان کے برتنوں کے علاوہ اور کوئی برتن نہ ملتا ہو۔ (۲) ان کو دھو کر استعمال کیا جائے۔

ان کا استدلال حدیث باب سے ”ان لم تجدوا غیرہا فارحضوها بالماء“ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر دوسرے برتن

میسر ہوں تو اہل کتاب کے برتن استعمال نہیں کرنے چاہئیں کیونکہ عام طور پر ان کے برتن خنزیر و خمر استعمال کرنے کی وجہ سے نجس ہوتے ہیں۔

حجہور کا استدلال: ابو داؤد نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے:

قال كنا نغزو مع رسول الله ﷺ فنصيب من انية المشركين واسقيتهم فنستمتع بها فلا يعيب ذلك عليهم.

اس سے مراد وہ کفار ہیں کہ جن کے بارے میں غالب گمان ہو کہ وہ پاک و صاف رہتے ہیں اور نجاست سے مکمل پرہیز کرتے ہیں تو ان کے برتنوں کو بلا دھوئے استعمال کرنے میں مضائقہ نہیں ہے لیکن احتیاطاً دھولیا جائے تو بہتر ہے۔ ہاں البتہ ان کے پانی عام طور پر پاک ہوتے ہیں اور ان کے کپڑے اگر دھلے ہوئے ہوں تو پاک کیے بغیر استعمال کرنا جائز ہے اور اگر بغیر دھلے ہوئے ہوں تو بغیر پاک کیے استعمال نہ کرنا چاہئے چونکہ عام طور پر وہ لوگ پیشاب وغیرہ سے احتیاط نہیں کرتے ہیں۔

اعتراض: بظاہر احادیث میں تعارض ہے؟

جواب: حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ کا مذکورہ سوال ان برتنوں کے متعلق تھا جن میں نجاست ہوتی تھی چنانچہ ابو داؤد کی روایت میں تصریح ہے وہ صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”ہم اہل کتاب کے ساتھ رہتے ہیں، وہ اپنی ہانڈیوں میں خنزیر پکاتے ہیں اور اپنے برتنوں میں شراب پیتے ہیں“ چونکہ خنزیر اور شراب دونوں ناپاک ہیں اس لیے ایسے برتنوں کا استعمال دھوئے بغیر ناجائز اور حرام ہے اور اگر برتن موجود ہوں تو ان کا استعمال دھونے کے باوجود مکروہ ہے نفرت پیدا کرنے کے لئے۔ فتح الباری۔

دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ اگر کلب معلم بسم اللہ پڑھ کر شکار کے پیچھے دوڑا دیا جائے اور وہ اس جانور کو اپنے دانتوں سے پکڑ کر مار ڈالے تو اس کا کھانا جائز ہے۔

شکار تیر کے ذریعے کتے کے ذریعے اور باز کے ذریعے جائز ہے لیکن مطلق نہیں بلکہ جب چند شرائط پائی جائیں:

① جس کتے کے ذریعے یا باز کے ذریعے شکار کیا جائے وہ معلم (سیکھا ہوا) ہو۔ کتے کے معلم ہونے کی علامت یہ ہے کہ شکار کو پکڑنے کے بعد خود نہ کھائے دوسری مرتبہ بھی پکڑنے کے بعد خود نہ کھائے اور تیسری مرتبہ پکڑنے کے بعد خود شکار میں سے خود نہ کھائے تو اب یہ کلب معلم سمجھا جائے گا اور باز کے معلم ہونے کے لیے اجابت کافی ہے کہ چھوڑنے پر چلا جائے اور بلانے پر واپس آجائے۔

② عند الارسال تسمیہ پڑھی جائے یعنی حقیقتہً ہو یا حکماً ہو بعنوان آخر قصد ترک نہ ہو اگر حقیقتہً ذکر ہے تو فہما اور اگر نسیان ہو گیا تو حکماً تسمیہ موجود ہے۔

③ چھوڑتے ہی شکار کی طرف چلا جائے درمیان میں وقفہ نہ ہو۔

④ شکار کو زخمی کرے۔

⑤ دوسرے کلب غیر معلم کی شرکت نہ ہو نیز ایسے کلب معلم کی بھی شرکت نہ ہو کہ جس پر تسمیہ نہ پڑھی گئی ہو (ورنہ شکار حلال نہیں ہوگا۔

⑥ شکار مرا ہوا پایا گیا ہو اس کے زخم کی وجہ سے اور اگر اس کو زندہ پایا تو پھر زخم کرنا ضروری ہوگا صرف اس کا زخمی کرنا کافی نہیں

ہے اگر ذبح کرنے سے پہلے مر گیا تو حرام ہوگا (ذبح اختیاری پر قدرت کے باوجود ذبح نہ کرنے کی وجہ سے)۔

⑦ وہ صید حرام کا نہ ہو اگر شکار حرام کا ہے تو کتنے ہی کلب معلوم بھیجے پھر بھی حلال نہیں ہوگا الغرض کتا جو ازل الحیوان ہے برتن میں منہ ڈال دے تو انمہ ثلاثہ کے نزدیک سات مرتبہ دھونا ضروری ہے ایک مرتبہ مٹی سے مانجنا ضروری ہے لیکن جب اس میں انسانی صفات پیدا ہوتی ہیں تو اس کا ذبیحہ بھی حلال ہو جاتا ہے اور وہ انسان جس میں حیوانی صفات پیدا ہو جائیں تو اس کا ذبیحہ حرام ہو جاتا ہے مثلاً کفر و شرک اور مجوسیت والی وصف پائی جائے تو اس کا ذبیحہ حرام ہو جاتا ہے۔

شکار کے احکام سورۃ المائدہ آیت ۳ میں ہیں اور وہ احکام دو بنیادوں پر مبنی ہیں (جس کی تفصیل گزر چکی ہے)

بَاب مَا جَاءَ فِي الْفَارَةِ تَمُوتُ فِي السَّمَنِ

باب ۸: وہ چوہا جو گھی میں گر کر مر جائے اس کے بارے میں جو منقول ہے

(۱۷۲۰) اَنَّ فَارَةً وَقَعَتْ فِي سَمَنِ فَمَاتَتْ فَسُيِّلَ عَنْهَا النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ اَلْقُوهَا وَمَا حَوْلَهَا وَكُلُوْهَا.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں ایک چوہا گھی میں گر کر مر گیا اس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو اور اس کے آس پاس والے گھی کو پھینک دو اور باقی کو استعمال کر لو۔

تشریح: الفارۃ: فارۃ چوہا کو کہتے ہیں اس کی بہت اقسام ہیں نبی کریم ﷺ نے اس کے فساد اور طبعی خباثت کی بناء پر اس کو نویسقہ فرمایا ہے چنانچہ بعض روایات میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی رسیاں بھی اسی نے کاٹ دی تھیں نیز نبی کریم ﷺ کا مصلی قدر درہم جل گیا تھا جب کہ اس نے چراغ کی بتی کھینچ کر مصلے پر لا ڈالی تھی۔ (کمارواہ الطحاوی)

چوہے کا شرعی حکم:

تمام اقسام کے چوہوں کا کھانا حرام ہے سوائے یربوع کے کہ اس کو امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد، ابن منذر و ابو ثور اور عطاء رحمہ اللہ نے جائز قرار دیا ہے مگر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اس کے کھانے کو بھی منع فرمایا ہے کیونکہ وہ حشرات الارض میں سے ہے جو کہ حرام ہیں۔

السمن ما يخرج من اللبن بالمغض: یعنی گھی اور یہاں پر مراد گھی ہی نہیں بلکہ تیل، شہد اور اسی طرح بننے اور جننے والی

تمام چیزیں مراد ہیں جیسا کہ تفصیل آگے آرہی ہے۔

مذہب فقہاء: اگر چوہا گھی میں گر کر مر جائے تو کیا حکم ہے؟

دو مذہب ہیں: ① اگر چوہا گھی میں گر کر مر جائے تو امام اوزاعی و زہری رحمہ اللہ اور بعض ظاہریہ کہتے ہیں کہ اس چوہا اور اس کے آس پاس کو نکال دیا جائے خواہ گھی جامد ہو یا بننے والا ہو اور باقی پاک ہے اس کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں ہے امام بخاری رحمہ اللہ کی تبویب سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اسی کے قائل ہیں کیونکہ انہوں نے اپنی صحیح میں ”باب اذا وقعت الفارۃ فی السمن الجامد والذائب“ کا عنوان قائم کیا ہے اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا والی روایت الباب ذکر کی ہے اور جامد و مانع میں کوئی فرق نہیں کیا

ہے۔

② جمہور علماء جامد اور ذائب کے درمیان فرق کے قائل ہیں۔ جامد میں تو چوہا اور اس کے ماحول کو نکال دیا جائے اور باقی پاک ہے لیکن بہنے والا گھی چوہا کے گرنے سے پورا ناپاک ہو جائے گا۔

منریق اول: ظواہر روایات سے استدلال کرتے ہیں جن میں جامد و مانع کی کوئی تفصیل بیان نہیں کی گئی ہے۔

جمہور کے دلائل: دلیل اول: روایت الباب کہ اس میں آپ ﷺ نے فرمایا چوہا اور اس کے ماحول کو نکال دو اور پھر اس کو کھالو۔ ابن عربی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ لفظ ماحول سے سمجھ میں آتا ہے کہ یہ حکم جامد کا ہے کیونکہ اگر گھی بہنے والا ہوگا تو اس کا ماحول نہیں بنے گا لہذا معلوم ہوا کہ جامد و مانع میں فرق ہے۔

دلیل ثانی: صحیح بخاری میں امام زہری رحمہ اللہ کے بارے میں منقول ہے کہ ان سے سوال کیا گیا:

سئل عن الدابة تموت في السمن وهو جامد او غير جامد الفارة وغيرها قال بلغنا ان رسول الله ﷺ امر بفارة ماتت في السمن فامر بما قرب منها فطرح ثم اكل.

”امام زہری رحمہ اللہ سے ایسے جانور کے بارے میں پوچھا گیا جو گھی کے اندر مر جائے گی خواہ جامد ہو یا غیر جامد یعنی چوہا یا اس کے علاوہ کوئی اور جانور انہوں نے کہا ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ آپ ﷺ نے چوہے کے گھی میں مرنے کی صورت میں یہ حکم دیا ہے کہ اُسے نکال دو اور جو اس کے ارد گرد گھی ہو اُسے بھی نکال لو پھر کھالو۔“

دلیل سوم: امام ابو داؤد نے عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی ہے:

قال قال رسول الله ﷺ اذا وقعت الفارة في السمن فان كان جامدا فالقوة وما حولها فان كان مائعا فلا تقربوه.

”فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب چوہا گھی میں گر جائے اگر گھی جامد ہو تو چوہے کو نکال کر پھینک دو اور اس کے ارد گرد کے گھی کو، اگر جامد نہ ہو تو اس کے قریب مت جاؤ۔“

یہی روایت بطریق معمر عن الزہر عن عبید اللہ بن عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما عن میمونۃ رضی اللہ عنہا عن النبی ﷺ بھی مروی ہے۔ صاحب منہجی نے اس کی اسناد ابو داؤد اور نسائی کی طرف کی ہے۔ اسی طرح امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے بھی اس روایت کی تخریج اپنی مسند میں کی ہے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحیح علی شرط الشیخین ہے۔ بہر حال اس روایت میں صراحتہ جامد و مانع کی تفصیل موجود ہے۔

ناپاک گھی یا تیل سے کیا انتفاع جائز ہے؟ ناپاک گھی یا تیل کی بیع و شراء اور اس سے انتفاع جائز ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے:

① ظاہر یہ اور امام احمد فرماتے ہیں: لا یباع ولا ینتفع بشئ منہ کما لا یوکل، یعنی ان کے نزدیک کسی طرح کا انتفاع بالکل جائز نہیں ہے۔

② سفیان ثوری، مالک، شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ اس کی بیع و شراء اور اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔

③ احناف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کھانے کے علاوہ انتفاع کی اجازت ہے۔ مثلاً چراغ میں جلانا۔ کشتی کی رسیوں پر لگانا اور صابن وغیرہ میں استعمال کرنا جائز ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا ظاہر قول بھی یہی ہے۔

نیز احتاف کے نزدیک اس کی بیچ و شراء بھی جائز ہے بشرطیکہ اس کے ناپاک ہونے کو بتادیا جائے: و کذا روی عن ابی موسیٰ انه قال بیعوه و بینو المن تبیعونه منه ولا تبیعوه من مسلم، و فی الباب عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ اخرجه احمد و ابو داؤد۔ هذا حدیث حسن صحیح۔ اخرجه البخاری و النسائی و ابو داؤد۔ و قدری هذا الحدیث عن الزہری... الخ۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ مذکورہ روایت جس طرح عن ابن عباس عن میمونۃ رضی اللہ عنہا نقل کی گئی ہے اسی طرح عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم سئل... الخ بھی ذکر کی گئی ہے کہ میمونۃ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ نہیں ہے آگے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اصح یہ ہے کہ روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہ، میمونۃ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان میمونۃ رضی اللہ عنہا کا واسطہ ہونا ہی اصح ہے۔

چوہے کے خواص:

اگر چوہا کا سر کسی کتان کے کپڑے میں لپیٹ کر در در والے کے گلے میں ڈال دیں تو اس کا درد سرفہم ہو جائے گا اسی طرح مرگی کی بیماری کے لیے بھی نافع ہے اگر اس کی آنکھ کپڑے میں لپیٹ کر اپنے پاس رکھے تو چلنے میں آسانی ہو۔ اگر کسی گھر کو کتے یا بھیڑیے کے پاخانہ سے دھونی دی جائے تو سارے چوہے وہاں سے بھاگ جائیں گے۔ اگر کبوتر کی بیٹ آٹے میں ملا کر رکھ دیں اور اس کو چوہا یا کوئی جانور کھالے تو فوراً مر جائے گا۔

تعبیر: اگر کوئی شخص چوہیا کو خواب میں دیکھے تو اس کی ملاقات فاسقہ عورت یا یہودیہ سے ہوگی یا اس کو کسی فاسق یہودی یا چور سے واسطہ پڑے گا یا اس کو کثیر رزق حاصل ہوگا اور اگر کسی نے اپنے گھر سے چوہے بھاگتے ہوئے دیکھے تو یہ برکت ختم ہونے کی علامت ہے اگر کسی نے دیکھا کہ وہ کسی چوہیا کا مالک ہو گیا تو وہ کسی خادم یا غلام کا مالک بنے گا اور اگر کسی نے اپنے گھر میں چوہے کودتے، کھیلتے دیکھے تو اس کو اس سال فراوانی حاصل ہوگی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ الْأَكْلِ وَالشَّرْبِ بِالشَّمَالِ

باب ۹: بائیں ہاتھ سے کھانے اور پینے کی ممانعت کے بارے میں جو منقول ہے

(۱۷۲۱) لَا يَأْكُلُ أَحَدُكُمْ بِشِمَالِهِ وَلَا يَشْرَبُ بِشِمَالِهِ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْكُلُ بِشِمَالِهِ وَيَشْرَبُ بِشِمَالِهِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوئی بھی شخص بائیں ہاتھ سے نہ کھائے اور بائیں ہاتھ سے نہ پیئے کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور بائیں ہاتھ سے پیتا ہے۔

(۱۷۲۲) إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَأْكُلْ بِيَمِينِهِ وَلْيَشْرَبْ بِيَمِينِهِ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْكُلُ بِشِمَالِهِ وَيَشْرَبُ بِشِمَالِهِ.

ترجمہ: سالم اپنے والد (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) کے حوالے سے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: جب کوئی شخص کچھ کھائے تو دائیں ہاتھ سے کھائے اور دائیں ہاتھ سے پیئے کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور بائیں ہاتھ سے پیتا ہے۔

تشریح: اکل بالشمال کا شرعی حکم: اس مسئلہ میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے: ① جمہور علماء اکل بالشمال کو مکروہ اور اکل بالیمین کو سنت فرماتے ہیں۔ حافظ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اکل بالشمال گنہگار ہے۔ مزید فرمایا کہ ہر اخذ و عطاء کا یہی حکم ہے۔ سنت یہ ہے کہ کھانے پینے میں اور ہر محترم کام میں دائیں ہاتھ کو استعمال کرو اور کھانے پینے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر اس کی تاکید فرمائی ہے۔

② ظاہر یہ اکل بالشمال کی حرمت کے قائل ہیں اور اکل بالیمین کے وجوب کے قائل ہیں۔

جمہور کے دلائل: دلیل اول: کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعجبه التیمن فی تنعله وترجله وطهوره و فی شانہ کلہ۔

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دائیں طرف کو پسند فرماتے تھے جو تا پہننے اور چلنے اور طہارت حاصل کرنے میں اور ہر ایک چیز میں دائیں طرف کو پسند فرماتے تھے۔“ (الصحيح للبخاری)

دلیل دوم: عن عائشة رضی اللہ عنہا كانت ید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الیمنی لطهوره وطعامه وكانت یدہ الیسری لخلعہ وما كانت من اذی، (السنن لابی داؤد)

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دایاں ہاتھ طہارت اور کھانے کے لیے استعمال فرماتے تھے اور بائیں ہاتھ خلاء اور گندگی وغیرہ کے لیے استعمال فرماتے تھے۔“

دلیل سوم: مارواہ النسائی عن عائشة رضی اللہ عنہا کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحب التیمن یاخذ بیمنہ ویعطی بیمینہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں ہاتھ سے پکڑتے اور دائیں ہاتھ سے دیتے تھے۔“

ظاہر یہ کے دلائل: دلیل اول: روایت الباب کے اس روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحتاً بائیں ہاتھ سے کھانے پینے سے منع فرمایا کہ یہ شیطان کی عادت سے بچنا واجب ہے۔ لہذا داہنے ہاتھ سے کھانا پینا واجب ہوگا۔ اور بائیں ہاتھ سے جائز نہ ہونا چاہیے۔

دلیل دوم: بعض روایات میں کل بیمینک صیغہ امر وارد ہوا ہے جو دلیل وجوب ہے۔

دلیل سوم: امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح مسلم میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل فرمائی ہے وہ فرماتے ہیں: کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو کہ وہ بائیں ہاتھ سے کھا رہا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: کل بیمینک دائیں ہاتھ سے کھاؤ وہ محض تکبر کی وجہ سے کہنے لگا: میں ایسا نہیں کر سکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو کبھی بھی ایسا نہیں کر سکے گا چنانچہ وہ شخص اس کے بعد ساری زندگی اپنا دایاں ہاتھ منہ کی طرف نہ اٹھا سکا۔

جواب از جمہور: جن روایات میں بائیں ہاتھ سے کھانے پر وعیدیں آئی ہیں وہ زجر تنبیہ اور دائیں ہاتھ سے کھانے پینے کی مزید تاکید پر محمول ہیں ان سے وجوب کا حکم ثابت کرنا درست نہیں۔

بَاب مَا جَاءَ فِي لَعْقِ الْأَصَابِعِ بَعْدَ الْأَكْلِ

باب ۱۰: کھانے کے بعد انگلیوں کے چاٹنا

(۱۷۲۳) إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَلْعَقْ أَصَابِعَهُ فَإِنَّهُ لَا يَذَرُ فِي أَثَرِهِنَّ الْبُزْكَةَ.

ترجمہ: سہیل بن ابوصالح اپنے والد کے حوالے سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کوئی شخص کچھ کھالے تو اپنی انگلیاں چاٹ لے کیونکہ وہ یہ نہیں جانتا کہ اس کھانے کے کون سے حصے میں برکت ہے؟

تشریح: امام ترندی رحمہ اللہ نے یہ باب قائم فرما کر اس کے تحت ایک روایت ذکر کی ہے جس سے کھانے کا ایک اہم ادب بیان کرنا مقصود ہے وہ یہ کہ جب کھانا کھا چکے تو اپنی انگلیاں چاٹنی چاہیے کیونکہ ممکن ہے کہ جو کھانا انگلیوں پر لگا ہوا ہے اسی میں برکت ہو اور وہ ضائع ہو جائے لہذا انگلیوں کا چاٹنا آداب طعام میں سے مؤکد ادب ہے۔

مذہب فقہاء: انگلیاں چاٹنے کا حکم شرعی؟ اور اس میں علماء کا اختلاف ہے؟

① جمہور کے نزدیک آداب طعام میں مؤکد ادب سنت ہے۔

② ظاہر یہ نے انگلیوں کے چاٹنے کو واجب قرار دیا ہے۔

دلیل اول: حدیث الباب کہ اس میں فَلْيَلْعَقْ صیغہ امر وارد ہوا ہے۔

دلیل ثانی: ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت: ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال اذا اكل احدکم فلا یمسح یدہ حتی یلعقہا۔ (اخرجه البخاری)

”بیشک آپ ﷺ نے فرمایا جب تم کھانا کھاؤ تو اپنے ہاتھ صاف نہ کرو یہاں تک کہ چاٹ لو۔“

دلیل ثالث: کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا کل بثلث اصابع فاذا فرغ لقعہا۔ (اخرجه مسلم)

”آپ ﷺ تین انگلیوں سے کھانا کھاتے تھے جب فارغ ہوتے تو انگلیوں کو چاٹ لیتے۔“

ان کے علاوہ اور بھی متعدد روایات ہیں کہ یا تو ان میں صیغہ امر وارد ہوا ہے یا ان میں بظاہر آپ ﷺ کی عادت شریفہ کو بیان کیا گیا ہے اور یہ دونوں مقتضی وجوب ہیں۔

جواب: جمہور فرماتے ہیں کہ روایات میں صیغہ امر کا محمل ندب و استحباب ہے اور آپ ﷺ کی عادت شریفہ سے زیادہ سے زیادہ سنیت کا اثبات ہوتا ہے نہ کہ وجوب کا۔ الحاصل انگلیوں کا چاٹنا حضرات جمہور کے نزدیک آداب طعام میں مؤکد ادب ہے۔

فائدہ: علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض حضرات جن کی عقل فاسد ہے اور ان پر کبر کا غلبہ ہے انہوں نے انگلیاں چاٹنے کو برا سمجھا ہے اور کہا کہ اس سے گھن آتی ہے کہ لعاب دہن کا استعمال لازم آتا ہے حالانکہ ان کو اتنی عقل نہیں کہ انگلیوں پر لگا ہوا کھانا وہی تو

ہے جو اتنی دیر سے کھایا جا رہا تھا اس میں نئی چیز کیا ہوگئی۔ مثلاً فیرنی کا چچہ سارا منہ میں لے لیا جاتا ہے پھر اسی لعاب کے بھرے ہوئے چچے کو رکابی میں ڈال دیا جاتا ہے اسی طرح دوبارہ سہ بارہ فیرنی کھاتا رہتا ہے لیکن اس کو طبعاً کوئی گھن نہیں ہوتی ہے۔ اسی طرح آم اور دوسرے چوسنے والے پھل آدمی ان کو بار بار چوستا ہے اور کھاتا ہے لیکن اس کو طبعاً کوئی گھن نہیں ہوتی ہے۔ بہر حال لعق اصابع سے گھن کرنا عقل کے فساد کی بناء پر ہے۔ حضور ﷺ کے کسی فعل کو قباحت کی طرف منسوب کرنا کفر ہے۔

حضرات انہوں نے اپنے مدعا کے لیے مختلف روایات پیش کی ہیں۔

انگلیاں چاٹنے کی حکمتیں:

- ① تاکہ کھانے کے تمام اجزاء اور ذرات پیٹ کے اندر پہنچ جائیں اور برکت حاصل ہو جائے کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو بھی معلوم نہیں کہ کھانے کے کون سے ذرے میں برکت ہے۔ اس لیے کھانے کے بعد انگلیوں کو ضرور چاٹ لیا جائے۔
- ② انگلیاں چاٹنے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے تاکہ طعام اور غذا کی تھوڑی سی مقدار کو بھی معمولی، ہلکا اور حقیر نہ سمجھا جائے بلکہ اس کی بھی قدر کی جائے البتہ انگلیاں دوسروں کو چٹانے میں اس بات کا اہتمام رہے کہ جس کو انگلیاں چٹائی جا رہی ہیں۔ وہ کراہت اور گھن محسوس نہ کرتا ہو جیسے بیوی، خادم اور بچہ وغیرہ۔

انگلیوں کے چاٹنے میں ترتیب:

حضور ﷺ کی عادت شریفہ اکثر و بیشتر تین انگلیوں سے کھانا کھانے کی تھی جیسا کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے اگرچہ بعض روایات میں پانچوں انگلیوں سے کھانے کا ذکر بھی موجود ہے ممکن ہے کہ ضرورت کی بناء آپ ﷺ نے پانچ انگلیاں استعمال کی ہوں۔ کہا قالہ النووی رحمہ اللہ بہر حال آپ ﷺ نے اکثر تین انگلیاں انگوٹھا، مسبحہ اور وسطی کھانے میں استعمال فرمائی ہیں۔ اس طرح کھانے اور انگلیوں کے چاٹنے کی کیفیت صراحۃً بعض روایات میں وارد ہے۔ چنانچہ طبرانی نے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے:

قال رايت رسول الله ﷺ يأكل بأصابعه الثلاث بالاجہام واللتی تليها والوسطی ثم رايته يلحق

أصابعه الثلاث قبل ان يمسحها الوسطی ثم التی تليها ثم الاجہام۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ کو تین انگلیوں سے کھانا کھاتے دیکھا اور اس کے بعد آپ ﷺ نے انگلیاں چاٹنی شروع کیں تو اول وسطی کو چاٹا پھر اس کے قریب شہادت والی انگلی کو چونکہ وسطی سب سے پہلے کھانے میں پڑتی ہے نیز لمبی ہونے کی وجہ سے اس پر زائد کھانا لگا ہوا ہوتا ہے۔ اس لئے ابتداء میں اس سے مناسب ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقِمَّةِ تَسْقُطُ

باب ۱۱: جو لقمہ گر جائے، جو کچھ اس کے بارے میں منقول ہے

(۱۷۲۴) إِذَا أَكَلَ أَحَدٌ كُمَ طَعَامًا فَسَقَطَتْ لُقْمَةٌ فَلْيَمِطْ مَا رَأَى مِنْهَا ثُمَّ لِيَطْعَمْهَا وَلَا يَدْعُهَا لِلشَّيْطَانِ۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کوئی شخص کھانا کھائے اور اس کا لقمہ گر جائے تو اس پر جو چیز لگی ہو وہ اسے صاف کر لے اور پھر اسے کھا لے اور اسے شیطان کے لئے نہ چھوڑ دے۔

(۱۷۲۵) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا أَكَلَ طَعَامًا لَعِقَ أَصَابِعَهُ الثَّلَاثَ وَقَالَ إِذَا مَا وَقَعَتْ لُقْمَةٌ أَحَدِكُمْ فَلْيَمِطْ عَنْهَا الْأَذَى وَلْيَأْكُلْهَا وَلَا يَدْعُهَا لِلشَّيْطَانِ وَأَمَرَنَا أَنْ نُسَلِّتَ الصَّحْفَةَ وَقَالَ إِنَّكُمْ لَا تَذَرُونَ فِي آيِ طَعَامِكُمُ الْبُرْكَهَ.

ترجمہ: ثابت، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ جب کوئی چیز کھا لیتے تھے تو اس کے بعد اپنی تین انگلیوں کو چاٹا کرتے تھے (جن کے ذریعے آپ نے کھانا کھایا ہوتا تھا) نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کسی شخص کا لقمہ گر جائے تو وہ اس پر لگی ہوئی گندگی کو صاف کر لے اور اسے کھا لے اور اسے شیطان کے لئے نہ چھوڑ دے (حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں) آپ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم پیالے کو صاف کریں۔

(۱۷۲۶) مَنْ أَكَلَ فِي قِصْعَةٍ ثُمَّ لَحَسَهَا اسْتَغْفَرَتْ لَهُ الْقِصْعَةُ.

ترجمہ: سیدہ ام عاصم رضی اللہ عنہا جو حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی ام ولد ہیں، بیان کرتی ہیں، حضرت نبیشہ الخیر رضی اللہ عنہا ہماری طرف آئے ہم اس وقت ایک پیالے میں کھا رہے تھے انہوں نے ہمیں یہ حدیث سنائی، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی پیالے میں کھائے اور پھر اسے چاٹ لے تو وہ پیالہ اس کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہے۔

تشریح: نسلت: ہم پیالے یا پلیٹ کو انگلیوں سے صاف کریں۔ الصحفة (صاد پر زبر اور حاء کے سکون کے ساتھ) پلیٹ، یا رکابی جمع صحاف۔ قصعة: بادیہ بڑا پیالہ جمع قصع، قصاع، قصعات۔ امام کسائی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سب سے بڑے پیالے کو عربی میں ”جفنة“ کہتے ہیں۔ پھر اس سے قریب ”قصعة“ ہے، جس سے تقریباً دس بندے سیراب ہو کر کھا سکتے ہیں پھر ”صحفة“ ہے وہ پیالہ جس سے پانچ افراد سیر ہو کر کھا سکتے ہیں پھر ”میکلة“ ہے جس سے دو تین آدمی سیراب ہو کر کھا سکتے ہیں۔ پھر ”صحيفة“ جس سے صرف ایک بندہ سیراب ہو کر کھا سکتا ہے۔

یہاں حدیث میں اس سے مراد یہ ہے کہ اس سنت پر عمل کرنے سے اسے اصل قوت غذائی حاصل ہوگی، برے انجام سے حفاظت اور اللہ تعالیٰ کی عبادت پر اسے ہمت اور توفیق حاصل ہوگی۔

لقمہ ساقطہ کو اٹھانے کا حکم کیوں؟

اس روایت میں نبی کریم ﷺ نے کھانے کا ایک اور ادب بیان فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کھانا کھاتے ہوئے کوئی لقمہ گر جائے اور اس پر گرد وغبار وغیرہ لگ جائے تو اس کو دور کر کے کھا لینا چاہئے۔ اور اس کو شیطان کے لئے نہ چھوڑے کیونکہ اس میں کھانے کی تحقیر اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کو ضائع کرنا ہے۔ نیز اس طرح گرے ہوئے لقمہ کو نہ کھانا متکبرین کی عادات میں سے ہے کیونکہ عام طور پر اس کا باعث کبر ہی ہے جو کہ شیطان کا عمل ہے اسی وجہ سے روایت میں ولا يدعها للشيطان فرمایا گیا ہے۔

فائدہ: علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ روایت سے گرے ہوئے لقمہ کے کھانے کا استحباب ثابت ہوتا ہے۔ لیکن اگر وہ لقمہ کسی

ناپاک جگہ گرا تو پھر اس کا دھونا ضروری ہے۔ اگر دھونا مشکل ہو تو اس کو ایسی جگہ پر رکھ دیا جائے کہ جہاں سے کوئی جانور اس کو کھالے۔ غرض یہ کہ اس کھانے کو ضائع نہ کرے۔ وفي الباب عن انس رضی اللہ عنہ أخرجه الترمذی بعد هذا۔

حذیفہ بن یمان کی اتباع سنت:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بن یمان جو فاتح ایران ہیں، جب ایران میں کسریٰ پر حملہ کیا گیا تو کسریٰ نے مذاکرات کے لیے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو اپنے دربار میں بلایا۔ آپ وہاں تشریف لے گئے، تواضع کے طور پر سب سے پہلے ان کے لیے کھانا لایا گیا، دسترخوان بچھ گیا جس پر کسریٰ، اس کے وزراء، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بن یمان اور حضرت ربیع بن خلف رضی اللہ عنہ نے بیٹھ کر کھانا شروع کر دیا، اتفاقاً دوران طعام حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے ایک لقمہ گر گیا، چنانچہ آپ نے وہ نوالہ اٹھانے کے لیے جیسے ہی ہاتھ نیچے بڑھایا تو آپ کے برابر بیٹھے ہوئے ایک شخص نے کہنی مار کر اشارہ کیا کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ اس کے جواب میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بن یمان نے بڑا حکیمانہ جملہ ارشاد فرمایا کہ:

اترك سنة رسول الله ﷺ لهؤلاء الحمقاء. ”کیا ان بیوقوفوں کی وجہ سے میں اپنے رسول ﷺ کی سنت چھوڑ دوں؟“
فصل اول: کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص پلیٹ اور اپنی انگلیاں کھانے کے بعد چاٹ لے، اللہ اس کو دنیا اور آخرت میں سیراب کرے۔ (عمدة القاری: ۷۷۲۱) حضرت نبیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص پیالہ یا (طشتری وغیرہ) میں کھائے، اور پھر اسے (اپنی انگلیوں سے) چاٹ لے تو وہ پیالہ اس شخص سے کہتا ہے کہ جس طرح تو نے شیطان (کے کھا لینے یا اس کے خوش ہونے) سے مجھے نجات دی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ تجھے جہنم کی آگ سے نجات دے۔ (مرقاۃ: ۸: ۶۸)
استغفرت له القصعة: پلیٹ اور پیالہ اس آدمی کے لیے استغفار کرتے ہیں: اس سے کیا مراد ہے وہ مغفرت اور دوزخ سے خلاصی کی دعا کیسے کرتے ہیں؟ اور اس مفہوم کی جتنی روایات ہیں ان سب کا یہی حقیقی اور ظاہری معنی مراد ہے کہ وہ اپنی زبان سے استغفار کرتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں اشیاء کی تسبیح کا ذکر ہے:

﴿وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يَسْبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ﴾ (بنی اسرائیل: ۴۴)

(۱) علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں تمیز اور قوت گویائی عطا فرمادیتے ہوں۔ (۲) ”مجازی معنی“ مراد ہے اور وہ یہ کہ پلیٹ اور پیالے کو چائنا تواضع انکساری اور عاجزی کی وجہ سے ہوتا ہے گویا عملاً یہ تکبر و غرور سے براءت کا اظہار ہے اور یہی چیز گناہوں سے مغفرت اور بخشش کا ذریعہ ہے۔ (الکواکب الدری: ۳: ۱۴)

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْأَكْلِ مِنْ وَسْطِ الطَّعَامِ

باب ۱۲: کھانے (یعنی پلیٹ اور پیالے) کے درمیان سے کھانا مکروہ ہے

(۱۷۲۷) الْبُرْكَهُ تَنْزِلُ وَسْطِ الطَّعَامِ فَكُلُوا مِنْ حَافَتَيْهِ وَلَا تَأْكُلُوا مِنْ وَسْطِهِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں۔ کھانے کے درمیان میں برکت نازل ہوتی ہے اس لئے تم

اس کے کناروں کی طرف سے کھایا کرو اس کے درمیان میں سے نہ کھایا کرو۔

تشریح: حافتیہ ای جانبیہ حشیہ ہے حافۃ کا اور اس کی جمع حافات آتی ہے یہاں مراد حشیہ نہیں ہے بلکہ جوانب مراد ہیں چنانچہ جامع صغیر میں فکلو امن حافاتہ ہی واقع ہوا ہے اور ابن ماجہ میں فخذو فامن حافۃ بصیغہ مفرد واقع ہوا ہے اور مشکوٰۃ میں کلو امن جوانبہا ہے۔

کھانے اور پلیٹ کے درمیان سے کھانے کا حکم:

اس روایت میں حضور ﷺ نے کھانا کھانے کا خاص ادب بیان فرمایا وہ یہ کہ جب کھانا کھائے تو درمیان سے نہ کھائے اس لیے کہ حدیث میں ارشاد ہے کہ کھانے کے درمیان برکت نازل ہوتی ہے جسے حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس حصے کو آخر تک باقی رکھا جائے تاکہ ہر کنارے پر برکت نازل ہوتی رہے اور وسطی حصے کو بالکل آخر میں تناول کیا جائے۔

سیز جب انسان حسب ہدایت اپنے آگے سے کھائے گا تو طعام میں برکت کی مختلف صورتیں حاصل ہوں گی مثلاً کھانے سے طبعاً گرانی نہ ہوگی بلکہ میلان ہوگا کیونکہ شوربے کا روغن درمیان میں ہوگا تو جب کناروں سے کھائے گا تو تھوڑا تھوڑا روغن سالن کے ساتھ استعمال ہوگا جو کہ باعث لذت ہے اس کے برخلاف اگر اول ہی درمیان سے کھا کر روغن ختم کر دے گا تو باقی میں وہ تلذذ نہ ہوگا نیز نفس طعام میں بھی بحکم الہی زیادتی ہو جائے گی جیسا کہ بے شمار واقعات پیش آئے ہیں۔ اور چونکہ یہ طریقہ سنت کے خلاف ہے اس لیے اسے اختیار کرنا مناسب نہیں ہے بلکہ مکروہ ہے۔ (شرح الطیبی ۸: ۱۵۸)

اور امام شافعی رحمہ اللہ نے کتاب الام میں تحریم کی تصریح فرمائی ہے چنانچہ فرمایا: فان من اکل همالا یلیہ او من راس الطعام اثم بالفعل الذی فعلہ اذا کان عالماً۔ یعنی جانتے ہوئے اگر کوئی شخص اپنے آگے سے نہ کھائے یا پیالہ کے بیچ یا کھانے کے اوپر اوپر سے کھائے تو گنہگار ہے امام موصوف نے اس حدیث سے ہی استدلال فرمایا ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ روٹی کو بیچ سے ٹکڑے ٹکڑے کر کے نہ کھائے بلکہ اس کی گولائی سے توڑ توڑ کر کھائے الا یہ کہ روٹیاں تھوڑی ہوں اور کھانے والے زیادہ ہوں تو پھر روٹیوں کے ٹکڑے کئے جاسکتے ہیں۔

ہذا حدیث حسن صحیح، امام ترمذی رحمہ اللہ کے فرمان کا حاصل یہ ہے کہ روایت حسن صحیح ہے اگرچہ صرف عطاء بن السائب کے طریقہ سے معروف ہے مگر ان سے نقل کرنے والے شعبہ اور ثوری جیسے کبار محدثین ہیں اس وجہ سے اس پر حسن صحیح کا حکم لگایا گیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَكْلِ الثُّومِ وَالْبَصَلِ

باب ۱۳: لہسن اور پیاز کھانے کے مکروہ ہونے کے بارے میں

(۱۷۲۸) مَنْ أَكَلَ مِنْ هَذِهِ قَالَ أَوَّلَ مَرَّةٍ الثُّومِ ثُمَّ قَالَ الثُّومِ وَالْبَصَلِ وَالْكَرَّاثِ فَلَا يَقْرُبُنَا فِي مَسْجِدِنَا۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اسے کھالے (امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں)

راوی نے ایک مرتبہ، صرف لہسن کا ذکر کیا ہے اور پھر ایک مرتبہ، لہسن، پیاز اور گندنے کا ذکر کیا ہے (نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں) تو وہ ہماری مسجد کے قریب ہرگز نہ آئے۔

(۱۷۲۹) نَزَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى أَيُّوبَ وَكَانَ إِذَا أَكَلَ طَعَامًا بَعَثَ إِلَيْهِ بِفَضْلِهِ فَبَعَثَ إِلَيْهِ يَوْمًا بِطَعَامٍ وَلَمْ يَأْكُلْ مِنْهُ النَّبِيُّ ﷺ فَلَمَّا آتَى أَبُو أَيُّوبَ النَّبِيَّ ﷺ فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ فِيهِ ثَوْمٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَحْرَامٌ هُوَ قَالَ لَا وَلَكِنِّي أَكْرَهُهُ مِنْ أَجْلِ رِيحِهِ.

ترجمہ: سماک بن حرب نبی ﷺ بیان کرتے ہیں انہوں نے حضرت جابر بن سمرہ نبی ﷺ کو بیان کرتے ہوئے سنا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابو ایوب نبی ﷺ کے ہاں پڑاؤ کیا جب نبی اکرم ﷺ کوئی چیز کھا لیتے تھے تو بچا ہوا کھانا حضرت ابو ایوب نبی ﷺ کو بھیج دیتے تھے ایک مرتبہ آپ نے کھانا حضرت ابو ایوب نبی ﷺ کو بھیج دیا آپ نے اس میں سے کچھ بھی نہیں کھایا تھا حضرت ابو ایوب نبی ﷺ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس بات کا تذکرہ آپ سے کیا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ اس میں لہسن موجود تھا حضرت ابو ایوب نبی ﷺ نے دریافت کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ حرام ہے؟ آپ نے فرمایا۔ نہیں۔ لیکن میں اسے اس کی بو کی وجہ سے ناپسند کرتا ہوں۔

مذہب فقہاء: لہسن اور پیاز وغیرہ کا شرعی حکم: ① جمہور علماء فرماتے ہیں کہ داخل ہونے کے وقت لہسن اور پیاز اور اسی طرح کی وہ سبزیاں کہ جن کی بو آتی ہے ان کا کھانا مکروہ بکراہت تحریم ہے۔ لیکن ایسا مریض جس کے لیے پیاز کا استعمال ضروری ہے اس کے حق میں پیاز کا استعمال بلا کراہت درست ہے۔ ② ظاہر یہ ہے ان سبزیوں کی مطلقاً حرمت نقل کی ہے۔

جمہور کے دلائل: دلیل اول: حضرت ابوسعید خدری نبی ﷺ کی روایت کی ہے کہ جب آپ ﷺ نے اس پیڑ سے کھانے والے کو فلا یقربنا المساجد فرمایا تو لوگوں نے کہا حرام ہو گیا یہ خبر آپ ﷺ کو معلوم ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

ایہا الناس انہ لیس بی تحریم ما احل اللہ لی ولکنہا شجرة اکرہ ریحہا۔
”اے لوگو! میرے لیے جائز نہیں ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ اشیاء کو حرام کروں لیکن یہ ایک درخت ہے جس کی بو کو میں ناپسند کرتا ہوں۔“

یہ روایت صراحتاً عدم حرمت پر دال ہے۔ (رواہ مسلم)

دلیل دوم: ابو ایوب انصاری نبی ﷺ کی روایت احرام ہو تو آپ ﷺ نے فرمایا: لا ولکنی اکرہہ من اجل ریحہ۔ (رواہ الترمذی) دلیل سوم: اسی طرح ایک روایت اور بخاری میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک صحابی نبی ﷺ سے فرمایا: کل فانی انا جی من لا تناجی یعنی آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم کھاؤ میں تو اس لیے استعمال نہیں کرتا کہ میں ایسی مخلوق (فرشتوں) سے بات کرتا ہوں جن سے تم بات نہیں کرتے کہ اس کی بو سے فرشتوں کو تکلیف ہوگی اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ لہسن، پیاز وغیرہ حرام نہیں ہے ورنہ آپ ﷺ صحابی نبی ﷺ کو کھانے کا حکم کیوں دیتے۔

دلیل چہارم: باب الرخصة في اكل الثوم مطبوخا کے تحت امام ترمذی رحمہ اللہ نے مرفوع روایت کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثر بھی ذکر کیا ہے جس سے اکل ثوم مطبوخا کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔ نیز امام موصوف نے حضرت ابو العالیہ رضی اللہ عنہ کا مقولہ بھی ذکر کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: الثوم من طيبات الرزق کہ لہسن حلال عمدہ کھانوں میں سے ہے۔

ظاہریہ کے دلائل: ان متعدد روایات سے استدلال کیا ہے جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آکل ثوم وبصل کو مسجد میں آنے سے منع کیا ہے۔ چنانچہ روایات کے مختلف الفاظ اس طرح مروی ہیں:

فلا يقربنا مساجدنا اخرجہ البخاری ومسلم والترمذی۔ ولا یصلین معنا۔ اخرجہ البخاری ومسلم فلا یغشانا فی مسجدنا۔ اخرجہ مسلم والبخاری فلا یأتین المساجد اخرجہ مسلم۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ جب نماز باجماعت ان کے نزدیک فرض عین ہے اور جو چیز فرض عین کے ترک کا ذریعہ ہو وہ یقیناً واجب ترک اور حرام ہوگی۔ اس لیے ان سبزیوں کا کھانا حرام ہونا چاہیے۔

جوابات: ظاہریہ کی پیش کردہ روایات سے تو ان اشیاء کے کھانے کا جواز ثابت ہوتا ہے نہ کہ حرمت اکل کما یدل علیہ قولہ من اکل.... الخ۔ ہاں البتہ مسجد میں حاضری کی ممانعت بھی معلوم ہوئی سو حضرات جمہور اسی کے قائل ہیں کہ بایں حالت مسجد میں حاضر ہونا مکروہ تحریمی ہے۔

دوم: ان روایات سے مسجد کے ادب کا وجوب اور اس کی نظافت کا خاص اہتمام معلوم ہوا۔ حضرات فقہاء نے فرمایا کہ یہ تاکید صیغہ وجوب ادب پر محمول ہیں۔

سوم: روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل وجہ ممانعت تازی بنی آدم و ملائکہ ہے جو اجتماعی صورت میں پائی جاتی ہے ان اشیاء کے اکل کی حرمت کا ان روایات سے کیا تعلق ہے۔

چہارم: ان روایات سے مذکورہ اشیاء کی حرمت قطعاً ثابت نہیں ہوتی کیونکہ بہت سے مباح امور کی بناء پر ترک جماعت کی اجازت ہے مثلاً کسی بھوکے کے سامنے کھانا آ جائے تو حکم ہے کہ اگر زیادہ بھوک لگی ہے تو پہلے کھانا کھائے اور جماعت کو ترک کر دے۔ نیز علامہ ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ ان اشیاء کے حلال ہونے کے قائل ہیں حالانکہ وہ بھی جماعت کو فرض عین کہتے ہیں۔

ششم: جماعت کا فرض عین ہونا ہی مسلم نہیں کیونکہ اگر جماعت فرض عین ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان اشیاء کے کھانے کی اجازت دے کر فلا یقربنا المساجد وغیرہ ارشاد نہ فرماتے۔

ہفتم: جمہور کے مذہب پر جملہ روایات منطبق ہو جاتی ہیں کہ ممانعت والی روایات کا محمل وہ شخص ہے جو ان اشیاء کو کھا کر فوراً مسجد میں داخل ہو اور اجازت والی روایات اس شخص پر محمول ہیں جو فوراً مسجد نہ جائے یا اس کی بو کو پکا کر یا کسی اور ذریعہ سے ختم کر کے کھائے۔

باب سے متعلق دیگر فقہی مسائل:

حضرات علماء نے لہسن اور پیاز کے ساتھ ہی ہر اس شئی کو لاحق کیا ہے جس میں بدبو ہو اسی طرح حضرات علماء نے فرمایا کہ جس شخص کے منہ سے بدبو آتی ہو یا کسی شخص کے جسم پر ایسا زخم ہے جس سے بدبو آتی ہے تو وہ بھی اسی حکم میں داخل ہے کہ اس کو بھی مسجد

میں حاضر ہونا مکروہ ہے اسی طرح بعض اہل علم نے بدبودار پیشہ کرنے والوں کو بھی انہیں کے ساتھ لاحق کیا ہے مثلاً سماک، صباغ اور دباغ بوسلیم وغیرہ دیگر دوسرے بعض حضرات نے اعذار اختیاری وغیرہ اختیاری کا فرق کیا ہے۔ کہا حکاکہ ابن المنیر

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي أَكْلِ الثُّومِ مَطْبُوعًا

باب ۱۴: پکے ہوئے لہسن کھانے کی رخصت کے بارے میں

(۱۷۳۰) نَهَى عَنْ أَكْلِ الثُّومِ إِلَّا مَطْبُوعًا.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، لہسن کھانے سے منع کیا گیا ہے البتہ پکے ہوئے کا حکم مختلف ہے۔

(۱۷۳۱) لَا يُصْلِحُ أَكْلُ الثُّومِ إِلَّا مَطْبُوعًا.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لہسن کھانا ٹھیک نہیں ہے البتہ پکے ہوئے (کا حکم مختلف ہے)۔

(۱۷۳۲) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَزَلَ عَلَيْهِمْ فَتَكَلَّفُوا لَهُ طَعَامًا فِيهِ مِنْ بَعْضِ هَذِهِ الْبُقُولِ فَكَرِهَ أَكْلَهُ فَقَالَ لِأَصْحَابِهِ كُلُّوهُ فَإِنِّي لَسْتُ كَأَحَدِكُمْ إِنِّي أَخَافُ أَنْ أُؤْذِيَ صَاحِبِي.

ترجمہ: سیدہ ام ایوب رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ نے ان کے ہاں پڑاؤ کیا ان لوگوں نے آپ ﷺ کے لئے کھانا پکایا جس میں کچھ سبزیاں ڈال دیں تو نبی اکرم ﷺ نے ان کے کھانے کو ناپسند کیا آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے کہا تم لوگ اسے کھاؤ کیونکہ میں تمہاری مانند نہیں ہوں مجھے یہ اندیشہ ہے کہ میں اس کے ذریعے اپنے ساتھی (فرشتے) کو اذیت پہنچاؤں گا۔

(۱۷۳۳) قَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ كَانَ أَبُو خُلْدَةَ خِيَارًا مُسْلِمًا.

ترجمہ: ابو العالیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، لہسن بہترین رزق ہے۔

تشریح: مصنف رضی اللہ عنہ نے یہ دوسرا باب اکل ثوم مطبوخ کی رخصت و اجازت کے لیے قائم فرمایا ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے کہ لہسن اور پیاز کھانا جائز ہے ہاں البتہ اس کی بو کو زائل کر کے کھانا چاہیے۔ یہاں جو جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کی گئی ہے اس سے اکل ثوم مطبوخ کی حلت اور صراحت اس کی عدم حرمت معلوم ہوتی ہے کیونکہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی خدمت میں ایسا کھانا جس کو لہسن ڈال کر پکایا گیا تھا پیش کیا اور پھر آپ ﷺ نے اس کھانے کو ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل و عیال کے کھانے کے لیے واپس فرمادیا اور پوچھے جانے پر فرمایا کہ وہ حرام نہیں ہے ہاں البتہ بو کی وجہ سے آپ ﷺ نے نہ کھانے کا عذر فرمادیا۔

مہمان کو کھانا بچا دینا چاہیے:

اس روایت سے ایک خاص فائدہ یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر اکل و شراب صاحب فضیلت بزرگ آدمی ہو تو اس کو ماکول و مشروب میں سے کچھ بچا دینا چاہیے تاکہ دوسرے لوگ اس سے تبرک حاصل کر سکیں اسی طرح اگر کھانے میں قلت ہو اور میزبان حاجت مند

ہے تب بھی مہمان کو میزبان کا خیال رکھتے ہوئے کھانا بچا دینا چاہیے خاص طور پر ایسے مہمان کے لیے یہ عمل مستحب ہے کہ جس کے میزبان نے اپنا سب کچھ کھانا اس کی خدمت میں پیش کر دیا ہو اور اس کے بچے باقی بچے ہوئے کھانے کے منتظر ہوں علامہ نووی رحمہ اللہ نے علماء سلف سے اس کا استحباب نقل کیا ہے اور اس روایت کو اس کی دلیل میں پیش کیا ہے۔

لیکن اگر یہ اندیشہ ہو کہ باقی ماندہ کھانا ضائع کر دیا جائے گا اسے گھر کا کوئی فرد نہیں کھائے گا جیسا کہ اس وقت یہی عرف چل رہا ہے کہ مہمان کا باقی ماندہ کھانا پھینک دیا جاتا ہے اور اسے کھانا کوئی بھی پسند نہیں کرتا تو پھر بہتر یہ ہے کہ سارا کھانا کھالیا جائے اور برتن میں کچھ بھی نہ چھوڑا جائے اور برتنوں کو خوب صاف کر لیا جائے تاکہ پلیٹ چائے اور صاف کرنے کی سنت پر عمل ہو سکے۔

فلا یقر بنی فی مساجدنا: مساجدنا میں اضافت تشریفی ہے جمہور علماء کے نزدیک اس سے عام مساجد مراد ہیں اور ہر مسجد کا یہی حکم ہے کہ لہسن اور پیاز وغیرہ کھا کر مسجد میں جانے کی ممانعت ہے چنانچہ بعض روایات میں بغیر اضافت فلا یا تین المساجد وارد ہوا ہے نیز مصنف رحمہ اللہ عبد الرزاق میں ابن جریج سے منقول ہے۔

قلت لعطاء هل النهی للمسجد الحرام خاصة او فی المساجد قال لا بل فی المساجد البتہ ابن بطلال، قاضی عیاض وغیرہ نے بعض اہل علم سے یہ حکم مسجد نبوی کے ساتھ مخصوص نقل کیا ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تین روایتیں یہاں ذکر فرمائی ہیں ان میں صرف پہلی حدیث مرفوع ہے جس میں انہوں نے فرمایا: نہی عن اکل الثوم الا مطبوخاً۔

پھر وقد روی هذا عن علی..... قولہ سے امام ترمذی رحمہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہی روایت انہی الفاظ کے ساتھ ”حضرت علی رضی اللہ عنہ“ سے اپنے قول کے طور پر بھی منقول ہے گویا یہ حدیث موقوف بھی ہے۔

چوتھی حدیث میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ نے بتایا کہ جب نبی کریم ﷺ ہجرت کے بعد ان کے ہاں مہمان ہوئے تو انہوں نے آپ ﷺ کے لیے پر تکلف کھانا تیار کیا جس میں کچھ سبزیاں بھی پکی تھیں، جب اسے آپ کے قریب کیا گیا تو آپ ﷺ نے اسے پسند نہیں کیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ تم کھا لو کیونکہ میں تمہاری طرح نہیں ہوں میرے پاس میرے دوست یعنی حضرت جبریل علیہ السلام کسی بھی وقت وحی لیکر آ سکتے ہیں میں نہیں چاہتا کہ وہ آئیں اور میں ان کو تکلیف پہنچاؤں کیونکہ ان سبزیوں کی بدبو سے فرشتے انتہائی نفرت کرتے ہیں اس لیے میں یہ نہیں کھا رہا۔

پانچویں حدیث: حضرت ابو العالیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لہسن پاکیزہ کھانا ہے یعنی وہ حلال ہے حرام نہیں ہاں کھانے کے بعد اس کی بدبو ضرور دور کی جائے۔ (تحفۃ الاحوذی ۵-۴۳۰، پہلی جلد)

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا اعزاز:

حضور اکرم ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو ہر صحابی رضی اللہ عنہ کی یہ کوشش تھی کہ آپ ﷺ میرے ہاں قیام فرمائیں جیسے آپ ﷺ کی اوٹنی آگے چلتی تو ہر ایک آپ کو اپنے ہاں مہمانی کی درخواست کرتا حضور اکرم ﷺ فرماتے: خلوا سبیلہا فانہا مأمودۃ۔ اوٹنی کو راستہ دو کیونکہ اسے اللہ کی طرف سے حکم ہو چکا ہے، یہ وہیں جا کر بیٹھے گی جہاں کا اسے حکم دیا گیا ہے چنانچہ وہ اوٹنی برابر چلتی رہی پھر مسجد نبوی کے قریب باب جبرائیل کے پاس بیٹھ گئی اور مہمان نوازی کا شرف حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو

حاصل ہوا وہ حضور ﷺ کی آرام و راحت کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔ (زاد المعاد ۲: ۵۱۱)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کمال ادب:

آپ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے قیام کے لیے پہلے اپنے مکان کی چلی منزل خالی کرائی اور اپنے لیے اوپر کی منزل رکھی لیکن آپ رضی اللہ عنہ کے دل و دماغ پر ہر وقت یہ فکر سوار رہتی کہ یہ بے ادبی ہے کہ میں اوپر ہوں اور حضور اکرم ﷺ کی رہائش نیچے ہو ایک رات انہیں یوں محسوس ہوا کہ چلتے وقت ہمارے قدم حضور اکرم ﷺ کے سر مبارک کے اوپر ہیں تو ایک طرف بیٹھ گئے اور ادب کی وجہ سے پوری رات یوں ہی گزار دی نیز ایک دفعہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے کسی بچے سے پانی گر گیا وہ اس قدر زیادہ تھا کہ انہیں اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ پانی ٹپک کر چلی منزل میں حضور ﷺ پر نہ گر جائے تو اپنے عمامے سے اسے خشک کیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اپنے لحاف سے اسے فوراً خشک کیا تاکہ اس کے قطرے ٹپک کر نیچے نہ جائیں یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کمال ادب تھا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں سر بلند یاں عطا فرمائیں۔

اسی کشمکش میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے ہمت کر کے حضور اکرم ﷺ سے درخواست کی کہ یا رسول اللہ ﷺ میں اس چھت پر رہوں جس کے نیچے آپ ﷺ کا قیام ہو یہ میں برداشت نہیں کر سکتا اس لیے میں چاہتا ہوں کہ آپ اوپر کی منزل پر رہائش اختیار کر لیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے لیے اور میرے پاس آنے والوں کے لیے چلی منزل میں زیادہ آسانی ہے تاہم ان کے مخلصانہ اصرار کی وجہ سے آپ ﷺ نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور پھر آپ ﷺ کی رہائش اوپر کی منزل پر منتقل کر دی گئی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَخْمِيرِ الْإِنَاءِ وَأُظْفَاءِ السِّرَاجِ وَالنَّارِ عَبْدَ الْمَنَامِ

باب ۱۵: سوتے وقت برتن ڈھانپنے چراغ اور آگ بجھانے کا حکم

(۱۷۳۴) اَغْلِقُوا الْبَابَ وَآوِ كُتُومَ السَّقَاءِ وَآكُفُّوا الْإِنَاءَ وَخَمِّرُوا الْإِنَاءَ وَأُظْفِئُوا الْمِصْبَاحَ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَفْتَحُ غُلْقًا وَلَا يَحِلُّ وَكَاءٌ وَلَا يَكْشِفُ أُنْيَةً وَإِنَّ الْفُؤَيْسِقَةَ تُضَرُّ عَلَى النَّاسِ بَيَّتَهُمْ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: (سوتے ہوئے) دروازے بند کر دو، مشکیزے کا منہ بند کر دو، برتنوں کو اوندھا کر دو یا برتنوں کو ڈھانپ دو چراغ کو بجھا دو کیونکہ شیطان بند دروازے کو کھول نہیں سکتا اور جس کا منہ بند ہو، اسے کھول نہیں سکتا اور ڈھانپنی ہوئی چیز کو ہٹا نہیں سکتا اور چوہا گھر کو لوگوں سمیت جلا سکتا ہے۔

(۱۷۳۵) لَا تَتْرُكُوا النَّارَ فِي بُيُوتِكُمْ حِينَ تَنَامُونَ.

ترجمہ: سالم اپنے والد (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں۔ سوتے وقت اپنے گھروں میں جلتی ہوئی آگ نہ چھوڑو۔

تشریح: آداب معاشرت: نبی کریم ﷺ نے اس روایت میں سوتے وقت کے کچھ آداب بیان فرمائے ہیں۔

اغلقوا الباب : پہلا ادب بیان فرمایا کہ سوتے وقت دروازہ بند کر دو۔ اور مسلم کی روایت میں واذ کرو اسم اللہ بھی ہے یعنی اللہ کا نام لو۔

علامہ ابن دقیق العید کہتے ہیں کہ آپ کے اس حکم میں دینی اور دنیوی دونوں مصالح ہیں چنانچہ اہل شر و فساد سے اور شیطان سے جان و مال وغیرہ کی حفاظت ہوتی ہے کیونکہ شیطان بند دروازہ نہیں کھول سکتا اور اہل شر و فساد بھی بند دروازے سے جلدی سے داخل نہیں ہو سکتے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب میں لیل کو ملحوظ رکھا ہے کیونکہ روایات میں بھی لیل کا لفظ وارد ہوا ہے مگر مفہوم روایات سے یہ حکم عام دن رات دونوں کے لیے معلوم ہوتا ہے اور احتیاط بھی اسی میں ہے۔

او کو السقاء ایک ادب یہ بیان فرمایا کہ مشکیزے کے منہ کو باندھ دو۔ بعض روایات میں اقربکم واذ کرو اسم اللہ کا لفظ وارد ہوا ہے کافی الصحیحین مشکیزہ کے منہ کو بند کرنے کا حکم اس لیے فرمایا کہ قعقاع بن حکیم جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ پورے سال میں ایک رات ایسی ہوتی ہے کہ جس میں آسمان سے بلا نازل ہوتی ہے اور کھلے ہوئے برتنوں اور مشکیزوں میں وہ بلا داخل ہو جاتی ہے لہذا اگر منہ بند کر دیا جائے گا تو اس سے حفاظت ہوگی نیز اس سے کسی جانور کیڑے وغیرہ کے داخل ہونے سے بھی حفاظت ہو جاتی ہے۔

اکفؤ الاناء او خمر و الاناء ایک ادب یہ بھی کہ برتنوں کو الٹا کر دو یا برتنوں کو ڈھانپ دو چونکہ برتن ہر طرح کے ہوتے ہیں یا تو خالی یا بھرے ہوئے اگر خالی ہیں تو الٹا دیئے جائیں اور اگر بھرے ہوئے ہیں تو ڈھانپ دیئے جائیں علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ برتنوں کو ڈھانپنے میں علماء نے متعدد فوائد بیان کئے ہیں مثلاً شیاطین سے حفاظت و بقاء سے صیانت اسی طرح نجاسات و گندگیوں سے بھی دوری ہوتی ہے اور حشرات و ہوان یعنی زہریلے کیڑوں سے امن ہو جاتا ہے۔

اطفؤ المصباح : ادب بیان فرمایا کہ جب سو تو چراغ بجھا دو یہ حکم آپ ﷺ نے اس لیے فرمایا کہ بعض مرتبہ آگ سے نقصان ہو جاتا ہے خود چراغ بھی الٹا ہو سکتا ہے اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ بعض اوقات چوبیا بھی بتی کھینچ کر لے جاتی ہے اور کپڑوں پر ڈال دیتی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ حکم بھی عام ہے جب انسان کو کوئی وقت غفلت کا ہو تو اس وقت چراغ بجھا دینا چاہیے۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو اوامر اس روایت میں واقع ہوئے ہیں وہ سب ارشادی ہیں ایجابی نہیں لہذا ان سے زیادہ سے زیادہ استحباب و ندب ثابت ہو گا نہ کہ وجوب۔

وفي الباب عن ابن عمر رضي الله عنهما اخرج الترمذی فی هذا الباب وابی هريرة رضي الله عنه اخرج ابن ماجه وابن عباس رضي الله عنهما اخرج ابو داود ابن حبان والحاكم. هذا حديث حسن صحيح اخرج البخاري ومسلم و ابو داود ابن ماجه وقد روى من غير وجه عن جابر رضي الله عنه. یعنی روایت کے متعدد طرق ہیں اس لیے حسن صحیح ہے۔

فائدہ : صحیح مسلم کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب رات کی تاریکی آجائے اور شام ہو جائے (یعنی غروب

آفتاب ہو جائے) تو اپنے بچوں کو (باہر نکلنے سے) روکو اس لیے کہ اس وقت شیاطین پھیل رہے ہوتے ہیں پھر جب رات کا ایک حصہ گزر جائے تو ان کو چھوڑ سکتے ہو۔

علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چونکہ بچے عموماً نجاست اور گندگی سے آلودہ رہتے ہیں اور اس گندے پن کو جنات اور شیاطین پسند کرتے ہیں اب اگر غروب آفتاب کے وقت بچے گھر سے باہر ہوں تو جنات اور شیاطین بچوں کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اس خطرے کے پیش نظر آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْقِرَانِ بَيْنَ الثَّمَرَتَيْنِ

باب ۱۶: دو کھجوریں ملا کر کھانے کے مکروہ ہونے کے بارے میں جو کچھ منقول ہے

(۱۷۳۶) نہی رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ يُقْرَنَ بَيْنَ الثَّمَرَتَيْنِ حَتَّى يَسْتَأْذِنَ صَاحِبُهُ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے دو کھجوریں ایک ساتھ ملا کر کھانے سے منع کیا ہے البتہ اگر اپنے ساتھی سے اجازت لے لی جائے (تو ایسا کرنا جائز ہے)۔

تشریح: علامہ نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس بارے میں اختلاف ہے آیا قران بین الثمرتین کی ممانعت حرمت پر محمول ہے یا کراہت پر؟ دونوں قول ہیں مگر صحیح بات یہ ہے کہ اس مسئلہ میں تفصیل ہے وہ یہ کہ اگر شئی ماکول ترانگور اور اسی طرح کے وہ پھل وغیرہ جو کئی کئی عدد ملا کر کھائے جاسکتے ہوں اگر ان کو چند افراد مل کر کھا رہے ہوں اور ان کے اندر ملکیت کے اعتبار سے سب شریک ہیں تو ایسی صورت میں قران کر کے کھانا حرام ہے لیکن اگر سب کی طرف سے ایک دوسرے کے لیے اجازت (خواہ صریحی ہو یا کتائی) پائی جائے تو پھر قران کر کے کھانا بلا کراہت کھانا درست ہے اور اگر شئی ماکول انہی آکلین میں سے کسی ایک کی ملکیت ہو تو باقی حضرات کو اس کی بغیر رضامندی قران کر کے کھانا اب بھی درست نہیں ہے البتہ مالک قران کر کے کھا سکتا ہے لیکن یہ آداب مجلس کے خلاف ہے اور اگر وہ شئی ماکول کسی ایسے شخص کی ملکیت ہے جو آکلین میں شامل نہیں بلکہ اس کی طرف سے کھانے کی اجازت ہے اگر وہ قلیل ہے تو بغیر آکلین کی رضامندی قران کر کے کھانا درست نہیں ہے اور اگر شئی ماکول اتنی کثیر ہے کہ کھانے کے بعد بھی بچ جائے گی تو قران کر سکتے ہیں البتہ آداب مجلس باقی رہیں کہ طمع اور حرص ظاہر نہ ہو۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خطابی وغیرہ کی بات درست نہیں ہے کیونکہ اعتبار الفاظ کا ہوتا ہے نہ کہ خاص سبب کا اور یہاں تو سبب ثابت بھی نہیں ہے اور حدیث کے الفاظ چونکہ عام ہیں ان میں سے کسی زمانے کی کوئی قید نہیں ہے اس لیے ممانعت کا حکم منسوخ نہیں ہے بلکہ اس میں تفصیل ہے جس کی وضاحت اوپر گزر چکی ہے۔ (مرقاۃ الفاتح ۸: ۲۶ تحفۃ الاحوذی ۵: ۴۳۵)

بَابُ مَا جَاءَ فِي اسْتِحْبَابِ الشَّمْرِ

باب ۱۷: کھجور کھانے کے مستحب ہونے کے بارے میں

(۱۷۳۷) بَيْتٌ لَا تَمْرُ فِيهِ جِيَاعٌ أَهْلُهُ.

ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتی ہیں، جس گھر میں کھجوریں نہ ہوں اس کے گھر والے بھوکے ہوتے ہیں۔

تشریح: اکہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس گھر میں کھجور نہیں تو اس گھر والے گویا بھوکے ہیں۔ معلوم ہوا کہ ہر گھر میں کھجور ہونی چاہیے نیز کھجور کی عظمت اور اس کا مبارک پھل ہونا بھی معلوم ہوا لیکن اصح یہ ہے کہ روایت کا منشاء قناعت کی تعلیم دینا ہے اور حدیث کے معنی یہ ہیں کہ جس گھر میں تمر موجود ہو اس گھر والوں کو بھوکا شمار نہ کیا جائے اس لیے تمر بھی ایک قسم کی روزی ہے ہاں البتہ جس گھر میں تمر بھی نہیں ہے وہ گھر بھوکا شمار کیا جائے گا حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے حدیث پاک کے یہی معنی بیان فرمائے ہیں اور اس کی تائید دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

بَيْتٌ لَا تَمْرُ فِيهِ كَبَيْتٌ لَا طَعَامَ فِيهِ اخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَهَ عَنْ سَلْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ.

”جس گھر میں کھجور نہ ہو وہ گھر ایسا ہے جس میں کھانا نہیں۔“

اسی طرح حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کان یأتی علینا الشہر مانوقد فیہ نار الانما هو التمر والماء الا ان یؤتی باللحم۔ (اخراجہ الشیخان) ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہمارے اوپر مہینے گزر جاتے تھے کہ جس میں آگ بھی نہیں جلائی جاتی تھی بیشک وہ کھجور اور پانی ہوتا تھا مگر یہ کہ گوشت دیا جاتا تھا۔“ سے بھی اس معنی کی تائید ہوتی ہے۔

فائدہ: امام نووی اور علامہ طبری رحمہما کہتے ہیں کہ روایت سے تمر کی فضیلت اور گھر والوں کے لیے اس کا ذخیرہ بنانے کا جواز اور زہد وقاعت کی تعلیم معلوم ہوئی نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ مومن کے یہاں کھجور رہنی چاہیے لیکن یہ مخصوص ہے ایسے شہروں کے لیے جہاں کھجور پیدا ہوتی ہے۔ (شرح مسلم للنووی ۲: ۱۸۱، وفی الباب عن سلمی رضی اللہ عنہا امرأۃ ابی رافع اخرجہ ابن ماجہ ہذا حدیث حسن غریب اخرجہ احمد وسلم وابوداؤد وابن ماجہ)۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحَمْدِ عَلَى الطَّعَامِ إِذَا فُرِغَ مِنْهُ

باب ۱۸: کھانے سے فراغت کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی جائے

(۱۷۳۸) إِنَّ اللَّهَ لَيَرْضَى عَنِ الْعَبْدِ أَنْ يَأْكُلَ الْأَكْلَةَ أَوْ يَشْرِبَ الشَّرْبَةَ فَيَحْمَدُهُ عَلَيْهَا.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے بندے سے راضی ہو جاتا ہے، جو کچھ کھاتا ہے یا پیتا ہے، تو اس پر اس کی حمد بیان کرتا ہے۔

لحنت: الاكلۃ نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ بفتح الہمزہ ہے اسی طرح الشربة بفتح الشین ہے جو مرۃ کے لیے آتا ہے یعنی ایک مرتبہ سیر ہو کر کھانا اور ایک مرتبہ سیراب ہو پینا دوسرا قول یہ ہے کہ اکلۃ بضم الہمزہ بمعنی لقمہ حمد کے اہتمام کے پیش نظر بضم الہمزہ ہی بہتر ہے۔ کھانے کے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی جائے

کھانے کے بعد اللہ کا شکر ادا کرنا سنت ہے:

یہ درحقیقت اس چیز کی یاد دہانی ہے کہ ایک انسان جب کھانا کھا چکے تو یہ سوچے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے اس طعام کا انتظام کس عجیب و غریب طریقے سے کیا ہے اس گندم چاول اور سبزیوں کی فصل نہ جانے کس علاقے میں ہوئی اسے کس نے کاشت کیا کس نے اسے کاٹا صاف کیا اور مارکیٹ میں کن کن ہاتھوں نے اسے پہنچایا پھر کہاں کہاں کا سفر کر کے میرے گھر پہنچی اسے کس طریقے سے پکایا گیا ایک لقمہ جو منہ کی طرف اٹھایا جاتا ہے بظاہر تو وہ چھوٹا سا لقمہ ہے لیکن اس کو تیار کرنے میں نہ جانے کتنے انسانوں نے اس پر محنت و مشقت اٹھائی یوں وہ کئی ہاتھوں سے ہو کر انسان کی غذائی تسکین کا ذریعہ بنایا یہ سب اللہ جل شانہ کی قدرت کے کرشمے ہیں اس لیے نبی کریم ﷺ نے خاص طور پر کھانے کے بعد اللہ کا شکر ادا کرنے کا حکم دیا ہے

اعتراف: فراغت طعام و شراب کے بعد تو شکر کی ادائیگی کا حکم ہونا چاہئے نہ کہ حمد کا؟

جواب: یہ ہے کہ حمد تو اس الشکر ہے: قال النبی ﷺ الحمد راس الشکر ما شکر اللہ من لہ یحمدہ اخرجہ البغوی۔ معلوم ہوا کہ شکر کی ادائیگی کے لیے الفاظ حمد سب الفاظ سے بڑھ کر ہے بلکہ مذکورہ روایت سے تو معلوم ہوا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی حمد نہ کی اس نے اللہ کا شکر ہی ادا نہ کیا۔

حمد علی الطعام کے لئے مختلف دعائیں منقول ہیں۔ یہاں ان میں سے چند دعاؤں کا ترجمہ کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے: جب دسترخوان اٹھنے لگے تو یہ دعا پڑھیں۔

(۱) الحمد للہ حمدا کثیرا طیباً مبارکاً کافیۃ غیر مکفی ولا مودع ولا مستغنی عنہ ربنا۔
ترجمہ: تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے ایسی تعریف جو بہت ہو پاکیزہ ہو اور بابرکت ہو جو کفایت نہیں کی جائے گی (یعنی شکر کا حق ہم ادا نہیں کر سکتے) اور نہ اس کی حمد (یا طعام) کو چھوڑا جاسکتا ہے، ورنہ اس سے استغناء اور بے نیازی اختیار کی جاسکتی ہے، اے ہمارے رب۔

(۲) الحمد للہ الذی اطعمنا وسقانا واجعلنا مسلمین۔

ترجمہ: تمام حمد و ثناء اس اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور ہمیں مسلمان بنایا۔

(۳) الحمد للہ الذی اطعمنی هذا ورزقنیہ من غیر حول منی ولا قوۃ۔

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا اور مجھے یہ کھانا میری قوت اور کوشش کے بغیر عطا فرمایا۔

اس دعا کو کھانے کے بعد پڑھا جائے تو اس کے پچھلے سارے چھوٹے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اور اگر کھانے کے بعد صرف ”الحمد للہ“ پڑھ لیا جائے تو اس سے بھی دعا کی سنت ادا ہو جاتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْأَكْلِ مَعَ الْمَجْذُومِ

باب ۱۹: جذام کے مریض کے ساتھ کھانے کے بارے میں

(۱۷۳۹) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَخَذَ بِيَدِ الْمَجْذُومِ فَأَدْخَلَهُ مَعَهُ فِي الْقَصْعَةِ ثُمَّ قَالَ كُلْ بِسْمِ اللَّهِ ثِقَةً بِاللَّهِ وَتَوَكَّلًا عَلَيْهِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے جذام کے ایک مریض کا ہاتھ تھاما اور اس کا ہاتھ اپنے پیالے میں ڈال کر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اور اللہ تعالیٰ پر یقین رکھتے ہوئے اس پر توکل کرتے ہوئے کھانا شروع کرو۔
تشریح: مجذوم: اس شخص کو کہا جاتا ہے کہ جو جذام کی بیماری میں مبتلا ہو، اور جذام: کوڑھ کی بیماری ہے جس میں جسم کے اعضاء گل سڑ کر الگ الگ ہونے لگتے ہیں۔ اس حدیث میں مجذوم سے مراد حضرت معقیب بن ابی فاطمہ دوسی رضی اللہ عنہ ہیں۔ فادخلہ معہ حضور ﷺ نے اس کے ہاتھ کو اپنے ساتھ پلیٹ میں داخل کیا اس میں ادخلہ کی ”ہ“ ضمیر ”ید“ کی طرف لوٹ رہی ہے ”ہا“ ضمیر مؤنث ہونی چاہئے تھی کیونکہ ”ید“ عربی زبان میں مؤنث سائی ہے چنانچہ سنن ابن ماجہ کی روایت میں فادخلها معہ ہے۔

ثقة بالله وتوكل عليه کی ترکیب۔ اس میں ثقة اور توکل دونوں مصدر ہیں اور مفعول مطلق ہیں، اصل عبارت یوں ہے:

قل بسم الله معي اثق ثقة بالله واتوكل توكل عليه.

ترجمہ: ”اللہ کا نام لیکر میرے ساتھ کھاؤ، میرا اللہ پر خوب بھروسہ اور اس پر کامل توکل ہے۔“

یہ دونوں جملے (اثق اور اتوکل) ”مع“ کی ”ی“ ضمیر سے حال ہیں، اور دوسرا جملہ پہلے جملے کی مزید تاکید ہے، اور بعض حضرات کے نزدیک اثق ثقة بالله واتوكل توكل عليه مستقل جملہ ہے۔ (شرح الطبی ۸: ۳۲)

ایک اشکال: آپ ﷺ نے مجذوم کو پکڑا اور اپنے ساتھ کھانا بھی کھلایا اور اس سے پرہیز نہیں کیا یہ آپ ﷺ کا انتہائی توکل اور اللہ پر بھروسہ کی بات ہے نیز آپ ﷺ نے ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے:

كل مع صاحب البلاء تواضعاً لربك وإيماناً۔ (خرج الطحاوی عن ابی ذر رضی اللہ عنہ)

”ہر مصیبت میں مبتلا شخص اللہ کے سامنے عاجزی کرنے والا ہے اور ایمان لانے والا ہے۔“

مگر یہاں پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس کے برخلاف نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

فر من المجذوم فراراً من الاسد۔ ”مجذوم سے اس طرح بھاگ جیسا تو شیر سے بھاگتا ہے۔“

کہ مجذوم سے اس طرح دور رہو جس طرح شیر سے دور رہا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کے قول فعل میں تعارض ہو گیا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور عیسیٰ بن دینار مالک رحمہ اللہ اور دوسرے بعض حضرات سلف نے فرمایا کہ مجذوم سے بچنے کا حکم منسوخ ہے ابتداءً یہ حکم رہا ہے۔ بعد میں اکل مع المجذوم ثابت ہے۔

بہترین تطبیق یہ دی گئی ہے کہ اگر کسی شخص کو اللہ تعالیٰ پر اعتماد کامل ہو تو ایسے شخص کو یہ گنجائش ہے کہ وہ مجذوم کے ساتھ

کھالے ورنہ اجتناب بہتر اور محتاط ہے کیونکہ بعض مرتبہ من جانب اللہ مرض کا فیصلہ ہوتا ہے اور مجذوم سے مخالطت بظاہر سبب مرض بن جاتی ہے تو ایسی صورت میں اعتقاد میں تزلزل ہو سکتا ہے جس سے ایمان بھی خطرہ میں پڑ جانے کا اندیشہ ہے اس لیے بہتر یہی ہے کہ اجتناب کیا جائے۔ سنا ہے حضرت مدنی کے یہاں کوئی کوڑھی تھا جس سے لوگ پرہیز کرتے تھے مگر حضرت رحمہ اللہ اس کو بعض مرتبہ اپنے ساتھ کھانا کھلایا کرتے تھے: هذا حديث غريب الخ اخرجہ ابو داؤد والنسائی وغیرہ یہ روایت صرف یونس بن محمد عن المفصل کے طریق سے منقول ہے۔

”لاعدوی“ اعتراض: اگر طبی طور پر یا تجربے سے یہ ثابت ہو جائے کہ فلاں فلاں بیماریاں ایک جسم سے دوسرے جسم کی طرف منتقل ہو جاتی ہیں، مثلاً طاعون، جذام، چچک، نزلہ جواب ”لاعدوی“ والی حدیث کے منافی نہیں ہے، کیونکہ حدیث میں اس بیماری کے موثر حقیقی ہونے کی نفی ہے کہ ایک بیماری ذاتی طور پر دوسرے کو نہیں لگ جاتی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”لاعدوی“ کے معنی یہ ہیں کہ کوئی بھی مرض اپنے اصل کے اعتبار سے ایک دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہوتی اور اس جملے سے دراصل جاہلیت کے ایک غلط عقیدے کی تردید کرنا مقصود ہے، ان کا عقیدہ یہ تھا کہ بیماریاں اپنی ذات میں یہ تاثیر رکھتی ہیں کہ وہ ایک سے دوسرے کی طرف منتقل ہو جاتی ہیں، اس میں اللہ تعالیٰ کے کسی فعل کا عمل دخل نہیں ہے۔ کہ کسی مرض میں یہ تاثیر نہیں ہے کہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر خود ہی کسی دوسرے کو لگ جائے، وہ اللہ ہی بیمار کرتا ہے اور وہی شفاء دیتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْمُؤْمِنَ يَأْكُلُ فِي مَعَى وَاحِدٍ

باب ۲۰: مؤمن ایک آنت میں کھاتا ہے

(۱۷۴۰) الْكَافِرُ يَأْكُلُ فِي سَبْعَةِ أَمْعَاءَ وَالْمُؤْمِنُ يَأْكُلُ فِي مَعَى وَاحِدٍ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں، کافرسات آنتوں میں کھاتا ہے اور مؤمن ایک آنت میں کھاتا ہے۔

(۱۷۴۱) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ ضَافَهُ ضَيْفٌ كَافِرٌ فَأَمَرَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِشَاةٍ فَخَلَبَتْ فَشَرِبَ ثُمَّ أُخْرِى فَشَرِبَ بِهِ ثُمَّ أُخْرِى فَشَرِبَ حَتَّى شَرِبَ جَلَابَ سَبْعِ شِيَاهٍ ثُمَّ أَصْبَحَ مِنَ الْغَدِ فَأَسْلَمَ فَأَمَرَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِشَاةٍ فَخَلَبَتْ فَشَرِبَ جَلَابَهَا ثُمَّ أَمَرَ لَهُ بِأُخْرِى فَلَمْ يَسْتَتِبْهَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْمُؤْمِنُ يَشْرِبُ فِي مَعَى وَاحِدٍ وَالْكَافِرُ يَشْرِبُ فِي سَبْعَةِ أَمْعَاءَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے ایک کافر شخص کو اپنا مہمان بنایا آپ نے اس کے لئے حکم دیا ایک بکری کا دودھ اس کے لئے دوہ لیا گیا اس نے اسے پی لیا پھر اگلی کا دوہ لیا گیا اس نے اسے بھی پی لیا یہاں تک کہ اس نے سات بکریوں کا دودھ پی لیا اگلے دن صبح وہ شخص مسلمان ہو گیا نبی اکرم ﷺ کے حکم کے تحت اس کے لیے بکری کا دودھ دوہ لیا گیا، وہ اس نے پی لیا پھر آپ کے حکم کے تحت اس کے لئے دوسری بکری کا دودھ دوہ لیا گیا، تو وہ اسے پورا نہیں پی سکا، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد

فرمایا۔ مومن ایک آنت میں پیتا ہے اور کافر سات آنتوں میں پیتا ہے۔

تشریح: لفظ معی کی تحقیق:- حافظ فرماتے ہیں۔ کہ بکسر المیم مقصورا ہے اور یہی لغت مشہور ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت بالاتفاق اپنے ظاہری معنی پر نہیں ہے کیونکہ بہت سے کافر مسلمان کے مقابلہ میں کم کھانے پینے والے ہوتے ہیں۔ علامہ زرقانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ علماء نے اس روایت کی دس سے زائد توجیحات بیان فرمائی ہیں۔ پہلی توجیہ: یہ حدیث غالب احوال کے اعتبار سے ہے اور عدد کی تعیین مقصود نہیں بلکہ مراد مومن کے کھانے کو اور کافر کے زائد کھانے کو بیان فرمانا ہے:

كما قال الله تعالى: ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۖ﴾ (محمد: ۱۲)
اور روایت میں سات کا عدد محض تکثیر کے لیے ہے۔

کافی قولہ تعالیٰ: ﴿وَالْبَحْرُ يَمُدُّ لَهُ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ ۚ﴾ (لقمان: ۲۷)

الحاصل مومن کی شان کھانے پینے میں تقلیل کو اختیار کرنا ہے کیونکہ وہ عبادت میں زائد کھائے گا تو زیادہ حساب دینا ہوگا برخلاف کافر کے کہ وہ زائد کھاتا ہے کیونکہ اس کا مقصد الگ ہے۔ علامہ قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ قول راجح الاقوال ہے۔

دوسری توجیہ: علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں روایت کا مطلب یہ ہے کہ کافر چونکہ خواہش نفسانی کی وجہ سے کھاتا ہے اور جب تک ساتوں انتڑیاں نہ بھر جائیں کھاتا ہی چلا جاتا ہے۔ اس کے برخلاف مومن بندہ بقدر ضرورت کھاتا ہے کہ ایک انتڑی ہی کے پر ہو جانے سے سیر ہو جاتا ہے۔

تیسری توجیہ: مومن اللہ کا نام لے کر کھاتا ہے اور پیتا ہے تو اس کے ساتھ شیطان شریک نہیں ہوتا لہذا اس کو تھوڑا ہی کھانا کافی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ روایات میں وارد ہوا ہے کہ:

ان الشيطان يستحل الطعام ان لم يذكر اسم الله تعالى عليه. (اخرج مسلم)

”شیطان اُس کھانے کو اپنے لئے حلال کر دیتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے۔“

چوتھی توجیہ: روایت میں مسلم سے مراد کامل اسلام ہے: عن ابی امامۃ مرفوعاً من کثر تفکرہ قل طعامہ ومن قل تفکرہ کثر طعامہ وقسا قلبہ۔ یعنی جو شخص زیادہ فکر مند ہوگا اس کا کھانا قلیل ہوگا اور جس کو فکر کم ہوگی اس کا کھانا زائد ہوگا اور اس کا دل سخت ہوگا۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے:

ان هذه المال حلوة خضرة فمن اخذه باشراف نفس كان كالذي ياكل ولا يشبع.

”بیشک یہ مال میٹھا اور سبز ہے جو شخص اس کو اشرف نفس سے لیتا ہے وہ ایسا ہے جو کھاتا تو ہے لیکن پیٹ نہیں بھرتا۔“

پانچویں توجیہ: دراصل روایت کا مقصد مومن کو کم کھانے کی ترغیب دینا ہے۔

چھٹی توجیہ: علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شہوات طعام سات ہیں۔ شہوت طبع، شہوت نفس، شہوت عین، شہوت فم، شہوت اذن، شہوت انف، شہوت جوع۔

یہ آخری شہوت جوع ضروری ہے۔ مومن اسی خواہش کی بنا پر کھانا کھاتا ہے بخلاف کافر شخص کے ساتوں شہوتوں کی بناء اور

خواہشوں کی بناء پر کھاتا ہے۔

ساتویں توجیہ: حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور قول بھی نقل فرمایا، کہ دراصل روایت میں مومن اور کافر دونوں کی مثال بیان کرنا مقصود ہے۔ کہ مومن کا حال تو دنیا میں زہد کا ہے اور کافر کا حال حرص کا ہے۔ واللہ اعلم

فائدہ: اختلفوا فی حد الجوع علی راثین ذکرہما فی الاحیاء احدہما ان یشتہی الخبز و حدہ فمتی طلب الادم فلیس بجائع ثانیہما، انه اذا وقع ريقہ علی الارض لم یقع علیہ الذباب و ذکر ایضا مراتب الجوع تنحو علی سبعة الاول ما یقوم بہ الحیاة الثانی ان یزید حتی یصلی قائماً ویصوم و هذان واجبان الثالث ان یزید حتی یقوی علی اداء النفل الرابع ان یزید حتی یقدر علی الکسب و هذان مستحبان الخامس ان یملاء الثلث و هذا جائز۔ السادس ان یزید وبہ یثقل البدن و یکثر النوم و هذا مکروه السابع ان یزید حتی یتضرر و هذا حرام ۱۲ و جز قال ابن التین ان الناس فی الاکل علی ثلاث طبقات۔ تاکل کل مطعوم من حاجة و بغير حاجة و هذا فعل اهل الجهول و طائفة تاكل عند الجوع بقدر ما یسد الجوع حسب و طائفة یجوعون انفسهم یقصدون بذلك قمع شهوة النفس و اذا اكلوا اكلوا ماسدا۔ (الرمق ۱۲ افتح)

”بھوک کے بارے میں اختلاف ہے اور دورائے ہیں جنہیں احیاء میں ذکر کیا گیا ہے۔ پہلی یہ کہ صرف روٹی کی طرف شہوت و میدان ہوا اگر سالن طلب کرے تو اسے بھوکا نہیں سمجھیں گے۔ دوسرا یہ ہے کہ جب تھوک زمین پر گرے اور مکھی اس پر نہ بیٹھے۔ بعض حضرات نے بھوک کے سات مراتب لکھے ہیں: ① اتنا کھائے کہ زندگی باقی رہ سکے۔ ② اتنا کھائے کہ نماز اور روزے کی طاقت پیدا ہو جائے اتنا کھانا واجب ہے۔ ③ تیسرا یہ ہے کہ اس پر اتنی زیادتی کرے کہ نوافل کے ادا کرنے کی قوت و طاقت پیدا ہو جائے۔ ④ چوتھی یہ کہ اس پر اتنی زیادتی کرے کہ کمائی کی طاقت پیدا ہو جائے یہ دونوں مستحب ہیں۔ ⑤ پیٹ کے تین حصے بھر جائیں یہ جائز ہے۔ ⑥ اس پر اتنی زیادتی کرے کہ بدن بھاری ہو جائے اور نیند زیادہ آگے لگے، یہ مکروہ ہے۔ ⑦ اتنا زیادہ کھائے کہ معدے کو نقصان پہنچ جائے یہ حرام ہے۔“

حدیث میں مہمان سے کون مراد ہے؟

بعض محدثین کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد ابو غزوہ ان ہے ہیں کیونکہ طبرانی میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پاس سات آدمی آئے صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان میں سے چھ کو ضیافت کے لیے لے لیا۔ اور ساتویں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے رکھ لیا، پھر اس سے فرمایا کہ تمہارا کیا نام ہے۔ اس نے بتایا کہ ابو غزوہ ان اس کے لیے سات بکریوں کا دودھ دوہا گیا، وہ سارا پی گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا اے ابو غزوہ ان کیا آپ اسلام قبول کرنا پسند کرتے ہیں۔ ابو غزوہ ان نے کہا جی ہاں چنانچہ اس نے اسلام قبول کر لیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سینے پر ہاتھ پھیرا، جب صبح ہوئی تو اس کے لیے ایک بکری کا دودھ دوہایا گیا لیکن اسے بھی وہ ختم نہ کر سکا، اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو غزوہ ان کیا بات ہے (کہ آپ نے ایک بکری کا دودھ بھی پورا نہیں کیا) اس نے جواب میں عرض کیا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجا میں سیراب ہو چکا ہوں تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ کل گذشتہ آپ کی سات آنتیں تھیں (کیونکہ آپ کافر تھے) اور آج آپ کی (اسلام قبول کرنے کی وجہ سے) صرف ایک ہی آنت ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں تقریباً اسی طرح کا واقعہ جھجھہ غفاری کے بارے میں بھی آتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ دونوں واقعے ایک ہی شخص کے بارے میں ہوں کہ اصل نام تو اس کا جھجھہ غفاری ہو اور اس کی کنیت ابو غزوہ ہو۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض حضرات کے نزدیک اس مہمان سے شامہ بن اثال اور بعض کے نزدیک نصرہ بن ابی نصرہ غفاری مراد ہیں۔ (شرح مسلم للنووی ۲: ۱۸۷)

بَابُ مَا جَاءَ فِي طَعَامِ الْوَاحِدِ يَكْفِي الْاِثْنَيْنِ

باب ۲۱: ایک شخص کا کھانا دو کے لئے کافی ہونے کے بارے میں جو کچھ منقول ہے

(۱۷۴۲) طَعَامُ الْاِثْنَيْنِ كَافِي الثَّلَاثَةِ وَطَعَامُ الثَّلَاثَةِ كَافِي الْاَرْبَعَةِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ دو آدمیوں کا کھانا تین کے لئے کافی ہوتا ہے اور تین کا کھانا چار کے لئے کافی ہوتا ہے۔

(۱۷۴۳) طَعَامُ الْوَاحِدِ يَكْفِي الْاِثْنَيْنِ وَطَعَامُ الْاَرْبَعَةِ يَكْفِي الثَّمَانِيَةِ.

ترجمہ: حضرت جابر اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی اکرم ﷺ کے حوالے سے یہ بات بھی نقل کی ہے۔ ایک آدمی کا کھانا دو کے لئے کافی ہوتا ہے دو کا کھانا چار کے لئے کافی ہوتا ہے اور چار کا کھانا آٹھ کے لئے کافی ہوتا ہے۔

روایت کا مطلب: کہ دو آدمیوں کا پیٹ بھر کھانا تین کے لئے کفایت کرے گا۔ مہلب کہتے ہیں کہ اس قسم کی احادیث سے مقصود مکارم الاخلاق کی ترغیب دینا ہے اور کفایت شعاری کی تعلیم مقصود ہے یعنی جب دو آدمیوں کے لائق کھانا ہو تو تیسرے آدمی کو شریک کر لینا چاہئے بلکہ جتنا ہو سکے وسعت سے کام لیتے ہوئے اور زائد کو بھی شریک کر لیں اور دوسرے کی رعایت کرتے لینا چاہئے۔

رعایت کرتے ہوئے اس طرح کھائیں کہ ہر آدمی یہ سوچے کہ میرا بھائی مجھ سے زائد کھالے تو ایسی صورت میں حسن نیت اور اجتماعیت کی برکت سے تھوڑا کھانا زائد آدمیوں کو کافی ہو جائے گا اور روایت میں اعداد کی تعیین مقصود نہیں ہے۔ چونکہ روایات مختلف وارد ہوئی ہیں۔

چنانچہ مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً طعام الواحد يكفي الاثنین وطعام الاثنین يكفي الاربعة وطعام الاربعة يكفي الثمانية. (ایک آدمی کا کھانا دو کے لئے کافی ہوتا ہے اور دو کا کھانا چار کے لئے اور چار کا آٹھ کے لئے کافی ہوتا ہے) نقل کی ہے اسی کے ہم معنی ترمذی نے جابر اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے اس کے علاوہ اور بھی روایات ہیں سب کا حاصل مقدار کفایت میں حصر نہیں بلکہ مقصود کفایت وقناعت کی تعلیم ہے۔ اس سے مقصود تحدید نہیں ہے بلکہ اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ حالات اور افراد کے اعتبار سے جذبہ ایثار وقناعت میں اضافہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس جذبے سے دو آدمیوں کا کھانا تین کے لئے کافی ہو جاتا ہے اسی جذبے کو بڑھا کر ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ بعض حالات میں دو کا کھانا چار کے لئے اور چار کا کھانا آٹھ کے لئے

کافی ہو جائے کیونکہ دسترخوان پر جس قدر اجتماعیت کی فضا میں اضافہ ہوتا ہے اسی قدر کھانے میں بھی برکت اور زیادہ نازل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زمانہ قحط میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرا ارادہ ہے کہ میں ہر گھر والوں کے پاس ان کی تعداد کی بقدر غلہ بھیج دوں تاکہ یہ لوگ بھی اہل خانہ کی طرح کھانا کھا سکیں کیونکہ اگر آدمی آدھا پیٹ بھی کھالے تو اس سے ہلاک نہیں ہوتا بلکہ اس سے اس کی غذائی ضرورت پوری ہو جاتی ہے جب یہ بات ہے تو پھر معاشرے کے تنگ دست اور لاچار لوگوں کا ہر طریقے سے تعاون کرنا چاہئے کیونکہ اس طرح کی احادیث کا اصل مقصد ایثار و غمخواری اور قناعت کی ترغیب دینا ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح ۸: ۱۵)

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَكْلِ الْجَرَادِ

باب ۲۲: یہ باب بھی ٹڈی کے کھانے کے بارے میں ہے

(۱۷۴۴) غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ سِتَّ غَزَوَاتٍ نَأْكُلُ الْجَرَادَ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے ان سے ٹڈی کھانے کے بارے میں دریافت کیا گیا، تو انہوں نے جواب دیا۔ میں نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ چھ غزوات میں شرکت کی ہے، جس میں ہم ٹڈی کھایا کرتے تھے۔

(۱۷۴۵) غَزَوْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ سَبْعَ غَزَوَاتٍ نَأْكُلُ الْجَرَادَ.

ترجمہ: ابو یعفر حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں، ہم لوگوں نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ سات غزوات میں شرکت کی جس میں ہم ٹڈی کھاتے رہے۔

تشریح: الجراد جراد فتح الحیم و تخفیف الرءاء اور واحد جرادۃ ہے اور حمامۃ کی طرح یہ بھی مذکور مونث دونوں کے لیے مستعمل ہے موخوذ ہے اس کی بہت سی اقسام ہیں بعض بڑے جسم والی ہوتی ہیں اور بعض چھوٹے جسم والی اور ان کے رنگ بھی مختلف ہیں بعض سرخ بعض زرد اور بعض سفید ہوتی ہیں بعض حضرات کی رائے ہے کہ یہ مچھلی کی چھینک سے پیدا ہوتی ہے اسی وجہ سے مچھلی کی طرح بغیر ذبح کیے اس کا کھانا جائز ہے اس کی تائید ایک ضعیف روایت کلوہافانہ من صید البحر بھی اس کی مؤید ہے کنیت ابو عوف اور ام عوف ہے۔ (اخرجه ابوداؤد الترمذی وابن ماجہ)

ٹڈی کا شرعی حکم:

ٹڈی دو قسم کی ہیں بحری اور بری۔ بحری کا کھانا بالاتفاق حرام ہے۔ ① بری کے بارے میں جمہور علماء اس بات پر متفق ہیں کہ اس کا کھانا جائز ہے۔ ② بعض شافعیہ نے فرمایا کہ اس کا کھانا مکروہ ہے۔ ③ حضرات مالکیہ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ اس کے جواز کے لیے ذبح کی شرط لگاتے ہیں پھر کیفیت ذبح میں ان کے درمیان اختلاف ہے لیکن مطرف مالکی نے فرمایا ذبح کی کوئی حاجت نہیں کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی کریم ﷺ سے مرفوعاً نقل کیا ہے:

احلت لنا ميتتان و دمان السبك و الجراد و الكبد و الطحال. (اخرجه احمد و الطبرانی و الدارقطني)
”ہمارے لیے دو مردار حلال کر دیئے گئے ہیں اور دو خون۔ مچھلی اور ٹڈی اور جگر اور تلی۔“

معلوم ہوا کہ ذبح کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور یہ روایت اگرچہ صحیح قول کی بناء پر موقوف ہے مگر مرفوع کے حکم میں ہے۔
حبسہور کے دلائل: دلیل اول روایت الباب ہے جس میں راوی نے آپ ﷺ کے ساتھ جہاد کے موقع پر ٹڈی کے کھانے کو بیان کیا ہے ترمذی کی روایت سے اگرچہ معیت فی الاکل صراحتاً معلوم ہوتی نہیں مگر بعض روایات میں ہے بخاری کی روایت ناکل معہ الجراد اور ابو نعیم کی روایت میں یا کُل معنَا کا لفظ صراحتاً آپ ﷺ کے کھانے پر دلالت کرتا ہے گو اکثر روایات لفظ معہ سے خالی ہیں تو پھر یہ تاویل کی جائے گی کہ آپ ﷺ کے سامنے جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے ٹڈی کھائی اور آپ ﷺ خاموش رہے تو تقریر اجازت ثابت ہو گیا۔ (فتح الباری ۹: ۷۷۵)

قائلین کراہت کے دلائل: جو بعض حضرات شافعیہ ٹڈی کے کھانے کی کراہت کے قائل ہیں انہوں نے بیان کیا کہ آپ ﷺ نے اس کے کھانے سے گھن فرمائی ہے جس طرح گوہ کے کھانے سے گھن فرمائی ہے اور بطور استدلال سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی وہ روایت پیش کی جس کی تخریج امام ابوداؤد نے کی:

انه رسول الله ﷺ سئل عن الجراد فقال لا اكله ولا احرمه.

”بیشک آپ ﷺ سے ٹڈی کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا نہ میں اُسے کھاتا ہوں اور نہ حرام قرار دیتا ہوں۔“

اسی طرح ابن عدی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت انه سئل عن الضب فقال لا اكله ولا احرمه وسئل عن الجراد فقال مثل ذلك نقل کی ہے لہذا معلوم ہوا کہ ٹڈی کا کھانا مکروہ ہے۔

جوابات: پہلی روایت کا جواب تو یہ ہے کہ وہ مرسل ہے جس کی تفصیل امام ابوداؤد نے بیان فرمائی ہے اور دوسری روایت ضعیف ہے چونکہ اس میں ثابت بن زبیر راوی ضعیف ہیں کما (قالہ النسائی)

ہكذا روى سفيان بن عيينه عن ابي يعفور هذا الحديث وقال ست غزوات يعني سفيان بن عيينه سے ست غزوات بالجزم کے ساتھ بلا شک و تردد نقل کیا ہے مسند احمد اور نسائی میں بھی ابن عیینہ سے ست غزوات بالجزم نقل کیا گیا ہے اور سفيان ثوری وغیرہ نے اس روایت کو ابو یعفر سے سبع غزوات اوستا۔ شک کے ساتھ روایت نقل کی ہے مگر امام ترمذی رضی اللہ عنہ نے شعبہ سے تعلیقاً بغیر ذکر عدد بھی روایت نقل کی ہے چنانچہ ترمذی نے دروی شعبۃ هذا الحديث الخ سے شعبہ کے طریق کی تخریج فرمائی ہے جس میں عدد کا کوئی ذکر نہیں ہے بعض حضرات کا خیال ہے کہ بخاری کی روایت میں جو عدد میں شک واقع ہوا ہے وہ شعبہ کو پیش آیا ہے۔

الحاصل روایت دو طرح کی مروی ہے بذکر عدد بغیر ذکر عدد پھر عدد کے بارے میں تین طرح مروی ہے: اول ست غزوات بالجزم دوم سبع غزوات بالجزم سوم ست وسبع غزوات بالشك والتردد وفي الباب عن ابن عمر رضي الله عنهما. اخرجه ابن علي في ترجمه ثابت بن زهير عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما جابر اخرجه احمد ہیں۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الدَّعَاءِ عَلَى الْجَزَادِ

باب ۲۳: ٹڈیوں کے لئے دعائے ضرر کرنا

(۱۷۴۶) كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا دَعَا عَلَى الْجَزَادِ قَالَ اللَّهُمَّ أَهْلِكَ الْجَزَادَ أَذْ أَقْتُلُ كِبَارَهُ وَأَهْلِكَ صِغَارَهُ وَأَفْسِدَ بَيْضَهُ وَأَقْطَعُ دَابِرَهُ وَخُذْ بِأَفْوَاهِهِمْ عَنْ مَعَاشِنَا وَأَرْزُقْنَا إِنَّكَ سَمِيعُ الدَّعَاءِ قَالَ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَيْفَ تَدْعُو عَلَى جُنْدِهِمْ أَجْنَادُ اللَّهِ يَقْطَعُ دَابِرَهُ قَالَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّهَا نَثْرَةٌ خُوتٌ فِي الْبَحْرِ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے ٹڈیوں کے لئے دعائے ضرر (ان الفاظ میں) کی۔ اے اللہ ٹڈیوں کو ہلاک کر دے۔ بڑی ٹڈیوں کو قتل کر دے اور چھوٹی کو ہلاک کر دے۔ ان کے انڈوں کو خراب کر دے اور ان کی نسل ختم کر دے۔ ہماری زندگی اور ہمارے رزق (خوراک) سے انہیں منہ سے پکڑ لے (یعنی دور کر دے) بے شک تو دعا کو سننے والا ہے۔ راوی بیان کرتے ہیں، ایک صاحب نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ آپ اللہ تعالیٰ کی ایک قسم کی مخلوق کی نسل ختم کرنے کی دعا کیوں کر رہے ہیں؟ تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ یہ سمندر میں مچھلی کی قسم ہے (یعنی ان کی نسل ختم نہیں ہوگی)۔

بَاب مَا جَاءَ فِي أَكْلِ لُحُومِ الْجَلَالَةِ وَالْبَانِيهَا

باب: حلالہ کے کھانے اور دودھ کا حکم

(۱۷۴۷) نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ أَكْلِ الْجَلَالَةِ وَالْبَانِيهَا.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے نجاست کھانے والے جانوروں کا گوشت کھانے اور ان کا دودھ پینے سے منع کیا ہے۔

(۱۷۴۸) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنِ الْمَجْشَمَةِ وَعَنْ لَبَنِ الْجَلَالَةِ وَعَنِ الشُّرْبِ مِمَّا فِي السِّقَاءِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے جانور کو باندھ کر اس پر نشانہ بازی کرنے سے منع کیا ہے، گندگی کھانے والے جانوروں کا دودھ پینے سے منع کیا ہے، مشکیزے کے منہ کے ساتھ منہ لگا کر پینے سے منع کیا ہے۔

جلالہ کا شرعی حکم: (۱) امام مالک رحمہ اللہ (لیث بن سعد حسن بصری رحمہ اللہ) فرماتے ہیں کہ جلالہ جانور کا گوشت دودھ وغیرہ استعمال کرنا بلا کراہت جائز ہے اسی طرح اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ نے فرمایا: لا باس ان یا کُل لحمها بعد ان یفعل غسلا جیدا.

(۲) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اکثر شافعیہ سے مطلقاً کراہت تنزیہ کا قول نقل ہے

(۳) جمہور احناف حنابلہ نیز شافعیہ کی جماعت کراہت تحریم کا قول فرمایا ہے علامہ ابن دقیق العید رحمہ اللہ نے اسی کو رائج اور صحیح قرار دیا ہے نیز جلالہ کے انڈے کو بھی ان حضرات نے جلالہ کے گوشت کے ساتھ لائق کرتے ہوئے مکروہ تحریمی قرار دیا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کی دلیل: امام مالک رحمہ اللہ نے بطور استدلال فرمایا کہ جن جانوروں کو شریعت نے جائز قرار دیا ہے وہ اصلۃً تو جائز ہی رہیں گے ہاں البتہ حدیث میں ممانعت واردہ طبعی گھن کی بناء پر ہے اسی طرح حضرات شوافع نے بھی فرمایا ہے کہ اصلۃً تو جواز ہی ہے اور نجاست کھانے کی بناء پر قدرے کراہت اس میں پیدا ہو جائے گی۔

جواب: یہ ہے کہ شریعت نے جن جانوروں کو حرام قرار دیا ہے ان کے نجس ہونے کی بناء پر ہے اب جلالہ جانور جس میں نجاست اس قدر اثر کر گئی ہو کہ وہ سراپا نجاست ہو گیا ہے تو وہ کس طرح جائز ہوگا ہاں البتہ وہ جانور جن کی حرمت نصوص قطعیہ سے ثابت ہے وہ حرام کھلائیں گے اور جلالہ کی حرمت اثر نجاست کی بناء پر ہے اور نصوص بھی ظنیہ ہیں کہ اخبار احاد ہیں اس کی بناء پر حرمت لغیرہ ہوگی لہذا اس کو مکروہ تحریمی قرار دیا جائے گا

حضرات جمہور کے دلائل: ① روایۃ الباب یعنی حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما آخر جہ الترمذی وقال حدیث حسن۔

② حدیث ابن عباس آخر جہ الترمذی وصححه۔

③ حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ آخر جہ البیہقی من وجہ آخر نہی رسول اللہ ﷺ عن الجلالة وشرب البانہا واکلہا ورکوبہا۔

”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت جسے بیہقی نے ایک دوسری وجہ سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے جلالہ کا دودھ پینے اور اس کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔“

④ حدیث جابر رضی اللہ عنہ نہی رسول اللہ ﷺ عن الجلالة ان یوکل لحمہا او شرب لبنہا آخر جہ ابن ابی شیبہ بسند۔

ان مذکورہ روایات سے صراحتہ جلالہ جانور کے استعمال کی ممانعت ثابت ہوتی ہے وہو المردی۔

فائدہ: حضرات فقہاء رحمہم فرماتے ہیں کہ اگر جلالہ کو مجبوس رکھا جائے کہ اس کا منہ نجاست تک نہ پہنچ سکے یا اس کو پاک غذا کھلائی جائے یہاں تک کہ اس کی بوزائل ہو جائے تو اس کا کھانا جائز ہے ہاں البتہ مدت جس کے بارے میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے اس بارے میں توقف مروی ہے فرمایا مجھے معلوم نہیں کہ کتنے دنوں میں اس کا گوشت صاف اور پاک ہو جائے گا۔ علامہ سرخسی رحمہ اللہ نے فرمایا کوئی مدت اس کے واسطے متعین نہیں ہے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے بھی یہی فرمایا ہے نیز فرمایا کہ اصل نجاست کے اثر کا زوال ہے وہ جب بھی متحقق ہو جائے وہو الصحیح تجنیس میں لکھا ہے کہ مرغی کو تین دن بکری کو چار دن اونٹ بیل کو دس دن مجبوس رکھا جائے وہو المختار علی الظاہر اور بعض حضرات فرماتے ہیں اونٹ گائے کو چالیس دن بکری کو سات دن اور مرغی کو تین دن مجبوس رکھا جائے وہو المختار فی التہذیب والتحریر نیز مدت جس کے سلسلہ میں کچھ آثار موقوفہ بھی مروی ہیں مثلاً: آخر جہ البیہقی بسند فیہ نظر عن عبد اللہ بن عمرو ومرفوعاً انہا لا توکل حتی تعلف اربعین یوماً۔ (مرغی نہیں کھائی جاتی تھی یہاں تک کہ اُسے چالیس دن مجبوس نہ کرتے)۔ اسی طرح آخر جہ ابن ابی شیبہ بسند صحیح عن ابن عمرو وانہ کان یحبس الدجاجة الجلالة ثلاثاً۔ (فتح الباری)۔ ”ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ جلالہ مرغی کو تین دن تک مجبوس رکھتے۔“

وروی عن ابن عمرو وانہ کان لا یاکلہا حتی یقصرہا ایاماً وروی عنہ ایضاً انہ کان اذا اراد ان یتناول

بیض الدجاجة قصرها ثلاثة ايام اخرجه الطبرانی. (یعنی شرح الصحیح)
 ”ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا ہے وہ مرغی نہیں کھاتے تھے یہاں تک کہ اُسے قید میں نہ رکھتے۔ اسی طرح ان سے یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ جب وہ مرغی کا انڈہ کھانا چاہتے تو وہ تین دن تک اسے محبوس رکھتے۔“
 حدیث کی تشریح: اس حدیث میں آپ ﷺ نے تین چیزوں سے منع فرمایا ہے:

(۱) مجثمہ سے یعنی اس بات سے کہ جانور کو کسی چیز سے باندھ کر تیر کے ذریعہ مارا جائے اور پھر اسی میں وہ مرجائے اور اسے ذبح نہ کیا جائے ایسا جانور حرام ہوتا ہے اس سے درحقیقت زمانہ جاہلیت کے ایک طریقے پر رد کرنا مقصود ہے ان کا طریقہ یہ تھا کہ تیر اندازی کے وقت کسی حیوان کو ہدف مقرر کرتے جب وہ تیر نشانے پر لگتا تو وہ جانور چیخا پھڑپھڑاتا تو ان کو یقین ہو جاتا کہ تیر واقعی اپنے نشانے پر لگ گیا ہے اسی ہدف کو مجثمہ کہا جاتا ہے اسلام نے اسے حرام قرار دیا ہے کیونکہ اس میں حیوان کو سخت اذیت پہنچتی ہے۔

(۲) مشک کو منہ لگا کر اس کے دہانے سے پانی پینے سے منع فرمایا ہے اس طرح پینے سے پانی بھی ضائع ہو سکتا ہے مشک کے دہانے پہ بدبو پیدا ہو جاتی ہے اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے اندر کوئی موزی جانور ہو جو اس کے دہانے سے براہ راست پانی پینے سے اسے ضرر پہنچا دے اس وجہ سے آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے

لعنات: جلالہ شرعاً اس جانور کو کہتے ہیں جس کا غالب چارہ پاخانہ اور گندگی ہو کہ اس کے گوشت اور دودھ پسینہ وغیرہ میں نجاست کا اثر معلوم ہونے لگے حتیٰ کہ اس سے بدبو محسوس ہوتی ہو فقہاء شافعی، نووی رحمہما وغیرہ حضرات نے یہی تعریف کی ہے وکذا فی العالمگیر یہ لہذا اگر اس کا غالب گمان ہو۔

(۳) چارہ طاہر ہو کہ اثر نجاست اس کے گوشت وغیرہ میں محسوس نہ ہو تو اس کو جلالہ نہیں کہیں گے کذا مصرح فی کتب الفقہ مگر امام رافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ کثرت کا کوئی اعتبار نہیں ہے بلکہ مدار بدبو کے محسوس ہونے پر ہے اگر کوئی جانور پاخانہ اور نجاست کھائے کہ اس کے گوشت وغیرہ میں تغیر ہونے لگے تو اس کو جلالہ کہا جائے گا خواہ اس کا غالب چارہ طاہر ہی کیوں نہ ہو کذا قالہ النووی رحمہ اللہ فی الروضة تبعا لرافعی رحمہما اللہ کذا فی النیل۔

البائناہا: یہ لبن کی جمع ہے دودھ حدیث میں جمع کا لفظ بطور مبالغہ کے ذکر کیا گیا ہے المجثمۃ وہ جانور جسے گلا گھونٹ کر مار دیا جائے یا وہ جسے زمین میں گاڑ کر یا کسی چیز سے باندھ کر نشانہ بنا کر تیر یا گولی ماری جائے اور بغیر ذبح کے ہی وہ مرجائے فی السقاء ای فم السقاء مشک کا منہ۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَكْلِ الدَّجَاجِ

باب ۲۵: مرغی کا گوشت کھانے کے بارے میں

(۱۷۴۹) دَخَلْتُ عَلَى أَبِي مُوسَى وَهُوَ يَأْكُلُ دُجَاجَةً فَقَالَ اُدْنُ فَكُلْ فَإِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَأْكُلُهَا.

ترجمہ: زہد جرمی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں، میں حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا وہ اس وقت مرغی کا گوشت کھا رہے تھے

انہوں نے فرمایا آگے ہو جاؤ اور کھاؤ کیونکہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو اس (کے گوشت) کو کھاتے ہوئے دیکھا ہے۔

(۱۷۵۰) رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَأْكُلُ لَحْمَ دَجَاجٍ وَفِي الْحَدِيثِ كَلَامُهُ أَكْثَرُ مِنْ هَذَا هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

ترجمہ: زہد میں بیان کرتے ہیں، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے نبی اکرم ﷺ کو مرغی کا گوشت کھاتے ہوئے دیکھا ہے۔

مرغی کے گوشت کا شرعی حکم؟

مرغی کا گوشت کھانا بالاتفاق جائز ہے خواہ مرغی انسیہ (پالتو) یا وحشیہ (جنگلی) جیسا کہ روایت الباب اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ان النبی ﷺ کان اذا اراد ان يأكل دجاجة امر بها فربطت اياما ثم يأكلها بعد ذلك. ”یہ شک آپ ﷺ جب مرغی کا گوشت کھانے کا ارادہ کرتے تو کچھ دن اُس کو باندھ دیتے پھر اس کے بعد اُسے کھاتے۔“

اس پر ضرر احتیاط دلالت کرتی ہے مگر بعض غالی صوفیاء ازراہ تورع اس کے کھانے سے بچتے ہیں نیز جلالہ مرغی اس سے مستثنیٰ ہے جس کا حکم پچھلے باب میں گزر چکا ہے۔

فائدہ: روایت سے معلوم ہوا کہ آدمی اپنے دوست کے یہاں اس کے کھانے کی حالت میں جاسکتا ہے نیز معلوم ہوا کہ صاحب طعام کو چاہئے کہ داخل ہونے والے کو کھانے کے لیے بلائے اور اس کو کھانا پیش کرے خواہ تھوڑا ہی ہو کیونکہ جماعت کے اجتماع سے اس میں برکت ہو جائے گی نیز روایت سے معلوم ہوا کہ عمدہ قسم کے کھانے بھی جائز ہیں اور یہ خلاف شرع اور خلاف تصوف نہیں ہے۔ فی الحدیث کلام کیا مراد ہے؟ اس سے مراد حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا وہ طویل واقعہ ہے جسے امام بخاری رضی اللہ عنہ نے تفصیل سے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے۔

زہد بن مضرب جرمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت موسیٰ کے پاس بیٹھے تھے چونکہ ہمارے درمیان اور جرم کے اس قبیلہ کے درمیان بھائی چارہ تھا اس لیے کھانا لایا گیا جس میں مرغی کا گوشت تھا (سب لوگ کھانے کے قریب آگے لیکن) لوگوں میں ایک سرخ رنگ کا آدمی بیٹھا تھا وہ کھانے کے قریب نہیں آیا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ قریب آ جاؤ کیونکہ میں نے نبی کریم ﷺ کو مرغی کا گوشت کھاتے دیکھا ہے اس آدمی نے کہا کہ میں نے مرغی کو ایسی چیز کھاتے دیکھا ہے کہ جس سے مجھے گھن آتی ہے تو میں قسم کھائی کہ میں (آئندہ) مرغی نہیں کھاؤں گا۔

ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نزدیک آئیں آپ کو بتلاؤں کہ میں قبیلہ اشعر کے چند لوگوں کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا اور اس وقت پہنچا کہ آپ ﷺ غصے کی حالت میں تھے اور صدقہ کے جانور تقسیم فرما رہے تھے ہم نے آپ ﷺ سے سواری کے لیے جانور مانگا تو آپ ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا کہ ہمیں سواری نہیں دیں گے اور فرمایا کہ میرے پاس تمہیں سواری دینے کے لیے کوئی جانور نہیں ہے۔

اس کے بعد حضور اکرم ﷺ کے پاس مال غنیمت کے اونٹ آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا اشعری کہاں ہیں؟ پھر اونچی کوہان

والے پانچ سفید اونٹ دیئے کچھ دیر ہم ٹھہرے تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ شاید رسول اللہ ﷺ اپنی قسم بھول گئے ہیں اگر ہم نے حضور ﷺ کو ان کی قسم سے غافل رکھا تو بخدا ہم کبھی فلاح نہیں پائیں گے چنانچہ ہم حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں لوٹ آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ہم نے آپ سے سواری مانگی تو آپ ﷺ نے قسم کھاتے ہوئے فرمایا تھا کہ آپ ہمیں سواری نہیں دیں گے (اور پھر آپ نے ہمیں دے دی) ہمیں اندیشہ ہوا کہ شاید آپ بھول گئے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا تمہیں اللہ نے سواری دی ہے میں تو بخدا جب بھی کسی بات پر قسم کھاتا ہوں پھر بھلائی اس کے غیر میں دیکھوں تو وہی کام کرتا ہوں جس میں بھلائی ہو اور کفارہ دے کر قسم توڑ دیتا ہوں۔ (صحیح بخاری کتاب الذبائح والصيد باب لحم الدجاج ۸۲۹:۲)

لغات: الدجاج اسم جنس مثلث الدال ضبط کیا گیا ہے جیسا کہ دمشق ابن مالک اور منذری رحمہما اللہ وغیرہ نے نقل کیا ہے مگر علامہ نووی رحمہ اللہ نے صرف دال کے فتح اور کسرہ کو بیان کیا ہے اس کا واحد دجاجہ بھی مثلث الدل ہے اور مذکر و مؤنث دونوں کے لیے مستعمل ہے لیکن علامہ حربی غریب الحدیث میں فرماتے ہیں کہ دجاج بالکسر فقط مذکر کے لیے مستعمل ہے اور اس کا واحد من غیر لفظہ دیک ہے اور دجاج بالفتح مؤنث کے لیے اور اس کا واحد دجاجہ ہے۔

وجہ تسمیہ: علامہ ابن سیدہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ دجاج دج یدج سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں بار بار تیزی سے آنا جانا چونکہ مرغی بھی بار بار آتی جاتی ہے اس لیے اس کو دجاجہ کہا جاتا ہے۔ دجاجہ میں جوتاء ہے یہ تانیث کے لیے نہیں ہے بلکہ وحدت اور مفرد کے لیے ہے یہی وجہ ہے کہ حدیث باب کے لفظ یا کلمہ میں ضمیر دجاجہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

مرغی کے بعض خواص:

مرغی بزدلی کی بناء پر قلیل النوم سرلیج الانتباہ ہے عام طور پر اونچی جگہ سونے کی کوشش کرتی ہے اور سورج غروب ہوتے ہی اس پر نیند کا غلبہ ہو جاتا ہے اس کا بچہ انڈے سے روئیں دار خوبصورت پیدا ہوتا ہے اور چگنا بھی جانتا ہے سرلیج الحركت ہوتا ہے اگر اس کے سامنے حرکت کی جائے تو محسوس کرتا ہے کہ اور جوں جوں ایام گزرتے ہیں اس میں حماقت اور حسن کی کم پیدا ہو جاتی ہے یہاں تک کہ آخر میں آکر مرغی نہایت بد صورت ہو جاتی ہے مرغی کے بعض اقسام وہ ہیں جو ایک دن میں دو انڈے دیتی ہیں اور بعض وہ ہیں جو سردی کے دو ماہ کے علاوہ تمام سال انڈے دیتی ہیں۔

علامہ قزوینی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مرغی کے پوٹے میں ایک پتھر ہوتا ہے اگر اس کو مرگی والے کو باندھ دیا جائے تو شفا یاب ہو جائے اور گلے میں لٹکانا قوت باہ کے لیے مفید ہے اور نظر بد سے حفاظت کا ذریعہ ہے اور اگر کسی بچے کے نیچے رکھ دیا جائے تو وہ سوتا ہوا نہیں ڈرے گا۔

مرغی کا گوشت بہت عمدہ اور معتدل الحرارة ہوتا ہے جو ان مرغ کا گوشت عقل اور منی میں زیادتی پیدا کرتا ہے اور آواز کو صاف کرتا ہے لیکن معدہ کے لیے نقصان دہ ہے اور اس کا مصلح شہد ہے مرغی کا گوشت معتدل مزاجوں کے لیے بہت مفید ہے مرغی کا دماغ انسانی دماغوں اور عقلوں کے لیے نہایت مفید ہے البتہ مرغی کا انڈہ گرم مائل برطوبت یا بس ہے کہ اس کی سفیدی بار دور طب حار یا بس ہوتی ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي أَكْلِ الْجَبَارِي

باب ۲۶: سرخاب کا گوشت کھانے کے بارے میں

(۱۷۵۱) أَكَلْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ حَبَارِي.

ترجمہ: ابراہیم بن عمر بن سفینہ رضی اللہ عنہ اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں، میں نے نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ سرخاب کا گوشت کھایا ہے۔

سرخاب کا گوشت حلال ہے:

جباری سرخاب کو کہتے ہیں یہ ایک جنگلی پرندہ ہے اس کا رنگ نیلا گردن بڑی چونچ قدرے طویل اور پاؤں لمبے ہوتے ہیں اس کی اڑان بہت تیز ہوتی ہے اور اس کا گوشت انتہائی لذیذ ہوتا ہے حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ سرخاب کا گوشت حلال ہے۔
لغات: جباری بضم الجاء وفتح الراء المہملتین مقصورہ بالف التانیث علی القول الصح اسم جنس ہے مذکر و مونث واحد و جمع سب کے لیے یہ ایک ہی لفظ آتا ہے مگر بعض لوگوں نے کہا کہ اس کی جمع جباریات و جبارات بھی آتی ہے
جباری کے خواص:

علامہ دیمیری رحمہ اللہ نے حیوان المیوان میں کہا کہ جباری ایک پرندہ ہے جس کی گردن لمبی ہوتی ہے اور چونچ بھی قدرے طویل خاکی رنگ کا ہوتا ہے یہ پرندہ حماقت میں ضرب المثل ہے کہ جلد ہی شکار ہو جاتا ہے حاشیہ کو کب میں ہے کہ تیز اڑنے والا پرندہ ہے ہمیشہ اپنے رزق کی تلاش میں رہتا ہے اور کبھی شکم سیر نہیں ہوتا حتیٰ کہ بھوکا ہی مر جاتا ہے اور اس کے پیٹ میں قیمتی موتی ہوتا ہے جب وہ پیٹ سے نکل جاتا ہے تو اس کا حسن ختم ہو جاتا ہے اور وہ غم سے مر جاتا ہے اسی طرح اس کے پیٹ میں پتھر ہوتا ہے جو بہت سے امراض میں کام آتا ہے مثلاً اگر یہ پتھر کسی شخص کے پاس ہو تو وہ احتلام سے محفوظ رہے گا اسی طرح اگر زائد سونے والے شخص کے قلب پر رکھ دیا جائے تو اس کی نیند کم ہو جائے گی اس کا گوشت معتدل الکھضم ہوتا ہے کہ نہ مرغ کی طرح سرخ الکھضم ریاحی امراض کے لیے مفید ہے نیز زیتون اور سرکہ یا دارچینی کے ساتھ ملا کر استعمال کرنا مفاصل (جوڑوں) کے لیے مفید ہے ٹھنڈے اور سرد مزاج والوں کے لیے نہایت مفید ہے اسی طرح بلاد سرد والوں کے لیے بھی اس کا استعمال سودمند ہے
تعبیر: جباری کو خواب میں دیکھنا سخی ہونے کی علامت ہے نیز اس بات پر دلالت ہے کہ بلا مشقت خوب آمدنی ہوگی۔

بَاب مَا جَاءَ فِي أَكْلِ الشَّوَاءِ

باب ۲۷: یہ باب بھنے ہوئے گوشت کھانے کے حکم کے بارے میں ہے

(۱۷۵۲) أَنَّهَا قَرَّبَتْ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ جَنْبًا مَشْوِيًّا فَأَكَلَ مِنْهُ ثُمَّ قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ وَمَا تَوَضَّأَ.

تَوَجَّهْتُمْ: عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے انہیں یہ بات بتائی ہے۔ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھنا ہوا پہلو کا گوشت رکھا تو آپ نے اسے کھالیا پھر آپ نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہو گئے اور آپ نے از سر نو وضو نہیں کیا۔

مقصد روایات: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ باب قائم کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فقر فاقہ رہا ہے مگر بعض مرتبہ آپ کی خدمت میں لذیذ بھی پیش کیے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تناول فرمایا تاکہ امت کے لیے بحالت فرخی ایک اسوہ اور طریقہ بن جائے اور یہ نہ سمجھا جائے کہ لُذائذ کا استعمال طریقہ اسلام کے خلاف ہے بلکہ لذیذ کھانے کا میسر ہو جانا اور اس کو کھالینا عین سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور زہد کے خلاف بھی نہیں ہے حدیث باب اس پر صراحۃً دلالت کرتی ہے۔ حدیث باب سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ روسٹ کیا ہوا گوشت خواہ بکری کا ہو یا کسی بھی حلال جانور اور پرندے کا اس کا کھانا جائز ہے نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص وضو کے بعد آگ پر پکی ہوئی کوئی چیز کھالے تو اس سے اس کا وضو نہیں ٹوٹتا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھنا ہوا گوشت کھانے کے بعد وضو نہیں کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے تشریف لے گئے یہی جمہور کا موقف ہے البتہ کھانے کے بعد کلی کر لینی چاہئے یہ سنت ہے۔

ایک اشکال: بظاہر یہاں اشکال یہ ہوتا ہے کہ بخاری شریف کی روایت جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ حدیث باب کے خلاف ہے لفظ:

مَا أَكَلَ النَّبِيُّ ﷺ خَبْزًا مَرَّقًا وَلَا شَاةً مَسْبُوطَةً حَتَّى لَقِيَ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ.

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چپاتی اور بھنی ہوئی بکری وصال تک تناول نہیں فرمائی۔

جواب ①: علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مکمل سالم بکری بھونی گئی ہو یا البتہ پہلو کا بھنا ہوا گوشت ضرور تناول فرمایا ہے اور یہ حدیث انس رضی اللہ عنہ کے خلاف نہیں ہے۔

جواب ②: کہ انس رضی اللہ عنہ اپنے علم کے اعتبار سے فرما رہے ہیں: وَمَنْ عَلِمَ حُجَّةَ عَلِيٍّ مِنْ لَمْ يَعْلَمْ.

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا تعارف:

ان کا نام ہند بنت ابی امیہ حذیفہ رضی اللہ عنہا ہے اور ان کو سہیل بن المغیر بھی کہا جاتا ہے ازواج مطہرات میں سے ہیں۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین سو اٹھتر روایات نقل کی ہیں جن میں سے تیرہ پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہے اور تین تین روایات میں بخاری و مسلم منفرد ہیں۔ ان سے روایت کرنے والے عمر رضی اللہ عنہ اور ان کی لڑکی زینب، نافع، ابو عثمان، الہذلی، سعید بن المسیب اور کرب وغیرہ ہیں ۵۹ ھ میں وفات پائی۔ ان کی نماز جنازہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور امہات المؤمنین میں سے آخر میں انہوں نے ہی وفات پائی۔

لغات: الشواء بکسر الشین وضمہا والمد ما خوذ ہے شوی اللحم مشیا فاشتوی وانشوی سے جس کے معنی بھنے ہوئے گوشت کے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْأَكْلِ مُتَكَيِّئًا

باب ۲۸: یہ باب تکلیف لگا کر کھانے کی کراہت کے بارے میں ہے

(۱۷۵۳) أَمَّا أَنَا فَلَا أَكُلُ مُتَكَيِّئًا.

ترجمہ: حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا۔ سبب ورود حدیث: اس حدیث کے ورود کا سبب ایک اعرابی کا قصہ ہے۔ (ابن ماجہ اور طبرانی) جس کا حاصل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک بکری پیش کی گئی تو آپ ﷺ نے گھٹنے بچھا کر کھانا شروع فرمایا تو ایک گاؤں والے نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ آپ ﷺ اس طرح کیوں بیٹھے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے عبد کریم بنایا ہے نہ کہ جبار عنید اسی لیے میں ٹیک لگا کر متکبرین کی طرح نہیں کھاتا ہوں۔

”اتکاء“ کا معنی اور ٹیک لگا کر کھانا کا حکم:

”اتکاء“ کے کیا معنی ہیں اس کے معنی اور کیفیت کے بارے میں شارحین حدیث کی مختلف آراء ہیں۔ (۱) مشہور یہ ہے کہ کھانے کے وقت کسی بھی چیز سے ٹیک لگائی جائے تو یہ ”اتکاء“ ہو خواہ وہ تکیہ دیوار اور کرسی ہو یا اس کے علاوہ اور کوئی چیز ہو۔ (۲) ایک پہلو کی طرف جھک کر کھانا کھانا۔ (۳) بائیں ہاتھ پر ٹیک لگا کر کھانا کھانا۔ (۴) علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ ”اتکاء“ سے مراد یہ ہے کہ جس گدے یا نرم بستر پر بیٹھا ہے اس پر ٹیک لگا کر سیدھا اور پھیل کر بیٹھنا تا کہ زیادہ کھایا جاسکے اس کی کیفیت خواہ کوئی بھی ہو۔ حکم اتکاء عند الاکل: ٹیک لگا کر کھانے کے بارے میں فقہاء کے دو قول ہیں۔

اول: مطلقاً جواز چنانچہ ابن ابی شیبہ نے ابن عباس، خالد بن ولید، عبیدہ سلیمان بن ضی اللہ محمد بن سیرین، عطاء بن یسار اور زہری رضی اللہ عنہم سے یہ مذہب نقل کیا ہے۔

دوم: مکروہ اور خلاف اولیٰ ہے یہ جمہور کا مذہب ہے۔

فسریق اول: عبد اللہ بن السائب بن خباب عن ابیہ عن جدہ کی روایت سے استدلال کرتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ میں نے آپ ﷺ کو ٹیک لگا کر کھانا کھاتے ہوئے دیکھا مگر اس روایت کو حضرات محدثین نے باطل قرار دیا ہے۔ (کافی العینی)

جمہور کو دلائل: (۱) روایت الباب۔ (۲) حدیث ابو داؤد قال: قال رسول اللہ ﷺ لا تأکل متکئاً۔ ”فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ٹیک لگا کر نہ کھاؤ۔“ (اخر جہ الطبرانی و رجال اسنادہ ثقات)

(۳) حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما انہ کان یحدث ان اللہ عزوجل ارسل الی النبی ﷺ ملکا من الملائکة مع جبرئیل علیہ السلام فقال ان اللہ خیرک بین ان تكون عبدا نبیا و بین ان تكون ملکا فقال لا بل اكون نبیا عبدا فما اکل بعد تلك الکلمة طعاما متکئاً۔ (اخر جہ النسائی)

”ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ بیشک اللہ عزوجل نے نبی کریم ﷺ کی طرف فرشتوں میں سے ایک فرشتے کو جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ بھیجا، فرشتے نے کہا بیشک اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اختیار دیا ہے کہ آپ فرشتے ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں بندہ اور نبی ہونے کو اختیار کرتا ہوں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے کھانا کبھی ٹیک لگا کر نہیں کھایا۔“

(۴) حدیث ثابت البنانی عن شعیب بن عبد اللہ بن عمرو عن ابیہ قال ماروی رضی اللہ عنہ یا کل متکئا قط۔ (اخر جہ ابو داؤد)

”ثابت بنانی کی حدیث ہے وہ شعیب بن عبد اللہ بن عمرو سے اور اس نے اپنے باپ سے روایت کی ہے فرماتے ہیں آپ ﷺ سے کبھی بھی ٹیک لگا کر کھانے کو نقل نہیں کیا گیا۔“

(۵) حدیث بن بروجس میں روایت الباب کا شان ورود ذکر کیا گیا ہے ان جملہ روایات سے صراحتاً ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی عادت ٹیک لگا کر کھانا کھانے کی نہیں تھی بلکہ آپ ﷺ نے متکئا کھانے پر نکیر فرمائی۔ لہذا متکئا کھانا کراہت سے خالی نہیں۔

نوٹ: ابن ابی شیبہ نے ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ کے طریق سے نقل کیا ہے کہ ٹیک لگا کر کھانے کو اس لیے مکروہ قرار دیا گیا ہے کہ اس طرح کھانے سے پیٹ بڑے ہو جاتے ہیں اسی طرح علامہ ابن اثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس علت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

کھانے کے وقت بیٹھنے کے مستحب اور مسنون طریقے:

(۱) مسنون یہ ہے کہ کھانا کھاتے وقت کھانے کی طرف قدرے جھک کر عا جزانہ انداز سے مکمل توجہ کے ساتھ بیٹھا جائے۔ (بذل الجہود کتاب الاطعمۃ باب فی الاکل متکئا: ۱۶-۹۹)

(۲) دوزانوں ہو کر بیٹھنا یعنی گھٹنے کے بل بیٹھنا جس طرح تشہد میں بیٹھا جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری کتاب الاطعمۃ باب الاکل متکئا: ۲۱-۴۴ رقم الحدیث ۲۵)

(۳) ”اقعاء“ کی طرح بیٹھنا یعنی پنڈلی اور ران ملا کر دونوں زانو کھڑے کر لینا اور کولہوں (سرین) پر بیٹھ جانا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں حضور اکرم ﷺ سے کھانے کے وقت بیٹھنے کی یہ کیفیت منقول ہے کتاب الاطعمۃ باب استحباب تواضع الاکل وصفۃ تعودہ ۷۱۴-۴۔

(۴) دایاں گھٹنا کھڑا کر لے اور بائیں گھٹنے پر بیٹھ جائے۔

فائدہ: حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث رحمۃ اللہ علیہ سہارنپوری فرماتے ہیں کہ کھانا کھانے کے وقت مقبول ہیئت وہ ہے جس میں کھانے کی طرف توجہ تام ہو اور زیادہ کھانے کا باعث نہ ہو اور وہ متکبرین کی ہیئت ہو جس میں یہ تینوں باتیں پائی جائیں وہ سب سے افضل ہوں گی اور جس میں دو یا ایک ہو وہ اسی اعتبار سے فضیلت والی ہوگی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي حُبِّ النَّبِيِّ ﷺ الْحُلُوءِ وَالْعَسَلِ

باب ۲۹: آپ ﷺ میٹھی چیز اور شہد کو پسند فرماتے تھے

(۱۷۵۴) كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُحِبُّ الْحُلُوءَ وَالْعَسَلَ.

ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، نبی اکرم ﷺ میٹھی چیز اور شہد کو پسند کرتے تھے۔
آپ ﷺ کا محبوب حلوہ:

علامہ ابو منصور ثعالی رحمہ اللہ نے ”فقه اللغة“ میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ جس حلوے کو پسند فرماتے تھے، وہ کھجور کو دودھ میں گوندھ کر بنایا جاتا تھا۔ (عمدة القاری، کتاب الاطعمة، باب الحلواء والعسل ۲۱-۶۱ مکملہ فتح الملہم، کتاب) اور بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد فالودہ ہے۔ مگر اس زمانہ کا جو حلوہ مختلف مغزیات ڈال کر بنایا جاتا ہے وہ بھی مراد نہیں ہے اس لیے کہ اس زمانہ میں اس طرح کے حلوہ کا رواج ہی نہ تھا دوسرے عسرت کا زمانہ تھا اس قدر لذائذ کہاں میسر تھے۔ بعض لوگوں نے بیان کیا کہ یہاں پر حلوہ سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ روزانہ ایک پیالہ شہد کا پانی کے ساتھ ملا کر پیا کرتے تھے۔ امام خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا میٹھی چیز کو پسند کرنا طبعی خواہش کی وجہ سے نہیں تھا کہ آپ ﷺ اکثر بیشتر میٹھی چیز کھانا پسند فرماتے ہوں بلکہ ”یحب الحلواء“ کا مطلب یہ ہے کہ جب حضور ﷺ کے سامنے دسترخوان پر میٹھی چیز آ جاتی تو آپ ﷺ اسے پھر بڑے شوق و رغبت سے تناول فرماتے کہ معلوم ہوتا کہ یہ بھی آپ ﷺ کو پسند ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مختلف قسم کے عمدہ لذیذ اور شیریں کھانے بنانا اور انہیں کھانا جائز ہے، اور شرعیہ زہد و تقویٰ اور پرہیزگاری کے منافی نہیں ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہ حدیث اختصار کے ساتھ ذکر کی ہے، اس کی تفصیل صحیح مسلم میں موجود ہے، جس میں وہ واقعہ ہے جس کی وجہ سے آپ ﷺ نے اپنے لیے شہد کا استعمال حرام کر دیا تھا پھر جس پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ تحریم نازل فرمائی۔

(صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب وجوب الکفارة علی من حرم المرءۃ..... ۱-۷۹۴)

لغات: الحلواء بالمد والقصر: دونوں لغت میں امام اصمعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس کو قصر اور یاء کے ساتھ لکھا جاتا ہے اور امام فراء رحمہ اللہ کے نزدیک بالالف الحمد وہ ہے امام لیث رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اکثر لوگوں کی رائے یہ ہے کہ حلواء بالمد پڑھا جائے اور اس کا اطلاق ہر کھانے والی میٹھی چیز پر ہوتا ہے۔

امام خطابی رحمہ اللہ نے کہا کہ حلوے کا اطلاق ایسی میٹھی چیز پر ہوتا ہے جس کے بنانے میں انسان کے عمل کو دخل ہو۔ علامہ نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہاں پر حلوہ سے مراد ہر میٹھی چیز ہے اور شہد کا تذکرہ شرافت و کرامت ہے گویا کہ ذکر الخاص بعد العام کے قبیلہ سے ہے علامہ ابن بطل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ شہد حلوہ طعام طبیات میں سے ہے کہ جن کے کھانے کا حکم قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: ﴿كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِهَا﴾ (البقرہ: ۵۷) نیز اس سے اس شخص کے قول کی بھی تائید ہوتی ہے کہ جس نے طبیات کی تفسیر مستلذات

سے کی ہے کیونکہ حلوہ اور شہد دونوں لذیذ چیزیں ہیں۔ علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا حلوہ کو پسند فرمانا کثرت خواہش کی بناء پر نہیں تھا کہ خدا نخواستہ آپ ﷺ کو حلوہ کھانے کی خواہش ہوتی اور آپ ﷺ اس کو پکوا کر کھاتے ہوں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب آپ ﷺ کے سامنے حلوہ پیش کیا جاتا تو آپ ﷺ اس کو پسند فرماتے اور اچھی طرح تناول فرماتے تھے۔

شہد کی اہم خصوصیات:

العسل: بمعنی شہد۔ قرآن کریم میں بھی شہد کی تعریف کی گئی ہے۔ فرمایا گیا: ﴿فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ﴾ (النحل: ۶۹) شہد ہاں قوت بخش غذا اور لذت کا ذریعہ ہے وہیں امراض کے لیے نسخہ شفاء بھی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جڑی بوٹیوں میں شفاء اور دوا کا سامان رکھا ہے تو ان کے جوہر اور عرق میں جو کہ مکھی کھینچ کر لے آتی ہے کیوں نہ شفاء ہوگی۔ بلغمی امراض میں شہد بلا واسطہ شافی ہے اور دوسرے امراض میں دیگر اشیاء کے ساتھ مل کر بطور دواء نہایت مفید ہے چنانچہ اطباء معجونوں میں بطور خاص شہد کا استعمال کرتے ہیں اس کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ خود خراب نہیں ہوتا اور دوسری اشیاء کی بھی طویل عرصہ تک حفاظت رہتی ہے یہی وجہ ہے کہ ہزار ہا سال اطباء اس کو الکحل کی جگہ استعمال کرتے آئے ہیں۔ شہد مسہل بھی ہے۔ اور پیٹ سے فاسدہ مادہ نکالنے میں بہت مفید ہے چنانچہ آگے روایت آرہی ہے کہ جب ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے اپنے بھائی کی پیٹ کی بیماری کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے اسے شہد پلانے کا مشورہ دیا دوسرے دن پھر اس نے آکر بتایا کہ بیماری بدستور ہے آپ ﷺ نے اسے شہد پلانے کا مشورہ دیا تیسرے دن جب اس نے کہا کہ کوئی فرق نہیں تو آپ ﷺ نے کہا کہ صدق اللہ و کذب بطن اخیک کہ اللہ کا قول بلا ریب سچا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے مراد یہ ہے کہ دوا کا کوئی تصور نہیں بلکہ مریض کے مزاج کی خاص کی وجہ سے جلدی اثر ظاہر نہیں ہوا اس کے بعد پھر پلایا تو بیمار تندرست ہو گیا۔ اگر یقین محکم اور مضبوط ہو تو پھر ہر مرض کے لیے شہد شافی ہے حتیٰ کہ پھوڑے پھنسی اور آنکھ و جسم وغیرہ کے دوسرے امراض کا بھی علاج شہد ہی ذریعہ کیا جائے تو شفاء ہوگی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق روایات میں ہے کہ اگر ان کے بدن پر کوئی پھوڑا نکل آتا تو اس پر بھی شہد کا لپکرتے۔ جب بعض لوگوں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو جواب میں فرمایا کہ کیا قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق فیہ شفاء للناس نہیں فرمایا ہے شہد کے بارے میں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِكْثَارِ الْمَرْقَةِ

باب ۳۰: سالن میں شور بہ زیادہ کرنے کے بارے میں

(۱۷۵۵) إِذَا اشْتَرَى أَحَدُكُمْ لَحْمًا فَلْيُكْثِرْ مَرَقَتَهُ فَإِنْ لَمْ يَجِدْ لَحْمًا أَصَابَ مَرَقَةً وَهُوَ أَحَدُ اللَّحْمَيْنِ.

ترجمہ: حضرت علقمہ بن عبد اللہ مزی رضی اللہ عنہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ جب کوئی شخص گوشت خریدے (توپکاتے ہوئے) اس کا شور باز زیادہ کرے کیونکہ اگر اسے گوشت کی (بوٹی نہیں ملے گی) تو شور باطل جائے گا، اور یہ بھی ایک قسم کا گوشت ہے (یعنی اس میں گوشت کا اثر ہوتا ہے)۔

(۱۷۵۶) لَا يَحْقِرَنَّ أَحَدُكُمْ شَيْئًا مِنَ الْمَعْرُوفِ وَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيَلْقِ أَخَاهُ يَوْجُهُ طَلِيقٍ وَإِنْ اشْتَرَيْتَ لَحْمًا أَوْ طَبَخْتَ قِدْرًا فَأَكْثُرْ مَرَقَتَهُ وَاعْرِفْ لِبِجَارِكَ مِنْهُ.

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ کوئی بھی شخص کسی بھی نیکی کو حقیر نہ سمجھے اگر اسے کچھ نہ ملے تو وہ اپنے بھائی کے ساتھ خندہ پیشانی سے مل لے اور اگر تم گوشت خریدو یا ہنڈیا پکاؤ تو اس میں شور باز زیادہ کرو اور اس میں سے کچھ اپنے پڑوسی کو بھی بھیج دو۔

تشریح: ایک ترغیبی حکم: روایت میں حسن معاشرت کے اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص گوشت پکائے تو اس کو چاہیے کہ شور باز ہالے اس لیے کہ اگر کھاتے وقت اس کو بوئی نہ ملے گی تو کم از کم شور بے کو استعمال کر لے گا۔ گویا طاقت اور غذا بیت کے اعتبار سے شور بہ گوشت کے قائم مقام ہے۔ اسی لیے اس کو احد اللحمین کہا گیا ہے روایت میں آپ ﷺ کا اشتراک احد کم فرمانا غالب اعتبار سے ہے کہ اکثر گوشت خرید ہی کر بنایا جاتا ہے ورنہ مراد گوشت کا حصول ہے خواہ خرید کر ہو یا کسی اور طرح سے ہو۔ زیادہ کرنے کی اس لیے ترغیب دی جا رہی ہے تاکہ اپنے پڑوسیوں کو اس میں سے کچھ دیا جاسکے، حدیث کے آخری جملے ”واعرف لبجارك منه“ میں اسی کو بیان کیا گیا ہے۔

فائدہ: اس جملے کا اصل منشا یہ ہے کہ ایک مسلمان کو اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھنا چاہیے، حدیث میں گو کہ بخاص طور پر سالن اور شور بے کا ذکر ہے، لیکن یہ حکم صرف شور بے تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ اس سے ہر وہ چیز مراد ہے جسے پڑوسی لینا پسند کرتے ہوں، اور جس چیز کا دینا عرف کے لحاظ سے مناسب ہو، اسے برانہ سمجھا جاتا ہو۔

باب کی دوسری روایت میں ہے: ”وَإِذَا اشْتَرَيْتَ لَحْمًا أَوْ طَبَخْتَ قِدْرًا“ اس میں ”أو“ تنويع کے لیے ہو اس صورت میں دو جملے الگ الگ معنی کے لیے ہوں گے، پہلے جملے کا مطلب یہ ہوگا کہ جب تم گوشت خریدو (یعنی پکاؤ) تو اس کا شور بہ زیادہ کر لیا کرو، اور دوسرے جملے میں گوشت کے علاوہ دوسری ہانڈیوں کا ذکر ہے کہ جب سبزی وغیرہ بنائیں تو اس کا شور بہ زیادہ کر لیا کرو۔

(تحفة الاحوذی، ابواب الاطعمه، باب ماجاء فی اکثر الرقۃ ۵، ۴۵۷)

نیکی کو معمولی نہ سمجھا جائے: آپ ﷺ نے فرمایا کہ نیکی کے کسی بھی کام کو معمولی اور کمتر نہ سمجھا جائے، اور کمتر سمجھ کر اسے چھوڑ نہ دیا جائے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہی عمل قبول ہو جائے اور بخشش کا ذریعہ بن جائے، اور اگر اور کچھ نہ ہو سکے تو تب بھی کم از کم اپنے مسلم بھائی کے ساتھ خندہ پیشانی سے ملاقات کرے چونکہ جب ہتے چہرہ کے ساتھ ملاقات کرے گا تو اپنے مسلم بھائی کو بھی خوشی ہوگی اور کسی مسلم کو خوش کرنا یہ خود نیک کام ہے۔ اسی طرح جب کوئی چیز گوشت وغیرہ پکائے تو اپنے پڑوسی کا خیال رکھے کہ اس کو بھی تھوڑا سا پہنچادے اور مسلمان کا دل خوش کرنا بہت بڑی نیکی ہے اور کسی گناہ کو معمولی، حقیر اور چھوٹا سمجھ کر کیا نہ جائے، کیونکہ گناہ خواہ کتنا ہی بظاہر چھوٹا نظر آئے، وہ بہر حال اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہوتا ہے روایت سے معلوم ہوا کہ کسی چھوٹے سے نیک کام کو بھی حقیر نہ سمجھنا چاہیے کیونکہ اخلاص کے ساتھ چھوٹا سے نیک کام بھی اللہ کی نظر میں بہت بڑا درجہ رکھتا ہے۔ نیز معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص کے پاس احسان کرنے کے لیے کوئی چیز نہ ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الثَّرِيدِ

باب ۳۱: ثرید کی فضیلت کے بارے میں جو کچھ منقول ہے

(۱۷۵۷) كَمَلُ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيرٌ وَلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَرْيَمُ ابْنَةُ عِمْرَانَ وَاسِيَّةُ امْرَأَةِ فِرْعَوْنَ وَفَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ.

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں۔ مردوں میں بہت سے لوگ کامل ہوئے ہیں، خواتین میں صرف مریم بنت عمران اور فرعون کی بیوی آسیہ علیہا السلام کامل ہیں اور عائشہ رضی اللہ عنہا کو تمام عورتوں پر وہی فضیلت حاصل ہے، جو ثرید کو تمام کھانوں پر ہے۔

ثرید بسا اوقات گوشت سے بھی زائد نافع اور مقوی ہوتا ہے۔ ثرید اہل عرب کے یہاں پسندیدہ کھانا شمار کیا گیا ہے چنانچہ آپ ﷺ سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت نقل کی ہے کہ آپ ﷺ نے ثرید اور سحور کے لیے دعا فرمائی۔ (اخرجہ احمد) اسی طرح سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ برکت تین چیزوں (جماعت، سحور، اور ثرید میں ہے۔) (اخرجہ الطبرانی)

فضائل والی عورتوں کم ہیں: روایت کا حاصل یہ ہے کہ مردوں میں تو کاملین بہت ہوئے ہیں جیسے انبیاء رسل، خلفاء، علماء اولیاء، بخلاف عورتوں کے کہ ان میں بہت کم کاملین ہیں۔ سوائے مریم بنت عمران اور آسیہ علیہا السلام کے یہاں کامل ہونے سے مراد جامع فضائل ہونا ہے۔

دوسرا مطلب: کہ اس سے مراد مطلق فضائل نہیں بلکہ وہ فضائل مراد ہیں جو دونوں صنفوں کے ساتھ مخصوص ہوں۔ اب روایت کے معنی یہ ہوں گے کہ مردوں کے جو فضائل ہیں بہت سے مردان فضائل میں کامل ہیں مگر عورتوں کے فضائل میں کم عورتیں کامل ہیں سوائے مریم و آسیہ رضی اللہ عنہما کے۔

کیا عورت نبیہ ہو سکتی ہے؟

- ① جمہور اہلسنت فرماتے ہیں کہ وحی نبوت کا سلسلہ صرف مردوں کے ساتھ خاص رہا ہے، کسی عورت کو یہ شرف حاصل نہیں ہوا۔
- ② بعض تاج الدین سبکی رحمہ اللہ، ابن السید، اور ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ وغیرہ قائل ہیں۔ چنانچہ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ چھ عورتیں حوا، سارہ ام موسیٰ، ہاجرہ، آسیہ، مریم علیہا السلام، نبیہ ہوئی ہیں۔

جمہور کے دلائل: اوّل آیت ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رَجُلًا نُفِخَ فِيهِ مِنْ أَمْثَارِ الْمَاءِ﴾ (یوسف: ۱۰۹) کہ آیت شریفہ میں وصف رسالت کو رجال ہی میں منحصر فرمایا ہے۔

دوم: حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں فرمایا: ﴿وَأَمَّا أُدْمَةُ صِدْقَةُ﴾ (المائدہ: ۷۵) آیت مذکورہ مقام مدح میں ہے لفظ صدیقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ولیہ تھیں نبیہ نہیں تھیں کیونکہ مقام مدح میں اعلیٰ درجہ کو ذکر کیا جاتا ہے۔ اگر حضرت مریم علیہا السلام کو نبوت

حاصل ہوتی تو یہاں نبیہ کہا جاتا۔

سوم: عورت اپنی جنس کے لحاظ سے ناقص العقل ہے حالانکہ نبی وہ ہوتا ہے جو ہر اعتبار سے کامل ہوا مت کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ نبی سے زائد عقل والا کوئی نہیں ہو سکتا۔ لہذا ناقص العقل کو کس طرح منصب نبوت دیا جاسکتا ہے۔

ثانی کے دلائل: استدلال کیا ہے کہ مریم علیہا السلام اور آسیہ دونوں نبیہ ہیں اسلئے کہ نوع انسانی میں سب سے زائد کامل انبیاء پھر اولیاء پھر صدیقین اور شہداء ہیں پس اگر یہ دونوں نبیہ نہ ہوں گی بلکہ ولیہ یا صدیقہ یا شہیدہ ہوں گی تو پھر عام عورتوں میں نہ کوئی ولیہ ہوگی۔ نہ صدیقہ اور شہیدہ حالانکہ یہ صفات اور عورتوں میں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ ان دونوں میں عام عورتوں سے زائد دوسری صفات کمال ان میں نبوت پائی جاتی ہے۔

ثانی: ان لوگوں نے ضابطہ بیان کیا کہ جس شخص سے بھی فرشتہ نے من جانب اللہ تکلم کیا تو اس میں نبوت کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں اور وہ نبی ہوگا۔ چنانچہ فرشتہ کا مذکورہ عورتوں سے من جانب اللہ تکلم کرنا ثابت ہے۔ لہذا یہ نبیہ کیسے نہیں ہو سکتی ہیں۔

ثالث: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے لیے لفظ وحی وارد ہوا ہے۔ فرمایا: ﴿وَاَوْحَيْنَا اِلٰی اُمِّ مُوسٰی﴾ (قصص: ۷) اور ظاہر ہے کہ غیر نبی کو وحی نہیں ہو سکتی ہے۔

جوابات: ان کا جواب اولاً تو یہ ہے کہ یہاں کمال سے جامع فضائل ہونا یا عورتوں کے فضائل میں کامل ہونا مراد ہے جیسا کہ تشریح حدیث کے تحت گزر چکا ہے۔

نیز ان عورتوں کو ولیہ، صدیقہ یا شہیدہ ہونا دوسری تمام عورتوں کے لیے ولیہ، صدیقہ یا شہیدہ ہونے کے منافی نہیں چونکہ ممکن ہے کہ ان کے علاوہ اور عورتوں میں بھی یہ صفات موجود ہوں لیکن اس درجہ کی نہ ہوں جس درجہ کی ان کو حاصل ہیں۔

ثانی: واقعات اس پر شاہد ہیں کہ فرشتہ نے من جانب اللہ غیر نبی سے بھی تکلم کیا ہے چنانچہ روایت میں ہے کہ ایک شخص نے اپنے دینی بھائی کی زیارت کے لیے جا رہا تھا راستہ میں فرشتہ نے اس کو بشارت دی کہ جس طرح تجھ کو اپنے بھائی سے محبت ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کو بھی تجھ سے محبت ہے۔ (روح المعانی) حالانکہ اس شخص کے نبی ہونے کا کوئی بھی قائل نہیں۔

ثالث: لفظ وحی کا کسی کے لیے وارد ہونا یہ کوئی دلیل نبوت نہیں چونکہ یہ لفظ تو شہد کی مکھی کے لیے بھی قرآن کریم میں وارد ہوا ہے۔ فرمایا: ﴿وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ...﴾ (النحل: ۶۸) تو کیا شہد کی مکھی بھی اس لفظ کی بناء پر نبی ہو جائے گی۔ جو قرآن کی نص صریح کا مقابلہ کر سکے قرآن نے صراحت کی ہے کہ ہم نے جتنے رسول بھی بھیجے ہیں، وہ صرف مرد ہی تھے۔ ان میں کوئی بھی عورت نہیں تھی۔ اس کی مزید تفصیل یہ ہے کہ وحی دو طرح کی ہوتی ہے۔

(۱) وحی اصطلاحی: یہ وہ وحی ہے جو لوگوں کی رشد و ہدایت اور مروءہ کی تعلیم دینے کے لیے نازل ہوتی ہے، اس کے ذریعہ مخلوق کی اصلاح کے لیے کسی کو منتخب کرنا اور دعوت و تبلیغ کے لیے کسی کو مامور کرنا ہوتا ہے اس نبی کے ذمے لازم ہوتا ہے۔ کہ اس وحی پر خود بھی ایمان لائے اور دوسروں کو بھی اپنی نبوت اور وحی کے ماننے کا پابند بنائے، جو اس کو نہ مانے اسے کافر قرار دے، اس طرح کی وحی بالاتفاق مردوں کے ساتھ خاص ہے، کسی عورت پر یہ وحی نازل نہیں ہوئی، اس وحی کا نزول نبی ﷺ پر ختم ہو گیا۔ آپ ﷺ خاتم الانبیاء ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد کسی پر اس قسم کی وحی نہیں اتر سکتی۔ اس وحی کو ”نبوت مع الرسالہ“ ”وحی تشریفی“ اور

”وحی نبوت“ کہا جاتا ہے۔

(۲) وحی لغوی لفظ: ”وحی“ کے لغوی معنی ایسے خفیہ کلام کے ہیں، جو صرف مخاطب کو معلوم ہو، دوسرا کوئی اس پر مطلع نہ ہو۔

اس لغوی معنی کے اعتبار سے وحی نہ تو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے اور نہ ہی مردوں کے ساتھ خاص ہے، اس کا کوئی وقت بھی متعین نہیں، کسی بھی وقت ہو سکتی ہے یہ وحی ایک عام بندے کو بھی ہو سکتی ہے بلکہ جانور تک اس میں شامل ہو سکتے ہیں، جیسے شہد کی مکھی کے بارے میں وحی کا ذکر ہے۔ یہ وحی خواہ الہامی شکل میں ہو یا خواب کی صورت میں یا فرشتوں سے گفتگو کے ذریعہ، یہ سب وحی کی لغوی صورتیں ہیں چنانچہ حضرت مریم، حضرت سارہ اور حضرت ام موسیٰ علیہن السلام وغیرہ پر اسی لغوی معنی کے اعتبار سے وحی نازل ہوئی تھی، اس سے ان کا نبی ہونا لازم نہیں آتا، کیونکہ اس وحی کا مقصد صرف کسی کو آنے والے واقع کی اطلاع یا کسی کو بشارت دینا ہوتا ہے، یا اس شخص کی ذات سے متعلق کوئی مخصوص حکم یا نہی نازل کرنا مقصود ہوتا ہے البتہ اس طرح کی لغوی وحی عموماً الہامی شکل میں ہوتی ہے، کہ اللہ تعالیٰ کسی دل میں ایک مضمون ڈال دیں، اور اسے اس پر مطمئن کر دیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ جیسے عموماً اولیاء اللہ کو اس قسم کے الہام ہوتے رہتے ہیں، بلکہ ابو حیان اور بعض دوسرے علماء نے کہا ہے کہ اس طرح کی وحی بعض اوقات کسی فرشتے کے واسطے بھی ہو سکتی ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقع میں تصریح ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے انسانی شکل میں آ کر انہیں سمجھایا مگر اس وحی کا تعلق صرف اس شخص کی ذات تک محدود ہوتا ہے، جسے الہام ہوتا ہے، اصلاح خلق دعوت و تبلیغ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا تفسیر مظہری، حضور اکرم ﷺ نے اس طرح کی وحی کو ”تحدیث“ فرمایا ہے، صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم سے پہلے گزشتہ امتوں میں کچھ ”محدث“ لوگ گزرے ہیں میری امت میں اگر کوئی محدث ہو سکتا ہے تو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہوگا۔ دوسرے طریق میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے یوں منقول ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تم سے پہلے بنی اسرائیل میں کچھ ایسے لوگ گزرے ہیں کہ ان سے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کے ذریعہ) کلام کیا جاتا تھا۔ جبکہ وہ انبیاء نہیں تھے۔ میری امت میں اگر ایسا آدمی کوئی ہو تو وہ عمر ہوگا، اسی وجہ سے حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہوتا۔

محدث: سے وہ لوگ مراد ہیں جن کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے درست بات ڈالی جاتی ہے اور بعض نے کہا کہ اس سے نبی اور رسول کے علاوہ وہ لوگ مراد ہیں جن سے فرشتے گفتگو کرتے ہیں۔ (فتح الباری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ باب مناقب عمر ۷، ۶۲)

وفضل عائشة رضی اللہ عنہا علی النساء کفضل الثريد علی سائر الطعام:

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کو تمام کھانوں پر فضیلت حاصل ہے۔“

اس جملہ سے آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت بیان کی گئی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دوسری خواتین پر یوں فضیلت حاصل ہے کہ، جیسے ثرید کو تمام کھانوں پر، کہ ثرید کا کھانا آسان ہے اور زود ہضم بھی ہے۔ علی النساء ”میں نساء سے یا تو نساء الدنیا مراد ہے کہ پوری دنیا کی خواتین پر افضل ہیں، یا اس سے نساء اہل الجنة مراد ہے کہ اہل جنت کی عورتوں پر فضیلت رکھتی ہیں، یا اس سے نساء زمانہا مراد ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے زمانے کی عورتوں پر فائق ہیں، یا اس سے نساء ہذہ الامۃ مراد ہے کہ اس امت کی عورتوں سے افضل ہیں۔“

عائشہ اور خدیجہ رضی اللہ عنہما میں افضل کون ہے؟

حدیث باب اور دیگر بعض روایات سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا افضل ہونا معلوم ہوتا ہے، لیکن حضرت عائشہ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہما میں افضل کون ہے، اس میں اختلاف ہے، کیونکہ بعض روایات سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا افضل ہونا معلوم ہوتا ہے، چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: خیر نساءہا مریم بنت عمران، وخیر نساءہا خدیجۃ بنت خویلد، عورتوں میں سب سے بہتر حضرت مریم علیہا السلام ہیں اور عورتوں میں سب سے بہتر حضرت خدیجہ ہیں اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: افضل نساء اہل الجنة خدیجۃ، وفاطمۃ و مریم و آسیۃ، اور ابن عبد البر رحمہ اللہ نے دوسرے طریق سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ سے روایت نقل کی ہے: سیدۃ نساء العالمین مریم، ثم فاطمۃ، ثم خدیجۃ، ثم آسیۃ۔ تمام جہانوں کی عورتوں کی سردار حضرت مریم علیہا السلام ہیں پھر حضرت فاطمہ پھر حضرت خدیجہ پھر حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ ان روایات سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا افضل ہونا معلوم ہو رہا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں مذکورہ خواتین ان چند عورتوں میں سے ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے دیگر عورتوں پر فضیلت اور بزرگی عطا فرمائی، لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ مذکورہ پانچ خواتین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت مریم علیہا السلام حضرت فاطمہ، حضرت خدیجہ، اور حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا میں سے کس کو فضیلت حاصل ہے، کیونکہ ان تمام کے بارے میں مختلف روایات میں کچھ نہ کچھ خاص فضیلت بیان کی گئی ہے۔

ان روایات کے درمیان تطبیق: سب سے بہتر توجیہ یہ ہے کہ حیثیات کے اعتبار سے فرق ہے کہ مذکورہ خواتین میں سے ہر ایک کسی خاص شرف و فضل کے اعتبار سے دیگر تمام عورتوں سے ممتاز ہیں چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خصوصی شرف علمی کمال اور دینی بصیرت ہے جو علمی کمال ان کو حاصل تھا وہ نہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حاصل تھا اور نہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہوا، بیسیوں روایات ان سے منقول ہیں، بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مشکل اور پیچیدہ مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے۔ آپ کو محبوبیت کا مقام حاصل تھا، کئی بار ایسا ہوا کہ حضور ﷺ پر اس وقت وحی نازل ہوئی جب آپ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بستر پر تشریف فرما تھے۔

اسی طرح خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو سبقت ایمانی اور آپ ﷺ پر احسان وغیرہ کی بناء پر فضیلت ہے جو اور کسی کو حاصل نہیں ہوئی ہیں: حین قالت عائشۃ قدر زکک اللہ خیرا منها فقال لہا لا واللہ ما رزقنی اللہ تعالیٰ خیرا منها آمنت بی حین کذبنی الناس واعطی مالہا حین حرمنی الناس۔

”جس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس سے بہتر عطا کر دی تو آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اللہ کی قسم! اُس سے بہتر مجھے اللہ نے کوئی عطا نہیں کی وہ مجھ پر ایمان لائی جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا اور اپنا مال مجھے دے دیا جب لوگوں نے مجھے مال سے محروم کر دیا۔“

اس اعتبار سے دیگر تمام عورتوں پر فائق ہیں کہ مشکل اور انتہائی دشوار حالات میں آپ کو حوصلہ اور سہارا دیا، جان و مال اور ہر ممکن طریقے سے آپ کا تعاون اور دفاع کیا۔

اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو علماء نے سب سے افضل قرار دیا ہے کیونکہ آپ ﷺ سے جزییت کا تعلق ہے اور محبت جزییت تمام

محببتوں پر فائق ہے۔ (کما قالہ صاحب روح المعانی) حضرت مریم علیہا السلام کا یہ خاص اعزاز ہے کہ ان کے بطن سے اللہ تعالیٰ نے خلاف عادت کسی انسان کے چھوئے بغیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسا جلیل القدر پیغمبر پیدا کیا، انہیں مسجد کی خدمت کے لیے قبول کیا، ان کے کمرے میں غیر موسمی پھل ان کی کرامت کی وجہ سے موجود ہوتے، سردی کے پھل گرمی کے موسم میں اور گرمی کے پھل سردی کے موسم میں..... صحیح حدیث میں ہے کہ جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس کو (چھوتا) مس کرتا ہے جس سے وہ چیختا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے شیطان کے مس سے حضرت مریم علیہا السلام اور ان کے بیٹے کو محفوظ رکھا۔

حضرت آسیہ علیہا السلام (فرعون کی بیوی) کا یہ شرف ہے کہ انہوں نے فرعون جیسے ظالم شخص کی بیوی ہونے کے باوجود حق کا راستہ اختیار کیا، اور پھر اس پر ثابت قدم رہیں، ناز و نعمت اور خوشحال زندگی کے مقابلے میں حق کی خاطر طرح طرح کی مشقتیں برداشت کیں یہاں تک کہ بڑے اطمینان کے ساتھ شہداء کے زمرے میں داخل ہو گئیں، حضرت آسیہ علیہا السلام نے حضرت موسیٰ کے بارے میں فرعون کو رائے دی کہ یہ بچہ جو صندوق سے نکلا ہے اسے ہلاک نہ کریں بلکہ اپنے پاس رکھ کر اس کی پرورش کرتے ہیں اور کہا: قرۃ عین لی ولک۔ کہ یہ میری اور آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگا، فرعون بولا "لک لالی" یہ آنکھوں کی ٹھنڈک تیرے لیے ہوگا میرے لیے نہیں یہ بات حضرت آسیہ علیہا السلام کی فہم و فراست کی دلیل ہے۔

نیز حضرت فاطمہ بنتی النبیؐ کو جو خصوصیات مجموعی طور پر آپ ﷺ سے حاصل ہیں وہ اور کسی عورت کو حاصل نہیں ہیں۔ جیسا کہ ان کے مناقب سے معلوم ہوتا ہے۔

عائشہ بنتی النبیؐ ام المؤمنین کا تعارف:

ام عبد اللہ کنیت ہے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی آپ ﷺ کی سب بیویوں میں سے پیاری بیوی ہیں سب سے زائد علم و فقہ کی ماہر صائب الرا۱ شمار کی گئی ہیں آپ ﷺ نے ان کے فضائل بیان فرمائے ہیں جو مناقب میں آرہے ہیں بعثت کے چار پانچ سال بعد پیدا ہوئیں ۱ھ میں آپ ﷺ کے یہاں آئیں اور انہی کی گود میں آپ ﷺ کا وصال ہوا ہے کل احادیث دو ہزار دو سو ہیں ایک سو چوہتر پر شیخین کا اتفاق ہے وصال بعض محققین کے نزدیک ۵۷ھ ہے لیکن اکثر محدثین ۱۷ رمضان ۵۸ھ پر متفق ہیں بقیع الغرقہ میں مدفون ہوئیں۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّهُ شُؤَالِلَّحْمَ نَهْشًا

باب ۳۲: یہ باب اس بیان میں ہے کہ تم گوشت دانتوں سے نوچ نوچ کر کھایا کرو،

(۱۷۵۸) نَهْشُوا اللَّحْمَ نَهْشًا فَإِنَّهُ أَهْنَأُ وَأَمْرَأُ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن حارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میرے والد نے میری شادی کی انہوں نے کچھ لوگوں کی دعوت کی جن میں حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے انہوں نے بتایا کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ گوشت کو نوچ کر کھاؤ کیونکہ یہ زیادہ مزیدار محسوس ہوتا ہے اور جلدی ہضم ہو جاتا ہے۔

تشریح: گوشت نوح کرکھانا سنت ہے؟ امام ترمذی رحمہ اللہ نے دو باب قائم فرمائے ہیں اس سے پہلے میں گوشت کو منہ سے کاٹ کر کھانے کا حکم ذکر کیا۔ اور دوسرے باب میں اس بات کی اجازت کو بیان فرمایا کہ گوشت کو چھری سے کاٹ کر بھی کھانا ثابت ہے۔ روایت کا حاصل: یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ گوشت کو دانتوں سے کاٹ کر کھاؤ کیونکہ اس طرح کھانا زیادہ لذت کا باعث ہے اور زود ہضم بھی ہے۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب آدمی گوشت کو منہ سے نوح نوح کر کھائے گا تو منہ کے اندر سے لعاب خود بخود نکل کر گوشت سے ملتا رہے گا۔ جس سے لذت دو بالا ہو جائے گی۔ چنانچہ آپ نے لوگوں کو دیکھا ہوگا کہ جو کھانے چٹ پٹے ہوتے ہیں ان کو کھاتے ہوئے منہ میں بکثرت پانی آتا رہتا ہے اور وہ کھانے سے مل کر اس کی لذت کو بڑھاتا رہتا ہے اور جب لذت کے ساتھ آدمی کسی چیز کو کھاتا ہے تو معدہ بھی اس کو اچھی طرح قبول کرتا ہے جس سے کھانا خوب ہضم ہوتا ہے۔ بہر حال یہ تلذذ جب ہی حاصل ہوگا کہ گوشت کو دانتوں سے کاٹ کاٹ کر کھایا جائے۔

لغات: انہشوا، یہ صیغہ امر ہے نہش سے ماخوذ ہے اور بالشین المعجمہ والسين المہملہ دونوں طرح ضبط کیا گیا ہے یعنی گوشت کو منہ سے پکڑ کر اس کو ہڈی سے جدا کر دینا۔ امام اصمعی اور جوہری رحمہما اللہ نے دونوں ضبط کے یہی معنی بیان کئے ہیں لیکن دوسرا قول یہ کہ یہ معنی نہش بالشین المعجمہ کے ہیں اور نہش بالسين المہملہ کے معنی تناولہ بمقدم الفم یعنی گوشت کو منہ کے آگے کے حصہ سے کھانا اور بعض نے کہا کہ نہش کے معنی القبض علی اللحم ونثرہ عند الاکل یعنی گوشت کو پکڑنا ورکھانے کے وقت اس کو سختی سے کھینچنا۔ نیز قاموس میں ہے نہس اللحم کمنع وسمع آگے کے دانتوں سے گوشت کو لینا اور نہس اللحم کے معنی ڈاڑھوں کے ذریعہ گوشت کو لینا اور طیبی رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ بالسين المہملہ ہڈی پر لگے ہوئے گوشت کو دانتوں کے کنارے سے کھینچنا۔ اہناء ہنی سے ماخوذ ہے جس کے معنی ایسا لذیذ کھانا جو غرض کے موافق ہو۔ لہذا اہناء کے معنی الذی یعنی زیادہ لذیذ ہوں گے۔ وامرأ استمرأ سے ماخوذ ہے اس کے معنی ذہاب کظمة الطعام وثقلہ یعنی اچھی طرح ہضم ہونا۔

بَابُ مَا جَاءَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مِنَ الرُّخْصَةِ فِي قَطْعِ اللَّحْمِ بِالسَّكِينِ

باب ۳۳: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے چھری سے گوشت کاٹ کر کھانے کی اجازت

(۱۷۵۹) أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ اخْتَارَ مِنْ كَيْفِ شَاةٍ فَأَكَلَ مِنْهَا ثُمَّ مَضَى إِلَى الصَّلَاةِ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ.

ترجمہ: حضرت جعفر بن عمرو بن امیہ صمری رضی اللہ عنہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں، انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ نے چھری کے ذریعے بکری کے شانے کا گوشت کاٹ کر اسے کھایا پھر آپ نماز کے لئے تشریف لے گئے اور از سر نو وضو نہیں کیا۔
لغات: السکین بمعنی چھری۔ اس میں دوسری لغت سکینہ ہے لیکن سکین زیادہ مشہور ہے۔ علامہ جوہری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ سکین مذکر و مؤنث دونوں کے لئے مستعمل ہے۔ ہاں البتہ غالب تذکیر ہے۔ کہ کھانے کے وقت اگر گوشت سخت معلوم ہو، اسے کسی وجہ سے نوح کر نہ کھایا جاسکتا ہو تو ضرورت کی وجہ سے اسے چھری سے کاٹنا یا ہاتھ سے توڑنا جائز ہے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کے بازو سے چھری کے ذریعے گوشت کا ایک ٹکڑا کاٹا اور اسے تناول فرمایا۔

اعتراض: سنن ابی داؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”گوشت چھری سے کاٹ کاٹ کرنے کھایا کرو، یہ عجی لوگوں کا طریقہ ہے، اسے دانتوں سے نوچ کر کھایا کرو، کیونکہ اس طرح کھانا زیادہ لذیذ اور زیادہ خوشگوار ہے۔ (بذل المجہود، کتاب الاطعمہ، باب فی الاکل من اعلی الصفیۃ: 16-102)

سنن ابی داؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”گوشت چھری سے کاٹ کاٹ کرنے کھایا کرو، یہ عجی لوگوں کا طریقہ ہے، اسے دانتوں سے نوچ کر کھایا کرو، کیونکہ اس طرح کھانا زیادہ لذیذ اور زیادہ خوشگوار ہے۔ (بذل المجہود، کتاب الاطعمہ، باب فی الاکل من اعلی الصفیۃ: 16-102)

تعارض کا جواب: ان میں یوں تطبیق دی ہے کہ اگر گوشت نرم اور گلا ہوا ہو تو اس کو چھری کے بجائے دانتوں سے نوچ کر ہی کھانا چاہئے اور اگر گوشت پکانے کے باوجود سخت ہو، دانتوں سے نوچ کر اسے کھانا ممکن نہ ہو تو پھر چھری کا استعمال بغیر کسی کراہت کے درست ہے، تاہم اسے روزانہ کی عادت اور عام معمول نہیں بنانا چاہئے۔

فائدہ: کہ سنن ابی داؤد کی روایت میں ممانعت کا حکم نبی تنزیہی پر محمول ہے، لہذا چھری کا استعمال ایسے موقع پر گو کہ حرام نہیں، جائز ہے، لیکن چونکہ ان کا استعمال یہود و نصاریٰ، دنیا دار اور مغربی دنیا کا شعار بن چکا ہے، اس لئے مشابہت سے بچنے کے لئے ہر ممکن احتراز ضروری ہے۔

چچ سے کھانا حرام ہے:

اگر کوئی کھانا اس قسم کا ہو کہ اسے چچ کے بغیر نہ کھایا جاسکتا ہو، تو پھر چچ کا استعمال بغیر کسی کراہت کے درست ہے، لیکن چونکہ چھری کانٹے میں اس قسم کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی، ان کے استعمال کے بغیر بھی کھانا کھایا جاسکتا ہے۔

(جدید فقہی مسائل، خوراک و پوشاک: 1/180)

بَابُ مَا جَاءَ أَيُّ اللَّحْمِ كَانَ أَحَبَّ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ

باب ۳۴: نبی اکرم ﷺ کو کون سا گوشت زیادہ محبوب تھا اس حوالے سے جو کچھ منقول ہے

(۱۷۶۰) قَالَ أُنِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِلَحْمٍ فَرَفَعَ إِلَيْهِ الذِّرَاعُ وَكَانَتْ تُعْجِبُهُ فَتَهَسَّ مِنْهَا.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں گوشت لایا گیا آپ کے سامنے ران کا گوشت رکھا گیا، وہ آپ کو بہت پسند تھا آپ نے اسے دانتوں کے ذریعے نوچ کر کھایا۔

(۱۷۶۱) مَا كَانَ الذِّرَاعُ أَحَبَّ لِلَّحْمِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَلَكِنْ كَانَ لَا يَجِدُ اللَّحْمَ إِلَّا غَبًّا فَكَانَ يَعْجَلُ إِلَيْهِ لِأَنَّهُ أَعْجَلُهَا نَضْجًا.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کو گوشت میں ران کا گوشت (زیادہ) پسند نہیں تھا لیکن چونکہ نبی اکرم ﷺ کو گوشت کبھی کبھار کھانے کو ملتا تھا تو آپ اسے کھا لیتے تھے کیونکہ یہ جلدی

تیار ہو جاتا تھا۔

تَشْرِیْحُ: الذَّرَاعُ: (ذال کے نیچے زیر) ہر جانور کا ہاتھ، گائے اور بکری کا ذراع پنڈلی سے اوپر کا حصہ ہوتا ہے، اونٹ کا اور دوسرے کھروالے جانوروں کا ذراع پنڈلی کے پتلے حصے کے اوپر سے شروع ہو جاتا ہے۔ حضور کریم ﷺ کو دستی کا گوشت پسند تھا۔ (۱) جلدی پک جاتا ہے۔ (۲) زیادہ لذیذ اور خوشگوار ہوتا ہے۔ (۳) معدہ پر بوجھ نہیں ہوتا بلکہ جلدی ہضم ہو جاتا ہے۔

باب کی دوسری روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ آپ کا دستی کے گوشت کو پسند فرمانا اس وجہ سے نہیں تھا کہ آپ ﷺ دنیا کی لذتوں میں رغبت رکھتے تھے، اور آپ کا دل ہر وقت گویا اسی طرف متوجہ رہتا، کیونکہ یہ تو نبی کی شان کے مناسب نہیں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ گوشت کبھی کبھار آتا تھا، جس کی وجہ سے اسے کھانے کا طبیعت میں شوق پیدا ہوتا تھا، پسندیدہ ہونے کی وجہ صرف یہ نہیں کہ وہ لذیذ ہوتا بلکہ دستی کا گوشت اس وجہ سے بھی پسند تھا کہ وہ جلدی پک جاتا ہے، جسے کھا کر آدمی جلدی سے فارغ ہو کر ذکر و فکر اور اللہ تعالیٰ کی

عبادت میں مشغول ہو جاتا ہے۔ (الکوب الدری، ابواب الاطعمہ، باب ما جاء ای اللحم کان احب الی رسول اللہ ﷺ: 3/22)

فائدہ: سنن ابی ماجہ میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: پیٹھ کا گوشت بہترین گوشت ہے۔ (۲) یہ حدیث دستی گوشت والی حدیث کے معارض نہیں ہے، کیونکہ دونوں کی پسندیدہ ہونے کی وجہیں مختلف ہیں، چنانچہ پیٹھ کا گوشت طاقتور، صاف ستھرا اور چکنا ہوتا ہے اور دستی گوشت کی پسندیدہ ہونے کی وجہیں اوپر گزر چکی ہیں۔ لہذا ایسا ہو سکتا ہے کہ دو چیزیں مختلف وجوہات کی بناء پر پسندیدہ اور عمدہ ہوں، اس میں کوئی منافات نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخَلِّ

باب ۳۵: سرکہ کے (فصل)

(۱۷۶۲) نِعْمَ الْإِدَامُ الْخَلُّ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ، نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں۔ سرکہ بہترین سالن ہے۔

(۱۷۶۳) نِعْمَ الْإِدَامُ الْخَلُّ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: سرکہ بہترین سالن ہے۔

(۱۷۶۴) نِعْمَ الْإِدَامُ الْخَلُّ.

ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ سرکہ بہترین سالن ہے۔

(۱۷۶۵) دَخَلَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ هَلْ عِنْدَ كُمْ شَيْءٌ فَقُلْتُ لَا إِلَّا كَسِيرٌ يَا بَسَّةٌ وَخَلٌّ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ قَرِيبُهُ فَمَا أَقْفَرَبَيْتُ مِنْ أَدَمٍ فِيهِ خَلٌّ.

ترجمہ: سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا بنت ابوطالب بیان کرتی ہیں، نبی اکرم ﷺ میرے ہاں تشریف لائے آپ نے فرمایا۔ تمہارے پاس

(کھانے کے لئے) کچھ ہے؟ میں نے عرض کی۔ صرف سوکھی روٹی کے ٹکڑے ہیں اور سرکہ ہے، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اسے ہی لے آؤ جس گھر میں سرکہ موجود ہو اس گھر والے محتاج نہیں ہوتے۔

سرکہ کی فضیلت سے امت کو زہد کی تعلیم:

حضور اکرم ﷺ نے سرکہ کو بہترین سالن قرار دیا ہے، اور فرمایا کہ: اے اللہ سرکہ میں برکت ڈال دیجئے، یہ سرکہ مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کا سالن رہا ہے۔ علامہ نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ علامی خطابی رحمہ اللہ اور قاضی عیاض رحمہ اللہ نے روایت کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ آپ ﷺ نے ماکولات میں اختصار کی تعریف فرمائی ہے اور لذیذ کھانوں کی طرف نفس کے مائل ہونے کو روکا ہے اور مقصد یہ ہے کہ سرکہ اور اسی طرح کی معمولی چیزوں ہی سے روٹی کھالیا کریں۔ شہوات اور لذائذ کی طرف مائل نہ ہوں۔ اپنے نفس کو لذیذ اور عمدہ کھانوں کا عادی نہیں بنانا چاہئے اور یہی اسلامی تعلیمات کا تقاضا ہے کیونکہ شہوات دین کے لئے فساد کا ذریعہ اور بدن کے لئے بیماریوں کا پیش خیمہ ہے چونکہ ظاہر ہے کہ لذیذ کھانا زائد کھایا جائے گا جس سے اعمال میں سستی ہوگی جو دین کی تباہی کا باعث ہے پھر زیادہ کھانے سے بیماری پیدا ہوگی جو جسم کے خراب ہونے کا ذریعہ ہوگی۔

فائدہ: حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ روایت میں امت کو زہد کی تعلیم دی گئی ہے کہ امت کو چاہئے کہ مباحات میں بھی زائد متلا نہ ہو سرکہ اگر چہ عرفاً اور شرعاً سالن نہیں ہے مگر بہر حال روٹی سے کھانے کے لئے کافی ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا کہ گیسوں کی روٹی اپنے سالن کے ساتھ ہے یعنی گیسوں کی روٹی کے لئے سالن کی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ جو وغیرہ کی روٹی کے لئے سالن کی ضرورت ہے۔

اعتراض: حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے اس انداز سے کیوں جواب دیا، انہیں اس موقع پر یوں جواب دینا چاہئے تھا: بلی، عندی خبز و خل، (ہاں کیوں نہیں: میرے پاس روٹی اور سرکہ ہے) اس انداز سے جواب نہ دینے کی کیا وجہ ہے؟

جواب: کہ ام ہانی رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کی عظمتِ شان کی وجہ سے یہ جواب دینا مناسب نہ سمجھا، انہیں یہ اچھا نہ لگا کہ اس قدر محترم اور معزز مہمان کی خدمت میں روٹی کے خشک ٹکڑے اور سرکہ پیش کیا جائے، لیکن چونکہ آپ ﷺ سمجھ گئے کہ محض ادب کی وجہ سے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا اس انداز سے جواب نہیں دے رہیں، اور ان چیزوں کو گویا معمولی سمجھ رہی ہیں اس لئے آپ ﷺ نے انہیں فرمایا: انہیں میرے قریب کریں، چنانچہ آپ نے وہ ٹکڑے سرکہ کے ساتھ تناول فرمائے، اور فرمایا کہ جس گھر میں سرکہ ہو وہ سالن سے خالی نہیں۔

”وامہا نى ماتت بعد علی بن ابی طالب بزمان“ امام ترمذی نے فرمایا: حضرت ام ہانی کی وفات حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے ایک عرصہ بعد ہوئی۔ اس سے امام ترمذی یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ روایت مرسل اور منقطع نہیں ہے، بلکہ متصل ہے، کیونکہ امام شعبی کی ملاقات اگرچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نہیں ہوئی، لیکن ام ہانی سے ہوئی ہے، حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ایک عرصہ تک زندہ رہیں، ہو سکتا ہے کہ اس دوران امام شعبی رحمہ اللہ کی ملاقات حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے ہوئی ہو، لہذا یہ کہنا امام شعبی رحمہ اللہ کی ملاقات جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نہیں ہوئی تو حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے کیسے ہو سکتی ہے، درست نہیں ہے۔

حضرت "ام ہانی رضی اللہ عنہا" کا تعارف:

حضرت "ام ہانی رضی اللہ عنہا" ابوطالب کی بیٹی، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہن اور نبی کریم ﷺ کی چچا زاد بہن ہیں، ان کا نام: فاختہ یا فاطمہ یا ہند ہے، ان میں پہلا نام زیادہ مشہور ہے، حضور اکرم ﷺ نے نبوت سے پہلے زمانہ جاہلیت میں انہیں پیغام نکاح دیا تھا، اتفاقاً انہی دنوں میں ہبیرہ بن وہب نے بھی پیغام نکاح دے دیا، ابوطالب نے ان کا نکاح ہبیرہ سے کر دیا، اس پر آپ ﷺ اپنے چچا سے ناراض ہو گئے، اس ناگواری کو دیکھ کر ابوطالب نے نبی کریم ﷺ سے کہا: اے بھتیجے ان لوگوں نے ہمیں رشتہ دے رکھا ہے، ہم ان کے احسان کا بدلہ اتارنا چاہتے ہیں، اس لئے میں نے انہیں رشتہ دیا، پھر جب ام ہانی رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کر لیا اور ہبیرہ نے نہیں کیا تو ان کے درمیان جدائی ہو گئی۔

حضور اکرم ﷺ نے ام ہانی رضی اللہ عنہا کو دوبارہ پیغام نکاح دیا، تو ام ہانی رضی اللہ عنہا نے کہا کہ: خدا کی قسم میں تو زمانہ جاہلیت میں بھی آپ کو پسند کرتی تھی، اور اب تو میں مسلمان ہو چکی ہوں، اب آپ کو کیسے پسند نہیں کروں گی، لیکن بات یہ ہے کہ میری اولاد ہے، اور میں اس چیز کو پسند نہیں کرتی ہوں کہ وہ آپ کو تکلیف پہنچائیں، آپ ﷺ نے فرمایا: "قریشی عورتیں بہترین عورتیں ہیں، جو اونٹ پر سوار ہوتی ہیں اور اپنے بچوں پر شفقت کرتی ہیں اور اپنے شوہر کے مال کی حفاظت کرتی ہیں۔"

ام ہانی رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ سے بہت سی احادیث روایت کی ہیں، ان سے ان کے بیٹے جعدہ، یحییٰ، حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے روایات حاصل کی ہیں اور پھر انہیں روایت کیا، یہ روایات صحاح ستہ اور حدیث کی دوسری کتابوں میں موجود ہیں۔
لغات: ادا م: (ہمزے کے نیچے زیر) سالن، ہر وہ چیز جس کے ساتھ روٹی کھائی جائے، اس کی جمع ادم ہے، اور کبھی "ادم" کا لفظ مفرد بھی استعمال ہوتا ہے۔ (فتح الباری، کتاب الاطعمہ، باب الادم 9/694) کسر: یہ کسرۃ کی جمع ہے، روٹی کے ٹکڑے۔
ما اقفر بیت کی ترکیب: "ما اقفر بیت، من ادم فیہ خلما" نافیہ "اقفر" فعل، "بیت" موصوف، "من ادم" جار مجرور متعلق ہے ما اقفر کے، اور "فیہ" خبر مقدم، "خل" مبتدا مؤخر، جملہ اسمیہ ہو کر "بیت" کی صفت، موصوف صفت مل کر "اقفر" کا فاعل، فعل اپنے فاعل وغیرہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔

استراض: اس ترکیب پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ موصوف یعنی "بیت" اور صفت یعنی فیہ خل فیہ خل کے درمیان اجنبی "من ادم" کا فصل ہے، جو درست نہیں ہے؟

جواب: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ موصوف صفت کی ترکیب درست ہے، اور "من ادم" فاصل ہے، لیکن یہ مکمل طریقے سے اجنبی فاصل اس لئے نہیں کہ "اقفر" ان تمام پر عمل کر رہا ہے، اس لحاظ سے ان میں قرب پایا جاتا ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح: 8/53۔ شرح الطیبی، کتاب الاطعمہ، الفصل الثانی: 8/162)

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَكْلِ الْبَطِيخِ بِالرَّطْبِ

باب ۳۶: یہ باب خر بوزہ کو تازہ کھجور سے ملا کر کھانے کے بارے میں ہے

(۱۷۶۶) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَأْكُلُ الْبَطِيخَ بِالرَّطْبِ.

ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، نبی اکرم ﷺ تربوز کو تر کھجور کے ساتھ ملا کر کھایا کرتے تھے۔
تشریح: بطبخ بمعنی خر بوزہ نمبر 1۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے اس کو راج قرار دیا اور فرمایا کہ جن لوگوں نے بطبخ کی تفسیر تربوز سے کی ہے وہ غلط ہے اور شاید غلطی کا منشاء یہ ہے کہ ابوداؤد کی روایت میں یہ واقع ہوا ہے کہ اس کی ٹھنڈک سے کھجور کی گرمی ختم ہو جائے گی اور خر بوزہ ٹھنڈا ہوتا ہے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ کا میلان شرح شامل میں یہ ہے کہ بطبخ سے یہاں مراد تربوز ہے اور بھی دیگر شرح کا میلان اسی طرف ہے۔ مگر حافظ رحمہ اللہ نے بطبخ کی تفسیر خر بوزہ سے کی ہے۔

خر بوزہ گردے کے لئے مصلح پیشاب آور مولد لبن ہے پتھری کے لئے نافع نیز یرقان کے لئے دافع ہے۔ سدون کو کھولتا ہے اس کے چھلکوں کا لپ چہرے کی جھائیاں دور کرتا ہے۔

تربوز: گرمی، تیزی صفراء خون اور پیاس کے لئے تسکین کا باعث ہے۔ پیشاب آور ہے گرمی کے بخار کے لئے نافع ہے اس کا پانی گرم مزاج والوں کے لئے نافع ہے دیر ہضم ہے جس دن چاول کھائے تربوز نہ کھائے کیونکہ مضر ہے
الرطب: بضم الراء فتح الطاء تریٹھی کھجور، کھجور معدہ جگر کے لئے مقوی ہے گرم مزاجوں کے موافق ہے جسم کے لئے فربہی کا باعث ہے ریاح و اورام کو تحلیل کرتی ہے اس کی گٹھلی کا منجن دانتوں کو صاف کرتا ہے بہتے ہوئے خون کو روکنے کا ذریعہ ہے۔ والدلیل علی ذالک ایک تو اس وجہ سے کہ نسائی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: رأیت رسول اللہ ﷺ یجمع بین الرطب والخربز۔

دونوں کو ملا کر کھانے کی حکمت: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ خر بوزہ کو تازہ پکی ہوئی کھجور کے ساتھ کھایا کرتے تھے، اس طرح ملا کر کھانا اعتدال پیدا کرنے کے لئے ہوتا تھا، کیونکہ کھجور کا ذائقہ گرم ہے اور خر بوزہ کا اثر نسبتاً ٹھنڈا ہے، ان میں سے ہر ایک دوسرے کے اثر کو ختم کر دیتا ہے، جس سے طبیعت میں اعتدال اور مزاج میں یکسانیت پیدا ہوتی ہے، طبی لحاظ سے گرم و سرد چیز کو ملا کر کھانا صحت کے لئے بہت مفید ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ اسے یوں کھاتے کہ دائیں ہاتھ میں تازہ کھجور ہوتی اور بائیں ہاتھ میں خر بوزہ، پھر انہیں ملا کر تناول فرماتے، پہلے ایک کھجور منہ میں رکھ لیتے، پھر دائیں ہاتھ سے خر بوزہ کا ایک ٹکڑا کھاتے۔ (فتح الباری، کتاب الاطعمہ، باب جمع اللوین بمرة 81/9) اور یہ آپ کا محبوب پھل تھا، ملا کر کھانے کی یہ صورت بھی ہو سکتی ہے کہ ایک ساتھ منہ میں رکھ کر کھالیا جائے۔ (اشعة اللمعات، کتاب الاطعمہ، الفصل الاول، 3/492)

طب اور علاج کا ثبوت: علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ روایت سے طب اور علاج کا بھی ثبوت ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ شی مضار کا مقابلہ اس کی ضد کے ساتھ کر لیا جائے تاکہ اعتدال پیدا ہو جائے۔ چنانچہ اطباء حضرات جب معجون بناتے ہیں تو اس کے مفردات کے الگ الگ خواص ہوتے ہیں لیکن جب ان کو یکجا کر لیا جاتا ہے تو وہ ایک دوسرے کے لئے مصلح بن جاتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَكْلِ الْقَثَاءِ بِالرُّطْبِ

باب ۳۷: یہ باب کھیرے یا کٹڑی کو کھجور کے ساتھ ملا کر کھانے کے بارے میں ہے

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ تر کھجور کے ساتھ ککڑی کھالیا کرتے تھے۔
تشریح: لفظ تشاء کی تحقیق اور اس کے خواص: تشاء بکسر القاف وتشدید الشاء المثلثہ اور ضم قاف بھی جائز ہے یہ اس جنس ہے کھیرا اور ککڑی دونوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے یہاں ککڑی مراد ہے۔

ککڑی کے خواص: صفراوی خون کی گرمی پیٹ کی آنتوں کی سوزش کو تسکین دیتا ہے۔ پیاس دفع کرتا ہے گرم دماغی بیماریوں اور بے خوابی اور شدت گرمی کو نافع ہے اس کا بھلہ بھلایا ہوا پانی تپ صفراوی اور تپ خونی بلغمی کو مفید ہے۔ اور گرمی سے درد سر کے لئے اس کو تراش کر سوکھنا مفید ہے۔ اس کے بیج پیشاب آور ہیں اور جلے ہوئے پتوں کو خارج کرتے ہیں اور پیشاب کی جلن اور درم طحال کو نافع ہے اور گرمی کی شدت کے لئے مفید ہیں اس کے کوز مقوی اور مسک ہیں۔

کھجور و ککڑی ملا کر کھانے میں حکمت: ککڑی اور کھجور دونوں کو ملا کر کھانے کی وجہ یہ ہے کہ ککڑی ٹھنڈی ہوتی ہے اور کھجور گرم ملا کر کھانے سے دونوں کی اصلاح ہو کر اعتدال پیدا ہو جاتا ہے۔ نیز ککڑی پھکی ہوتی ہے اور کھجور میٹھی دونوں کو ملا کر کھانے سے ککڑی میں بھی مٹھاس آ جاتا ہے جس سے لذت دو بالا ہو جاتی ہے۔

کیفیت اکل: اس کے کھانے کی کیفیت یہ ہوتی کہ حضور ﷺ دائیں ہاتھ سے ککڑی پکڑتے اور بائیں ہاتھ میں تازہ کھجور ہوتی، پہلے دائیں ہاتھ سے ککڑی کھاتے پھر بائیں ہاتھ سے کھجور دائیں ہاتھ میں لے لیتے اور اس سے پکڑ کر کھاتے، لہذا یہ کہنا کہ آپ ﷺ نے بائیں ہاتھ سے کھجور کھائی ہے، درست نہیں ہے۔ (فتح الباری: 9/710- عمدة القاری: 21/66)

فائدہ: علامہ نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ روایت سے یہ معلوم ہوا کہ دو دو پھل ایک ساتھ کھائے جاسکتے ہیں۔ نیز معلوم ہوا کہ ماکولات و مشروبات میں وسعت جائز ہے۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ روایت سے معلوم ہوا کہ ماکولات و مشروبات کو طبی قاعدہ کے مطابق اصلاح کر کے کھایا جاسکتا ہے تاکہ مزاج کے مطابق ہو جائے یہاں ککڑی اور کھجور دونوں ملا کر کھانے میں جہاں دیگر فوائد ہیں ایک فائدہ یہ بھی بیان کیا گیا کہ اس سے بدن میں فربہ پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ میں روایت ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میری رخصتی کے وقت میری والدہ کو خیال آیا کہ اس کا بدن کچھ فربہ ہو جائے اور اٹھان کچھ اچھا ہو جائے تو مجھے ککڑی تازہ کھجور کے ساتھ کھلائی۔ جس سے میرے بدن میں اچھی فربہ ہو گئی۔ نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ککڑی نمک سے بھی نوش فرمائی ہے۔ اس میں کوئی تعارض نہیں کہ کبھی نمک سے تناول فرمائی ہو کبھی کھجور کے ساتھ کیونکہ کسی وقت میٹھے کی رغبت ہوتی ہے اور کسی وقت نمکین کی ہوتی ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي شَرْبِ أَبْوَالِ الْإِبِلِ

باب ۳۸: اونٹوں کے پیشاب پینے کے بیان میں

(۱۷۶۸) إِنَّ نَاسًا مِنْ عُرَيْنَةِ قَدِيمُوا الْمَدِينَةَ فَاجْتُوهَا فَبَعَثَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ فِي إِبِلِ الصَّدَقَةِ وَقَالَ اشْرَبُوا مِنْ أَبْوَالِهَا وَالْبَائِيهَا.

تَرْجُمَتُہَا: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، عرینہ قبیلہ کے کچھ لوگ مدینہ منورہ آئے وہاں کی آب و ہوا انہیں موافق نہیں آئی نبی اکرم ﷺ نے انہیں صدقے کے اونٹوں کی طرف بھیج دیا اور فرمایا: ان کا دودھ اور پیشاب پیو۔

تشریح: مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ چار تو قبیلہ عرینہ کے تھے اور تین قبیلہ عکل کے چنانچہ طبرانی اور ابوعوانہ کی روایت میں اسی طرح واقع ہوا ہے۔ رہا آٹھواں شخص ممکن ہے کہ کسی اور قبیلہ کا ہو۔ اب روایات میں جو مختلف الفاظ آئے ہیں وہ راوی کی جانب سے ہیں۔ عرینہ قبیلہ ہے قحطان سے اور عکل قبیلہ عدنان سے۔ فاجتو وھا۔ اے اصابتمہم الجواء۔ ہو المرض۔ پیٹ کے مرض پر جواء کا اطلاق ہوتا ہے۔ جب کسی جگہ پر آب و ہوا موافق نہ آنے کی بناء پر پیٹ بڑا ہو جائے اس کو اجتواء کہا جاتا ہوا۔ بعض روایات میں استنوخوھا اس کے معنی اجتو وھا کے ہیں جیسا کہ ابن عدی رحمہ اللہ نے کہا ہے اور مسند ابی عوانہ میں فعظمت بطونہم نسائی میں حتی اصفرت الوانہم وعظمت واقع ہوا ہے یعنی ان کے پیٹ بھی بڑے ہو گئے تھے اور رنگ بھی زرد ہو گیا تھا۔

تعارض: ابل الصدقة: ایک روایت میں ابل رسول اللہ ﷺ آیا ہے علامہ عینی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے مال غنیمت سے ملے ہوئے اونٹ بھی اس مقام پر صدقہ کے اونٹوں کے ساتھ چر رہے تھے اس لئے ابل الصدقة ابل رسول اللہ ﷺ دونوں لفظ صحیح ہیں۔

آپ ﷺ کے پاس جا کر منافقانہ انداز سے اسلام قبول کیا، اتفاقاً مدینہ کی آب و ہوا انہیں راس نہ آئی، جسم بیمار، رنگ زرد اور پیٹ بڑے بڑے ہو گئے، آپ کو اس صورتحال سے جب آگاہ کیا گیا تو ان سے آپ نے فرمایا کہ مدینہ سے باہر میرے اور صدقہ کے اونٹ ہیں، تم لوگ وہاں چلے جاؤ، ان کا پیشاب اور دودھ پیو تو ٹھیک ہو جاؤ گے، ان کی آسانی کے لئے آپ نے اپنا چرواہا بھی ان کے ساتھ بھیج دیا، یہ لوگ وہاں رہے، اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پیا تو بالکل صحیح ہو گئے۔

صحت مند ہونے کے بعد بجائے اس کے کہ وہ اسلام اور حضور اکرم ﷺ کے اور گرویدہ ہوتے، ان کی نیت خراب ہو گئی، حرص و ہوس کا ناسور ان پر غالب آ گیا، ان لوگوں نے حضور اکرم ﷺ کے ”یسا“ نامی چرواہے کو مثلہ کر کے قتل کر دیا اور ایک روایت کے مطابق دیگر بعض چرواہوں کو بھی یوں قتل کیا کہ ان کی آنکھیں نکالیں، کان اور ہاتھ بھی کاٹ ڈالے اور مرتد ہو گئے اور پھر اونٹوں کو بھگا کر لے گئے۔ یہ اونٹ کافی تعداد میں تھے، ان میں پندرہ دودھ والی اونٹنیاں حضور اکرم ﷺ کی ذاتی تھیں جو آپ کو مال غنیمت سے حاصل ہوئی تھیں، ان میں سے ایک اونٹنی بھی انہوں نے مار ڈالی، حضور اکرم ﷺ اور آپ کے اہل و عیال ان اونٹنیوں کا دودھ رات کے وقت پیا کرتے تھے، ان کی اس حرکت کی وجہ سے رات کے وقت آل محمد کو دودھ میسر نہ ہو سکا تو آپ نے ان ڈاکوؤں کے لئے ان الفاظ سے بددعا کی:

اللہم عطش من عطش ال محمد۔ ”اے اللہ! تو اسے پیاسا کر جس نے آل محمد ﷺ کو پیاسا کیا ہے۔“

یہ چرواہا جس کو انہوں نے قتل کر دیا تھا کیا صرف اسی کو قتل کیا تھا یا اس کے ساتھ اور چرواہوں کو بھی مارا گیا تھا؟ صحیح بخاری کی تمام روایات اس پر متفق ہیں کہ جس چرواہے کو انہوں نے مار دیا تھا وہ حضور اکرم ﷺ کا چرواہا تھا، اور اسے مفرد لفظ سے ہی ذکر کیا گیا ہے، البتہ صحیح مسلم کی ایک روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جمع کا لفظ بھی منقول ہے، وہ فرماتے ہیں: ثم مالوا علی الرعاة فقتلوہم۔ پھر وہ چرواہوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کو قتل کر دیا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس بارے میں دو احتمال ذکر کئے ہیں: (۱) ممکن ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہے کے ساتھ صدقہ کے اونٹوں کے بعض چرواہوں کو بھی انہوں نے قتل کر دیا ہو، اسے جب بیان کیا گیا تو بعض راویوں نے صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہے کے قتل کے ذکر پر اکتفاء کر دیا، اور بعض نے لفظ جمع کے ساتھ ذکر کر دیا۔

(۲) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعض راویوں نے روایت بالمعنی کی ہو، یعنی اس واقعہ کا مفہوم اپنے الفاظ میں بیان کیا ہو، جس میں مجازاً لفظ جمع استعمال کر دیا ہو، جبکہ مقتول صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہے تھے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس احتمال کو راجح قرار دیا ہے، کیونکہ روایات میں صرف حضرت یسار کے قتل کا ذکر ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام اور آپ کے چرواہے تھے۔

ایک چرواہا جو ان کے ظلم سے بچ گیا تھا، اس نے آ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سارا قصہ بتایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے تعاقب میں چند افراد روانہ کئے، وہ انہیں پکڑ کر لے آئے ان لوگوں نے کئی سارے جرم کئے تھے، مثلاً کر کے قتل کیا، ڈاکہ ڈالا، چوری کی اور مرتد ہو گئے تھے، ان سنگین جرائم کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں سخت فیصلہ فرمایا کہ انہیں بھی اس انداز سے قتل کیا جائے جس طرح انہوں نے کیا کہ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں اور آنکھیں بھی گرم سلائی سے پھوڑ ڈالیں اور سخت دھوپ میں مدینہ کی پتھر ملی زمین پر پھینک دیا جائے، چنانچہ اسی فیصلے کی روشنی میں انہیں سزا دی گئی، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ دھوپ میں مدینہ کی پتھر ملی زمین پر تڑپ رہے تھے اور میں یہ منظر دیکھ رہا تھا کہ وہ زمین کو دانتوں سے کاٹ رہے تھے، یہاں تک کہ وہ اسی حالت میں مر گئے۔

اور بخاری کی روایت میں ہے کہ وہ پانی طلب کرتے تھے لیکن انہیں پانی نہیں دیا گیا، اسی کشمکش میں ان کو موت آ گئی۔ علامہ یعنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انہیں اس جرم کی وجہ سے پانی نہیں دیا گیا کہ وہ مرتد ہو گئے تھے جس کی وجہ سے وہ قابل احترام نہ رہے، بعض نے یہ وجہ بیان کی کہ انہوں نے جب آل محمد کو پیسا سا کیا تھا، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے بددعا کی تھی، اس وجہ سے انہیں پیسا بھی کیا گیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ اس ناشکری کی سزا ہو جو انہوں نے اونٹوں کا دودھ پی کر کی تھی، یہ تمام اسباب جمع ہو سکتے ہیں، لیکن یہ ذہن میں رہے کہ پانی نہ دینے کا واقعہ انہی کے ساتھ خاص تھا، ورنہ حکم یہ ہے کہ کوئی مجرم خواہ وہ کتنی ہی شدید سزا کا مستحق ہو اگر وہ پانی طلب کرے تو اسے پانی دیا جائے گا۔ (فتح الباری، کتاب البوضوء، باب ابوال اابل واللدواب 442/1-451)

وقال اشربوا من البانہا و ابوالہا، اس جملے سے تین فقہی مسئلے متعلق ہیں:

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے، ان کا پیشاب پاک ہے یا ناپاک۔

اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کسی حرام چیز کو دوا کے طور پر استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

تیسرا مسئلہ ضمناً حد اور قصاص (یہ تینوں مسائل تفصیلاً جلد اول میں گزر چکی ہے)

پہلا مسئلہ: مذاہب فقہاء: بول مایو کل لحمہ کا حکم: جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کا پیشاب پاک ہے یا نہیں؟

اس پر اجماع ہے کہ مالا یوکل لحمہ کا بول نجس ہے اور اس بات میں اختلاف ہے کہ ماکول اللحم کا بول پاک ہے یا ناپاک۔

شیخین و شوافع کے ہاں بول مایوکل لحمہ کا نجس ہے۔

امام مالک و امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک مایوکل لحمہ کا بول پاک ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی دونوں قسم کی روایتیں ہیں۔ البتہ

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک نجاست غلیظہ ہے جبکہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک نجاست خفیفہ ہے کیونکہ ائمہ کا اختلاف ان کے نزدیک مقضی تخفیف ہے۔

جمہور کے دلائل: دلیل (۱): باب التشديد في البول میں ابن عباس کی روایت ہے کہ امر سابقا اس میں فکان لا يستنزه من بوله کی ضمیر اگرچہ صاحب قبر کی طرف راجع ہے مگر بعض روایات میں مطلق ذکر ہے ”من البول“ تو بول عذاب قبر کا باعث ہے اگر یہ پاک ہوتا تو اس کی وجہ سے عذاب قبر نہ ہوتا۔

استدلال (۲): مستدرک حاکم و صحیح ابن خزیمہ کی روایت ہے: ”استنزه من البول فان عامة عذاب القبر منه“ حاکم نے اس کو صحیح علی شرط البخاری قرار دیا ہے۔ (مستدرک للحاکم ص: ۱۸۳ ج) یہ حدیث اپنے عموم کی وجہ سے ہر قسم کے ابوال کو شامل ہے خواہ بول انسانی ہو یا حیوانی ہو ماکول اللحم کا ہو یا غیر ماکول اللحم کا ہو۔ جس طرح حدیث ابی ہریرہ میں عموم ہے اسی طرح حدیث ابن عباس و انس رضی اللہ عنہما عام کو شامل ہے۔ نیز حدیث ابی امامہ رضی اللہ عنہ اتقوا البول فانه اول ما يحاسب به العبد في القبر۔ (پیشاب کی چھینٹوں سے بچو! سب سے پہلے قبر میں اسی بارے میں حساب لیا جائے گا) اس میں بول عام ہے وہ بول انسانی ہو یا حیوانی ہو پھر ماکول اللحم ہو یا غیر ماکول اللحم ہو۔

استدلال (۳): سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی موت کا واقعہ ہے کہ جب ان کو دفنایا گیا تو زمین نے ان کو دبایا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ پیشاب سے نہیں بچتے تھے رواہ احمد۔

نمبر (۴): امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بنی آدم میں لحم، دماء، ابوال میں لحوم طاہر ہیں لیکن کھانا جائز نہیں حرمت کی وجہ سے اور دماء نجس ہے اور اس پر اجماع ہے کہ بنی آدم میں ابوال تابع ہیں دماء کے نہ کہ لحم کے اسی وجہ سے اجماع ہے کہ بول نجس ہے اور اسی طرح ماکول اللحم جانوروں میں تین چیزیں ہیں۔ لحم، دماء، بول، لہذا ابوال کو لحم کے تابع کریں تو ابوال طاہر ہوں گے اور اگر دماء کے تابع ہوں تو نجس ہوگا لہذا بنی آدم پر قیاس کرتے ہوئے کہنا چاہیے کہ ابوال کو لحم کے تابع نہ ہوں بلکہ دماء کے تابع ہوں۔

مالکیہ وغیرہ کا استدلال: واقعہ عرینہ حدیث الباب حدیث انس رضی اللہ عنہ؟ اشر بوا البانہا و ابو الہا ہے اس سے معلوم ہوا کہ مایو کل لحمہ کا بول و براز پاک ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پینے کا حکم دیا اس وجہ سے پاک ہے اس حدیث میں اہل کے طاہر ہونے کو بیان کیا گیا ہے اور باقی ماکول اللحم کے ابوال کو اس پر قیاس کیا جائے گا۔ معلوم ہوا کہ جمیع ابوال ماکول اللحم پاک ہیں۔

جوابات (۱): اس حدیث میں ابوال کا ذکر مدرج من الراوی ہے کیونکہ ابوداؤد کے (ص: ۳۵ ج: ۱) میں اور نسائی (ص: ۱۶۷ ج: ۲) میں ابوال کا لفظ نہیں ہے۔

جواب (۲): اگر تسلیم کر لیں کہ لفظ ابوال حدیث کا حصہ ہے پھر ہم یہ کہتے ہیں یہ علف تھا تبنا و ماء باردا کے قبیل سے ہے کہ حدیث موئل ہے جب عاملین مختلفین کے دو مختلف معمول ہوں اور وہ دونوں کسی غرض میں متحد ہوں تو عامل ثانی کو حذف کر دیا جاتا ہے اور اس کے معمول کا پہلے عامل کے معمول پر عطف کیا جاتا ہے۔ اب حدیث میں اشر بوا البانہا و ابو الہا کی تقدیر عبارت اشر بوا من البانہا و شمو ابو الہا۔ الغرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شرب البان کا حکم دیا۔ شرب ابوال کا حکم نہیں دیا بلکہ ادھان ابوال یا استنشاق

کا حکم دیا۔ احادیث صحیحہ میں شرب البان کا ذکر ہے۔ باقی بول وغیرہ پینا ان کا اپنا فعل تھا جیسا کہ بخاری شریف ص 423 پر یہی مضمون ہے جن روایات میں شرب البان کے ساتھ ساتھ شرب ابوال کو ذکر کیا یہ روایت بالمعنی کے قبیل سے ذکر کرتے ہیں۔
جواب (۳): ہم مانتے ہیں نبی کریم ﷺ نے شرب بول کا حکم دیا لیکن طاہر ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ تداوی کے لئے تھا۔

امام مالک رحمہ اللہ نے دوسرا استدلال ”مرايض الغنم“ والی روایت سے کیا ہے، جمہور نے اس کی دو توجیہات کی ہیں:

① حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے ”کتاب الام“ میں اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ مدینہ منورہ کی سرزمین عام طور پر سنگریزہ اور چھوٹے چھوٹے نوکیلے پتھروں پر مشتمل تھی، اس پر آدمی نماز تک نہیں پڑھ سکتا تھا، البتہ مرايض غنم یعنی بکریوں کے باڑ کی جگہیں اہتمام کے ساتھ برابر اور ہموار کی جاتی تھیں اور انہیں صاف ستھرا بھی رکھا جاتا تھا، اس لئے آپ ﷺ نے جائے نماز بچھا کر وہاں نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے اور خود بھی وہاں نماز پڑھی ہے۔ اور اونٹوں کے باڑ کی جگہ پر نماز پڑھنے سے منع کیا ہے۔

② تداوی بالمحرمات جائز ہے یا نہیں؟ اضطراری حالت میں یعنی جان کا خطرہ ہو تو تداوی بالحرام بالاتفاق جائز ہے جیسے کہ قولہ تعالیٰ: ﴿وَقَدْ فَضَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ﴾ (الانعام: ۱۱۹) اور جان کا خطرہ نہ ہو صرف مرض کے علاج کے لئے تداوی بالحرام میں اختلاف ہے اور کئی مذاہب ہیں۔ (۱) امام صاحب حنابلہ کے ہاں مطلقاً جائز نہیں ہے۔ (۲) امام مالک کے ہاں مطلقاً جائز ہے۔ (۳) شوافع تداوی بالمحرمات المسکر جائز نہیں لیکن تداوی بالمحرمات غیر المسکرہ جائز ہے۔ (۴) قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اگر حالت ضرورت ہو تو تداوی بالحرام جائز ہے اور حالت ضرورت کا مطلب یہ ہے کہ طبیب حاذق فیصلہ کرے کہ تداوی بالحرام کے علاوہ علاج ممکن نہیں۔

اختلاف کی وجہ: احادیث تعارض کا ہے۔ واقعہ عرینین سے تداوی بالحرام کا جواز معلوم ہوتا ہے اور ”لا شفاء فی الحرام“ ان اللہ لم يجعل شفاء کم فیما حرم علیکم۔ (صحیح بخاری ص: ۸۴۰ ج: ۲ باب شرب الحلواء والعسل) اور ابو داؤد میں ہے لا تتداووا بالحرام۔ اب تطبیق یہ ہے کہ جن احادیث سے جواز معلوم ہوتا ہے وہ محمول ہیں ضرورت کی حالت پر اور جن سے عدم جواز معلوم ہوتا ہے وہ محمول ہیں ضرورت کے علاوہ کی حالت پر۔

حنفیہ کے نزدیک فتویٰ اس پر ہے کہ حرام اور نجس اشیاء سے علاج اس وقت جائز ہے جب کوئی ماہر ڈاکٹر بتا دے کہ اس مرض کا علاج حرام اور نجس دوا ہی سے ہو سکتا ہے، حلال اور پاک دوا اس کے لئے فائدہ مند نہیں ہے، لہذا اگر کسی مسلمان کو ایسا کوئی مرض لگ جائے جو حلال دوا سے نہیں بلکہ حرام سے درست ہو سکتا ہے تو اسے چاہئے کہ کسی مسلمان ماہر ڈاکٹر سے مشورہ کرے اور حرام دوا اسی قدر استعمال کرے جس قدر اسے ضرورت ہو، ضرورت سے زیادہ استعمال کرنا درست نہیں ہے۔

دلائل: وقد مر تفصیله

③ مساوات فی القصاص ہے یا نہیں؟ یعنی قاتل نے جس طرح قتل کیا ہے قصاص بھی اسی طرح لیا جائے گا یا صرف تلوار سے گردن اڑائی جائے گی؟ اس میں اختلاف ہے۔

احناف کا مسلک یہ ہے کہ کوئی مساوات فی القصاص نہیں ہے قصاص صرف تلوار سے لیا جائے گا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ جس آلہ کے ساتھ قاتل نے قتل کیا ہو اسی آلے کے ساتھ قتل کیا جائے گا لیکن کچھ استثناء کی

صورتیں ہیں: (۱) کسی نے آگ میں ڈال کر جلا دیا ہو۔ (۲) کسی نے فعل منکر کے ذریعے قتل کیا ہو۔

احناف کے دلائل: (۱) ابن ماجہ میں حدیث ہے: لَا قُودَ إِلَّا بِالسَّيْفِ یعنی قصاص صرف تلوار سے لیا جائے، یہ روایت ناطق ہے۔

(۲) نبی ﷺ نے مثلہ سے یعنی لاش بگاڑنے سے منع کیا ہے، اگر قتل سے پہلے زخموں کا قصاص لیں گے تو اس سے لاش بگاڑنا لازم آئے گا۔

اور دلیل عقلی یہ ہے کہ قاتل کو ختم کرنا مقصود ہے۔ دل کی بھڑاس نکالنا اصل مقصود نہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل ﴿وَالْجُرُوحُ قِصَاصٌ﴾ (المائدہ: ۴۵) ہے۔ یہ آیت عام ہے، خواہ زخم لگانے کے بعد مجروح مر گیا ہو یا زندہ رہا ہو دونوں صورتوں میں زخموں کا قصاص لیا جائے گا۔

(۲) حدیث باب میں قبیلہ عرینہ میں مذکور ہے کہ جانب مخالف کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے اور یہ کاٹنا قطاع الطريق کی حد کے لحاظ سے تھا یا اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے چرواہوں کے ہاتھ پاؤں کاٹے تھے لیکن تسمیل العین بطور قصاص کے تھا کہ انہوں نے چرواہوں کی زبان اور آنکھوں میں کانٹے گاڑے تھے۔

جواب از احناف: اور آیت کریمہ ﴿وَالْجُرُوحُ قِصَاصٌ﴾ (المائدہ: ۴۵) عام نہیں، بلکہ اس سے وہ زخم مراد ہیں جن کے بعد مجروح اچھا ہو جائے۔

اور حدیث باب کا جواب نبی کریم ﷺ نے یہ سیاستاً اور تعذیراً کیا اور امام تعذیراً سخت سے سخت سزا دے سکتا ہے۔

جواب ②: یہ حدود کے احکام نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔

اعتراض: یہ ہے کہ اہل عرینہ کا مثلہ کیا گیا اور گرم سلاخوں سے ان کی آنکھیں نکالی گئیں، حالانکہ شریعت میں مثلہ سے منع کیا گیا ہے، اگر یہ چیز حد اور قصاص کے طور پر نہیں تھی تو پھر ایسا کیوں کیا گیا؟ حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ان کے ساتھ یہ مخصوص برتاؤ سیاست اور انتظامی لحاظ سے کیا تھا، حد اور قصاص کے طور پر نہیں کیا تھا، اور اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ ان کا مثلہ اور گرم سلاخوں سے داغنا حد کے طور پر تھا تو بھی یہ منسوخ ہو چکا ہے، چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے ابن سیرین رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اہل عرینہ کا یہ واقعہ حدود کے احکام نازل ہونے سے پہلے کا ہے، اس کے بعد حدود کے احکام اور مثلہ کی حرمت نازل ہوئی اور حضور اکرم ﷺ نے آگ سے جلا کر مارنے، اور سورہ ماندہ کی آیت محاربہ کی وجہ سے مثلہ کرنے سے منع فرمادیا۔

بَابُ مَا جَاءَ الْوُضُوءُ قَبْلَ الطَّعَامِ وَبَعْدَهُ

باب ۳۹: کھانے سے پہلے اور اس کے بعد وضو کرنا

(۱۷۶۹) قَرَأْتُ فِي التَّوْرَةِ أَنَّ بَرَكَةَ الطَّعَامِ الْوُضُوءُ بَعْدَهُ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَأَخْبَرْتُهُ بِمَا قَرَأْتُ فِي التَّوْرَةِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بَرَكَةُ الطَّعَامِ الْوُضُوءُ قَبْلَهُ وَالْوُضُوءُ بَعْدَهُ.

ترجمہ: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میں نے تورات میں یہ بات پڑھی تھی کہ کھانے سے پہلے وضو کرنے سے کھانے میں برکت ہوتی ہے میں نے اس بات کا تذکرہ نبی اکرم ﷺ سے کیا اور آپ کو بتایا۔ میں نے تورات میں جو پڑھا ہے، تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ کھانے سے پہلے اور بعد میں وضو کرنے (یعنی ہاتھ دھونے) سے کھانے میں برکت ہوتی ہے۔
تشریح: وضوء کا اطلاق جس طرح اصطلاحی معنی پر ہوتا ہے اسی طرح اس کا اطلاق غسل الیدین والضم پر بھی ہوتا ہے۔ یہاں یہی معنی مراد ہے۔

بركة الطعام الوضوء قبله وبعده: ملا علی قاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کے اس فرمان میں دو احتمال ہیں یا تو اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ جو تورات میں سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے پڑھا ہے اس میں تحریف ہوئی ہے اور صحیح اس میں بھی بركة الطعام الوضوء قبله والوضوء بعده تھا۔

دوسرا احتمال: یہ ہے کہ اشارہ ہو اس بات کی طرف کہ ہماری شریعت نے تورات پر الوضوء کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کی حکمت یہ ہے کہ استقبالِ نعمت کے ساتھ کھانا زائد لذیذ اور عمدہ معلوم ہوتا ہے
نیز: ہاتھ بہر حال ہر وقت کاموں میں لگے رہتے ہیں تو گندگی یا گرد و غبار میں ملوث رہتے ہیں تو ان کو دھولینا اقرب ہے۔ یعنی نظافت و نزاہت کے زیادہ قریب ہیں۔

نیز: کھانا کھانا عبادت پر مدد حاصل کرنے کے لیے ہوتا ہے اور جس طرح عبادت کے لیے طہارت ہونی چاہیے اسی طرح عبادت کے معاون کے لیے بھی طہارت مناسب ہے۔

نیز: بعض روایات میں ہے کہ جو شخص کھانا کھانے کے بعد ہاتھ نہ دھوئے اور اس کو کوئی چیز تکلیف دینے والی پہنچ جائے تو وہ کسی کو ملامت نہ کرے۔ خود اپنے کو ملامت کرے۔

اخرجه الترمذی فی آخر الاطعمۃ

بركة الطعام برکت کے معنی یہ ہیں کہ کھانے میں زیادتی ہوتی ہے اور اس کے فوائد و آثار میں زیادتی ہوتی ہے۔ بایں طور کہ یہ نفس کے لیے سکون و قرار کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ طاعات اور عبادات پر قوت کا سبب ہے یعنی کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے اور بعد میں ہاتھ دھونے سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ وفی الباب عن انس رضی اللہ عنہ۔ (اخرجه ابن ماجہ والبیہقی ہریرہ اخرجہ الترمذی فی آخر الاطعمۃ) لانعرف هذا الحديث الا من حديث قيس بن الربيع... الخ امام ترمذی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں قیس بن الربیع ضعیف راوی ہیں علامہ منذری رضی اللہ عنہ نے ترمذی رضی اللہ عنہ کے کلام کو نقل کرنے کے بعد فرمایا قیس بن ربیع رضی اللہ عنہ صدوق ہیں اور ان کے سوء حفظ کی بناء پر لوگوں نے کلا کیا ہے اور ان کی روایت درجہ حسن سے کم نہیں ہے۔

سنت طریقہ: یہ ہے کہ کھانے سے پہلے ہاتھ دھوئے جائیں اور انہیں تولیے یا رومال وغیرہ سے پونچھنا نہ جائے اور کھانے سے فارغ ہونے کے بعد پہلے انگلیوں کو چاٹنا جائے، اور پھر انہیں دھو کر تولیہ وغیرہ سے صاف کر لیا جائے، صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو اپنے ہاتھ (تولیہ وغیرہ سے) صاف نہ کرے، یہاں تک کہ انہیں چاٹ لے (پھر انہیں صاف کر لے) فتح الباری باب لعق الاصابع وملها قبل ان تمسح بالبنديل ۹، ۲۰۔

بَابُ فِي تَرْكِ الْوُضُوءِ قَبْلَ الطَّعَامِ

باب ۴۰: کھانے سے پہلے وضو نہ کرنا

(۱۷۷۰) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ فَقَرَّبَ إِلَيْهِ طَعَامٌ فَقَالُوا أَلَا نَأْتِيكَ بِوُضُوءٍ قَالَ إِنَّمَا أُمِرْتُ بِالْوُضُوءِ إِذَا قُمْتُ إِلَى الصَّلَاةِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ بیت الخلاء سے باہر تشریف لائے آپ کے سامنے کھانا پیش کیا گیا لوگوں نے عرض کی کیا ہم آپ کے وضو کے لئے پانی نہ لے کر آئیں؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ مجھے وضو کرنے کا حکم اس وقت دیا گیا ہے، جب میں نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہوں۔

تشریح: الوضوء ”واو“ کے فتح کے ساتھ، وضو کا پانی۔ الوضوء ”واو“ کے پیش کے ساتھ، اس سے مراد وہ وضو ہے جو نماز سے پہلے کیا جاتا ہے۔ جسے اصطلاح میں ”شرعی وضو“ کہا جاتا ہے۔ الرغیف: روٹی۔ القصعة: بڑا پیالہ، یہاں سالن کا برتن مراد ہے۔

وضوء سے مراد کون سا وضوء ہے؟ اب اس بارے میں اختلاف ہے کہ روایت الا نأتیک بو وضوء سے کونسا وضوء مراد ہے مختلف احتمالات ہیں۔

① حضرت لنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ سوال وجواب میں وضوء سے مراد وضوء اصطلاحی ہے چونکہ حضور ﷺ نے اذا قمت الى الصلوة فرمایا اور صلوة کے وقت وضوء شرعی ہی مامور بہ ہے نہ کہ لغوی بمعنی نظافت اور اس بناء پر سوال کا منشاء یہ ہوگا کہ سائل کے ذہن میں یہ بات تھی۔ کہ آپ ﷺ ہر وقت با وضوء رہتے ہیں تو طہارت آپ ﷺ پر واجب ہے اور چونکہ آپ ﷺ بیت الخلاء سے تشریف لائے ہیں تو وضوء فرمائیں گے۔ اس لیے صحابہ رضی اللہ عنہم نے پانی کے حصول کی گزارش کی آپ ﷺ نے ان کے گمان کا رد اس مقولہ سے فرمایا کہ مجھے تو وضوء کا حکم نماز کے وقت دیا گیا ہے نہ کہ کھانے کے وقت یہ توجیہ اگرچہ حدیث کے معنی کے مناسب ہے مگر مصنف کے مقصد کے خلاف ہے کیونکہ مصنف نے وضوء لغوی کے مسئلہ کو ثابت کیا ہے لہذا بہتر یہ ہے کہ

دوسری توجیہ: کہ سائل نے گمان کیا تھا کہ ہاتھوں کا دھونا کھانے سے پہلے ضروری ہے اس لیے اس نے پانی لانے کو عرض کیا تو آپ ﷺ نے اس کے گمان کو اس طرح پر رد کیا کہ نماز کے وقت کے علاوہ میں وضوء شرعی اور لغوی دونوں کے وجوب کی نفی ہوگئی۔ پس آپ ﷺ کے بیان سے سائل کے گمان کا تخطیہ ہو گیا اور ساتھ ہی دوسرا فائدہ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ نماز کے وقت کے علاوہ میں وضوء واجب نہیں ہے۔

تیسری توجیہ: بعض حضرات نے تیسری توجیہ یہ کی ہے کہ سوال وجواب میں وضوء سے مراد وضوء عرفی ہے اور سائل کا گمان تھا کہ وضوء عرفی قبل الطعام واجب ہے تو آپ ﷺ نے بیان فرمایا کہ کھانے کے وقت وضوء عرفی واجب نہیں ہے اب جب آپ ﷺ نے پانی لانے کو منع فرمادیا تو اس سے معلوم ہوا کہ ﷺ نے کھانے کے لیے ہاتھ نہیں دھوئے۔ لہذا ترجمۃ الباب ثابت

ہو گیا۔ اور معلوم ہوا کہ غسل یدین قبل الطعام واجب نہیں بلکہ ترک جائز ہے وہو مقصود المصنف رحمہ اللہ۔
غسل یدین قبل الطعام کے بارے میں علماء کا اختلاف:

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے حاشیہ سنن میں اس مسئلہ کے بارے میں دو قول نقل کیے ہیں۔

(۱) قبل الطعام غسل یدین مستحب ہے اور دوسرا قول مستحب نہیں اور یہ دونوں قول حنابلہ وغیرہ کے مذہب میں ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتاب میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وہ اپنی روایت ذکر کی ہے۔ جس میں تبرز ثم خرج فطعم ولحم یمس ماء یعنی آپ ﷺ بیت الخلاء سے تشریف لائے اور کھانا کھایا اور پانی کو استعمال نہیں کیا۔ چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس حدیث پر ترک غسل یدین قبل الطعام کا عنوان قائم کیا ہے معلوم ہوا کہ شافعیہ کے یہاں بھی ہاتھوں کا دھونا کھانا کھانے سے پہلے مستحب نہیں ہے۔

قال علی بن المدینی.... الخ یعنی سفیان ثوری رحمہ اللہ کے بارے میں یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ وہ قبل الطعام ہاتھ دھونے کو مکروہ سمجھتے تھے اور اس کی وجہ ان سے یہ منقول ہے کہ یہ عجمیوں کی عادات میں سے ہے اسی طرح وہ پیالی کے نیچے روٹی رکھنے کو بھی مکروہ سمجھتے تھے کہ یہ روٹی کے آداب کے خلاف ہے مگر ظاہر ہے کہ ادب کا مدار تو عرف پر ہے ہمارے دیار میں عرفا روٹی پر سالن کی پیالی رکھنا معیوب شمار نہیں ہوتا۔ فلا باس بہ

هذا حدیث حسن اخرجه مسلم ابو داؤد والنسائی. وقد رواه عمر و بن دینار... الخ مصنف رحمہ اللہ اس عبارت سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ جس طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس روایت کو ابن ابی مالکیہ نے نقل کیا ہے اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سعید بن حویرث رحمہ اللہ نے بھی نقل کیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّسْمِيَةِ فِي الطَّعَامِ

باب ۴۱: کھانے (کے آغاز) میں بسم اللہ پڑھنا

(۱۷۷۱) بَعَثَنِي بَنُو مُرَّةَ بْنِ عَبِيدٍ بِصَدَقَاتٍ أَمَوَ إِلَهُمُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَدِمْتُ عَلَيْهِ الْمَدِينَةَ فَوَجَدْتُهُ جَالِسًا بَيْنَ الْبُهَاجِرَيْنِ وَالْأَنْصَارِ قَالَ ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِي فَأَنْطَلَقَ بِي إِلَى بَيْتٍ أَمْرٍ سَلَمَةٍ فَقَالَ هَلْ مِنْ طَعَامٍ فَأَتَيْنَا بِحَفْنَةٍ كَثِيرَةٍ التَّرِيدِ وَالْوَذْرِ فَأَقْبَلْنَا نَأْكُلُ مِنْهَا فَخَبَطْتُ بِيَدِي فِي تَوَاجِيحِهَا وَأَكَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ فَقَبَضَ بِيَدِهِ الْيُسْرَى عَلَى يَدِي الْيُمْنَى ثُمَّ قَالَ يَا عِكرَ اشْكُلْ مِنْ مَوْضِعٍ وَاحِدٍ فَإِنَّهُ طَعَامٌ وَاحِدٌ ثُمَّ أَتَيْنَا بِطَبَقٍ فِيهِ أَلْوَانُ الشَّمْرِ أَوِ الرُّطْبِ شَكَ عُبَيْدُ اللَّهِ فَجَعَلْتُ أَكُلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْ وَجَالَتْ يَدُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي الطَّبَقِ قَالَ يَا عِكرَ اشْكُلْ مِنْ حَيْثُ شِئْتَ فَإِنَّهُ غَيْرُ لَوْنٍ وَاحِدٍ ثُمَّ أَتَيْنَا بِمَاءٍ فَغَسَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَدَيْهِ وَمَسَحَ بِبَلَلِ كَفِّهِ وَجْهَهُ وَذَرَا عَيْنَهُ وَرَأْسَهُ وَقَالَ يَا عِكرَ اشْكُلْ هَذَا الْوُضُوءُ مِمَّا غَيَّرَ النَّارُ.

ترجمہ: عکراش بن زویب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، بنو مرہ بن عبید نے اپنے اموال کی زکوٰۃ کے ہمراہ مجھے نبی اکرم ﷺ کی خدمت

میں بھیجا میں مدینہ منورہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ کو مہاجرین اور انصار کے درمیان بیٹھے ہوئے پایا پھر آپ نے میرا ہاتھ تھاما اور مجھے لے کر سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں چلے گئے آپ نے دریافت کیا۔ کچھ کھانے کے لئے ہے؟ تو ایک پیالہ لایا گیا جس میں بہت زیادہ ٹرید۔

(۱۷۷۲) قَالَ قَرَأْتُ فِي التَّوْرَةِ أَنَّ بَرَكَهَ الطَّعَامِ الْوُضُوءُ بَعْدَهُ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ وَأَخْبَرْتُهُ بِمَا قَرَأْتُ فِي التَّوْرَةِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بَرَكَهَ الطَّعَامِ الْوُضُوءُ قَبْلَهُ وَالْوُضُوءُ بَعْدَهُ.

ترجمہ: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میں نے تورات میں یہ بات پڑھی تھی کہ کھانے سے پہلے وضو کرنے سے کھانے میں برکت ہوتی ہے میں نے اس بات کا تذکرہ نبی اکرم ﷺ سے کیا اور آپ کو بتایا۔ میں نے تورات میں جو پڑھا ہے، تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ کھانے سے پہلے اور بعد میں وضو کرنے (یعنی ہاتھ دھونے) سے کھانے میں برکت ہوتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَكْلِ الدُّبَاءِ

یہ باب کدو کھانے کے بارے میں ہے

(۱۷۷۳) رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَتَتَبَعُ فِي الصَّخْفَةِ يَغْنِي الدُّبَاءُ فَلَا أَزَالُ أُحِبُّهُ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ برتن میں تلاش کر رہے تھے یعنی کدو تلاش کر رہے تھے، تو میں بھی اسے پسند کرتا ہوں۔

تشریح: دو حدیثوں میں تعارض اور تطبیق؟ پلیٹ سے کدو تلاش کرنے کے اگر دوسرے معنی مراد لیے جائیں تو دو حدیثوں میں تعارض سا ہو جاتا ہے۔

وہ اس طرح کہ ”کل“ ہمایلک (اپنے قریب سے کھاؤ) والی روایت کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی کو اپنے سامنے سے کھانا چاہئے ادھر ادھر سے نہیں، اور باب کی دوسری روایت میں ہے کہ آپ پلیٹ سے کدو تلاش کر رہے تھے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آدمی اپنے سامنے کے علاوہ دوسری اطراف سے بھی کھا سکتا ہے۔

تطبیق اول امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پلیٹ میں ہاتھ گھمانے کی ممانعت اس وقت ہے جب ساتھ کھانے والوں کو آدمی کا ادھر ادھر ہاتھ گھمانا گوار ہو اور اسے وہ اچھا نہ سمجھتے ہوں، ایسی صورت میں آدمی کو اپنے سامنے سے ہی کھانا چاہئے، ادھر ادھر ہاتھ نہیں گھمانا چاہئے۔ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ کھانے والے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم چونکہ آپ ﷺ کے ہاتھ گھمانے کو ناگوار نہیں سمجھتے تھے بلکہ وہ تو اس اپنے لیے بجا طور پر برکت اور سعادت کا ذریعہ سمجھتے تھے یہ تو ان کی نظر میں انتہائی معمولی بات تھی۔ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ان کے عشق و محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ کے تھوک اور ناک کی رینٹ سے وہ برکت حاصل کرتے کہ انہیں اپنے چہروں پر مل لیتے بعض نے اپنے عشق کو یوں تسکین دی کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کا پیشاب پی گئے، اور بعضوں کی محبت اس انتہاء پر پہنچ چکی تھی کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کا خون تک پی لیا جن لوگوں کے پاس آپ ﷺ کے ساتھ عشق و محبت کے یہ کرشمے ہوں، وہ آپ ﷺ کے

پلیٹ میں ہاتھ کا ادھر ادھر گھمانے کو کیسے ناگوار سمجھ سکتے ہیں۔ (فتح البخاری، کتاب الاطعمة باب من تتبع حوالی القصعة مع صاحبه اذا لم يعرف منه كراهية)

تطبیق ثانی: کہ اس تعارض کا جواب نبی ﷺ نے ایک اور حدیث میں بیان فرمادیا ہے جسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے چار ابواب کے بعد باب ماجاء فی التسمیة علی الطعام میں عکراش بن ذؤیب سے روایت کیا ہے جس میں ہے کہ حضرت عکراش حضور ﷺ سے ساتھ کھانا کھا رہے تھے اور پلیٹ میں ہاتھ ادھر ادھر گھما رہے تھے تو آپ ﷺ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اے عکراش ایک جگہ سے کھاؤ، کیونکہ یہ ایک ہی قسم کا کھانا ہے، اسی دوران ایک بڑی ٹرے لائی گئی، جس میں مختلف قسم کی کھجوریں تھیں، تو حضرت عکراش سابقہ ہدایت کے مطابق صرف اپنے سامنے سے کھانے لگے، جبکہ حضور اکرم ﷺ اس ٹرے میں ہاتھ گھما کر کھانا تناول فرما رہے تھے یہ منظر دیکھ کر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اے عکراش! اب تم جس طرف سے چاہو کھا سکتے ہو، صرف اپنے سامنے سے ہی کھانا ضروری نہیں ہے، کیونکہ یہ کھجوریں مختلف قسم کی ہیں۔ ایسے میں ہاتھ ادھر ادھر سے گھما کر کھانے میں کوئی حرج نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ پیالے یا پلیٹ میں ہاتھ گھمانے کی ممانعت اس وقت ہے جب ایک قسم کا کھانا ہو، لیکن اگر کھانے مختلف قسم کے ہوں تو پھر ہاتھ ادھر ادھر گھمانے میں کوئی حرج نہیں، اس باب کی دوسری روایت گو یہاں مختصر ہے، مگر اس سے یہی دوسری صورت مراد ہے کہ پیالے میں شوربہ، کدو اور گوشت تین مختلف چیزیں تھیں، آپ گوشت کو چھوڑ کر اپنی پسند کے مطابق لوکی تلاش کر کے تناول فرماتے رہے۔ (۲) فتح البخاری کتاب الاطعمة، باب من تتبع حوالی القصعة ۶۵۵، ۹۔

آپ کو کدو کیوں پسند تھا؟ نبی کریم ﷺ کا کدو کو پسند کرنا شاید اس لیے ہو کہ لوکی کے مزاج میں ٹھنڈک ہے اور اہل عرب کا مزاج گرم ہے اس لیے حرارت کے لیے برودت کی ضرورت ہے تو آپ ﷺ نے اس کو پسند فرمایا۔

دوسری وجہ: یہ ہو سکتی ہے کہ اس کا حصول آسان ہے اور جلدی گل جاتی ہے نیز اس میں لذت اور ذائقہ بھی اچھا ہوتا ہے اور بعض اعضاء ربیہ کے لیے بھی نہایت مقوی ہے علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ روایت سے معلوم ہوا کہ لوکی کا کھانا افضل ہے کیونکہ آپ ﷺ نے اس کو پسند فرمایا نیز فرمایا ہر وہ چیز جس کو نبی ﷺ نے پسند فرمایا ہے اسے امت کو پسند کرنا چاہیے۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان باب صحیۃ المالیک ۵۲، ۲)

دباء کے اقسام مع خواص: دباء بالمد یہ شامل ہے۔ کدو کی تمام اقسام کو چونکہ روایت میں کسی قسم کی تخصیص نہیں ہے اور لفظ سب ہی کو شامل ہے۔ کدو کی کئی قسمیں ہیں:

(۱) لوکی دوسرے درجہ میں سرد تر ہے۔ خلط صالح پیدا کرتا ہے قلیل الغذاء ہے ملین شکم ہے، پیشاب آور ہے تپ صفراوی ودق کے لیے سودمند ہے۔ سددوں کو کھولتی ہے محرومین ناقہمین کے لیے بہترین غذا ہے۔

(۲) گول کدو دوسرے درجہ میں سرد تر ہے قلیل الغذاء ملین شکم ہے مولد خلط غلیظ ہے گوشت کے ہمراہ نہایت لذیذ ہوتا ہے اس کا حلوہ نہایت مقوی باہ ہے اس کے پھولوں کا ضاد پھوڑے پھنسی کے لیے مفید ہے

(۳) پیٹھا دوسرے درجہ میں سرد تر ہے مفرح قلب ہے دماغ مولد خلط صالح مسکن برائے حرارت معدہ و جگر قلب بدن کو فریہ کرتا ہے۔ تپ ودق، سل خفقان کو سودمند ہے اس کا مربی مقوی دماغ ہے نیز مسکن برائے حرارت اور مفرح قلب بھی ہے۔

(۴) کدوئے تلخ بہت گرم اور خشک ہے سمیت سے خالی نہیں تھوڑی مقدار بھی قوی ہے اس کی جڑ گرم اور خشک ہے اس کا طلاء وضاد محلل اور ام داو جاع سرد ہے کڑوے سوکھے کدو کا گودا یرقان زرد کے لیے سعوطا مفید ہے (مخزن المفردات) البتہ علماء نے فرمایا کہ حدیث میں دباء سے مراد لوکی ہے،

یَا لَكَ شَجَرَةٌ مَا أَحْبَبَكَ إِلَى..... کی ترکیب نحوی: یَا لَكَ شَجَرَةٌ مَا أَحْبَبَكَ إِلَى لِحَبِّ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ. ”یا“ حرف نداء بمعنی ادعوا فعل، ”انا“ ضمیر فاعل ”لک“ لام جار ”ک“ ضمیر ممیز ”شجرۃ“ تمیز ممیز مل کر لام کا مجرور، جار مجرور متعلق ادعوا فعل کے جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر نداء ہوا۔ ”ما“ مبتداء، احبک ”احب فعل ہو ضمیر فاعل“ ک ضمیر مفعول بہ ”الی“ جار مجرور متعلق اول ہوا احب فعل کے ”لحَبِّ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ“ لام جار حب مصدر مضاف ”رسول“ مضاف الیہ مضاف لفظ ”اللہ“ مضاف الیہ رسول مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مضاف الیہ فاعل ہوا ”حب“ مصدر کے لیے ”ایاک“ مصدر کے لیے مفعول بہ ہے حب مصدر اپنے مضاف الیہ فاعل اور مفعول بہ سے مل کر مجرور ہوا لام جار کے، جار مجرور مل کر متعلق ثانی ہوا ”احب“ فعل کے، جملہ ہو کر خبر ہوئی ”ما“ مبتداء کی، جملہ اسمیہ ہو کر جواب نداء (مَرْفُوعٌ) یہ جملہ معترضہ ہے۔ (تحفة الاحوذی، ابواب الطعمۃ، باب ما جاء فی اکل الدباء ۵، ۴۷۳)

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَكْلِ الزَّيْتِ

باب ۴۳: یہ باب روغن زیتون کھانے کے بارے میں

(۱۷۷۴) كُلُوا الزَّيْتِ وَادَّهِنُوا بِهِ فَإِنَّهُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ.

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ زیتون کا تیل کھاؤ اور اسے ملو کیونکہ یہ بابرکت درخت سے نکلتا ہے۔

(۱۷۷۵) كُلُوا الزَّيْتِ وَادَّهِنُوا بِهِ فَإِنَّهُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ.

ترجمہ: عبد اللہ بن عیسیٰ شام سے تعلق رکھنے والے ایک شخص عطاء کے حوالے سے، حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ زیتون کا تیل کھاؤ اور اسے (جسم پر) ملو کیونکہ یہ بابرکت درخت سے نکلتا ہے۔
زیتون کی فضیلت اور اس کے خواص:

الزیت: اس کے معنی روغن زیتون کا پیڑ ہزار سال تک رہتا ہے اس کو قرآن مجید اور احادیث میں شجرہ مبارکہ کہا گیا ہے۔ کیونکہ یہ کثیر منافع رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسی زمین میں پیدا فرمایا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے عالم کے لیے برکت رکھی ہے یعنی ملک شام کیونکہ وہاں بڑے بڑے انبیاء علیہم السلام مثلاً ابراہیم علیہ السلام جیسے حضرات مبعوث ہوئے ہیں اور انہوں نے اس پیڑ سے استفادہ کیا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا زیتون میں بہت منافع ہیں اس کے تیل کو چراغوں میں جلایا جاتا ہے اور یہ سالن کے قائم مقام ہے نیز اس کا تیل بدن پر ملا جاتا ہے دباغت کے کام میں بھی اس کو لایا جاتا ہے اس کی لکڑیاں اور چھیلن بھی جلانے جاتے ہیں زیتون میں کوئی

ایسی چیز نہیں جو کار آمد نہ ہو حتیٰ کہ اس کی راکھ سے آبریشم کو دھویا جاتا ہے یہ ایسا پیڑ ہے جو دنیا میں سب سے پہلے اگایا گیا ہے نیز طوفان نوح علیہ السلام کے بعد دنیا میں سب سے پہلے یہ پیڑ وجود میں آیا ہے انبیاء علیہم السلام کے منازل اور مقدس زمینوں میں بکثرت یہ اگتا ہے۔ سترنبیوں نے اس کے لیے دعا فرمائی ہے حتیٰ کہ ابراہیم علیہ السلام اور نبی کریم ﷺ نے بھی اس کے لیے دعا فرمائی ہے چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللّٰهُمَّ بَارِكْ فِي الزَّيْتِ وَالزَّيْتُونِ، اس کے پھل کو بطور تفکّہ کھایا جاتا ہے یہ ایسا تیل ہے جس کے نکالنے کے لیے کسی مشین یا چرخی وغیرہ کی ضرورت نہیں خود بخود اس کے پھل سے نکل آتا ہے۔

كلو الزيت وادهنوا به: روغن زیتون کے استعمال کی ترغیب دی؟ رسول ﷺ نے فرمایا کہ روغن زیتون کو کھاؤ اور بدن پر مالش بھی کرو کیونکہ یہ شجرہ مبارکہ سے ہے بابرکت ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت نفیس تیل ہے۔ بدن میں قوت اور خوشبو پیدا کرتا ہے۔ نیز اس سے بدن میں چکنائٹ پیدا ہوتی ہے اور بہت سی بیماریوں کے لیے شافی ہے۔ زیتون بدن میں گرمی پیدا کرتا ہے پیشاب لاتا ہے پتھری کو توڑ کر نکالنے والا ہے مسوڑھوں کے لیے مقوی ہے اور دوسرے اعضاء کے لیے بھی مقوی پسینہ جاری کرتا جو بدن کے لیے مفید ہے۔

هذا حديث الخ: أخرجه ابن ماجه. وكان عبد الرزاق... الخ. امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اضطراب فی السند ہے کیونکہ عبد الرزاق رحمہ اللہ اس روایت کو کبھی مرفوعاً ذکر کرتے ہیں اور کبھی مرسل روایت کرتے ہیں۔ اور کبھی شک اور گمان کے ساتھ کہ میرا گمان ہے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے روایت نقل کی ہے۔ ”علم اصول حدیث“ کی اصطلاح میں اسے ”اضطراب فی السند“ (سند میں اضطراب) کہا جاتا ہے، یہ عموماً حافظہ کی کمزوری کی وجہ سے ہوتا ہے، اس کی وجہ سے حدیث ناقابل استدلال ہو جاتی ہے لیکن اگر اضطراب کی وجہ اور علت ختم ہو جائے تو پھر وہ حدیث قابل استدلال ہو جاتی ہے۔ تیسیر مصطلح الحدیث، بحث: المضطرب، ص: ۱۱۱۔ امام حاکم نے ترمذی رحمہ اللہ کے اس کلام کو نقل فرمانے کے بعد فرمایا: صحیح علی شرط الشیخین۔ جس سے معلوم ہوا کہ اس روایت سے استدلال کیا جاسکتا ہے: (تحفة الاحوذی، ابواب الاطعمۃ، باب ماجاء فی اکل الزیت ۵، ۷، ۵، ۷)۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْأَكْلِ مَعَ الْمَمْلُوكِ

باب ۴۵: غلام (اور خادم) کے ساتھ کھانے کے بارے میں

(۱۷۷۷) أَفْشُوا السَّلَامَ وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَاصْرِبُوا إِلَهُامَ تَوَرُّثُوا الْجَنَانَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں۔ اسلام پھیلاؤ، کھانا کھلاؤ، کفار کو قتل کرو اور جنت کے وارث بن جاؤ۔

(۱۷۷۸) أَعْبُدُوا الرَّحْمَنَ وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَأَفْشُوا السَّلَامَ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ رحمن کی عبادت کرو، کھانا کھلاؤ، سلام پھیلاؤ اور جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔

اخلاق حسنہ کی ترغیب:

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے معاشرت سے متعلق ایک حکم دیا ہے کہ جب کسی کا خادم اس کا کھانا تیار کرے تو مالک کو چاہیے کہ اسے بھی اپنے ساتھ بٹھا کر کھانے میں شریک کرے کیونکہ اس نے کھانا پکاتے وقت اس کی گرمی، دھواں اور ہر قسم کی مشقت اور تھکاوٹ برداشت کی ہے تو یہ مناسب نہیں کہ انسان اسے نظر انداز کر دے، اس لیے خادم کو اپنے ساتھ کھانے میں شریک کرنا چاہئے لیکن اسے اگر ساتھ کھانا کسی مصلحت کے خلاف ہو یا کھانا ہی کم ہے تو کم از کم اسے ایک دو لقمے ہی دیدیے جائیں تاکہ اس کی کچھ نہ کچھ تو دلجوئی ہو جائے کہ طبخ کے معنی میں حامل طعام بھی ہے۔ کیونکہ اس کا قلب بھی کھانے سے متعلق ہو جاتا ہے۔ جب طبخ اور کھانا لانے والے کو اس میں سے کچھ دیدیے گا تو اس کے نفس کو سکون ہوگا۔ اس کی نظر بد سے محفوظ ہو جائے گا۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اخلاق حسنہ کی ترغیب ہے اور اس خادم کے ساتھ کھانے میں برابری اور مواساتہ کا حکم ہے جس نے اسے تیار کرنے اور اٹھا کر لانے کی مشقت برداشت کی ہے۔ یہ حدیث ان لوگوں کے لیے درس عبرت ہے جو اپنے ملازمین کے ساتھ انتہائی برا سلوک کرتے ہیں ہر وقت ڈانٹ ڈپٹ اور سختی کا برتاؤ کرتے ہیں ان کے کھانے پینے اور ضروریات کا انہیں دھیان نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض حضرات تو ان کے ساتھ کھانا کھانے کو ہتک اور توہین سمجھتے ہیں یہ سب غیر اسلامی طریقے ہیں سنت یہ ہے کہ اپنے ملازمین کے لیے وہی کچھ پسند کیا جائے جو اپنے لیے انسان پسند کرتا ہے اس لیے بے رخی کا انداز کسی بھی لحاظ سے صحیح نہیں ہے۔ ”فان ابی“ یہ فعل ہے، اس کا فاعل کیا ہے؟ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”ابی“ کے ضمیر کے مرجع میں دو احتمال ہیں:

(۱) یا تو اس ضمیر کا مرجع مالک ہے، معنی یہ ہوں گے کہ اگر مالک خادم کو اپنے ساتھ کھانا نہ چاہے، ناگواری محسوس کرے تو کم از کم اسے کھانے کے ایک دو لقمے دیدیے، اس کی تائید حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے ہوتی ہے، جسے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے۔

(۲) یا اس ضمیر سے مراد خادم ہے کہ اگر خادم مالک کے ساتھ بیٹھ کر کھانے کے لیے تیار نہ ہو تو بھی اسے اپنے ساتھ بٹھائیں اور کم از کم ایک دو لقمے ہی کھلا دیں۔ (فتح الباری، کتاب الاطعمۃ، باب الاکل مع الخادم، ۷۲۶، ۹)

مسلم شریف کی روایت میں ہے: فان كان الطعام مشفوها قليلا فليضع في يده منه اكلة او اكلتين۔ یعنی خادم کو ساتھ بٹھا کر کھلایا جائے لیکن اگر کھانا کم اور کھانے والے زیادہ ہوں تو پھر خادم کے ہاتھ میں ایک دو لقمے ہی دے دیئے جائیں۔

اعتراض: یہ ہے کہ ایک روایت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: اطعموهم مما تطعمون... الخ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آقا کو خادم کے ساتھ مطاعم وملابس میں برابری کرنی چاہیے جو خود کھائے اور پہنے وہ خادم کو کھلائے اور پہنائے۔ اور اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آقا کو اختیار ہے چاہے اپنے ساتھ بٹھا کر کھلائے یا چھوڑ دے؟

جواب: حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ساتھ بٹھا کر کھلانے کا حکم نہیں ہے بلکہ اس میں تو آقا کو ترغیب دی گئی ہے کہ خادم کو ہر چیز میں شریک رکھے۔ ہاں البتہ کھانا زیادہ افضل ہے نیز آقا کو شرعاً یہ اختیار ساتھ حاصل ہے کہ خود اچھا کھالے اور غلام کو کچھ گھنیا دے دے کیونکہ اہل علم نے اس پر اجماع کیا ہے کہ خادم کو ایسا کھانا کھانا آقا کے ذمہ واجب ہے جو عام طور پر اس شہر میں کھایا جاتا ہو۔ حکى الاجماع عليه ابن المنذر رحمہ اللہ۔

هذا حديث حسن صحيح: أخرجه الشيخان وأبو داود وابن ماجه. اسماعيل بن ابي خالد الحمصي ثقة ثبت طبقه رابعه راوى ہے ابى ان كنىت ابو خالد الجبلى الحمصى ہے ابو خالد والد اسماعيل اسمہ سعد۔ ان کا نام امام ترمذی رحمہ اللہ نے سعد بیان کیا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان کا نام ہرمز ہے اور بعض نے کثیر بتایا ہے مقبول راوی ہیں۔

بَاب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ اطْعَامِ الطَّعَامِ

باب ۴۶: کھانا کھلانے کی فضیلت کے بارے میں

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ أَفْشُوا السَّلَامَ وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَاصْرَبُوا الْهَامَ تُورَثُوا الْجَنَّةَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا سلام کو پھیلاؤ، لوگوں کو کھانا کھلاؤ اور کافروں کو قتل کرو۔ (یعنی جہاد کرو) اس طرح تم لوگ جنت کے وارث ہو جاؤ گے۔

تشریح: افشوا السلام: نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں چند امور بیان فرمائے ہیں افشوا السلام سلام کو پھیلاؤ۔ فطرت سلیم کا تقاضا یہ ہے کہ جب انسان ایک دوسرے سے ملاقات کرے تو خندہ پیشانی اور تواضع سے پیش آئے اور ایک دوسرے سے محبت کا اظہار کرے اس لیے کہ سب سے بہترین لفظ سلام کرنا ہے جس کی تعلیم نبی کریم ﷺ نے اپنے اس جملہ میں فرمائی ہے چنانچہ آپ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو سب سے پہلے آپ ﷺ نے جو تقریر فرمائی وہ یہی تھی کہ اے لوگو سلام کو پھیلاؤ کیونکہ یہ بہترین دعا ہے کہ السلام علیکم کے معنی ہیں تم پر سلامتی ہو اور وعلیکم السلام کے معنی بھی یہی ہیں ظاہر ہے کہ سلامتی سے بڑھ کر کیا نعت ہو سکتی ہے۔

سلام کی فضیلت: سلام کی مشروعیت ابتداء اسلام ہی سے ہے، تاکہ مسلمان اور کافر میں تمیز رہے نبی ﷺ نے اس کے بارے میں بہت تاکید فرمائی ہے۔ مسلم میں ایک روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم جب تک ایمان نہیں لاؤ گے جنت میں داخل نہیں ہو سکتے اور اس وقت تک تمہارا ایمان کامل نہیں ہوگا جب تک تم آپس میں محبت نہیں کرو گے۔ کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتاؤں کہ جن تم اس کو کرلو تو تم میں محبت پیدا ہو جائے اور وہ یہ ہے کہ سلام کو آپس میں پھیلاؤ۔

سلام کا حکم: سلام کی ابتداء کرنا سنت ہے اور اس کا جواب دینا فرض کفایہ ہے اسی پر اجماع ہے نیز اتنی آواز سے سلام کرنا کہ دوسرے سن لیں مستحب ہے، اور اتنی زور سے جواب دینا کہ سلام کرنے والا سن لے واجب ہے اگر سلام کرنے والے نے جواب نہیں سنا تو فرض ساقط نہیں ہوا، سلام کا جواب فوراً دینا واجب ہے، بلا عذر تاخیر مکروہ ہے جس طرح اول ملاقات کے وقت سلام کرنا سنت ہے اسی طرح رخصت ہوتے وقت اور مجلس سے اٹھتے وقت بھی سلام کرنا سنت ہے۔

سلام کا طریقہ مسنون: سلام کرنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ کہے السلام علیکم اور جواب دینے والا وعلیکم السلام کہے یہ ادنیٰ درجہ ہے۔ عالمگیری میں محیط سے نقل کیا ہے کہ افضل سلام کرنے والے کے لیے السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ کہتا ہے۔ ایسے ہی جواب میں وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ کہنا افضل ہے برکات پر مزید اضافہ نہ کیا جائے چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ہر ایک چیز کی انتہاء ہے سلام کی انتہاء برکاتہ پر ہے شامی، تاتارخانیہ وغیرہ میں بھی یہی نقل کیا گیا ہے،

عروہ اور سلمان بنی النخعہ فارسی سے بھی اسی طرح منقول ہے بلکہ مسند احمد میں تو مروفا سلمان فارسی بنی النخعہ سے ایسا ہی نقل کیا گیا ہے۔ بہر حال لفظ رحمۃ اللہ وبرکاتہ کہنے سے زائد ثواب ملتا ہے جیسا کہ روایت میں ہے کہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ہے کہنے والے کو تیس نیکیاں ملتی ہیں۔ آخر جہ الترمذی و ابو دوؤد و عن عمران بن حصین۔ چنانچہ بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آپ ﷺ سے ایک آدمی نے سوال کیا کہ ای الانسلام خیر تو فرمایا اطعموا الطعام و تقرءوا السلام علی من عرفتم و من لم یعرف۔ نیز ہر شخص کو سلام یہ تو اضع کی علامت ہے بخل اور کبر سے دوری ہے پھر سلام میں سبقت کرنا زیادہ بہتر ہے جیسا کہ ابو امامہ بنی النخعہ کی روایت احمد ترمذی ابو داؤد نے نقل کی عن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ان اولی الناس باللہ من بداء بالسلام۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے زیادہ قریب رحمت و مغفرت کے لحاظ سے وہ شخص ہے جو پہلے سلام کرے سلام میں پہل کرنا تو اضع پر دال ہے۔

عمر فاروق بنی النخعہ فرماتے ہیں کہ تین چیزیں ایسی ہیں جن سے آپس میں محبت اور خلوص پیدا ہوتا ہے ایک پہلے سلام کرنا، دوسرے ہر شخص کو ایسے نام سے پکارنا جس کو وہ پسند کرتا ہے، تیسرے مجلس میں جگہ دینا جب وہ تمہارے پاس آئے اس بارے میں اختلاف ہے کہ ثواب کس کا زیادہ ہے سلام کرنے والے کو زیادہ ملتا ہے یا جواب دینے والے کو؟ دونوں ہی قول ہیں راجح یہ ہے کہ سلام کرنے والے کو زیادہ ملتا ہے کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا: للبادی من الثواب عشرۃ و للراد واحد۔ یعنی ابتداء کرنے والے کو دس حصے اور جواب دینے والے کو ایک نیز فرمایا: البادی بالسلام بری من الکبر۔ یعنی سلام کی ابتداء کرنے والا تکبر سے پاک ہے۔

اطعموا الطعام: کھانا کھلانے کی فضیلت: آپ ﷺ نے اس جملہ میں کھانے کی ترغیب دی ہے۔ اس سے مراد قدر واجب ہے۔ زائد ضیافت، ہدیہ صدقہ سب اس میں داخل ہیں اور مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو کھانا کھلاؤ ہر شخص کو کھانا کھلانا، انسان کی سخاوت اور کرم کی نشانی ہے اور آخرت کے لحاظ سے بھی دخول جنت کا ذریعہ ہے اور اگر ضرورت مندوں کو کھانا نہ کھلایا گیا تو اندیشہ ہے کہ کہیں جہنم میں نہ جانا پڑے چونکہ قرآن کریم میں منقول ہے: ﴿مَا سَأَلَکُمْ فِی سَقَرٍ ۖ قَالُوا لَمْ نَکُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ ۝۵۰ وَ لَمْ نَکُ نُطْعِمُ الْمُسْکِیْنَ ۝۵۱﴾ (الذکر) یعنی جب جہنم والوں سے پوچھا جائے گا کہ کس چیز نے تم جہنم میں داخل کیا تو انہوں نے جوابا کہا کہ ہم نماز پڑھنے والوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے تھے اور مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے معلوم ہوا کہ کھانا نہ کھلانا جہنم میں داخلہ کا سبب بنا ہے۔ لہذا ضیافت اور مہمان نوازی میں انسانوں کو کوتاہی نہیں کرنی چاہیے بلکہ حتی المقدور حسب مراتب مہمانوں اور دوسرے لوگوں کو کھانا کھلانا چاہیے۔

واضربوا الہام: یعنی کفار کے ساتھ جہاد کرتے رہو کہ ان کی کھوپڑیوں کو پھوڑ دو چنانچہ ضرورت پڑنے پر جہاد فرض ہے اور اہل سنت والجماعت اس بات کے قائل ہیں کہ جہاد قیامت تک جاری رہے گا تا کہ اللہ کا حکم بلند ہو اور کفار دنیا سے مٹیں اور شعائر اسلام کا بول بالا ہو، تورثوا الجنان، وارث بنائے جاؤ گے تم جنت کے یعنی تم ان افعال کو کر لو گے گویا جنت مثل وراثت مضبوط قبضہ کے ساتھ تم کو حاصل ہو جائے گی جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے متقین سے فرمایا ہے۔

مسلمان پر چھ حقوق: آپ ﷺ سے ایک روایت منقول ہے کہ مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں: (۱) جب بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے۔ (۲) جب وہ مرجائے تو اس کی نماز جنازہ میں حاضر ہو۔ (۳) جب دعوت کرے تو اس کو قبول کرے بشرطیکہ کوئی

مانع نہ ہو۔ (۴) جس وقت اس سے ملے تو سلام کرے۔ (۵) جب وہ چھینکے تو الحمد للہ کہے تو اس کا جواب دے یعنی یرحمک اللہ کہے (۶) اس کے سامنے اور پیچھے خیر خواہی کرے۔ سلام کرنے کے بارے میں آپ ﷺ نے یہ بھی ہدایت فرمائی ہے کہ جس کو سلام کرے اس کا جاننے والا ہونا ضروری نہیں۔

بَاب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْعِشَاءِ

باب: رات کے کھانے کی فضیلت کے بارے میں

(۱۷۷۹) تَعَشُّوْا وَلَوْ بِكَفٍّ مِنْ حَشَفٍ فَإِنَّ تَرْكَ الْعِشَاءِ مَهْرَمَةٌ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ رات کا کھانا کھا لو خواہ مٹھی بھر کھجوریں ہوں کیونکہ رات کا کھانا نہ کھانے سے بڑھاپا (جلد ہی آجاتا) ہے
تشریح: عشاء بفتح العین بروزن ساء شام کا کھانا تعشوا شام کا کھانا کھاؤ، حشف بفتح حثین، ردی کھجور یا ایسی کمزور جس میں کوئی گٹھلی نہ ہو یا ایسی خشک کھجور جو خراب ہو، مہمرۃ یعنی بوڑھاپے کا مظنہ ہے اور منادی نے کہا لفتح المیم والرا یعنی ضعف اور بوڑھاپے کا لانے والا ہے۔

رات کے کھانا کھانے کی فضیلت:

حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ شام کا کھانا ضرور کھائے اگر کوئی شام کے کھانے کو ترک کر دے تو اس کو بوڑھاپا جلد ہی آجاتا ہے کیونکہ جب معدہ خالی ہونے کی حالت میں سوئے گا تو اس سے رطوبات اصلیہ تحلیل ہو جائے گی جو قوت ہضم کے لیے ہوتی ہیں جب قوت ہضم کمزور ہو جائے گی تو پھر انسان کے سارے قوی کمزور ہو کر جلدی بوڑھاپا اس پر طاری ہو جائے گا جس طرح مشین بغیر تیل ڈالے چلائی جائے تو ظاہر ہے کہ جلد ہی گھس کر فنا ہو جاتی ہے اگر تیل ڈال کر چلائی جائے تو اس کی عمر بڑھ جاتی ہے اسی طرح جسم ہے۔ علامہ قنبری کہتے ہیں شام کے کھانے کو چھوڑنا بوڑھاپا لاتا ہے معلوم نہیں آیا اول یہ بات آپ نے فرمائی ہے یا آپ سے پہلے بھی یہ بات مشہور تھی بہر حال روایت سے یہ معلوم ہوا کہ شام کو کچھ نہ کچھ کھا لینا چاہیے خواہ ایک انڈا ہی کیوں نہ ہو اہل طب کے یہاں یہ کلیہ بھی مصرح ہے جیسا کہ کتب طب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي التَّسْمِيَةِ عَلَى الطَّعَامِ

باب ۷۴: کھانا کھانے پر بسم اللہ پڑھنے کے بارے میں

(۱۷۸۰) أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَعِنْدَهُ طَعَامٌ قَالَ أَدْنُ يَا بُنَيَّ وَسَمِّ اللَّهَ وَكُلْ بِبَيْمِينِكَ وَكُلْ بِمَنَائِلِكَ.

ترجمہ: حضرت عمر بن ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس وقت آپ کے پاس کھانا موجود تھا آپ ﷺ نے فرمایا۔ اے میرے بیٹے! آگے آ جاؤ اللہ تعالیٰ کا نام لو اور دائیں ہاتھ سے کھانا شروع کرو اور اپنے آگے

سے کھانا شروع کرو۔

(۱۷۸۱) إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ طَعَامًا فَلْيَقُلْ بِسْمِ اللَّهِ فَإِنْ نَسِيَ فِي أَوَّلِهِ فَلْيَقُلْ بِسْمِ اللَّهِ فِي أَوَّلِهِ وَآخِرِهِ وَهَذَا الْإِسْنَادُ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ.

ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ جب کوئی شخص کچھ کھائے تو بسم اللہ پڑھ لے اگر وہ شروع میں پڑھنا بھول جائے، تو درمیان میں ”بسم اللہ فی اولہ و آخرہ“ (اس کے آغاز اور اس کے آخر میں اللہ تعالیٰ کے نام سے برکت حاصل کرتا ہوں) پڑھ لے۔

تسمیہ علی الطعام کا شرعی حکم:

کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھی جائے اس بارے میں اختلاف ہے بسم اللہ کھانے سے پہلے پڑھنا کیسا ہے؟

(۱) ظاہریہ اور بعض اصحاب حنابلہ وجوب کے قائل ہیں۔

(۲) امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سنت علی الکفایہ ہے پوری جماعت میں سے ایک نے بھی بسم اللہ پڑھ لی تو سب کی طرف سے کافی ہو جائے گی۔

(۳) جمہور علماء فرماتے ہیں کہ بسم اللہ کا پڑھنا مستحب ہے اور ہر ایک سے مطلوب ہے اسکی تائید ہوتی ہے اس واقعہ سے جس کو امام ابوداؤد ترمذی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ ایک گاؤں والے نے آ کر آپ ﷺ کے ساتھ بغیر بسم اللہ کے کھانا شروع کر دیا۔ اسی طرح ایک باندی کا بھی قصہ ہے۔ آپ ﷺ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ شیطان بھی اس کھانے میں شریک ہو گیا ہے کیونکہ اس کھانے پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا۔ معلوم ہوا کہ کسی ایک کا بسم اللہ پڑھنا کافی نہیں ہے ورنہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں نے کھاتے ہوئے بسم اللہ پڑھی ہی ہوگی۔ علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ روایت سے معلوم ہوا کہ کھانے کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے اور یہ متفق علیہ ہے۔ اسی طرح کھانے کے بعد الحمد للہ کا پڑھنا بھی مستحب ہے۔

حکم تسمیہ کھانے کے ساتھ خاص نہیں ہے: نیز استحباب تسمیہ کھانے ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ پینے کی چیزوں میں بھی بسم اللہ مستحب ہے چنانچہ علماء نے تصریح کی ہے دودھ، شہد، شوربا، دوا اور اسی طرح دیگر مشروبات میں بھی تسمیہ مستحب ہے بلکہ فرمایا کہ ہر امر ذی بال میں تسمیہ کا پڑھنا مستحب ہے چونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

كُلْ أَمْرٌ ذِي بَالٍ لَمْ يَبْدَأْ فِيهِ بِبِسْمِ اللَّهِ فَهُوَ اقْطَعْ.

اسی طرح علماء فرماتے ہیں کہ تسمیہ میں جبر بہتر ہے تاکہ دوسرے لوگوں کو بھی یاد آ جائے اور ان کو تنبیہ ہو نیز علماء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص بسم اللہ کو عمدًا یا نسیاناً کسی طرح بھی چھوڑ دے پھر کھانے کے درمیان یاد آ جائے تو اس کو چاہیے کہ بسم اللہ فی اولہ و آخرہ پڑھے چنانچہ امام ابوداؤد ترمذی نے بطریق اُم کلثوم، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً اس بارے میں روایت نقل کی ہے۔ تسمیہ کے بارے میں علامہ نووی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ افضل تو یہ ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم لیکن اگر بسم اللہ کہا تب بھی سنت ادا ہو جائے گی۔ مگر حافظ رحمہ اللہ نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ افضلیت پر کوئی دلیل نہیں۔

عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ کا تعارف:

ابو سلمہ کا نام عبد اللہ ہے عمران کے بیٹے ہیں ابو سلمہ کی جب وفات ہوئی ان کی اہلیہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی شادی حضور ﷺ کے ساتھ ہو گئی یوں وہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں شامل ہو گئی اور عمر حضور ﷺ کی پرورش میں آ گئے ابن عبد البر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ عمر کی ولادت ہجرت کے دوسرے سال حبشہ میں ہوئی۔

اور جب آپ ﷺ کا دنیا سے انتقال ہوا تو حضرت عمر کی عمر نو سال تھی پھر عبد الملک بن مروان کے عہد میں ۸۳ سال کی عمر میں انکی وفات ہوئی حضور ﷺ سے بہت سی روایات کو یاد کیا اور پھر ان سے بہت سے راویوں نے احادیث روایت کی ہیں۔

(عمدة القاری کتاب الاطعمة باب التسمية على الطعام، والاکل بالیمین ۲۱، ۲۹)

لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحیح قول کے مطابق ان کی ولادت ہجرت سے دو سال پہلے ہوئی ہے۔ واللہ اعلم (فتح الباری کتاب الاطعمة باب التسمية على الطعام ۹، ۶۵۱، کل بیسینک وکل ہما یلیک۔ اپنے سامنے سے کھانے کا حکم تیسرا حکم نبی کریم ﷺ نے یہ دیا ہے کہ اپنے آگے سے کھایا جائے پلیٹ میں ہاتھ ادھر ادھر نہ گھمایا جائے۔ (ما قبل میں ان اوامر کی تفصیلی بیان ہو چکی ہے)

وقال يا عكر اش هذا الوضوء مما غيبت النار: اس وضو سے نماز والال وضو مراد نہیں ہے بلکہ اس سے ہاتھ دھونا اور کلی کرنا مراد ہے اور یہ کھانے کے بعد مستحب اور مننون ہے عمدة القاری ۲۱، ۲۹۲۸۔

احادیث باب سے چند آداب کا ثبوت (۱) کھانے کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھنا۔ (۲) دائیں ہاتھ سے کھانا۔ (۳) اور اپنے سامنے سے کھانا، جبکہ کھانا ایک ہی قسم کا ہو اور جب مختلف قسم کے کھانے اور چیزیں ہوں تو پھر اپنے سامنے سے ہی کھانا ضروری نہیں ادھر ادھر بھی ہاتھ گھمایا جاسکتا ہے۔ (۴) بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کیا جائے تو اس میں برکت ہو جاتی ہے۔ (۵) ان کاموں سے اجتناب ضروری ہے جو شیطان اور کافروں کے مشابہ ہوں۔ (۶) جو شخص شرعی حکم کے خلاف کرے، اس کے لیے بدعا کا جواز، (۷) دوران طعام نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا جائز ہے۔ (۸) کھانے پینے کے آداب کی تعلیم مستحب ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْبَيْتُوتَةِ وَفِي يَدِهِ رِيحٌ عَمْرٍ

باب: رات گزارنے یعنی سونے کی کراہت کے بارے میں ہے جبکہ ہاتھ پر چکناہٹ ہو

(۱۷۸۲) إِنَّ الشَّيْطَانَ حَسَّاسٌ لِحَاسٍ فَاحْذَرُوهُ عَلَى أَنْفُسِكُمْ مَنْ بَاتَ وَفِي يَدِهِ رِيحٌ عَمْرٍ فَاصَابَهُ شَيْءٌ فَلَا يَلُومَنَّ إِلَّا نَفْسَهُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ شیطان بہت جلد محسوس کرتا ہے اور جلدی ادراک کر لیتا ہے، تو تم اپنا خیال رکھا کرو جو شخص رات بسر کرے، اور اس کے ہاتھ میں کوئی چکنائی موجود ہو، اور پھر اسے کوئی (کیڑا مکوڑا) کوئی نقصان پہنچا دے تو وہ صرف اپنے آپ کو نلامت کرے۔

(۱۷۸۳) مَنْ بَاتَ وَفِي يَدِهِ رِيحٌ غَمْرًا صَابَهُ شَيْءٌ فَلَا يَلُومَنَّ إِلَّا نَفْسَهُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ جو شخص رات بسر کرے، اور اس کے ہاتھ پر کچھ چکنائی موجود ہو، اور پھر اسے کوئی چیز کاٹ لے تو وہ صرف اپنے آپ کو ملامت کرے۔
تشریح: البیتوتہ، رات گزارنا، غمر چکناہٹ، چربی اور گوشت وغیرہ کی بو۔

کھانے کے بعد ہاتھ دھوئے بغیر سونا مکروہ ہے۔ کھانے کے بعد ہاتھ دھونا مستحب ہے تاکہ ہاتھوں پر لگی ہوئی چکنائی اور کھانے کی بوزائل ہو جائے اور جب سونے کا ارادہ ہو تو پھر اور اہتمام کے ساتھ ہاتھوں کو صابن وغیرہ سے دھو کر صاف کر لیا جائے کیونکہ اگر ہاتھوں پر چکنائی رہے تو یہ اندیشہ ہے کہ کوئی کیڑا اور موذی جانور یا کوئی جن انسان کو تکلیف پہنچائے اگر ایسا ہو جائے تو یہ اس کی غفلت اور کوتاہی کا نتیجہ ہوگا فلا یلو من الا نفسہ ایسے میں وہ اپنے آپ کو ہی ملامت کرے۔

اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ جو شخص ہاتھ دھوئے بغیر سو جائے تو وہ برص کی بیماری میں مبتلا ہو سکتا ہے طبرانی، نے ”اوسط“ میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اس حال میں رات گزارے کہ اس کے ہاتھ میں چکنائی لگی ہوئی ہو اور پھر اسے برص کی بیماری لگ جائے تو وہ اپنے ہی کو ملامت کرے۔

ان الشیطان حساس اس سے مراد یہ ہے کہ شیطان کی حس بہت تیز ہے اسے فوراً پتہ چل جاتا ہے کہ اس کے ہاتھ پر چکنائی ہے پھر اسے وہ چاٹتا ہے لہذا اس سے اپنے آپ کو بچاؤ اور ”فأصابہ شئی“ میں شئی سے مراد ہے ہر وہ چیز ہے جو نقصان دہ ہو خواہ وہ موذی جانور اور حشرات الارض ہوں یا جنات اور شیطان، ان تمام سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہاتھ دھوئے بغیر نہ سویا جائے۔ (تحفۃ الاحوذی)



أَبْوَابُ الْأَشْرِبَةِ

پینے کے بیان میں

ربط: ابواب الاشربة کی مناسبت ابواب الاطعمه سے بالکل ظاہر ہے اشربة شراب کی جمع ہے جس کے معنی پینے کی چیز کل مائع يشرب پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے مصنف رحمہ اللہ حسب سابق اشربة سے متعلق ابواب قائم فرما رہے ہیں جن میں مشروبات کے احکام حلال و حرام، جواز و کراہت وغیرہ کا بیان ہے۔



بَابُ مَا جَاءَ فِي شَرَابِ الْخَمْرِ

باب ۱: شراب خور کے (حکم اور وعید) کے بارے میں

(۱۷۸۴) كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ وَمَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فِي الدُّنْيَا فَمَاتَ وَهُوَ يُدْمِمُهَا لَمْ يَشْرَبْ بِهَا فِي الْآخِرَةِ.

ترجمہ: حضرت نافع رحمہ اللہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ بیان نقل کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ ہر نشہ دینے والی چیز خمر ہے اور ہر نشہ دینے والی چیز حرام ہے، جو شخص دنیا میں خمر پیئے گا، اور مر جائے گا جبکہ وہ اسے باقاعدگی کے ساتھ پیتا ہو، تو وہ اسے آخرت میں نہیں پی سکے گا۔

(۱۷۸۵) مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ لَمْ يَقْبَلِ اللَّهُ لَهُ صَلَاةً أَرْبَعِينَ صَبَاحًا فَإِنْ تَابَ تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِ فَإِنْ عَادَ لَمْ يَقْبَلِ اللَّهُ لَهُ صَلَاةً أَرْبَعِينَ صَبَاحًا فَإِنْ تَابَ تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِ فَإِنْ عَادَ الرَّابِعَةَ لَمْ يَقْبَلِ اللَّهُ لَهُ صَلَاةً أَرْبَعِينَ صَبَاحًا فَإِنْ تَابَ لَمْ يَنْتَبِ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَقَاهُ مِنْ نَهْرٍ الْخَبِثِ قِيلَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ وَمَا نَهْرُ الْخَبِثِ قَالَ نَهْرٌ مِنْ صَدِيدِ أَهْلِ النَّارِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ جو شخص شراب پی لے گا اس کی نماز چالیس

دن تک قبول نہیں ہوگی اگر وہ توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول کر لے گا اگر وہ دوبارہ پیئے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کی نماز کو چالیس دن تک قبول نہیں کرے گا اگر وہ پھر توبہ کر لے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول کر لے گا اگر وہ پھر پیئے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کی نماز کو قبول نہیں کرے گا اگر وہ توبہ کر لے گا، اور پھر اگر وہ چوتھی مرتبہ پیئے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کی نماز کو چالیس دن تک قبول نہیں کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول نہیں کرے گا، اور اسے نہر "خبال" میں سے پلائے گا۔

حرمت شراب اور آیات:

شراب کی حرمت سے متعلق قرآن مجید کی چار آیات بتدریج نازل ہوئی ہیں جس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔ کہ حضور اکرم ﷺ جب ہجرت کر کے مکہ منورہ تشریف لائے تو حضرت فاروق اعظم معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور چند انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شراب اور جوئے کی خرابیاں اور مفاسد ذکر کیے ان سے عقل میں بھی فتور آتا ہے مال بھی ضائع ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں آپ ﷺ کا کیا ارشاد ہے۔؟ اس کے جواب میں سورۃ بقرہ کی یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۖ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۚ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا ۚ﴾ (البقرہ: ۲۱۹)

"لوگ آپ سے شراب اور جوئے کا مسئلہ پوچھتے ہیں آپ فرما دیجیے ان دونوں میں بہت بڑا نفع ہے اور لوگوں کے ان میں (دُنیاوی) فائدے بھی ہیں لیکن ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت زیادہ ہے۔"

یہ پہلی آیت ہے جس میں شراب چھوڑنے صرف مشورہ دیا گیا ہے۔ اسے حرام قرار نہیں دیا گیا، یہ گویا حرمت شراب کی تمہید اور اس کا ابتدائی اقدام تھا۔ اس آیت کے نزول کے بعد بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس مشورے کو قبول کرتے ہوئے فوراً شراب چھوڑ دی جبکہ بعض صحابہ مفاسد سے کنارہ کش ہو کر اس کا استعمال کرتے رہے یہاں تک کہ ایک واقعہ پیش آیا کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اپنے چند دوستوں کی دعوت کی، کھانے کے بعد حسب دستور شراب پی گئی، اسی حال میں نماز مغرب کا وقت ہو گیا سب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امام کے لیے آگے بڑھایا انہوں نے نشہ کی حالت میں جو تلاوت شروع کی تو سورت ﴿يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ﴾ کو غلط پڑھا اس موقع پر سورت نساء کی یہ نازل ہوئی:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى﴾ (النساء: ۴۳)

۔ "اے ایمان والو! تم نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔" (جامع ترمذی ابواب التفسیر سورت النساء ۲، ۱۳۲)

یہ حرمت شراب سے متعلق دوسری آیت میں ہے جس میں صرف نماز کے اوقات میں شراب کو قطعی طور پر حرام کر دیا گیا ہے۔ باقی اوقات میں اس کی اجازت رہی پھر ایک واقعہ پیش آیا جس میں حضرت عتبہ بن مالک نے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دعوت کی جن میں سعد بن ابی وقاص بھی تھے کھانے کے بعد شراب پی گئی اسی میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ایک قصیدہ پڑھا جس میں انصار مدینہ کی ہجو اور اپنی قوم کی مدح و ثناء کی، اس پر ایک انصاری نوجوان کو غصہ آ گیا، اور اونٹ کے جڑے کی ہڈی حضرت سعد کے سر پر دے ماری، جس سے ان کو شدید زخم آ گیا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس انصاری نوجوان کی شکایت کی، اس وقت آپ ﷺ نے دعا فرمائی: اللہم بین لنا فی الخمر بیانا شافیا۔ یا اللہ شراب کے بارے میں کوئی واضح بیان اور قانون عطا فرمادے۔ اس

پر شراب کے متعلق سورت مائدہ کی تیسری اور چوتھی آیت نازل ہوئی، جن میں شراب کو مطلقاً حرام قرار دیا گیا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ٩٠ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ ۖ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ ٩١﴾ (المائدہ: ۹۰، ۹۱)

”اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت اور جوئے کے تیر، یہ سب گندی باتیں، شیطانی کام ہیں، ان سے بالکل الگ رہو تا کہ تم فلاح پا جاؤ، شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے تمہارے آپس میں عداوت اور بعض واقعہ کر دے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے نماز سے تم کو بار رکھے، سو کیا اب باز آؤ گے (یعنی اب بھی باز آ جاؤ) یہ شراب کے بارے میں تیسرا حکم ہے جس میں واضح انداز سے شراب کو حرام قرار دیا گیا ہے، جبکہ پہلے اور دوسرے حکم میں صاف طور پر ممانعت نہیں فرمائی گئی۔“

شراب کی حرمت کب نازل ہوئی:

شراب کی حرمت کے متعلق سورت مائدہ کی آیت کب نازل ہوئی، مشہور روایت سن چار ہجری کی ہے۔

كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ: مسکر ہر نشہ پیدا کرنے والی چیز۔ نبی کریم ﷺ نے ہر مسکر کو خمر فرمایا ہے دراصل اس بیارے میں ائمہ ثلاثہ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا خمر کے علاوہ دیگر مسکرات پر خمر کا اطلاق ہوتا ہے یا نہیں؟ اس مسئلے کی تفصیل مع دلائل ما جاء فی المحبوب اللتی يتخذ منها الخمر کے تحت آرہی ہے۔ بہر حال اب آپ ﷺ کا فرمان کل مسکر خمر کے معنی حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب پر یہ ہوئے کہ ہر وہ چیز جو نشہ پیدا کرنے والی ہو وہ خمر کے حکم میں ہے یعنی حرام ہے۔ لہذا یشر بہا فی الاخرۃ: ① علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ خطابی اور بغوی کی رائے یہ ہے کہ لہذا یشر بہا فی الاخرۃ کنایہ ہے عہد دخول جنت سے چونکہ لامحالہ جو شخص جنت میں جائے گا اس کو وہاں شراب ضرور پیش کی جائے گی۔

② یہی ہے کہ روایت کے ظاہری معنی مراد ہیں جنت میں داخل ہونے کے بعد بھی وہ شراب جیسی نعمت اخروی سے محروم رہے گا۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت نقل کی ہے:

من مات من امتی وهو یشرب الخمر حرم الله علیه شربها فی الجنة.

③ کہ وہ شخص جنت میں جب جائے گا چونکہ اس کو اس کی خواہش نہ ہوگی تو جنت کی شراب سے محروم رہے گا اس لیے کہ باوجود خواہش کے کسی چیز کا نہ ملنا جنت میں نص صریح کے خلاف ہے۔ کہا قال تعالیٰ: ﴿وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهَوْنَ أَنْفُسُكُمْ﴾ (نص: ۳۱) کہ وہاں تو ہر وہ چیز ملے گی جس کو نفس چاہے گا۔

④ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ روایت کا محمل مستقل ہے جو شخص کسی حرام چیز کو حلال مانے ایسا شخص تو کافر ہے پھر اس کو آخرت میں شراب کیسے ملے گی۔

⑤ جب تک اپنی بد اعمالیوں کی سزا میں رہے گا۔ اس کے بعد جب وہ جنت میں چلا جائے گا تو اس کو شراب طہور دے دی جائے گی۔

لَمْ تَقْبَلْ لَهُ صَلَوةً أَرْبَعِينَ صَبَاحًا صَلَوةً أَرْبَعِينَ صَبَاحًا سَ بَرَادٍ يَتَوَصَّحُ كِي نَمَازٍ هَ بَ جَوَ كَ أَفْضَلُ صَلَواتِ هَ بَ جَب وَهَ قَبُولِ نَ بَ تَوَ پَ حَر دوسری نمازیں کیسے قبول ہوں گی؟

دوسرا قول: یہ ہے کہ اس سے مراد پورا دن ہے اب روایت کے جملہ کا حاصل یہ ہوا کہ جو آدمی شراب پیئے گا تو اس کی چالیس دن کی صبح کی نمازیں یا چالیس دن کی سب نمازیں اللہ کے یہاں قبول نہیں ہوں گی اگرچہ ذمہ سے ساقط ہو جائے لیکن ان پر ثواب نہیں ملے گا اور نماز کے عدم قبول کو اس لیے بیان فرمایا کہ جب نماز جو اہم عبادت میں سے ہے وہی قبول نہ ہوگی تو پھر دیگر عبادات کیا قبول ہوں گی پھر اربعین کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ تغیرات میں چالیس کے عدد کو خاص دخل ہے کما مر

لَمْ يَتَبَّ اللَّهُ عَلَيْهِ: یعنی چوتھی مرتبہ جب وہ شراب پی لے اور توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول نہیں فرمائیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو صحیح توبہ کی توفیق نہیں دیں گے اکثر و بیشتر اللہ تعالیٰ کی عادت اپنے بندوں کے بارے میں یونہی جاری ہے لہذا اب فان تاب کے معنی اراد التوبة کے ہوں گے۔ یا یہ کہا جائے کہ بطور تشدید و تہدید فرمایا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ بار بار اپنی توبہ کو توڑ رہا یہ تو گویا اس کو اللہ کے حکم کی پرواہ نہیں ہے تو اس کی توبہ توبہ نصوح نہیں جس پر رحمت کاملہ مرتبہ ہو بایں ہمہ اگر توبہ کی حقیقت بندے کی جانب سے پائی جائے گی تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ضرور قبول فرمائیں گے کیونکہ وعدہ ہے کہ اگر کوئی ستر مرتبہ بھی ایک دن میں گناہ کر کے استغفار کرے تو اللہ کے یہاں وہ قبول ہو جاتا ہے۔

کما روی ابو بکر الصديق ما اصر من استغفر وان عاد في اليوم سبعين مرة. (رواه ابو داؤد الترمذی) اعتراض: کہ کفار کی توبہ قبول ہو جاتی ہے جبکہ اس کا حال اس مؤمن شراب خمر سے بدتر ہے پھر اس مؤمن کی توبہ کیوں نہیں قبول ہوتی؟

جواب: اس لیے کہ کافر تو نعمت اسلام سے جاہل ہے اور حقیقت کو نہیں پہنچاتا اس لیے اس پر اتنی ناراضگی نہیں مگر یہ شخص منکرات شرعیہ کو پہنچاتا ہے اس لیے اس پر ناراضگی زائد ہوگی جیسا مرتد اور ذمی کا معاملہ ہے کہ مرتد واجب القتل ہے اس لیے وہ نعمت اسلام کو پا چکا تھا اور اس نے اس کی قدر نہیں کی اور اہل ذمی کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ اس لیے اس کو نعمت اسلام معلوم ہی نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ

باب ۲: ہر نشہ آور چیز حرام ہے

(۱۷۸۶) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سُئِلَ عَنِ الْبَتِّجِ فَقَالَ كُلُّ شَرَابٍ أَسْكَرَ فَهُوَ حَرَامٌ.

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، نبی اکرم ﷺ سے ”بتج“ (نامی شراب) کے بارے میں دریافت کیا گیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہر وہ مشروب جو نشہ پیدا کرے وہ حرام ہے۔

(۱۷۸۷) كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔ ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

(۱۷۸۷) وَقَدْ رَوَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ نَحْوَهُ وَكَلَاهُمَا صَحِيحٌ وَرَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ نَحْوَهُ وَعَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

ترجمہ: کئی راویوں نے اسے محمد بن عمرو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ کے حوالے سے ابو سلمہ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ کے حوالے سے، حضرت ابو ہریرہ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ کے حوالے سے، نبی اکرم ﷺ سے اسی طرح نقل کیا ہے اور ابو سلمہ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ کے حوالے سے، حضرت ابن عمر رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ کے حوالے سے، نبی اکرم ﷺ سے بھی نقل کیا ہے۔

تشریح: ہر نشہ آور چیز حرام ہے: حضور اکرم ﷺ سے ”شرابِ بیض“ کے حکم کے بارے میں پوچھا گیا کہ وہ حلال ہے یا حرام؟ آپ ﷺ نے ایک اصولی حکم بیان فرمایا کہ ہر وہ شراب جو نشہ آور ہو وہ حرام ہے ”بیض“ اس شراب کو کہا جاتا ہے جو شہد سے بنائی جاتی ہو، اس کا رواج زیادہ تر ملک یمن میں ہوتا ہے۔

یہ روایات جمہور کے دلائل ہیں، جن سے وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ جو بھی نشہ آور چیز ہو، وہ شراب ہے لہذا اس کا قلیل و کثیر استعمال حرام ہے جب کہ حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ ان احادیث میں ہر نشہ آور چیز کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ وہ حرام ہے، ان میں ان کا خمر یعنی شراب ہونا بیان کرنا مقصود نہیں ہے، لہذا ہر وہ چیز جو نشہ آور ہو، خواہ وہ شراب ہو یا افیون اور چرس ہو شرعاً ان کا استعمال حرام ہے اور شراب کے علاوہ دیگر مشروبات کی وہ قلیل مقدار جو نشہ آور نہ ہو، اس کا استعمال جائز ہے وہ کل مسکر حرام میں داخل نہیں ہے۔

فائدہ: صحابی نے مخصوص سوال کیا مگر آپ ﷺ نے ایک جامع جواب فرمایا جس پر کثیر جزئیات متفرع ہوتی ہیں لہذا کہ نبی تو ہر طرح کی جائز ہے خواہ وہ شہد کی ہو یا اور کسی چیز کی مگر جب وہ مسکر پیدا کرے تو حرام ہے، اگر وہ مسکر پیدا نہیں کرتی اور عبادت پر تقویت حاصل کرنے کے لیے پی جائے تو پھر جائز ہے لیکن اگر تھوڑی مقدار سے بھی مسکر پیدا ہو جائے تو وہ تھوڑی بھی حرام ہو جائے گی یہی معنی ہیں آنے والی روایت کے ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام۔ چونکہ حضرات صحابہ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ اور خود نبی کریم ﷺ سے نبیذ کا پینا بکثرت ثابت ہے۔ ہاں البتہ اگر کوئی نبیذ مسکر ہے تو کثیر و قلیل دونوں کا پینا ناجائز ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ مَا اسْكُرَ كَثِيرُهُ فَقَلِيلُهُ حَرَامٌ

باب ۳: جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ آور ہو اس کا قلیل بھی حرام ہے

(۱۷۸۸) مَا اسْكُرَ كَثِيرُهُ فَقَلِيلُهُ حَرَامٌ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ پیدا کرے اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے۔

(۱۷۸۹) كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ مَا اسْكُرَ الْفَرْقُ مِنْهُ فَمِلْهُ الْكَفِّ مِنْهُ حَرَامٌ.

ترجمہ: حضرت قاسم بن محمد رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، سیدہ عائشہ صدیقہ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ ہر نشہ آور

چیز حرام ہے، جس چیز کا ایک بڑا برتن نشہ پیدا کرے اس کا ایک چلو بھی حرام ہے۔

لعنات: فرق بفتح الراء وسكونها ایسا پیانہ جس میں سولہ رطل آجائے اور بعض فرماتے ہیں کہ یہ معنی فتح الراء ہیں اور اگر فرق بسکون الراء پڑھا جائے تو اتنا بڑا برتن جس میں ایک سو بیس رطل آجائیں۔ ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ فرق وہ برتن جس میں اٹھائیس رطل پانی آجائے۔ حسوة بضم الحاء وسکون السين۔ ایک مٹھی اور ایک چلو کو کہتے ہیں۔ علامہ طبری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ لفظ فرق، ملاء الکف سے مراد کثیر و تقلیل ہے تحدید نہیں۔ جس چیز کی کثیر مقدار نشہ آور ہو اس کی قلیل مقدار کا استعمال بھی حرام ہے۔

مذاهب فقہاء: (۱) جمہور کے نزدیک شراب اور دیگر تمام نشہ آور مشروبات کا استعمال حرام ہے خواہ ان کی مقدار نشہ آور ہو یا نہ ہو وہ کثیر ہوں یا قلیل۔

(۲) حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ اگر نشہ آور چیز شراب ہو تو اس کا قلیل و کثیر علی الاطلاق حرام ہے، کیونکہ یہ نجس العین ہے اور شراب کے علاوہ دیگر مشروبات کی غیر نشہ آور قلیل مقدار کی حرمت اس بنیاد پر ہے کہ قلیل مقدار کا استعمال کثیر کو استعمال کرنے کا سبب بنتا ہے، یا اس کی حرمت کا حکم اس وقت ہے جب اسے لہو لعب اور ناجائز مقصد کے لیے استعمال کیا جائے لیکن اگر اس غیر نشہ آور قلیل مقدار کو اس لیے پیاجائے تاکہ اس سے عبادات میں طاقت حاصل ہو تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک یہ جائز ہے۔

جمہور کا استدلال: مذکورہ باب کی تمام روایات سے جمہور اس بات پر استدلال کرتے ہیں کہ شراب اور دیگر تمام نشہ آور مشروبات کا استعمال حرام ہے، خواہ ان کی مقدار نشہ آور ہو یا نہ ہو وہ کثیر ہوں یا قلیل کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ آور ہو تو اس کی قلیل مقدار کو استعمال کرنا بھی حرام ہے۔

اور باب کی دوسری روایت میں فرمایا کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے، اور جس چیز کا ”فرق“ نشہ آور ہو تو اس کا چلو بھی حرام ہے اس میں ”فرق“ سے کثرت اور مل الکف“ سے قلت کی طرف اشارہ ہے کہ جس چیز کی کثیر مقدار نشہ آور ہو تو اس کی تھوڑی مقدار کو بھی استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

اس روایت میں تو ”ملء الکف منه حرام“ کے الفاظ ہیں، جبکہ محمد بن بشار یا عبد اللہ بن معاویہ رحمہما اللہ کے طریق میں اس کے بجائے، الحسوة منه حرام کے کلمات ہیں یہ صرف الفاظ کا فرق ہے، ورنہ مفہوم دونوں کا ایک ہی ہے۔

حنفیہ کا استدلال: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار سے ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت طحاوی میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نبیذ لائی گئی، آپ نے اسے سونگھا، اس کا شدید اور گاڑا ہونا آپ کو ناگوار ہوا اس کی شدت کو ختم کرنے کے لیے آپ نے پانی منگوا کر اس میں ملایا اور پھر اسے پی لیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سخت قسم کی نبیذ پیا کرتے تھے اور فرماتے ہم اونٹ نحر (ذبح) کرتے ہیں (اس لیے اس طرح کا نبیذ ہمیں استعمال کرنا پڑتا ہے، تاکہ یہ کام آسانی سے ہو سکے)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کی دعوت کی اور اس میں انہیں نبیذ پلائی گئی لیکن بعض لوگوں نے اسے اس انداز سے پیا کہ انہیں اس سے نشہ ہو گیا، اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں حد لگائی، ان لوگوں نے کہا کہ آپ ہی نے تو پلائی ہے پھر اس پر حد بھی لگا رہے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اسی نشہ کی وجہ سے حد لگا رہا ہوں۔

باب ۴: باب مشکوٰۃ میں نبیؐ بنانے کے (حکم کے) بارے میں ہے

تو بچہ کہہ: طاؤس بیان کرتے ہیں، ایک شخص حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور اس نے دریافت کیا۔ کیا نبی اکرم ﷺ نے، منکے کی نبیذ سے منع کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ جی ہاں! طاؤس بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی زبانی یہ بات سنی ہے۔

تشریح: نبیذ: انگور یا کھجور کو چند دن یا کچھ وقت کے لیے پانی میں رکھا جائے جس سے اس پانی میں مٹھاس یا کٹھاس پیدا ہو جائے خواہ وہ نشہ آور ہو یا نہ ہو تو اس کو نبیذ کہا جاتا ہے، الحجز یہ جو قہ کی جمع ہے: ہر وہ چیز جو مٹی سے بنائی جائے جیسے مٹکے وغیرہ۔ حدیث میں ”جر“ سے ایسے مٹکے اور مٹی کے برتن مراد ہیں جن پر روغن یا تار کول لگا کر ان کے مسام بند کر لیے جائیں تاکہ انگور یا کھجور کے اثرات جلد ہی اس نبیذ میں ظاہر ہو جائیں

حدیث باب میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے منکلوں میں نبید بنانے سے منع فرمایا ہے اور سلیمان تیمیؑ فرماتے ہیں کہ طاؤسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث واقعی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنی ہے گویا یہ حدیث مرفوع ہے، اس میں کوئی انقطاع نہیں ہے۔

مذہب: (۱) اس حدیث کی روشنی میں حضرت امام احمد اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ منکوں میں حلقہ اور دباء وغیرہ میں نبیذ بنانے کی ممانعت کا حکم اب بھی باقی ہے، یہ منسوخ نہیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی موقف تھا کہ ان برتنوں میں نبیذ بنانا ممنوع ہے کیونکہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یہ حرمت بیان کی ہے اور نسخ کا ذکر نہیں کیا۔

(۲) جمہور یہ کہتے ہیں کہ منکوں اور حنتم وغیرہ میں نبیذ بنانے کی ممانعت کا حکم ابتداء میں تھا بعد میں منسوخ ہو گیا تھا امام ترمذی رحمہ اللہ نے دو بابوں کے بعد ایک مستقل باب قائم کیا ہے جس میں وہ احادیث ذکر کی ہیں جن میں ان برتنوں میں نبیذ بنانے کی اجازت دی

گئی ہے یہ احادیث مالکیہ وغیرہ کے خلاف حجت ہیں۔

مالکیہ کا جواب: اب رہا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا جواب میں نعم کہنا شاید اس بناء پر ہو کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو نسخ کا علم نہیں ہوا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ممکن ہے کہ حکم منسوخ کو بطور حکایت کے بیان کیا ہو، یا علم تھا مگر نبی کا ارتقاع علت کے ارتقاع کی بناء پر تھا اور ممکن ہے کہ سائل کو اس کی کامل غبت ہو اور غفلت کی بناء پر پی لینے کا اندیشہ غالب ہو۔ اس لیے ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حال سائل کی رعایت کرتے ہوئے جواب میں نعم پر اکتفاء فرمایا اور منسوخ ہونے کو نہیں بیان فرمایا قال طاؤس کا یہ کہنا یا تو اس وجہ سے ہے کہ لوگوں کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے نعم کہنے پر تعجب ہوتا تھا کہ روایات ناسخہ تو مشہور ہیں پھر ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نعم کے ساتھ جواب کیسے دیا شاید طاؤس نقل کرنے میں غلطی کر رہے ہیں تو طاؤسؓ نے قسم کھا کر فرمایا کہ اللہ کی قسم میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اسی طرح سنا ہے۔ دوری توجیہ یہ کی گئی کہ بسا اوقات راوی روایت کرنے میں کما مثبت وخصوصی ربط بیان کرنے کے لیے اس طرح کے جملے کہہ دیتا ہے۔ اب مطلب یہ ہو کہ طاؤس فرما رہے ہیں کہ یہ بات میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے خود سنی ہے ایسا نہیں کہ کسی دوسرے سے نقل کی ہو۔ زمانہ جاہلیت میں شراب بنانے کے لیے جو برتن استعمال ہوتے تھے، ان پر روغن اور تار کول لگا کر ان کے مسام بند کر لیے جاتے تھے تا کہ بیرونی اثرات ان کے اندر اثر انداز نہ ہو سکیں، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان میں جب نبیذ بنائی جاتی تو نہایت جلد ہی اس میں شدت آ جاتی، لیکن چونکہ وہ برتن ہر طرف سے بند ہوتا، نبیذ کے نشہ آور ہو جانے کا اندازہ لگانے میں غلطی کا امکان زیادہ تھا، ایسا نہ ہو کہ بے خبری کی وجہ سے نشہ آور نبیذ پی لی جائے، جو کہ حرام ہے اور اگر اس کے نشہ آور ہونے کا علم ہو جائے تو اسے گرانا پڑے گا، جس سے مال کو ضائع کرنا لازم آئے گا، اس کے منکے اور حتم وغیرہ میں نبیذ بنانے سے منع کیا گیا، البتہ مشکیزے میں نبیذ بنانے کی اجازت برقرار رہی کیونکہ اس میں اگر نبیذ نشہ آور ہو جاتی تو چمڑا پھول جاتا، جس سے اس کی حرمت کا علم ہو جاتا۔

(بذل الجہود، کتاب الاشربۃ، باب فی الادعیۃ ۱۶، ۲۶)

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَنْ يُنْبَذَ فِي الدُّبَاءِ وَالنَّقِيرِ وَالْحَتَمِ

باب ۵: دباء، نقیر اور حتم میں نبیذ بنانا مکروہ ہے

(۱۷۹۱) سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ عَمَّا نَهَى عَنْهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنَ الْأَوْعِيَةِ وَأَخْبَرَنَاهُ بَلَّغْتَكُمْ وَفَسَّرَ لَنَا بَلَّغْتَنَا قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنِ الْحَنْتَمَةِ وَهِيَ الْجُرَّةُ وَنَهَى عَنِ الدُّبَاءِ وَهِيَ الْقَرَعَةُ وَنَهَى عَنِ النَّقِيرِ وَهِيَ أَصْلُ النَّخْلِ يُنْقَرُ نَقْرًا أَوْ يُنْسَجُ نَسْجًا وَنَهَى عَنِ الْمُبْزَقَةِ وَهِيَ الْمُبْقِيَّةُ وَأَمَرَ أَنْ يُنْتَبَذَ فِي الْأَسْقِيَةِ.

ترجمہ: عمرو بن مرہ بیان کرتے ہیں، میں نے زاذان کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے، میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس بارے میں دریافت کیا۔ جن برتنوں میں نبی اکرم ﷺ نے نبیذ تیار کرنے سے منع کیا ہے، میں نے کہا۔ آپ ہمیں اپنی زبان میں ان کے الفاظ بتائیں اور ہماری زبان میں اس کی وضاحت کریں تو انہوں نے بتایا۔ نبی اکرم ﷺ نے ”حتمہ“ سے منع کیا ہے۔ یہ منکے کو کہتے ہیں اور آپ ﷺ نے دباء سے منع کیا ہے یہ کدو کو کہتے ہیں اور آپ نے نقیر سے منع کیا ہے۔ یہ کھجور کی جڑ کو کہتے ہیں جس میں

سوراخ کر لیا جائے یا اس کو بن دیا جائے اور آپ نے ”مزفت“ سے منع کیا ہے اور اس سے مراد رال کا روغنی برتن ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے مشکیزوں میں نبیذ تیار کرنے کی ہدایت کی ہے۔

ان برتنوں کے استعمال کا شرعی حکم؟ (۱) حسبہور کے نزدیک اب ان ظروف کے استعمال کی اجازت ہے۔

(۲) امام مالک و احمد رحمہما ان ظروف کے استعمال کرنے کی ممانعت نقل فرمائی ہے حضرات جمہور کا متدل آنے والے باب کی روایات ہیں جو نسخ پر دلالت کرتی ہیں اور جن روایات میں ان ظروف کے استعمال کی ممانعت ہے وہ منسوخ ہوں گی۔ کما صر تفصیلہ ان برتنوں کی اولاً ممانعت کیوں تھی؟

مشکوں میں نبیذ بنانے کی ممانعت کی وجوہ: (۱) کہ دراصل یہ چاروں برتن شراب بنانے کے لیے مخصوص تھے۔ لہذا جب آپ ﷺ نے شراب سے منع فرمایا تو اس وقت ان برتنوں کے استعمال کرنے سے بھی منع فرمادیا تاکہ شراب کی حرمت قلوب میں اچھی طرح جم جائے اور ان برتنوں کو دیکھ کر شراب یاد نہ آئے

(۲) شریعت میں جب کسی چیز کو حرام قرار دیا جائے تو ابتداء میں اس میں خوب مبالغہ اور سختی سے کام لیا جاتا ہے تاکہ لوگ اس کام سے باز آجائیں، پھر جب لوگ اسے چھوڑ دیں اور مقصود حاصل ہو جائے تو سختی ختم ہو جاتی ہے، ایسے ہی شراب کی حرمت کا معاملہ ہے کہ حرمت شراب کے ساتھ ان برتنوں کو بھی استعمال کرنے سے منع کر دیا گیا تاکہ شراب کی حرمت وقاحت ہر لحاظ سے ان کے ذہنوں میں بیٹھ جائے اس کے بعد ان برتنوں کے استعمال کی پھر اجازت دے دی گئی۔ مرقاة المفاتیح کتاب الایمان، الفصل الاول، ۱۷۱ جیسا کہ کتوں کے بارے میں اولاً آپ ﷺ نے سختی سے کام لیا اور جب یہ محسوس کیا کہ اب کتوں سے لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا ہو چکی ہے تو پھر اس سختی کو ختم فرمادیا تھا اسی طرح یہاں جب شراب سے منع فرمایا تو ساتھ ہی سختی کرنے کے لیے ان برتنوں سے بھی منع فرمادیا جن میں شراب بنائی جاتی تھی اور پھر اس بارے میں رخصت بیان فرمادی جیسا کہ آنے والے باب کی روایت اس پر دلالت کرتی ہے۔

(۳) اس بارے میں یہ بیان کیا گیا کہ چونکہ ان برتنوں میں نبیذ جلد ہی نشہ آور والی ہو جاتی تھی تو کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی بطور غفلت یہ سوچتے ہوئے کہ ابھی نبیذ ہی ہے اور اس کو پی لے جس سے نشہ پیدا ہو جائے لہذا ازراہ احتیاط آپ ﷺ نے ان برتنوں کے استعمال سے بھی منع فرمادیا تھا لیکن اس کے بعد پھر آپ ﷺ نے اجازت دے دی اور یہ ممانعت منسوخ ہو گئی چنانچہ آنے والا باب نسخ پر صراحتاً دلالت کرتا ہے۔

(۴) کہ ان برتنوں میں کچھ نہ کچھ شراب کا اثر تھا کیونکہ ان میں شراب بنائی جاتی تھی پھر ایک عرصے کے بعد جب یہ اثر ختم ہو گیا تو نبی کریم ﷺ نے ان کے استعمال کی اجازت دیدی۔

(۵) علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شراب کی حرمت کے ساتھ ان برتنوں کا استعمال بھی ممنوع قرار دیا گیا تاکہ دلوں میں شراب کی حرمت راسخ ہو جائے پھر جب اس کی حرمت ان کے دل و جان میں اس کی حرمت بیٹھ گئی تو پھر یہ ممانعت ختم کر دی گئی۔

(شرح مسلم للنووی کتاب الاشربة، باب النهی عن الانتباز عن المزفت)

لغات : اوعیة جمع وعاء بمعنی برتن المحتمة بالحاء البهملۃ المفتوحة ثم نون ساکنۃ ثم تاء مفتوحہ ثم

المیہ اور مفرد کے لیے حلتہم بالتاء آتا ہے جس کے معنی مٹی کی گھڑیا کے آتے ہیں۔ الجرة بفتح الجیم وتشدید الراء جمع جرة جیسے ترمو ترة بمعنی گھڑا جو مٹی سے بنایا جائے۔ الدباء بضم الدال وتشدید الباء خشک کدو جس کے گودے کو نکال کر پیالہ بنا دیا جائے۔ القرعة خشک کدو۔ النقییر بالنون والقاف فاعیل کے وزن پر بمعنی منقور۔ نقر بنقر سے ماخوذ ہے جس کے معنی کھودنے کے ہیں اہل عرب شراب وغیرہ بنانے کے لیے کھجور کی جڑوں کو کھود کر برتن بنا لیتے تھے۔ یہاں یہی برتن مراد ہے۔ اوینسج اس کو بالجیم المنقوطة اور بالحاء المہملہ دونوں طرح ضبط کیا گیا ہے، اگر جیم منقوطة کے ساتھ جیسا کہ ہمارے ترمذی رحمہ اللہ کے موجودہ نسخہ میں واقع ہے اور لغت میں اس کے معنی کپڑا بننے کے ہیں اور اس کے معنی یہاں پر یہ ہوں گے کھجور کی جڑ کو بار بار چھیل کر برتن کی صورت بنا لینا چونکہ اس کے چھیلنے اور بنانے میں کپڑا بننے کی طرح بار بار اوپر نیچے حرکت ہوتی ہے اس مناسبت سے اس کو نسج کے ساتھ تو تعبیر کیا گیا ہے، لہذا قررہ الججو ہی۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ اس کا صحیح ضبط بالحاء المہملہ ہے اور جیم منقوطة غلط ہے کما قالہ عیاض رحمہ اللہ وغیرہ۔ نیز علامہ نووی رحمہ اللہ وغیرہ نے فرمایا کہ معظم روایت مسلم وغیرہ میں حاء مہملہ کے ساتھ ہی واقع ہوا ہے اس کے معنی چھیلنا یعنی کھجور کی جڑ کو اندر سے کھود کر برتن بنالیا جائے۔ المزفت بتشدید الفاء المشو ح اسم مفعول ہے تزفیت سے جس کے مرئی ایسا برتن جس پر تار کول پھیرا گیا ہو جس کو عربی میں مقیر کہتے ہیں یہ بھی اسم مفعول ہے قیر سے ماخوذ ہے جس کے معنی تار کول کے آتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ أَنْ يُسْتَبَدَّ فِي الظُّرُوفِ

باب ۶: برتنوں میں نبیذ تیار کرنے کی جو رخصت منقول ہے

(۱۷۹۲) إِنْ كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنِ الظُّرُوفِ وَإِنْ ظُرِفًا لَا يَحِلُّ شَيْئًا وَلَا يُحَرِّمُهُ وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ.

ترجمہ: سلیمان بن بریدہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ میں نے تمہیں (مخصوص) برتن استعمال کرنے سے منع کیا تھا برتن کسی بھی چیز کو حرام یا حلال نہیں کرتے ہیں البتہ ہر نشہ دینے والی چیز حرام ہے۔

(۱۷۹۳) تَهْلَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنِ الظُّرُوفِ فَشَكَّتْ إِلَيْهِ الْإِنْصَارُ فَقَالُوا أَلَيْسَ لَنَا وَعَاءٌ قَالَ فَلَا إِذَنْ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے برتنوں کے استعمال سے منع کیا، تو انصار نے آپ کی خدمت میں شکایت کی اور عرض کی، ہمارے پاس اضافی برتن نہیں ہوتے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔
تشریح: فلا اذا، یہ شرط جزا ہے اصل عبارت یوں ہے:

اِذَا كَانَ لَا بَدَلَ لَكُمْ مِنْهَا فَلَا نَهَى عَنْهَا. جب ان برتنوں کے سوا کوئی چارہ نہیں تو پھر یہ ممانعت نہیں۔

مذکورہ برتنوں میں نبیذ بنانا جائز ہے، حرمت شراب کے ساتھ ان برتنوں کا استعمال بھی ممنوع قرار دیا گیا تھا امام ترمذی رحمہ اللہ نے گذشتہ دو بابوں میں اس کی ممانعت پر مشتمل احادیث ذکر کیں ہیں جن کی تفصیل بحث پہلے گزر چکی ہیں بعد میں یہ ممانعت منسوخ ہو گئی تھی چنانچہ اس باب میں وہ احادیث ذکر کی ہیں جن میں ان برتنوں کے استعمال کی اجازت دی گئی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں نے ان برتنوں کے استعمال سے تمہیں منع کیا تھا لیکن چونکہ برتن نہ تو کسی چیز کو حلال کر سکتے ہیں اور نہ حرام اس لیے میں اب ممانعت منسوخ

کرتا ہوں اور ان کے استعمال کی اجازت دیتا ہوں البتہ وہ مشروب جس سے نشہ پیدا ہو جائے اسے پینا حرام ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ ممانعت ان برتنوں کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ حرمت شراب کی وجہ سے تھی جب یہ حرمت لوگوں کے دلوں میں راسخ ہو گئی تو پھر یہ بھی منسوخ ہو گئی،

باب کی دوسری حدیث میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ان برتنوں سے منع فرمایا ہے اس پر حضرات انصار نے کہا کہ ان برتنوں کے سوا کوئی چارہ نہیں تب آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر اس صورت میں ممانعت نہیں ہے انہیں استعمال کر سکتے ہو۔
فائدہ: علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ممانعت کا حکم ان برتنوں کی ضرورت نہ ہونے کی صورت پر تھا جب لوگوں کی ضرورت ظاہر ہوئی تو حضور اکرم ﷺ نے ان کے استعمال کو برقرار رکھا۔ (عمدة القاری کتاب الاشربة، باب ترخیص النبی ﷺ فی الاوعية ۲۱، ۱۷۸)
فائدہ: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ احتمالات کے باوجود اس حدیث سے یہ استدلال کرنا کہ حضور ﷺ صرف اپنے اجتہاد سے ہی فیصلے فرماتے تھے، درست نہیں ہے۔ (فتح الباری کتاب الاشربة، باب ترخیص النبی ﷺ فی الاوعية)

مَا جَاءَ فِي الْإِنْتِبَازِ فِي السَّقَاءِ

باب ۷: مشکیزوں میں نبیز تیار کرنے کے بارے میں جو کچھ منقول ہے

(۱۷۹۳) كُنَّا نَنْبِذُ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي سَقَاءٍ نُوْكَا فِي أَعْلَاهُ لَهُ عَزْلَاءٌ نَنْبِذُهَا عُذْوَةً وَيَشْرِبُهَا عِشَاءً وَيَشْرِبُهَا عُذْوَةً.

ترجمہ: حسن بصری رحمہ اللہ اپنی والدہ کے حوالے سے، سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں۔ ہم لوگ نبی اکرم ﷺ کے لئے مشکیزوں میں نبیز تیار کیا کرتے تھے جس کا اوپر والا منہ بند کر دیا جاتا تھا اس کا نیچے سے ایک منہ موجود ہوتا تھا۔ ہم آپ ﷺ کے لئے صبح کے وقت نبیز تیار کرتے تھے جسے آپ ﷺ شام کے وقت پی لیتے تھے اور ہم آپ ﷺ کے لئے شام کے وقت نبیز تیار کرتے تھے جسے آپ صبح کے وقت پی لیتے تھے۔

تشریح: سقاء مشک، مشکیزہ ج اسقیہ۔ اعلاہ، اس مشک کا اوپر والا دھانہ۔ عَزْلَاءُ مشکیزہ یا برتن کے اس نچلے سوراخ کو کہا جاتا ہے جس سے پانی نکال کر پیا جاتا ہو۔ نبیز کھجور پانی میں بھگو کر نبیز بناتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ کے لیے نبیز بنانے کا ذکر اس حدیث میں حضور اکرم ﷺ کے لیے نبیز بنانے کا ذکر ہے کہ آپ ﷺ کے لیے مشکیزہ میں نبیز بنائی جاتی تھی، جس کے دودھانے تھے، ایک اوپر اور ایک نیچے، اوپر کا منہ ڈوری وغیرہ سے بند کر دیا جاتا تھا، اور نیچے کے دھانے سے نبیز نکال کر پی جاتی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ مشکیزے میں نبیز بنانا جائز ہے۔

استراض: روایت الباب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ شام کی نبیز صبح اور صبح کی شام کو پی لیتے تھے اس سے زائد نہیں روکتے تھے، حالانکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت جس کی تخریج ابو داؤد رحمہ اللہ مسلم نسائی اور ابن ماجہ رحمہ اللہ نے کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ مشکیزہ کی نبیز کو تین دن تک نوش فرماتے تھے، اور تیسرے دن کی شام کو نوش فرما کر بچی ہوئی کو پھینک دیتے تھے،

تو دونوں روایتوں میں تعارض ہے؟

جواب: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں اسی دن پینے کا ذکر ہے اس سے اگلے دن اور تیسرے دن پینے کی نفی لازم نہیں آتی۔
دوسرا جواب: یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کا محمل وہ زمانہ ہے جس میں تین دن تک کوئی تغیر نہ ہوتا تھا کہ موسم ٹھنڈا ہوتا اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کا محمل گرمی کا زمانہ ہے کہ اس میں فساد و سکر جلدی ہو جاتا ہے۔
تیسرا جواب: یہ دیا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کا محمل قلیل نبیذ ہے جو ایک ہی دفعہ میں ختم ہو جاتی تھی، اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کا محمل وہ صورت ہے جب کہ وہ زیادہ مقدار میں بنائی جاتی تھی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخُبُوبِ الَّتِي يُتَّخَذُ مِنْهَا الْخَمْرُ

باب ۸: وہ دانے جن کے ذریعے شراب تیار کی جاتی ہے، اس کے بارے میں

(۱۷۹۵) **إِنَّ مِنَ الْخِنْطَةِ خَمْراً وَمِنَ الشَّعِيرِ خَمْراً وَمِنَ الزَّبِيبِ خَمْراً وَمِنَ الْعَسَلِ خَمْراً.**

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ گندم سے شراب بنائی جاتی ہے جو سے شراب بنائی جاتی ہے، کھجور سے شراب بنائی جاتی ہے اور شہد سے شراب بنائی جاتی ہے۔

(۱۷۹۶) **إِنَّ مِنَ الْخِنْطَةِ خَمْراً أَفْذَلَ هَذَا الْحَدِيثِ.**

ترجمہ: یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ گندم سے شراب بنائی جاتی ہے۔ اس کے بعد حسب سابق حدیث ہے۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں۔ گندم سے شراب بنائی جاتی ہے۔

(۱۷۹۷) **الْخَمْرُ مِنْ هَاتَيْنِ الشَّجَرَتَيْنِ النَّخْلَةِ وَالْعِنَبَةِ.**

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ شراب ان دو درختوں سے بنائی جاتی ہے کھجور اور انگور۔

تشریح: الحبوب: حب کی جمع ہے: دانہ، بیج، یہاں وہ چیزیں مراد ہیں جن سے شراب بنائی جاتی ہے۔

مذہب فقہاء: حقیقت خمر کے بارے میں اختلاف ہے:

(۱) ائمہ ثلاثہ اور جمہور کے ہاں ہر مسکر پر خمر کا اطلاق ہوتا ہے، اور جس طرح انگور کے کچے پانی سے خمر بنتی ہے، اسی طرح دیگر اشیاء گیہوں، جو وغیرہ چیزوں سے بھی خمر بنتی ہے۔ ان حضرات کے یہاں مذکورہ اشیاء سے بنائی گئی خمر کو حقیقتہً و شرعاً خمر کہا جاتا ہے لہذا، ان کا قلیل اور کثیر استعمال مطلقاً حرام ہے، ان کے پینے والے پر حد جاری ہوگی، شراب کی طرح ہر نشہ آور مشروب ناپاک ہے اور اس کی خرید و فروخت بھی جائز نہیں۔

(۲) احناف کہ در حقیقت خمر انگور کے کچے پانی ہی سے بنائی جاتی ہے، اس کے علاوہ دیگر اشیاء سے بنی ہوئی مسکرات کو شرعاً و عرفاً خمر نہیں کہا جائے گا، ہاں البتہ اگر ان پہلوں سے بنی ہوئی دیگر مشروبات حد سکر کو پہنچ جائیں تو ان کو خمر کا حکم دے دیا جائے گا۔

امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک اس میں تفصیل ہے۔ وہ فرماتے ہیں، کہ اشربہ کی تین قسمیں ہیں:

قسم اول: خمر یعنی شراب، یہ انگور کا کچا شیرہ ہوتا ہے، جب زیادہ رکھنے یا ابالنے کی وجہ سے اس میں شدت آ جائے، وہ ابلنے لگے اور جھاگ پھینکنے لگے، (امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ جھاگ پیدا ہونے کی شرط نہیں لگاتے) اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا قلیل و کثیر استعمال مطلقاً حرام ہے، پینے والے پر حد جاری کی جائے گی۔ اگرچہ اس نے ایک قطرہ پیا ہو یہ نجس العین ہے، اس کی خرید و فروخت بھی جائز نہیں، اور اس کو حلال سمجھنے والا کافر ہے۔

قسم دوم: اس میں تین قسم کے اشربہ ہیں: (۱) طلاء: یہ انگور کا شیرہ ہے جب اسے اتنا پکایا جائے کہ وہ دو تہائی سے کم ختم ہو جائے۔ (۲) نقیق التمر: کھجور کا کچا شیرہ اسے ”سگر“ بھی کہا جاتا ہے۔ (۳) نقیق الزبیب اس پانی کو کہتے ہیں جس میں کشمش ڈال دی جائے اور زیادہ دیر رہنے کی وجہ سے اس میں شدت اور ابال پیدا ہو جائے۔ ان تینوں قسموں کا حکم یہ ہے کہ یہ بھی شراب کے حکم میں ہیں، نجس ہیں اور ان کا قلیل و کثیر استعمال حرام ہے، البتہ ان کے پینے والے پر امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک نشہ آور مقدار پینے کے بعد حد جاری کی جائے گی، اس کے بغیر نہیں، کیونکہ ان اشربہ کا، خمر یعنی شراب ہونا قطعی نہیں، محض ظنی ہے اور حد چونکہ شبہ کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہے، اس لیے جب تک نشہ مقدار نہ پیے اس وقت تک حد جاری نہیں ہوگی ان اشربہ کو حلال سمجھنے والا کافر نہیں ہوگا جب کہ شراب کو حلال سمجھنے والا کافر ہے۔

مشروبات کی خرید و فروخت جائز ہے:

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ان تینوں مشروبات کی خرید و فروخت جائز ہے جبکہ صاحبین یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک جائز نہیں۔

قسم سوم: مذکورہ چار قسمیں، یعنی خمر، طلاء، نقیق التمر اور نقیق الزبیب کے علاوہ باقی نشہ آور مشروبات مثلاً کھجور کی نبیذ یا کشمش کی نبیذ اسے تھوڑا سا پکایا گیا ہو یا انگور کا شیرہ جسے اس قدر پکایا جائے کہ اس کے دو حصے خشک ہو جائیں اور ایک حصہ باقی رہ جائے، جس طرح شہد، انجیر، گندم، اور جو وغیرہ کی نبیذ ہے۔

امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک ان کی قلیل مقدار کا استعمال جو نشہ آور نہ ہو جائز ہے بشرطیکہ ان سے عبادات کے لیے طاقت حاصل کرنا مقصود ہو، عیش و عشرت اور جنسی طاقت کی غرض سے نہ ہو جبکہ جمہور کے نزدیک یہ جائز نہیں۔

اختلاف کا حاصل: کہ امام صاحب اور جمہور کے درمیان دو چیزوں میں اختلاف ہے ایک اشربہ ثلاثہ یعنی طلاء، نقیق التمر، نقیق الزبیب میں امام صاحب کے نزدیک یہ خمر تو ہیں لیکن ان کا خمر (یعنی شراب) ہونا ظنی ہے قطعی نہیں، لہذا ان کے پینے والے پر حد جاری نہیں کی جائے گی جبکہ جمہور کے نزدیک ان کا خمر ہونا ظنی نہیں لہذا ان کے نزدیک پینے والے پر حد جاری کی جائے گی۔

دوسرا اختلاف: شراب کی مذکورہ چار قسموں کے علاوہ دیگر نشہ آور مشروبات کی اس قلیل مقدار کے بارے میں ہے جو نشہ آور نہ ہو مثلاً نبیذ وغیرہ امام صاحب کے نزدیک ان کی غیر نشہ آور قلیل مقدار کے بارے میں جائز ہے، اور جمہور کے نزدیک جائز نہیں، نیز امام

صاحب کے نزدیک یہ مشروبات نجس بھی نہیں ہیں۔

امام ابو حنیفہ کے دلائل: (۱) امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال لغت سے ہے کہ لغت میں خمر کا اطلاق انگور کے شیرے پر ہوتا ہے، باقی پھلوں کے شیرے پر ”خمر“ کا اطلاق لغت میں نہیں ہوتا۔ (لسان العرب ۵-۳۳۹) اس کی تائید مصنف عبدالرزاق کی روایت سے ہوتی ہے، جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الخمر من العنب یہ روایت اگرچہ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے مرسل نقل کی ہے لیکن اس پر اجماع ہے، کہ ان کی مرسل روایات مقبول ہوتی ہیں۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر ہے: اما الخمر فحرام لا سبیل الیہا واما ما سواہا من الاشربة فکل مسکر حرام۔ اس میں شراب اور دیگر مشروبات کے درمیان حکم کے اعتبار سے تفریق کی گئی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ تمام نشہ آور مشروبات کو خمر نہیں کہا جاتا،۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر ہے: حرمت الخمر لعینہا، والسكر من کل شراب. شراب کو اصل حرام قرار دیا گیا ہے، اور دیگر مشروبات میں وہ حرام ہے جو نشہ آور ہو، شرح معانی الآثار، کتاب الاشربة، باب الخمر المحرمة ماہی ۲، ۶، ۳۵۔

(۴) حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے اس نیز سے تھوڑا سا چکھا جو نشہ آور تھی، اگر قلیل مقدار حرام ہوتی تو وہ کبھی نہ چکھتے۔

(۵) حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما یمن جا رہے تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ وہاں گندم اور جو کی شراب بنائی جاتی ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اشربا ولا تسکرا۔ وہ تم پی سکتے ہو لیکن انہیں نشہ آور نہ بنانا (کیونکہ ان میں جو نشہ آور ہو جائے وہ جائز نہیں)۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں شراب کی وہ مقدار جو نشہ آور ہو، اور وہ مقدار جو نشہ آور نہ ہو دونوں کے حکم میں فرق کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ شراب کے علاوہ دیگر شرابوں کی غیر نشہ آور مقدار کا استعمال درست ہے۔ (شرح معانی الآثار، کتاب الاشربة، باب ما یحرم من النبیذ ۲، ۳۶۰)

(۶) حضرت عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشربہ یعنی مشروبات پینے سے منع فرمایا، آپ سے عرض کیا گیا کہ ان بعض کا پینا تو ضروری ہوتا ہے اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم انہیں اس وقت تک پی سکتے ہو جب تک یہ تمہاری عقلوں کو بیوقوف نہ بنادیں یعنی نشہ آور نہ ہوں (اور تمہارے اموال کو ختم نہ کر دے)۔ (مصنف عبدالرزاق ۹، ۲۲۳)

ان روایات سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ شراب صرف انگور کی ہوتی ہے، اور دوسری یہ کہ شراب کی مذکورہ چار قسموں کے علاوہ باقی مشروبات کی غیر نشہ آور مقدار کا استعمال جائز ہے۔

جمہور کے دلائل: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے باب ما جاء فی شراب الخمر، باب ما جاء کل مسکر حرام، باب ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام باب ما جاء فی المحبوب التي يتخذ منها الخمر، ان چار ابواب کے تحت جتنی روایات ذکر فرمائی ہیں وہ تمام جمہور کے دلائل ہیں۔

اسی طرح اس مفہوم کی روایات حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی موجود ہیں چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الاشربة

بَابُ الْخَمْرِ مِنَ الْعَنْبِ، بَابُ نَزْلِ تَحْرِيمِ الْخَمْرِ، بَابُ الْخَمْرِ مِنَ الْعَسَلِ، بَابُ مَا جَاءَ مَا خَامَرَ الْعَقْلَ ان چار ابواب کے تحت جتنی روایات ذکر فرمائی ہیں، وہ تمام جمہور کے دلائل ہیں، ان احادیث کی روشنی میں جمہور کہتے ہیں کہ ”خمر“ صرف انگور کے شیرے کا نام نہیں، بلکہ طلاء، نقع، الزبيب وغیرہ بھی ”خمر“ ہیں ایسے ہی نشہ آور نبیذ کا قلیل استعمال بھی ناجائز ہے۔

جمہور کے دلائل کا جواب: احناف کہتے ہیں کہ خمر کا اطلاق حقیقتہ اور لغتہ انگور کے شیرے پر ہوتا ہے اور باقی مشروبات پر اس کا اطلاق مجازاً ہوتا ہے جیسا کہ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ اور ”ما اسکر کثیراً فقلیلہ حرام“ اور اس جیسی روایات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ شراب کے علاوہ دیگر نشہ آور مشروبات بھی تمام امور میں ”خمر“ ہی ہیں، البتہ ان سے زیادہ سے زیادہ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ باقی نشہ آور مشروبات شراب کے حکم میں ہیں، لہذا شراب کی طرح ان کا قلیل و کثیر استعمال حرام ہے تاہم تمام امور میں ان کا ”شراب“ کے حکم میں ہونا ان احادیث سے ثابت نہیں ہوتا۔

احناف کا فتویٰ: بہت سے حنفی حضرات نے حرمت کے حق میں جمہور کے مذہب کے مطابق فتویٰ دیا ہے کہ ان مشروبات کا قلیل و کثیر استعمال مطلقاً حرام ہے لیکن ان کی بیع اور حد میں امام صاحب کے قول پر فتویٰ دیا ہے کہ ان کی خرید و فروخت اگر کسی جائز مقصد کے لیے ہو تو بغیر کسی کراہت کے جائز ہے اور ان کے استعمال سے حد بھی واجب نہیں ہوگی۔

کحل کا شرعی حکم:

عصر حاضر میں الکحل کا استعمال بہت عام ہو چکا ہے، بہت سے دواؤں، عطر، رنگوں اور کیمیکلز وغیرہ میں اُسے استعمال کیا جاتا ہے، اگر واقعی یہ انگور یا کھجور سے بنائی گئی ہو تو پھر یہ حرام ہے، نجس ہے، اور اس کا استعمال بھی جائز نہیں، لیکن اگر انگور اور کھجور کے علاوہ کسی اور چیز سے تیار کی گئی ہو جیسا کہ اس زمانے میں بکثرت ایسا ہی ہے تو پھر اسے علاج اور جائز مقاصد کے لیے اتنی مقدار میں استعمال کرنا جائز ہے، جس مقدار سے نشہ پیدا نہ ہوتا ہو، اور یہ نجس نہیں، پاک ہے، دوا وغیرہ میں آج کل، جو الکحل استعمال کی جاتی ہے، وہ عموماً انگور یا کھجور سے نہیں بنائی جاتی، بلکہ دوسری اشیاء مثلاً چمڑا، گندھک، شہد، چھلکے، جو گندم، اور پٹرول وغیرہ سے حاصل کی جاتی ہے، چونکہ الکحل کو جائز مقاصد کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے، اور اس کا عام ابتلاء بھی ہے اس لیے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جائز اغراض و مقاصد کے لیے اس کا استعمال اور خرید و فروخت جائز ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي خَلِيطِ الْبُسْرِ وَالْثَمْرِ

باب ۹: نیم پختہ اور خشک کھجور ملا کر نبیذ بنانے کے حکم کے بارے میں

(۱۷۹۷) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَى أَنْ يُنْبَذَ الْبُسْرُ وَالرُّطْبُ بِجَمِيعًا.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچی اور پکی کھجوروں کو ملا کر نبیذ تیار کرنے سے منع کیا ہے۔

(۱۷۹۸) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنِ الْبُسْرِ وَالْثَمْرِ أَنْ يُخْلَطَ بَيْنَهُمَا وَنَهَى عَنِ الزَّبِيبِ وَالْثَمْرِ أَنْ يُخْلَطَ بَيْنَهُمَا وَنَهَى

عَنِ الْجَرَّارِ أَنْ يُنْبَذَ فِيهَا.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ یہ بات بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے کچی اور پکی کھجوروں کو ملا کر (نبیذ تیار کرنے) سے منع کیا ہے آپ نے کشمش اور کھجور کو ملا کر نبیذ تیار کرنے سے بھی منع کیا ہے۔ اور آپ نے مکے میں نبیذ تیار کرنے سے بھی منع کیا ہے۔ مذاہب فقہاء: خلیط کے بارے میں اختلاف کہ چند چیزوں کو ایک ساتھ پانی میں ڈال کر نبیذ بنائی جاسکتی ہے یا نہیں۔

① علامہ داؤد ظاہری رحمہ اللہ کے ہاں دو چیزوں کو پانی میں ایک ساتھ ڈال کر نبیذ بنانے میں مضائقہ نہیں مگر الگ الگ نبیذ بنا کر پھر دونوں کو مخلوط کرنا ممنوع ہے۔

② جمہور فقہاء، حنبلیہ شافعیہ و بعض مالکیہ وغیرہ ہم اور محدثین فرماتے ہیں کہ دو چیزوں کو ملا کر نبیذ بنانا ممنوع بکراہت تحریمی ہے۔

③ مکروہ بکراہت تنزیہیہ ہے نووی رحمہ اللہ نے جمہور اور قرطبی رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ اور صاحب مغنی نے احمد رحمہ اللہ کا مذہب ہواصح ان شاء اللہ کہہ کر یہی نقل کیا ہے۔

④ احناف کے نزدیک مختلف اشیاء سے مطلقاً نبیذ بنانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

دلائل احناف: اوّل: عن عائشہ رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ ﷺ کان ينبذ له الزبيب فيلقى فيه التمر او التمر فيلقى فيه الزبيب. (اخرجه ابو داؤد)

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ ﷺ کے لیے کشمش کی نبیذ بنائی جاتی تھی جس میں کھجوریں ڈالی جاتی تھیں یا کھجوریں جن میں کشمش ڈالی جاتی تھیں۔“

دوم: عن صفية رضي الله عنها بنت عطية قالت دخلت مع نسوة من عبد القيس عن عائشة رضي الله عنها فسلنا عن التمر والزبيب فقالت كنت آخذ قبضة من تمر وقبضة من زبيب فالقيه في الاناء. (الحديث) اخرجہ ابو داؤد۔

”صفیہ بنت عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں عبد القیس کی چند عورتوں کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس داخل ہوئی ہم نے کھجور اور کشمش کے بارے میں سوال کیا فرماتی ہیں میں ایک مٹھی کھجوریں لیتی تھی اور ایک مٹھی کشمش اُسے میں برتن میں ڈال دیتی تھی۔“

سوم: ما روى محمد بن الحسن عن الامام عن زياد انه افطر عند ابن عمر رضى الله عنهما فسقاها شرابا فكانه اخذ منه فلما اصبغ غدا اليه فقال له ما هذا الشراب ما كدت اهتدي الى منزلي فقال ابن عمر ما زدناك عليل عجوة وزبيب. (تحفه)

چہارم: اسی طرح حضرت ام سلیم اور ابو طلحہ رضی اللہ عنہما کے بارے میں بھی حافظ ابن عدی رحمہ اللہ نے الکامل میں نقل کیا ہے: انہما کانا یشر بان النبیز الزبيب والبسر یخلطانه۔

پنجم: اسی طرح عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں امام محمد رحمہ اللہ نے کتاب الآثار میں نقل کیا ہے: انه کان ينبذ له الزبيب فلم یکن یستمره فقال للجارية اطرحي فيه تمرات. مذکورہ روایات سے معلوم ہوا کہ خود آپ ﷺ نے مخلوط نبیذ استعمال فرمائی ہے اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا بھی یہ عمل رہا ہے۔

قالین حرمت وکراہت کا استدلال: اوّل: روایت الباب۔

دوم: عبد اللہ بن ابی قتادہ عن ابیہ رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن خلیط الزبیب والتمر وعن خلیط البسر والتمر وعن الزهو والتمر قال وانتبذوا کل واحدہ علیحدہ۔ (اخرجه الجماعة الا لترمذی)
سوم: عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الزبیب والتمر والبسر والتمر وقال ینبذ کل واحدہ منها علیحدہ۔ (اخرجه مسلم)

چہارم: عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یخلط التمر والزبیب جمیعاً وان یخلط التمر والبسر جمیعاً۔ (اخرجه مسلم)
”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کشمش اور کھجوروں کو ملا کر اور کچی کھجوروں اور پکی کو ملا کر نبذ بنانے سے منع فرمایا ہے۔“

ان سب روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچی پکی کشمش و کھجور وغیرہ کو ملا کر نبذ بنانے سے منع فرمایا ہے۔
دلائل کے جوابات: ① حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خلیط سے ممانعت کی وجہ دراصل خوف سکر ہے کہ مختلف المزاج اشیاء جب پانی میں ڈالی جائیں گی تو ان میں سکر جلد ہی پیدا ہو جائے گا اور پینے والے کو معلوم نہ ہو سکے گا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا تھا۔

② ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء اس لیے منع فرمایا ہو کہ وہ عسرت کا زمانہ تھا اور اس طرح ملا کر پینے میں فقراء وغریبوں کی حق تلفی ہے بلکہ جن کو دود و چیزیں میسر ہوں ان کو چاہیے کہ ایک پر اکتفاء کرتے ہوئے دوسری دوسروں کو دے دیں، اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو وسعت مالی عطا فرمادی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اس کی اجازت دے دی اور خود بھی استعمال فرمائی جیسا کہ اوپر روایات نقل کی گئی ہیں (کذا روی عن ابراہیم النخعی) ہذا حدیث صحیح اخرجہ الشیخان ابوداؤد، والنسائی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الشَّرْبِ فِي انِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ

باب ۱۰: سونے چاندی کے برتنوں میں پینے کی کراہت کے بارے میں

(۱۷۹۹) أَنَّ حَدِيثَهُ اسْتَسْقَى فَأَتَاهُ اِنْسَانٌ بِاِنَاءٍ مِنْ فِضَّةٍ فَرَمَاهُ بِهِ وَقَالَ اِنِّي كُنْتُ نَهَيْتُهُ فَاَبَى اَنْ يَنْتَهِيَ اَنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم نَهَى عَنِ الشَّرْبِ فِي اِنِيَةِ الْفِضَّةِ وَالذَّهَبِ وَلَبِيسِ الْحَرِيرِ وَالْدِّيبَاكِ وَقَالَ هِيَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَكُمْ فِي الْاٰخِرَةِ.

ترجمہ: ابن ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، حضرت حدیفہ رضی اللہ عنہ نے پانی مانگا ایک آدمی چاندی کے برتن میں ان کے لئے پانی لے کر آیا۔ انہوں نے اسے پھینک دیا اور بتایا کہ میں نے اسے منع کیا تھا لیکن یہ نہیں مانا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے اور چاندی کے برتنوں میں پینے سے منع کیا ہے اور ریشم اور دیبا کی پہنے سے منع کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ یہ ان (کفار) کے لئے دنیا میں ہیں اور تمہارے لئے آخرت میں ہوں گے۔

تشریح: سونے چاندی کے برتن استعمال کرنے کا حکم؟ آئمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ مسلمان مرد و عورت کے لیے سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال جائز نہیں ہے۔

حدیث باب میں ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے پانی طلب کیا، بخاری کی روایت میں عراق کے شہر ”مدائن“ کا بھی ذکر ہے کہ اس میں یہ واقعہ پیش آیا، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے منع کیا کہ سونے، چاندی کے برتنوں میں پانی نہ دیا جائے اس کے باوجود اس پر عمل نہیں کیا گیا۔ چنانچہ بخاری کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ آپ نے اس برتن کو پھینک دیا اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے لیے سونے چاندی کے برتن اور مردوں کے لیے ریشم کا استعمال حرام قرار دیا ہے۔ اور فرمایا: **هِيَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَكُمْ فِي الْآخِرَةِ**۔ کہ کفار دنیا میں ہر لحاظ سے آزادانہ زندگی بسر کرتے ہیں اور مسلمان چونکہ آزاد نہیں بلکہ اسلامی حدود و ضوابط کا پابند ہے، ہر وہ چیز جس سے انسان آخرت سے غافل ہو جائے اور جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ذریعہ بنے اس سے منع کیا ہے، اور اجر بتا دیا کہ اگر تم اس کے مطابق زندگی گزارو گے تو یہ یہ نعمتیں تمہیں آخرت میں حاصل ہوں گی، لہذا اگر دنیا میں سونے چاندی کے برتن اور ریشم کے استعمال سے پرہیز کرو گے تو یہ نعمتیں میں تمہیں آخرت میں عطا کی جائے گی اور کافر محروم ہوں گے اسی کو **وَلَكُمْ فِي الْآخِرَةِ** سے بیان کیا ہے۔

حریر و دیباج کا حکم؟

اس پر بھی اتفاق ہے ان کا استعمال مردوں کے لیے جائز نہیں بکثرت روایات میں ممانعت وارد ہوئی ہے البتہ جنگ اور مرض وغیرہ کی بناء پر ضرورت اجازت دی گئی ہے اسی طرح تین چار انگلیوں کے بقدر جیسے بوٹے اور کڑھائی وغیرہ میں ریشم استعمال کر لی گئی ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے ایسے جبہ کا پہننا ثابت ہے کہ جس میں تھوڑا سا ریشم کا کام ہوا تھا، تو ضیح: صاحبین رحمہم اللہ نے اس کو پہننے کی مطلقاً اجازت دی ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے بکراہت جائز ہے کیونکہ ضرورت تو لباس مخلوط کہ اس میں ریشم و سونا دونوں ملے ہوئے ہوں اس سے بھی دفع ہو جائے گی اور جن روایات میں آپ ﷺ سے اجازت منقول ہے وہ لباس مخلوط ہی پر محمول ہیں البتہ عورتوں کے لیے ریشم و دیباج کا استعمال جائز ہے جیسا کہ دیگر روایات سے ثابت ہے۔

مسئلہ: اگر سونے اور چاندی کے برتن تزیین و تجل کے لیے بنوا کر گھر میں رکھے جائیں اور استعمال نہ کیے جائیں تو گنجائش ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں تحریم استعمال سے ہے نہ کہ اتخاذ سے اور فرماتے ہیں کہ جس طرح کوئی آدمی ریشم کے کپڑے بنوالے اور ان کو استعمال نہ کرے تو یہ جائز ہے اسی طرح سونے چاندی کی بھی اجازت ہونی چاہی۔

جواب: کہ جس چیز کا استعمال ممنوع ہے اس کا اتخاذ علیٰ حمیۃ الاستعمال بھی درست نہ ہوگا۔ رہے ریشمی لباس اور کپڑے تو وہ قطعاً حرام نہیں ہیں بلکہ عورتوں کے لیے مطلقاً اور مردوں کے لیے بعض مواقع پر جائز ہیں۔

(۲) اگر کوئی برتن سونے اور چاندی سے جڑا ہوا ہو تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس میں پینا جائز ہے بشرطیکہ ایسی جگہ سے پانی پیئے جہاں پر سونا چاندی لگا ہوا نہ ہو اسی طرح تخت اور کرسی وغیرہ بھی اگر سونے یا چاندی سے جڑی ہوئی ہوں اور استعمال ذہب و فضہ لازم نہ آئے تو استعمال کرنا جائز ہے۔ کذا فی العینی مگر امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ نے مکروہ قرار فرمایا ہے و قیل قول محمد مثل قول ابی حنیفہ۔

(۳) جس برتن پر سونے چاندی کا پانی کیا گیا ہو اگر پگھلانے سے سونا و چاندی الگ ہو سکتا ہو تو اس کا استعمال جائز نہیں اور الگ الگ نہ ہو سکے تو اس کے استعمال میں حنفیہ کے نزدیک کوئی حرج نہیں ہے۔ (یعنی)

(۴) ریشم کا تکیہ بنانا یا پردہ بنا کر دروازوں پر لٹکانا اور اس پر سونا امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے مگر صاحبین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ مکروہ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ الشُّرْبِ قَائِمًا

باب ۱۱: کھڑے ہو کر پینے کی ممانعت کے بارے میں

(۱۸۰۰) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى أَنْ يُشْرَبَ الرَّجُلُ قَائِمًا فَقِيلَ أَلَا كُلُّ ذَلِكَ أَشَدُّ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے کھڑے ہو کر پینے سے منع کیا ہے۔ ان سے دریافت کیا گیا، کھانے کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے فرمایا۔ یہ زیادہ شدید (برا) ہے۔

(۱۸۰۱) إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنِ الشُّرْبِ قَائِمًا.

ترجمہ: حضرت جبارود بن معلى رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے کھڑے ہو کر پینے سے منع کیا ہے۔
تشریح: عن انس رضي الله عنه ان النبي ﷺ نهى ان يشرب الرجل قائما ف قيل: الا كل ذلك اشد. حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کھڑے ہو کر پینے سے منع کیا ہے تو پوچھا گیا کہ کھانا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ (کھڑے ہو کر) کھانا تو اس سے کہیں زیادہ سختی سے منع ہے،
ضالة المسلم حرق النار: جبارود سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان کی گمشدہ چیز (اپنی ملکیت میں لے لینا) گویا جہنم کی آگ کا شعلہ (لینا) ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي الشُّرْبِ قَائِمًا

باب ۱۲: کھڑے ہو کر پینے کی رخصت کے بارے میں

(۱۸۰۲) كُنَّا نَأْكُلُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَنَحْنُ نُمَشِي وَنَشْرَبُ وَنَحْنُ قِيَامٌ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ کے زمانہ اقدس میں ہم لوگ چلتے پھرتے ہوئے کھالیا کرتے تھے اور کھڑے ہو کر پی لیا کرتے تھے۔

(۱۸۰۳) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ شَرِبَ مِنْ زَمْرٍمَ وَهُوَ قَائِمٌ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے کھڑے ہو کر آب زم زم پیا تھا۔

(۱۸۰۴) رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَشْرِبُ قَائِمًا وَقَاعِدًا.

ترجمہ: عمرو بن شعیب رحمہ اللہ اپنے والد سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں، میں نے نبی اکرم ﷺ کو کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر پیتے ہوئے دیکھا ہے۔

تشریح: کھڑے ہو کر پانی پینے کا مسئلہ: کھڑے ہو کر پانی پینے کے بارے میں روایات مختلف ہیں بعض روایات میں ممانعت منقول ہے جبکہ دیگر بعض روایات سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہاں پر دونوں کی طرح روایات ذکر کی ہیں بظاہر ان روایات میں تعارض ہے۔

دفع تعارض: اکثر حضرات نے دونوں قسم کی احادیث میں تطبیق دی ہے یہ تطبیق دو طرح سے دی گئی ہے۔

تطبیق اول: امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کھڑے ہو کر پانی پینا چونکہ طبی لحاظ سے صحت کے لیے نقصان دہ ہے اس لیے کھڑے ہو کر پینے سے منع کیا گیا ہے لہذا کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت والی احادیث ضرر طبی کے اعتبار سے ہیں، اور احادیث جواز شرعی اجازت پر محمول ہیں۔

اعتراض: علامہ ابن نجیم اور علامہ شامی رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے کہ راستوں پر لوگوں کے سامنے کھلم کھلا کھانا اور پینا قلت مروت کی بناء پر مسقط شہادت ہے پھر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ عمل کیسے پایا گیا۔

جواب ①: ممکن ہے کہ یہ حالت سفر کا واقعہ ہو چنانچہ علماء نے سفر کی بناء پر مسافروں کو راستوں میں کھانے کی اجازت دی ہے۔

جواب ②: حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مسقط شہادت تو بازاروں میں سڑکوں پر کھانا ہے یہاں روایت میں اس کی تصریح نہیں ہے۔

جواب ③: حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم امثال اوامر اور اجتناب نواہی میں سب سے سبقت کرتے تھے۔ ان کی عدالت مسلمات میں سے تھے ان پر دوسرے لوگوں قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ آپ ﷺ نے زمزم کھڑے ہو کر کیوں پیا؟ (تفصیل جلد اول میں)

وفی الباب عن علی رضی اللہ عنہ اخرجہ احمد والبخاری سعد رضی اللہ عنہ اخرجہ الترمذی عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما واخرجہ الترمذی بعد هذا عائشة رضی اللہ عنہا اخرجہ البزار وابو علی الطوسی هذا حدیث حسن صحیح اخرجہ الشیخان.

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّنْفُسِ فِي الْإِنَاءِ

باب ۱۳: برتن میں سانس لینے کے بارے میں

(۱۸۰۵) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَتَنَفَّسُ فِي الْإِنَاءِ ثَلَاثًا وَيَقُولُ هُوَ أَمْرٌ وَأَرْوَى.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ برتن میں تین مرتبہ سانس لیا کرتے تھے اور فرماتے تھے یہ زیادہ سیراب کرنے والا اور زیادہ خوشگوار ہے۔

(۱۸۰۶) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَتَنَفَّسُ فِي الْإِنَاءِ ثَلَاثًا.

ترجمہ: ثمامہ بن انس، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ برتن میں تین مرتبہ سانس لیا کرتے تھے۔
(۱۸۰۷) لَا تَشْرَبُوا وَاحِدًا كَشْرَبِ الْبَعِيرِ وَلَكِنْ اشْرَبُوا مِثْلِي وَثَلَاثَ وَسُمُّوا إِذَا أَنْتُمْ شَرِبْتُمْ وَاحِدًا إِذَا أَنْتُمْ رَفَعْتُمْ.

ترجمہ: عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے، اپنے والد کے حوالے سے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ بیان نقل کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ اونٹ کی طرح ایک ہی سانس میں نہ پی جاؤ بلکہ دو یا تین سانسوں میں پیو جب پیئے لگو تو، بسم اللہ، پڑھ لو اور جب پی چکو تو ”الحمد للہ“ پڑھو۔

تشریح: کان یتنفس فی الاناء: یہاں بظاہر اشکال ہوتا ہے کہ دوسری روایات میں آپ ﷺ سے تنفس فی الاناء کی ممانعت منقول ہے چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت آگے آرہی ہے کہ اور امام ترمذی رضی اللہ عنہ نے مستقل اس پر باب بھی قائم کیا ہے، تعارض ہو گیا۔
جواب: ممانعت والی روایت کا مطلب یہ ہے کہ برتن کو منہ سے ہٹائے بغیر پیتے پیتے سانس اسی میں لیتے رہیں اور روایت الباب کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ پانی پیتے اور سانس درمیان میں برتن کو منہ سے ہٹا کر لیتے تھے۔ اور تین سانس میں پانی اس طرح نوش فرماتے تھے لہذا اب کو تعارض نہیں ہے۔
پانی پیتے وقت سانس لینے کا مسنون طریقہ:

سنت یہ ہے کہ پانی پینے کے درمیان تین سانس لیے جائیں، یہ سانس برتن کے اندر نہیں بلکہ برتن سے منہ کو الگ کر کے سانس لئے جائیں، ایک ہی سانس میں یکبارگی پانی پینا گوجاز ہے لیکن بہتر نہیں، اور اس طرح پینے سے طبی لحاظ سے بہت نقصانات بھی ہیں۔ نبی کریم ﷺ عموماً ٹھہر ٹھہر کر تین سانسوں میں پانی پیتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس انداز سے پانی پینا زیادہ پر لطف، خوشگوار، زیادہ سیرابی اور پیاس بجھانے کا باعث ہے، جبکہ ایک ہی سانس میں پینے سے یہ فوائد حاصل نہیں ہوتے، حدیث باب میں ایک ہی سانس میں یکبارگی پانی پینے کو اونٹ کے پینے کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ وہ اسی طرح پیتا ہے آپ نے فرمایا کہ تم دو یا تین سانسوں میں پانی پیا کرو۔ پینے سے پہلے بسم اللہ اور آخر میں اللہ کی حمد و ثنا کی جائے۔

هُوَ أَمْرٌ وَأَرْوَى ہو کا مرجع یا تو تعدد نفس ہے یا تثلیث امرء امرء الطعام سے ماخوذ ہے جب کہ کھانا معدے کی موافقت کرے یعنی اچھی طرح ہضم ہو جائے اروی روی سے ماخوذ ہیں جس کے معنی پیاس کو زیادہ بجھانے والا۔ مسلم شریف کی روایت میں انہ ابرا و امراء واقع ہوا ہے اور سنن ابوداؤد میں اهناء کا لفظ واقع ہوا ہے کہ جو ہناء سے ماخوذ ہے اس کے معنی خوشگوار، اب حدیث کے معنی: یہ ہوں گے کہ اس طرح تین سانس میں پینا نہایت خوشگوار اور مرض عطش سے براءت و سلامتی کا ذریعہ ہے یعنی پیاس بجھانے کے لیے نہایت دافع اور ہضم، کے لیے انتہائی معین و مددگار ہے معدے کے لیے ضعف کا باعث بھی نہیں اور معدہ کی حرارت کے نافع بھی ہے فعل التفضیل کا صیغہ اس پر دال ہے کہ یہ خصوصیات تعدد نفس اور تثلیث کا نتیجہ ہے لہذا ایک سانس میں پینا سیراب بھی نہیں کرے گا اور خوشگوار بھی نہ ہوگا اور معدے کے لیے مضر ہے۔

پانی پینے کے آداب:

مختلف احادیث میں منقول ہیں: (۱) پانی بیٹھ کر پیا جائے۔ (۲) دائیں ہاتھ سے پیا جائے۔ (۳) ابتداء میں بسم اللہ پڑھی

جائے۔ (۴) تین سانسوں میں پیا جائے اور ہر سانس کے ساتھ الحمد للہ کہا جائے۔ (۵) گلاس کے اندر سانس نہ لیا جائے بلکہ گلاس کو منہ سے الگ کر کے سانس لیا جائے۔ (۶) اور پینے کے بعد اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے۔ اس کے لیے صرف ”الحمد للہ“ کہہ دینا بھی کافی ہے۔ اور بعض علماء سے یہ دعا بھی منقول ہے: الحمد لله الذي سقاني برحمته ماء عذبا باردا فراتا، ولم يجعله بذنوبي ملحا اجاجا۔

بَابُ مَا ذَكَرَ فِي الشَّرْبِ بِنَفْسَيْنِ

باب ۱۴: پیتے وقت دوسانس لینا بھی جائز ہے

(۱۸۰۸) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا شَرِبَ تَنَفَّسَ مَرَّتَيْنِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ جب پیا کرتے تھے، تو دو مرتبہ سانس لیتے تھے۔
تشریح: پانی پیتے وقت دوسانس لینا بھی جائز ہے: پچھلے باب میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے نبی کریم ﷺ کا عام معمول ذکر فرمایا کہ آپ ﷺ پانی پیتے وقت برتن سے منہ الگ کر کے تین سانس لیتے تھے یہی مسنون طریقہ ہے اس باب میں یہ ذکر کیا کہ آپ ﷺ سے دوسانس میں پانی پینا بھی ثابت ہے اس لیے یہ عمل گوجائز ہے تاہم اس طرح پینے کا عام معمول نہیں بنانا چاہیے۔
فائدہ: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس روایت میں یہ امکان ہے کہ راوی نے تیسرے سانس کا ذکر نہ کیا ہو اس لیے دوسانسوں سے پانی پینے کے بارے میں حدیث باب سے استدلال کرنا تام نہیں ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ۸، ۶)

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ التَّفَخُّ فِي الشَّرَابِ

باب ۱۵: پینے کی چیز میں پھونک مارنے کے مکروہ ہونے کے بارے میں

(۱۸۰۹) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنِ التَّفَخُّ فِي الشَّرْبِ فَقَالَ رَجُلٌ الْقَذَاةُ أَرَاهَا فِي الْإِنَاءِ قَالَ إِهْرِقْهَا قَالَ فَإِنِّي لَا أَرَوِي مِنْ نَفْسٍ وَاحِدٍ قَالَ فَإِنَّ الْقَدْحَ إِذْنٌ عَنْ فَيْكِ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے پینے کی چیز میں پھونک مارنے سے منع کیا ہے۔ ایک شخص نے عرض کی۔ اگر اس میں کوئی گندی چیز مجھے نظر آ جاتی ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ تو اسے انڈیل دو! اس نے عرض کی۔ میں ایک سانس میں پی کر سیراب نہیں ہوتا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ تم برتن کو اپنے منہ سے الگ کر لیا کرو۔

(۱۸۱۰) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى أَنْ يَتَنَفَّسَ فِي الْإِنَاءِ أَوْ يُتَفَخَّ فِيهِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے (برتن میں) سانس لینے یا اس میں پھونک مارنے سے منع کیا ہے۔
تشریح: پھونک مارنے سے کیوں منع فرمایا؟ اس باب میں مصنف رحمہ اللہ نے یہ ادب بیان فرمایا ہے کہ کھانے پینے کی چیزوں میں

پھونک نہ ماری جائے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم عام ہے کیونکہ پھونک مارتے وقت بسا اوقات تھوک وغیرہ مشروب میں گرنے کا اندیشہ ہے جس سے خود بھی گھن ہو سکتی ہے اور دوسرے ساتھی کو بھی گھن ہو سکتی ہے نیز اطباء فرماتے ہیں کہ پھونک کے ذریعہ خراب بخارات منہ سے نکل کر مشروب میں مضرت پیدا کر سکتے ہیں جس سے امراض پیدا ہونے کا اندیشہ ہے چنانچہ جدید اطباء اس کے بارے میں سختی سے ممانعت فرماتے ہیں کہ پھونک کے ذریعہ زہریلے بخارات نکلتے ہیں وہ ایسے جراثیم پر مشتمل ہوتے ہیں جو انتہائی نقصان دہ ہیں نیز پھونک مارنے سے ٹھنڈے پانی کی برودت بھی ختم ہونے کا احتمال ہے لہذا بہتر یہ ہے کہ اگر کھانا گرم ہو تو صبر کرے اور اگر کوئی کوڑا کرکٹ وغیرہ مشروب شئی میں ہو تو اس کو تجچے وغیرہ سے نکال دے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو گرا کر نکالنے کا حکم فرمایا وہ تو آخری درجہ ہے جب کہ کوئی شئی اس تنکے کو نکالنے کے لیے نہ ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الشَّنْفِ فِي الْإِنَاءِ

باب ۱۶: برتن میں سانس لینا مکروہ ہے

(۱۸۱۱) إِذَا شَرِبْتَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَتَنَفَّسُ فِي الْإِنَاءِ.

ترجمہ: عبد اللہ بن ابوقادہ رضی اللہ عنہ اپنے والد کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ جب کوئی شخص پیئے تو برتن میں سانس نہ لے

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنْ اخْتِنَاتِ الْأَسْقِيَةِ

باب ۱۷: مشکیزوں سے منہ لگا کر پینے کے (حکم) کے بارے میں ہے

(۱۸۱۲) أَنَّهُ نَهَى عَنْ اخْتِنَاتِ الْأَسْقِيَةِ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، انہوں (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) نے مشکیزے کو اوندھا کر کے پینے سے منع کیا ہے۔
لغات: اختنات حث سے باب افتعال کا مصدر ہے: مشک کے منہ کو اوپر کی طرف سے موڑ کر اندر سے پانی پینا، مشکیزے سے منہ لگا کر پانی پینے کا حکم: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشکیزے وغیرہ کا منہ موڑ کر اس سے براہ راست پانی پینے سے منع فرمایا ہے، محدثین نے اس ممانعت کی مختلف مصلحتیں اور حکمتیں بیان کی ہیں۔

ممانعت کیوں؟ اس طرح پانی پینے کی ممانعت مختلف وجوہ کی بناء پر ہے جن میں سے بعض کا ذکر روایات میں ملتا ہے۔

(۱) ممکن ہے کہ پانی میں کوئی زہریلا جانور ہو وہ پانی کے ساتھ پیٹ میں چلا جائے جس سے نقصان کا اندیشہ ہے چنانچہ احمد ابن حنبل، ابوبکر بن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص نے اس طرح پانی پی لیا تو سانپ اس کے پیٹ میں چلا گیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ لگا کر پانی پینے سے منع فرمادیا تھا لہذا اس علت کا تقاضا یہ ہے کہ اگر سارا پانی نظروں کے سامنے ہو تو پھر منہ لگا کر پانی پینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۲) اس طرح مشکیزے سے منہ لگا کر پانی پینے سے پانی خراب ہونے کا خطرہ ہے کہ اس پانی میں تعفن پیدا ہونے کا اندیشہ ہے چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: نہی ان یشرب من فی السقاء لان ذالک ینتہنہ۔

(۳) اس طرح منہ لگا کر پانی پینے سے مقدار سے زیادہ ایک لخت پانی منہ میں آئے گا۔ جس سے قدر حاجت سے زیادہ پانی ہونے کی وجہ سے پانی گلے میں اٹک جانے کا اندیشہ ہے کہ سانس بند ہو کر موت واقع ہو سکتی ہے نیز قلب کے برابر والی رگوں کے کٹ جانے کا بھی خطرہ ہے جس سے ہلاکت ہو سکتی ہے۔

(۴) اگر شراب نے کوئی میٹھی چیز کھا کر منہ لگا یا اور پانی پی لیا تو ظاہر ہے کہ مٹھاس کا اثر مشکیزہ کے منہ پر ہو جائے گا، اور اس پر چپکا ہٹ کی وجہ سے مختلف زہریلے کیڑے مکوڑے کھیاں اس جگہ بیٹھیں گی جن سے گندگی بھی پیدا ہوگی اور جانور کے زہر کا اثر بھی ہو سکتا ہے اب اس کے بعد خود یا اور کوئی پانی پیئے گا تو نقصان کا قوی اندیشہ ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي ذَلِكَ

باب ۱۸: مشک کے منہ سے پانی پینے کا جواز

(۱۸۱۳) رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ قَامَ إِلَى قِرْبَةٍ مُّعَلَّقَةٍ فَخَنَّثَهَا ثُمَّ شَرِبَ مِنْ فِيهَا.

ترجمہ: عیسیٰ بن عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں۔ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آپ ایک لٹکے ہوئے مشکیزے کے طرف گئے آپ نے اسے اوندھا کیا اور اس کے منہ کے ساتھ منہ لگا کر پی لیا۔

(۱۸۱۴) دَخَلَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَشَرِبَ مِنْ فِي قِرْبَةٍ مُّعَلَّقَةٍ قَائِمًا فَقُمْتُ إِلَى فِيهَا فَقَطَعْتُه.

ترجمہ: عبد الرحمن بن ابو عمرہ اپنی دادی سیدہ کبشہ رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ میرے ہاں تشریف لائے آپ نے لٹکے ہوئے مشکیزے کے منہ کے ساتھ منہ لگا کر کھڑے ہو کر پیا، میں اٹھی اور میں نے اس کے منہ کو کاٹ لیا (اور برکت کے طور پر محفوظ کر لیا)۔

تشریح: مشک کے منہ سے پانی پینا جائز ہے؟ حکم شرعی: اس طرح منہ لگا کر پانی پینے کے بارے میں اختلاف ہے علامہ ابن حزم رحمہ اللہ ظاہری تحریم کے قائل ہیں علامہ اثرم نے فرمایا کہ احادیث ناہیہ ناسخ احادیث اباحت ہیں اور جمہور علماء فرماتے ہیں، کہ نہی تنزیہی ہے یا ارشادی ہے البتہ امام مالک رحمہ اللہ مطلقاً جواز بلا کراہت کے قائل ہیں جمہور علماء نے فرمایا کہ اگرچہ ممانعت کی روایات آپ ﷺ سے مروی ہیں مگر ان کے بالمقابل رخصت و اباحت کی روایات بھی مروی ہیں جن کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں ذکر فرمایا ہے۔

اعتراض: اس باب کی احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مشک کے منہ سے براہ راست پانی پینا جائز ہے کوئی حرج نہیں، جبکہ اس سے پہلے باب میں ممانعت ذکر کی گئی ہے تو روایات میں بظاہر تعارض ہے۔

جواب ①: جن احادیث میں مشک کے منہ سے پانی پینے سے منع کیا گیا ہے اس سے وہ بڑی مشک مراد ہے جس کا منہ زیادہ بڑا اور کھلا ہوتا ہے کیونکہ اس طرح کی مشک سے پانی پینے کی بناء پر وہ تمام مفاسد پیش آتے ہیں جو پہلے ذکر کیے گئے ہیں، اور نبی کریم

ﷺ کا عمل چھوٹی مشک سے متعلق ہے جس کا منہ تنگ ہوتا ہے اور اس میں مذکورہ نقصانات کا خطرہ نہیں ہوتا۔

(فتح البخاری کتاب الاشرۃ باب الشرب من فم السقاء، ۱۱۳)

جواب ②: ابن العربی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگی ضرورت کی وجہ سے یا وقت کی تنگی کی وجہ سے یا برتن نہ ہونے کی وجہ سے مشکیزے کے منہ سے پیا ہو گا یا ضرورت کی وجہ سے ایسا کیا گیا اور ممانعت والی احادیث کا تعلق عام حالات سے ہے۔ (عارضۃ الاحوذی کتاب الاشرۃ باب ما جاء فی النہی عن اختناث الاسقیۃ ۸۲، ۸)

جواب ③: ممانعت کا تعلق دوام اور عادت سے ہے کہ اس طرح مشک سے منہ لگا کر پینے کی عادت نہیں ڈالنی چاہیے اس میں دیگر خرابیوں کے علاوہ مشک کے منہ میں رفتہ رفتہ بد بو پیدا ہونے لگتی ہے اور نبی کریم ﷺ کا یہ عمل بیان جواز کے لیے تھا۔

جواب ④: علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ ممانعت مکروہ تنزیہی کے درجے میں ہے حرمت کے درجے میں نہیں ہے اور آپ کا عمل بیان جواز کے لیے تھا اور مکروہ تنزیہی اور جواز دونوں میں کوئی۔ ادھوری بات توجہ کریں۔

(شرح الطیبی کتاب الطعمۃ باب الاشرۃ الفصل الاول ۸، ۱۸۶)

اخرچہ احمد ابن ماجہ ویزید بن یزید الخ فرماتے ہیں کہ یزید عبدالرحمن بن یزید کے بھائی ہیں جو اپنے بھائی عبدالرحمن سے پہلے انتقال فرما گئے تھے۔

فائدہ: آپ ﷺ نے کھڑے کھڑے لٹکے ہوئے مشکیزے کے منہ سے پانی پیا، حضرت کبشہ فرماتی ہیں کہ میں نے مشک کا وہ حصہ جس پر نبی کریم ﷺ کے ہونٹ مبارک لگے تھے اسے کاٹ لیا یہ کاٹنا تو ادب کی وجہ سے تھا تا کہ اسے کوئی اور استعمال نہ کرے اور اس پر کسی اور کا منہ نہ لگے یا برکت کے لیے اسے رکھا گیا تا کہ اس کے ذریعہ برکت اور شفاء حاصل کی جائے۔

(مرقاۃ المفاتیح، کتاب الطعمۃ باب الاشرۃ الفصل الثانی ۸، ۱۰۵)

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہ السلام اور اولیاء کرام علیہم السلام کے تبرکات لینا اور انہیں اپنے پاس رکھنا شرعاً جائز ہے بشرطیکہ انہیں ناجائز مقاصد اور اسلام کے خلاف کاموں کے لیے استعمال نہ کیا جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَنَّ الْإِيْمَنِينَ أَحَقُّ بِالشَّرْبِ

باب ۱۹: دائیں طرف بیٹھے ہوئے لوگ (کھانے) پینے میں زیادہ حقدار ہیں

(۱۸۱۵) اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اَتَى بِلَبَنٍ قَدْ شَيْبَ بِمَاءٍ وَعَنْ يَمِينِهِ اَعْرَابِيٌّ وَعَنْ يَسَارِهِ اَبُو بَكْرٍ فَشَرِبَ ثُمَّ اَعْطَى الْاَعْرَابِيَّ وَقَالَ الْاِيْمَنُ فَاَلَا اِيْمَنُ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں دودھ لایا گیا جس میں پانی ملا یا گیا تھا۔ آپ کے دائیں طرف ایک دیہاتی موجود تھا اور بائیں طرف حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ آپ نے اسے پی لیا پھر دیہاتی کو دیتے ہوئے فرمایا۔ دائیں طرف والے کا حق پہلے ہوتا ہے۔

لغات: ایمنین: ایمن کی جمع ہے دائیں طرف بیٹھے ہوئے لوگ۔

الایمن فالایمن کی نحوی ترکیب:

اس کی ترکیب نحوی میں دو احتمال ہیں اسی وجہ سے الایمن فالایمن کو مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں اور منصوب بھی۔ (۱) یہ مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور اس کی خبر محذوف ہے اور وہ ”احق“ یا ”مقدم“ ہے اصل عبارت یوں ہے کہ الایمن احق فی الشرب فالایمن احق ہے۔ (۲) یا یہ دونوں لفظ فعل محذوف کے مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں یعنی اعط یا قدم الایمن فالایمن (۳)

بَاب مَا جَاءَ أَنَّ سَاقِيَ الْقَوْمِ آخِرُهُمْ شَرَبًا

باب ۲۰: لوگوں کو پلانے والا سب سے آخر میں خود پیئے گا

(۱۸۱۶) سَاقِيَ الْقَوْمِ آخِرُهُمْ شَرَبًا.

ترجمہ: حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں۔ لوگوں کو پلانے والا سب سے آخر میں خود پیئے گا۔

بَاب مَا جَاءَ أَيُّ الشَّرَابِ كَانَ أَحَبُّ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ

باب ۲۱: نبی اکرم ﷺ کو کون سا مشروب زیادہ محبوب تھا

(۱۸۱۷) كَانَ أَحَبُّ الشَّرَابِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَنْ يَحْلُوَ الْبَارِدُ.

ترجمہ: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، نبی اکرم ﷺ کے نزدیک سب سے پسندیدہ مشروب میٹھا اور ٹھنڈا تھا۔

(۱۸۱۸) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ سِئِلَ أَيُّ الشَّرَابِ أَطْيَبُ قَالَ يَحْلُوُ الْبَارِدُ.

ترجمہ: زہری رضی اللہ عنہ بیان کر رہے ہیں، نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا۔ کون سا مشروب پاکیزہ ہوتا ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو میٹھا اور ٹھنڈا ہو۔

تشریح: آپ ﷺ کو میٹھا اور ٹھنڈا مشروب بہت پسند تھا: مذکورہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو میٹھا اور ٹھنڈا مشروب بہت پسند تھا کیونکہ یہ جسمانی حرارت کو دور کرنے اور صحت کے لیے مفید ہونے کے ساتھ دل کی گہرائیوں سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور شکر کرنے کا باعث ہوتا ہے۔

حدیث میں ”الْحُلُو الْبَارِدُ“ (میٹھی اور ٹھنڈی چیز) سے صرف پانی ہی مراد نہیں ہے بلکہ اس عموم مراد ہے کہ آپ کو ہر میٹھا اور ٹھنڈا مشروب بہت پسند تھا خواہ وہ میٹھا پانی ہو یا دودھ، بنید، ہو یا شہد وغیرہ کا شربت، اس وضاحت سے حدیث باب اور ان دو حدیثوں کے درمیان مطابقت اور یکسانیت پیدا ہو جاتی ہے، جن میں سے ایک میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو پینے کی چیزوں میں دودھ سب سے زیادہ پسند تھا، اور دوسری روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ کو مشروبات میں شہد سب سے زیادہ محبوب تھا۔

”والصحيح ما روى الزهري عن النبي ﷺ مرسلًا“ اس عبارت سے امام ترمذی رحمہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ امام زہری رحمہ اللہ نے اس روایت کو دو طرح سے نقل کیا ہے ایک مسند یعنی سند کے ساتھ، جس طرح اس روایت میں سند مذکور ہے عن الزہری رحمہ اللہ، عن عروۃ، عن عائشہ رضی اللہ عنہا، اور دوسرا اس روایت کو مرسل یعنی صحابیہ رضی اللہ عنہا کے ذکر کے بغیر روایت کیا ہے، بلکہ عبارت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ عروہ کا ذکر بھی نہیں ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام زہری رحمہ اللہ کی وہ روایت جو بذریعہ ارسال ہم تک پہنچی ہے وہ صحیح ہے گویا امام ترمذی رحمہ اللہ نے مرسل کو ترجیح دی ہے اور انہوں نے شاکل میں اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس روایت کو اکثر راویوں نے مرسل ہی روایت کیا ہے اس لیے یہی صحیح ہے البتہ صرف ابن عیینہ نے اسے مسنداً ذکر کیا ہے۔

اس تحقیق پر بحث ہے: ملا علی قاری رحمہ اللہ نے امام ترمذی رحمہ اللہ کی اس تحقیق پر بحث کی ہے:

(۱) سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ ایک ثقہ راوی اور تابعی ہیں، جب وہ اس حدیث کو عن معمر۔ عن الزہری، عن عروۃ عن عائشہ رضی اللہ عنہا، مرفوعاً روایت کر رہے ہیں تو یقیناً اس روایت کی سند صحیح ہوگی اور جس طریق میں ثقہ راوی زیادہ ہوں تو وہ سند اور متن دونوں اعتبار سے مقبول ہوتی ہے۔

(۲) اس میں کوئی شک نہیں کہ مرسل روایت جمہور کے نزدیک حجت ہے اور فضائل اعمال میں سب کے نزدیک معتبر ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود ابن ہمام رحمہ اللہ کی تصریح کے مطابق ”مسند روایت“ کے مقابلے میں مرسل کا اعتبار نہیں ہوتا اگرچہ اسے اکثر راویوں نے مرسل ہی ذکر کیا ہو۔

(۳) نیز امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور حاکم نے مستدرک میں اس روایت کو مسنداً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے طریق سے روایت کیا ہے۔

ان تمام وجوہ سے طریق مسند ہی رائج ہے۔



أَبْوَابُ الْبِرِّ وَالصَّلَةِ

صلہ رحمی کے بیان میں

تشریح: البر: بکسر الباء وتشدید الراء حسن سلوک کرنا، خدمت کرنا، احسان کرنا، حدیث شریف میں بر متعدد معانی میں مستعمل ہے بعض مواقع میں اس کے معنی اطمینان قلب و نفس کے ہیں اور بعض احادیث میں اس سے مراد احسان ہے اور بعض جگہ بر کے معنی مایقرب الی اللہ کے ہیں یعنی ایسا قول و فعل جو اللہ کے قرب کا ذریعہ بنے۔

حسن الخلق کی دو قسمیں ہیں: (۱) حسن الخلق مع الخلق یعنی مخلوق الہی کے ساتھ حسن معاشرت ہو۔

خلاصہ حسن الخلق ہے: ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بر کے معنی حسن الخلق مع الخلق بامر الحق و مداراة الخلق و مراعاة الحق کے ہیں، یعنی مخلوق کے ساتھ اچھے اخلاق اور مدارات کے ساتھ اس طرح پیش آنا جس طرح اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے۔ یہاں مراد یہ ہے کہ مخلوق کے ساتھ حسن سلوک ہو خواہ مخلوق سے رنج و غم بھی پہنچتا ہو مگر غیظ و غضب پر قابو پا کر ان کے ساتھ خندہ پیشانی اور شریں کلامی کے ساتھ پیش آنا بعض محققین فرماتے ہیں کہ لفظ بر انتہائی جامع لفظ ہے جو مختلف طاعات اور اعمال مقربات کو شامل ہے جن کا خلاصہ حسن الخلق ہے۔

(۲) حسن الخلق مع الخالق: وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے جملہ فرائض و حقوق کو اچھی طرح بجالائے اور اس بات کا یقین رکھے کہ جو کچھ وہ عبادات وہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے انعامات کے مقابلہ میں وہ ناقص ہیں۔ الحاصل بر کی تفسیر حسن الخلق مع الخالق و الخلق سے کی گئی ہے جو بیشتر انواع کو شامل ہے۔

الصلة: یہ باب ضرب بضرب سے ہے اس کی اصل، الوصل ہے جس کے معنی ملانا، جوڑنا، جمع کرنا نیکی کرنا، رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا، مہربانی کرنا، نیز صلہ بمعنی احسان۔ عطیہ اور انعام بھی ہے، اس کی جمع صلوات آتی ہے۔ صلۃ الرحم، احسان الی الاقربین سے کنایہ ہے اقربین خواہ نسبی ہو یا صہری یہاں مراد اپنے اعزہ و اقرباء کے ساتھ حسن سلوک اور نرم برتاؤ کرنا اور ان کے احوال کی خبر گیری کرنا اگرچہ وہ تمہارے ساتھ بدسلوکی سے پیش آئیں۔ کہا قال النبی ﷺ: واحسن الی من اساء الیک و کذا قال علیہ السلام لیس الواصل بالکمافی ولكن الواصل من اذا انقطعت رحمہ وصلہا۔ یعنی کوئی عزیز قطع رحمی کرے مگر اس کے ساتھ صلہ رحمی کا برتاؤ کرنا ہی کا کامل صلہ رحمی ہے اگر صلہ رحمی کرنے والے کے ساتھ صلہ رحمی کی تو یہ بدلہ ہوگا کامل صلہ رحمی شمار نہیں کی جائے گی، بہر حال صلہ رحمی مطلقاً احسان الی الاقربین کا نام ہے خواہ ان کا سلوک کسی طرح کا بھی ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي بَرِّ الْوَالِدَيْنِ

باب ۱: والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا

(۱۸۱۹) قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَنْ أَبَرُّ قَالَ أُمُّكَ قَالَ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ أُمُّكَ قَالَ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ ثُمَّ أَبَاكَ ثُمَّ الْأَقْرَبُ فَلَا اقْرَب.

ترجمہ: بہن بن حکیم رضی اللہ عنہ اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں، میں عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ اچھے سلوک کا زیادہ حق دار کون ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ تمہاری والدہ، راوی بیان کرتے ہیں۔ میں نے عرض کی۔ اس کے بعد کون ہے آپ ﷺ نے فرمایا تمہاری والدہ، راوی بیان کرتے ہیں۔ میں نے عرض کی۔ اس کے بعد کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ تمہاری والدہ۔ راوی بیان کرتے ہیں، میں نے عرض کی۔ اس کے بعد کون ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ تمہارا والد ہے اور پھر درجہ بہ درجہ قریبی عزیز ہیں۔

تشریح: ماں کے تین بار خدمت کا حکم کیوں فرمایا؟ جس کی مختلف وجوہ بیان فرمائی ہیں:

- (۱) ماں کے پیروں کے نیچے جنت ہے۔ کہا قال النبی ﷺ الجنة تحت اقدام الامهات.
- (۲) اولاد کو ماں سے زیادہ تعلق ہوتا ہے بسا اوقات اس ناز کی وجہ سے ماں خدمت میں تساہل و غفلت ہو جاتی ہے۔
- (۳) ماں بعض اعتبار سے باپ سے منفرد ہے مثلاً صعوبت حمل، صعوبت وضع حمل، صعوبت رضاع یہ تینوں مشقتیں ایسی ہیں کہ باپ اس کے ساتھ شریک نہیں ہے لہذا ان کا تقاضہ یہ ہے کہ حق خدمت میں ماں کو باپ پر تقدم ہونا چاہیے چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے اگر ماں اور باپ کے حقوق ادا کرنے میں ایسی صورت پیش آجائے کہ ایک کی رعایت کرنے سے دوسرے کو تکلیف ہوتی ہو تو حق خدمت میں ماں مقدم ہے اور حق احترام و عظمت میں باپ مقدم ہے مثلاً ماں باپ پانی طلب کریں اور کوئی ان میں سے آگے بڑھ کر لینے والا نہیں ہے تو بیٹے کو چاہیے کہ اولاد کو پیش کرے (ہکذا فی القنیۃ)۔
- (۴) اگر غور کیا جائے تو بچے کی پرورش میں مجموعی طور پر ماں زیادہ مشقت برداشت کرتی ہے کہ مختلف مصائب اس کے سامنے آتے ہیں اس لیے ماں کی خدمت اور اس کے ساتھ حسن سلوک کو آپ ﷺ نے زیادہ اہمیت دی ہے۔

الاقرب فالاقرب: واضح رہے کہ قرابت جس قدر زیادہ قریب ہوگی اسی اعتبار سے حقوق بھی زیادہ ہیں۔ کہا ہوا ظاہر جن کی تفصیل آئندہ ابواب میں آرہی ہے۔ (ہذا حدیث حسن اخرجہ ابوداؤد)

وقد تکلم شعبۃ فی بہن بن حکیم وهو ثقہ: یعنی بہن بن حکیم کے بارے میں اگرچہ شعبہ رضی اللہ عنہ نے کلام کیا ہے مگر حضرات محدثین کے نزدیک وہ ثقہ ہیں ان سے ائمہ ثقات معمر، سفیان ثوری، حماد بن مسلم، وغیرہ حفاظ حدیث نے روایات نقل کی ہیں۔

باب منه

(۱۸۲۰) سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ قَالَ الصَّلَاةُ لِمِيقَاتِهَا قُلْتُ ثُمَّ مَاذَا يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ قُلْتُ مَاذَا يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ سَكَتَ عَنِّي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَلَوْ اسْتَوْدَعْتُهُ لَزَادَنِي.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا میں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ کون سا عمل زیادہ فضیلت رکھتا ہے، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا میں نے عرض کی۔ پھر کون سا ہے یا رسول اللہ تو آپ ﷺ نے فرمایا والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔ راوی بیان کرتے ہیں۔ میں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ پھر کون سا ہے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا، پھر نبی اکرم ﷺ نے مزید کوئی بات ارشاد نہیں فرمائی۔ اگر میں آپ سے مزید دریافت کرتا تو آپ ﷺ مجھے مزید جواب عنایت فرماتے۔

اعتراض: ای الاعمال افضل کے جواب میں آپ ﷺ سے مختلف جوابات مروی ہیں کسی روایت میں ”الصلاة لميقاتها“ کسی روایت میں ”الايمان بالله“ اور کسی میں ”الجهاد في سبيل الله“ وغیرہ جوابات مروی ہیں لہذا ان کے درمیان تعارض ہو گیا اس کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں۔

جواب ①: ممکن ہے آپ ﷺ نے سائلین کے احوال کو ملحوظ رکھتے ہوئے مختلف جوابات عنایت فرمائے ہوں۔ مثلاً سائل کے بارے میں آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ وہ نماز میں کوتاہی کرتا ہے تو اس کو فرمایا کہ افضل عمل وقت پر نماز پڑھنا ہے۔

جواب ②: ممکن ہے اختلاف جواب زمان کی بناء پر ہو کہ جہاد کے زمانہ میں سوال کرنے والے کے لیے ”افضل الاعمال جهاد“ ہے۔

جواب ③: اختلاف مکان کی بناء پر ہے مثلاً حرم شریف میں افضل الاعمال کا جواب طواف ہوگا۔

جواب ④: علامہ ابن دقیق العید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ اختلاف جواب کا اعمال بدنیہ اور اعمال قلبیہ سے متعلق ہو یعنی اعمال بدنیہ میں نماز افضل الاعمال ہے اور قلبیہ میں ایمان باللہ کوئی تعارض نہیں رہا۔

جواب ⑤: حضرت مولانا انور کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دراصل سوال کے الفاظ بھی مختلف ہیں مثلاً بعض روایات میں ای العمل احب اور بعض میں ای الاعمال افضل اور بعض میں ای العمل خیر وارد ہے اس اختلاف سوال کی وجہ سے جوابات میں بھی اختلاف ہے۔ والیہ ذهب الشيخ محي الدين ابن العربي الاندلسي وكذا الحافظ ابن تيمية ايضاً من ينفي الترادف بين الكلمات.

دوسرا اعتراض: آپ ﷺ نے ایمان باللہ کو ذکر نہیں کیا حالانکہ ایمان باللہ تمام اعمال سے علی الاطلاق افضل ہے۔

جواب ①: ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے مخاطب کی فہم پر اعتماد کرتے ہوئے اس کو ذکر نہ فرمایا ہو کیونکہ اس کے افضل اعمال ہونے کو سب ہی جانتے ہیں لہذا اس کے ذکر کی حاجت نہیں۔

جواب ②: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ دراصل راوی نے اعمال جوارج کے بارے میں سوال کیا تھا اور ایمان اعمال قلب میں

سے ہے۔

جواب ③: بعض فرماتے ہیں کہ دراصل افضل اسم تفضیل اپنے معنی میں نہیں ہے بلکہ مطلق ذی الفضل کے معنی میں ہے۔

الصلوة لمیققاتہا: بخاری و مسلم کی روایت میں لوقتہا اور علی وقتہا واقع ہے دارقطنی، حاکم اور بیہقی کی روایت میں لاول وقتہا ہے علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فی اول وقتہا کے لفظ والی روایت ضعیف ہے ثم ماذا علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہاں ثم تراخی مرتبہ کے لیے ہے نہ کہ تراخی زمان کے لیے اب معنی یہ ہوئے کہ نماز کے بعد افضل الاعمال کون سا عمل ہے۔

بر الوالدین: یعنی والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ حدیث قرآن کریم کی آیت شریفہ ﴿إِن اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ﴾ (لقمان: ۱۴) کی تفسیر ہے اور ابن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ من صلی الصلوات الخمس فقد شکر اللہ ومن دعا لوالدیه عقبہا فقد شکر لہما۔ الجہاد فی سبیل اللہ۔ یعنی اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا بھی افضل الاعمال میں سے ہے۔

اشکال: دیگر اعمال سے اس کو مؤخر کیوں فرمایا جبکہ یہ افضل ترین عمل ہے۔

جواب ①: ابن بزیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جہاد چونکہ ہر وقت فرض نہیں ہے بخلاف صلوٰۃ اور بر الوالدین کے کہ یہ دونوں اکثر اوقات میں نہایت اوجہ اور واجب ہیں نیز ان دونوں امر پر محافظت اور مداومت انتہائی سخت ہے کما قال تعالیٰ: ﴿وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَشَعِينَ﴾ (البقرہ: ۴۵) لہذا جو شخص ان پر مواظبت کرے گا وہ یقیناً جہاد فی سبیل اللہ کے لیے تیار و مستعد رہے گا۔ اس لیے جہاد فی سبیل اللہ کو مؤخر اور الصلوٰۃ لمیققاتہا و بر الوالدین کو مقدم فرمایا ہے۔

جواب ②: علامہ ابن التین رحمہ اللہ فرماتے ہیں ممکن ہے کہ کوئی شخص والدین کی خدمت مکافات اور بدلہ سمجھے تو آپ ﷺ نے بر الوالدین کو مقدم ذکر کر کے اس کی اہمیت و فضیلت کو بیان فرمادیا کہ یہ صرف مکافات ہی نہیں بلکہ اس کی مواظبت بہت بڑی فضیلت ہے

جواب ③: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دراصل جہاد بر الوالدین پر موقوف ہے کہ بغیر والدین کی اجازت کے جہاد میں جانا جائز نہیں ہے کما ورد فی الحدیث۔

هذا حدیث حسن صحیح: أخرجه الشیخان والبوداؤد والنسائی۔ وقد رواه الشیبانی الخ موصوف فرماتے ہیں کہ ولید بن العیزار سے جس طرح اس روایت کو مسعودی نے نقل کیا ہے کہ اسی طرح سلیمان بن ابی سلیمان الشیبانی اور شعبہ نے بھی ان سے روایت نقل کی ہے اس کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ روایت متعدد طرق سے عن ابی عمرو الشیبانی عن ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے منقول ہے اور ابو عمرو الشیبانی کا نام سعد بن ایاس ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ مِنَ الْفَضْلِ فِي رِضَا الْوَالِدَيْنِ

باب ۳: والدین کی رضا مندی کی فضیلت

(۱۸۲۱) رَضِيَ الرَّبُّ فِي رَضَى الْوَالِدِ وَسَخِطَ الرَّبُّ فِي سَخِطِ الْوَالِدِ.

تَرْجُمَتُہَا: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے۔ والد کی رضامندی میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے اور والد کی ناراضگی میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے۔

(۱۸۲۲) إِنَّ رَجُلًا آتَاهُ فَقَالَ إِنَّ لِي أَمْرًا أَهْوَىٰ تَأْمُرُنِي بِطَلَا قِهَا فَقَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ الْوَالِدُ أَوْسَطُ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ فَإِنْ شِئْتَ فَأَضِيعْ ذَلِكَ الْبَابَ أَوْ احْفَظْهُ وَرُبَّمَا قَالَ سُفْيَانُ إِنَّ أُمَّي وَرُبَّمَا قَالَ أَبِي.

تَرْجُمَتُہَا: حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی ان کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میری ایک بیوی ہے اور میری ماں مجھے اس کو طلاق دینے کا حکم دیتی ہے۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے فرمایا باپ جنت کا درمیانہ دروازہ ہے لہذا اب تیری مرضی ہے اسے ضائع کرے یا محفوظ رکھے۔ سفیان (راوی) کبھی والدہ کا ذکر کرتے ہیں اور کبھی والد کا۔

تشریح: والدین کو خوش رکھنے کی فضیلت:

ان احادیث سے والدین کو خوش رکھنے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، نبی کریم ﷺ نے والد کو اور دوسری روایت کے مطابق والدہ کو جنت کا درمیانی دروازہ قرار دیا ہے، اور والد کی رضامندی اور ناراضگی کو اللہ کی رضا اور ناراضگی کا سبب بتایا ہے، لہذا اولاد کو حتی الامکان والدین کو خوش ہی رکھنا چاہئے تاکہ انہیں یہ فضیلت حاصل ہو سکے، اولاد اگر ایسا کر لے تو اس نے گویا جنت کے اس دروازے کو محفوظ کر لیا۔

والدین کی اطاعت وعدم اطاعت کا معیار:

بہت سے لوگ تو والدین کے حقوق میں تفریط (کمی) کرتے ہیں اور اس کا وبال اپنے سرمول لیتے ہیں اسی طرح بہت سے لوگ افراط کرتے ہیں کہ والدین کی اس قدر اطاعت کرتے ہیں کہ دوسرے اصحاب حقوق مثلاً بیوی اور اولاد کے حقوق تلف کر دیتے ہیں جس سے ان نصوص کی خلاف ورزی لازم آتی ہے جن میں ان کے حقوق کی نگہداشت کا حکم دیا گیا ہے اور بعض لوگ حقوق غیر واجبہ کو واجب سمجھ کر ان کو ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں بسا اوقات ان کا تحمل نہیں ہوتا تو تنگ ہو جاتے ہیں اور وسوسہ پیدا ہونے لگتا ہے بعض احکام شرعیہ میں ناقابل برداشت سختی ہو تو اس سے دوسرے صاحب حق یعنی نفس کے حقوق ضائع ہوتے ہیں ان خرابیوں سے بچنے کے لیے حقوق واجبہ اور غیر واجبہ میں امتیاز ناگزیر ہے جس کے لیے چند اصول کا جاننا ضروری ہے۔

اول: جو امر شرعاً ناجائز ہو والدین اس کے کرنے کا حکم دیں تو والدین کی اطاعت جائز نہیں مثلاً کسی ناجائز ملازمت کا حکم دیں یا رسوم جاہلیت اختیار کرنے کو کہیں اور کسی ناجائز کام کا حکم کریں تو ان کی اطاعت واجب نہیں ہے۔

دوم: جو امر شرعی ہو اور والدین اس سے منع کریں تو اس میں ان کی اطاعت ضروری نہیں بلکہ جائز ہی نہیں مثلاً مالی حالت بہت کمزور ہے ماں باپ کی خدمت میں زیادہ وقت لگنے کی وجہ سے بچوں کو تکلیف ہوگی یعنی ان کے حقوق واجبہ ضائع ہوں گے ایسی صورت میں بیوی بچوں کو تکلیف دے کر ماں باپ پر زیادہ مال خرچ کرنا جائز نہیں ہے یا مثلاً بیوی شوہر کے والدین سے علیحدہ رہنا چاہے اور ماں باپ اس کو ساتھ رکھنے کے لیے کہیں تو شوہر کے لیے جائز نہیں کہ بیوی کو اس کی مرضی کے بغیر علی الرغم اپنے

والدین کے ساتھ ہی رکھے یا مثلاً والدین حج فرض اور بقدر فرض طلب علم کے لیے نہ جانے دیں تو اس میں بھی ان کی اطاعت جائز نہیں ہے۔

سوم: جو امر شرعاً واجب ہے اور نہ ممنوع ہے بلکہ مباح و مستحب ہے اور ماں باپ اس کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم کریں تو مستحب یہی ہے کہ اس وقت بھی ان کی اطاعت کرے۔

طلاق سے پہلے دارالافتاء سے رجوع:

حدیث باب میں ممکن ہے کہ وہ سائل جو حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس مسئلہ پوچھنے آئے، ان کی اہلیہ اپنی ساس کو بہت ستاتی اور تکلیف پہنچاتی ہو جس کی وجہ سے وہ اسے طلاق دینے کا اپنے بیٹے سے کہہ رہی ہو، ان حالات کا اندازہ لگا کر حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سنائی کہ والدین کی اطاعت کرنی چاہیے والد جنت کا درمیانی دروازہ ہے اگر اس کی بات کو جھٹلادیا گیا تو گویا اس دروازے کو ضائع کر دیا گیا۔ تاہم موجودہ دور میں اگر کسی کے والدین اسے طلاق دینے کا کہیں یا اسے اس پر مجبور کریں تو اس شخص کو چاہیے کہ طلاق سے پہلے دارالافتاء سے ضرور رجوع کریں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي عُقُوقِ الْوَالِدَيْنِ

باب ۴۔ والدین کی نافرمانی کا حکم

(۱۸۲۳) أَلَا أُحَدِّثُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكِبَائِرِ قَالُوا بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ أَلَا إِشْرَاكَ بِاللَّهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ قَالَ وَجَلَسَ وَكَانَ مُتَكِنًا فَقَالَ وَشَهَادَةُ الزُّورِ أَوْ قَوْلُ الزُّورِ فَمَا زَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَقُولُهَا حَتَّى قُلْنَا لَيْتَهُ سَكَتَ.

ترجمہ: عبد الرحمن بن ابوبکرہ رضی اللہ عنہ وہ اپنے والد کے حوالے سے یہ بات کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ کیا میں تمہیں زیادہ کبیرہ گناہ کے بارے میں بتاؤں؟ لوگوں نے عرض کی۔ جی ہاں یا رسول اللہ ﷺ! نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔ راوی بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ ایک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ جھوٹی گواہی دینا (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں) جھوٹی بات کہنا اس کے بعد نبی اکرم ﷺ اس بات کو دہراتے رہے حتیٰ کہ ہم نے یہ آرزو کی کہ کاش آپ خاموش ہو جائیں۔

(۱۸۲۴) مِنَ الْكِبَائِرِ أَنْ يَشْتُمَ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَهَلْ يَشْتُمُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ قَالَ نَعَمْ يَسُبُّ أَبَا الرَّجُلِ فَيَشْتُمُ أَبَاؤَهُ وَيَشْتُمُ أُمَّهُ فَيَسُبُّ أُمَّهُ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے۔ کبیرہ گناہوں میں یہ بات بھی شامل ہے کہ آدمی اپنے والدین کو گالی دے۔ لوگوں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ کیا کوئی شخص اپنے والدین کو گالی دے سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ہاں۔ کوئی آدمی دوسرے کے والد کو گالی دیتا ہے تو دوسرا اس کے والد کو گالی دیتا ہے یہ اس کی والدہ کو گالی دیتا ہے، تو وہ اس کی والدہ کو گالی دیتا ہے۔

اعتراض: اکبر الکبار، کبار کبیرہ کی جمع ہے یعنی بڑی غلطی روایت میں تین ہی چیزوں کو اکبر الکبار قرار دیا گیا ہے حالانکہ اس سلسلہ میں اور بھی روایات مروی ہیں مثلاً بخاری و مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً قتل نفس کے بارے میں اکبر الکبار ہونا نقل کیا ہے نیز ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ”ای الذنب اعظم فذکر فیہ الزناء بحلیلة جارك“ میں زنا کو، عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ”یمین غموس“ کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ”استطالة الرجل فی عرض رجل مسلم“ کو بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ”منع فضل الماء ومنع الفحل“ کو اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں سوء ظن باللہ کو اکبر الکبار قرار دیا گیا ہے۔

جواب: اس روایت میں حصر مقصود نہیں ہے۔

گناہ کی تعریف اور اقسام:

گناہ نام ہے ہر ایسے کام کا جو اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی مرضی کے خلاف ہو اور اس کی دو قسمیں ہیں: کبیرہ و صغیرہ: حقیقت یہ ہے جس گناہ کو صغیرہ کہا جاتا ہے درحقیقت وہ صغیرہ نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کی مرضی کی مخالفت ہر حال میں نہایت ہی سخت جرم ہے اسی وجہ سے امام الحرمین ”ابو اسحاق اسفرائینی اور دیگر علماء امت نے اللہ تعالیٰ کی ہر نافرمانی کو گناہ کبیرہ فرمایا ہے۔ صغیرہ و کبیرہ کا فرق صرف گناہوں کے مقابلہ موازنہ کی وجہ سے کیا جاتا ہے اس لیے جس گناہ کو اصطلاح میں صغیرہ کہا جاتا ہے۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ ایسے گناہوں میں سستی یا غفلت برتی جائے اور ان کو معمولی سمجھا جائے بلکہ اگر صغیرہ کو بے باکی اور ڈھٹائی سے کیا جاتا ہے تو وہی گناہ کبیرہ ہو جاتا ہے۔ کما قال ابن عمر و ابن عباس رضی اللہ عنہم لا صغیرۃ مع الاصرار۔ بہر حال اصطلاحاً گناہ کی دو قسمیں ہیں صغائر و کبائر جیسے آیات و روایات اور آثار میں مذکور ہے مثلاً: ﴿لَنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ﴾ (النساء: ۳۱) اسی طرح کثیر روایات بھی اسی پر دال ہیں جو کتب احادیث میں مذکور ہیں مشکوٰۃ شریف میں مستقل باب الکبائر و علامات النفاق منعقد کیا گیا ہے نیز قیاس بھی اس تقسیم کا مقتضی ہے اس لیے کہ عرفاً بھی بعض گناہوں کی شاعت و برائی بعض سے بڑھ کر ہوتی ہے لہذا معلوم ہوا کہ صغیرہ و کبیرہ کی تقسیم ضروری ہے۔

کبیرہ و صغیرہ کی مختلف تعریفات:

گناہ کبیرہ کی تعریف قرآن و حدیث اور اقوال سلف کی تشریحات کے تحت یہ ہے کہ جس گناہ پر قرآن میں شرعی حد یا لعنت کے الفاظ یا جہنم کی وعید آئی ہو وہ گناہ کبیرہ ہے یا جس کے مفاسد و نتائج بد منصوص کبیرہ کے برابر یا اس سے زائد ہوں وہ گناہ کبیرہ ہے، نیز جو گناہ صغیرہ جرات و بیباکی اور مداومت کے ساتھ کیا جائے وہ بھی کبیرہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ یہ تعریف سب سے جامع ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حسن بصری اور قاضی عیاض رحمہ اللہ سے اس کے قریب قریب ہی نقل کیا گیا ہے، کما قالہ النووی رحمہ اللہ۔ اسی تعریف پر ہم اکتفاء کرتے ہیں۔

کبار کی کوئی تحدید و تعیین نہیں: کبار کی تعیین کے بارے میں علمائے سلف سے مختلف اقوال مروی ہیں، محقق دوانی سے سینتیس، ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے تین یا چار، ابن عمر رضی اللہ عنہ سے سات، عبداللہ بن عمرو بن العاص سے نو، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سے چودہ، ابو ذطالب کی سے سترہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سترہ مختلف اقوال نقل کیے گئے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کبار پر ایک رسالہ تصنیف فرمایا ہے جس میں

ان کی تعداد چار سو شمار کرائی ہے، اور ابن حجر کی روایت نے کتاب الزواجر میں کبار کی فہرست ذکر کی ہے جن کی تعداد چار سو ستر سٹھ تک پہنچتی ہے۔ درحقیقت کبار کسی تعداد میں منحصر نہیں ہیں بعض حضرات نے بڑے بڑے ابواب معصیت کو شمار کرنے پر اکتفاء کیا ہے تو تعداد کم لکھی ہے اور بعض نے ان کی تمام اقسام و انواع کو لکھا تو تعداد زیادہ ہوگئی اس لیے یہ تعارض و اختلاف نہیں ہے۔

الاشراک باللہ: اللہ تعالیٰ کی ذات یا اس کی صفات میں کسی کے شریک ہونے کا اعتقاد رکھنا شرک کہلاتا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کی طرح مخلوق میں سے کسی کو متصرف سمجھنا اور اس کی مخصوص صفات خالق رازق، قادر مطلق، عالم الغیب والشہادۃ وغیرہ دیگر صفات میں کسی مخلوق کو اللہ کے برابر سمجھنا شرک میں داخل ہے نیز کسی مخلوق کے ساتھ انتہائی عظمت و محبت کی بناء پر اس کے سامنے انتہائی عاجزی و تذلل کا اظہار کرنا بھی شرک ہے کما قال تعالیٰ: ﴿اتَّخَذُوا أَحِبَّاءَهُمْ وَرُحَبَاءَهُمْ أَرْبَابًا مِّثْلَ دُونِ اللَّهِ﴾ (التوبہ: ۳۱) اسی طرح وہ افعال و اعمال جو شرک کی علامات ہیں مثلاً صلیب وغیرہ کا نشان ان کا اختیار کرنا بھی شرک کے حکم میں ہے جیسا کہ عدی بن حاتم نے فرمایا کہ مسلمان ہونے کے بعد جب میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میرے گلے میں صلیب پڑی ہوئی تھی آپ ﷺ نے فرمایا اس بت کو اپنے گلے سے نکال دو نیز کسی کو رکوع سجدہ کرنا بیت اللہ کی طرح کسی مزار یا گھر کا طواف کرنا بھی علامات شرک ہیں۔ معلوم ہوا کہ صرف بت پرستوں کی طرح کسی پتھر یا مورتی کے سامنے سجدہ کرنا ہی شرک نہیں بلکہ اس کے علاوہ اور بھی چیزیں شرک میں داخل ہیں قرآن کریم میں شرک کی قباحت اور اس کے نتائج بد کو بالتفصیل بیان فرمایا ہے۔ قال تعالیٰ: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ (النساء: ۴۸) وقال اللہ تعالیٰ: ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ (لقمان: ۱۳)

قال وجلس وكان متكئا قال وشهادة الزور او قول الزور الخ: حضور ﷺ پہلے سے ٹیک لگائے ہوئے تھے مگر جب جھوٹی شہادت یا جھوٹے قول کے بارے میں ارشاد فرمایا تو آپ ﷺ اٹھ کر بیٹھ گئے اور بار بار شہادۃ الزور فرماتے رہے۔ حضور ﷺ شہادۃ الزور کے بیان پر کیوں بیٹھے؟ جس کی مختلف وجوہ (۱) آدمی جھوٹ بولنے اور جھوٹی شہادت دینے میں احتیاط نہیں کرتا اور اس کو بہت معمولی سمجھتا ہے بخلاف شرک اور غقوق الوالدین کے کہ مومن حتی الامکان شرک سے بچتا ہے اور اس کو برا سمجھتا ہے اور والدین کو ستانا بھی طبعاً ناگوار ہوتا ہے۔

(۲) شہادت زور کا نقصان و ضرر متعددی ہے کہ دوسرے لوگوں کو بھی پہنچتا ہے۔

(۳) ممکن ہے کہ شہادۃ الزور کو آخر میں بیان کرنے سے کوئی اس کی اہمیت کو نہ سمجھتا اس وجہ سے آپ ﷺ نے اس کو خاص طور پر بیان کرنے کا اہتمام فرمایا: ”فما زال رسول اللہ ﷺ يقولها حتى قلنا لیتہ سکت“ یعنی آپ ﷺ اس آخری جملہ کو بار بار فرماتے رہے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ ہم نے تمنا کی کہ کاش آپ خاموش ہو جائیں مگر حال صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ کہنا غایت تعلق و محبت کی بناء پر تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کو راحت و آرام پہنچانے کی کوشش کرتے تھے۔

وفي الباب عن ابی سعید اخرجه ابو داود وهذا حديث حسن صحيح اخرجه البخاری والنسائی.

حاصل روایت یہ ہے کہ جب آپ ﷺ نے والدین کے شب و شتم کی ممانعت فرمائی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس پر تعجب ہوا کہ کون شخص اپنے والدین کو گالی دے سکتا ہے اس پر آپ ﷺ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ والدین کو گالی دینا اگرچہ مستبعد ہے (مگر اس زمانہ میں استبعاد بھی نہیں رہا) بسا اوقات آدمی دوسرے کے والدین کو برا کہتا ہے تو اس کے جواب میں وہ شخص اس کے والدین کو گالی دیتا ہے

ظاہر ہے کہ یہ شخص اپنے والدین کو گالی دینے کا ذریعہ بنا گیا خود ہی اس نے اپنے والدین کو گالی دی ہے۔
ذریعہ معصیت بھی معصیت ہے:

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ اصول ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح اصل گناہ حرام ہوتا ہے اسی طرح اس تک پہنچنے کے جو بھی ذرائع اور وسائل ہوں وہ بھی ناجائز اور حرام ہوں گے لہذا دوسروں کے والدین کو گالیاں دیکر اپنے والدین کو گالیاں دلوانے کا ذریعہ بنا بھی حرام ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح۔ کتاب الاداب، باب البر والصلة، ۸، ۶۵۳، ۶۵۴)

ابن بطلال رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ جو امر کسی فعل حرام تک متعدی ہو خواہ وہ غیر مقصود ہو وہ بھی حرام ہوتا ہے اس کی مثال قرآن کریم میں موجود ہے۔ فرمایا:

﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ (الانعام: ۱۰۸)

البتہ وہ کام اگر مقاصد شرعیہ میں سے ہو مثلاً فرائض، واجبات، سنن منکدہ یا دوسری قسم کے شعائر اسلامی وغیرہ جن کے ادا کرنے سے کچھ کم فہم لوگ غلطی میں مبتلا ہونے لگیں تو ان احکام کو ہرگز نہ چھوڑا جائے گا بلکہ دوسرے طریقوں سے اس کی غلط فہمی اور غلط کاری کو دور کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

هذا حديث صحيح اخرجه البخاري في الادب ومسلم في الايمان وابوداؤد في الادب.

دوسروں کے والدین کو برا بھلا کہنا دراصل اپنے والدین کو برا بھلا کہنا ہے۔

گناہ صغیرہ و کبیرہ کی مثال: کسی بزرگ نے فرمایا کہ چھوٹے اور بڑے گناہ کی مثال محسوسات میں ایسی ہے جیسے چھوٹا بچھو اور بڑا بچھو یا چھوٹی چنگاڑی اور بڑی چنگاری کی کہ انسان ان دونوں میں سے کسی کی تکلیف کو بھی برداشت نہیں کر سکتا اور کوئی شخص اور کوئی شخص اس بات کے لیے تیار نہیں کہ چھوٹی چنگاری ہاتھ پر رکھ لے اور بڑی سے پرہیز کرے اس لیے جس طرح بڑے گناہوں سے بچنا ضروری ہے اسی طرح چھوٹے گناہوں سے پرہیز کرنا بھی ضروری ہے۔

ہر گناہ کفر کا ذریعہ ہے: حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تم جس قدر کسی گناہ کو ہلکا سمجھو گے اتنا ہی وہ اللہ کے نزدیک بڑا جرم بن جائے گا، سلف صالحین نے فرمایا کہ ہر گناہ کفر کا ذریعہ ہے جو انسان کو کافرانہ اعمال و اخلاق کی دعوت دیتا ہے۔

اولاد کو عاق کرنے کا شرعی حکم:

بعض لوگ جب اپنی اولاد میں سے کسی کے ساتھ ناراض ہو جائیں تو وہ وصیت کرتے ہیں کہ مثلاً میرا فلاں بیٹا میرے ترکہ کا وارث نہیں ہوگا، میں اسے عاق کرتا ہوں۔ عرف میں اسے ”عاق نامہ“ کہا جاتا ہے لوگ اس کی وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ اب وہ بیٹا اپنے باپ کی میراث سے محروم رہے گا لیکن اسلام کی نظر میں اس طرح کی وصیت ناجائز اور حرام ہے اور شرعاً اس کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ حق وراثت کسی کے ختم کرنے سے ساقط نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں وارثوں کے جو حصے مقرر فرمائے ہیں اسے ”عاق نامہ“ سے ساقط نہیں کیا جاسکتا، اس لیے جس شخص کو عاق کیا گیا ہو وہ وراثت سے محروم نہیں ہوگا بدستور وارث رہے گا۔

بَاب مَا جَاءَ فِي إِكْرَامِ صَدِيقِ الْوَالِدِ

باب ۵۔ والد کے دوست کا احترام کرنا

(۱۸۲۵) اَنَّ أَبَوَيْكَ الْوَالِدَيْنِ أَنْ يَصِلَ الرَّجُلُ أَهْلَهُ وَوَدَّ آبِيهِ.

ترجمہ: عبد اللہ بن دینار، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں، میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ بات ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔ بہترین نیکی یہ ہے کہ آدمی اپنے والد کے دوست کے گھر والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔

تشریح: والد کے دوست سے بھی حسن سلوک کیا جائے علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت میں والد کے ایک اہم حق کا بیان ہے کہ والد کے دوست اور ان سے محبت کرنے والوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کیا جائے اور ان کا اکرام کیا جائے اسی کے ساتھ والدہ کی سہیلیاں بھی لاحق ہیں ان کے ساتھ بھی اچھا سلوک کیا جائے تو یہ والدہ ہی کے حقوق میں داخل ہے نیز علماء نے فرمایا اجداد و مشائخ نیز اساتذہ کے رفقاء کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی ان کے حق میں داخل ہے نبی کریم ﷺ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ ﷺ ام المؤمنین حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کی سہیلیوں کے ساتھ حسن سلوک فرمایا کرتے تھے۔ امام ترمذیؒ نے اس روایت کو باب ماجاء فی حسن العہد کے تحت ذکر کیا ہے آپ ﷺ اگر بکری ذبح فرماتے تو خدیجہؓ کی سہیلیوں کو بطور ہدیہ گوشت بھیجتے تھے۔ اس سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ صاحب حق کے متعلقین کے ساتھ حسن سلوک صاحب حق کے حقوق میں داخل ہے۔

وفی الحدیث قصۃ طویلۃ: مصنفؒ نے اس واقعہ طویلہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے جس کو امام بخاریؒ نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے حدیبیہ کے موقع پر کفار سے صلح فرمائی تو کفار کی جانب سے شرائط میں سے یہ بھی تھا، کہ آپ ﷺ آئندہ سال مکہ تشریف لا کر عمرہ قضاء فرمائیں اور صرف تین دن قیام فرمائیں لہذا جب اگلے سال آپ ﷺ تین دن مکہ میں قیام فرما کر واپس ہونے لگے تو حضرت حمزہؓ کی بیٹی یاعم یاعم کہہ کر آپ کے پیچھے جانے لگی تو اس کو حضرت علیؓ نے لے لیا اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ حضرت زیدؓ جعفر علیؓ نے اس بارے میں محاصمہ کیا اور ہر ایک نے اپنے مستحق ہونے کا دعویٰ کیا حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ میں نے اس کو سب سے پہلے لیا ہے اور اس کا ہاتھ پکڑا ہے لہذا میں اس کا زیادہ مستحق ہوں اور وہ میرے چچا کی بیٹی بھی ہے۔ حضرت جعفرؓ نے عرض کیا کہ وہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میری بیوی ہے لہذا میں زیادہ مستحق ہوں اور حضرت زیدؓ نے عرض کیا کہ میری بھتیجی ہے اس لیے میں حقدار ہو حضور اکرم ﷺ نے جعفرؓ کے حق میں فیصلہ فرمایا کیونکہ اس بچی کی خالہ ان کی بیوی تھی اور یہ ارشاد فرمایا الخالۃ بمنزلۃ الامہ اور حضرت علیؓ سے فرمایا: ”انت منی وانا منک“ اور زیدؓ سے فرمایا ”انت اخونا ومولانا“ حسن سلوک کرنے کا حکم فرما کر اس زائل ہونے والے نور کے تدارک کی طرف اشارہ فرمایا ہے ممکن ہے اس کا یہ گناہ قطع رحم سے متعلق ہو اور اس کے مقابلہ میں صلہ رحمی کا حکم فرمایا گیا۔

هل لك من امہ: اس میں من زائدہ ہے یا تبعیضیہ ہے قال فبرہا بفتح الباء وتشدید الراء ماخوذ ہے برت فلانا (بالکسر) سے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب تیری ماں (حیات) نہیں تو اس کے قائم مقام خالہ ہے لہذا اس کے ساتھ حسن سلوک کر کیونکہ حسن سلوک منجملہ

حنات کے ہے اور قاعدہ ہے کہ ان الحسنت ینھبن السيئات نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔

ان الحسنت ینھبن السيئات: مفسرین رحمہم اللہ نے فرمایا کہ آیت شریفہ میں حنات سے مراد تمام نیک کام ہیں جن میں نماز روزہ زکوٰۃ، حج، صدقات، حسن خلق، حسن معاملہ وغیرہ داخل ہیں البتہ نماز کو ان سب میں اولیت ہے اسی طرح سیئات کا لفظ بھی عام ہے کہ تمام برے کاموں کو شامل ہے خواہ وہ گناہ کبیرہ ہو یا صغیرہ ہو مگر قرآن کریم کی دوسری آیت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد ارشادات نے سیئات کو گناہ صغیرہ کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے لہذا اب آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ نیک کام جن میں نماز سب سے افضل ہے صغیرہ گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں اور گناہ کو مٹا دیتے ہیں قرآن کریم میں ہے: ﴿إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ تُكْفِرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ﴾ (النساء: ۳۱) حنات کا مکفر سیئات ہونا، متعدد روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے جو صحاح ستہ میں منقول ہیں۔ انی اصبت ذنباً عظيماً: یا (۱) تو اس سے مراد صغیرہ گناہ ہے جس کو اس شخص نے بڑا گناہ سمجھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تھوڑی نافرمانی بھی فی نفسہ بڑا گناہ ہے۔

(۲) علامہ طبری رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد گناہ کبیرہ ہے اور خالہ کے ساتھ حسن سلوک کا کفارہ ہو جانا اس شخص کی خصوصیت ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی بتایا گیا تھا فلا اشکال۔

(۳) حضرت گنگوہی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ بسا اوقات آدمی گناہ کرتا ہے اس پر اس کو ندامت ہو جاتی ہے جس سے وہ گناہ معاف ہو جاتا ہے مگر اس کا خیال رہتا ہے کہ شاید نفس ندامت سے وہ گناہ معاف نہ ہوا ہو اور پھر اس سے توبہ کی طرف توجہ ہوتی ہے چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود ندامت کے اس کو خالہ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم فرمایا تاکہ اس کو اپنے گناہ کے معاف ہونے پر اطمینان حاصل ہو جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي بَرِّ الْخَالَةِ

باب ۶: خالہ کے ساتھ حسن سلوک کرنے (کی فضیلت)

(۱۸۲۶) الْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْأُمِّ.

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں۔ خالہ ماں کی طرح ہوتی ہے۔

(۱۸۲۷) إِنْ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِنِّي أَصَبْتُ ذَنْبًا عَظِيمًا فَهَلْ لِي تَوْبَةٌ قَالَ هَلْ لَكَ مِنْ أُمِّ قَالَ لَا قَالَ هَلْ لَكَ مِنْ خَالَةٍ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَبَرَّهَا.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں۔ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے ایک بڑے گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ کیا میں توبہ کر سکتا ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہاری والدہ موجود ہے۔ تو اس نے جواب دیا۔ نہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا۔ کیا تمہاری خالہ ہے۔ اس نے عرض کی۔ جی ہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پھر تم اس سے حسن سلوک سے پیش آؤ۔

تشریح: خالہ کے ساتھ حسن سلوک کی فضیلت: خالہ ماں کا درجہ رکھتی ہے، لہذا اس کے ساتھ بھی ماں کا سا سلوک کرنا چاہیے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں، جن میں خالہ کے ساتھ حسن سلوک اور نیکی کا حکم دیا گیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کی پرورش کے لحاظ سے خالہ کو ماں کے درجے میں قرار دیا ہے، جبکہ ماں نہ ہو کیونکہ خالہ دوسرے رشتہ داروں کے مقابلہ میں بچے کی صحیح طریقے سے تعلیم و تربیت کر سکتی ہے، اور اس میں ایک گونہ شفقت بھی زیادہ ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ ماں کی غیر موجودگی میں پھوپھی کے مقابلہ میں خالہ بچے کی پرورش کی زیادہ حقدار ہے اسے جانے کی اجازت نہیں ہوگی۔

اعتراف: پھر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ کیوں لے لیا، بظاہر یہ معاہدے کی خلاف ورزی ہے؟
جواب (۱): یہ معاہدہ ان لوگوں پر نافذ تھا جو بالغ اور مکلف ہوں، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی چونکہ کمسن تھی، اس لیے اسے ساتھ لے جانا معاہدے کے خلاف نہیں ہے۔

جواب (۲): اس معاہدے کا اطلاق صرف مردوں پر تھا، مسلمان عورتیں اس میں شامل نہیں ہیں، لہذا مرد حضرات اس معاہدے کی رو سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ مکرمہ سے نہیں آ سکتے تھے عورتوں پر کوئی پابندی نہیں تھی۔
فائدہ: باب کی دوسری حدیث سے معلوم ہوا خالہ اور دیگر رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي دُعَاءِ الْوَالِدَيْنِ

باب ۷: والدین کی دعا کا حکم

(۱۸۲۸) ثَلَاثُ دَعَوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٌ لَا شَكَّ فِيهِنَّ دَعْوَةُ الْمَظْلُومِ وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ وَدَعْوَةُ الْوَالِدِ عَلَى وَلَدِهِ.
ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے۔ تین طرح کی دعائیں بلا شک و شبہ قبول ہوتی ہیں۔ مظلوم کی دعا مسافر کی دعا اور والد کی اولاد کے لئے کی گئی دعا۔
تشریح: دَعْوَةُ الْمَظْلُومِ: (۱) مظلوم کی فریاد، اس سے عرش الہی لرز اٹھتا ہے، مظلوم وہ ہے جس پر کسی قسم کی زیادتی کی گئی ہو اور اس کا کوئی مددگار بھی نہ ہو ظاہر ہے کہ ایسے بھی سہارہ لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی ذات ہی سہارا ہوا کرتی ہے جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اے مظلوم میں تیری ضرور مدد کروں گا۔ خواہ بمصلحت کچھ دیر ہی سے ہو نیز مظلوم ظالم کے لیے اندرون قلب سے بددعا کرتا ہے۔

(۲) وہ بے سہارا ہونے کی بناء پر متکسر القلب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں ایسے قلوب کے پاس رہتا ہوں جو ٹوٹے ہوئے ہوں۔

(۳) جب اس کا مدد کرنے والا کوئی نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ وہ مضطر ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿إِنَّمَا يَجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاہُ﴾ (النمل: ۶۲) یعنی مضطر و مجبور کی دعا کو اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرماتے ہیں بہر حال ایسے مظلوم شخص کی بددعا ہے اور اس کی آہ و بکا سے بچنا چاہیے۔

دعوة المسافر: یعنی مسافر کی دعا بھی ضرور قبول ہوتی ہے ظاہر ہے کہ جو شخص اپنے وطن سے نکل گیا خواہ سفر شرعی سے کم مقدار کے لیے نکلا ہو چونکہ وہ اپنے اعزہ واقرباء سے دور ہو گیا اور ایسا شخص منکسر القلب ہے اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی دعا ضرور قبول فرماتے ہیں، اسے چاہیے کہ وہ دوران سفر اپنے لیے، والدین، عزیز واقارب اور تمام امت کے لیے خیر و عافیت کی دعائیں مانگنے کا معمول رکھے، کیونکہ یہ وہ موقع ہے کہ جس میں دعا ضرور قبول ہوتی ہے، سفر میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی، فضول گفتگو اور گناہوں سے بچنے کا خاص اہتمام کرنا چاہیے۔

دعوة الوالد علی ولده: تیسری دعائے مستجاب والد کی بددعا اپنے بیٹے کے حق میں اس کی وجہ یہ ہے کہ باپ بیٹے کے لیے اس وقت ہی بددعا کرتا ہے جب بیٹا باپ کو بہت ستاتا ہے ظاہر ہے کہ یہ بددعا بھی اندون قلب سے نکلتی ہے چونکہ باپ کو قلبی کڑھن ہوتی ہے جس سے وہ اپنے کو بے سہارا محسوس کرتا ہے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ ایسے باپ کی بددعا کو سنتا ہے باپ کی دعاء خیر بھی بیٹے کے حق میں مسموع ہے جیسا کہ بکثرت روایات میں واردہ ہے مگر بددعا قبولیت کے زائد قریب ہے کہ انتہائی مجبوری کے وقت اندرون قلب سے نکلتی ہے۔

انتباہ: اس لیے اس طریقے سے زندگی گزاری جائے کہ نہ تو کسی پر ظلم اور زیادتی ہو، اور نہ ہی والدین کو بددعا دینے کا موقع دیا جائے بلکہ ہر انسان کے ساتھ عدل و انصاف اور حسن اخلاق کا برتاؤ کیا جائے اور والدین کو خدمت اور جائز امور میں ان کی اطاعت کے ذریعے خوش رکھا جائے تاکہ ان کی بددعا کی زد میں نہ آجائیں،

وقدر وی الحجاج الصواف هذا الحديث عن یحییٰ بن ابی کثیر... الخ: امام موصوف روایت کا دوسرا طریق بیان فرما رہے ہیں کہ جس طرح اس روایت کو ہشام بن عمارؒ نے یحییٰ بن ابی کثیرؒ سے نقل کیا ہے اسی طرح حجاج صواف نے بھی اس روایت کو ان سے نقل کیا ہے۔

وابو جعفر الذی روی عن ابی ہریرہؓ... الخ: امام موصوف راوی کا تعارف کر رہے ہیں کہ ابو ہریرہؓ نبیؐ سے روایت کرنے والے ابو جعفر الموزن المدنی الانصاریؒ ہیں جو تیسرے طبقہ کے راوی ہیں جن کا نام معلوم نہیں بعض لوگوں کو وہم ہو گیا انہوں نے ان کا نام محمد بن علی بن حسین بتایا ہے ابو جعفر سے یحییٰ نے اس کے علاوہ بھی روایت نقل کی ہے۔ روایت الباب کو امام بخاریؒ نے ادب المفرد میں اور احمد نے مسند میں اور ابوداؤد نے نقل کیا ہے کذا قالہ السیوطی فی الجامع الصغیر۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي حَقِّ الْوَالِدَيْنِ

باب ۸: والدین کے حق کا بیان

(۱۸۲۹) لَا يَجْزِي وَلَدًا وَالِدًا إِلَّا أَنْ يَجِدَهُ قَتْلًا فَاشْتَرِيَهُ فَيُعْتِقَهُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: بیٹا والد کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ یہ صرف اس وقت ہو سکتا ہے، جب وہ اپنے والد کو غلام کے طور پر پائے اور اسے خرید کر آزاد کر دے۔

تشریح: والدین کے احسانات: اس دنیا میں انسان کے وجود کا ظاہری سبب والدین ہیں وہ اولاد کی نشوونما میں طرح طرح کی مشقتیں اور تکلیفیں برداشت کرتے ہیں اپنے آرام و راحت کے مقابلے میں ہر وقت اولاد کے آرام و راحت کو ترجیح دیتے ہیں، ان کی ساری زندگی اسی فکر اور کشمکش میں گزرتی ہے یہ وہ احسانات ہیں کہ انسان ان کا بدلہ کسی طرح بھی نہیں اتار سکتا اگرچہ ساری زندگی ان کی دیکھ بھال اور خدمت میں گزار دے۔

ہاں ایک صورت میں بیٹا ان احسانات کا بدلہ اتار سکتا ہے جب وہ اپنے والد یا والدہ کو کسی کا غلام پائے اور پھر انہیں خرید کر آزاد کر دے اور انہیں آزادی کی نعمت دلادے اس عمل پر گویا اس نے ان احسانات کا حق ادا کر دیا کیونکہ آزادی وہ عظیم نعمت ہے جس سے حیات ثانیہ حاصل ہوتی ہے، غلامی کا طوق، جو بلاشبہ ایک نقص اور عیب ہے گلے سے اتر جاتا ہے اور اب وہ کامل انسان شمار ہوتا ہے، اور تمام معاملات، تصرفات اور احکام میں آزاد لوگوں کی طرح ہو جاتا ہے۔

فائدہ: علامہ جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس پر ائمہ اربعہ کا اجماع ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے والد یا کسی ذورحم محرم کو خریدے گا تو خریدتے ہی وہ خوبخو آزاد ہو جائے گا از سر نو اعتقاق کی حاجت نہیں چونکہ شراء عتق کا ذریعہ ہے اس وجہ سے اس کی طرف نسبت کردی گئی ہے البتہ بعض طاہریہ فرماتے ہیں کہ بغیر اعتقاق کے عتق متحقق نہیں ہوگا بلکہ آزاد کرنا ضروری ہے۔

والدین کے حقوق متعدد ہیں: (۱) امور مباحہ میں والدین کی اطاعت کرنا خواہ وہ مشرکین ہی کیوں نہ ہوں۔ (۲) ان کی خدمت خود کرنا کسی دوسرے کے حوالے نہ کرنا۔ (۳) ان کے ساتھ نرمی سے کلام کرنا۔ (۴) ان کی آواز پر اپنی آواز کو بلند نہ کرنا۔ (۵) ان کو کسی قسم کی تکلیف و ایذا نہ دینا۔ (۶) ان کے ساتھ تواضع سے پیش آنا۔ (۷) ان پر مال خرچ کرنا اللہ تعالیٰ ایسے مال کا حساب نہیں لے گا۔ (۸) ان کی طرف محبت و رافت کی نظر سے دیکھنا اس پر حج مبرور کا ثواب ملتا ہے۔ (۹) ان کی اجازت کے بغیر جہاد حج اور طلب علم کے لیے نہ جانا۔ (۱۰) ان کی خدمت سے گریز نہ کرنا خواہ وہ مشرک ہی کیوں نہ ہوں۔ (۱۱) ان کے آگے نہ چلنا۔ (۱۲) ان کے سامنے مجلس کے صدر مقام پر نہ بیٹھنا۔ (۱۳) ان کا نام لے کر نہ پکارنا۔ (۱۴) کسی کے والدین کو برا نہ کہنا اس لیے کہ وہ سبب ہوگا اپنے والدین کو برا کہلانے کا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَطِيعَةِ الرَّحِمِ

باب ۹: قطع رحمی کا حکم

(۱۸۳۰) قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَنَا اللَّهُ وَأَنَا الرَّحْمَنُ خَلَقْتُ الرَّحِمَ وَشَقَقْتُ لَهَا مِنْ رَأْسِي فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلَتْهُ وَمَنْ قَطَعَهَا بَتَّئْتُه.

ترجمہ: ابو سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ شیخ ابورداد بیمار ہو گئے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ان کی عیادت کرنے کے لئے آئے تو شیخ ابورداد بولے۔ لوگوں میں سب سے بہتر اور سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے میرے علم کے مطابق حضرت ابو محمد (عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ) ہیں، تو حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ بات ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔ اللہ تعالیٰ

یہ فرماتا ہے۔ میں اللہ ہوں میں رحمن ہوں میں نے رحم کو پیدا کیا ہے اور میں نے اسے اپنے نام سے مشتق کیا ہے، جو شخص اسے ملائے گا میں اسے ملاؤں گا، اور جو شخص اسے کاٹے گا میں اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔

تشریح: قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا:

باب کی دوسری حدیث میں ہے کہ قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا، علامہ نووی رحمہ اللہ نے اس کے دو معنی بیان کئے ہیں:

(۱) اس سے مراد وہ شخص ہے جو قطع رحمی کو بغیر کسی سبب اور شبہہ کے حلال اور جائز سمجھتا ہے، حالانکہ اسے علم ہے کہ شریعت میں قطع تعلقی حرام ہے، ایسا شخص چونکہ کافر ہوتا ہے، اس لئے ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہے گا اور جنت میں کبھی داخل نہیں کیا جائے گا۔

(۲) یا یہ مراد ہے کہ قطع رحمی کرنے والا نجات یافتہ اور سابقین کے ساتھ ابتداء میں ہی جنت میں داخل نہیں ہوگا بلکہ اپنے گناہوں کی بقدر سزا بھگتنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اسے جنت میں داخل کیا جائے گا۔ (شرح مسلم للنووی، کتاب

البر والصلۃ، باب صلة الرحم وتحريم قطيعتها، 2/310)

بَابُ مَا جَاءَ فِي صَلَةِ الرَّحِمِ

باب ۱۰۔ صلہ رحمی کا بیان

(۱۸۳۱) لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ وَلَكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِي إِذَا انْقَطَعَتْ رَحْمَتُهُ وَصَلَهَا.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں (کسی اچھائی کے) بدلے کے طور پر اچھائی کرنے والا صلہ رحمی کرنے والا نہیں ہوتا، بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ شخص ہوتا ہے کہ جب اس کے ساتھ قطع رحمی کی جائے، تو وہ صلہ رحمی کرے۔

(۱۸۳۲) لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ قَالَ ابْنُ أَبِي عُمَرَ قَالَ سَفِيَّانُ يَعْنِي قَاطِعُ رَحِمٍ.

ترجمہ: محمد بن جبیر اپنے والد (حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ) کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے۔ قطع کرنے والا شخص جنت میں نہیں جائے گا۔

تشریح: الرحم: بفتح الراء وکسر الحاء اور دوسری لغت الراء وسکون الحاء ہے یہ قرابت و رشتہ داری کے معنی میں ہے اور ذوالرحم ایسے اقارب ہیں کہ جن کے درمیان نسبی تعلق ہو خواہ وارث ہوں یا نہ ہوں نیز وہ محارم ہوں یا نہ ہوں بعض حضرات فرماتے ہیں اس سے مراد صرف محارم ہیں مگر قول اول ہی رائج ہے ورنہ اولاد الاعام اور اولاد الاخوان اور دیگر ذوی الارحام اس سے خارج ہو جائیں گے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ لفظ لغۃً تو نسبی اقارب کو شامل ہے مگر اس سے مراد عام اقارب ہیں حتیٰ کہ صہری رشتہ دار بھی اس میں داخل ہیں۔

اوصلهم ما علمت ابو محمد: یعنی میرے علم میں سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے ابو محمد عبد الرحمن ہیں۔

حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ قبیلہ زہرہ سے ہیں اور ابوالدراء رضی اللہ عنہ انصاری صحابی ہیں شاید اجداد بعیدہ میں سے کسی جد میں

نسباً شریک ہوں مگر اس کے باوجود انہوں نے ابوہریرہؓ کی عیادت کی تو معلوم ہوا کہ انہوں نے قرابت بعیدہ کے ہوتے ہوئے صلہ رحمی فرمائی ہے تو وہ اصل وارحم ہیں یا ممکن ہے کہ ان کو اصل دیگر امور کی بناء پر فرمایا ہو جو راوی نے یہاں ذکر نہیں فرمائے ہیں۔

صلہ رحمی کیا ہے؟

صلہ رحمی کے معنی یہ ہیں کہ رشتہ داروں کو اپنی طاقت کے بقدر فائدہ پہنچایا جائے اور ان کی تکلیف اور مشکل کو حل کیا جائے، اس کے مختلف درجات ہیں، رشتے کو جوڑنا واجب اور توڑنا گناہ کبیرہ ہے، اور بعض صورتوں میں رشتہ داروں کے تعلق کی رعایت اور ان سے نیک سلوک کرنے کی زیادہ اہمیت اور ضرورت ہوتی ہے، اور بعض صورتوں میں زیادہ اہمیت نہیں ہوتی، ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ صلہ رحمی کی موقع پر اور حالات کے اعتبار سے مختلف صورتیں ہوتی ہیں، صلہ رحمی مالی تعاون، کسی ضرورت کے موقع پر رشتہ دار کا ہاتھ بٹانے، تکلیف کو دور کرنے، خندہ پیشانی سے پیش آنے اور دعا کے ذریعہ سے ہوتی ہے اور سب سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ آپس میں بول چال اور ملاقات باقی رہے، اگرچہ یہ محض سلام و کلام کی حد تک ہو اور اگر اقارب کفار و فساق بھی ہوں تو ان کے ساتھ بھی حسن سلوک کرنا چاہئے کہ ان کو وعظ و نصیحت کرتا رہے اگر ان سے بغض رکھے تو وہ بھی محض اللہ کے لئے ہونا چاہئے اور کم از کم ان کے لئے ہدایت کی دعا کرتا ہی رہے کہ یہ بھی صلہ رحمی میں داخل ہے۔ چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ اصل جو ان مرد و ہی شخص ہوتا ہے جو اپنے حقوق کا کسی سے مطالبہ نہ کرے اور خود دوسروں کے حقوق ادا کرنے کے درپے رہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہی حکم دیا کہ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں بلکہ نیکی سے دو، یہی کمال ایمان کی علامت ہے اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اس شخص کے ساتھ صلہ رحمی کرو جو تعلقات توڑتا ہے اور اس شخص کے ساتھ حسن سلوک کرو جو آپ کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آتا ہے۔

حدیث میں لیس الواصل بالمکافی سے کمال کی نفی مراد ہے کہ کامل صلہ رحم کرنے والا وہ شخص نہیں ہے جو بدلہ کے طور پر صلہ رحمی کرے لیکن چونکہ اس میں بھی اس لحاظ سے صلہ رحمی پائی جاتی ہے، اس لئے ایسے شخص کو قطع رحم کرنے والا نہیں کہا جائے گا۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الآداب، باب البر والصلة 8/659)

ہت انویؓ کا ارشاد ہے کہ قرابت داروں کے حقوق کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر محارم محتاج ہوں کھانے کمانے پر قدرت نہ رکھتے ہوں تو بقدر کفایت ان کے نان و نفقہ کی خبر گیری مثل اولاد کے واجب ہے اور غیر محتاج محارم کا نان و نفقہ اگرچہ اس طرح تو واجب نہیں لیکن کچھ خدمت کرتے رہنا ضروری ہے۔ ① گاہ بگاہ ان سے ملتا رہے۔ ② ان سے قطع قرابت نہ کرے بلکہ کسی قدر ان سے ایذا بھی پہنچے تو صبر کرتا رہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي حُبِّ الْوَلَدِ

باب ۱۱: اولاد کے ساتھ محبت کا بیان

(۱۸۳۳) خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ وَهُوَ مُحْتَضِرٌ أَحَدَ ابْنَيْ ابْنَتِهِ وَهُوَ يَقُولُ إِنَّكُمْ لَتُبْخِلُونَ وَتُجْبِنُونَ وَتَجْهَلُونَ وَإِنَّكُمْ لِمِنْ رِجْحَانِ اللَّهِ.

ترجمہ: عمر بن عبد اللہ العزیز رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں۔ ایک نیک خاتون سیدہ خالہ بنت حکیم نے یہ بات بیان کی ہے ایک دن نبی اکرم ﷺ باہر تشریف لائے تو آپ ﷺ نے اپنے ایک نواسے کو گود میں اٹھایا ہوا تھا آپ نے یہ بات ارشاد فرمائی۔ تم لوگ (یعنی اولاد) آدمی کو بخیل کر دیتی ہے۔ اسے بزدل بنا دیتی ہے۔ اسے بے پرواہ کر دیتی ہے۔ حالانکہ تم لوگ (یعنی اولاد) اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے۔

لغات: خولۃ بنت حکیم رضی اللہ عنہا یہ بدل ہے المراءاة الصالحہ سے مختصن ماخوذ من الاحتضان بمعنی گود لینا۔ احدا بنی ابنتہ اس سے مراد حسن یا حسین رضی اللہ عنہ ہیں۔

تبخلون، تجبنون، تجهلون، تینوں صیغے باب تفعیل سے ہیں اور ان کے معنی تحملون علی البخل والجبن والجهل کے ہیں یعنی اولاد کی وجہ سے آدمی بخل کرتا ہے اور بزدل بھی بنتا ہے۔ نیز جاہل بھی رہ جاتا ہے۔

اولاد کی محبت کے اثرات:

روایت کا حاصل یہ ہے کہ بسا اوقات آدمی اولاد کی وجہ سے بخیل ہو جاتا ہے کہ ان کا خرچہ پیش نظر ہونے کی وجہ سے خرچ کرنے کی جگہ پر خرچ نہیں کرتا اسی طرح بچوں کی فکر اور ان کی تربیت کی وجہ سے بزدل ہو جاتا ہے اور جہاد جیسی مبارک عبادت میں جہاں شجاعت کی ضرورت ہے شریک نہیں ہوتا اسی طرح بچوں کی مشغولی کی بناء پر بسا اوقات ضروریات دین سے جاہل رہ جاتا ہے اور علم حاصل نہیں کرتا۔

نہیحت: اس حدیث سے یہ درس حاصل ہوتا ہے کہ مسلمان کو اولاد کی محبت میں اس قدر غلو اور تجاوز نہیں کرنا چاہئے کہ جس سے وہ اسلامی احکام پر عمل نہ کر سکے، اولاد سے محبت ضرور کی جائے لیکن شرعی حدود میں رہتے ہوئے، اعتدال کے ساتھ تاکہ اسلامی احکام پر صحیح طریقے سے عمل کیا جاسکے۔

انکم لمن ریحان اللہ: اس جملے سے اولاد کی تعریف کی گئی ہے۔ ”ریحان“ کے متعدد معنی ہیں:

(1) اس سے مراد خوشبودار پودا ہے، کہ جس طرح اس سے انسان لطف اندوز ہوتا ہے، اسی طرح اولاد بھی خوشبودار پودے ہیں کہ انہیں بھی پیار کر کے تسکین حاصل کی جاتی ہے۔

(2) ابن التین کہتے ہیں کہ ریحان سے مراد ”رزق“ ہے، اور اس جملے کے معنی ہوں گے کہ تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق ہو جو اس نے محض اپنے فضل و کرم سے مجھے عطا فرمایا۔ (فتح الباری، کتاب الادب، باب رحمۃ الوالد 10/524)

بہر حال ریحان کا اطلاق مختلف معانی پر ہوتا ہے رحمت، رزق، عطیہ، راحت، خوشبو وغیرہ۔

سند پر کلام: اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اس روایت کے دو طریق ہیں: اول: طریق سفیان عن الزہری۔

دوم: طریق معمر عن الزہری۔

اول طریق صحیح ہے کما قال الترمذی، البتہ علامہ منذری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ابوسلمہ کا سماع اپنے والد عبدالرحمن سے ثابت نہیں جیسا کہ یحییٰ بن معین وغیرہ کی تصریح کی ہے لہذا امام ترمذی رحمہ اللہ کی تصحیح میں نظر ہے بعض حضرات فرماتے ہیں تصحیح حدیث سفیان بمقالہ حدیث معمر ہے نہ کہ اصطلاح کے اعتبار سے۔

دوسرا طریق ”معمر عن الزہری عن ابی سلمۃ عن رداد الیثی عن عبدالرحمن بن عوف“ یہ طریق اگرچہ

متصل ہے مگر امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ خطاء ہے کیونکہ زہری رحمہ اللہ کے تمام تلامذہ معمر کے علاوہ عن الزہری عن ابی سلمۃ عن عبد الرحمن بن عوف رحمہ اللہ ہی نقل کرتے ہیں جیسا کہ تہذیب التہذیب میں مصرح ہے۔

تشمیہ: ابوالدرداء رحمہ اللہ جو روایت میں واقع ہے یہ درست نہیں ہے صحیح ابورداد ہے جیسا کہ مسند احمد ج 1، ص: 194، ادب المفرد ج: 1، ص 10، ابوداؤد 2 ص 60 اور مسند حمیدی وغیرہ میں ہے نیز بیہقی نے الاسماء والصفات میں اور خرائطی نے مکارم الاخلاق میں ابوالدرداء ہی نقل کیا ہے بہر حال ابوالدرداء لکھنا تعحیف کا تب اور صحیح ابوالارداد ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي رَحْمَةِ الْوَلَدِ

باب ۱۲: اولاد کے لئے رحمت کا بیان

(۱۸۳۴) أَبْصَرَ الْأَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ النَّبِيُّ ﷺ وَهُوَ يُقْبَلُ الْحَسَنَ قَالَ ابْنُ أَبِي عُمَرَ الْحُسَيْنِ أَوْ الْحَسَنَ فَقَالَ إِنَّ لِي مِنَ الْوَالِدِ عَشْرَةً قَدْ قَبَّلْتُ أَحَدًا مِنْهُمْ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّهُ مَنْ لَا يُؤْخِمْ لَا يُؤْخِمْ.

توکجہمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، ایک دفعہ اقرع بن حابس نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آپ اس وقت آپ امام حسن رضی اللہ عنہ کو بوسہ دے رہے تھے۔ ان ابی عمر نامی راوی نے یہ بات نقل کی ہے امام حسن رضی اللہ عنہ یا شاید امام حسین رضی اللہ عنہ کو بوسہ دے رہے تھے، تو وہ بولا۔ میرے دس بچے ہیں اور میں نے کبھی ان میں سے کسی ایک کو بھی بوسہ نہیں دیا تو نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی جو شخص رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

تشریح: لایوحم لایوحم: اول معروف کا صیغہ ہے اور ثانی مجہول ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہیں، قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اکثر نے اس کو مرفوع ہی پڑھا ہے ابوالبقاء فرماتے ہیں من موصولہ ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ شرطیہ ہو اور دونوں صیغہ مجزوم ہوں۔

بچوں سے پیار اور شفقت کرنے کا حکم:

حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ نے جب نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ حضرت حسن یا حسین رضی اللہ عنہما کو بوسہ دے رہے ہیں تو انہیں تعجب ہوا، کہنے لگے کہ میرے دس بیٹے ہیں اور میں نے کسی کو بھی بوسہ نہیں دیا، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اولاد پر شفقت نہیں کرتا، اور ان پر رحم نہیں کرتا تو اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اولاد سے پیار کرنا، انہیں گود میں لینا، بوسہ دینا اور ان سے دل لگی کرنا اسلامی تعلیمات کے منافی نہیں ہے، یہ فطرت کا تقاضا ہے جسے ادا کرنا چاہئے اور جو شخص بچوں سے پیار و محبت اور بوس و کنار نہیں کرتا اس سے آپ ﷺ نے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے۔ دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا قیامت اور جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح قریب ہوں گے، کمال قرب کو ظاہر کرنے کے لئے آپ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی سے ارشاد فرمایا، کہ جس طرح یہ دو انگلیاں آپس میں قریب قریب ہیں، اسی طرح ہم دونوں بھی ایک دوسرے کے قریب ہوں گے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّفَقَةِ عَلَى الْبَنَاتِ وَالْأَخَوَاتِ

باب ۱۳: لڑکیوں اور بہنوں پر خرچ کرنے (کی فضیلت)

(۱۸۳۵) لَا يَكُونُ لِأَحَدٍ كُمْ ثَلَاثُ بَنَاتٍ أَوْ ثَلَاثُ أَخَوَاتٍ فَيُحْسِنُ إِلَيْهِنَّ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے۔ جس شخص کی تین بیٹیاں ہوں یا تین بہنیں اور وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے، تو وہ شخص جنت میں داخل ہوگا۔

(۱۸۳۶) مَنْ ابْتُلِيَ بِشَيْءٍ مِنَ الْبَنَاتِ فَصَبَرَ عَلَيْهِنَّ كُنَّ لَهُ حِجَابًا مِنَ النَّارِ.

ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے۔ جو شخص بیٹیوں کی (پرورش) کی آزمائش میں مبتلا کیا گیا اور اس نے صبر سے کام لیا، تو وہ بچیاں اس کے لئے جہنم سے رکاوٹ بن جائیں گی۔

(۱۸۳۷) مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ دَخَلَتْ أَوَّلَهُ الْجَنَّةَ كَهَاتَيْنِ وَأَشَارَ بِأَصْبُعَيْهِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے جو شخص دو بچیوں کی پرورش کرتا ہے میں اور وہ شخص ان دونوں کی طرح جنت میں داخل ہوں گے نبی اکرم ﷺ نے اپنی انگلیوں کی طرف اشارہ کیا۔

(۱۸۳۸) قَالَتْ دَخَلَتْ امْرَأَةً مَعَهَا ابْنَتَانِ لَهَا فَسَأَلَتْ فَلَمْ تَجِدْ عِنْدِي شَيْئًا غَيْرَ تَمْرَةٍ فَأَعْطَيْتُهَا إِيَّاهَا فَقَسَمْتُهَا بَيْنَ ابْنَتَيْهَا وَلَمْ تَأْكُلْ مِنْهَا ثُمَّ قَامَتْ فَفَرَجَتْ فَدَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ ابْتُلِيَ بِشَيْءٍ مِّنْ هَذِهِ الْبَنَاتِ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں ایک مرتبہ ایک عورت (میرے ہاں) آئی اس کے ساتھ اس کی دو بیٹیاں بھی تھیں اس نے کچھ (کھانے کے لیے) مانگا تو اس وقت اسے میرے پاس سے ایک کھجور ملی وہی میں نے اسے دے دی اس نے وہ کھجور ان دونوں بیٹیوں کے درمیان تقسیم کر دی اور خود کچھ نہیں کھایا پھر وہ اٹھ کر چل دی آپ ﷺ گھر تشریف لائے تو میں نے آپ کو اس بارے میں بتایا نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی جو شخص بیٹیوں (کی پرورش) کی آزمائش میں مبتلا کیا جائے تو بیٹیاں اس کے لیے جہنم سے رکاوٹ ہوں گی۔

(۱۸۳۹) مَنْ كَانَ لَهُ ثَلَاثُ بَنَاتٍ أَوْ ثَلَاثُ أَخَوَاتٍ أَوْ ابْنَتَانِ أَوْ أُخْتَانِ فَأَحْسَنَ صُحْبَتَهُنَّ وَاتَّقَى اللَّهَ فِيهِنَّ فَلَهُ الْجَنَّةُ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جس شخص کی تین بیٹیاں ہوں یا تین بہنیں ہوں (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں) دو بیٹیاں ہوں یا دو بہنیں ہوں اور وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ

سے ڈرتا رہے تو اس شخص کو جنت ملے گی۔

تشریح: فاحسن صحبتہن: احسان صحبت کی تفسیر ابن ماجہ کی روایت میں وارد ہے: اطعمہن، وسقاہن، وکساہن یعنی ان کو کھلائے، پلائے اور پہنائے۔

ادب المفرد میں عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت میں فصبر علیہن واقع ہے یعنی ان کی پرورش کرنے میں جو مصائب و پریشانیاں پیش آتی ہیں ان پر صبر کرے اس طرح طبرانی کی روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے:

فأنفق علیہن وزوجہن واحسن ادبہن۔

نیز حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت مسند احمد میں ہے: یؤدبہن ویرحمہن ویکفلہن۔

اور طبرانی میں یزوجہن کا لفظ بھی وارد ہے یہ سب احسان کی تفسیر ہیں اور احسان صحبت کا لفظ ان سب کو شامل ہے لیکن یہ واضح رہے کہ اس اجزاء کا استحقاق جب ہی ہوگا جب بنات و اخوات کے ساتھ یہ حسن سلوک اس وقت تک رہے جب تک کہ وہ ضروریات سے مستغنی نہ ہو جائیں۔

بہنوں اور بیٹیوں کے ساتھ حسن سلوک کی فضیلت:

ان احادیث میں ان لوگوں کی فضیلت اور ثواب کا ذکر ہے جو اپنی بہنوں اور بیٹیوں کے ساتھ حسن سلوک اور اچھا برتاؤ کرتے ہیں، ان کے ہر قسم کے اخراجات اور خرچے برداشت کرتے ہیں، انہیں اپنے اوپر بوجھ نہیں سمجھتے، اور نہ ہی کسی طرح کا انہیں طعنہ دیتے ہیں، ان کی نشوونما اور پرورش صبر و تحمل کے ساتھ کرتے رہے، یہاں تک کہ ان کی شادیاں کرادیں۔ لفظ ”احسان“ ان تمام امور کو شامل ہے، نیز رائج قول کے مطابق لفظ ”احسان“ میں واجب اخراجات اور مزید حسن سلوک وغیرہ بھی داخل ہے، لہذا جو شخص شرعی اصولوں کی روشنی میں اپنی بہنوں اور بیٹیوں کے ساتھ کرتا رہا تو اس کے لئے جنت ہے اور یہ بچیاں اس کے لئے جہنم سے نجات کا ذریعہ بنیں گی۔ حضور اکرم ﷺ نے اپنے اور اس شخص کے درمیان کمال قرب اور اتصال کو ظاہر کرنے کے لئے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی سے تشبیہ دی ہے کہ جس طرح یہ دو انگلیاں آپس میں متصل اور قریب ہیں اسی طرح عال ماخوذ من العول وهو الرقب علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی میں ہیں قام علیہما بالبنوة والتربیۃ ونحوھا۔ کہا جاتا ہے۔ عال الرجل یعولہم اذا قام بما یحتاجون الیہ من قوۃ وکسوة وغیرہما۔ اس سے مراد بچوں کی ذمہ داری لینا، کفالت کرنا مؤنت برداشت کرنا ہے۔

اشارہ باصبعیہ: اس سے مراد وسطی اور سباب ہے جیسا کہ آنے والی روایت میں صراحۃً واقع ہے یعنی جس طرح یہ دونوں انگلیاں ساتھ ساتھ بلا فصل ہیں اسی طرح بچیوں کی کفالت کرنے والا میرے ساتھ جنت میں بلا فصل داخل ہوگا۔ اس روایت سے کافل بنات کی بہت بڑی فضیلت معلوم ہوئی کہ وہ آپ ﷺ سے انتہائی قرب کی علامت ہے اس جملہ کی مزید وضاحت اگلے باب کے تحت آرہی ہے۔

من ابتلی بشئ من البنات: بہنوں اور بیٹیوں کی وجہ سے ابتلاء سے کیا مراد ہے؟ جو شخص بچیوں میں سے کچھ کے ساتھ آزمایا گیا۔

① حافظ عراقی رحمہ اللہ کے نزدیک ابتلاء سے ”اختبار اور امتحان“ مراد ہے کہ بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ بچیاں دے کر آزماتے ہیں کہ یہ ان کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ”تقویٰ“ کا ذکر کیا گیا ہے، کیونکہ تقویٰ کے بغیر کوئی کام نہیں ہو سکتا، خوف خدا نہیں ہوگا تو وہ شخص نہ تو بہنوں اور بیٹیوں کے حقوق ادا کریگا اور نہ ہی ان کے ساتھ حسن سلوک کرے گا۔

② بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ”ابتلاء“ سے وہ محنت و مشقت اور تکلیف مراد ہے جس کا بچپن کی وجہ سے آدمی کو بسا اوقات مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لڑکیوں کے حقوق کا زیادہ خیال رکھنا، کیونکہ لڑکوں کے مقابلے میں ہر لحاظ سے کمزور ہوتی ہیں۔
اعتراض: ان دونوں روایات میں بظاہر تعارض ہے حدیث باب میں صرف ایک ہی کھجور کا ذکر ہے جبکہ صحیح روایت میں تین کھجوروں کا ذکر ہے

جواب ①: ممکن ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ابتداء میں صرف ایک کھجور دی ہو، بعد میں دو مزید کھجوریں مل گئیں تو وہ بھی دے دیں، اس لئے صحیح مسلم میں تینوں کھجوروں کا ذکر کر دیا اور ابتداء میں چونکہ ایک ہی کھجور تھی، اس لئے ترمذی کی روایت میں صرف اسی کا ذکر کیا گیا ہے۔

جواب ②: اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ دو الگ الگ واقعے ہوں، ایک موقع پر ایک کھجور کا واقعہ پیش آیا، اور دوسرے کسی موقع پر تین کھجوروں کا واقعہ پیش آیا، ایک دفعہ کا ذکر ترمذی میں اور دوسری بار کا ذکر صحیح مسلم میں ہے، اس لحاظ سے کوئی تعارض نہیں ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي رَحْمَةِ الْيَتِيمِ وَكَفَالَتِهِ

یاب ۱۴: یتیم پر مہربانی (کی فضیلت) کے بارے میں

(۱۸۴۰) مَنْ قَبَضَ يَتِيمًا مِنْ بَنِي الْمُسْلِمِينَ إِلَى طَعَامِهِ وَشَرَابِهِ أَدْخَلَهُ اللَّهُ الْجَنَّةَ إِلَّا أَنْ يَعْمَلَ ذَنْبًا لَا يُغْفَرُ لَهُ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے جو شخص مسلمانوں میں سے کسی یتیم بچے کو اپنے کھانے اور پینے میں شریک کر لے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں ضرور داخل کرے گا ماسوائے اس صورت کے کہ وہ ایسا گناہ کر لے جس کی بخشش ہی نہ ہو سکتی ہو۔

(۱۸۴۱) أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ كَهَاتَيْنِ وَأَشَارَ بِأَصْبُعَيْهِ يَعْْنَى السَّبَابَةَ وَالْوُسْطَى.

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے یہ بات فرمائی ہے میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں ان دونوں کی طرح ہوں گے آپ ﷺ نے اپنی دو انگلیوں کی طرف اشارہ کیا (راوی کہتے ہیں) یعنی شہادت کی انگلی کے ذریعے اور درمیانی انگلی کے ذریعے (اشارہ کیا)۔

لغات: قبض وہ لے جائے۔ طعامہ و شرابہ: ان کی ضمیریں ”من“ کی طرف لوٹ رہی ہیں۔ البتہ یقینی طور پر قطعاً، بلاشبہ۔ کافل اخراجات وغیرہ کا ذمہ اٹھانے والا اور ”کافل الیتیم“ سے وہ شخص مراد ہے جو یتیم کے ہر قسم کے خرچے اور ذمہ داریاں اپنے

اوپر لے لے۔ یتیم: اس نابالغ لڑکے یا لڑکی کو کہا جاتا ہے جس کا والد مر گیا ہو جو ایثار۔

یتیم کو پالنے کی فضیلت:

ان احادیث میں یتیم کے ساتھ حسن سلوک اور اسے پالنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ پہلی حدیث میں فرمایا کہ جو مسلمان کسی یتیم کو کھانا کھلانے کے لئے لے جائے تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور جنت میں داخل کریں گے، ہاں اگر وہ ایسا کوئی گناہ کر لے جو معاف نہ ہو سکے یعنی شرک کر لے اور بغیر توبہ کے ہی مر جائے تو پھر جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ جنت میں داخل ہونے کی دو صورتیں ہوتی ہیں، بعض لوگ دین پر استقامت اور ثابت قدمی کی وجہ سے پہلی دفعہ ہی جنت میں چلے جائیں گے، اسے ”دخول اولیٰ“ کہا جاتا ہے، اور بعض لوگ اپنے گناہوں کی سزا بھگتتے کے بعد جنت میں داخل کئے جائیں گے، اسے ”دخول ثانوی“ کہا جاتا ہے، حدیث بالا میں جنت میں داخل ہونے کی دونوں صورتیں ہو سکتی ہیں۔

فائدہ: حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کافل الیتیم جنت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب اس وجہ سے ہوگا کہ نبی اور کافل الیتیم کے درمیان ایک طرح کی مناسبت پائی جاتی ہے، وہ یہ کہ جس طرح نبی کو ایک ایسی قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا جاتا ہے جو دینی امور سے نا آشنا ہوتی ہے، وہ نبی ان سب کی ذمہ داری اپنے سر لیتا ہے، ان کی تعلیم و تربیت و اصلاح کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے، اسی طرح کافل الیتیم بھی اس بچے کی مضامعت اٹھاتا ہے جو نہ دین سمجھتا ہے اور نہ دنیا، اس کو پالتا ہے، تعلیم و تربیت کا بندوبست کرتا ہے اور اسے حسن سلوک سکھاتا ہے، اس اعتبار سے ایک نبی اور یتیم کے مربی کے درمیان مناسبت پائی جاتی ہے اس لئے یتیم کا مربی جنت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوگا۔ (فتح الباری، کتاب الادب، باب فضل من یعول یتیمًا۔ 1/353، 536)

الا ان يعمل ذنبًا لا يغفر: علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ اور ابن مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد شرک ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ (النساء: ۴۸) اگر اس کافل یتیم نے شرک کیا ہو تو وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد حقوق العباد ہیں کیونکہ وہ بھی صاحب حق کے معاف کرنے ہی سے معاف ہوتے ہیں ورنہ نہیں اور ممکن ہے کہ اس سے مراد دونوں ہوں یہی اظہر ہے چونکہ اس پر اجماع ہے کہ حقوق العباد محض کفالت یتیم سے معاف نہیں ہوتے، ظاہر ہے کہ یتیم کا مال کھانا بھی حقوق العباد میں سے ہے تو اب روایت کا مطلب یہ ہوگا کہ کافل یتیم یقیناً جنت میں داخل ہوگا مگر یہ کہ اس نے شرک کیا ہو یا اس کے ذمہ حقوق العباد ہوں مثلاً یتیم کا مال اس نے کھایا ہو تو بغیر صاحب حق کے معاف کئے یا بغیر ادا کئے جنت میں نہ جائے گا بہر حال روایۃ الباب سے کافل یتیم کی فضیلت معلوم ہوئی کہ اس کے وہ سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں جو حقوق اللہ کے قبیل سے ہیں۔

استراض: اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انسانوں بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام سے بڑھ کر درجات عطا فرمائیں گے حتیٰ کہ مقام محمود بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا جائے گا جو کسی کو عطا نہیں ہوگا اور اس روایت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ کافل یتیم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنت میں ان درجات علیا میں داخل ہوگا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا خصوصیت رہ گئی؟

جواب ①: روایت سے درجات کی تساوی مقصود نہیں بلکہ صرف استحقاق معیت فی الدخول کو بیان کرنا مقصود ہے یعنی کافل یتیم اس کفالت کی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنت میں داخل ہونے کا مستحق بن گیا ہے۔

جواب ②: اس سے مراد معیت خادم مع الخدم اس سے برابری لازم نہیں آتی ہے جس طرح خادم کی برابری مخدوم کے ساتھ نہیں ہوتی ہے۔

جواب ③: اس روایت سے مقصود آپ ﷺ سے غایت قرب کو بیان کرنا ہے نہ کہ معیت فی الدخول اور درجات کی برابری کو۔
جواب ④: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ سبابہ اور وسطیٰ کے مابین تقدماً و تاخراً فرق ہے کہ سبابہ وسطیٰ سے مؤخر ہے تو اسی طرح کافل یتیم حضور ﷺ سے مؤخر ہے۔ اور سبابہ اور وسطیٰ کے درمیان طولاً فرق ہے کہ وسطیٰ سبابہ کے اعتبار سے طویل ہے یہی فرق حضور ﷺ اور کافل کے درمیان ہے۔

جواب ⑤: بخاری شریف میں روایت کے الفاظ ہیں: ”و فرج بین اصبعیه“ یعنی آپ ﷺ نے اشارہ کرتے ہوئے۔ دو انگلیوں کے درمیان کشادگی فرمائی تھی جس سے کافل یتیم اور آپ ﷺ کے درمیان فرق متحقق ہو جاتا ہے اور یہ ایسا ہی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”بعثت انا والساعة كهاتين“ کہ میں اور قیامت ان دونوں انگلیوں کی طرح مبعوث ہوئے ہیں اور ظاہر ہے کہ دونوں کے درمیان فرق ہے۔ هذا حدیث حسن صحیح اخرجه احمد و البخاری و ابو داؤد۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي رَحْمَةِ الصَّبْيَانِ

باب ۱۵: بچوں پر مہربانی اور شفقت (کی فضیلت) کے بارے میں

(۱۸۴۲) جَاءَ شَيْخُ يُرِيدُ النَّبِيَّ ﷺ فَأَبْطَأَ الْقَوْمُ عَنْهُ أَنْ يُوسَّعُوا لَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَيْسَ مِنْتَا مَنْ لَمْ يَزَحْمْ صَغِيرًا وَيُوقَّرْ كَبِيرًا.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ ایک بڑی عمر کا شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا لوگوں نے اسے راستہ دینے میں تاخیر کی تو آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کا احترام نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

(۱۸۴۳) لَيْسَ مِنْتَا مَنْ لَمْ يَزَحْمْ صَغِيرًا وَيُوقَّرْ كَبِيرًا.

ترجمہ: عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے جو شخص ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کے احترام سے واقف نہیں وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

(۱۸۴۴) لَيْسَ مِنْتَا مَنْ لَمْ يَزَحْمْ صَغِيرًا وَيُوقَّرْ كَبِيرًا وَيَأْمُرُ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَى عَنِ الْمُنْكَرِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کا احترام نہیں کرتا جو نیکی کا حکم نہیں دیتا اور برائی سے روکتا نہیں ہے۔

تشریح: لیس منا کے معنی: لیس منا کے معنی ہیں لیس علی طریقتنا و سنتنا اور اس سے مقصود یہ ہے کہ مذکورہ

فی الحدیث باتوں سے اجتناب کرنا چاہئے ورنہ ہمارے اخلاق و عادات اس میں نہیں ہیں جس طرح کوئی باپ اپنے بیٹے کو ڈانٹ ڈپٹ کرتا ہے اور کہتا ہے تو فلاں کام کے لئے چلا جا ورنہ ”لست منی ولست منک“ روایت کا مطلب: جو شخص بچوں اور چھوٹوں پر شفقت نہ کرے اور ان سے محبت نہ کرے اور بڑوں کے درجات و مراتب کو نہ پہچانے ان کی تعظیم نہ کرے وہ ہمارے طریق پر نہیں یعنی اس میں ہمارے اسلامی اخلاق نہیں ہیں اور وہ ہمارا آدمی نہیں ہے اگرچہ ایمان اس کے اندر موجود ہے۔

قال بعض اهل العلم معنى قول النبی ﷺ ليس منا: یعنی بعض اہل علم نے لیس منا کی تفسیر من ستائى من ادبنا کی ہے مگر علی بن مدینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ نے کہا سفیان ثوری رحمہ اللہ اس تفسیر کو پسند نہیں فرماتے تھے کیونکہ کہ روایت کا مقصود تو بخ و تہدید ہے کہ گویا ایسا شخص اہل اسلام میں سے ہی نہیں ہے اور اس تفسیر کے بعد یہ مقصود فوت ہو جاتا ہے اس وجہ سے سفیان ثوری رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ اس قسم کی تہدید روایات کو ان کے ظاہری معنی پر ہی محمول کیا جائے تاکہ لوگ ان بری خصلتوں کا ارتکاب نہ کریں۔

اعتراض: جامع ترمذی کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تفسیر پر نکیر کرنے والے سفیان ثوری رحمہ اللہ ہیں جبکہ نووی رحمہ اللہ وغیرہ نے انکار کی نسبت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کی طرف کی ہے۔
جواب: ممکن ہے کہ دونوں حضرات نکیر کرتے ہوں فلا تعارض۔

دوسری روایت جو عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ مروی ہے اس میں ویعرف شرف کبیرنا کا لفظ ”ولہد یؤقر کبیر“ جگہ واقع اور اس کے معنی ”لہد یعرف شرف کبیرنا“ کے ہیں چنانچہ دوسرا نسخہ لفظ لم کی صراحت کے ساتھ اور مطلب ظاہر پر ہے۔
تیسری روایت جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اس میں امر بالمعرف ونہی عن المنکر کی زیادتی ہے جو شخص چھوٹوں پر شفقت نہ کرے بڑوں کی تعظیم نہ کرے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر نہ کرے وہ ہماری جماعت میں سے نہیں ہے۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر اس امت کے اہم ترین فرائض اور اخلاق فاضلہ میں سے ہے کما قال تعالیٰ: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلْعَالَمِينَ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۚ وَكُوفُوا أَمْرًا أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ ۚ مِنْهُمْ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ (آل عمران: ۱۱۰) ظاہر ہے جو شخص امر بالمعروف ونہی عن المنکر نہیں ہے تو وہ اس امت کے اخلاق فاضلہ پر نہیں اور یہی مطلب ہے ”لیس منا“ کا۔

سند کا حال: حدیث محمد بن اسحاق عن عمرو بن شعیب حدیث حسن صحیح امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عمرو بن شعیف والی روایت محمد بن اسحاق مدلس راوی کے عنعنہ کے ساتھ اگرچہ منقول ہے اور یہ حدیث حسن و صحیح نہ ہونی چاہئے مگر اس کے متعدد طرق ہیں اور دیگر شواہد بھی ہیں اس بناء پر اس کو حسن و صحیح قرار دے دیا گیا ہے چنانچہ آگے فرماتے ہیں:

وقد روی عن عبد اللہ بن عمرو عن غیر هذا الوجه ایضاً۔

اس روایت کی تخریج ابوداؤد نے بطریق ابن ابی شیبہ وابن السرح عن سفیان عن ابن ابی نجیح عن ابن عامر عن عبد اللہ بن عمرو کی ہے۔ نیز یہ روایت عبد اللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ صحابی سے جس طرح ان کی اولاد نے نقل کی ہے جس کو محمد بن اسحاق رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اسی طرح عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے دوسرے لوگ بھی ناقل ہیں اس وجہ سے حدیث درجہ حسن و صحیح کو پہنچ گئی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي رَحْمَةِ النَّاسِ

باب ۱۶: لوگوں پر رحم کرنے (کی فضیلت) کے بارے میں

(۱۸۳۵) مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ لَا يَرْحَمُهُ اللَّهُ.

ترجمہ: حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ بھی اس پر رحم نہیں کرتا۔

(۱۸۳۶) لَا تُنْزِعُ الرَّحْمَةَ إِلَّا مِنْ شَقِيٍّ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے حضرت ابو القاسم رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے صرف بد بخت شخص سے رحم (کے جذبے) کو الگ کیا جاتا ہے۔

(۱۸۳۷) الرَّحْمُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمَنُ اَرْحَمُوا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمَكُم مَّنْ فِي السَّمَاءِ الرَّحْمُ شَجَنَةٌ مِنَ الرَّحْمَنِ فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلَهُ اللَّهُ وَمَنْ قَطَعَهَا قَطَعَهُ اللَّهُ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا رحم کرنے والوں پر رحم بھی کرتا ہے تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان میں موجود ذات تم پر رحم کرے گی رحمان کی شاخ ہے جو شخص اس کو ملاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ملاتا ہے جو شخص اس کو کاٹ دیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے کاٹ دیتا ہے۔

تشریح: لا تنزع الرحمة: (یہ فعل مجہول ہے): رحمت نہیں نکالی جاتی۔ شقی: بد بخت، اس سے کافر اور گنہگار مراد ہے۔ شجنة: گھنٹی، ٹہنی، الجھی ہوئی شاخ۔

مخلوق خدا پر رحم اور شفقت کی فضیلت:

ان احادیث میں بڑی تاکید کے ساتھ ترغیب دی گئی ہے کہ مخلوق خدا پر رحمت و شفقت کی جائے، جو شخص اللہ تعالیٰ کی مخلوقات پر رحم نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ بھی اس پر رحمت نازل نہیں کرتے۔

”الامن شقی“ اس بد بخت سے کافر یا فاسق و فاجر ہے، اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ کافر اپنے کفر و عناد اور گنہگار اپنے گناہوں کی وجہ سے اپنے دل کو اس قدر سخت بنا لیتا ہے کہ اس کے اندر سے وہ انسانی جذبہ بھی ختم ہو جاتا ہے جو ایک انسان کو مخلوق خدا پر رحم و شفقت کرنے پر آمادہ کرتا ہے چنانچہ یہ بد بخت اسی سخت دلی اور شقاوت قلبی کے ساتھ دنیا کے جھیلوں میں پھنسا رہتا ہے، طرح طرح کی تھکاوٹ برداشت کرتا ہے، لیکن انجام کے اعتبار سے اس بہر حال خسار اٹھانا پڑتا ہے بشرطیکہ کفر اور گناہ سے توبہ کے بغیر دنیا سے چلا جائے اور جو لوگ خلق خدا پر رحم کرتے رہتے ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ رحم کرتے ہیں اور حکم دیا گیا کہ تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

من فی الارض: (زمین والوں): اس میں عموم ہے، ہر قسم کی مخلوق کو شامل ہے علامہ ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں روایت کے الفاظ کا عموم چاہتا ہے کہ رحمت کا معاملہ تمام مخلوق کے ساتھ کیا جائے حتیٰ کہ مؤمن، کافر، بہائم، مملوک، غیر مملوک سب اس میں داخل ہیں یعنی سب انسانوں، جانوروں کے ساتھ رحمت و شفقت کا برتاؤ ہو تو اللہ تعالیٰ بھی رحم کا برتاؤ فرمائیں گے اور جو شخص مخلوق کے ساتھ رحم کا معاملہ نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ رحم کا معاملہ فرمائیں گے یہ بھی اقسام مؤمن، کافر، اقرباء، یتیم، یتیم، یتیم، یتیم وغیرہ کے مختلف حقوق ہیں ان سب کو ادا کرنا ان کو منفعت پہنچانا یہ انسان کے ساتھ رحم ہے اسی طرح جانوروں کے ساتھ رحم ان کے حقوق کی ادائیگی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ انسان کے اندر نرم کوئی، خوش اخلاقی، عفو و درگزر اور لطف و مہربانی کی صفات ہونی چاہئے، تب ہی وہ دنیا و آخرت میں کامیاب ہو سکتا ہے اور اگر یہ صفات نہ ہوں گی تو ظاہر ہے ایسا شخص نہ دنیا میں کامیاب اور نہ آخرت میں کامیاب ہوگا اللہ تعالیٰ کے رحم کا مستحق نہ ہوگا۔

”من فی السماء“ (آسمان والا یا والے) اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے کہ تم زمین والوں پر شفقت و رحم کرو، اس کی وجہ سے تم پر اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائیں گے سراج المنیر میں روایت ہے اس کے الفاظ ”یرحمکم اهل السماء“ ہیں جس سے مراد فرشتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جو لوگ مخلوق خدا پر رحم کرتے ہیں ملائکہ ان کے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ:

﴿الَّذِينَ يَخِشُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ۝﴾ (المومن: ۷)

ان کا رحم یہ ہے کہ وہ رحم کرنے والے انسانوں کے دشمنوں اور تکلیف پہنچانے والی مخلوق جنات و شیاطین اور شریر انسانوں سے اللہ کے حکم سے حفاظت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا و استغفار اور رحمت کی دعا کرتے ہیں۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الادب، الفصل الثانی 704/8۔ شرح الطبری، 180، 181/9)

من لہم یرحم الناس: بخاری شریف کی روایت میں ”من لایرحم لایرحم“ کے الفاظ وارد ہوئے ہیں اور طبرانی میں ”من لایرحم من فی الارض لایرحمہ من فی السماء“ اور طبرانی میں اشعث بن قیس کی روایت میں ”من لہم یرحم المسلمین لہم یرحمہ اللہ“ بھی واقع ہے۔ حافظ ابن عربی فرماتے ہیں کہ رحمت کے معنی کا خلاصہ ”ارادة المنفعة فی حق الخالق والمخلوق“ ہے۔

”الرحم شجن من الرحمن، رحم الرحمن کی ایک شاخ ہے، مراد یہ ہے کہ لفظ رحم، لفظ رحمن سے لیا گیا ہے، دونوں کے حروف ایک ہی ہیں، گویا صلہ رحمی کا رحمن سے ایک خصوصی تعلق اور ربط ہے، یہ مراد نہیں کہ رحم اللہ تعالیٰ کی ذات میں سے ہے اور اس کا جزء ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے پاک ہے۔ (فتح الباری، کتاب الادب، باب من وصل، وصلہ اللہ۔ 1/512)

اس کی مزید تفصیل حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے جو باب ماجاء فی قطیعة الرحم میں تفصیل سے گزر چکی ہے۔ لا تنزع الرحمة... الخ: صیغہ مجہول ہے علامہ طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دراصل رحمت نام ہے رقت قلب کا جو علامت ایمان ہے جس شخص میں رقت قلب نہیں یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس میں ایمان نہیں اور جس شخص میں ایمان نہیں ہے اس سے زیادہ بد بخت کون ہو سکتا ہے۔ شیخ عبدالحق رحمہ اللہ فرماتے ہیں لفظ لا تنزع اس پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے قلب میں رقت و رحمت

وضع فرمائی تھی اب اس کے قلب سے وہ سلب ہو گئی ہے۔ لہذا یہ علامت شقاوت و بد بختی ہے۔ حافظ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رحمت کے معنی ارادۃ منفعت کے ہیں جب ارادۃ منفعت کسی کے دل سے دور ہو گیا تو ایسا شخص ایصال مکروہات و مصائب میں مبتلا ہوگا اور جو شخص مخلوق خدا کو مصائب پہنچائے اس سے زیادہ بد بخت کون ہو سکتا ہے۔

هذا حديث حسن اخرجه احمد والبخاري في الادب و ابو داود و ابن حبان و الحاكم مناوي فرماتے ہیں کہ اس روایت کی اسناد صحیح ہے۔

سند: ابو عثمان الذی روی عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ لا نعرف اسمہ... الخ: خلاصہ کلام یہ ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد ابو عثمان کا نام ہمیں معلوم نہیں ہے البتہ یہ کہا جاتا ہے کہ یہ موسیٰ بن ابی عثمان کے والد ہیں اور موسیٰ بن ابی عثمان سے ابوالزناد روایت کرتے ہیں چنانچہ ابوالزناد نے موسیٰ بن ابی عثمان سے اس حدیث کے علاوہ دوسری احادیث موسیٰ بن ابی عثمان عن ابیہ عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر نقل کی ہیں تقریب میں ہے کہ ابو عثمان القتبانی مغیرہ بن شعبہ کے آزاد کردہ غلام ہیں بعض حضرات نے ان کا نام سعید اور بعض نے عمران ذکر کیا ہے طبقہ ثالثہ کے مقبول راوی ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّصِيحَةِ

باب ۱۷: نصیحت اور خیر خواہی (کی فضیلت) کے بارے میں ہے

(۱۸۴۸) بَايَعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَلَى اِقَامِ الصَّلَاةِ وَ اِيْتَاءِ الزَّكَاةِ وَ النَّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ.

ترجمہ: حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر بیعت کی تھی کہ نماز قائم کرنی ہے زکوٰۃ ادا کرنی ہے اور ہر مسلمان کے لیے خیر خواہی اختیار کرنی ہے۔

(۱۸۴۹) الدِّينُ النَّصِيحَةُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم لِمَنْ قَالَ لِلَّهِ وَلِكِتَابِهِ وَ لِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَ عَامَّتِهِمْ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دین خیر خواہی کا نام ہے یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ ارشاد فرمائی لوگوں نے عرض کی کس کے لیے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے لیے اس کی کتاب کے لیے مسلمان حکمرانوں کے لیے اور ان کے عام افراد کے لیے۔

(۱۸۵۰) الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَخُونُهُ وَلَا يَكْذِبُهُ وَلَا يَحْذُلُهُ كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ عِرْضُهُ وَمَالُهُ وَ دَمُهُ التَّقْوَى هَاهُنَا بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشُّرِّ أَنْ يَحْتَقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہوتا ہے اس لیے وہ اس کے ساتھ خیانت نہ کرے اس کے ساتھ جھوٹ نہ بولے اور اس کو رسوائی کا شکار نہ کرے ہر مسلمان کی عزت مال و جان

دوسرے مسلمان کے لیے قابل احترام ہیں تقویٰ یہاں ہوتا ہے کسی آدمی کے براہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔

(۱۸۵۱) الْمُؤْمِنُ مِنَ الْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا.

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے ایک مومن کی دوسرے دوسرے مومن کے لیے مثال ایک عمارت کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہے۔

(۱۸۵۲) إِنْ أَحَدَكُمُ مَّرَآةَ أَخِيهِ فَإِنْ رَأَى بِهِ آذَى فَلْيُبْطِئْ عَنْهُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہر شخص دوسرے کا آئینہ ہوتا ہے اگر وہ اس میں کوئی خامی دیکھے تو وہ اس سے دور کر دے۔

تشریح: ”دین نصیحت ہے“: مراد یہ ہے کہ نصیحت اور خیر خواہ دین کے اعمال میں سے افضل ترین عمل ہے یا یہ کہ نصیحت اور خیر خواہی دین کا ایک اہم عظیم الشان شعبہ ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کی یہ خیر خواہی کس کے لئے کرنی چاہئے آپ ﷺ نے فرمایا: ”خیر خواہی اللہ کے لئے“ یہ ہے کہ اس کی توحید پر ایمان لایا جائے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، اخلاص کے ساتھ اس کے احکام کی اطاعت کرے اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرے، نیک لوگوں سے محبت اور برے لوگوں سے نفرت کرے۔

خیر خواہی اللہ کی کتاب قرآن کے لئے:

اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، اسے سیکھا اور سکھایا جائے، پابندی سے اس کی روزانہ تلاوت کی جائے، اس کے معنی اور احکام پر عمل کیا جائے اور اہل باطل کی طرف سے اگر قرآن کے خلاف کوئی پروپیگنڈہ کیا جائے تو اس کا ہر ممکن دفاع کیا جائے۔

خیر خواہی رسول اللہ کے لئے:

بعض روایات میں اس کے بعد ”ورسولہ“ بھی ہے، اس کے معنی: ”خیر خواہی رسول اللہ کے لئے“ یہ ہے کہ ان پر ایمان لائے اور ان کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو۔ ”مسلمانوں کے سربراہوں“ کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ جائز امور میں ان کی اطاعت اور تعاون کیا جائے اور اگر وہ خلاف شرع کام کرنے لگیں یا کرنے کا حکم دیں تو اپنی طاقت کے بقدر حسن تدبیر اور خوش اسلوبی سے سمجھانے کی کوشش کی جائے۔

”ائمہ“ میں علماء بھی شامل ہیں جو لوگوں کی دینی رہنمائی کرتے ہیں، ان کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ ان کی عزت و تکریم کی جائے، شرعی احکام اور دینی مسائل میں قرآن و سنت کے مطابق جو کچھ وہ کہیں، اس کو قبول کیا جائے اور ان پر عمل کیا جائے۔ ”وعامتہم“ اور عام مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ ان کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو ان کے حق میں دنیا اور آخرت کے لحاظ سے بہتر ہو، ان کو تکلیف پہنچانے سے پرہیز کیا جائے، ان کو راحت رسانی کی کوشش کی جائے اور ان کے حقوق ادا کئے جائیں۔ یہ حدیث سارے دین کا خلاصہ ہے، اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ حدیث جو امع الکلم میں سے ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے

حقوق کا بھی ذکر ہے اور بندوں کے حقوق کا بھی، اللہ تعالیٰ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

باب کی دوسری حدیث میں حضرت جریر بن عبد اللہ کی بیعت کا ذکر ہے جس میں نماز پڑھنے، زکوٰۃ دینے اور ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کا بیان ہے، اس میں پہلی دو چیزیں حقوق اللہ کی طرف اشارہ کر رہی ہیں، اور النصح لکل مسلمہ سے حقوق العباد یعنی بندوں کے حقوق کا ثبوت ہے، نماز کو خاص طور پر اس لئے ذکر کیا کہ یہ دونوں ایمان کے بعد اہم ہیں اور مشہور بھی ہیں، تاہم اس میں اسلام کے باقی ارکان روزہ اور حج بھی داخل ہیں۔ ان کی نفی کرنا مقصود نہیں۔

والنصح لکل مسلمہ اور حضرت جریر رضی اللہ عنہ کا عجیب واقعہ:

ابوالقاسم طبری رحمہ اللہ نے نقل فرمایا ہے کہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے غلام کو حکم دیا کہ ان کے لئے گھوڑا خریدے غلام نے ایک گھوڑا تین سو روپیہ میں خریدا اور قیمت ادا کرنے کے لئے بائع کو بھی ان کی خدمت میں حاضر کر دیا۔ جریر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تیرا گھوڑا تین سو روپیہ سے زیادہ کا ہے چار سو روپے میں اس گھوڑے کو دے دے اس نے کہا چار سو روپیہ میں لے لیجئے پھر فرمایا تیرا گھوڑا تو چار سو سے بھی زائد کا ہے اسی طرح آٹھ سو تک پہنچ گئے اور آٹھ سو روپے میں اس گھوڑے کو خریدا اور فرمایا کہ میں نے ایسا اس لئے کیا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے دست مبارک پر ”نصيحة لکل مسلمہ“ پر بیعت کی ہے اس واقعہ سے حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی دیانت و امانت اور منقبت و فضیلت معلوم ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کے معاہدہ پر کس درجہ عمل فرمایا ہے۔

فائدہ: علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ روایت میں صرف اقامت صلوٰۃ اور ایتاء الزکوٰۃ پر بیعت کا ذکر ہے کیونکہ یہ دونوں عبادات بدنیہ و مالیہ کے اصول ہیں اور دونوں ارکان اسلام میں سے اہم رکن ہیں، یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت ان پر صوم و حج فرض نہ ہوا ہو مگر یہ مشکل ہے کیونکہ جس سال حضور ﷺ کا وصال ہوا جریر رضی اللہ عنہ اسی سال مشرف باسلام ہوئے ہیں۔

والنصح لکل مسلمہ: ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنے پر بیعت کی مسلمان عام ہو یا خاص پیش نظر زیادہ سے زیادہ قیمت ادا کی ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الاداب، باب الشفقة والرحمة علی الخلق 8/703)

بیعت کی تعریف اور اس کا حکم:

بیعت کا مطلب یہ ہے کہ کسی کامل بزرگ متبع سنت کے ہاتھ پر اپنے گناہوں سے توبہ کرنا اور آئندہ اس کی رہنمائی میں دین پر چلنے کا عہد کرنا۔ اس کا قدیم اور مسنون طریقہ یہی چلا آ رہا ہے کہ بیعت کے وقت بزرگ کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر عہد کیا جائے، اگرچہ ہاتھ پر ہاتھ رکھنا لازم اور ضروری نہیں ہے، جس کام پر بیعت کی جائے اس کی پابندی شرعاً ضروری اور واجب ہے اور خلاف ورزی حرام ہے۔

روایت سے اعمال پر بیعت کا ثبوت معلوم ہوتا ہے آپ ﷺ سے مختلف قسم کی بیعت ثابت ہے: (1) بیعت سمع و طاعت (2) امام المسلمین سے مناقشہ نہ کرنے پر (3) سچ بولنے پر (4) انصاف کرنے پر (5) اپنے سے زیادہ کسی کو حصہ دینے پر (6) ہر مسلمان کے لئے خیر خواہی کرنے پر (7) جنگ سے نہ بھاگنے پر (8) لڑتے لڑتے مرجانے پر (9) جہاد پر (10) ہجرت پر (11) ترک معاصی پر کما قال تعالیٰ: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ...﴾ (الممتحنہ: ۱۲) ماخوذ من المبايعۃ اس سے مراد کسی سے عہد کرنا ہے۔ اقامہ الصلوٰۃ اور ایتاء الزکوٰۃ کا ادا کرنا۔

اصلاح کرنا فرض ہے:

ہر مسلمان مرد و عورت پر اپنی اصلاح کرنا فرض ہے، اور تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ جب تک کسی اللہ والے سے رابطہ نہ ہو، نفس کی اصلاح نہیں ہوتی، اور اسلامی احکام پر چلنا مشکل ہوتا ہے، اس لئے اپنی اصلاح کے لئے کسی بزرگ سے اصلاحی تعلق تو ضروری ہے، البتہ رسمی بیعت کرنا ضروری نہیں، کسی نیک بزرگ سے مناسبت کے بعد بیعت کر لی جائے تو بہتر ہے، لیکن بیعت مقصود نہیں، اصل مقصد نفس کی اصلاح ہے، یہ بیعت کے بغیر بھی کسی بزرگ سے اصلاحی تعلق کے ذریعہ ہو سکتی ہے۔ آج کل اصلاح نفس سے عوام تو کیا، علماء بھی غافل ہو چکے ہیں، جب کسی سے اس موضوع پر بات کی جاتی ہے تو یہ جواب آتا ہے کہ اس زمانے میں ایسا کوئی شیخ ہی نہیں کہ جس سے اصلاحی تعلق قائم کیا جائے، لیکن ان کی یہ بات غلط ہے، ہر زمانے میں کچھ لوگ ایسے ضرور موجود ہوتے ہیں جو واقعی شیخ کامل ہوتے ہیں، جستجو اور تلاش کی ضرورت ہے۔ (مزید تفصیل احقر کی تصنیف تزکیۃ النفوس کو دیکھئے)

شیخ کامل کی پہچان:

شیخ کامل وہ شخص ہوتا ہے جو شریعت کا پابند ہو، سنت پر چلنے کا اہتمام کرتا ہو، بدعات و رسوم اور خلاف شرع کا ارتکاب نہ کرتا ہو۔ (1) ضرورت کے موافق علم دین رکھتا ہو۔ (2) اس کے عقائد، اعمال اور اخلاق شریعت کے مطابق ہوں۔ (3) دنیا کی حرص نہ رکھتا ہو۔ (4) اپنے کمال کا دعویٰ نہ کرتا ہو۔ (5) کسی شیخ یا کامل متبع سنت کی خدمت میں رہا ہو اور اس کی طرف سے بیعت لینے کی اسے اجازت حاصل ہو۔ (6) اس زمانے کے علماء اور بزرگان دین اس کے بارے میں اچھی رائے رکھتے ہوں۔ (7) اس سے تعلق رکھنے والے سمجھدار اور دیندار لوگ ہوں اور اکثر شریعت کے پابند ہوں۔ (8) وہ اپنے مریدوں کی اصطلاح کا خیال رکھتا ہو اور شریعت کے خلاف ان سے کوئی کام ہو جائے تو اس پر روک ٹوک کرتا ہو۔ (9) اس کے پاس بیٹھنے سے اللہ تعالیٰ کی محبت میں اضافہ ہو اور دنیا کی محبت میں کمی ہو۔ (10) اس میں دوسروں کی اصلاح کی صلاحیت ہو، گندے اخلاق کے چھوڑنے اور اخلاق حسنہ کی تلقین کرتا ہو۔ جس انسان میں یہ علامات ہوں وہ شیخ کامل ہے، اس سے اصلاحی تعلق قائم کیا جاسکتا ہے، اور جس میں یہ صفات نہ پائی جائیں اس سے اصلاحی تعلق قائم کرنا جائز نہیں۔

بَاب مَا جَاءَ فِي شَفَقَةِ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ

باب ۱۹: یہ باب مسلمان کی مسلمان پر شفقت (کی فضیلت) کے بارے میں ہے

(۱۸۵۳) مَنْ نَفَسَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً مِّنْ كُرْبِ الدُّنْيَا نَفَسَ اللَّهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِّنْ كُرْبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ يَسَّرَ عَلَى مُعْسِرٍ فِي الدُّنْيَا يَسَّرَ اللَّهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَنْ سَتَرَ عَلَى مُسْلِمٍ فِي الدُّنْيَا سَتَرَ اللَّهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں جو شخص کسی مسلمان سے کسی دنیوی تکلیف کو دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس شخص سے قیامت کی تکالیف کو دور کرے گا جو شخص دنیا میں کسی تنگ دست کو آسانی فراہم کرے گا اللہ تعالیٰ اس شخص کو دنیا اور

آخرت میں آسانی فراہم کرے گا جو شخص دنیا میں کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا انسان جب تک اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کی مدد کرتا رہتا ہے۔

تشریح: المسلم اخو المسلم: ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اس اخوت کا تقاضا یہ ہے کہ ان دونوں کا معاملہ، معاشرت، بھائیوں کی طرح ہو کہ دونوں میں الفت و محبت ہو ایک دوسرے کے ساتھ نرم خوئی اور خندہ پیشانی سے پیش آئے اور باہم ایک دوسرے کا تعاون کریں آپس میں حسد و بغض نہ رکھیں اور ہر ایک میں دوسرے کی خیر خواہی کا جذبہ اور اعلیٰ درجہ ہولفظ اخ میں ان جملہ امور کی طرف اشارہ ہے جس کی تشریح لایخونہ سے فرمائی گئی ہے۔

لا یخونہ ماخوذ من الخیانة لا یخذله: بضم الذال المعجمة ماخوذ من الحذلان“ اس کے معنی ”ترك النصرة والمعاونة“ کے ہیں یہ دونوں جملے خبر بمعنی انشاء ہیں۔ علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر کسی مسلمان بھائی کو تعاون کی ضرورت پڑے تو بغیر عذر شرعی کے اس کا تعاون کرے ایسا نہ ہو کہ اس کو اسی طرح چھوڑ دے اور وہ رسوا و ذلیل ہو جائے۔ حرام عرضہ: ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ مسلمان کی آبرو و عزت کا احترام کرے خواہ اس کا تعلق بدن سے ہو یا حسب و نسب سے اسی طرح اس کا مال و خون سب محترم ہیں ان کی صیانت و حفاظت ضروری ہے ان کا ضائع کرنا جائز نہیں۔

التقویٰ ہھنا: ایک مسلمان کی روایت میں ہے ”یشیر الی صدرہ“ آپ ﷺ نے قلب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تقویٰ کا محل قلب ہے جو پوشیدہ ہے اس لئے یہ جائز نہیں کہ کسی مسلمان کو غیر متقی کہا جائے اور اس کی عزت و آبرو کو ضائع کیا جائے بلکہ مسلمان ظاہر میں خواہ متقی ہو یا نہ ہو بہر صورت اس کی عزت و آبرو اور مال و خون کی حفاظت لازم ہے بعض حضرات نے فرمایا کہ روایت کا مطلب یہ ہے کہ تقویٰ کا محل قلب ہے جس شخص کے دل میں تقویٰ ہوگا وہ کسی مسلمان کی ہرگز تحقیر نہ کرے کیونکہ متقی کسی کی تحقیر نہیں کرتا۔

مسلمان کے مسلمان پر حقوق:

اہل قرابت کے علاوہ دیگر اجنبی مسلمانوں کے بھی حقوق ہیں، اصفہانی نے الترغیب والترہیب میں بروایت حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ حقوق ذکر کئے ہیں: (1) مسلمان بھائی کی خطا و لغزش کو معاف کرنا۔ (2) اس کے رونے پر رحم کرنا۔ (3) اس کے عیب کو چھپانا۔ (4) اس کے عذر کو قبول کرنا۔ (5) اس کی تکلیف کو دور کرنا۔ (6) ہمیشہ اس کی خیر خواہی کرتے رہنا (7) اس کی حفاظت و دیکھ بھال کرنا۔ (8) اس کی ذمہ کی رعایت کرنا۔ (9) بیمار کی عیادت کرنا۔ (10) انتقال ہو جائے تو نماز جنازہ کے لئے حاضر ہونا۔ (11) اس کا ہدیہ قبول کرنا۔ (12) اس کی دعوت قبول کرنا۔ (13) اس احسان کی مکافات کرنا۔ (14) اس کے انعام کا شکر ادا کرنا۔ (15) موقع پڑنے پر اس کی مدد و نصرت کرنا۔ (16) اس کے اہل و عیال کی حفاظت کرنا۔ (17) اس کی حاجت پوری کرنا۔ (18) اس کی درخواست سننا۔ (19) اس کی سفارش قبول کرنا۔ (20) اس کو مراد سے ناامید نہ کرنا۔ (21) اس کی چھینک کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا۔ (22) اگر اس کی گم شدہ چیز ملی ہو تو اس تک پہنچانا۔ (23) اس کے سلام کا جواب دینا۔ (24) خوش خلقی اور نرمی سے گفتگو کرنا۔ (25) اس کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنا۔ (26) اگر اس سے متعلق وہ قسم کھائے تو اس کو پورا کرنا۔ (27) اس کی ظلم کے وقت مدد کرنا۔ (28) محبت کا معاملہ کرنا دشمنی نہ کرنا۔ (29) اس کو رسوا نہ کرنا۔ (30) جو بات خود کو پسند ہو اس کے لئے

بھی پسند کرنا ایک حدیث میں یہ چند حقوق اور منقول ہیں۔ (31) ملاقات کے وقت سلام و مصافحہ کرنا۔ (32) باہم کوئی رنجش ہو تو تین دن سے زائد قطع کلامی نہ کرنا۔ (33) اس کے متعلق بدگمانی کرنا۔ (34) اس سے بغض و حسد نہ کرنا۔ (35) بقدر امکان امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنا۔ (36) چھوٹوں پر رحم اور بڑوں کی عزت کرنا۔ (37) دو مسلمانوں میں نزاع ہو جائے تو ان میں باہم صلح کرانا۔ (38) اس کی غیبت نہ کرنا۔ (39) اس کی آبرو و مال میں کسی قسم کا ضرر نہ پہنچانا۔ (40) اگر اس کی اپنی سواری پر سوار نہ کر سکے یا اس کا سامان نہ اٹھا سکے تو کم از کم اس کو سہارا لگا دینا۔ (41) اسے اٹھا کر اس کی جگہ نہ بیٹھنا۔ (42) تیسرے شخص کو چھوڑ کر دو شخصوں کا آپس میں بات نہ کرنا۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے ان جملہ حقوق کی طرف مختلف ابواب قائم کر کے اشارات کئے ہیں: هذا حدیث حسن غریب اخرجه مسلم۔ المؤمن للمؤمن: ان دونوں میں الف لام جنسی ہے، یشد بعضہ یہ جملہ حالیہ ہے یا صفت ہے یا جملہ متانفہ ہے جو وجہ شہ بیان کرنے کے لئے فرمایا گیا۔

بعضاً: یشد کا مفعول ہے اور علامہ کرمانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ منصوب بزرع الفاضل ہے بعض حضرات فرماتے ہیں: روایت کا حاصل: جس طرح ایک دیوار کی اینٹیں آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر قوت حاصل کرتی ہیں اسی طرح ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے لئے اُمور دُنیا و آخرت میں مددگار اور معاون ہونا چاہئے کہ یہ دونوں مسلمان بھائیوں کے لیے قوت کا ذریعہ ہے اور اللہ تعالیٰ بھی ایسے معاون بندے کی مدد فرماتے ہیں۔ چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوعاً منقول ہے:

”والله في عون العبد ما دام العبد في عون اخيه“

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے مسلمانوں کے حقوق کی عظمت اور ان کے آپس میں ترحم و ملاطفت اور ایک دوسرے کی مدد کے بارے میں صریح حکم معلوم ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ امور معنویہ سمجھانے کے لیے تشبیہ اور ضرب الامثال جائز ہے۔ هذا حدیث حسن صحیح: اخرجه البخاری و مسلم وفي الباب عن علي رخرجه احمد و ابی ایوب رضى الله تعالى عنه: اخرجه الشيخان و احمد۔

آئینہ چہرہ کی اچھائیاں اور برائیاں بتا دیتا ہے جو خود اس کو معلوم نہیں ہوتی ہیں اسی طرح ایک مومن دوسرے مومن کے لئے آئینہ ہے کہ وہ اپنے بھائی مومن کی اچھائیاں اور برائیاں بتا دے کہ تمہارے اندر یہ خرابی ہے اس کو دور کر لو۔ دوم: جس طرح انسان اپنے چہرے کے داغوں کو آئینہ دیکھ کر معلوم کر لیتا ہے اور اس کو دور کرتا ہے اسی طرح مومن کو چاہئے کہ دوسرے مومن کے عیوب دیکھ کر اپنا محاسبہ کرے ان سے بچنے کی کوشش اور اصلاح کی فکر کرے گویا دوسرے کے عیوب دیکھنے کو اپنی اصلاح کا ذریعہ بنالے۔

مرآة المؤمن: اس مختصر جملہ میں تشبیہ سے چند فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

اول: اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ اپنے عیوب بتانے والے شخص کو اپنا محسن سمجھنا چاہئے اور اس پر ناراض نہ ہونا چاہئے، جس طرح آئینہ میں اپنے چہرے کے عیوب دیکھ کر آئینہ کو نہیں توڑتا بلکہ اس کو صاف کر کے حفاظت سے رکھتا ہے اسی طرح عیب بتانے والے مومن بھائی کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہئے۔

دوم: دوسرا سبق یہ ملتا ہے کہ جس طرح آئینہ چہرے کے اتنے ہی داغوں کو بتاتا ہے جتنے داغ اس پر ہوتے ہیں اسی طرح مؤمن کو چاہئے کہ اپنے بھائی کے عیوب اور غلطیوں کو اسی قدر بتائے جو اس میں پائے جاتے ہیں بڑھا چڑھا کر مبالغہ سے نہ بتائے۔ سوم: جس طرح آئینہ اپنے دیکھنے والے کی عیب اسی کو بتاتا ہے اور کسی کو نہیں بتاتا اسی طرح مؤمن کو چاہئے کہ اپنے بھائی کے عیوب صرف اسی کو بتائے دوسروں سے نہ کہے اور نہ اس کو لعنت و ملامت کرے۔

چہارم: انسان جب بھی آئینہ کے سامنے آتا ہے فوراً آئینہ چہرے کے داغوں کو بتا دیتا ہے اسی طرح مؤمن کو چاہئے کہ اپنے مؤمن بھائی کی غلطیوں پر فوراً متنبہ کر دے اگر وہ اصلاح نہ کرے تب بھی اس کو بتاتا رہے اکتائے نہیں، قال تعالیٰ: ﴿وَذَكَرُ فَإِنَّ الذِّكْرَ يُنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (الذاریات: ۵۵)۔

پنجم: ممکن ہے آئینہ کے ساتھ تشبیہ دیکر جانبن کو متنبہ کرنا ہو اس بات پر کہ دونوں کے قلوب آئینہ کی طرح صاف و شفاف رہنے چاہئیں بغض و عداوت، تحقیر و تذلیل اور کدورت کسی کے دل میں نہ ہو۔

فائدہ: حدیث شریف میں چند امور مذکور ہیں اول جو شخص کسی کی تکلیف کو دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی مصیبت دور فرمائیں گے۔

اعتراض: ﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ امْتَالِهَاتٍ﴾ (الانعام: ۱۶۰) اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ ایک مصیبت دنیا کے دور کرنے پر دس مصائب آخرت کے دور ہونے چاہئیں۔

جواب: قیامت کے دن کی ایک مصیبت دنیا کی ہزار ہا مصائب سے بڑھ کر ہے اگر دنیوی ایک مصیبت کے ازالہ کے بدلہ قیامت کے دن کی ایک مصیبت کا ازالہ ہو جائے تب بھی کیفاً متعدد گناہ ازالہ مصائب پایا جائے گا لہذا حدیث مذکور میں بیان کردہ جزاء آیت شریفہ کے منافی نہیں ہے اور ان روایات کے خلاف نہیں جن میں جزاء اخروی کو سات سو گنا تک بیان فرمایا گیا اس لئے کہ آیت شریفہ میں مضاعفت عام ہے خواہ کیفاً ہو یا کھٹا۔

من ستر علی مسلمہ: جو شخص کسی مسلمان کے عیوب کی پردہ پوشی کرے خواہ ان عیوب کا تعلق اس کے بدن سے ہو یا اس کے اخلاق و کردار سے ہو یا نسب و نسبت سے ہو یا عام معاشرہ سے متعلق عیوب ہوں ان کی پردہ پوشی کرے۔

سَتَرُ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ: یعنی مسلمان کی پردہ پوشی کرنے والے کی اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں پردہ پوشی فرمائیں گے اور اس کو دنیا و آخرت میں رسوا نہ فرمائیں گے۔

تسبیہ: اگر ایسے عیوب و ذنوب ہیں جو حدود الہی کے قبیلہ سے ہیں یا ان کے چھپانے سے لوگوں کو دینی یا دنیوی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو پھر اظہار ضروری ہے اسی طرح کوئی منکر فعل میں مبتلا ہے اور بقدر طاقت اس پر تکبیر کر دی گئی مگر پھر بھی وہ شخص اس امر منکر سے باز نہیں آیا تو حاکم کے یہاں اصلاح کی نیت سے اظہار کرنا ضروری ہے اور یہ ستر مسلم کے خلاف نہیں ہے۔

واللہ فی عون العبد... الخ: بخاری و مسلم میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کے الفاظ ہیں ”مَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللَّهُ فِي حَاجَتِهِ“ جو شخص کسی مسلمان بھائی کی مدد کرتا ہے اور اس کی حاجتوں اور ضرورتوں کو پورا کرنے کی سعی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتے ہیں اور اس کی تمام حاجات پوری فرما دیتے ہیں، مسلمان شخص کی امداد کے بارے میں یہ بہت بڑی فضیلت ہے اللہ تعالیٰ

اس بندے کی سعی کو ایسا مقبول فرماتا ہے کہ خود اس مدد کرنے والے کی مدد فرماتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ مدد فرمائے تو پھر اور کس کی مدد کی ضرورت ہے۔

سند کا حال: وقد روی ابو عوانة وغير واحد هذا الحديث عن الاعمش عن ابي صالح عن ابي هريرة رضي الله عنه: یعنی اعمش نے ابو صالح سے اس روایت کو دو طرح نقل کیا ہے اول بصیغہ ”حدثت“ جس کا مطلب یہ ہے کہ اعمش نے براہ راست ابو صالح سے نہیں سنا ابو صالح کی جانب سے یہ روایت ان کو نقل کی گئی ہے اور ناقل معلوم نہیں تو اس صورت میں یہ روایت منقطع ہوئی یہ اسباط بن محمد رضي الله عنه کا طریق ہے جو یہاں ترمذی نے نقل کیا ہے۔ دوم وہ طریق ہے جس کی طرف موصوف مذکورہ عبارت سے اشارہ فرما رہے ہیں یعنی اسی روایت کو جب ابو عوانہ اور دوسرے حضرات نقل کرتے ہیں تو کہتے ہیں: ”عن الاعمش عن ابي صالح عن ابي هريرة رضي الله عنه“ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اعمش نے براہ راست ابو صالح سے سماع فرمایا ہے اور درمیان میں کوئی واسطہ نہیں ہے۔

تطبیق: دونوں طریق کے درمیان تطبیق اس طرح ممکن ہے اعمش نے اولاً یہ روایت جس واسطہ سے سنی تھی تو اس وقت ”حدثت“ بصیغہ مجہول کہہ کر روایت نقل کرتے رہے جس کو اسباط بن محمد نے نقل فرمایا ہے پھر ان کی ملاقات براہ راست ابو صالح سے ہو گئی اور اس روایت کو انہوں نے ان سے سنا تو پھر انہوں نے عن ابي صالح عن ابي هريرة رضي الله عنه کہہ کر نقل کر دیا جس کو ابو عوانہ وغیرہ نے نقل کیا ہے اسی کی طرف امام موصوف نے وقد روی ابو عوانة الخ سے اشارہ فرمایا ہے مگر یہ یاد رہے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے کتاب الحدود میں روایت کے دونوں طریق بیان کئے ہیں اور طریق اتصال کی ترجیح کی طرف اشارہ فرمایا۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي الذَّبِّ عَنِ الْمُسْلِمِ

باب ۲۰: مسلمان (کی عزت) کے دفاع (کی فضیلت) کے بارے میں

(۱۸۵۴) مَنْ رَدَّ عَنْ عِرْضِ أَخِيهِ رَدَّ اللَّهُ عَنْ وَجْهِهِ النَّارَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

توضیح: حضرت ام درداء رضي الله عنها بیان کرتی ہیں حضرت ابو درداء رضي الله عنه نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کیا ہے جو شخص اپنے بھائی کی عزت سے (نقصان پہنچانے والی چیز) کو دور کر دے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے جہنم کو دور کر دے گا۔

تشریح: مسلمان کی عزت کے دفاع کی فضیلت: اس روایت سے مسلمان کے باہمی معاملات، تعاون و تعاوض دفع مضرت، جلب منفعت اور خیر خواہی کی فضیلت معلوم ہوئی کہ یہ سب امور جنت میں داخلہ کا ذریعہ اور جہنم کی آگ سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔

اس حدیث میں اس آدمی کی فضیلت کا ذکر ہے جو دوسرے مسلمان کی عزت و آبرو کا دفاع کرتا ہے، دوسرا شخص کسی مسلمان کی غیبت کرتا ہے، یہ شخص اسے منع کرتا ہے کہ غیبت نہ کرو، چونکہ آبروریزی اللہ تعالیٰ کو انتہائی ناپسند ہے اس لئے جو شخص کسی مسلمان کی عزت و آبرو بچاتا ہے، اس کا دفاع کرتا ہے، اسے یہ فضیلت حاصل ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اس کے چہرے سے یعنی اس کی ذات سے جہنم کی آگ کو دور کریں گے۔ ”چہرے“ کو خاص طور پر اس لئے ذکر کیا ہے کہ تمام اعضاء میں سب سے اشرف اور محترم عضو چہرہ ہوتا ہے۔ ورنہ پورا جسم مراد ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْهَجْرَةِ لِلْمُسْلِمِ

باب ۲۱: (مسلمان بھائی) ترک ملاقات کی کراہت

(۱۸۵۵) لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ يَلْتَقِيَانِ فَيَصُدُّ هَذَا وَيَصُدُّ هَذَا وَخَيْرُهُمَا الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ.

ترجمہ: حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کسی بھی مسلمان کے لیے یہ بات جائز نہیں وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ لا تعلق رہے یوں کہ جب وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے آئیں تو یہ اس سے منہ پھیر لے اور وہ اس سے منہ پھیر لے ان دونوں میں زیادہ بہتر وہ ہوگا جو سلام میں پہل کرے۔

تشریح: ترک ملاقات کے دو درجے: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ترک ملاقات کے دو درجے ہیں: ① بالکل تعلقات ختم کر دیئے جائیں، سلام تک چھوڑ دیا جائے۔

② زیادہ تعلق نہ رکھا جائے، البتہ کبھی کبھار سلام و کلام کر لیا جائے۔ حدیث میں مذکورہ وعید اس وقت ہے جب انسان ترک ملاقات پہلے درجے کی کرے، لیکن اگر کوئی شخص کسی خاص وجہ سے ترک تعلق دوسرے درجے کا کرتا ہے تو یہ اس وعید میں نہیں آتا، یہ جائز ہے۔

تین دن سے زیادہ ترک ملاقات جائز نہیں:

اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کو اپنی معاشرتی زندگی اس انداز سے گزارنی چاہئے کہ وہ دوسرے مسلمان بھائیوں سے تعلقات بنا کر رکھے، مسلمان بھائی ”خواہ رشتہ دار ہو یا عام کوئی شخص ہو“ بلا وجہ کسی سے بھی تعلقات منقطع کرنا اور ان سے سلام و کلام چھوڑنا جائز نہیں ہے۔ اگر کسی وجہ سے آپس میں ناراضگی ہو جائے تو یہ تین دن سے بڑھنی نہیں چاہئے، حدیث میں ”تین دن“ کا ذکر ہے، جس سے معلوم ہوا کہ تین دن تک ملنا جلنا چھوڑنا حرام نہیں ہے، کیونکہ کسی بھی ناراضگی کا اثر انسانی طبیعت میں عموماً تین دن تک ضرور رہتا ہے، لہذا تین دن تک اگر اس غیظ و غضب کی وجہ سے آپس میں گفتگو وغیرہ چھوڑ دی جائے تو اس کی گنجائش ہے، تاہم تین دن کے بعد یہ ناراضگی نہیں رہنی چاہئے، صلح و صفائی کے ذریعہ اس ناراضگی کو خوش اسلوبی کے ساتھ حل کر لینا چاہئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہجران کی توجیہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے تین دن سے زائد ہجران کو کیوں اختیار فرمایا حالانکہ یہ جائز نہیں ہے؟

جواب: طبری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ دراصل سلام و جواب قاطع ہجرت ہے اور عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سے منع نہیں فرمایا تھا صرف داخل ہونے سے منع فرمادیا تھا جس میں بعض مصالح تھیں، حافظ فرماتے ہیں کہ یہ جواب درست نہیں ہے بلکہ اس سے بہتر جواب بعض حضرات نے یہ دیا ہے کہ دراصل عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرمایا تھا کہ میں ان پر حجر واقع کروں گا ظاہر ہے کہ اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تنقیص لازم آئی حتیٰ کہ ان کے جملہ تصرفات کو ابن الزبیر رضی اللہ عنہ روکنا چاہتے تھے حالانکہ وہ

ام المؤمنین ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی خالہ بھی تھیں گویا ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کی جانب سے ان کے بارے میں ایک قسم کا عقوق پایا گیا اور بسا اوقات اجنبی شخص سے اتنی شکایت نہیں ہوتی جتنی قریبی رشتہ دار سے ہوتی ہے لہذا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بطور بدلہ یہ سزا تجویز کی کہ ان سے مکالمہ نہ کیا جائے جیسا کہ آپ ﷺ نے غزوہ تبوک کے مختلفین ثلاثہ سے خود بھی کلام نہیں کیا اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی یہی حکم فرمایا حالانکہ دوسرے مختلفین منافقین سے برابر کلام و سلام جاری رہا بہر حال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ترک کلام بطور سزا تھا۔

دینی یا دنیاوی نقصان کے اندیشے سے تعلقات ختم کرنے کا حکم:

اس پر اجماع ہے کہ اگر کسی شخص سے تعلقات برقرار رکھنے میں دینی اعتبار سے نقصان کا قوی اندیشہ ہے یا دنیاوی لحاظ سے اس سے شدید تکلیف کا خطرہ ہو، تو اس سے تین دن سے زیادہ بھی گفتگو چھوڑی جاسکتی ہے، فتنے کے اس دور میں ہر خاندان میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جن سے تعلقات رکھنے میں دینی یا دنیاوی اعتبار سے عموماً نقصان پہنچتا ہے، ایسی صورت میں ان سے الگ تھلگ ہو جانا اور کنارہ کشی اختیار کرنا جائز ہے تاہم بہتر یہی ہے کہ ایسے لوگوں سے زیادہ تعلقات بیشک نہ رکھے جائیں، لیکن کبھی کبھار سلام و کلام اور ملاقات کر لینی چاہئے۔

نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے کے ایسے بہت سے واقعات منقول ہیں، کہ امر جن سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دینی معاملات میں ناراضگی تین دن سے زیادہ بھی باقی رکھی جاسکتی ہے لیکن اس میں یہ شرط ہے کہ نیت صحیح ہو اور اس میں کسی نفسانی خواہش اور دنیاوی مفاد کا ہرگز دخل نہ ہو۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب ما ینہی عنہ من التہاجر 8/758, 759۔ شرح الطیبی 9/208)

فائدہ: علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر والد اپنی اولاد سے یا استاد اپنے شاگرد سے، یا شیخ اپنے مرید سے اصلاح و تربیت کے نقطہ نظر سے ترک ملاقات کرے تو بھی یہ تین دن کے ساتھ خاص نہیں ہے، کیونکہ اس میں منشا ان کی تربیت ہے، بغض و عداوت یا اور کوئی غرض نہیں ہے، اس لئے جب تک اصلاح نہ ہو جائے، ان سے ترک ملاقات جائز ہے۔ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ والد کا ہجران بیٹے سے یا شوہر کا بیوی سے جو بطور تادیب و تربیت ہوتا ہے وہ تین دن کے ساتھ مقید نہیں چونکہ اس میں منشاء بغض و عداوت نہیں ہوتا جیسا کہ آپ ﷺ نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے ایک مہینہ ہجران فرمایا تھا اور یہی محمل ہوگا اکابر اور سلف کے ہجران کا جو انہوں نے بطور تربیت مریدین و متوسلین اور لواحقین سے اختیار فرمایا ہے۔

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص قطع تعلق کے بعد کسی کو خط لکھی یا کوئی پیغام کسی کے ذریعہ کہلائے تو آیا یہ قاطع ہجرت ہے یا نہیں اس بارے میں ہمارے یہاں دو قول ہیں۔ اول۔ یہ قاطع ہجرت ہے کہ اس سے وحشت دور ہوگئی دھوا لا صبح، مگر دوسرا۔ قول یہ ہے کہ قاطع ہجرت نہیں چونکہ اس کو عرفاً کلام کرنا نہیں کہا جاتا۔

وخیرہما الذی یبدأ بالسلام: علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص سلام میں پہل کرے وہ افضل ہے، کیونکہ اس نے ابتداء کر کے گویا یہ بتا دیا کہ میرے دل میں فلاں سے ذاتی طور پر کوئی بغض و عداوت نہیں ہے، یہ اس کی عاجزی اور متواضع ہونے کی علامت ہے۔

نیز حدیث کے اس جملے کی روشنی میں اکثر علماء فرماتے ہیں کہ ترک تعلق کے بعد اگر اس شخص کو سلام کیا جائے یا سلام کا جواب دیا جائے اور ضرورت کے وقت آپس میں گفتگو کر لیں تو یہ ترک تعلق اور ”ہجرة“ سے نکل جاتا ہے، وعید اس وقت ہے جب سلام اور

ضروری کلام تک نہ کیا جائے۔ (فتح الباری، کتاب الأدب، باب الهجرة، 10/608,609)

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص پہل کر کے سلام کرے، لیکن دوسرا شخص سلام کا جواب نہ دے تو اس میں کوئی خیر نہیں ہے، اس سے ترک تعلقات نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ واجب ہے، کیونکہ سلام کا جواب نہ دینے کی وجہ سے وہ فاسق ہو گیا ہے اور فاسق کے ساتھ اس وقت تک ترک تعلق کیا جاسکتا ہے جب تک وہ توبہ نہ کر لے۔

(مرقاۃ المفاتیح، کتاب الأدب، باب ما ینھی عنه من التہاجر 8/759)

بَابُ مَا جَاءَ فِي مُوَاسَاةِ الْآخِ

باب ۲۲: بھائی کی غمخواری (کی فضیلت) کے بارے

(۱۸۵۶) قَالَ لَمَّا قَدِمَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ الْمَدِينَةَ أَخَى النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَهُ وَبَيْنَ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ فَقَالَ لَهُ هَلُمَّ أَقَابِمُكَ مَا لِي بِنَصْفَيْنِ وَلِي أَمْرَانِ فَأُطْلِقُ أَحَدَهُمَا فَإِذَا انْقَضَتْ عِدَّتُهَا فَتَزَوَّجْهَا فَقَالَ بَارَكَ اللَّهُ لَكَ فِي أَهْلِكَ وَمَالِكَ دُلُونِي عَلَى السُّوقِ فَدَلُّوهُ عَلَى السُّوقِ فَمَا رَجَعَ يَوْمَئِذٍ إِلَّا وَمَعَهُ شَيْءٌ مِّنْ أَقِطٍ وَسَمْنٍ قَدْ اسْتَفْضَلَهُ فَرَآهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بَعْدَ ذَلِكَ وَعَلَيْهِ وَضَرْ مِّنْ صُفْرَةٍ فَقَالَ مَهَيْمُ قَالَ تَزَوَّجْتُ أَمْرَأَةً مِّنَ الْأَنْصَارِ قَالَ فَمَا أَصَدَّقْتَهَا قَالَ نَوَاقَةَ قَالَ حُمَيْدٌ أَوْ قَالَ وَزَنَ نَوَاقَةَ مِّنْ ذَهَبٍ فَقَالَ أَوْلَيْمُ وَلَوْ بِشَاةٍ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے ان کے اور سعد بن ربیع (انصاری) کے درمیان بھائی چارہ قائم کر دیا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا آپ آئیں میں اپنا مال دو حصوں میں تقسیم کرتا ہوں (اور ایک حصہ آپ کو دے دیتا ہوں) میری دو بیویاں ہیں میں ان میں سے ایک کو طلاق دے دیتا ہوں جب اس کی عدت پوری ہو جائے تو آپ اس سے شادی کر لیں تو حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا اللہ تعالیٰ آپ کے اہل خانہ اور مال میں برکت نصیب کرے آپ بازار تک میری رہنمائی کریں ان لوگوں نے انہیں بازار تک پہنچا دیا تو اس دن جب حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ واپس آئے تو انہوں نے منافع کے طور پر پنیر اور گھی کما یا تھا آپ ﷺ نے اس کے بعد جب انہیں دیکھا تو ان پر زرد رنگ کا نشان موجود تھا نبی اکرم ﷺ نے ان سے دریافت کیا یہ کس وجہ سے ہے انہوں نے عرض کی میں نے ایک انصاری خاتون سے شادی کر لی ہے آپ ﷺ نے دریافت کیا تم نے اسے مہر کیا دیا ہے انہوں نے عرض کی ایک گٹھلی جتنا سونا (اس میں راوی کو شک ہے) شاید یہ الفاظ ہیں گٹھلی کے وزن جتنا سونا تو آپ ﷺ نے فرمایا ولیمہ کرو خواہ ایک بکری (ذبح کر کے دعوت کرو)۔

تشریح: امام ترمذی رحمہ اللہ نے مذکورہ روایت سے مسلمان بھائی کی ہمدردی کو ثابت فرمایا کہ سعد بن الربیع نے اپنے مہاجر بھائی عبدالرحمن کی غمگساری اور ہمدردی جان و مال حتیٰ کہ بیوی کو جائز طریقہ سے پیش کرنے کے ساتھ فرمائی گو حضرت عبدالرحمن نے بھی بطور ہمدردی اس کو قبول نہیں فرمایا اور اپنی کمائی کو ترجیح دیتے ہوئے صرف بازار کا راستہ معلوم کر کے خود اپنی کفالت کی حتیٰ کہ مال بھی حاصل کر لیا اور بیوی بھی حاصل کر لی لہذا عبدالرحمن کی جانب سے بھی مواساة پائی گئی ثبتت الترجہ بلفظ المواساة۔ روایت

سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم خصوصاً انصار مدینہ کا وصف خاص ایثار معلوم ہوا، اللہ تعالیٰ نے بھی ان حضرات کی قرآن کریم میں اسحاق بن راہویہ کے یہاں سے پانچ درہم برابر چاندی مراد ہے، اسی پر امام خطابی وغیرہ کا جزم اور یقین ہے، اور اکثر علمائے نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ اولہم تہم ولیہم کرلو۔

غنخواری اور بھائی چارے کا ذکر:

اس حدیث میں مواخاۃ اور بھائی چارے کا ذکر ہے، جو نبی کریم ﷺ نے مدینہ میں آنے کے بعد مہاجرین اور انصار کے درمیان قائم کی تھی، انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم نے بڑی فراخ دلی سے مہاجرین کے ساتھ تعاون کیا، ہر میدان میں ان کا ہاتھ بٹایا، اپنے مال و متاع اور جائیداد میں انہیں شریک کر کے مالک بنادیا، جس کی ایک سے زیادہ بیویاں تھیں، اس نے ایک کو باقی رکھ کر باقیوں کو ان کی خاطر طلاق دے دی۔

حدیث باب میں بھی اسی ایثار اور قربانی کا ذکر ہے کہ حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو مال کی پیشکش کی، اپنی دوسری بیوی کو ان کے لئے طلاق دینے کا فیصلہ کر لیا لیکن حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے انہیں دعا دی اور کہا کہ آپ مجھے بازار کا راستہ بتادیں، انہوں نے محنت اور کوشش کے ذریعہ اپنے خرچے کا بندوبست کیا، کاروبار کے ذریعہ نفع کمایا اور پھر ایک انصاری خاتون سے شادی کر لی، حضور ﷺ نے انہیں فرمایا کہ ولیمہ کر لو اگرچہ ایک بکری ذبح کر کے ہی ہو۔

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ دو آدمی آپس میں، ایک دوسرے کی مدد کرنے اور غنخواری و ہمدردی پر بھائی چارہ قائم کر لیتے تھے، پھر وہ دونوں نسبی بھائی کی طرح ہو جاتے، ایک دوسرے کے وارث بھی ہوتے، اس کو وہ لوگ ”حلف“ کہتے تھے، پھر نبی کریم ﷺ نے ہجرت کے بعد مہاجرین و انصار کے درمیان مواخاۃ اور بھائی چارہ قائم کیا، یہ بھائی چارہ بھی اس قدر اہمیت کا حامل تھا کہ یہ لوگ اس کی وجہ سے آپس میں ایک دوسرے کے وارث بھی تھے پھر جب قرآن مجید کی آیت: ﴿وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ﴾ (الانفال: ۷۵) نازل ہوئی تو میراث کا حکم منسوخ ہو گیا، پھر میراث صرف رشتہ داری کی بنیاد پر ملتی تھی، لیکن بھائی چارہ اس معنی میں کہ ایک دوسرے کی مدد و نصرت اور غنخواری کی جائے، یہ اب بھی باقی ہے، جو قیامت تک جاری رہے گا جس کی بہت زیادہ فضیلت منقول ہے۔

مہمان کے ساتھ انصاری صحابی رضی اللہ عنہ کا ایثار:

سنن ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری کے گھر رات کو کوئی مہمان آ گیا ان کے پاس صرف اتنا کھانا تھا کہ خود یہ اور ان کے بچے کھا سکیں انہوں نے اپنی بیوی سے فرمایا کہ بچوں کو تو کسی طرح سلا دو اور گھر کا چراغ (جتنی) درست کرنے کے بہانہ گل کر دو پھر مہمان کے سامنے کھانا رکھ کر برابر میں بیٹھ جاؤ کہ مہمان یہ سمجھے کہ ہم بھی کھا رہے ہیں مگر ہم نہ کھائیں تاکہ مہمان با فراغت کھانا کھا سکے، اس پر آیت ﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ...﴾ (الحشر: ۹) نازل فرمائی۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ایثار کا واقعہ نسائی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ بیمار تھے اور انگور کو جی چاہا ان کے لئے ایک درہم میں ایک خوشہ انگور کا خرید کر لایا گیا اتفاق سے ایک مسکین آ گیا اور سوال کیا آپ نے فرمایا کہ یہ خوشہ اس کو دے دو حاضرین میں سے ایک شخص خوفیہ طور پر اس کے پیچھے گیا اور وہ خوشی اس مسکین سے خرید کر پھر ابن عمر رضی اللہ عنہ کو پیش کیا مگر یہ سائل پھر آیا اور سوال کیا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے

پھر اس کو دے دیا پھر کوئی صاحب خفیہ طور پر گئے اور اس مسکین کو ایک درہم دے کر خوشہ خرید لائے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں پیش کر دیا سائل نے پھر آنا چاہا مگر لوگوں نے منع کر دیا اگر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ اطلاع ہوتی کہ یہ وہی خوشہ ہے جو انہوں نے صدقہ میں دے دیا تھا تو ہرگز نہیں کھاتے مگر ان کو یہ خیال ہوا کہ لانے والا بازار سے لایا ہے اس لئے استعمال فرمالیا۔

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور معاذ بن جبل کا ایثار:

ابن مبارک رضی اللہ عنہ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے چار سو دینار ایک تھیلی میں بھر کر غلام کے سپرد کئے کہ ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے پاس لے جاؤ کہ یہ ہدیہ ہے قبول کر کے اپنی ضرورت میں صرف کریں اور غلام کو ہدایت کر دی کہ ہدیہ دینے کے بعد کچھ دیر گھر میں ٹھہر جانا اور دیکھنا کہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اس رقم کو کیا کرتے ہیں غلام نے حسب ہدایت یہ تھیلی حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کر دی اور ذرا ٹھہر گیا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے تھیلی لے کر کہا کہ اللہ تعالیٰ ان کو یعنی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اس کا صلہ دے اور ان پر رحمت فرمائے اور اپنی اسی وقت اپنی کنیز کو کہا کہ لو یہ سات فلاں شخص کو اور پانچ فلاں کو دے آؤ یہاں تک کہ پورے چار سو دینار اسی وقت تقسیم کر دیئے۔ غلام نے آکر واقعہ بیان کیا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسی طرح چار سو دینار کی ایک دوسری تھیلی تیار کی ہوئی غلام کو دے کر ہدایت کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو دے آؤ اور وہاں بھی دیکھو وہ کیا کرتے ہیں یہ غلام لے گیا انہوں نے تھیلی لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں دعاء کی کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے اور ان کو صلہ دے اور یہ بھی تھیلی لے کر فوراً تقسیم کرنے کے لئے بیٹھ گئے۔

انواع ضیافت: کہ ضیافت کی آٹھ انواع ہیں: (1) الولیمة: جو بموقع عقد نکاح ہو۔ (2) الخرص: بضم الخاء وبالصاد جو ضیافت بوقت ولادت ہو۔ (3) الاعذار: بکسر الهمزة والعین المہملہ والذال المعجمہ۔ جو ضیافت بموقع ختان ہو (4) الوکیرة: وہ ضیافت جو تکمیل تعمیر کے موقع پر ہو۔ (5) النقیع ماخوذ من النقع بمعنی الغبار۔ جو دعوت بوقت قدم مسافر ہو خواہ مسافر ضیافت کرے یا مسافر کی ضیافت کی جائے۔ (6) العقیقہ: بچہ کی پیدائش کے ساتویں دن جو ضیافت کی جائے۔ (7) الوضیحة: بفتح الواو وکسر الضاد المعجمہ جو دعوت بوقت مصیبت کی جائے (8) المأدبة: بضم الدال وفتحها جو دعوت بغیر کسی سبب کے کی جائے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک ضیافت وہ ہے جس کو ”حذاق“ بکسر الحاء وتخفيف الذال و فی آخرہ قاف کہتے ہیں یہ دعوت ختم قرآن یا کسی کام کی تکمیل کے وقت کی جاتی ہے۔ ان دعوتوں میں سے بعض درست ہیں اور بعض ناجائز اور بعض مکروہ ہیں تفصیل کے لئے مطولات فقہ کا مطالعہ کیا جائے۔

ولو بشاة: حافظ فرماتے ہیں کہ یہاں تو تقلیل کے لئے ہے۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لو تکثیر کے لئے ہے چونکہ عبدالرحمن مالدار ہو گئے تھے اور مراد یہ ہے کہ ایک بکری اگر تم ذبح کرو گے تب بھی تمہارے حق میں اسراف نہ ہوگا۔ بہر حال اس پر اتفاق ہے کہ اس میں کوئی حد مقرر نہیں ہے اسراف سے بچتے ہوئے ہر مقدار جائز ہے۔

وزن نواة: اس سے مراد احمد بن حنبل کے نزدیک (3-1/3) درہم کے برابر چاندی ہے اور اسحاق بن راہویہ کے یہاں پانچ درہم کے برابر چاندی مراد ہے:

به جزم الخطابی واختار الزهری ونقله عیاض عن اکثر العلماء ویؤیدہ رواية النسائی ورواية

البیہقی عن قتادة نواة من ذهب قوم خمس دراهم۔

مہر کی کم سے کم مقدار متعین ہے یا نہیں؟

① امام شافعی اور امام احمد رحمہما کا مذہب یہ ہے کہ کم سے کم مہر متعین نہیں جس مال پر بھی زوجین راضی ہو جائیں وہ مہر ہو سکتا ہے۔

② امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک چوتھائی دینار یعنی تین درہم۔

③ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک دس درہم کم سے کم مہر ہونا ضروری ہے۔

احناف کی دلیل: ﴿قَدْ عَلَيْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْ اَزْوَاجِهِمْ﴾ (الاحزاب: ۵۰) اس میں فرضنا کا لفظ مشتمل الاسناد ہونے کی وجہ سے خاص ہے اور یہ دال ہے کہ مہر کی مقدار شارع کی جانب سے مقرر ہے متعین ہے اب دو حال سے خالی نہیں، جانب زیادتی کی عدم تعین پر تو اجماع ہے پھر جانب قلت میں کتنا متعین ہے اس اعتبار سے آیت مجمل ہے لہذا بیان کی طرف رجوع کیا جائے گا اور حدیث جابر رضی اللہ عنہ میں ہے ”لا مہر اقل من عشرة الدراہم“ اس سے معلوم ہوا کہ کم مقدار دس درہم ہے۔

دلیل ۲: اثر علی پر بھی یہی ہے اور غیر مدرک بالقیاس ہونے کی وجہ سے حکماً مرفوع ہے۔

دلیل ۳: قیاس نصاب سرقہ پر جیسے ید کا معاوضہ دس درہم ہے تو بضع بھی ایک عضو ہے اس کا معاوضہ دس درہم ہونا چاہیے۔
دلیل شوافع: حدیث الباب جس میں نعلین کا ذکر ہے یعنی حدیث نعلین بنو فزارہ کی ایک عورت نے نعلین پر نکاح کیا اور ظاہر ہے کہ اس زمانے کے اعتبار سے نعلین کی مالیت دس درہم سے کم ہو گئی۔

دلیل ۲: حدیث خاتم حدید، بہل بن سعد کہتے ہیں کہ ایک عورت حضور ﷺ سے کہا: انی وھبت لك نفسی تو حضور ﷺ نے فرمایا مجھے ضرورت نہیں وہ کافی دیر کھڑی رہی حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ میرے ساتھ کر دو تو حضور ﷺ نے پوچھا کہ مہر موجود ہے کہ کچھ نہیں بجز ازار کے تو آپ نے فرمایا اگر ازار اس کو دے دی تو بغیر ازار کے رہ جاؤ گے تو آپ نے فرمایا تلاش کرو اگر لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو اور لامحالہ اس کی مالیت دس درہم سے کم ہوگی مال تلاش کیا لیکن کچھ نہ ملا۔

دلیل ۳: حدیث وزن نواة من ذهب طریق استدلال یہ ہے کہ اس کا وزن ۳، ۱، ۳ درہم ہے یا پانچ درہم ہے۔

قدرے مشترک جواب یہ اس زمانے کے واقعات ہیں جب ابھی تک آیت کریمہ نازل نہیں ہوئی تھی اور ابھی مہر کی اقل مقدار متعین نہیں ہوئی تھی۔ باقی رہا مقدار مہر کا مسئلہ یہ کتاب النکاح میں گزر چکا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْغَيْبَةِ

باب ۲۳: غیبت (کی حقیقت) کے بارے

(۱۸۵۷) قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَا الْغَيْبَةُ قَالَ ذِكْرُكَ بِمَا يَكْرَهُ قَالَ أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ فِيهِ مَا أَقُولُ قَالَ إِنْ كَانَ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدْ اغْتَبْتَهُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدْ بَهْتَهُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ غیبت سے مراد کیا ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تمہارا

اپنے بھائی کا ذکر ایسی چیز کے ہمراہ کرنا جو اس کو ناپسند ہو (سوال کرنے والے نے) عرض کی آپ کا کیا خیال ہے اگر وہ چیز واقعی اس میں موجود ہو جو میں نے کہی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا جو تم نے کہی ہے اگر وہ واقعی اس میں موجود ہو تو پھر تم نے اس کی غیبت کی اور جو تم نے کہا ہے اگر وہ اس میں موجود نہ ہو تو تم نے اس پر الزام لگایا۔

تشریح: سائل نے غیبت کی حقیقت آپ ﷺ سے دریافت کی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ذکرک اخاک بما یکرہ“ یعنی کسی مسلمان بھائی کی غیر موجودگی میں اس کے متعلق کوئی ایسی بات کہنا جس کو وہ سنتا تو اس کو ایذا ہوتی اگرچہ وہ سچی بات ہی ہو یہ بھی یاد رہے کہ غیر موجودگی کی قید سے یہ نہ سمجھا جائے کہ موجودگی کی حالت میں تکلیف دہ بات کہنا جائز ہے۔ البتہ وہ غیبت تو نہیں مگر تہمت میں داخل ہے اس کی حرمت بھی قرآن کریم میں منصوص ہے۔ قال تعالیٰ: ﴿وَلَا تَلْبِزُوا أَنْفُسَكُمْ﴾ (الحجرات: ۱۱)

غیبت کی حرمت:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبَ بَعْضُكُم بَعْضًا﴾ (الحجرات: ۱۲) غیبت کرنے والے کو مردار بھائی کو گوشت کھانے کے بعد تشبیہ دے کر اس کی حرمت کو واضح فرمایا ہے کہ جس طرح مردہ بھائی کا گوشت کھانا حرام ہے اسی طرح غیبت بھی حرام ہے کہ پیٹھ پیچھے کسی کو برا کہنا کوئی بہادری کا کام نہیں نیز کسی کے سامنے اس کے عیوب ظاہر کرنا بھی اگرچہ ایذا رسانی کی وجہ سے حرام ہے مگر اس کی مدافعت وہ خود بھی کر سکتا ہے اور اسی خطرہ سے کسی کی ہمت بھی نہیں ہوتی ہے کہ وہ اس کے سامنے عیب ظاہر کرے اور عادتاً زیادہ دیر تک سامنے برائی بھی نہیں کر سکتا برخلاف غیبت کے کہ وہاں کوئی مدافعت کرنے والا نہیں اسی وجہ سے ہر کمر سے کمر آدمی بڑے سے بڑے کی غیبت کر بیٹھتا ہے اور اس سلسلہ عموماً طویل ہو جاتا ہے اور اس میں ابتلاء بھی زیادہ ہے اس لئے غیبت کی حرمت شدید لہذا عام مسلمانوں پر لازم کیا گیا ہے کہ جب اپنے مسلمان بھائی کی کوئی برائی سنے تو بشرط قدرت اس کی طرف سے مدافعت کرے اگر اذیت پر قدرت نہ ہو تو کم از کم اس کے سننے سے پرہیز کرے کیونکہ غیبت کا قصد و ارادہ سے سننا ایسا ہی ہے جیسے خود غیبت کرنا۔

غیبت سننا بھی حرام ہے:

جس طرح غیبت کرنا حرام ہے، سننا بھی ویسا ہی حرام ہے، لہذا اس آدمی کے سامنے جب کسی کی غیبت شروع کی جائے تو اس روکنے کی کوشش کرے، روک نہ سکے، تو اسے سننے سے ضرور پرہیز کرے، کیونکہ قصد و ارادے سے کسی کی غیبت سننا بھی غیبت کرنے کے حکم میں ہوتا ہے، اس کے بارے میں حضرت میمون رضی اللہ عنہ کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے سامنے ایک زندگی کا مردہ جسم ہے، اور مجھے کہا جا رہا ہے کہ اسے کھاؤ، میں نے کہا: کیوں، اس نے کہا: اس لئے کہ تو نے قلاں کی غیبت کی ہے، میں نے کہا: خدا کی قسم میں نے تو اس کے متعلق کوئی اچھی بری بات نہیں کی، تو اس شخص نے کہا: ہاں، لیکن تو نے اس کی غیبت سنی تو ہے اور تو اس پر راضی بھی رہا، اس خواب کے بعد حضرت میمون کا حال یہ تھا کہ وہ نہ تو کسی غیبت کرتے تھے اور نہ اپنی مجلس میں کسی کی غیبت کرنے دیتے تھے۔

چند صورتوں میں غیبت کی اجازت ہے:

مثلاً کسی شخص کی برائی کسی ضرورت یا مصلحت سے کرنا پڑے تو وہ غیبت میں داخل نہیں، بشرطیکہ وہ ضرورت اور مصلحت شرعاً

معتبر ہو۔

① کسی ظالم کی شکایت کسی ایسے شخص کے سامنے کرنا جو ظلم کو دفع کر سکے۔

② کسی کی اولاد اور بیوی کی شکایت اس کے باپ اور شوہر سے کرنا جو ان کی اصلاح کر سکے۔

③ حدیث کے راویوں اور گواہوں کا حال بتانا۔

④ کسی واقعہ کے متعلق فتویٰ حاصل کرنے کے لئے اصل صورتحال بتانا۔

⑤ مسلمانوں کو کسی شخص کے دینی یا دنیوی شر سے بچانے کے لئے کسی کا حال بتانا، کسی معاملے کے متعلق مشورہ لینے کے لئے اس کا

حال بتانا۔

⑥ جو شخص سب کے سامنے کھلم کھلا گناہ کرتا ہے اور اپنے گناہ کو خود ظاہر کرتا پھرتا ہے، اس کے برے اعمال کا ذکر بھی غیبت میں

داخل نہیں، مگر بلا ضرورت اپنا وقت ضائع کرنے کی وجہ سے مکروہ ہے، حاصل یہ کہ کسی کی برائی اور عیب ذکر کرنے سے مقصود اس

کی تحقیر نہ ہو بلکہ کسی ضرورت اور مجبوری سے غیبت کی گئی ہو تو یہ جائز ہے۔ (شرح مسلم اللنوی باب تحریم الغیبة ۲/۳۲۲)۔

اسی طرح اگر انسان کسی کو متعین کئے بغیر عمومی الفاظ سے کسی عیب وغیرہ کا ذکر کرے مثلاً بعض لوگوں نے کہا، یا فلاں علاقے

کے لوگوں کا یہ طرز عمل ہے، یہ انداز بھی غیبت میں داخل نہیں ہے۔

اسباب غیبت:

امام غزالی رحمہ اللہ نے احیاء العلوم میں تفصیل سے اسباب غیبت بیان فرماتے ہیں کہ غیبت کے تو بے شمار اسباب ہیں مگر

مجموعی طور پر وہ گیارہ اسباب کے ضمن میں آجاتے ہیں جن میں سے آٹھ کا تعلق عوام سے ہے اور تین کا تعلق خواص کے ساتھ مخصوص ہے۔

اول: کینہ و غضب۔ دوم: موافقت دوستان۔ سوم: احتیاط و سبقت مثلاً کوئی آدمی یہ سوچتا ہے کہ فلاں شخص میری تاک میں ہے وہ

فلاں کے یہاں میری برائی کرے گا تو بسا اوقات خود سبقت کر کے اس کی غیبت کر بیٹھتا ہے۔ چہارم: برائت مثلاً اس کام کو میں

نے ہی نہیں کیا بلکہ فلاں بھی اس میں شریک ہے اپنی برأت کے لئے دوسرے کو شریک کر کے اس کی غیبت کر دیتا ہے۔ پنجم:

مفاخرت اور برائی کا اظہار دوسرے میں عیب نکال کر اپنی بڑائی اور برتری ظاہر کرنا۔ ششم: حسد۔ ہفتم: دلی لگی تاکہ محفل میں دلچسپی

پیدا ہو۔ ہشتم: تحقیر۔

خواص کے تین اسباب غیبت یہ ہیں: اول: تعجب: کبھی کسی دیندار شخص سے کوئی غلطی صادر ہوتی ہے تو تعجب کا اظہار کرتے ہوئے

کہتے ہیں ہمیں اس عمل پر حیرت ہے اظہار حیرت میں تو کوئی مضائقہ نہیں مگر نام لینا درست نہیں۔

دوم: جذبہ شفقت: یعنی کسی کی حالت پر غم زدہ ہو جائے اور اسے امر معیوب میں مبتلا دیکھ کر کہے کہ فلاں شخص کی موجودہ حالت نے

مجھے مضطرب کر دیا مجھے اس کی حالت پر افسوس ہے، افسوس کا دعویٰ صحیح اور جذبہ بھی اچھا ہے لیکن نام لینا غیبت ہو گیا۔

سوم: اللہ کے لئے غصہ، حمیت دینی سے متاثر ہو کر بسا اوقات غصہ آتا ہے اور نام لے کر اس کا اظہار کر دیتا ہے یہ غیبت میں داخل ہے۔

غیبت کے نقصانات:

① حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ شب معراج میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے،

اور وہ اپنے چہروں اور بدن کا گوشت نوج رہے ہیں، حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے جبریل امین علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے بھائی کی غیبت کرتے اور ان کی آبروریزی کرتے تھے۔

② حضرت مستورد سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص غیبت کر کے کسی مسلمان کا ایک لقمہ بھی کھائے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے جہنم سے اس کی مثل کھلائے گا۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی الغیبة - 2/320)

③ حضرت ابوسعید خدری اور جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: غیبت زنا سے بھی زیادہ سخت گناہ ہے، صحابہ جنہم نے عرض کیا کہ یہ کیسے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ایک شخص زنا کرتا ہے، پھر توبہ کر لیتا ہے تو اس کا گناہ معاف ہو جاتا ہے اور غیبت کرنے والے کا گناہ اس وقت تک معاف نہیں ہوتا جب تک وہ شخص معاف نہ کرے جس کی غیبت کی گئی۔

(شعب الایمان لابن کثیر، باب فی تحریم اعراض الناس: 5/306)

غیبت کا ازالہ کیسے کیا جائے؟

غیبت ایک ایسا سنگین گناہ ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کا حق بھی ضائع ہوتا ہے اور بندے کا حق بھی، اس لئے جس شخص کی غیبت کی گئی ہے، اس سے معاف کرانا ضروری ہے، بشرطیکہ اس کے علم میں آچکا ہو کہ اس نے میری غیبت کی ہے جب تک اس سے معاف نہیں کرائے گا اس وقت تک یہ گناہ معاف نہیں ہوگا اور معاف کرانے کے لئے پوری تفصیل بتانا ضروری نہیں ہے، مختصر انداز میں کبھی نکل گئے ہوں انہیں درگزر کر دیں۔

اور اگر غیبت کی خبر اس بندے تک نہ پہنچی ہو یا جس کی غیبت کی ہے وہ مر گیا ہے یا دور دراز علاقے میں رہتا ہے یا اس کا کچھ پتہ ہی نہیں تو اس صورت میں گو اس سے معاف کرانا ضروری نہیں مگر جس شخص کے سامنے یہ غیبت کی تھی اس کے سامنے اپنی تکذیب کرنا یا اپنے گناہ کا اقرار کرنا ضروری ہے اور جس کی غیبت کی ہے، اس کے لئے کثرت سے توبہ و استغفار کرتا رہے اور اس کے لئے مغفرت اور بخشش کی دعا مانگتا رہے، اس سے اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ اس گناہ کا ازالہ ہو جائے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحَسَدِ

باب ۲۴: حسد (کی حرمت) کے بارے

(۱۸۵۸) لَا تَقَاطَعُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَلَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَحَاسَدُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا وَلَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا آپس میں لا تعلقی اختیار نہ کرو ایک دوسرے سے منہ نہ پھيرو ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو اور آپس میں حسد نہ کرو اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بن کر رہو کسی بھی مسلمان کے لیے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ لا تعلق رہے۔

(۱۸۵۹) لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ مَالًا فَهُوَ يُعْطِي مِنْهُ أَوَّاهُ اللَّيْلِ وَأَوَّاهُ النَّهَارِ وَرَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ

الْقُرْآنَ فَهُوَ يَقْوَمُ بِهِ أَتَاءُ اللَّيْلِ وَأَتَاءُ النَّهَارِ.

ترجمہ: حضرت سالم اپنے والد (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا رشک صرف دو طرح کے آدمیوں پر کیا جاسکتا ہے ایک وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطا کیا ہو اور وہ دن رات اسے خرچ کرتا ہو دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کا (علم) عطا کیا ہو اور وہ دن رات اسی کے حوالے سے مصروف رہتا ہو۔

تشریح: وَلَا تُحَاسِدُوا: ایک دوسرے کی نعمتوں کے زوال کی تمنا نہ کرو۔ الحسد: غیر کی نعمت کو دیکھ کر اس کے ختم ہونے کی تمنا کرنا حسد کہلاتا ہے وہ نعمت خواہ خود کو حاصل ہو یا نہ ہو البتہ اگر اپنے حصول کے لئے تمنا ہو اور غیر سے اس نعمت کے ختم ہونے کو نہ چاہے تو یہ غبطہ کہلاتا ہے حسد کرنا حرام ہے اور غبطہ کی اجازت ہے۔

غبطہ کا حکم؟ نعمتیں اگر ایسی ہوں جن کا حاصل کرنا مسلمان پر واجب ہے تو ان نعمتوں پر غبطہ کرنا واجب ہے مثلاً ایمان، صلوٰۃ، صوم وغیرہ اگر وہ نعمتیں فضائل سے تعلق رکھتی ہیں جیسے انفاق فی سبیل اللہ وغیرہ تو پھر غبطہ مستحب ہے اگر ایسی نعمتیں ہیں جن سے بہرہ ور ہونا جائز ہے تو غبطہ مباح ہے کیونکہ کسی صاحب نعمت کی برابری کی خواہش کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں البتہ مباحات میں برابری کی خواہش زائد و توکل و رضا کے ضرور خلاف ہے اور اعلیٰ مقامات میں رکاوٹ ہے مگر نافرمانی کا باعث نہیں ہے۔

حسد کے چار مراتب ہیں: اول: یہ کہ دوسرے سے نعمت کا زوال چاہے خواہ اس کو وہ نعمت حاصل ہو یا نہ ہو۔

دوم: دوسرے سے اس نعمت کے زوال کو چاہے تاکہ اس کو وہ نعمت حاصل ہو جائے۔

سوم: ابتداءً تو کسی نعمت خاص کے زوال کو دوسرے سے نہ چاہے مگر جب خود کو وہ حاصل نہ ہو سکے تو پھر یہ خواہش کرے اس سے بھی یہ نعمت چھین جائے تاکہ دونوں برابر ہو جائیں۔

چہارم: دوسرے سے نعمت کے زوال کو نہ چاہے مگر اس جیسی نعمت کے حصول کی تمنا رکھتا ہو یہ چوتھا درجہ جائز ہے جبکہ دنیوی امور کے بارے میں اگر دینی امور میں ہو تو مستحب ہے اسی کو غبطہ کہا جاتا ہے جس کی تفصیل بیان کر دی گئی ہے۔

حاسد کے نقصانات محسود کے فوائد:

اللہ کی تقسیم نعمت سے راضی نہیں ہے، نیز اس سے مسلمان کا برا چاہنا لازم آتا ہے جو شرع کے خلاف ہے اور یہ ابلیس لعین و کفار کا راستہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے حق میں برا چاہتے ہیں اور دنیوی نقصان یہ ہے کہ حاسد ہر وقت تکلیف و رنج و غم میں مبتلا رہتا ہے ہر وقت دوسرے کی نعمتوں کے زوال کی فکر اس کو دامن گیر رہتی ہے اور جس پر حسد کیا جاتا ہے اس کو دینی اور دنیوی دونوں مفاد حاصل ہوتے ہیں دین کا نافع یہ ہے کہ محسود مظلوم بن جاتا ہے حاسد کی نیکیاں اس کے حق میں لکھ دی جاتی ہیں حاسد کے پاس قیامت کے دن صرف حسرتیں رہ جائیں گی دنیوی اور وقتی فائدہ یہ ہے کہ جب حاسد نا کام و نامراد دکھائی دیتا ہے تو اس کو سکون ملتا ہے۔ حسد کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی نظروں سے گر جاتا ہے، حسد ہی وہ پہلا گناہ ہے جو شیطان کو حضرت آدم علیہ السلام سے جنت میں ہو گیا تھا اور اس کی وجہ سے شیطان کو ہمیشہ کے لئے ذلیل و رسوا کر دیا گیا۔ کسی انسان سے حسد درحقیقت ایمان کی کمزوری کی وجہ سے ہوتا ہے یا اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی نہیں۔

- ① لاحسد الا فی اثنتین کا مطلب؟ حدیث میں ”حسد“ سے ”غبطہ“ اور ”رشک“ مراد ہے، حسد مراد نہیں، معنی یہ ہیں کہ یہ دو چیزیں ایسی ہیں کہ ان میں آدمی کو دوسرے پر رشک کرنا چاہئے، ان کے علاوہ اور کوئی چیز قابل رشک نہیں ہے۔
- ② بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اگر اسلام میں حسد کی گنجائش ہوتی تو یہ دو چیزیں ایسی ہیں کہ ان میں حسد کرنا جائز ہوتا مگر چونکہ شرعاً کسی چیز میں حسد کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے ان دو خصلتوں میں بھی حسد کرنا جائز نہیں ہے۔
- ③ علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں حسد سے شدید حرص اور رغبت مراد ہے، اور معنی یہ ہیں کہ ان دو چیزوں میں شدید حرص اور رغبت کرنا جائز ہے لیکن ان کے علاوہ کسی اور چیز میں شدت حرص جائز نہیں ہے کیونکہ شدت حرص حسد کا ذریعہ اور سبب ہوتا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی وجہ سے حسد میں مبتلا ہو جائے۔

حسد کے جواز کی صورتیں:

- حسد کرنا جائز نہیں ہے، البتہ دو صورتیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں، ان میں حسد کیا جاسکتا ہے، ایک اس وقت جبکہ کوئی نعمت کسی کافر کے پاس ہو اور دوسرا اس وقت جب کوئی فاسق و فاجر اور گنہگار انتہائی لہمودہ اور خوشحال ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ناجائز اور گناہوں میں استعمال کر رہا ہو تو ان دو قسم کے لوگوں سے نعمت کے خاتمہ کی آرزو کرنا اور ان سے حسد کرنا جائز ہے۔
- اسباب حسد: حسد کے مختلف اسباب ہیں جن کو مجموعی طور پر سات اسباب میں منحصر کیا گیا ہے: ① عداوت و بغض۔ ② عزت کی خواہش۔ ③ کبر۔ ④ تعجب۔ ⑤ مقصود کا فوت ہونا۔ جیسے دوستوں کا باہم حسد یا دو بھائیوں کا باہم حسد۔ ⑥ حب جاہ۔ ⑦ خباثت نفس۔

حسد کا علاج:

- جب انسان کو کسی سے حسد ہو جائے تو اس کے علاج کے لئے مندرجہ ذیل امور کا اہتمام کیا جائے تو اسے ان شاء اللہ یہ مرض ختم ہو جائے گا:
- ① حسد کے نقصانات اور اس کی وعیدیں بار بار سوچیں۔
- ② جس سے حسد ہوا ہے اس کے لئے یوں دعا کریں کہ یا اللہ مجھے فلاں شخص سے حسد ہو گیا ہے، اسے دنیا اور آخرت میں خیر و عافیت عطا فرمائے اس کی اس نعمت میں اور تمام نعمتوں میں خوب سے خوب اضافہ فرما۔
- ③ لوگوں کے سامنے اس کی تعریفیں کی جائیں اگرچہ طبیعت نہ چاہ رہی ہو، اور اس کی جس چیز پر حسد ہا ہے اس نعمت پر خوشی اور مسرت کا اظہار کیا جائے۔
- ④ اس کے ساتھ حسن سلوک اور اچھا برتاؤ کیا جائے، ہو سکے تو کبھی کوئی چیز ہدیہ میں دے دی جائے۔
- ⑤ اپنے لئے بھی تہہ دل سے اللہ تعالیٰ سے مانگا جائے تاکہ اس مرض سے نجات ہو جائے۔ ان امور پر کچھ ہی عرصہ عمل کیا جائے تو اس کے اثرات نظر آنا شروع ہو جاتے ہیں۔
- لاتقاطعوا: تم ایک دوسرے سے قطع تعلق نہ کرو۔ لاتدابروا: ایک دوسرے سے پیٹھ نہ پھیرو، اعراض نہ کرو۔ بعض کے نزدیک ”تقاطع“ اور ”تدابیر“ دونوں اعراض کے معنی میں ہیں، فرق دونوں میں یہ ہے کہ ملاقات سے پہلے ہی اگر اعراض کر لیا جائے تو

اسے ”تقاطع“ کہتے ہیں اور ملاقات کے بعد اعراض کیا جائے تو اسے ”تدابر“ کہتے ہیں۔ الکوکب الدری ۵۲/۳، ایسے اسباب اختیار نہ کرو جن سے باہم بغض پیدا ہو۔

”و کونوا عباد اللہ اخواناً“ اصل عبارت ”و کونوا یا عباد اللہ اخواناً“ ہے دوسرا قول یہ ہے کہ ”عباد اللہ“ خبر اول اور ”اخواناً“ خبر ثانی ہے۔ لفظ ”عباد اللہ“ فرما کر اشارہ کیا ہے کہ جب تم سب اللہ کے بندے ہو تو پھر بھائی، بھائی ہونا چاہئے۔ علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم سب اس طرح رہو جس طرح دو نبی بھائی زندگی گزارتے ہیں کہ باہم مشقت و محبت، مواساة، معاونت، نصیحت خیر خواہی کا برتاؤ ان بھائیوں میں ہوتا ہے اسی طرح کا برتاؤ سب مسلمانوں کے درمیان ہونا چاہئے ایک دوسرے سے اعراض، بغض و عداوت، حسد و کینہ ہرگز نہ ہونا چاہئے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّبَاغُضِ

باب ۲۵: آپس میں بغض رکھنے اور نفرت کرنے کے (حکم کے) بارے

(۱۸۶۰) إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ يُئَسَّ أَنْ يَغْبُدَ الْمُصَلُّونَ وَلَكِنْ فِي التَّخَرُّشِ بَيْنَهُمْ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ نماز پڑھنے والے لوگ اس کی عبادت کریں البتہ وہ ان کے درمیان لڑائی پیدا کرنے کی کوشش کرتا رہے گا۔

تشریح: بغض کے معنی اور اس کے درجات ”بغض“ کے معنی ہیں: دوسرے سے نفرت کرنا، اس سے دل میں دشمنی کرنا، اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے آپس میں بغض رکھنے اور ایک دوسرے سے نفرت کرنے سے منع فرمایا ہے، کیونکہ ”بغض“ ایک ایسی تباہ کن اندرونی بیماری ہے جو اکثر اوقات آدمی کے اعمال کو ضائع کر دیتی ہے اور آدمی کو اس کا شعور نہیں ہوتا، یوں وہ خود اللہ کی نظر میں مبعوض اور ناپسندیدہ ہو جاتا ہے۔

بغض اور کینہ کے تین درجات ہیں:

- ① اگر یہ بغض اس حد تک بڑھ جائے کہ اس کے ظاہری اعمال میں اس کا اثر ظاہر ہونے لگے، مثلاً بغض رکھنے والا شخص اس دوسرے کی غیبت کرتا پھرتا ہے، اس سے کلام اور ملاقات چھوڑ دی، بغض کا یہ درجہ انتہائی ناپسندیدہ ہے اور بہت بڑا گناہ ہے۔
- ② دل میں اس کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا کرتا ہے، اور اپنے ذہن میں اسے دکھ اور تکلیف پہنچانے کے منصوبے بناتا رہتا ہے، اسی درپے رہتا ہے کہ اسے صدمہ پہنچاؤں، یہ بھی گناہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کا باعث ہے۔
- ③ اور اگر دل میں غیر اختیاری طور پر خود بخود ہی دوسرے کی ناگواری ہے، اس سے انقباض سا رہتا ہے، مزید نفرت کے اور کوئی جذبات اس کے بارے میں نہیں ہیں، بغض کا یہ درجہ گو کہ گناہ نہیں ہے اور نہ ہی باعث عذاب ہے لیکن اس میں یہ خطرہ ضرور ہے کہ اس انقباض میں اضافہ ہوتے ہوئے کہیں یہ بغض کے اس درجے میں نہ شامل ہو جائے جو گناہ ہے۔ اس لئے مسلمان کو ہر وقت اپنے نفس پر کڑی نظر رکھنی چاہئے تاکہ اس گناہ میں نہ مبتلا ہو جائے۔

بغض کا علاج:

- ① جس انسان سے بغض ہو گیا ہے، اس کی خوبیاں اور احسان سوچے جائیں۔
- ② بغض پر سزا اور عذاب کو بار بار یاد کیا جائے۔
- ③ طبیعت کے نہ چاہنے کے باوجود مغضوب کی غلطیوں اور زیادتیوں سے درگزر کیا جائے۔
- ④ اس کی اصلاح اور خیر و عافیت کی دعا کرتے رہیں۔
- ⑤ اللہ تعالیٰ سے خشوع و خضوع کے ساتھ تہ دل سے اپنی اصلاح کی دعا کی جائے تاکہ بغض اور اس جیسی مہلک امراض سے شفاء حاصل ہو جائے۔

لعنات: التباغض: ایک دوسرے سے نفرت اور عداوت کرنا۔ ایس: مایوس اور ناامید ہو گیا۔ التحریش: فتنہ و فساد پھیلانا، ایک دوسرے کے خلاف اکسانا، بھڑکانا، اشتعال دلانا اور فساد پھیلانے پر آمادہ کرنا۔ ان یعبدہ المصلون: نمازی شیطان کی عبادت کریں، اس سے مراد بت پرستی ہے کیونکہ شیطان بتوں کی عبادت کی ترغیب دیتا ہے۔ ایس: از باب سماع من الایاس بمعنی مایوس ہونا، ناامید ہونا۔ الشیطان بمعرف بلا الجنس ہے مگر رائج یہ ہے کہ معرف بلام العبد ہے اور اس سے مراد راس الشیاطین ابلیس ہے۔ ان یعبدہ المصلون: مسلم شریف کی روایت میں ”فی جزيرة العرب“ بھی واقع ہوا ہے، عبادت شیطان کنایہ ہے عبادت اصنام سے چونکہ شیطان عبادت اصنام کی ترغیب دیتا ہے کما فی قولہ تعالیٰ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ﴾ (مریم: ۴۴) مصلون سے مراد مومنین ہیں کما فی قولہ عَلَیْہِ السَّلَام ”انہیتکم عن قتل المسلمین“ چونکہ نماز افضل الاعمال ہے یا علامت ایمان ہے اس لئے مصلون سے اہل ایمان کو تعبیر کر دیا ہے۔ التحریش: اس کے معنی ہیں بعض کو بعض کے خلاف بھڑکانا یا تو یہ خبر ہے اور مبتدا ”ہو“ محذوف ہے یا ظرف ہے اور فعل مقدر ہے یسعی فی التحریش اصل عبارت ہے۔

حدیث شریف کا مطلب: شرح حدیث نے اس روایت کے متعدد مطالب بیان فرمائے ہیں:

اول: شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ اب جزيرة العرب میں کوئی مسلمان بت کی عبادت کرے اور شرک کی طرف لوٹے یعنی جزيرة العرب میں اب بتوں کی عبادت نہ ہوگی چنانچہ مرتدین اور مانعین زکوٰۃ وغیرہ میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ملتا جس نے بتوں کی دوبارہ عبادت کی ہو۔ علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت نبی کریم ﷺ کے معجزات میں سے ہے، چنانچہ جزيرة العرب میں بتوں کی عبادت نہیں ہو سکی، البتہ شیطان نے لوگوں میں اختلافات ضرور ڈالے ہیں۔

دوم: ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”عبادت“ کو صرف بت پرستی کے ساتھ خاص کر دینا درست معلوم نہیں ہوتا، شیطان کی دعوت صرف بت پرستی کی طرف ہی نہیں ہوتی بلکہ کفر کی مختلف اقسام کی طرف ہوتی ہے۔ لہذا حدیث میں ”ان یعبدہ المصلون“ کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کی ”عبادت“ یعنی نماز کے ساتھ شیطان کی عبادت کو جمع نہیں کریں گے کہ ایک طرف تو نماز پڑھیں اور دوسری طرف بت پرستی بھی کریں جیسا کہ یہود و نصاریٰ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ ساتھ شرک میں مبتلا ہو گئے، یہود نے حضرت عزیز کو اور نصاریٰ نے حضرت مریم علیہا السلام اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کے ساتھ مستقل معبود بنالیا۔

سوم: شیخ عبدالحق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شیطان شدت کفر اور شوکت کفر سے مایوس ہو چکا ہے یعنی اب اسلام کو شوکت حاصل ہوگی اور کفر

واہل کفر مغلوب ہوں گے۔

چہارم: علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ارتداد ہے شیطان اس سے مایوس ہو چکا ہے کہ اب عمومی ارتداد ہو کہ سارے مسلمان ایمان سے پھر جائیں اور کفر میں داخل ہو جائیں۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ روایت مذکورہ معجزات نبویہ میں سے ہے چنانچہ جزیرۃ العرب میں بتوں کی عبادت نہیں ہو سکی البتہ شیطان نے لوگوں کے درمیان اختلاف پیدا کرنا کر نزع و خصومات وغیرہ ضرور پیدا کر دیئے ہیں۔

بَاب مَا جَاءَ فِي إِصْلَاحِ ذَاتِ الْبَيْنِ

باب ۲۶: آپس میں صلح کرانا

(۱۸۶۱) لَيْسَ بِالْكَذِبِ مَنْ أَصْلَحَ بَيْنَ النَّاسِ فَقَالَ خَيْرًا أَوْ نَمَى خَيْرًا.

ترجمہ: حضرت ام کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات فرماتے ہوئے سنا ہے وہ شخص جھوٹ بولنے والا شمار نہیں ہوگا جو (خلاف واقعہ بات کے ذریعے) لوگوں کے درمیان صلح کرواتا ہے وہ بھلائی کی بات کہتا ہے (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں) وہ بھلائی کو فروغ دیتا ہے۔

(۱۸۶۲) لَا يَحِلُّ الْكَذِبُ إِلَّا فِي ثَلَاثٍ يُحَدِّثُ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ لِيُزْهِيَهَا وَالْكَذِبُ فِي الْحَرْبِ وَالْكَذِبُ لِيُصْلِحَ بَيْنَ النَّاسِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ فِي حَدِيثِهِ لَا يَصْلُحُ الْكَذِبُ إِلَّا فِي ثَلَاثٍ.

ترجمہ: حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جھوٹ بولنا صرف تین صورتوں میں جائز ہے آدمی اپنی بیوی کو راضی کرنے کے لیے اس کے ساتھ (کوئی بے ضرر) جھوٹ بول دے جنگ کے دوران (دشمن کو دھوکہ دینے کے لیے) جھوٹ بولنا اور اس لیے جھوٹ بولنا تاکہ تم لوگوں کے درمیان صلح کروادو۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْخِيَانَةِ وَالْغَشِّ

باب ۲۷: یہ باب خیانت اور دھوکے (کی وعید) کے بارے میں ہے

(۱۸۶۳) مَنْ ضَارَّ ضَارَّ اللَّهُ بِهِ وَمَنْ شَاقَّ شَاقَّ اللَّهُ عَلَيْهِ.

ترجمہ: حضرت ابوصرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی کو نقصان پہنچائے گا اللہ تعالیٰ اسے نقصان پہنچائے گا جو شخص کسی کو پریشانی کا شکار کرے گا اللہ تعالیٰ بھی اسے پریشانی کا شکار کرے گا۔

(۱۸۶۴) مَلْعُونٌ مَنْ ضَارَّ مُؤْمِنًا أَوْ مَكْرِبًا.

ترجمہ: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص ملعون ہے جو کسی مومن کو نقصان پہنچاتا ہے یا

اسے دھوکہ دیتا ہے۔

لعنات: الغش: دھوکہ، ملاوٹ، کھوٹ، شقاق جو مشقت و تکلیف پہنچائے۔ شق: مشقت میں ڈالے گا، دشواری اور مشکل پیدا کرے گا۔ مکرہ: اس نے اس کو دھوکہ اور فریب دیا۔

امانت و خیانت کی تفسیر:

یہ دونوں لفظ متضاد ہیں، اقوال، افعال، اموال وغیرہ سب ہی سے ان کا تعلق ہے۔ جس طرح امانت ہوتا ہے بات بھی امانت ہوتی ہے اور جس طرح مال میں خیانت ہوتی ہے اسی طرح قول میں بھی خیانت ہوتی ہے جیسا کہ اگلے باب میں آ رہا ہے۔
المجالس بالامانة: لہذا کسی نے کوئی بات بطور امانت کہی ہو تو اس کو غیر سے ظاہر کرنا خیانت میں داخل ہے اور حدیث شریف میں اس کو تاکید کے ساتھ منع فرمایا گیا ہے۔ کما فی الحدیث المجالس بالامانة۔

الغش: یہ باب نصر سے ہے اس کے معنی ہیں خلاف ضمیر بات ظاہر کرنا۔ خلاف مصلحت بات کو مزین کرنا، دھوکہ اور فریب کرنا۔ اس میں عموم ہے کہ دھوکہ وغیرہ خواہ عملاً ہو یا قولاً سب اس میں داخل ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ ”من غشنا فلیس منا“ یعنی جو شخص مسلمانوں کو دھوکہ دے وہ ہماری جماعت میں سے نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے یہ ارشاد اس وقت فرمایا تھا جب آپ ﷺ بازار تشریف لے جا رہے تھے، ایک شخص کو دیکھا کہ وہ غلہ کا ڈھیر لگائے ہوئے فروخت کر رہا تھا آپ ﷺ نے اس ڈھیر میں ہاتھ داخل فرمایا تو اندر سے وہ غلہ بھیگا ہوا تھا، حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ۔

حدیث کا مطلب؟ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کو ضرر اور تکلیف پہنچانا جائز نہیں ہے، جو شخص کسی شرعی عذر کے بغیر کسی مسلمان کو تکلیف پہنچائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے ضرر پہنچائے گا یعنی اس کو اس عمل بد کی سزا دے گا۔

ومن شاق: اس کے دو معنی بیان کئے گئے ہیں: ① جو کسی مشقت میں ڈالے گا، اللہ تعالیٰ بھی اسے مشقت میں ڈالیں گے۔ ② حضرات فرماتے ہیں کہ ”مشقت“ اور ”ضرر“ دونوں کے معنی قریب قریب ہیں البتہ ”ضرر“ کا استعمال مال کی تباہی کے لئے اور مشقت کا استعمال بدن کی اذیت کے لئے ہوتا ہے۔ دوسری حدیث میں فرمایا کہ جو شخص کسی کو ظاہری طور نقصان پہنچائے یا پوشیدہ طور پر، جانی نقصان ہو یا مالی، ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دھتکار دیا جاتا ہے، دور کر دیا جاتا ہے اور جو شخص رحمت الہی سے دور کر دیا جائے تو اس کے لئے دنیا و آخرت میں ذلت و پستی اور خسارہ ہی خسارہ ہے۔
حدیث میں ”ضار“ سے ضرر ظاہری اور ”مکرہ“ سے پوشیدہ ضرر مراد ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي حَقِّ الْجَوَارِ

باب ۲۸: یہ باب پڑوس کے حق کے بارے میں ہے

(۱۸۶۵) مَا زَالَ جَبْرِئِلُ يُؤْصِنُنِي بِالْجَارِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوْرِثُنِي.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جبرائیل مجھے پڑوسی کے بارے میں مسلسل تلقین کرتے رہے

یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ یہ اسے وارث قرار دیں گے۔

(۱۸۶۶) اَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرٍو ذُبِحَتْ لَهُ شَاةٌ فِي أَهْلِهِ فَلَمَّا جَاءَ قَالَ أَهْدَيْتُمْ لِي جَارَنَا الْيَهُودِيَّ أَهْدَيْتُمْ لِي جَارَنَا الْيَهُودِيَّ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ مَا زَالَ جَبْرَيْلُ يُؤْصِنُنِي بِالْجَارِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُورِثُهُ.

ترجمہ: مجاہد بیان کرتے ہیں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے ہاں بکری ذبح کی گئی جب وہ گھر تشریف لائے تو انہوں نے دریافت کیا کیا تم نے ہمارے یہودی پڑوسی کے ہاں تحفے کے طور پر (اس کا گوشت) بھیجا ہے میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ بات ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے جبرائیل مجھے پڑوسی کے بارے میں مسلسل تلقین کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے یہ گمان کیا کہ یہ اسے وارث بھی قرار دے دیں گے۔

(۱۸۶۷) خَيْرُ الْأَصْحَابِ عِنْدَ اللَّهِ خَيْرُهُمْ لِصَاحِبِهِ وَخَيْرُ الْجِيرَانِ عِنْدَ اللَّهِ خَيْرُهُمْ لْجَارِهِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے بہترین ساتھی وہ ہے جو اپنے ساتھی کے لیے بہتر ہو اور سب سے بہترین پڑوسی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ ہے جو اپنے پڑوسی کے حق میں بہتر ہو۔
تشریح: سیورثہ: اس بارے میں اختلاف ہے کہ یہاں تو ریث سے کیا مراد ہے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے مشارکت مالی مراد ہے، یعنی جس طرح دیگر اقارب کے حقوق شرعاً متعین ہیں اسی طرح پڑوسی کا حق بھی دیگر اقارب کے ساتھ متعین کر دیا جائے گا۔ بخاری میں الفاظ حدیث ”حتی ظننت انہ یجعل لہ میراثاً“ وارد ہیں۔

الجار: یہ لفظ پڑوسی کے جملہ اقسام کو شامل ہے خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم، فاسق، غیر فاسق نیز دوست و دشمن، دیہاتی، شہری نقصان دہ، نفع رساں، اجنبی، غیر اجنبی، نیز مکان سے متصل رہنے والا ہو یا دور رہنے والا رشتہ دار ہو یا نہ ہو، سب ہی پڑوسی اس کے تحت داخل ہیں بحیثیت پڑوسی ان سب کا حق برابر ہے البتہ دیگر حقوق کی وجہ سے بعض، بعض سے اعلیٰ و اقدم ہوں گے۔
پڑوسی کی تین قسمیں ہیں:

روایت میں ہے کہ پڑوسی کی تین قسمیں ہیں: (۱) کافر پڑوسی، اس کو صرف حق جواز یعنی صرف ایک حق حاصل ہے۔ (۲) مسلمان پڑوسی اس کے دو حق ہیں حق اسلام اور حق جوار (۳) رشتہ دار پڑوسی اس کے تین حق ہیں اسلام، حق قرابت، حق جوار (رواہ الطبرانی) روایت مذکورہ میں عبداللہ بن عمرو نے جوار کو عام قرار دیتے ہوئے یہودی پڑوسی کے حق کی ادائیگی کی طرف توجہ دلائی ہے۔

پڑوسی کے حقوق:

پڑوسی کے چند حقوق بطور اجمال یہ ہیں: (۱) اس کو سلام کرنے میں پہل کرنا۔ (۲) اس سے گفتگو کو طویل نہ کرنا۔ (۳) بار بار اس کا حال نہ پوچھنا۔ (۴) بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرنا۔ (۵) مصیبت میں اس کے ہمدردی کا اظہار کرنا۔ (۶) اس کے غم میں شریک رہنا۔ (۷) اس کی خوشی پر خوش ہونا۔ (۸) اس کی غلطیوں کو نظر انداز کرنا۔ (۹) دیوار یا چھت سے اس کے مکان میں نہ جھانکنا۔ (۱۰) اس کی دیوار پر اپنی کڑیاں نہ رکھنا۔ (۱۱) اس کے صحن میں پانی کا نالا گرا کر اس کو ایذا نہ پہنچانا۔ (۱۲) اس کے گھر کا راستہ تنگ نہ کرنا۔ (۱۳) اگر وہ کوئی چیز اپنے گھر لے جاتا ہو نظر آئے تو اس کی جستجو نہ کرنا۔ (۱۴) اس کے عیوب کی پردہ

پوشی کرنا۔ (15) اگر اس کو کوئی حادثہ پیش آئے تو اس کی مدد کرنا۔ (16) اس کی عدم موجودگی میں بھی اس کی مدد کرنا۔ (17) اس کی بیوی بچوں کی خبر گیری کرنا۔ (18) اس کی کوئی برائی نہ کرنا نہ سننا۔ (19) اس کی بیوی و خادمہ سے نگاہ نیچی رکھنا۔ (20) اس کے بچے کے ساتھ شفقت و مہربانی کا معاملہ کرنا۔ (21) اگر وہ کسی دینی یا دنیوی نقصان کی طرف قدم بڑھا رہا ہو تو اس کو روک دینا اور صحیح راستہ کی طرف رہنمائی کرنا۔ یہ جملہ حقوق روایات سے ثابت ہیں جو کتب احادیث میں موجود ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْإِحْسَانِ إِلَى الْخَادِمِ

باب ۲۹: خدام کے ساتھ اچھا سلوک کرنا

(۱۸۶۸) إِخْوَانُكُمْ جَعَلَهُمُ اللَّهُ فِئْتَةً تَحْتَ أَيْدِيكُمْ فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِنْ طَعَامِهِ وَلْيَلْبِسْهُ مِنْ لِبَاسِهِ وَلَا يُكَلِّفْهُ مَا يَغْلِبُهُ فَإِنْ كَلَّ فَهُ مَا يَغْلِبُهُ فَلْيُعْنَهُ.

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا (یہ جو تمہارے غلام ہیں) یہ تمہارے بھائی ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہارا ماتحت کیا ہے تو جس شخص کا بھائی اس کا ماتحت ہو وہ اسے اپنے کھانے میں سے کھلائے اور وہ اسے اپنے لباس میں سے پہنائے اور وہ اسے ایسی بات کا پابند نہ کرے جو وہ نہ کر سکتا ہو اگر وہ اسے کسی ایسے مشکل کام کا پابند کرے تو پھر ساتھ میں اس کی مدد بھی کرے۔

(۱۸۶۹) لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ سَيِّئُ الْمَلَكَةِ.

ترجمہ: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جو اپنے غلاموں کے ساتھ برا سلوک کرتا ہو۔

تشریح: لعنات: اخوانکم: بمعنی ”خدمکم و خولکم“ بخاری کی روایت میں ”اخوانکم خولکم“ صراحۃً واقع ہوا ہے جس کے معنی خدام و ممالیک کے ہیں اور لفظ ”اخ“ برائے ترحم ہے۔ فتیۃ: بکسر الفاء و سکون التاء و فتح الیاء جمع فتی ای: غلمۃ اور نسخہ مصریہ میں قنیۃ بالقاف والنون واقع ہے: ای ملکاً لکم قال فی القاموس ”القنیۃ بالکسر والضم ما کتسب، فلیعنه ما خوذ من الاعانة“ یعنی اس غلام کی مدد کرے خواہ خود کرے یا کسی دوسرے سے کرائے۔

غلام تمہارے بھائی ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے غلام جو تمہارے بھائی ہیں وہ قابل رحم و شفقت ہیں ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے، اگر ممکن ہو تو اپنے جیسا کھانا اور اپنے جیسا لباس ان کو پہنایا جائے اور ان کی طاقت سے زیادہ کام نہ لیا جائے کہ وہ بھی تمہاری طرح انسان ہیں اگر ضرورت طاقت سے زیادہ کام سپرد کیا جائے تو ان کی مدد کرے یا دوسرے کی مدد کرائے، ورنہ فرمایا کہ جو شخص اپنے ماتحتوں کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آتا ہے وہ جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہوگا جب تک وہ اس کی سزا نہ بھگت لے، اس لئے اگر کسی کے ماتحت غلام اور خدام ہوں تو ان کے ساتھ عدل و انصاف سے پیش آنا چاہئے، ظلم و زیادتی اور نا انصافی کرنا جائز نہیں۔ انہیں حقارت کی نظر سے نہ دیکھے ان کی لغزشوں سے صرف نظر کرے اگر ان سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے اور طبیعت میں تکدر پیدا ہو جائے یا سزا دینے کا خیال آئے تو یہ ضرور سوچے کہ میں بھی باری تعالیٰ کا غلام ہوں اور رات دن گناہ کرتا

رہتا ہوں لیکن وہ مجھے سزا نہیں دیتا حالانکہ اللہ تعالیٰ مجھ پر زائد قادر ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے غلاموں اور خداموں کے حقوق سے متعلق مختلف ابواب قائم فرمائے ہیں۔

حقوق مملوک سے متعلق چند واقعات:

① حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک شخص اونٹ پر سوار ہے اور اس کا غلام پیادہ پا سواری کے پیچھے دوڑ لگا رہا ہے فرمایا: اے اللہ کے بندے اسے بھی اپنے ساتھ بٹھالے آخر کو یہ تیرا بھائی ہے اس کے جسم میں بھی وہی روح حلول کئے ہوئے ہے جو تیرے جسم میں ہے اس شخص نے غلام کو پیچھے بٹھالیا اس کے بعد آپ نے فرمایا جس شخص کے پیچھے لوگ پیدل بھاگ رہے ہوں سمجھ لو کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا جا رہا ہے۔ احنف بن قیس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم نے حلم و بردباری کا سبق کس سے حاصل فرمایا کہا کہ قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ سے، سائل نے ان کے حلم و بردباری کا واقعہ دریافت کیا فرمایا کہ ان کی باندی سخ کے کباب لے کر آئی سخ گرم تھی اتفاقاً باندی کا ہاتھ بہک گیا اور شعلہ ریز سخ ان کے بیٹے پر گری پڑی یہ حادثہ لڑکے کے لئے جان لیوا ثابت ہوا باندی خوف سے لرز اٹھی ابن عاصم نے سزا دینے کے بجائے اس کو آزاد کر دیا کہ اس کا خوف بغیر آزادی کے دور نہیں ہو سکتا تھا،

② میمون بن مہران کے یہاں ایک مہمان آیا انہوں نے اپنی باندی سے کہا کہ رات کو کھانا ذرا جلدی لانا باندی کھانا لے کر آئی عجلت تو تھی ہی سالن کا بھرا پیالہ ہاتھ سے چھوٹ گیا اور آقا ابن مہران کے سر پر گر پڑا ابن مہران نے غصہ سے کہا: اے جا رہے تو نے مجھے جلاؤ الا کہنے لگی آقا ذرا قرآن پڑھ کر دیکھئے اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں: کیا قرآن میں نہیں ہے ﴿وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ﴾ (آل عمران: ۱۳۴) فرمایا یقیناً ہے اور میں نے غصہ کو پی لیا پھر باندی نے کہا کہ اور یہ بھی قرآن میں ہے ﴿وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ﴾ (آل عمران: ۱۳۴) فرمایا میں نے تجھے معاف کر دیا پھر باندی نے کہا کچھ اور حسن سلوک کیجئے کہ ارشاد باری ہے ﴿وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ (آل عمران: ۱۳۴) فرمایا جا میں نے تجھے اللہ کی راہ میں آزاد کر دیا۔

③ ایک شخص حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فارسی کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہ آٹا گوندھ رہے تھے آنے والے نے حیرت کا اظہار کیا فرمایا ہم نے غلام کو باہر کسی ضروری کام سے بھیجا ہے ہم نہیں چاہتے کہ ایک وقت میں دو کام اس سے لیں۔

بَابُ النِّهْيِ عَنْ ضَرْبِ الْخُدَّامِ وَشْتِمِهِمْ

باب ۳۰: خادمین کو مارنے اور ان کو برا بھلا کہنے کی ممانعت

(۱۸۷۰) قَالَ أَبُو الْقَاسِمِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ نَبِيُّ التَّوْبَةِ مَنْ قَذَفَ مَبْلُوكَهُ بَرِيئًا مِمَّا قَالَ لَهُ أَقَامَ عَلَيْهِ الْحَدَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ كَمَا قَالَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں حضرت ابو القاسم رضی اللہ عنہ جو نبی التوبہ ہیں انہوں نے یہ بات بیان فرمائی ہے جو شخص اپنے غلام پر زنا کا جھوٹا الزام لگائے جبکہ وہ اس سے بری ہو جو اس شخص نے اس کے بارے میں کہا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر قیامت کے دن حد جاری کرے گا البتہ اگر وہ غلام واقعی ایسا ہوا (تو حکم مختلف ہوگا)۔

(۱۸۷۱) كُنْتُ أَضْرِبُ مَمْلُوكًا لِي فَسَمِعْتُ قَائِلًا مِّنْ خَلْفِي يَقُولُ ااعْلَمُ اأَبَا مَسْعُودٍ ااعْلَمُ اأَبَا مَسْعُودٍ فَالْتَفَتْتُ فَإِذَا أَنَا بِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ اللَّهُ أَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلَيْهِ قَالَ أَبُو مَسْعُودٍ فَمَا ضَرَبْتُ مَمْلُوكًا لِي بَعْدَ ذَلِكَ.

ترجمہ: حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ میں اپنے غلام کو مار رہا تھا میں نے اپنے پیچھے سے کسی کو یہ کہتے ہوئے سنا اے ابو مسعود یہ بات جان لو میں نے مڑ کر دیکھا تو آپ ﷺ موجود تھے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تم پر (یعنی تمہیں سزا دینے کی) اس سے زیادہ قدرت رکھتا ہے جتنی قدرت تم اس (غلام) پر رکھتے ہو حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے اس کے بعد اپنے کسی غلام کبھی نہیں مارا۔

تشریح: نبی التوبۃ: آپ ﷺ کا لقب ہے: توبہ والا نبی، کیونکہ آپ ﷺ ہر روز کم از کم ستر یا سو مرتبہ استغفار کیا کرتے تھے۔ قذف: تہمت لگائے۔

غلاموں کو مارنے اور برا بھلا کہنے سے ممانعت کا حکم:

باب کی پہلی حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص غلام یا ماتحت کی عفت و پاکدامنی پر حملہ آور ہو جائے، حالانکہ وہ بے گناہ ہے، یہ محض تکبر و غرور کی وجہ سے تہمت لگا رہا ہے، تو ایسے شخص پر گو کہ دنیا میں کوئی حد نہیں جاری ہوگی، لیکن آخرت میں اللہ تعالیٰ اس پر حد قائم کریں گے اور اس سے الزام کی سزا دیں گے۔ ہاں اگر مولیٰ سچا ہے، اور واقعی اس غلام میں وہ خرابی پائی جاتی ہے تو پھر اس مولیٰ پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

الا ان یكون كما قال: یعنی اگر مملوک میں وہ بات پائی جاتی ہے جو آقا نے کہی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس پر حد قائم نہیں فرمائیں گے کیونکہ مولیٰ نفس الامر میں صادق ہے یہ استثناء منقطع ہے۔ حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ باندی اور غلام کے بارے میں یہ بھی احتیاط کرنی چاہئے کہ خواہ مخواہ ان پر زنا، چوری وغیرہ عیوب کی تہمت نہ لگائے، ورنہ قیامت میں آقا سزا کا مستحق ہوگا کیونکہ وہاں ملکیت زائل ہو جائے گی اور سب کے حقوق برابر ہوں گے۔

فائدہ: علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آقا اگر اپنی باندی یا غلام پر تہمت لگائے تو دنیا میں آقا پر حد جاری نہ کی جائے گی، کیونکہ حدود شکوک و شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں اور یہاں ملکیت کی وجہ سے شبہ پیدا ہو گیا ہے۔ علامہ مہلب فرماتے ہیں کہ اس پر تمام علماء کا اجماع ہے نیز کامل غلام، مدبر، اور ام ولد وغیرہ سب کا حکم یہی ہے، مگر حافظ نے فتح الباری میں ام ولد کے بارے میں کچھ اختلاف نقل کیا ہے، لیکن یہ واضح رہے کہ اگرچہ حد شرعی یعنی حد قذف ہو تو آقا پر جاری نہ ہوگی مگر تعزیر کی جائے گی تاکہ اس قسم کے برے فعل سے لوگ اجتناب کریں۔

لہذا حدیث حسن صحیح أخرجه أحمد و الشیخان و ابوداؤد۔ وفي الباب عن سوید بن مقرن رحمہ اللہ: أخرجه أحمد و مسلم و ابوداؤد و عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما: أخرجه مسلم۔ وابن نعم بضم النون و سکون العین ان کا نام عبد الرحمن بن ابی نعم الجملی ہے اور کنیت ابوالحکم ہے عابد، صدوق راوی ہے۔

دوسری حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان کا ماتحت اور غلام خواہ کتنی بڑی غلطی کر لے تو آقا کو عفو و درگزر سے کام لینا چاہئے، ایسا نہیں کہ غلام غلطی نہیں کرے گا، وہ غلطی ضرور کرے گا لیکن اس کی غلطیوں کو یہ سوچ کر معاف کر دیا جائے کہ میں بھی تو اللہ کا بندہ

ہوں، اس کی بندگی میں کتنی کوتاہی کرتا ہوں، طرح طرح کے گناہ اور نافرمانی کرتا ہوں، وہ غالب قدرت کے باوجود مجھے سزا نہیں دیتا، میری فوراً گرفت نہیں کرتا، لہذا مجھے بھی اس غلام کے ساتھ ایسا ہی عفو و درگزر کا سلوک کرنا چاہئے۔

لَئِنْ أَقْدَرَ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلَيْهِ: ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے غلام کو مار رہا تھا پس میں نے اپنے پیچھے سے سنا کہ کہنے والا کہہ رہا ہے سن تو ابو مسعود، سن تو ابو مسعود، میں متوجہ ہوا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ تجھ پر زیادہ قدرت رکھتے ہیں بہ نسبت تیرے اس غلام پر قدرت رکھنے کے، ابو مسعود کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے کسی غلام کو نہیں مارا۔ اور مسلم شریف میں ہے:

فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ هُوَ حَرٌّ لَوْ جَهِلَ لَوْلَا أَنَّهُ لَوْلَمْ تَفْعَلْ لَلْفَتْحُكَ النَّارَ وَلِهَسْتُكَ النَّارَ.

”میں نے کہا اے اللہ کے رسول وہ میں نے اللہ کی رضا کے لئے آزاد کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا بہر حال اگر تو ایسا نہ کرتا تو وہ تیرے لئے جہنم کی آگ کو کھول دیتا یا تجھے آگ چھو لیتی۔“

روایت سے معلوم ہوا کہ بلا وجہ غلام کو مارنا ظلم ہے پھر مارنے کی کوئی حد ہوتی ہے لہذا سزا بقدر جرم کی شرعاً اجازت ہے مگر عفو بہتر ہے جیسا کہ روایات آرہی ہیں۔ هذا حدیث حسن صحیح اخرجه مسلم

ترکیب نحوی: اللہ بفتح اللام علامہ طبری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ میں لام تاکید کے لئے ہے، لفظ ”اللہ“ مبتدا ہے، اور ”اقدّر“ خبر ہے، ”علیک اور منک“ ظرف ہیں جو ”اقدّر“ سے متعلق ہیں۔ اور ”علیہ“ کاف خطاب سے حال ہے، عبارت یوں ہوگی۔ اقدر علیک منک حال کو نیک قادر اعلیہ، وہ اللہ تجھ پر تیری بنسبت کہیں زیادہ قادر ہے جتنا کہ تو اس پر قادر ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي آدَابِ الْخَادِمِ

باب ۳۱: باب خادم کو ادب سکھانا

(۱۸۷۲) جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَمْ أَعْفُو عَنْ الْخَادِمِ فَصَبَتْ عَنْهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ثُمَّ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَمْ أَعْفُو عَنْ الْخَادِمِ فَقَالَ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعِينَ مَرَّةً.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ میں اپنے خادم سے کتنی مرتبہ درگزر کروں؟ تو آپ ﷺ اس کے جواب میں خاموش رہے اس نے عرض کی یا رسول اللہ میں اپنے خادم سے کتنی مرتبہ درگزر کروں تو آپ ﷺ نے فرمایا روزانہ ستر مرتبہ۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعَفْوِ عَنِ الْخَادِمِ

باب ۳۲: باب خادم کو معاف کر دینا

(۱۸۷۳) إِذَا ضَرَبَ أَحَدُكُمْ خَادِمَهُ فَدَكَرَ اللَّهُ فَارْفَعُوا أَيْدِيَكُمْ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے خادم کی پٹائی کر رہا ہو وہ (خادم) اللہ تعالیٰ کا نام لے (یعنی اللہ تعالیٰ کے نام پر معافی مانگے اور چھوڑنے کے لیے کہے) تو تم لوگ اپنا ہاتھ روک لو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي آدَابِ الْوَلَدِ

باب ۳۳: اولاد کو ادب سکھانے کی فضیلت کے بارے

(۱۸۷۴) لَآئِنْ يُؤَدِّبِ الرَّجُلُ وَلَدَهُ خَيْرٌ مِّنْ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِصَاعٍ.

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا آدمی کا اپنی اولاد کو ادب سکھانا اس بات سے زیادہ بہتر ہے کہ وہ ایک صاع صدقہ کر دے۔

(۱۸۷۵) مِمَّا نَحْلُ وَالِدٌ وَلَدًا مِّنْ نَّحْلٍ أَفْضَلُ مِّنْ آدَابٍ حَسَنٍ.

ترجمہ: ایوب بن موسیٰ اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا آدمی اپنی اولاد کو جو عطیہ دیتا ہے اس میں سب سے زیادہ بہترین چیز تعلیم و تربیت ہے

تشریح: لان یوذب: لام برائے تاکید بمعنی القسم ای واللہ تادیب الرجل لولده تادیباً واحداً خیر من تصدقه بصاع. تادیب ولد صدقہ سے بہتر کیوں ہے جس کی مختلف توجیہات ہیں۔

اول: تادیب ولد طویل البقاء ہے اور تصدق سرلیح الفناء ہے۔ دوم: تادیب ولد افادہ علمیہ خالیہ ہے اور تصدق افادہ علمیہ مالیہ ہے۔

سوم: تادیب ولد یقیناً اپنے محل میں واقع ہے بخلاف تصدق کے کہ وہ تحت الاحتمال ہے۔

چہارم: تادیب ولد کے ترک پر بسا اوقات لعن طعن کیا جاتا ہے بخلاف ترک تصدق کے، کذا ذکرہ القاری۔

پنجم: علامہ مناوی رحمہ اللہ فرماتے کہ تادیب ولد انتہائی اہم امر ہے مطلق صدقات سے بھی افضل و بہتر ہے کیونکہ تادیب ولد صدقات جاریہ میں سے ہونے کی وجہ سے نفع متعدی کو مستلزم ہے۔

هذا حدیث غریب: یہ روایت غریب ہونے کے ساتھ ضعیف بھی ہے، کیونکہ اس میں یحییٰ بن یعلیٰ اور ناصح دونوں راوی ضعیف ہیں جیسا کہ خود امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ وناصح ابن علاء الکوفی "لیس عند اهل الحدیث بالقوی"

اولاد کی صحیح تعلیم و تربیت کی اہمیت:

ان احادیث سے اولاد کی صحیح تعلیم و تربیت کی اہمیت معلوم ہوتی ہے، اسے اللہ کے راستے میں ایک صاع صدقہ کرنے سے بھی افضل قرار دیا ہے، اور والد کی طرف سے دینی تعلیم و تربیت اولاد کے لئے سب سے بڑا عطیہ ہے، اس سے مفید اور قیمتی چیز اور کوئی نہیں ہے، آج اولاد کی دینی تعلیم و تربیت ہو رہی ہے یا نہیں اس کی زندگی کا ہر قدم اسلام کے قریب ہو رہا ہے یا دور، اس کی قطعاً پرواہ نہیں ہے، مغربی تہذیب و تمدن اور یہودی ثقافت کی یلغار نے عالم اسلام کو بالکل بے حس بنا دیا ہے، حالانکہ ترقی کا راز اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے میں ہے، اور قرآن و سنت کے مطابق زندگی گزارنے میں ہے، اسلام اس سے ہرگز منع نہیں کرتا کہ عصری تعلیم کو سیکھا جائے، بلکہ

اسے صحیح طریقے سے سیکھنے کا حکم دیتا ہے، لیکن ایسے میں اسلامی تعلیمات کو بالکل پس پشت ڈال دینا یہ بہر حال جائز نہیں ہے۔

ایوب بن موسیٰ عن ابیہ عن جدہ کی وضاحت: ”ایوب بن موسیٰ عن ابیہ عن جدہ“ اس کا پورا نسب اس طرح ہے: ایوب بن موسیٰ بن عمرو بن سعید بن العس اس میں ”عن ابیہ“ کی ضمیر ”ایوب“ کی طرف ہے یعنی عن موسیٰ بن عمرو اور ”عن جدہ“ کی ضمیر میں دو احتمال ہیں:

ایک احتمال یہ ہے کہ یہ ایوب کی طرف لوٹ رہی ہو: ایوب کے دادا یعنی عمرو بن سعید رضی اللہ عنہ یہ صحابی نہیں ہیں، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں پیدا ہوئے، اس لحاظ سے یہ حدیث مرسل ہوگی۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ ضمیر ”موسیٰ“ کی طرف لوٹ رہی ہو، موسیٰ کے دادا یعنی سعید بن العاس رضی اللہ عنہ، یہ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پیدا ہو گئے تھے اور ظاہر یہی ہے کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہوگا مگر محدثین کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا سماع ثابت نہیں ہے، اس وجہ سے ان کی روایت کو مرسل صحابہ قرار دیا گیا ہے، تاہم اس سے روایت کی حیثیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ جمہور کے نزدیک حدیث مرسل قابل استدلال اور حجت ہوتی ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح باب الشفقتہ والرحمۃ علی الخلق 8/711)

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَبُولِ الْهَدِيَّةِ وَالْمُكَافَاةِ عَلَيْهَا

باب ۳۴: ہدیہ قبول کرنے اور اس کا بدلہ دینے کے بارے میں

(۱۸۷۶) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ وَيُغِيبُ عَلَيْهَا.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تحفہ قبول کر لیا کرتے تھے اور اس کے بدلے میں تحفہ دیا کرتے تھے۔
تشریح: ہدیہ قبول کرنا اور اس کا بدلہ دینا سنت ہے: اگر کوئی شخص کسی مسلمان کو خوش کرنے کے لئے کوئی چیز ہدیہ کرے، اس کا ہدیہ قبول کیا جاسکتا ہے، اور جب گنجائش ہو تو اسے بھی جواباً کوئی چیز ہدیہ میں دینی چاہئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول بھی فرماتے اور اس کا بدلہ بھی دیتے تھے، بدلہ دینے میں کوشش کرے کہ اس کے ہدیہ سے بڑھ کر بدلہ دے، زیادہ قیمتی نہ ہو تو کم از کم اس کے ہدیہ کے بقدر ہی دے دے تو بہتر ہے۔

مذہب فقہاء: یشیب علیہا: یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول فرماتے اور اس پر بدلہ عنایت فرماتے تھے۔ ہدیہ کا بدلہ کم از کم ہدیہ کے بقدر دے تو بہتر ہے۔ چونکہ یہ تو بیع مٹمن مجہول ہے اس لئے ہبہ کا مدار تبرع پر ہے کیونکہ ہبہ اور بیع میں شرعاً اور عرفاً فرق ہے جس معاملے میں عوض اور بدلہ ہو تو وہ ”بیع“ ہے اور جس میں بدلہ اور عوض کی نیت نہ ہو محض تبرع اور احسان کرنا مقصود ہو تو یہ ہبہ ہے۔

ہدیہ کے شرائط: ہدیہ قبول کرنے کے لئے چند شرائط کا لحاظ ضروری ہے:

اول: یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ مال حلال ذرائع سے حاصل کیا ہوا ہے یا نہیں نیز شبہات سے خالی ہے یا نہیں اگر پاک و صاف ہو تو قبول کر لے ورنہ نہیں۔

دوم: ہدیہ دینے والے کی غرض کیا ہے؟ اگر دل خوش کرنے اور محض محبت کی بناء پر دیا ہے تب تو یہ ہدیہ ہے اس کو قبول کرنا چاہئے اور

اگر ناموری، ریاکاری یا بطور صدقہ ہے تو پھر قبول نہ کرے الایہ کہ مستحق صدقہ ہو۔ سوم: ہدیہ دینے والا احسان نہ جتلائے اور مہدی الیہ کو حقیر نہ گردانے بلکہ قبول کرنے کو اپنے اوپر احسان تصور کرے اور خوش ہو اور واپس کر دینے سے ناگواری ہو ان مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ ہدیہ قبول کرنا جائز ہے۔

ہدیہ کے آداب:

ہدیہ کے مختصر آداب جن کا لحاظ رکھنے سے ہدیہ کا لطف اور اصل غرض ازدیاد محبت پیدا ہوتی ہے۔ (1) جس کو ہدیہ دے پوشیدہ دے اگر وہ خود ظاہر کرے تو دوسری بات ہے (2) اگر ہدیہ غیر نقد ہو تو حتی الامکان مہدی الیہ کی رغبت کا خیال رکھے ایسی چیز دے جو اسے مرغوب ہو۔ (3) ہدیہ دے کر اس سے پہلے اپنی کوئی غرض پیش نہ کرے تاکہ مہدی لہ کو خود غرضی کا شبہ نہ ہو (4) مقدار ہدیہ اس قدر نہ ہو کہ مہدی الیہ کی طبیعت پر بار ہو اور کم چاہئے جتنا ہو اس میں مضائقہ نہیں چونکہ اہل نظر کی نظر مقدار پر نہیں ہوتی بلکہ خلوص پر ہوتی ہے۔ (5) اگر مہدی الیہ واپس کرنے لگے تو واپسی کی وجہ دریافت کر لے اور آئندہ اس کا خیال رکھے مگر اس وقت اصرار نہ کرے۔ (6) جب تک مہدی الیہ پر اپنا خلوص ثابت نہ کر دے ہدیہ پیش نہ کرے (7) حتی الامکان ریلوے پارسل کے ذریعہ نہ بھیجے چونکہ مہدی الیہ کو اس میں پریشانی خطرہ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الشُّكْرِ لِمَنْ أَحْسَنَ إِلَيْكَ

باب ۵۳: اس شخص کا شکر کرنے کا ذکر ہے جو آپ کے ساتھ احسان کرے

(۱۸۷۷) مَنْ لَا يَشْكُرُ النَّاسَ لَا يَشْكُرُ اللَّهَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔

(۱۸۷۸) مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللَّهَ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ (درحقیقت) اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرتا۔

تشریح: حقیقت شکر: نعمت کی قدر کرنا ہے جب نعمت کی قدر ہوگی تو نعم کی قدر بھی ضرور ہوگی نیز جس کے ذریعہ وہ نعمت پہنچی ہے۔ اس کی بھی قدر ہوگی اس طرح خالق و مخلوق دونوں کا شکر ادا ہو جائے گا کہ شکر کی دو قسمیں ہیں:

اول: منعم حقیقی کا شکر کمال قال تعالیٰ: ﴿وَالشُّكْرُ لِلَّهِ﴾ (البقرہ: ۱۵۲)

دوم: شکر مخلوق جو واسطہ نعمت ہے۔

درحقیقت شکر الہی کی جزاء لوگوں کا شکر ادا کرنا ہے۔ انسان کے دل میں جس کی قدر ہوتی ہے تو اس کی تعظیم و محبت بھی کرتا ہے اس کی بات ماننے کو بھی بالاضطرار دل چاہتا ہے لہذا خالق کا کمال شکر یہی ہے کہ دل میں اس کی تعظیم ہو۔ زبان پر ثناء اور اعضاء و

جو ارج سے احکام کی حتی الامکان پوری تعمیل ہو۔

من لم يشكر الناس: علامہ خطابی رحمہ اللہ نے اس کے دو معنی بیان کئے ہیں:

اول: جس آدمی کی طبیعت و عادت لوگوں کی نعمتوں پر ناشکری کی بن گئی ہو یقیناً اس کی طبیعت میں اللہ تعالیٰ کی ناشکری بھی پائی جاتی ہے۔
دوم: جب تک بندہ لوگوں کا شکر ادا نہ کرے اس وقت تک اللہ تعالیٰ اپنے لئے بھی اس کا شکریہ قبول نہیں فرماتے کیونکہ اللہ کا شکر موقوف ہے بندوں کے شکر پر۔ (الکوکب الدرر، ابواب البر والصلة، باب ما جاء في الشكر 54/3)

بَابُ مَا جَاءَ فِي صَنَائِعِ الْمَعْرُوفِ

باب ۳۶: نیک کام

(۱۸۷) تَبَسُّمُكَ فِي وَجْهِ أَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ وَأَمْرُكَ بِالْمَعْرُوفِ وَنَهْيُكَ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ وَإِشَادُكَ الرَّجُلَ فِي أَرْضِ الضَّلَالِ لَكَ صَدَقَةٌ وَبَصْرُكَ لِلرَّجُلِ الرَّدِيءِ الْبَصَرَ لَكَ صَدَقَةٌ وَإِمَاطَتُكَ الْحَجَرَ وَالشَّوْكَ وَالْعَظْمَ عَنِ الطَّرِيقِ لَكَ صَدَقَةٌ وَإِفْرَاغُكَ مِنْ دَلْوِكَ فِي دَلْوِ أَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ.

ترجمہ: حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا اپنے بھائی سے مسکرا کر ملنا بھی تمہارے لیے صدقہ ہے تمہارا نیکی کا حکم دینا تمہارا برائی سے روکنا بھی صدقہ ہے تمہارا کسی بھولے بھٹکے شخص کو راستہ بتا دینا بھی صدقہ ہے جس شخص کو نظر نہ آتا ہو تمہارا اسے راستہ دکھا دینا بھی صدقہ ہے راستے سے پتھر کا ٹٹا یا ہڈی وغیرہ کو ہٹا دینا بھی تمہارے لیے صدقہ ہے اور اپنے ڈول کے ذریعے اپنے بھائی کے ڈول میں پانی ڈال دینا بھی صدقہ ہے۔

لغات: صنائع: صنیعة کی جمع ہے: کام۔ المعروف: بھلائی، احسان، نیکی۔ تبسمك: تیرا مسکرانا۔ ارشادك: تیرا راستہ بتانا، رہنمائی کرنا۔ ارض الضلال: بھولی ہوئی زمین اور جگہ۔ الرديء البصر: نابینا آدمی۔ اماطتك: تیرا ہٹانا، صاف کرنا، الشوك: کاٹنا۔

تشریح: نیکی کے چند کام: اس حدیث میں نیکی کے چند اہم کام ذکر کئے ہیں: یہ معاشرتی زندگی کے چند روشن اصول ہیں جنہیں اپنا کر ایک مسلمان پر سکون زندگی گزار سکتا ہے، وہ زندگی جس سے خالق ارض و سماء خوش ہو جائے، جو ایمان کامل کی علامت ہے، اس لئے ہر مسلمان کو ان اوصاف سے آراستہ ہونے کی کوشش کرنی چاہئے۔

① تبسمك في وجه اخيك: مسلمان بھائی سے مسکرا کر بات چیت اور ملاقات کرنا کہ اس سے اس کا دل خوش ہوتا ہے۔ ایک مومن کو خوش دیکھ کر جب دوسرا مومن خوش ہوگا تو اس پر ایسا ہی ثواب ملے گا جیسا کہ صدقہ کرنے پر ملتا ہے۔

② وامرك بالمعروف... الخ کسی مومن کا دوسرے مومن کو اچھائی کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا بھی صدقہ کے برابر ثواب رکھتا ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا لفظ مختصر ہونے کے ساتھ نہایت جامع ہے چنانچہ معروف کے تحت وہ تمام نیکیاں اور بھلائیاں

آجاتی ہیں جن کا اسلام نے حکم فرمایا ہے۔

یہ امور چونکہ جانے پہچانے جاتے ہیں اس لئے معروف کہلاتے ہیں اسی طرح منکر کے تحت وہ تمام برائیاں اور مفسد آجاتے ہیں جن کو شریعت نے ناجائز قرار دیا ہے اور دونوں کے مجموعہ کا خلاصہ خیر خواہی سے ظاہر ہے کہ مومن کی خیر خواہی کا رٹو اب ہوگی اور اس پر صدقہ جیسا اجر ہوگا۔ البتہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے درجات ہیں انشاء اللہ آئندہ روایات کے تحت ان کی تفصیل آئے گی۔

③ وارشادك الرجل في الرجل في ارض الضلال صدقة: یعنی راستہ بھٹکے ہوئے آدمی کو راستہ بتا دینا بھی صدقہ ہے۔ ارض ضلال سے مراد وہ زمین ہے جس کی کوئی نشانی و علامت معلوم نہ ہو ظاہر ہے کہ جب کوئی شخص ایسی جگہ پر راستہ بھٹک رہا ہو اور اپنی منزل مقصود تک پہنچ جائے تو یہ اس کی اعلیٰ درجہ کی مدد ہوگی اس پر اجر و ثواب یقیناً مرتب ہوگا۔

④ وبصرك الرجل الردي ابصر لك صدقة: یعنی کسی کو نابینا یا کم نگاہ والے شخص کو صحیح راستہ بتا دینا اور اس کی مدد کر دینا صدقہ کے برابر ثواب رکھتا ہے مشکوٰۃ شریف میں بصرک کے بجائے نھرک بالنون واقع ہوا ہے نابینا شخص نہ معلوم کسی گڑھے میں گر جائے یا ایسی جگہ چلا جائے جہاں اس کو نقصان پہنچے اس مومن نے مدد کر کے اس کو تکلیف سے بچا لیا تو ظاہر ہے کہ صدقہ کے برابر اس کو ثواب ملے گا۔

⑤ واما طتك الحجر والشوك والعظيم عن الطريق: یعنی راستہ سے تکلیف دہ شے خواہ وہ پتھر ہو یا ہڈی یا کانٹا وغیرہ ہو ان کا راستہ سے ہٹانا یہ بھی صدقہ میں داخل ہے چونکہ مومن کے لئے موذی شے سے حفاظت کا ذریعہ بنا ہے اس لئے اس کو ثواب ہوگا۔

⑥ افرغك من دلوک... الخ یعنی اپنے برتن ڈول وغیرہ سے مومن بھائی کے برتن میں پانی ڈال دینا یا پانی مہیا کر دینا خواہ نل ہی چلا کر ہو یہ مومن کی مدد ہے اس پر بھی صدقہ کے برابر ثواب ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَنَحَةِ

باب ۷۳: عطیہ (کی فضیلت) کے بارے میں

(۱۸۸۰) مَنْ مَنَحَ مَنِيحَةً لَبَنٍ أَوْ وَرْقٍ أَوْ هَدَى زُقَاقًا كَانَ لَهُ مِثْلُ عِثْقِ رَقَبَةٍ.

ترجمہ: حضرت سرہ بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا جو شخص کسی دوسرے کو دودھ یا درہم عاریت کے طور پر دے یا کسی شخص کو راستہ بتا دے اسے غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے۔

تشریح: المنحۃ: عطیہ، کسی دوست کو عارضی استعمال اور استفادہ کے لئے واپسی کی شرط کے ساتھ زمین، سواری یا جانور وغیرہ دینا۔ منیحۃ: اس دودھ والی اونٹنی یا بکری کو کہا جاتا ہے جو کسی دوست کو صرف استعمال کے لئے عاریت کے طور پر دی جاتی ہے۔

منیحۃ کی فضیلت: اس حدیث میں ان امور کا ذکر ہے جن کے ذریعے آدمی دوسرے بھائی کو نفع پہنچاتا ہے، منیحۃ لبن: اس سے مراد دودھ والا جانور ہے۔ اوورق: بکسر الراء و سکون الراء اس سے مراد درہم و دنانیر ہیں کسی کو کچھ عرصہ کے لئے دودھ

والا جانور اونٹنی یا بکری عطیہ دینا تاکہ اس سے وہ استفادہ کرے اور پھر واپس کر دے، یا کسی کو قرض دینا یا کوئی راستہ یا گلی کو چہ بتانا، یہ تمام امور اللہ کے نزدیک ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب کا ذریعہ ہیں، جس طرح کوئی شخص جب غلام آزاد کر دے تو وہ گویا اپنے آپ کو جہنم سے بچا لیتا ہے اسی طرح حدیث میں مذکورہ کاموں میں سے کوئی کام کرنے سے بھی آدمی اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچا سکتا ہے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ روایت کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح غلام آزاد کر کے اس نے اپنے کل اعضاء کو جہنم کی آگ سے بچا لیا ہے اسی طرح اس نے یہ عطیات کر کے اپنے کو جہنم کی آگ سے یعنی پورے جسم کو بچا لیا ہے گویا روایت مذکورہ میں ان عطیات کرنے والے کے لئے جہنم سے بچاؤ کی خوشخبری ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِمَاطَةِ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ

باب ۳۸: راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانے کا ذکر

(۱۸۸۱) بَيِّنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي فِي طَرِيقٍ رَاذٍ وَجَدَ غُصْنَ شَوْكٍ فَأَخَّرَ كَفَشَكَرَ اللَّهُ لَهُ فَعَفَّرَ لَهُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں ایک مرتبہ ایک شخص کسی راستے پہ جا رہا تھا اس نے ایک کانٹے والی شاخ دیکھی اور اسے ہٹا دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل کو قبول کیا اور اس کی مغفرت کر دی۔
تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ راستہ میں جو بھی گندی اور تکلیف دہ چیز ہو، اسے ہٹا دینا چاہئے، اس عمل کو اللہ تعالیٰ اس قدر، قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ اس کی بخشش فرمادیتے ہیں۔ کہ راستہ سے تکلیف دینے والی شے کو ہٹا دیا جائے تاکہ لوگ آرام سے گزر جائیں اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی مغفرت فرمادیتے ہیں اس روایت کے بعض طرق میں واقع ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جنت میں ایسے شخص کو گھومتے ہوئے دیکھا ہے جس نے مسلمانوں کے راستہ سے کانٹوں اور درختوں کو کاٹ دیا تھا لہذا فی جمع الفوائد۔
”فشکر اللہ لہ“ علامہ جزری فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ایک نام ”شکور“ بھی ہے، جس کے معنی ”قدر دان“ لہذا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ بندے کے تھوڑے سے نیک عمل کو بڑھاتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ اس کی مغفرت فرمادیتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْمَجَالِسَ بِالْأَمَانَةِ

باب ۳۹: مجالس (کی باتیں) امانت ہیں

(۱۸۸۲) إِذَا حَدَّثَ الرَّجُلُ الْحَدِيثَ ثُمَّ التَّقَتَ فِيهِ أَمَانَةً.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں جو شخص کوئی بات بیان کر دے (جو چھپانے کے قابل ہو) اور پھر وہ چلا جائے تو پھر وہ بات امانت ہوتی ہے۔

تشریح: مجلس کی باتیں امانت ہوتی ہیں: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث مرفوعہ کے الفاظ سے عنوان قائم کیا یعنی المجالس بالامانة، اس روایت کو امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی مجلس میں کوئی بات کرے تو وہ مجلس امانت ہے، لہذا اگر

میں زیر بحث گفتگو کو مجلس سے باہر پھیلانا نہیں چاہئے۔

التفت ای یمینا و شمالا: حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے دو مطلب بیان کئے ہیں:

① بات کرنے والا شخص گفتگو کے دوران ادھر ادھر دیکھ کر گفتگو کرے، تاکہ کوئی دوسرا شخص نہ سن سکے، یہ انداز خود بتا رہا ہے کہ یہ بات پوشیدہ رکھی جائے، ظاہر نہ کی جائے۔

② یا التفات سے مراد یہ ہے کہ متکلم گفتگو کر کے دوسری طرف متوجہ ہو جائے یا اس مجلس سے اٹھ جائے تب بھی وہ بات امانت ہے، شرعی ضرورت کے بغیر اس کا اظہار کرنا جائز نہیں ہے۔ موصوف نے ترجمہ المجالس بالامانة مطلقاً قائم فرمایا ہے۔ بہر حال روایت سے معلوم ہوا کہ اگر کسی مجلس میں کوئی بات ہو جس کے چھپانے میں متکلم کا فائدہ ہے تو وہ امانت ہے البتہ اگر ایسی بات ہو کہ اس کے ظاہر کرنے میں متکلم کا نقصان نہیں یا لوگوں کو اس بات سے فائدہ ہوگا تو اس کے اظہار کی گنجائش ہے اسی طرح اگر وہ بات ایسی ہو کہ اس کو چھپانے میں کسی کو نقصان ہوگا تو اس کا ظاہر کرنا ضروری ہے حدیث شریف میں ہے۔

المجالس بالامانة الا ثلثة مجالس سفك دم حرام او فرج حرام او اقتطاع مال بغیر حق: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجالس امانت ہوتی ہیں سوائے تین مجلسوں کے کہ ان کی باتوں کا اظہار کرنا ضروری ہوتا ہے، کسی کو ناحق مار دیا گیا ہو، کسی عورت کی عصمت دری کی گئی ہو یا کسی کا مال ناحق لیا گیا ہو، ان تمام صورتوں میں چونکہ دوسرے لوگوں کا نقصان ہے اس لئے ان کا بتانا ضروری ہے۔ (الکوکب الدرر: 55، 56/3)

معلوم ہوا کہ نقصان وہ امانت نہیں ہے بلکہ اس کا اظہار صاحب ضرر سے کر دینا واجب ہے تاکہ وہ اپنی حفاظت کر سکے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّخَاوِ

باب ۴۰: سخاوت (کی فضیلت) کا ذکر

(۱۸۸۳) قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِنَّهُ لَيَسَّ لِي مِنْ بَيْتِي إِلَّا مَا أَدْخَلَ عَلَى الزُّبَيْرِ أَفَأَعْطِي قَالَ نَعَمْ وَلَا تُؤْكِرْ فَيُؤْكِرَ عَلَيْكَ يَقُولُ لَا تُحْصِي عَلَيْكَ.

ترجمہ: حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس جو بھی چیز ہے وہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ہی کی دی ہوئی ہے تو کیا میں اسے (اللہ کے راستے میں) دے سکتی ہوں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں تم روکے نہ رکھو تم سے روک دیا جائے گا (ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں) تم گنتی نہ کرو ورنہ تمہارے لیے بھی گنتی کی جائے گی۔

(۱۸۸۴) السَّخِيُّ قَرِيبٌ مِّنَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْجَنَّةِ قَرِيبٌ مِّنَ النَّاسِ بَعِيدٌ مِّنَ النَّارِ وَالْبَخِيلُ بَعِيدٌ مِّنَ اللَّهِ بَعِيدٌ مِّنَ الْجَنَّةِ بَعِيدٌ مِّنَ النَّاسِ قَرِيبٌ مِّنَ النَّارِ وَجَاهِلٌ سَخِيٌّ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ عَالِمٍ بَخِيلٍ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سخاوت کرنے والا شخص اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے جنت سے قریب ہوتا ہے لوگوں سے قریب ہوتا ہے اور جہم سے دور ہوتا ہے جبکہ بخیل شخص اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے جنت سے دور ہوتا ہے

لوگوں سے بھی دور ہوتا ہے اور جہنم کے قریب ہوتا ہے ایسا جاہل شخص جو سخی ہو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس شخص سے زیادہ محبوب ہوتا ہے جو عبادت گزار بھی ہو اور بخیل بھی ہو۔

تشریح: سخاوت کی فضیلت:

سخی شخص جس نے محض اللہ کی رضا کے لیے اپنے مال کو خرچ کیا وہ اپنے اس فعل سخا کی بناء پر اللہ کی رحمت سے بالکل قریب ہو جاتا ہے اور اس فعل کی وجہ سے وہ جنت میں داخل ہوگا اس لئے جنت کے قریب بھی ہے اور لوگ ایسے شخص سے محبت کرتے ہیں لہذا لوگوں کے دلوں کے قریب ہوا جس طرح حاکم عادل کا نفع اگرچہ سب کو نہ پہنچے مگر اس سے سب کو محبت ہوتی ہے، اس کے بالمقابل بخیل شخص جو واجبات میں بھی مال خرچ نہیں کرتا ایسا شخص اللہ کا مبغوض، لوگوں کا بھی معتبور اور بخل کی بناء پر جنت سے دور ہو جاتا ہے اور قریب ہے کہ وہ جہنم میں داخل کر دیا جائے۔

الجاهل السخی احب الی اللہ من عابد بخیل: جاہل سخی سے مراد وہ غیر عالم سخی ہے جو کثیر النوافل نہ ہو اور عابد بخیل سے مراد ایسا بخیل عالم جو کثیر العبادۃ النوافل ہو یعنی جو شخص غیر عالم ہو اگرچہ وہ کثیر النوافل نہیں ہے مگر سخی ہے وہ اللہ کے نزدیک زیادہ محبوب ہے اس عالم سے جو عابد ہے اور بخیل ہے اور اگر غیر عالم بخیل ہے تو اس سے بدرجہ اولیٰ سخی شخص بہتر و عند اللہ محبوب ہوگا۔ خلاصہ یہ ہوا کہ جو شخص سخی ہے گو وہ کثرت سے نوافل نہیں پڑھتا مگر اپنے فعل سخاوت کی بناء پر اللہ کے یہاں زائد مقرب ہوگا ایسے شخص سے جو کثیر العبادۃ ہے مگر بخیل ہے اور بخل درحقیقت دنیا کی محبت کا نتیجہ ہوتا ہے، اور جس آدمی کے دل میں دنیا کی محبت ہو وہ کوئی بھی غلطی کر سکتا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: کما قال اللہ ﷻ حب الدنیا راس کل خطیئة۔ دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے، اس لئے آدمی یہ کوشش کرے کہ میرے اندر سخاوت کی صفت ہو، نہ کہ بخل کی کیونکہ سخاوت کے ذریعہ وہ اللہ کے ہاں قرب حاصل کر سکتا ہے۔

لا تحصى فی حصی علیک: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کے دو معنی بیان کئے ہیں:

- (1) تنگدلی کے ساتھ گن گن کر نہ دو (اس سے برکت اٹھ جاتی ہے) ورنہ تمہیں بھی حساب سے اور گن گن کر دیا جائے گا۔
- (2) گن گن کر مال جمع اور ذخیرہ نہ کرو کہ اس سے خرچ ہی نہ کرے ورنہ تم پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق کو بند کر دیا جائے گا۔ (فتح الباری، کتاب الزکاة، باب التخریض علی الصدقة۔ 3/383)

”لا توکی“ جبکہ مشکیزہ کے منہ کو دھاگے سے مضبوط باندھ دیا جائے اس سے مراد بخل کرنا ہے۔

”فیوکی علیک“ بفتح الکاف مجہول کا صیغہ ہے بخاری کی روایت میں ’فیوکی اللہ علیک‘ واقع ہے علامہ جزری رحمہ اللہ

فرماتے ہیں اس کے معنی ہیں۔

لا تدخری ولا تشدی ما عندک و ما فی یدک فتقطع مادة الرزق عنک: یقول لا تحصى علیک یہ لا توکی فیوکی علیک کی تفسیر ہے جو بعض رواۃ نے فرمائی اور یقول کی ضمیر نبی کریم ﷺ کی طرف راجع ہے چنانچہ بخاری شریف میں یہ لفظ خود آپ ﷺ سے منقول ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ احصاء کے معنی ”معرفة قدر الشی وزناو عددًا“ کے ہیں مراد یہ ہے کہ تنگ دلی کے ساتھ گن گن کر نہ دے چونکہ اس سے مادہ برکت ختم ہو جائے گا پھر اللہ تعالیٰ بھی بغیر برکت محدود عطا فرمائیں گے یا مراد یہ ہے کہ گن گن کر مال کا ذخیرہ نہ بنائے کہ اس سے خرچ نہ کرے ورنہ اللہ تعالیٰ بھی مادہ رزق کو

محبوس کرے گا اور برکت ختم کر دے گا اور آخرت میں الگ حساب دینا ہوگا، لہذا روایت کا حاصل یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال کو خوش دلی کے ساتھ خوب خرچ کیا جائے اس لئے کہ اس سے برکت ہوتی ہے اور رزق میں وسعت ہوتی ہے اس کے بالمقابل اگر تنگ دلی کے ساتھ مال کو خرچ کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ برکت نہیں عطا فرمائیں گے۔

نیز روایت سے معلوم ہوا کہ عورت اپنے شوہر کے مال میں سے صدقہ وغیرہ کر سکتی ہے مگر یہ ضروری ہے کہ شوہر کی جانب سے دلالت یا صراحت یا عرفاً اتفاق کی اجازت ہو جس کی تفصیل پہلی جلد میں گزر چکی ہے۔

سخاوت و بخل کی حقیقت:

سخاوت و بخل دونوں متضاد لفظ ہیں جن کی تعریفات میں علماء کے مختلف اقوال ہیں ایک کی وضاحت سے دوسرے لفظ کے معنی کی تعیین خود بخود ہو جاتی ہے چنانچہ علماء نے سخاوت کی تعریف مختلف الفاظ سے فرمائی ہے

(۱) کہ بعض حضرات فرماتے ہیں سخاوت بلا تا مل ضرورت پوری کرنے اور احسان جتائے بغیر دینے کا نام ہے۔

(۲) سخاوت ایسے عطیہ کو کہتے ہیں جو بغیر مانگے دیا جائے اور اس تصور سے دیا جائے کہ میں نے تھوڑا دیا ہے

(۳) کہ سائل کو دیکھ کر خوش ہونا اور سے مسرت پانا سخاوت ہے۔

(۴) کہ مال کو اس تصور کے ساتھ دینا سخاوت ہے کہ مال اللہ کا ہے اور دینے والا بھی اللہ کا بندہ ہے اس لئے اللہ کا بندہ کا مال فقر و افلاس کے ادنیٰ اندیشہ کے بغیر دے رہا ہے۔ اور ان سب اقوال کی بالکل ضد بخل ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ تعبیرات حقیقتاً ناقص ہیں سخا و بخل کی حدود ان سے واضح نہیں ہوتیں۔

سخاوت، جود، ایثار:

اپنے مال میں سے کچھ دے دینا اور کچھ رکھ لینا یہ سخاوت ہے اور اپنا زیادہ مال دے دینا اور کچھ رکھ لینا جود ہے اور خود مشقت برداشت کر لینا لیکن دوسرے کو تکلیف نہ ہونے دینا ایثار ہے۔

اعتدال کا حکم:

جس کی وضاحت یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے مال کو ایک حکمت و مقصد کے لئے پیدا کیا کہ اس کو اعتدال کے ساتھ خرچ کرے، جہاں پر ضرورت ہو خرچ کرے اور جہاں ضرورت نہ ہو وہاں خرچ کر کے اسراف نہ کرے اس سے معلوم ہوا کہ جہاں مال خرچ کرنا ضروری ہو وہاں خرچ نہ کرنا بخل ہے اور جہاں روکنا ضروری ہے وہاں خرچ کرنا اسراف ہے ان دونوں کے درمیان کی صورت محمود ہے اور اسی کو سخا و جود کہا جائے گا اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ کو ایک طرف سخاوت کا حکم دیا گیا ہے اور دوسری طرف یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا﴾ (الاسراء: ۲۹) اسی طرح ﴿وَإِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا﴾ (الفرقان: ۶۷) ان آیات سے معلوم ہوا کہ جود و سخا، اسراف و کمی اور قبض و بسط کی درمیانی راہ کا نام ہے اور وہ درمیانی راہ یہ ہے کہ آدمی اپنے خرچ و امساک کو مقدار واجب اور مواقع وجوب پر محول کرے اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے۔ کہ خرچ کا فعل صرف اعضاء سے صادر نہ ہو بلکہ دل بھی راضی ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْبُخْلِ

باب ۴۱: بخل (کی مذمت) کے بارے میں

(۱۸۸۵) خَصْلَتَانِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِي مُؤْمِنٍ الْبُخْلُ وَسُوءُ الْخُلُقِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا دو خصلتیں کسی مومن میں جمع نہیں ہو سکتیں بخل بد اخلاقی۔

(۱۸۸۶) لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ خَبٌّ وَلَا مَنَّانٌ وَلَا بَخِيلٌ.

ترجمہ: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں دھوکہ دینے والا احسان جتانے والا اور کنجوسی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔

(۱۸۸۷) الْمُؤْمِنُ غَرٌّ كَرِيمٌ وَالْفَاجِرُ خَبٌّ لَعِيمٌ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا مومن سیدھا سادہ اور کریم (اچھے اخلاق کا مالک) ہوتا ہے جبکہ فاجر شخص دھوکہ باز اور کمینہ ہوتا ہے۔

تشریح: (۱) تین چیزیں دھوکہ دینا، بخل کرنا اور احسان جتلانا ذکر کر کے آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ لوگ جنت میں داخل نہیں ہوں گے کیونکہ یہ چیزیں بسا اوقات انسان کو کفر تک پہنچا دیتی ہیں، لہذا دیگر کافروں کی طرح یہ بھی جنت میں داخل نہیں ہو سکیں گے، اس معنی کے لحاظ سے جنت میں داخل نہ ہونا حقیقی معنی کے اعتبار سے ہوگا۔ ہکذا قالہ الکنکوہی

(۲) ممکن ہے کہ خب سے مراد کافر ہو جیسا کہ دوسری روایت میں فرمایا گیا ہے: ”المؤمن غر کریم الفاجر خب لئیم“ اس صورت میں مذکورہ تاویل کی ضرورت نہیں اور مطلق دخول کی نفی ہوگی اور اگر اس سے مراد مومن خادع بخیل و منان ہے تو دخول اولیٰ کی نفی ہوگی اس لئے کہ ایمان کی وجہ سے بالآخر وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

(۳) کہ ان صفات مخصوصہ کے ہوتے ہوئے یہ لوگ جنت میں داخل نہ ہوں گے البتہ ان صفات سے پاک و صاف ہو کر خواہ توبہ کے ذریعہ دنیا میں، یا سزا پا کر آخرت میں یا اللہ تعالیٰ کے معاف کر دینے کے بعد یہ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ وہ قولہ تعالیٰ: ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِّنْ غَيْلٍ﴾ (الاعراف: ۴۳)

بخل بری خصلت:

مذکورہ احادیث میں نبی کریم ﷺ نے بخل کی مذمت بیان فرمائی ہے، مسلمانوں کو اس سے بچنے کا حکم دیا کیونکہ بخل اللہ تعالیٰ کو بہت ہی ناپسند ہے، پہلی حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مومن کے اندر دو خصلتیں یعنی بخل اور بد اخلاقی جمع نہیں ہو سکتیں، اس جمع نہ ہونے سے کیا مراد ہے؟

① پہلا مطلب یہ ہے کہ کسی مومن میں ان دو خصلتوں کا پایا جانا مناسب نہیں ہے، کیونکہ یہ بری صفات ہیں، جو ایمان کے مناسب نہیں ہیں۔

② علامہ تورپشتی نے لاجمعان کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ کسی مسلمان میں یہ دو خصلتیں اس انداز سے کامل طریقے سے پائی جائیں کہ کبھی بھی اس سے جدا نہ ہوں اور وہ انہیں پسند بھی کرتا ہو، اس طرح کا اجتماع نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ ایمان کے منافی ہے، لیکن اگر یہ عادتیں کبھی کبھار پائی جائیں یا تھوری مقدار میں پائی جائیں اور وہ مومن ان کی وجہ سے اپنے نفس کو ملامت کرتا رہتا ہے اور وہ ان کی وجہ سے شرمندہ بھی ہوتا ہے، تو یہ ایمان کے منافی نہیں ہے۔

③ اس میں کمال ایمان کی نفی ہے کیونکہ اس کا ایمان اگر کامل ہوتا تو یہ خصلتیں اس میں نہ پائی جاتیں، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا ایمان ناقص ہے، لہذا اسے اپنا ایمان کامل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ (تحفۃ الاحوذی، 6/83)

④ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مومن کے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے اخلاق اور مال سے دوسروں کو فائدہ پہنچے اور بخل آدمی کے بخل کی وجہ سے اور بداخلاق اور بد مزاج انسان کی بداخلاقی و بد مزاجی کی وجہ سے دوسروں کو راحت کیا تکلیف پہنچتی ہے، اس لئے مومن کو چاہئے کہ وہ ان عادتوں سے اپنے ایمان کو بچائے، تاکہ اسے ایمان کا وہ درجہ حاصل ہو جائے جو اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کو پسند ہے۔ (الکوکب الذری، ابواب، البر والصلة، باب ہذا۔ 3/56)

المؤمن غر کریمہ کا حاصل یہ ہے کہ کامل ایمان والا شخص سیدھا سادہ اور شریف ہوتا ہے، زمانے کی فتنہ پرداز یوں اور شرارتوں کو نہیں سمجھتا، مکر و فریب اور دھوکہ بازی سے کوسوں دور ہوتا ہے جبکہ فاجر و فاسق شخص ہر وقت لوگوں کو دھوکہ دینے کے درپے رہتا ہے، اس کے سامنے صرف اپنا مفاد ہوتا ہے، اس کی نقل و حرکت اور گفتگو سے خست و ناءت اور کمینہ پن ٹپکتا ہے جو بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا ذریعہ ہے۔

اعترض: حدیث میں ہے کہ ”مومن کو ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاسکتا“ اتقوا فراسۃ المؤمن. مومن کی فراست سے بچو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے“ ان احادیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مومن خوب تجربہ کار اور زمانے کے نشیب و فراز سے آشنا ہوتا ہے، اسے اللہ کی طرف سے ایسا نور فراست اور بصیرت حاصل ہوتی ہے کہ وہ کسی سے دھوکہ کھا جاتا ہے، بظاہر ان روایات میں تعارض ہے؟

جواب ①: اس سے مراد یہ ہے کہ مومن سے لوگوں سے حسن ظن رکھتا ہے، کسی کے ساتھ مکر و فریب اور دھوکے سے پیش آتا، لیکن احتیاط کے باوجود کبھی محض حسن ظن کی وجہ سے دھوکہ کھا جاتا ہے، وہ بھی ہمیشہ نہیں، کبھی کبھار، اس لئے روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

جواب ②: المؤمن غر کریمہ کا تعلق دنیوی امور سے ہے اور ”لا یلدغ“ آخروی امور کے بارے میں ہے اس لئے دونوں میں تعارض نہیں۔

جواب ③: بعض نے کہا کہ لا یلدغ نفی نہیں، بلکہ اور انشاء ہے، گویا حکماً منع کیا جا رہا ہے، اور المؤمن غر کریم میں خبر ہے۔ (الکوکب الذری۔ 3/57)

ترکیب مخوی: ابن مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”خصلتان لا تجتمعان فی مومن“ خبر مقدم ہے اور البخل وسوء الخلق

مبتداء مؤخر ہے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خصلتان مبتداء ہے اور لا تجتمعان اس کے لئے صفت مخصوصہ ہے تاکہ اس نکرہ کا مبتداء بنانا صحیح ہو جائے اور اہل وسوء الخلق خبر ہے۔ البخل: بخل کی حقیقت اور اس کے حدود شرعیہ ماسبق میں گزر چکے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النِّفْقَةِ عَلَى الْإَهْلِ

باب ۴۲: اہل و عیال پر خرچ کرنے کی فضیلت کے بارے میں

(۱۸۸۸) نَفَقَةُ الرَّجُلِ عَلَى أَهْلِهِ صَدَقَةٌ.

ترجمہ: حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں آدمی کا اپنی بیوی پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے۔

(۱۸۸۹) أَفْضَلُ الدِّينَارِ دِينَارٌ يُنْفِقُهُ الرَّجُلُ عَلَى عِيَالِهِ وَدِينَارٌ يُنْفِقُهُ الرَّجُلُ عَلَى ذَاتِهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَدِينَارٌ يُنْفِقُهُ الرَّجُلُ عَلَى أَصْحَابِهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ أَبُو قَلَابَةَ بَدَأَ بِالْعِيَالِ ثُمَّ قَالَ فَأَيُّ رَجُلٍ أَعْظَمُ أَجْرًا مَن رَجُلٍ يُنْفِقُ عَلَى عِيَالٍ لَهُ صِغَارٌ يُعْفِقُهُمُ اللَّهُ بِهِ وَيُغْنِيهِمُ اللَّهُ بِهِ.

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا سب سے زیادہ فضیلت والا دینار وہ دینار ہے جسے آدمی اپنے گھر والوں پر خرچ کرتا ہے اور وہ دینار ہے جسے آدمی اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے جانور پر خرچ کرتا ہے اور وہ دینار ہے جسے آدمی اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے ساتھیوں پر خرچ کرتا ہے (یہاں اللہ تعالیٰ کی راہ سے مراد جہاد ہے)۔

شیخ ابو قلابہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے سب سے پہلے اہل خانہ کا تذکرہ کیا تھا۔

پھر فرمایا اس شخص سے زیادہ اور اجر کسے ملے گا جو اپنے کم سن بچوں پر خرچ کرتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ اس شخص کی وجہ سے (محنت مشقت سے بچا لیتا ہے) انہیں اس شخص کی وجہ سے (ضروریات سے بے نیاز کر دیتا ہے)۔

تشریح: اہل و عیال پر خرچ کرنے کی فضیلت:

بخاری و مسلم کی روایت میں ”اذا انفق المسلم على اهله وهو يحتسبها“ کا لفظ واقع ہوا ہے۔ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”يحتسبها“ کے معنی ”القصد الى طلب الاجر“ علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لفظ ”يحتسبها“ دلالت کرتا ہے کہ انفاق میں اجر حاصل کرنے کے لئے قربت و ثواب کی نیت ضروری ہے خواہ وہ انفاق واجب ہو یا مباح ہو اور اس کے مفہوم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر اجر کی نیت نہیں ہے تو اجر نہیں ملے گا گو برأت ذمہ متحقق ہو جائے گا۔

اہلہ: یا تو اس سے مراد صرف زوجہ ہے اور دوسرے اقارب پر انفاق بدرجہ اولیٰ اس کی فضیلت کے تحت داخل ہے اس لئے کہ جب واجب نفقہ پر اجر ہے تو غیر واجب پر بدرجہ اولیٰ اجر ملے گا یا اس سے مراد عام ہے یعنی زوجہ اور دیگر اقارب اور معنی یہ ہیں کہ اپنے اہل خانہ بیوی اور اولاد اور دیگر عزیز و اقارب پر خرچ کرنا باعث ثواب ہے۔ علامہ طبرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اجر و ثواب کے ارادے سے اہل و عیال پر خرچ کرنا باعث اجر ہے بلکہ صدقہ تطوع سے بھی افضل ہے۔ علامہ مہلب فرماتے ہیں کہ شارع نے انفاق علی الاہل کو صدقہ سے تعبیر کیا ہے تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ واجبات میں خرچ کرنا باعث اجر نہیں ہے اس لئے انفاق واجب کی اہمیت کے

پیش نظر اس کو لفظ صدقہ سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔

أَفْضَلُ الدِّيْنَارِ دِيْنَارٌ يُنْفِقُهُ الرَّجُلُ عَلَى عِيَالِهِ: میں تین قسم کے لوگوں پر خرچ کرنے کی فضیلت کا ذکر ہے، کیونکہ اس کا فائدہ دوسرے لوگوں تک پہنچتا ہے، اس لئے ان پر خرچ کرنا بہت خیر و برکت کا ذریعہ ہے، بہتر یہی ہے کہ اسی ترتیب سے خرچ کیا جائے جس طرح حدیث میں ذکر کیا گیا ہے، پہلے اہل و عیال پر، پھر راہ خدا میں مشغول جانور پر، پھر راہ خدا کے دوستوں پر جمہور علماء کے نزدیک رائج یہی ہے کہ اس ترتیب کا لحاظ اگر ہو سکے تو بہتر ہے، شرعاً واجب اور ضروری نہیں ہے۔

قال ابو قلابہ بدأ بالعیال: ابو قلابہ نے ترتیب ذکر سے یہ مسئلہ مستنبط کیا کہ نبی کریم ﷺ نے اہل و عیال پر خرچ کرنے کا ذکر کر کے فرمایا کہ اپنے چھوٹوں پر خرچ کرنا سب سے افضل ہے کہ وہ اس سے سوال کی ذلت سے بچ جاتے ہیں اور استغناء کی زندگی گزارتے ہیں، اس سے درحقیقت اہل و عیال پر خرچ کرنے کی فضیلت اور اہمیت کو ذکر کرنا مقصود ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ ان مواقع ثلاثہ میں افضل موقع اتفاق علی العیال ہے، بہر حال حکیم کا کسی شے کو مقدم ذکر کرنا حکمت سے خالی نہیں ہوتا ہے۔ (تحفۃ الاحوذی۔ 86، 85/6)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصِّيَافَةِ وَغَايَةِ الصِّيَافَةِ كَمْ هُوَ

باب ۴۳: مہمان نوازی اور اس کی مدت کا ذکر ہے کہ وہ کتنی ہے

(۱۸۹۰) أَنَّهُ قَالَ أَبْصَرْتُ عَيْنَايَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَسَمِعْتُهُ أُذْنَايَ حِينَ تَكَلَّمَ بِهِ قَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ جَائِزَتَهُ قَالُوا وَمَا جَائِزَتُهُ يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ وَالصِّيَافَةُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ وَمَا كَانَ بَعْدَ ذَلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لَيْسَ سَكْتَ.

ترجمہ: حضرت شرح عدوی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے ان دونوں آنکھوں کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کو دیکھا اور میں نے اپنے دونوں کانوں سے سنا آپ ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کی مہمان نوازی کرے جو اہتمام کے ساتھ ہو لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہ کتنے عرصے تک ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا ایک دن اور ایک رات پھر آپ ﷺ نے فرمایا عام مہمان نوازی تین دن تک ہوگی اس کے بعد صدقہ ہوگا جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہوگا وہ بھلائی کی بات کرے یا خاموش رہے۔

(۱۸۹۱) الصِّيَافَةُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ وَجَائِزَتُهُ يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ وَمَا أَنْفَقَ عَلَيْهِ بَعْدَ ذَلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ وَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَتَغَوَّى عِنْدَهُ حَتَّى يُخْرِجَهُ.

ترجمہ: حضرت ابو شرح کنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا عام مہمان نوازی تین دن تک ہوگی اور اہتمام کے ساتھ دعوت ایک دن کی ہوگی اور اس کے بعد آدمی مہمان پر جو خرچ کرے گا وہ صدقہ ہوگا تاہم مہمان کے لیے یہ بات جائز نہیں کہ وہ میزبان کے ہاں اتنی دیر رہے کہ اسے خرچ میں مبتلا کر دے۔

مذہب فقہاء: ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مہمان کا حق ہے کہ اس کا ادب و احترام اور اکرام کیا جائے، اس کے ساتھ خندہ

پیشانی اور حسن اخلاق سے گفتگو وغیرہ کی جائے اور اپنی حیثیت اور استطاعت کے بقدر ضرور اس کی خدمت کی جائے۔

(1) جمہور علماء کے نزدیک مہمان نوازی اور ضیافت کرنا سنت مؤکدہ اور مستحب عمل ہے۔

(2) امام لیث رحمہ اللہ کے نزدیک مطلقاً واجب ہے۔

(3) امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک صرف گاؤں والوں پر واجب ہے، اہل شہر پر نہیں کیونکہ گاؤں میں کھانے وغیرہ کا عام انتظام نہیں ہوتا جبکہ شہر میں ہوٹل وغیرہ ہوتے ہیں جن سے کھانے وغیرہ کا بندوبست آسانی سے ہو جاتا ہے۔

قائلین وجوب کے دلائل: (1) حدیث باب جس میں ہے: وما انفق عليه بعد ذلك فهو صدقة۔ جو تین دن کے بعد میزبان پر خرچ کرے گا تو وہ تبرع و احسان اور صدقہ ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اس سے پہلے تین دن کی ضیافت صدقہ نہیں، بلکہ واجب ہے۔

(2) ليلة الضيف حق واجب، مہمان نوازی کرنا ایک حق واجب ہے۔

(3) فخذوا منهم حق الضيف الذي ينبغي لهم۔ اس سے معلوم ہوا کہ مہمان نوازی کرنا واجب ہے جب ہی تو زبردستی کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔

جواب از جمہور: پہلی حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ بتانا مقصود ہے کہ تین دن مہمان کی خدمت اور مہمان نوازی کرنا ایک اخلاقی حق ہے اور تین دن کے بعد اگر خدمت کی جائے تو یہ محض تبرع، احسان اور صدقہ ہوگا۔

(مرقاۃ المفاتیح، کتاب الأطعمة، باب الضیافة۔ 8/69)

دوسری حدیث میں حق واجب سے صرف تاکید مقصود ہے عربی میں ”واجب“ کے معنی ثابت کے ہیں، اس سے اصطلاحی وجوب ثابت کرنا مراد نہیں ہے۔

تیسری حدیث کے مختلف جوابات ہیں:

① یہ حالت اضطرار پر محمول ہے۔

② یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا، اس وقت غریب لوگوں کا خیال رکھنا واجب تھا، پھر جب فتوحات کا سلسلہ وسیع ہو گیا، فقراء اور محتاج لوگوں کی حالت بہتر ہو گئی تو پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

③ یہ ان مخصوص اہل ذمہ لوگوں کے بارے میں کہا گیا جن سے معاہدہ ہوا تھا کہ اگر مسلمانوں کا لشکر وہاں سے گزرے گا تو وہ ضیافت کریں گے، معاہدہ عمل چونکہ واجب تھا اس لئے ان سے زبردستی حق ضیافت وصول کرنے کی اجازت دی گئی۔

④ جبراً حق ضیافت لینے کی اجازت اسلامی حکومت کے ان افراد کے لئے ہے جنہیں زکوٰۃ و صدقات وصول کرنے کے لئے ملک کے اطراف میں بھیجا جائے، ان کے پاس اپنا کھانے پینے کا کوئی بندوبست نہ ہو اور اس بستی والے ان کی ضیافت اور خدمت نہ

کریں۔ (فتح الباری، کتاب المظالم، باب قصاص المظلوم اذا وجد مال ظالمة۔ 5/136)

مہمان نوازی کی مدت:

مہمان نوازی کی مدت تین دن ہے، اس کے بعد جو کچھ دیا جائے وہ صدقہ ہے۔ علامہ خطابی اور دوسرے کئی محدثین نے اس کی

تشریح یوں کی ہے کہ کل مدت ضیافت تین دن ہے، ان میں پہلے دن تو خوب اکرام کیا جائے، کھانے وغیرہ میں ذرا تکلف کیا جائے، دوسرے اور تیسرے دن معمول کے مطابق خدمت کی جائے ان تین دنوں کے بعد جو کچھ دیا جائے وہ ”حق ضیافت“ نہیں بلکہ ”محض تبرع اور صدقہ ہے۔“ (عمدة القاری، کتاب الادب۔ 22/175)

ابن بطال رحمہ اللہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ضیافت کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے، پہلے دن تو اس کی خدمت میں ہدیہ اور تحفہ پیش کیا جائے، دوسرے دن معمول سے ہٹ کر کھانے میں تکلف کیا جائے اور تیسرے دن جو بھی موجود ہو، اسے حاضر کیا جائے، اس کے بعد میزبان کو اختیار ہے چاہے خدمت کرے یا نہیں، جس طرح صدقہ نافلہ میں اختیار ہوتا ہے۔

فائدہ: مدت ضیافت تین دن ہے۔ ابو عبید اور دوسرے بعض محدثین نے ”یوم الجائزہ“ کو الگ شمار کیا ہے، ان کے نزدیک مہمان نوازی کے تین دن اور ایک دن ”جائزہ“ ہے، اس طرح کل چار دن بن جاتے ہیں۔

(مرقاۃ المفاتیح کتاب الاطعمة، باب الضیافة ۸/۷۱)

اس کی تائید مسلم شریف کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے، اس میں: الضیافة ثلاثة أيام و جائزته يوم و ليلة۔ مہمان نوازی کی مدت تین دن ہے اور ایک دن ”جائزہ“ کا۔ (الصحيح المسلم، کتاب اللقطة الضیافة ونحوها)

حائزہ: ”جائزہ“ ضیافت کے بعد ہوتا ہے، اس کا حاصل یہ نکلے گا کہ مہمان جس دن وہ جانے لگے تو اس کی خدمت میں کچھ ہدیہ اور تحفہ بھی پیش کیا جائے اور اگلی منزل تک جانے کے لئے اسے زادِ راہ بھی دیا جائے، اس کو جِئزہ کہتے ہیں ایک دوسری حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ”جائزہ“ کے ایک اور معنی بیان کئے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ اگر مہمان ٹھہرے تو اس کی ضیافت تین دن ہے اور نہ ٹھہرے تو اس کے لئے ”جائزہ“ ہے، گویا ان کے نزدیک ”ضیافت“ کا تعلق تین دن رہنے والے مہمان سے ہے اور ”جائزہ“ کا تعلق اس مہمان سے ہے جو قیام کا ارادہ نہ رکھتا ہو بلکہ کچھ دیر کے لئے آیا ہو۔ (فتح الباری، کتاب الأدب، باب اکرام الضیف۔ ۱۰/۶۵۳)

ولا یحل له ان یشوی عنده حتی یحرجه: کسی مہمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ میزبان کے پاس اس قدر ٹھہرے کہ اسے حرج، تنگی اور تکلیف میں مبتلا کر دے۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے: حتی یؤثمه (یہاں تک کہ اسے گناہ میں مبتلا کر دے) امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس قدر نہ ٹھہرے کہ میزبان کو گناہ میں مبتلا کر دے، کیونکہ زیادہ رہنے کی وجہ سے ممکن میزبان اس کی غیبت شروع کر دے یا اسے کوئی تکلیف دے دے یا کوئی بدگمانی کرنے لگے تو اس طرح میزبان گناہ میں مبتلا ہو جائے گا۔

(شرح مسلم للنووی، کتاب اللقطة، باب الضیافة ونحوها ۲/۸)

لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب مہمان کے زیادہ رہنے کی وجہ سے میزبان تنگی میں مبتلا ہو، اگر مہمان کے رہنے سے میزبان کو کوئی حرج اور تکلیف نہیں ہو رہی تو ایسی صورت میں مہمان کے ٹھہرنے میں کوئی حرج نہیں۔

”فلیکرم ضیفه جائزته“ اس میں ”ضیفه“ مفعول بہ ہے، اور ”جائزہ“ بدل اشتمال ہے اور بعض نے کہا کہ یہ منصوب بنزع الخافض ہے، اصل عبارت یوں ہے: ”فلیکرم ضیفه بجائزته“ (تحفة الاحوزی۔ 6/88)

بَاب مَا جَاءَ فِي السَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْيَتِيمِ

باب ۴۴: بیوہ، مسکین اور یتیم کے لئے کوشش کرنے کی فضیلت کے بارے میں

(۱۸۹۲) السَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمُسْكِينِ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ كَالَّذِي يَصُومُ النَّهَارَ وَيَقُومُ اللَّيْلَ.

ترجمہ: صفوان بن سلیم رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے مرفوع روایت کے طور پر یہ بات نقل کی ہے آپ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے بیواؤں اور مسکینوں کا خیال رکھنے والا شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے شخص کی مانند ہے یا اس شخص کی مانند ہے جو دن کے وقت روزہ رکھتا ہو اور رات بھر نفل پڑھتا رہتا ہو۔

تشریح: ارملة: (ہمزہ پر زبر، راساکن اور میم پر زبر) اس کے معنی محتاج اور مسکین کے ہیں کہا جاتا ہے کہ امرأة رملة او مسکینة، علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ارملة وہ عورت کہلاتی ہے جس کا شوہر نہ ہو خواہ اس نے نکاح کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ عورت ہے جس کا شوہر انتقال کر گیا ہو جس کو ہمارے عرف میں بیوہ کہا جاتا ہے، ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ بیوہ عورت کو ارملة اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ شوہر کے فوت ہو جانے کے بعد اس کو فقر لاحق ہو جاتا ہے۔

الیتیم: اس سے مراد مسکین ہے خواہ یتیم ہو یا غیر یتیم جیسا کہ روایت میں صراحتاً لفظ مسکین واقع ہے۔ المسکین: وہ شخص جس کے پاس کچھ نہ ہو اور بعض نے کہا کہ تھوڑا بہت ہو اس کا اطلاق ضعیف پر بھی ہوتا ہے لہذا فقیر بھی اس میں داخل ہے۔

بیوہ اور یتیم کی پرورش اور کفالت کی فضیلت:

جو کسی بیوہ، کسی تنگدشت اور یتیم کی کفالت اور ان کا خرچہ برداشت کرتا ہے، ان کے لئے کمانے کی مشقت برداشت کرتا ہے، شب و روز اسی کوشش اور تنگ و دو میں رہتا ہے تاکہ کما کر ان بے کسوں کی خدمت کر سکے یہ اس مجاہد کی طرح ہے جو راہ خدا میں جہاد کرتا ہے، جس سے بیت المال میں مال غنیمت جمع ہوتا ہے اور اس سے تمام مستحق لوگوں کو فائدہ حاصل ہوتا ہے: ”او کالذی یصوم النهار“ یہ لفظ او کے ساتھ ہے اور یہی صحیح ہے چنانچہ عینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ راوی کو شک واقع ہوا ہے اور ابن ماجہ نے لفظ او کے ساتھ روایت نقل کی ہے روایت میں بیویوں اور مسکینوں کے لئے سعی کرنے کی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے۔ (فتح الباری، 10/654)

بَاب مَا جَاءَ فِي طَلَاغِهِ الْوَجْهَ وَحَسَنِ الْبَشْرِ

باب ۴۵: خندہ روئی اور شگفتگی کی فضیلت کے بارے میں ہے

(۱۸۹۳) كُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ وَإِنْ مِنَ الْمَعْرُوفِ أَنْ تَلْقَى أَخَاكَ بِوَجْهِ طَلِقٍ وَأَنْ تُفْرِغَ مِنْ دَلُوكَ فِي إِثَاءِ أَخِيكَ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہر بھلائی صدقہ ہے اور بھلائی میں یہ بات بھی شامل ہے کہ تم اپنے مسلمان بھائی سے خندہ پیشانی سے ملو اور یہ بات بھی شامل ہے کہ تم اپنے ڈول کے ذریعے اپنے بھائی کے برتن میں پانی

ذال دو۔

لغات : طلاقۃ الوجه : خندہ روئی، بشاشت، شگفتگی۔ البشر : (باء کے نیچے زیر اور شین کے سکون کے ساتھ) خندہ روئی، خوشی۔ معروف : امام راغب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معروف ہر وہ عمل جس کی اچھائی و عمدگی شریعت اور عقل دونوں سے معلوم ہو اور اس کا اطلاق ہر اس عمل پر ہوگا جس میں حد سے تجاوز نہ ہو۔ وجہ طلق : ہنس مکھ چہرہ۔ صدقۃ : ہر قسم کی بھلائی اور نیکی صدقہ ہے یعنی باعث اجر و ثواب ہے، اپنے مسلمان بھائی سے مسکرا کر ملنا اور ضرورت کے وقت ڈول سے بھائی کے ڈول میں پانی ڈالنا یہ بھی معروف اور نیکی ہے اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس قدر ہو سکے مخلوق خدا کو اپنے سے فائدہ پہنچانے کی کوشش کرنی چاہئے، یہ بہت بڑی نیکی ہے۔ (تحفۃ الاحوذی - 6/90) نیز اس لفظ کل معروف صدقۃ میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ صدقہ کے لئے کسی امر محسوس کا ہونا ضروری نہیں کہ صرف مالدار ہی اس کو اختیار کر سکیں بلکہ ہر شخص صدقہ پر قادر ہے، مالدار مال دے کر اور غریب مذکورہ نیکیاں کر کے صدقہ کرنے والا شمار ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصِّدْقِ وَالْكَذِبِ

باب ۴۶ : سچ اور جھوٹ کا ذکر ہے

(۱۸۹۴) عَلَیْكُمْ بِالصِّدْقِ فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللَّهِ صَدِيقًا وَإِيَّاكُمْ وَالْكَذِبُ فَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ وَمَا يَزَالُ الْعَبْدُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكَذِبَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللَّهِ كَذَّابًا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سچ کو لازم کر لو بے شک سچ نیکی کی طرف لے جاتا ہے بے شک نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے آدمی سچ بولنے کی کوشش کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سچا لکھ دیا جاتا ہے اور جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ جہنم کی طرف لے جاتا ہے آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے اور بولنے کی کوشش کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اسے جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔

(۱۸۹۵) إِذَا كَذَبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْهُ الْمَلَكُ مِثْلًا مِّنْ ثَلَاثِينَ مِائَةً.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں: جب آدمی جھوٹ بولتا ہے تو اس کی بوکی وجہ سے نامہ اعمال لکھنے والا فرشتہ اس سے ایک میل دور چلا جاتا ہے۔

(۱۸۹۶) مَا كَانَ خُلُقٌ أَبْغَضَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مِنَ الْكَذِبِ وَلَقَدْ كَانَ الرَّجُلُ يُحَدِّثُ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ بِالْكَذِبَةِ فَمَا يَزَالُ فِي نَفْسِهِ حَتَّى يَعْلَمَ أَنَّهُ قَدْ أَحْدَثَ مِنْهَا تَوْبَةً.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ خصلت جھوٹ بولنا تھی بعض اوقات

کوئی شخص نبی اکرم ﷺ کی موجودگی میں جھوٹ بول دیا کرتا تو آپ ﷺ کے دل میں (اس کے لیے ناپسندیدگی کی کیفیت) رہتی یہاں تک کہ آپ ﷺ کو پتہ چل جاتا کہ اس نے بعد میں توبہ کر لی ہے (تو اس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کی ناپسندیدگی ختم ہوتی)۔ تشریح: امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں آداب زندگی سے متعلق احادیث بیان کی ہیں، جن میں سچائی کی فضیلت اور جھوٹ کی مذمت کا ذکر ہے۔ روایت کا حاصل یہ ہے کہ صدق ایسی عمدہ خصلت ہے کہ جب آدمی سچ بولتا ہے اور اس کا عادی ہو جاتا ہے تو وہ بہت سی نیکیاں کرنے والا ہوتا ہے جن کی وجہ سے وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے اور اس اہتمام صدق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کو صدیق لکھا جاتا ہے۔ حتیٰ یکتب صدیقاً... کذابا۔ اس کتاب سے مراد یہ ہے کہ اس کے لئے صدیق یا کذاب ہونے کا قطعی فیصلہ کر دیا جاتا ہے، جس کا اظہار فرشتوں کے سامنے بھی کر دیا جاتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں بھی یہ بات ڈال دی جاتی ہے کہ یہ صدیق ہے یا کذاب جیسا کہ لوگوں کے دلوں میں کسی کے لئے ہر لعزیزی یا نفرت ڈالی جاتی ہے۔ کہا قال تعالیٰ: ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ اللَّهُ رِزْقًا وَسَدَقَاتٍ﴾ (مریم: ۹۶)

(۲) سے صادق کے حسن خاتمہ اور مامون العاقبہ ہونے کی طرف بھی اشارہ ہے۔ اس کے بالمقابل جھوٹ ایسی بری خصلت ہے جس کی وجہ سے جھوٹا آدمی بالآخر جہنمی ہو جاتا ہے: ﴿وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَكِنِّي جَحِيمٌ ۝ يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ ۝﴾ (الانفطار) اس کتاب سے تقدیر لکھنا مراد نہیں، کیونکہ وہ تو پہلے لکھی جا چکی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کی مزید تفصیل یوں آئی ہے: آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے تو اس کے دل میں سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے، یہاں تک کہ اس کا دل پورا سیاہ ہو جاتا ہے، اور اللہ کے ہاں وہ جھوٹ بولنے والوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان احادیث میں سچائی کی تعریف اور جھوٹ کی مذمت ذکر کر کے اس بات کی ترغیب دی جا رہی ہے کہ ہر موقع پر سچ بولنے کا اہتمام اور غلط بیانی اور جھوٹ سے گریز کیا جائے۔ (فتح الباری- 10/623) آج مسلم معاشرے میں دیگر برائیوں کی طرح یہ گناہ بھی ”عام وباء“ کی طرح پھیل چکا ہے، چھوٹا بڑا، نیک و بد، عالم و جاہل سب میں کسی نہ کسی طرح یہ گناہ ضرور پایا جاتا ہے الا ماشاء اللہ کچھ لوگ ضرور ایسے ہوں گے جو سچ بولنے کا اہتمام کرتے ہوں گے لیکن مسلمانوں کی کثیر تعداد بہر حال جھوٹ کے گناہ میں ملوث ہے۔ قول و فعل میں سچائی کے زیور سے آراستہ رہنا ایمان کے کامل ہونے کی علامات میں سے ہے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہدایت عطا فرمائے۔

فضیلت صدق اور قباحۃ کذب:

احادیث: اربع اذا كن فيك فلا يضرك ما فاتك من الدنيا صدق الحديث وحفظه الامانة وحسن الخلق وعفة رواة الخرائطی عن ابن عمر رضی اللہ عنہما۔

”چار چیزیں جب تیرے اندر ہوں تجھے دنیا میں جو تجھ سے فوت ہو گیا تو تجھے نقصان نہیں پہنچ سکتا سچی بات کرنا، امانت کی حفاظت کرنا، اچھے اخلاق اور پاکدامنی۔“

اسی طرح معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے مرفوعاً..... اوصيك بتقوى الله وصدق الحديث واداء الامانة والوفاء بالعهد وبزل الطعام وخفض الجناح۔ (ابونعیم)

”میں تجھے اللہ کے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں اور سچی بات کی اور امانت ادا کرنے کی وعدہ پورا کرنے کی کھانا کھانا اور اچھے

ہاتھوں کو جھکائے رکھنا۔“

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

ان لعبد لی کذب الکذبة فیتباعه المملک عنه مسيرة میل من نتن ما جاء به. (رواہ الترمذی)
”جو بندہ جھوٹ بولتا ہے فرشتے اس سے اتنے دُور بھاگ جاتے ہیں جتنی دُور سے اُس کی بدبو آتی ہے۔“

ایک روایت میں ہے:

تقبلوا الی سبِّ اتقبل لکم بالجنة فقالوا وما هن قال اذا حدث احدکم فلا یکذب، واذا وعد فلا یخلف، واذا اتمن فلا یخن، وغضوا ابصارهم، واحفظوا فروجکم، وکفوا ایدیکم۔
”تم چھ چیزوں کو قبول کر لو میں تمہارے لئے چھ چیزوں کو قبول کرتا ہوں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا وہ کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی بات کرے تو جھوٹ نہ بولے جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی نہ کرے۔ اور جب امانت رکھوائی جائے تو خیانت نہ کرے، اور اپنی آنکھوں کو جھکاؤ اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو، اور اپنے ہاتھوں کو روک کر رکھو۔“ (رواہ الحاکم عن انس رضی اللہ عنہ)

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

ان للشیطان کحلا ولعوقا وتشوقا اما لعوقه (چٹنی) فالکذب واما تشوقه (خوشبو) الغضب واما کحله (سرمہ) فالنوم۔

ان کے علاوہ دیگر روایات اور ہیں جو صدق کی تعریف اور کذب کی مذمت میں وارد ہوئی ہیں۔

امام غزالی رحمہ اللہ اور صدق و کذب: فرماتے ہیں کہ صدق کا لفظ چھ معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ (۱) صدق فی القول: بات چیت میں سچائی۔ (۲) صدق فی النیة والا ارادة: نیت میں صداقت۔ (۳) صدق فی العزم: ارادے اور عزم میں سچائی۔ (۴) صدق فی الوفاء بالعزم: اس عزم کو پورا کرنے میں سچائی۔ (۵) صدق فی العمل: عمل میں سچائی۔ (۶) صدق فی تحقیق مقامات الدین کلھا: دین کے تمام مقامات اور امور میں سچائی۔ جس شخص میں صدق کے یہ تمام درجات پائے جائیں وہ ”صدیق“ کہلاتا ہے، پھر جس میں جتنا صدق ہوگا، اسی اعتبار سے اسے صادق اور سچا کہا جائے گا۔

فائدہ: جھوٹ کے بارے میں تفصیل: جھوٹ بہت بڑا گناہ ہے البتہ جھوٹ کے بارے میں اہل علم نے قدرے تفصیل بیان فرمائی ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں چونکہ کلام مقاصد کے وسیلہ کی حیثیت رکھتا ہے اگر کسی ایسے مقصد تک پہنچنا سچ اور جھوٹ دونوں ذریعوں سے ممکن ہو تو جھوٹ بولنا حرام ہے اور اگر جھوٹ کے ذریعہ ہی اس مقصد کو حاصل کیا جاسکتا ہے اگر وہ مقصد مباح ہے تو جھوٹ بھی مباح ہے اور اگر واجب ہے تو جھوٹ بولنا واجب ہے اسی طرح دو شخص کے درمیان صلح کرانے نیز کسی مظلوم کے دل سے خوف و ہراس دور کرنے کے لئے جھوٹ بولنا مباح ہے مگر حتی الامکان پرہیز کرنا چاہئے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْفُحْشِ

باب ۷۴: فحش بات یا فعل (کی مذمت) کا ذکر ہے

(۱۸۹۷) مَا كَانَ الْفُحْشُ فِي شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ وَمَا كَانَ الْحَيَاءُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا بے حیائی جس چیز میں بھی آ جاتی ہے اسے عیب دار کر دیتی ہے اور حیا جس چیز میں آ جاتی ہے اسے آراستہ کر دیتی ہے۔

(۱۸۹۸) خِيَارُكُمْ أَحَاسِنُكُمْ أَخْلَاقًا وَلَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ ﷺ فَاحِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔

تشریح: فحش: بدکاری، بے حیائی کی بات۔ شانہ: یہ لفظ ”شین“ سے ہے: عیب دار بنانا۔ زانہ: اس کو مزین کر دیتا ہے۔ فاحشا: بے حیائی کی بات کرنے والا، غیر سنجیدہ بات بہتر۔ أحاسن: احسن کی جمع ہے۔

روایت کا حاصل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا سب سے بہتر تم میں وہ شخص ہے جس کو اخلاق حسنہ حاصل ہوں، اخلاق حسنہ اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ حضور ﷺ کے متعلق بیان کیا گیا کہ نہ آپ ﷺ فاحش تھے اور نہ متفحش یعنی فحش کلام، نہ آپ ﷺ کی زبان پر بلا تکلف جاری ہوتا اور نہ بتکلف ارادے سے ظاہر ہوتا تھا یعنی نہ فاحش جبلی تھے اور نہ فاحش کسی۔ آپ نے طبعاً و مزاجاً بھی کبھی بے حیائی کی بات نہیں کی،

فحش گوئی ایک عیب: کہ فحش گوئی اور گندی بات اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے، انسان کی حیثیت اس سے گر جاتی ہے، شرم و حیا ایک زینت ہے، خوشبو ہے، جس سے دوسرے لوگ مستفید ہوتے ہیں، نبی کریم ﷺ سب سے عمدہ اخلاق کے حامل تھے۔ هذا حدیث حسن صحیح اخرجه الشيخان۔

یہی طریقہ ہر مسلمان کو اپنانا چاہئے، اپنی زبان کو ان چیزوں سے پاک صاف رکھا جائے اور اخلاق حسنہ کا دامن مضبوطی سے تھامنا چاہئے تاکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں انسان محترم و معزز ہو جائے اور وہ فضیلت حاصل کر لے جو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو عطا فرماتے ہیں۔ (تحفۃ الاحوذی، باب ہذا 6/93)

حسن اخلاق کے فضائل:

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے بارے میں فرمایا ﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ۝﴾ (القلم: ۴) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

انما بعث لاتمم مکارم الاخلاق.

ارشاد نبوی ہے: اثقل ما يوضع في الميزان يوم القيامة تقوى الله وحسن الخلق.

”قیامت میں سب سے زیادہ وزنی میزان پر اللہ کا خوف اور اچھے اخلاق ہیں۔“

ایک صحابی کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ”خالق الناس بخلق حسن“ ارشاد نبوی ہے:
ان المسلم المسدد ليدرك درجة الصائم القائم بحسن خلقه وكرم مزيتته.
”مسلمان دن کو روزہ رکھنے والے اور رات کو قیام کرنے والے کے درجے کو اپنے اچھے اخلاق اور شرافت کی وجہ سے پہنچ سکتا ہے۔“

اور ایک روایت میں درجۃ الظمان فی الھواجر کے الفاظ بھی وارد ہیں اسی طرح فرمایا:
العبد ليبلغ بحسن خلقه عظيم درجات الآخرة وشرف المنازل وانه لضعيف في العبادۃ.
”بندہ اپنے بہترین اخلاق کی وجہ سے آخرت کے درجات اور بلند مرتبوں تک پہنچ سکتا ہے اور وہ عبادت میں کمزور ہے۔“
ان تمام آیات و روایات سے بخوبی واضح ہے کہ حسن اخلاق کی بہت بڑی فضیلت ہے اس کے بالمقابل بد خلقی کے متعلق فرمایا:
ان العبد ليبلغ سوء خلقه اسفل درك جهنم. ”ایسے شخص کو جہنم کے نیچے طبقہ میں داخل کیا جائے گا۔“
اخلاق حسنہ کی حقیقت، چار ارکان کی موزونیت:

جس طرح حسن خلق بفتح الخاء یعنی ظاہری صورت کے حسن کے لئے تمام اعضاء آنکھ، ناک، ہونت اور رخسار وغیرہ کی موزونیت ضروری ہے اسی طرح حسن خلق بالضم کے لئے بھی چار ارکان کی موزونیت ضروری ہے (۱) قوت علم اتنا علم ہو کہ اقوال میں صدق و کذب اور اعتقادات میں حق و باطل اور افعال کے حسن و قبح ہونے میں فرق کر سکے جب قوت علم اس درجہ تک پہنچ جائے گی تو اس کا ثمرہ حکمت کی صورت میں دیا جائے گا۔ قال تعالیٰ: ﴿وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا﴾ (البقرہ: ۲۶۹) (۲) قوت غضب (۳) قوت شہوت یہ دونوں قوتیں اس درجہ کی ہوں کہ انسان ان دونوں کے ذریعہ عقل و شریعت کے اشاروں پر چلے۔ (۴) قوت عدل یہ بھی ہے اس درجہ کی ہو کہ شہوت و غضب کی قوتوں کو معتدل بنادے۔

جس انسان کے اندر یہ چاروں باتیں پائی جائیں گی اس کو حکمت، شجاعت، عفت اور عدل جیسی بے بہا صفات کمال حاصل ہوں گی اور ایسا شخص اخلاق حسنہ سے مزین و آراستہ ہوگا۔

حکمت، شجاعت، عفت اور عدل: (۱) حکمت یعنی قوت عقلی کے اعتدال سے حسن تدبیر، جودت ذہن، اصابت رائے، نفس کے مخفی آفات اور اعمال کی باریکیوں پر انتباہ حاصل ہوگا۔ (۲) شجاعت کے اعتدال سے کرم دلیری، شہادت، کسر نفسی، حلم، استقامت، کظم غیظ، وقار اور سنجیدگی پیدا ہوگی۔ (۳) عفت کے اعتدال سے سخاوت، حیا، صبر، جسم پوشی، قناعت، تقویٰ، لطافت، بلند حوصلگی، وسعت ظہن اور قلت طمع جیسے فضائل و اخلاق حاصل ہوں گے۔ (۴) قوت عدل سے ان سب قوتوں میں اعتدال قائم ہوگا اور نہ کمی و زیادتی کی صورت میں ان فضائل حمیدہ کے بجائے اخلاق ذمیہ پیدا ہوں گے

حسن خلق کے کیا ہے: (۱) حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خوش خلقی یہ ہے کہ آدمی خندہ رو رہے، مال خرچ کرے اور لوگوں کی اذیت پر صبر کرے۔ (۲) امام واسطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خوش خلقی یہ ہے کہ نہ وہ کسی سے جھگڑے اور نہ لوگ اس سے جھگڑیں (۳) کہ تنگی اور کشادگی میں لوگوں کو راضی رکھنے کا نام خوش خلقی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خوش خلقی تین چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ (۱) محرمات سے اجتناب۔ (۲) حلال کی طلب۔ (۳) اور اہل و عیال پر توسع۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي اللَّعْنَةِ

باب ۳۸: لعنت (کرنے کی مذمت) کا ذکر ہے

(۱۸۹۹) لَا تَلْعَنُوا لِعَنَةِ اللَّهِ وَلَا يَغْضِبِهِ وَلَا بِالنَّارِ.

ترجمہ: حضرت سرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا آپس میں ایک دوسرے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اس کے غضب یا جہنم (کی بددعا) نہ دو۔

(۱۹۰۰) لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَانِ وَلَا اللَّعَانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِي.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ (بن مسعود رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا مومن شخص طعن نہیں دیتا لعنت نہیں بھیجتا فحش گفتگو نہیں کرتا بدزبانی کا مظاہرہ نہیں کرتا۔

(۱۹۰۱) أَنَّ رَجُلًا لَعَنَ الرِّيحَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ لَا تَلْعَنِ الرِّيحَ فَإِنَّهَا مَأْمُورَةٌ وَأَنَّ مَنْ لَعَنَ شَيْئًا لَيْسَ لَهُ بِأَهْلٍ رَجَعَتِ اللَّعْنَةُ عَلَيْهِ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ کی موجودگی میں ہوا پر لعنت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا تم ہوا پر لعنت نہ کرو کیونکہ وہ حکم کی پابند ہے جو شخص کسی ایسی چیز پر لعنت بھیجتا ہے جو چیز اس کی لعنت کی مستحق نہ ہو تو وہ لعنت اس بھیجے والے کی طرف واپس آ جاتی ہے۔

تشریح: لعنة الله: اللہ تعالیٰ کا کسی کو اس کی بد عملی کی وجہ سے خیر سے دور اور محروم کرنا۔ لا تلعنوا: تم ایک دوسرے پر لعنت نہ کرو۔ الطعان: یہ مبالغہ کا صیغہ ہے: بہت زیادہ عیب لگانے والا، طعز کا عادی۔ اللعان: بہت زیادہ لعنت کرنے والا۔ البذی: بدکلام، بد اخلاق، بیہودہ بولنے والا۔

لعن طعن سے اجتناب کا حکم:

ان احادیث میں اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ ایک شخص دوسرے کے خلاف بددعا کر کے یوں کہے کہ تجھ پہ اللہ کی لعنت ہو، تجھ پر اللہ کا غضب ہو، ہاں عمومی انداز سے کسی پر لعنت کی جائے تو یہ جائز ہے مثلاً یہ کہا جائے کہ کافروں پر، مشرکوں پر، بدعتیوں پر، رشوت خوروں پر۔

لعنت کے اسباب و درجات:

لعنت کے تین اسباب ہیں: کفر، بدعت، فسق اگر ان تین صفات میں سے کوئی ایک صفت کسی شخص میں ہو تو اس پر لعنت کرنا درست ہے ان تینوں اسباب میں سے ہر ایک کے تین درجے ہیں ایک یہ کہ عام وصف کے حوالے سے لعنت کی جائے مثلاً یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو کافروں پر، بدعتیوں پر، فساق پر، دوسرا درجہ یہ ہے کہ کسی وصف میں تخصیص کر کے لعنت بھیجے مثلاً یہ کہے کہ اللہ

کی لعنت ہو یہود و نصاریٰ پر، قدریہ پر مجوس پر، روافض پر، اللہ کی لعنت ہو زنا کرنے والے پر ظلم کرنے والوں پر سود کھانے والوں پر یہ دونوں درجے جائز ہیں۔

تیسرا درجہ کسی متعین و مخصوص شخص پر لعنت کی جائے اس پر میں تفصیل یہ ہے کہ جن لوگوں پر شرع میں لعنت ثابت ہے ان کا نام لے لعنت کرنے میں مضائقہ نہیں ہے مثلاً فرعون، ابوجہل وغیرہ پر، مگر کسی زندہ شخص کا نام لے کر اس کو ملعون کہنا درست نہیں ہے خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو ممکن ہے کہ وہ مرنے سے پہلے تائب ہو جائے اور اسلام قبول کر لے جب کافر کے بارے میں اتنی احتیاط ہے تو فاسق کے متعلق بدرجہ اولیٰ احتیاط ہوگی

خلاصہ یہ ہے کہ اگر کفر پر مرنا یقینی طور پر معلوم ہو جائے تو اس پر لعنت کرنا جائز ہے بشرطیکہ کسی مسلمان کو ایذا نہ پہنچتی ہو اگر ایذا ہو تو پھر جائز نہیں ہے نیز کسی متعین فاسق پر لعنت کرنا بھی درست نہیں ہے اس لئے کہ نہ معلوم وہ کس وقت توبہ کر لے ایسے موقع پر عام صیغہ استعمال کرنا چاہئے یا شیطان پر لعنت بھیجی جائے اس لئے کہ وہ گناہوں پر اکسانے والا ہے۔ بہر حال مسلمان کو کسی مسلمان کے لئے لعنت کا لفظ استعمال کرنا جائز نہیں ہے اسی طرح غضب کا استعمال بھی درست نہیں ہے۔ نیز کسی کے لئے یہ بددعا کرنا کہ اللہ تعالیٰ اس کو جہنم میں داخل کر دے یہ بھی درست نہیں ہے۔

ایسے ہی مردہ کافر جن پر شریعت میں لعنت کا ذکر آیا ہے مثلاً ابوجہل اور فرعون وغیرہ، الحاصل یہ لفظ اس شخص کے لئے استعمال کرنا درست ہوگا جس خدا سے دور کرنے والی صفت موجود ہو جیسے کفر و ظلم، چنانچہ ”لعنة الله على الظالم اور لعنة الله على الكفار“ کہنا درست ہے اور کسی مسلمان کو اس طرح کہنا درست نہیں ہے۔

لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالظَّالِمِ: میں کمال ایمان کا ذکر ہے کہ جس مسلمان کا ایمان کامل ہوگا وہ دوسروں کی عیب جوئی بھی نہیں کرے گا، نہ لعن طعن کرے گا، نہ بے حیائی اور بیہودہ گفتگو کرے، لہذا اگر کسی میں یہ خرابیاں پائی جاتی ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کا ایمان ناقص ہے، کامل نہیں ہے، اسے ان گناہوں سے تہہ دل سے توبہ کرنی چاہئے، تاکہ کمال ایمان کی فضیلت اسے حاصل ہو جائے۔ ”ولا الفاحش ولا البذی“ بعض نے کہا کہ ان دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے، یہ عطف تفسیری ہے جبکہ بعض نے یہ کہا کہ ”فاحش“ سے فحش فی العمل اور ”البذی“ سے فحش فی القول مراد ہے۔

لفظ ”لعان“: مبالغہ کا صیغہ ذکر کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ تھوڑی بہت لعن طعن سے کوئی مومن نہیں بچ سکتا، چنانچہ ابن ملک فرماتے ہیں کہ یہ مذمت اور لعنت کرنے کی برائی اس شخص کے لیے نہیں ہے جس سے ایک یا دو مرتبہ لعنت کا صدور ہو جائے، بلکہ اس کے بارے میں ہے جو کثرت سے لعن طعن کرتا ہو۔

لَا تَلْعَنُ الرَّجُلَ فَاتَّهَمَهَا مَا مَوْرَةً.

”ہوا کو لعنت نہ کرو بیشک وہ تو مامور ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی تابعدار ہے)“

سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح انسانوں اور حیوانات پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح جمادات پتھر، ہوا پر بھی لعنت کرنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ یہ چیزیں لعنت کے قابل نہیں ہیں، انہیں اگر لعنت کی جائے تو وہ اسی کی طرف لوٹ کر آتی ہے اس لئے مستحق کے علاوہ کسی پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے۔ (تحفۃ الاحوذی، ابواب البر والصلة، باب ہذا، 6/95)

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَغْلِيمِ النَّسَبِ

باب ۴۹: نسب سیکھنے اور جاننے (کی فضیلت) کے بارے میں ہے

(۱۹۰۲) تَعَلَّمُوا مِنْ أُنْسَابِكُمْ مَا تَصِلُونَ بِهِ أَرْحَامَكُمْ فَإِنَّ صَلََةَ الرَّحِمِ مَحَبَّةٌ فِي الْأَهْلِ مَثْرَاةٌ فِي الْمَالِ مَنَسَاةٌ فِي الْأَثَرِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں تم نسب کا اتنا علم حاصل کرو جس کے ذریعے تم اپنے رشتے داروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آ سکو کیونکہ اس صلہ رحمی کی وجہ سے آدمی اہل خانہ سے محبت کرتا ہے اور (اس کی وجہ سے انسان کے) مال میں اضافہ ہوتا ہے اور اس کی زندگی لمبی ہوتی ہے۔

لغات: مَثْرَاةٌ: مال میں کثرت اور اضافہ کا ذریعہ۔ مَنَسَاةٌ: تاخیر کا سبب۔ الأثر: موت، نشانات قدم۔ منساة فی الاثر سے عمر میں اضافہ اور برکت مراد ہے۔

تشریح: نسب سیکھنے اور یاد رکھنے کا حکم: کہ ہر انسان کو اپنا نسب ضرور یاد رکھنا چاہئے تاکہ وہ رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی اور حسن سلوک کر سکے، نسب سے اسے معلوم ہوگا کہ یہ میرا چچا ہے یہ ماموں ہے، یہ والد کے رشتہ دار ہیں، یا والدہ کا خاندانی سلسلہ جب اسے علم ہوگا کہ یہ میرے رشتہ دار ہیں تو ان کے ساتھ صلہ رحمی، پیار و محبت اور حسن سلوک کرے گا، ہر ممکن طریقے سے ان کا تعاون کرے گا، ان کی خوشی میں شریک ہوگا اور غم کے موقع پر انہیں تسلی دے گا۔ آپ ﷺ نے اس حدیث میں صلہ رحمی کی تین فضیلتیں ذکر فرمائی ہیں:

- ① صلہ رحمی رشتہ داروں میں پیار و محبت کا باعث ہوتی ہے۔
- ② اس سے مال و دولت میں اضافہ اور فراوانی ہوتی ہے۔
- ③ عمر دراز ہوتی ہے۔

تعارض: اس حدیث میں اور قرآن مجید کی آیت میں بظاہر تعارض ہے، قرآن مجید میں ہے:

﴿فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْذِنُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِرُونَ ۝﴾ (الاعراف: ۳۴)

ترجمہ: ”جب ان کی میعاد یعنی عمر ختم ہوگی اس وقت وہ نہ ایک گھڑی پیچھے ہٹیں گے اور نہ آگے بڑھیں گے۔“

جبکہ حدیث باب میں ہے کہ صلہ رحمی کرنے میں عمر اور رزق دونوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی ایک اور حدیث میں ہے:

((جف القلم بما هو كائن)) ”تقدیر کا قلم سب کچھ لکھ کر خشک یعنی فارغ ہو چکا ہے۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان کی تقدیر عمر، رزق، سب کچھ لکھی جا چکی ہے، حدیث اور آیت میں تعارض سا ہے۔

جواب ①: تقدیر کی دو قسمیں ہیں: تقدیر مبرم، تقدیر معلق۔

تقدیر مبرم: اس سے اللہ تعالیٰ کا وہ علم اذلی مراد ہے جو ہر چیز کا اللہ کو حاصل ہے، اس میں رد و بدل، زیادت و نقصان اور کمی

بیشی نہیں ہو سکتی۔

تقدیر معلق: اس سے وہ تحریر و کتاب مراد ہے جو کسی کے بارے میں لوح محفوظ میں معلق انداز سے لکھی جاتی ہے یا کسی فرشتے کو کسی امر پر مقرر کیا جاتا ہے کہ اس نے اگر فلاں کام کیا تو یہ ہوگا، نہ کیا تو یہ ہوگا، اس میں تقدیر کا حکم قطعی اور حرف آخر نہیں ہوتا بلکہ اس میں دعایا کسی اور سبب سے تغیر و تبدل ہو سکتا ہے۔

جواب کا حاصل کہ آیت کریمہ ﴿إِذَا جَاءَ...﴾ اور حدیث جف القلم میں ”تقدیر مبدوم“ کا ذکر ہے، اور حدیث باب میں تقدیر معلق کا، لہذا دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔ (فتح الباری، 10/509)

دوسرا جواب: یہ دیا گیا کہ اس کی عمر میں اضافہ سے مراد برکت ہے مدت عمر میں اضافہ نہیں، بلکہ اسی عمر میں نیکیوں، طاعات اور آثار صالحہ میں اضافہ مراد ہے، اس کی نیک اولاد ہوگی جو اس کے لئے دعائیں کرے گی، ایسے ہی رزق میں اضافہ سے مراد عدد اور تعداد میں اضافہ مراد نہیں بلکہ اس مال میں برکت مراد ہے کہ برے بڑے کام تھوڑے سے پیسے میں اس طرح حل ہو جاتے ہیں کہ آدمی حیران رہ جاتا ہے، چھوٹی عمر کے باوجود اتنے بڑے کام کر لیتا ہے جتنے کہ لمبی عمر والے کرتے ہیں۔ (فتح الباری: ۱۰/۵۰۹، ۵۱۰)

بَابُ مَا جَاءَ فِي دَعْوَةِ الْآخِ لِأَخِيهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ

باب ۵۰: ایک بھائی کا اپنے بھائی کے لئے پس پشت دعا کرنے کا ذکر ہے

(۱۹۰۳) مَا دَعْوَةُ أَسْرَعَ اجَابَةً مِّنْ دَعْوَةِ غَائِبٍ لِغَائِبٍ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں سب سے زیادہ بہتر تیزی کے ساتھ وہ دعا قبول ہوتی ہے جو آدمی کسی کی غیر موجودگی میں کرتا ہے۔

تشریح: یہ ہے کہ جو شخص کسی غائب یا غیر حاضر شخص کے لئے دعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو بہت جلد قبول فرماتا ہے چونکہ حاضر شخص کے لئے دعا کرنے میں ریا و سمعہ کا احتمال ہے مگر غائب کے لئے دعا کرنا خلوص اور صدق نیت پر مبنی ہوگا اور وہ دعا ریا و دکھلاوے سے دور ہوگی، اس لئے اللہ تعالیٰ اس دعا کو جلد قبول فرماتا ہے ایک روایت میں ہے:

إِذَا دَعَا الرَّجُلُ لِأَخِيهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ قَالَ الْمَلِكُ لَا مِثْلَ ذَلِكَ. (مسلم)

”جب کوئی شخص اپنے بھائی کے لئے پیٹھ پیچھے سے دعا کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے اس کی مثال کوئی نہیں۔“

دوسری روایت میں ہے:

”دَعْوَةُ الْآخِ لِأَخِيهِ فِي الْغَيْبِ لَا تَرُدُّ“ (دارقطنی)

”اپنے بھائی کے لیے پیٹھ پیچھے دعا رد نہیں ہوتی (یعنی ضرور قبول ہوتی ہے)۔“

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے دوستوں کے لئے مسجد میں دعا کرتا ہوں معلوم ہوا کہ اپنے احباب غائبین کے لئے دعا کرتے رہنا چاہئے۔ ہذا حدیث غریب اخرجه احمد والافریقین یضعف فی الحدیث... الخ

بَابُ مَا جَاءَ فِي الشَّتْمِ

باب ۵۱: گالی گلوچ اور بُرا بھلا کہنے کی مذمت کے بارے میں ہے

(۱۹۰۴) الْمُسْتَبَانِ مَا قَالَ فَعَلَى الْبَادِي مِنْهُمَا مَا لَمْ يَعْتَدِ الْمَظْلُومُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا گالی گلوچ کرنے والے دو آدمی جو کچھ کہتے ہیں اس سب کا گناہ پہل کرنے والے پر ہوتا ہے جب تک مظلوم حد سے تجاوز نہ کرے۔

(۱۹۰۵) لَا تَسْبُوا الْأَمْوَاتَ فَتَوُدُّوا الْأَحْيَاءَ.

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اپنے مردوں کو برا نہ کہو کیونکہ تم (اسی طرح) اپنے زندوں کو اذیت دو گے۔

(۱۹۰۶) سَبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس کے ساتھ جنگ کرنا کفر ہے (یا اس کو قتل کرنا کفر ہے)۔

لغات: الشتم: بُرا بھلا کہنا، المستبان: آپس میں ایک دوسرے کو گالیاں دینے والے دو شخص ہیں۔ مالم يعتد: جب تک مظلوم حد سے تجاوز نہ کرے۔ لا تسبوا: تم بُرا بھلا مت کہو۔

تشریح: گالی دینے کا گناہ پہل کرنے والے پر ہے:

اگر دو شخص ایک دوسرے کو گالیاں دیں تو اس کا گناہ ان میں سے اس شخص پر ہوگا جس نے گالی دینے کی ابتداء کی، اسے اپنی گالی کا گناہ تو ہوگا ہی، دوسرے شخص کی گالی کا گناہ بھی اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا کیونکہ اس نے گالی دینے کی ابتداء کر کے گویا دوسرے شخص پر ظلم کیا ہے، یہ ظالم ہے اور دوسرا مظلوم، لیکن یہ اس صورت میں ہے مظلوم آدمی جواب میں زیادتی نہ کرے، اگر مظلوم حد سے تجاوز کر گیا کہ اس کی گالیاں ظالم کی گالیوں سے بھی بڑھ گئیں، یا ابتداء کرنے والے نے جو ایذا پہنچائی تھی اس کے جواب میں دوسرے شخص نے اس سے بھی زیادہ تکلیف پہنچادی تو ایسی صورت میں ابتداء کرنے والے کی بجائے دوسرے پر زیادہ گناہ ہوگا۔

لا تسبوا الاموات: علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں الف لام عہدی ہے اور اس سے مراد اموات المسلمین ہیں ابن عمر کی روایت جس کی تخریج امام ترمذی رحمہ اللہ نے کی ہے اس میں وارد ہے اذ کروا محاسن موتا کم و کفوا عن مساویہم معلوم ہوا کہ اس سے مراد مسلمین ہیں لہذا اموات کفار کو برا کہنا جائز ہے بشرطیکہ اس کافر کے کسی عزیز مسلمان کو ایذا نہ جیسا کہ روایات میں وارد ہے کہ آپ ﷺ نے ان کفار و مشرکین کو بھلا برا بھلا کہنے سے منع فرمایا جو بدر کی جنگ میں مارے گئے تھے فرمایا لا تسبوا

هكذا فإنه لا يخلص اليهم شيء مما تقولون وتؤذون الاحياء ان البذاء يوم۔ (ابن ابی الدیناسی عن ابن عباس)

بہر حال اموات مسلمین کے خاص طور پر محاسن ذکر کئے جائیں اور ان کی برائیوں سے اجتناب کیا جائے علامہ ابن بطال رحمہ اللہ

فرماتے ہیں کہ وہ کفار جن کی موت کفر پر یقینی ہوئی ہے اور دنیا میں رہتے ہوئے انہوں نے شر و فساد پھیلایا ہو تو ان کو برا بھلا کہنا جائز ہے اور فرمایا کہ اموات مسلمین کو برا کہنا غیبت میں داخل ہے جس کی تلافی بھی ناممکن ہے اس لئے اس سے اجتناب لازم و ضروری ہے۔

وقد اختلف سفیان فی هذا الحدیثین: مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی روایت جو بطریق سفیان ثوری رضی اللہ عنہ منقول ہے اس کو بعض حضرات نے سفیان عن زیادہ بن علاقہ قال سمعت المغیرة بن شعبه کہہ کر نقل کیا ہے جیسا کہ ابو داؤد حنفی رضی اللہ عنہ کی یہ روایت الباب ہے نیز ابو نعیم اور وکیع بن الجراح رضی اللہ عنہ نے بھی زیادہ بن علاقہ اور مغیرہ رضی اللہ عنہ کے درمیان کوئی واسطہ ذکر نہیں کیا ہے۔ (اخرجہ عنہما احمد بن حنبل فی سندہ بکذا) مگر جب دوسری روایت مثلاً عبد الرحمن بن مہدی نے اس روایت کو بطریق سفیان نقل کیا تو زیادہ بن علاقہ اور مغیرہ کے درمیان رجل کا ذکر کیا ہے فرمایا: عن سفیان عن زیادہ بن علاقہ قال سمعت رجلاً يحدث المغيرة بن شعبه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم... الخ ممکن ہے یہ کہا جائے کہ زیادہ بن علاقہ نے اولاً کسی واسطہ سے اس روایت کو سنا ہو اور پھر براہ راست مغیرہ سے سماعت کی ہو اور دونوں طرح روایت کو نقل کرتے ہوں فلاں اشکال کفر ہے میں نے ابو داؤد سے کہا کہ کیا تم نے اس کو عبد اللہ سے سنا ہے انہوں نے کہا ہاں۔

سب و شتم فسق ہے:

سبب: بکسر السین وتخفيف الباء برا بھلا کہنا یعنی کسی کو ایسی بری باتیں کہنا خواہ اس میں وہ ہوں یا نہ ہوں مقصود اس کو عیب لگانا ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ بہ نسبت سب کے سبب میں مبالغہ ہے جیسے قتل اور قتال میں۔ فسوق لغت میں اس کے معنی خروج اور نکلنے کے آتے ہیں اور شرع میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے نکل جانا اور عرف شرع میں فسوق عصیان سے بڑھ کر ہے۔ قال تعالیٰ: ﴿وَكُذَّوَةٌ لِّكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ﴾ (الحجرات: ۷) مسلمان کو گالی دینا برا بھلا کہنا اس کی تحقیر کو مستلزم ہے حالانکہ حدیث میں مسلمان کی تعظیم کا حکم ہے لہذا اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی ہوئی اس لئے اس کو فسوق فرمایا گیا ہے۔ کسی کو کافر یا فاسق کہنے کا حکم:

ایک شخص نے دوسرے کو فاسق یا کافر کہا، اور جس کو کہا ہے وہ حقیقت میں فاسق یا کافر ہے تو ایسی صورت میں کہنے والے کی نیت کو دیکھا جائے گا، اگر اس نے خیر خواہی کے جذبے یا لوگوں کو اس کی حالت سے باخبر کرنے کے لئے یہ جملہ کہا تو جائز ہے اور اگر اس کا مقصد اس شخص پر طعنہ زنی اور بلا وجہ اس کے فسق یا کفر کی تشہیر ہے تو یہ جائز نہیں کیونکہ اسلام نے برائیوں کے اچھالنے کا نہیں، ستر اور چھپانے کا حکم دیا ہے۔

لیکن جس شخص کو فاسق یا کافر کہا، اگر وہ حقیقت میں فاسق یا کافر نہیں تو بخاری کی روایت میں ہے کہ ایسے میں وہ فسق یا کفر اس الزام لگانے والے کی طرف لوٹ آتا ہے، اس الزام کے لوٹ آنے کے مختلف مطلب بیان کئے گئے ہیں:

① اس کا ظاہری مطلب تو یہی ہے کہ وہ خود کافر ہو جائے گا، اس پر شبہ یہ ہے کہ کسی مسلمان کو کافر کہنے سے آدمی گنہگار تو ضرور ہوتا ہے لیکن کافر نہیں ہوتا، اس لئے اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ جو شخص مسلمان کو گالی دینا حلال اور جائز سمجھتا ہے، وہ کافر ہو جاتا ہے اور اس کے کافر ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

② اس سے زجر و توبیخ اور ڈرانا دھمکانا مقصود ہے، معنی حقیقی مراد نہیں۔

③ اس جملے کا وبال الزام لگانے والے پر آئے گا، یعنی جس شخص کو کافر کہا گیا وہ اگر واقعاً کافر ہے، پھر تو کہنے والا سچا ہے اور جس کے متعلق کہا گیا اور اس کا مستحق ہے، لیکن اگر وہ کافر نہیں تو کہنے والے پر اس جملے کا وبال اور گناہ آئیگا، اس کا مطلب کو سب سے بہتر قرار دیا گیا ہے۔ (الکوکب الدرۃ ۲/۶۰)

وقتالہ کفر: حدیث باب میں ہے مسلمان کے ساتھ جنگ وجدال کفر ہے۔ اس ”کفر“ سے کیا مراد ہے، کیونکہ قتال کرنے سے کوئی مسلمان کافر نہیں ہوتا، اس میں دو احتمال ہیں:

① اس سے یا تو کفرانِ نعمت اور ناشکری مراد ہے کہ مسلمان کی شان کے مناسب نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے لڑائی کرے کیونکہ یہ گناہ بسا اوقات آدمی کو کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ زجر اور توبیخ کے طور پر اسے ”کفر“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

کافی قولہ الصلوة متعمداً فقد كفر۔ ((من ترك الصلوة متعمداً فقد كفر))۔

”جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی تحقیق اُس نے کفر کیا۔“

② یا اس سے کفر حقیقی مراد ہے کہ جو شخص مسلمان کے ساتھ محض اسلام کی وجہ سے جنگ وجدال اور لڑائی کو حلال اور جائز سمجھتا ہو تو وہ دائرہ اسلام سے خارج اور واقعی کافر ہو جاتا ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الادب، باب حفظ اللسان ۸/۵۶۱)

اعتراض: سبب المسلم اور قتال المسلم دونوں ہی بصورت استتلال کفر ہیں اور دوسری صورت میں فسق پھر سبب المسلم کو فسوق سے اور قتال المسلم کو کفر سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے۔

جواب: یہ ہے کہ قتال مسلم سبب مسلم سے بڑھا ہوا گناہ ہے نیز قتال مسلم کافروں کا عمل ہے نہ کہ مسلمانوں کا اس وجہ سے اس کو کفر سے تعبیر کیا ہے۔ هذا حدیث حسن صحیح اخرجه احمد والشیخان والنسائی والمحاکم وابن ماجہ۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَوْلِ الْمَعْرُوفِ

باب ۵۲: اچھی باتوں اور نیک امور کا ذکر ہے

(۱۹۰۷) إِنَّ فِي الْجَنَّةِ غُرَفًا تَرَى ظُهُورَهَا مِنْ بَطُونِهَا وَبَطُونُهَا مِنْ ظُهُورِهَا فَقَامَ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ لِمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ لِمَنْ أَطَابَ الْكَلَامَ وَأَطْعَمَ الطَّعَامَ وَأَدَامَ الصِّيَامَ وَصَلَّى لِلَّهِ بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامًا۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جنت میں ایسے گھر ہیں جن کا باہر کا حصہ اندر سے اور اندر کا حصہ باہر سے نظر آ جاتا ہے ایک دیہاتی کھڑا ہوا اور اس نے دریافت کیا یہ کسے ملیں گے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اس شخص کو جو اچھی گفتگو کرتا ہو دوسروں کو کھانا کھلائے اور ہمیشہ (نفل) روزے رکھے رات کے وقت نوافل ادا کرے جبکہ لوگ سو چکے ہوں۔

لغات: غرfa (غین پر پیش اور پرزبر کے ساتھ) غرفة کی جمع ہے۔ بالا خانے۔ ظہور: ”ظہر“ کی جمع ہے: ظاہری حصہ۔ ادام الصیام: یعنی کثرت سے نفل روزے رکھے۔ نیام: ”نام“ کی جمع ہے: سویا ہوا آدمی۔ تری: مجہول کا صیغہ ہے۔

تشریح: ”ظہورہا من بطونہا... الخ“ یعنی ان کی ظاہری اور داخلی بناوٹ ایسی اعلیٰ قسم کی ہے وہ بالکل صاف و شفاف ہیں باہر

کے حصہ کا عکس اندر کے حصے پر اور اندر کے حصے کا عکس باہر کے حصے پر نظر آتا ہے۔

لمن اطاب الكلام: عمدہ کلام کرے بعض روایات میں الان اس سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ شیریں کلام سے پیش آتا ہو، نرم گفتگو کرنے والا ہو اس کی زبان پر تلخی نہ ہو اس طرح بات کرتا ہو جیسے ہر جملہ پھول کی طرح خوش کن ہو دل آزاری کرنے والا نہ ہو، قال تعالیٰ: ﴿وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا﴾ (الفرقان: ۶۳)

ترجمہ: ”جب وہ جاہلوں سے مخاطب ہوتے ہیں تو سلام کرتے ہیں۔“

اطعم الطعام: جنت کے مستحق بالا خانہ کی دوسری صفت یہ ہے کہ مستحقین کو کھانا کھلائے اپنے اہل و عیال، فقراء، مساکین، اقرباء، اسیاف و اردین و صادرین سب اس میں داخل ہیں یعنی خرچ کرنے میں تنگی نہ کرتا ہو بلکہ فراخی سے کام لیتا ہو، کما اشار الیہ بقولہ تعالیٰ: ﴿وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا﴾ (الفرقان: ۶۷)

ترجمہ: ”وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ ہی زیادہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل بلکہ اس کے درمیان قائم رہتے ہیں۔“

ادام الصیام: یعنی فرض روزوں کے بعد بکثرت نفلی روزے رکھتا ہو ایسا نہ ہو کہ نفلی روزوں کی طرف بالکل متوجہ نہ ہو۔ بعض نے فرمایا اس سے مراد ہر مہینہ کے تین روزے رکھنا ہے۔

وصلی باللیل والناس نیام: یعنی جنت کے بالا کا نہ ایسے شخص کے لئے ہیں جو رات کو تنہائی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہو جس وقت لوگ سو رہے ہوں یا وہ لوگ عبادت سے غافل ہوں، چونکہ بدیں حالت عبادت کرنا ریاء سے دور ہے اس میں اخلاص زائد ہوتا ہے۔ بہر حال روایت مذکور سے معلوم ہوا کہ لوگوں کے ساتھ نرم کلامی، سخاوت کا برتاؤ، نفلی روزے اور رات کو عبادت کرنا یہ سب ایسے نیک کام ہیں کہ ان کی وجہ سے آدمی جنت کے بالا خانوں کا مستحق ہو جاتا۔ - ہذا حدیث غریب اخرجہ احمد و ابن حبان و البیہقی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْمَمْلُوكِ الصَّالِحِ

باب ۵۳: نیک غلام کی فضیلت کا بیان

(۱۹۰۸) نِعْمًا لِأَحَدِهِمْ أَنْ يُطِيعَ رَبَّهُ وَيُؤَدِّيَ حَقَّ سَيِّدِهِ يَعْنِي الْمَمْلُوكَ وَقَالَ كَعْبٌ صَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا وہ شخص کتنا اچھا ہے جو اپنے پروردگار کی اطاعت کرتا ہے اور اپنے آقا کے حق کو بھی ادا کرتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی مراد یہ تھی جو شخص غلام ہو کعب بیان کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا ہے۔

(۱۹۰۹) ثَلَاثَةٌ عَلَى كُثْبَانِ الْمِسْكِ أَرَاهُ قَالَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَبْدٌ آدَى حَقَّ اللَّهِ وَحَقَّ مَوْلَاهُ وَرَجُلٌ أَمَرَ قَوْمًا وَهُمْ بِهِ رَاضُونَ وَرَجُلٌ يُتَادَى بِالصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تین لوگ مشک کے ٹیلے پر ہوں گے (راوی بیان کرتے

(ہیں) میرا خیال ہے یہ الفاظ ہیں قیامت کے دن ایک وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرتا ہے اور اپنے آقا کا بھی حق ادا کرتا ہے ایک وہ شخص جو لوگوں کی امامت کرتا ہے اور وہ لوگ اس سے خوش ہوں ایک وہ شخص جو روزانہ پانچ مرتبہ اذان دیتا ہے۔

لعنات: نعماً: یہ ”ما“ ”شی“ کے معنی میں ہے: نعمہ شیعاً: بہت ہی اچھی ہے وہ چیز، کیا خوب ہے۔ کشبان: کشیب کی جمع ہے: ٹیلے۔ مسک: (میم کی زیر اور سین کے سکون کے ساتھ) مشک۔

نیک غلام کی فضیلت:

وہ غلام جو محنت و مشقت کر کے اپنے مولیٰ کے حقوق ادا کرتا ہے اور ساتھ ہی اسلام کے فرائض و واجبات جو اس پر فرض کئے گئے ہیں، انہیں بھی بجالاتا ہے تو وہ ایک بہترین غلام اور نیک مسلمان ہے۔

تشریح: میں تین آدمیوں کا ذکر ہے جو قیامت کے دن بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ مشک کے ٹیلوں پر بیٹھے ہوں گے، وہ غلام جو اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی ادا کرتا رہا اور اپنے دنیوی آقاؤں کے حقوق میں بھی کوئی کوتاہی نہیں کی، وہ امام مسجد جو مسلمانوں کو نمازیں پڑھاتا رہا اور اکثر لوگ اس سے خوش بھی تھے۔ اور تیسرا وہ مؤذن جو اخلاص کے ساتھ پانچوں نمازوں کی اذان دیتا رہا اگرچہ وہ اس پر تنخواہ لیتا رہا ہے۔

رجل أمر قومًا وهم به راضون: اس سے وہ نیک و صالح امام مراد ہے جو شریعت کا پیروکار اور سنت کے مطابق زندگی گزارتا ہو، لوگوں کی صحیح دینی رہنمائی کرتا رہا ہو، لیکن اگر کسی امام سے اکثر لوگ اس کی جہالت و ہٹ دھرمی اور برے چال چلن کی وجہ سے نالاں ہوں تو ایسے امام کے بارے میں احادیث میں وعید آئی ہے، ہاں اگر بغیر کسی شرعی وجہ سے بعض لوگ امام کے خلاف باتیں کرتے ہوں جبکہ وہ خرابیاں اس امام میں نہ پائی جاتی ہوں تو پھر وہ اس وعید میں داخل نہیں ہوا ہے۔

ورجل ینادی اس اذان دینے والے مسلمان: اس قدر عظیم فضیلت معلوم ہوتی ہے کیونکہ وہ اللہ کی حمد و ثناء اور بڑائی کا اعلان کرتا ہے، لیکن آج مسلم معاشرہ جو مغربی تہذیب و تمدن کی تقلید میں غرق ہو چکا ہے کے نزدیک اذان دینا، العیاذ باللہ۔ ایک گھٹیا پیشہ شمار کیا جاتا ہے، یہ انتہائی غلط طرز فکر ہے جس کی اصلاح ضروری ہے۔

نعم ما لا حدھم ان یطیع اللہ..... کی ترکیب نحوی: ”نعم“ فعل مدح ہے، اس میں ”ہوا“ ضمیر فاعل ممیز ہے اور ”ما“ بمعنی ”شی“ ہے جو کہ تمیز ہے ممیز تمیز ل کر فاعل ہوا، ”لا حدھم“ یہ ”نعم“ سے متعلق ہے، جملہ فعلیہ ہو کر خبر مقدم، اور ”ان یطیع“ بتاویل مفرد ہو کر مخصوص بالمدح، مبتدا مؤخر، مبتدا اپنی خبر مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ انشائیہ۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مُعَاشَرَةِ النَّاسِ

باب ۵۴: لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنا

(۱۹۱۰) قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اَتَّبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمَحَّهَا وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ.

ترجمہ: حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور بُرائی کرنے کے بعد نیکی کرو تا کہ وہ اسے مٹا دے اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آؤ۔

لغات: لفظ تقویٰ کی صرفی بحث: تقویٰ اصل میں فعلی کے وزن پر قوی تھا واد کو تا سے بدل دیا گیا، وقتیتہ کا معنی ہے منعته رجل تقی کا معنی ہے خوف زدہ مرد، اس کا مادہ وقی ہے، اسی طرح نقاة اصل میں وقاة تھا جیسا کہ تجاہ اور ترات اصل میں وجاہ اور وراث تھے۔

تشریح: حدیث باب میں تین چیزوں کا حکم دیا گیا ہے۔

- ① زندگی کے تمام حالات میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور تقویٰ کی زندگی اختیار کرنا۔
 - ② اگر کوئی گناہ ہو جائے تو اس کے بعد ضرور کوئی نیکی کی جائے، تاکہ وہ گناہ ختم ہو جائے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ (ہود: ۱۱۳) بے شک نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں، اس لئے اگر خدا نخواستہ کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً دربار الہی میں حاضر ہو کر توبہ و استغفار کریں، نماز، صدقہ۔
 - ③ لوگوں کے ساتھ خوش اسلوبی اور حسن اخلاق سے پیش آیا جائے، خندہ پیشانی سے ملاقات، مسکرا کر گفتگو کرنا، ان کا اہتمام کیا جائے تاکہ خالق و مخلوق دونوں ہی راضی رہیں، یہ چیزیں دنیا میں کامیابی اور آخرت میں نجات کا باعث ہوتی ہے۔ (الکوکب الدرر، ۳/۶۱)
- تقویٰ کیا ہے؟**

- ① حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص یہ چاہتا ہو کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ عزت والا ہو وہ اللہ سے ڈرے (یعنی متقی بنے) اور جو شخص یہ چاہتا ہو کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ قوی ہو وہ اللہ پر توکل کرے اور جو شخص یہ چاہتا ہو کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ غنی ہو اس کا اعتماد اپنے قبضہ سے زیادہ اللہ کی عطا پر ہو۔
- ② حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: معصیت پر اصرار کو ترک کرنا اور اپنی عبادات پر اعتماد نہ کرنا تقویٰ ہے؛
- ③ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب سے تقویٰ کے معنی پوچھے کہ اس سے کیا مراد ہے؟ تو ابی بن کعب نے فرمایا: اے امیر المومنین یہ بتائیے کہ کبھی آپ کا گزر ایسے راستہ سے ہوا جس کے دونوں طرف جھاڑیاں ہوں، خاردار اور کانٹوں سے پُر ہوں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جی ہاں کئی دفعہ ایسے راستہ سے گزرنے کا اتفاق ہوا ہے، ابی بن کعب نے فرمایا: تو پھر آپ نے کیا کیا، ان کانٹوں سے اپنے آپ کو کیسے بچایا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے دامن سمیٹا اور بڑے احتیاط کے ساتھ وہاں سے گزر گیا، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تقویٰ اسی کا نام ہے، اس دنیا میں طرح طرح کے کانٹے ہیں، نفس و شیطان کے کانٹے، بُرے معاشرے اور ماحول کے کانٹے، بے دینی کے کانٹے، یہ دنیا خارستان ہے گناہوں کے کانٹے اس میں بھرے ہوئے ہیں دنیا میں اس طرح چلنا اور زندگی گزارنا کہ دامن گناہوں کے کانٹوں سے نہ الجھے اسی کا نام تقویٰ ہے جو سب سے زیادہ قیمتی سرمایہ ہے بعض نے فرمایا کہ تقویٰ شہادت سے بچنے کا نام ہے کہا قال اللہ ﷺ الحلال بین و الحرام بین و بینہما مشتبهات۔
- ④ حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا تقویٰ یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کو اختیار نہ کرو اور یہ یقین رکھو کہ تمام کام اللہ کے قبضہ و قدرت میں ہیں۔
- ⑤ ابراہیم بن ادہم نے کہا کہ تقویٰ یہ ہے کہ لوگ تمہاری زبان پر، فرشتے تمہارے افعال میں اور مالک عرش تمہارے باطن میں عیب نہ دیکھے۔
- ⑥ واقدی نے کہا تقویٰ یہ ہے کہ جس طرح تم مخلوق کے لئے اپنے ظاہر کو مزین کرتے ہو اسی طرح تم خالق کے لئے اپنے باطن کو

مزین کرو۔

⑦ ایک قول یہ ہے کہ تقویٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو وہ کام کرتے نہ دیکھے جس کام سے اس نے تم کو منع کیا ہے۔

⑧ ایک قول یہ ہے کہ تقویٰ یہ ہے کہ تم سیرت مصطفیٰ کے راستہ پر چلو، دنیا کو پس پشت ڈال دو، اپنے نفس میں اخلاق اور وفا کو لازم کرلو، حرام اور حنا سے اجتناب کرو۔ قرآن مجید میں ہے کہ ایک جگہ یہ فرمایا کہ قرآن انسانوں کے لئے ہدایت ہے، دوسرے مقام پر یہ فرمایا قرآن مجید متقین کے لئے ہدایت ہے، اسی کا نتیجہ یہ نکلا کہ انسان وہی ہیں جو صاحب تقویٰ ہیں اور جن میں تقویٰ نہیں ان میں انسانیت نہیں، یہ تقویٰ کی کیا کم فضیلت ہے۔

تقویٰ کی قسمیں: قاضی بیضادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: تقویٰ کی تین قسمیں ہیں: پہلی قسم ہے خود کو عذاب مخلد سے محفوظ رکھنا، تقویٰ کی یہ قسم شرک اور کفر کو ترک کرنے سے حاصل ہوتی ہے، اس معنی میں تقویٰ کا استعمال اس آیت میں ہے: ﴿وَالْزَّوْمُهُمُ الْتَقْوَىٰ﴾ (فتح: ۲۶) اور اللہ تعالیٰ نے ان کو تقویٰ کے کلمہ پر مستحکم کر دیا۔

تقویٰ کی دوسری قسم ہے ہر گناہ کے کام سے بچنا، یعنی فرض کے ترک اور حرام کے ارتکاب سے بچنا اور بعض علماء کے نزدیک صغائر سے بچنا بھی تقویٰ میں شامل ہے یعنی واجب کے ترک اور مکروہ تحریمی کے ارتکاب اسی طرح سنت مؤکدہ کے ترک اور اسماۃ کے ارتکاب سے بچنا، اصطلاح شرع میں جب تقویٰ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے یہی معنی مراد ہوتا ہے۔ اس معنی میں تقویٰ کا استعمال اس آیت میں ہے:

﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ﴾ (الاعراف: ۹۶)

”اگر بستیوں والے ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر ضرور آسمان اور زمین سے برکتیں کھول دیتے۔“

تقویٰ کی تیسری قسم ہے انسان اپنے دل و دماغ کو ہر اس چیز سے منزہ کرے جو اس کی توجہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہٹا سکے اور بالکل اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف متوجہ ہو جائے اور یہی وہ حقیقی تقویٰ ہے جو بندے سے مطلوب ہے اس معنی میں تقویٰ کا استعمال قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ (آل عمران: ۱۰۲)

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں اس حال میں موت آئے کہ تم نے اپنے آپ کو

صرف اللہ کے سپرد کیا ہوا ہو۔“ (انوار التنزیل علی ہامش الخفاجی ج ۱ ص: ۱۹۸)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک تقویٰ کا مقام بہت بلند ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ﴾ (النحل: ۱۲۸) ”بے شک اللہ تعالیٰ متقی اور نیک لوگوں کے ساتھ ہے۔“

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ (الحجرات: ۱۳) ”تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ متقی ہو۔“

تقویٰ کی برکات: آیات مذکورہ اور روایت الباب سے تقویٰ کی مختلف برکات معلوم ہوتی ہیں۔

اول: اللہ تعالیٰ متقی کے لئے دنیا و آخرت کے مصائب و مشکلات سے نجات کا راستہ نکال دیتے ہیں۔

دوم: متقی کے لئے رزق کے ایسے راستے کھول دیتے ہیں جن کی طرف اس کا خیال بھی نہیں جاتا۔

سوم: اللہ تعالیٰ اس کے سب کاموں میں آسانی پیدا فرمادیتا ہے۔
چہارم: اس کے گناہوں کا کفارہ کر دیتے ہیں۔
پنجم: اللہ تعالیٰ متقی کے اجر کو بڑھا دیتے ہیں۔
ششم: اللہ تعالیٰ تقویٰ کی وجہ سے متقی کو حق و باطل کی پہچان عطا فرمادیتے ہیں۔
ہفتم: جنت میں جلدی داخل ہونے کا ذریعہ ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي ظَنِّ السُّوءِ

باب ۵۵: بدگمانی کا بیان

(۱۹۱۱) إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا بدگمانی سے اجتناب کرو کیونکہ یہ سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے۔
تشریح: سوء: بالضم اسم ہے برائی کے معنی میں آتا ہے بعض اہل لغت نے ضابطہ بیان کیا ہے کہ اگر یہ لفظ مضاف ہو تو سوء بضم السین ہوگا جیسے سوء الحساب اور اگر مضاف الیہ ہو تو بفتح السین ہوگا جیسے دائرة السوء بالفتح مستعمل ہے۔ (بیضادی)

نفس میں گناہ یا نیکی کا جو ارادہ پیدا ہوتا ہے اس کے پانچ مراتب ہیں:

- ① ہاجس: دل میں نیکی یا بدی کا خیال آئے اور پھر ختم ہو جائے۔
- ② خاطر: وہ خیال جو دل میں بار بار پیدا ہو، ایک مرتبہ آکر ختم نہ ہو بلکہ بار بار آئے۔
- ③ حدیث النفس: اس خیال کو کہتے ہیں جو دل میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں پیدا ہو، اور اس میں تردد رہے کہ کروں یا نہیں۔

④ ہم: وہ خیال کہ جس میں تردد کے بعد یہ ارادہ کر لے کہ یہ کروں گا یا نہیں، ارادہ پختہ تو نہیں کیا لیکن کرنے کا کچھ نہ کچھ ارادہ کر لیا۔

⑤ عزم: یہ آخری درجہ ہے جس میں وہ پختہ ارادہ کر لیتا ہے کہ میں یہ کام سو فیصد کروں گا یا نہیں کروں گا۔

ان پانچ مراتب میں سے ہاجس، خاطر اور حدیث النفس پر کوئی مواخذہ نہیں ہے کیونکہ ہاجس غیر اختیاری طور پر اس کے دل میں آکر ختم ہو گیا ہے اور خاطر اور حدیث النفس ان دونوں سے باز پرس نہ ہونا حدیث سے ثابت ہے۔ ان تینوں میں اگر نیکی کا بھی ارادہ کیا جائے تو اس پر کوئی نیکی نہیں لکھی جاتی، اور ”ہم“ میں یہ تفصیل ہے کہ اگر یہ نیکی سے متعلق ہو تو اس پر ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور اگر برائی کے بارے میں ہو تو یہ معاف ہے، اس کی وہ برائی نہیں لکھی جاتی، البتہ ”عزم“ پر گرفت اور مواخذہ ہوتا ہے، چنانچہ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ ”عزم“ پر گناہ ہے ”ہم“ پر نہیں ہے۔ (القاعدة الثانية: الامور بمقاصدھا ۱/۱۶۵)

ابوبکر حصاص نے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ...﴾ (البجرات: ۱۲) کے تحت ظن

کے بارے میں ایک جامع تفصیل بیان فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ظن کی چار قسمیں ہیں: ① حرام ② مامور بہ اور واجب ③ مستحب و مندوب ④ مباح اور جائز۔

① ظن حرام: اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ بدگمانی کہ وہ عذاب ہی دے گا یا مصیبت ہی میں رکھے گا اور اللہ کی رحمت و مغفرت سے مایوس ہونا۔ روایت میں ہے: لا یموتن احدکم و هو یحسن الظن باللہ وفی رواۃ انا عند ظن عبدی بی فلیظن بی ما شاء۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن فرض ہے اور بدگمانی حرام ہے اسی طرح جو مسلمان ظاہراً نیک ہوں ان کے متعلق بغیر دلیل قوی کے بدگمانی کرنا حرام ہے۔

② ظن واجب: جس کام کی ایک جانب پر عمل کرنا شرعاً ضروری ہو اور اس کے متعلق قرآن و سنت میں کوئی واضح دلیل نہ ہو تو وہاں ظن غالب پر عمل کرنا واجب ہے جیسے باہمی منازعات و مقدمات کے فیصلہ میں ثقہ گواہوں کی گواہی کے مطابق فیصلہ دینا کیونکہ حاکم و قاضی جس کی عدالت میں مقدمہ دائر ہے اس پر اس کا فیصلہ دینا واجب ہے حالانکہ اس خاص معاملہ میں کوئی نص قرآن و حدیث موجود نہیں ہے ظن غالب پر عمل کرتے ہوئے ثقہ گواہوں کی گواہی پر فیصلہ کرنا مشتبہ ہو جائے وہاں پر کوئی شخص ایسا نہ ہو جس سے جہت معلوم کی جاسکے نیز اگر کسی چیز کا ضمان دینا واجب ہو تو وہاں ضائع شدہ چیز میں ظن غالب ہی پر عمل کرنا واجب ہے۔

③ ظن مباح: مثلاً نماز کی رکعتوں میں شک پیدا ہو گیا تو ظن غالب پر عمل کرنا جائز و مباح ہے اور اگر ظن غالب کو چھوڑ کر امر یقینی پر عمل کرتے تو یہ درست ہے۔

④ ظن مستحب و مندوب مسلمان کے بارے میں اچھا گمان رکھنا اس پر ثواب ملتا ہے۔

بہر حال حدیث شریف میں حسن ظن کی ترغیب اور بدگمانی سے پرہیز کا حکم ہے کیونکہ ایسا بسا اوقات ہوتا ہے کہ گمان جھوٹ ہو جاتا ہے اس سے بدگمانی کی حرمت بھی معلوم ہوئی اور اس سے بچنے کا حکم بھی چونکہ کسی کے بارے میں غلط خیال لانا اور قصد اس کو برا سمجھنا حرام ہے۔

فان الظن اکذب الحدیث:

اعتراض: کذب کے معنی خلاف واقع کے ہیں جس میں کمی و زیادتی مقصود نہیں پھر اکذب الحدیث کا کیا مطلب۔

جواب: احتراز عن سوء الظن کی تاکید کی وجہ سے بجائے ضمیر کے اسم مظہر لایا گیا ہے گمان کو اکذب الحدیث فرمایا کہ دل میں آنے والی باتوں میں سب سے زائد جھوٹی بات ہے کہ چونکہ شیطان کے القاء سے یہ گمان پیدا ہوتا ہے۔

جواب: اس سے درحقیقت اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ ”ظن ممنوع“ وہ بدگمانی ہے جو کسی مضبوط دلیل کے بغیر ہو اور پھر اس کی وجہ سے انسان دوسرے پر کوئی الزام یا تہمت لگا دے، اس طرح کی بدگمانی جھوٹ سے زیادہ اس لئے سخت ہے کہ جھوٹ ایک ایسی برائی ہے جو خود بھی قبیح ہے اور ہر شخص بھی اسے برا سمجھتا ہے۔ اکذب الحدیث فرمایا، تاکہ خوب مبالغہ کے ساتھ اس کی قباحت واضح ہو جائے، نیز اس طرف اشارہ کرنا پیش نظر ہے بدگمانی چونکہ عموماً پوشیدہ ہوتی ہے اس لئے اس سے آدمی زیادہ دھوکا کھا جاتا ہے جبکہ جھوٹ میں ایسا نہیں ہے کیونکہ وہ نمایاں ہوتا ہے۔ (فتح الباری، کتاب الادب، باب ما ینہی عن التحاسد والتدابیر ۵۹۰/۱۰)

وسمعت عبد بن حميد بن حديد عن بعض اصحاب سفيان... الخ۔ سفيان رضي الله عنه کے بعض شاگردوں نے بیان کیا کہ سفيان رضي الله عنه نے فرمایا ظن کی دو قسمیں ہیں: ① وہ ظن جو گناہ ہیں اور ② وہ ظن جو گناہ نہیں ہیں گناہ یہ کہ آدمی بدگمانی کرے اور اس کو زبان سے بھی ادا کرے اور اگر بدگمانی کی مگر زبان سے کچھ نہ کہا تو گناہ نہیں ہے مگر یہ سفيان کی رائے ہے محققین کی رائے وہی ہے جو بیان کی گئی ہے کہ کسی کے بارے میں بدگمانی کو دل میں جمالینا بھی گناہ ہے۔

بدگمانی کا علاج:

اگر کسی سے بدگمانی ہو جائے تو اس کے ازالہ کی فکر کرنا چاہئے اور اپنے نفس کو سمجھانا چاہئے کہ اس شخص کا حال تجھ پر مخفی ہے جس واقعہ کو بنیاد بنا کر بدگمانی پیدا ہوئی اس میں خیر و شر دونوں کا احتمال ہے لہذا خیر کے احتمال کو ترجیح دے اور بدی کے احتمال کو زائل کرنے کی کوشش کرے۔ قال النبی ﷺ ثلاثة في المؤمن وله منهن مخرج فمخرج من سوء الظن ان لا يحققه. (طبرانی)

بَاب مَا جَاءَ فِي الْمَزَاحِ

باب ۵۶: مزاح کا بیان

(۱۹۱۲) إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَيَخَالِطُنَا حَتَّىٰ إِنْ كَانَ لَيَقُولُ لَا خَيْرَ لِي صَغِيرٍ يَا أَبَا حَمِيرٍ مَا فَعَلَ النَّعِيُّ.

ترجمہ: حضرت انس رضي الله عنه بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ کھل مل جایا کرتے تھے آپ میرے چھوٹے بھائی سے کہا کرتے تھے اے ابوعمیر تمہاری چڑیا کا کیا حال ہے؟

(۱۹۱۳) قَالَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّكَ تُدَاْعِبُنَا قَالَ إِنْ لَمْ أَفْعَلْ إِلَّا حَقًّا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضي الله عنه بیان کرتے ہیں لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہمارے ساتھ خوش مزاجی کا مظاہرہ کرتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں صرف سچ کہتا ہوں۔

(۱۹۱۴) أَنَّ رَجُلًا اسْتَحْمَلَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ إِنْ حَامِلُكَ عَلَىٰ وَلَدٍ النَّاقَةِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا أَصْنَعُ بَوْلِدِ النَّاقَةِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَهَلْ تَلِدُ إِلَّا بِلًا إِلَّا النَّوْقَ.

ترجمہ: حضرت انس رضي الله عنه بیان کرتے ہیں ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری کے لیے جانور مانگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں سواری کے لیے اونٹنی کا بچہ دوں گا تو اس نے عرض کی یا رسول اللہ میں اونٹنی کے بچے کا کیا کروں گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اونٹ کو اونٹنی ہی جنم دیتی ہے۔

(۱۹۱۵) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهُ يَا ذَا الْأُذُنَيْنِ. قَالَ مُحَمَّدٌ قَالَ أَبُو اسَامَةَ يَعْنِي مَازَحَهُ.

ترجمہ: حضرت انس رضي الله عنه بن مالک بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ان سے کہا اے دوکانوں والے۔ محمود نامی راوی نے یہ بات بیان کی ہے شیخ ابوسامہ نے یہ بات بیان کی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزاح کے طور پر یہ بات کہی تھی۔

لعنات: المزاح: بضم المیم ہے اس کے معنی ہیں ہنسی مذاق کرنا، دل لگی کرنا، خوش مزاجی کی باتیں کرنا۔ النغیر: بضم النون کی تفسیر ہے چڑیا کی طرح ایک پرندہ ہوتا ہے جس کی چونچ سرخ ہوتی ہے اس سے مراد بلبل ہے (حیوة الحیوان) ارخ لی یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ماں شریک بھائی تھے جو ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے۔

تشریح: مزاح کی حقیقت: کہ ایسی گفتگو کی جائے جس سے دوسرے کا دل خوش ہو، اس میں جھوٹ کی آمیزش اور ذلیل و رسوا کرنے کا انداز نہ ہو، لہذا شرعی دائرے میں رہتے ہوئے مزاح کی جائے تو یہ مسنون اور مستحب ہے لیکن اگر مزاح ایسی ہو جس میں تحقیر اور ایذا کا عنصر کا فرما ہو، مزاح سے قرب کے بجائے دوری پیدا ہو رہی ہو، تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس طرح کی مزاح سے آپس میں دشمنیاں اور عداوتیں ہی پیدا ہوتی ہیں۔

باب

باب ۵۷: حضور ﷺ بھی مزاح فرماتے

(۱۹۱۶) مَنْ تَرَكَ الْكَذِبَ وَهُوَ بَاطِلٌ يُبْنَى لَهُ فِي رَبِضِ الْجَنَّةِ وَمَنْ تَرَكَ الْبِرَّاءَ وَهُوَ مُحِقٌّ يُبْنَى لَهُ فِي وَسْطِهَا وَمَنْ حَسَّنَ خُلُقَهُ يُبْنَى لَهُ فِي أَعْلَاهَا.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص باطل جھوٹ چھوڑ دے تو اس کے لیے جنت کے کنارے پر گھر بنایا جائے گا جو شخص حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے اس کے لیے جنت درمیان میں گھر بنایا جائے گا جو شخص اپنے اخلاق اچھے کر لے اس کے لیے جنت کے بلند ترین حصے میں گھر بنایا جائے گا۔

(۱۹۱۷) كَفَى بِكَ إِثْمًا أَنْ لَا تَزَالَ مُحْتَاصِمًا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں تم اپنے بھائی کے ساتھ جھگڑا نہ کرو اس کا مذاق نہ اڑاؤ اس کے ساتھ وعدہ کر کے وعدہ خلافی نہ کرو

تشریح: یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی تھے انہوں نے ایک بلبل پال رکھی تھی اتفاقاً وہ مر گئی جس پر بچہ کو غم ہوا تو اس پر آپ ﷺ نے بچہ سے مزاح فرمایا معلوم ہوا کہ مزاح کرنا جائز ہے۔

① نیز اگر کسی واقعہ کا علم ہو اور مزاحاً انجان بن کر اس کے بارے میں دریافت کر لیا جائے تو اس کی ممانعت نہیں ہے اور اس طرح کی مزاح جس سے مخاطب کو تسلی ہو اور تکلیف نہ پہنچے درست ہے۔ روایت سے کنیت رکھنے کا جواز بھی معلوم ہے۔

② نیز معلوم ہوا کہ پرندہ کو محبوس کرنا بچہ کے کھیل کے لئے درست ہے البتہ بڑوں کے لئے اس وقت درست ہے جبکہ اذیت و تکلیف کا باعث نہ ہو

③ مدینہ منورہ میں شکار کرنے کا جواز بھی اس سے معلوم ہوتا ہے۔ مسئلہ کی پوری تفصیل کتاب الحج میں گزر چکی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مذکورہ روایت سے بہت سے ادبی اور فقہی فوائد مستنبط فرمائے ہیں اور ابو العباس المعروف بابن القاضی

نے ساٹھ فوائد بیان فرمائے ہیں۔ تفصیل کے لئے فتح الباری کا مطالعہ کیا جائے۔

آپ ﷺ کی مزاح حقیقت پر مبنی ہوتی:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور اکرم ﷺ سے پوچھا: کیا آپ بھی ہم سے ہنسی مذاق اور مزاح فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں میں بھی مزاح کرتا ہوں لیکن مزاح میں بھی حق بات ہی کہتا ہوں، خلاف واقع کوئی بات نہیں کہتا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ سوال کس وجہ سے کیا اس سوال کا منشا کیا تھا؟ تین وجہات ذکر کی ہیں:

① حضور اکرم ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو زیادہ ہنسی مذاق سے منع کیا تھا، اس کے بعد انہوں نے مذکورہ سوال کیا۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الادب، باب المزاح۔ ۸/۶۲۰)

② یا سوال اس وجہ سے کیا کہ ہنسی مذاق میں چونکہ عموماً غلط باتیں شامل ہو جاتی ہیں، اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تعجب ہوا اور پوچھا کہ کیا آپ بھی مزاح فرماتے ہیں؟

③ یا سوال کا منشا یہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سمجھتے تھے کہ آپ اللہ تعالیٰ اور تمام لوگوں کے ہاں معزز و مکرم اور محترم ہیں، آپ عظیم مرتبہ اور اشرف و فضیلت حاصل ہے تو کیا دل لگی اور ہنسی مذاق آپ کی خصوصیت ہے، اس میں عام مسلمان اقتداء نہیں کر سکتا؟

آپ ﷺ نے جواب دیا کہ ہاں میں مذاق کرتا ہوں، مگر شرعی حدود میں رہتے ہوئے، اس میں خلاف واقع اور جھوٹ کی آمیزش نہیں ہوتی، خوش طبعی میں بھی حق بات ہی کہتا ہوں، اس میں کسی کا استہزاء، تحقیر اور ایذا رسانی کا کوئی پہلو نہیں ہوتا اور وہ حد اعتدال سے متجاوز بھی نہیں ہوتی، ان شرائط کا لحاظ کر کے اگر مذاق کی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، جائز ہے، ممانعت اس صورت میں ہے جب شرعی حدود کا لحاظ نہ رکھا جائے، اس میں ناجائز اور نامناسب چیز شامل ہو جائیں، تاہم شرعی حدود میں رہتے ہوئے بھی ہنسی مذاق اور مزاح کو اپنی عادت نہیں بنانا چاہئے، کیونکہ اس کی وجہ سے دبدبہ، وقار اور آدمی کی شخصیت مجروح ہو جاتی ہے، ہاں کبھی کبھار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ (الکوکب الدری، ۳/۶۴)

① یا اذا الاذنین: ”اے دوکانوں والے“..... آپ ﷺ نے یہ جملہ خوش طبعی اور مزاح کے طور پر ارشاد فرمایا، اور ساتھ ہی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی تعریف بھی فرمادی کہ وہ گویا بہت ذہین و فطین اور سمجھدار ہیں، جو بات کہی جاتی ہے اسے خوب اچھی طرح سنتے ہیں اور اس پر عمل پیرا ہو جاتے ہیں۔

② هل تلد الاابل الا النوق..... اس صحابی رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھا کہ اونٹنی کا بچہ تو سواری کے قابل نہیں ہوتا، تب آپ ﷺ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا، جس میں ہنسی مذاق اور خوش طبعی بھی ہے اور حقیقت بھی، کیونکہ آپ کی مراد یہ تھی کہ جو اونٹ سواری کے قابل ہوتا ہے وہ اونٹنی کا بچہ ہی ہوتا ہے جواب بڑا ہو گیا ہے اگر اس کلام میں تم تھوڑا سا بھی غور و فکر کرتے تو اس کی حقیقت تک پہنچ جاتے اور تمہیں حیرت نہ ہوتی، اس سے معلوم ہوا کہ کلام کو سمجھے بغیر کوئی جواب نہیں دینا چاہئے۔

حضور ﷺ کی مزاح کے مزید واقعات:

③ ایک بوڑھی عورت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی آپ ﷺ نے ان سے فرمایا بوڑھی عورتیں جنت میں نہیں جائیں گی وہ عورت یہ سن کر رونے لگی تو حضور ﷺ نے فرمایا اس کو خبر دے دو کہ تم اس روز بوڑھی نہیں رہو گی اللہ تعالیٰ فرماتے

ہیں: ﴿إِنَّا أَنْشَأْنَاهُنَّ إِنْشَاءً ۖ فَجَعَلْنَهُنَّ أَبْكَارًا﴾ (الواقعة: ۳۵، ۳۶)

④ حضرت زاہر صحابی رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ نے بازار میں پیچھے سے جا کر پکڑ لیا تاکہ وہ آپ کو نہ دیکھ سکیں تو وہ کہنے لگے کون ہے مجھے چھوڑ دو پھر حضور ﷺ نے فرمایا کون ہے جو اس غلام کو خریدے زاہر نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھ کو کم قیمت پائیں گے تو آپ ﷺ نے فرمایا: لست عند الله بكاسد۔ یعنی تو اللہ کے نزدیک کم قیمت نہیں یہ زاہر دیہات کے رہنے والے دیہات کی چیزیں ہدیہ دیتے آپ ﷺ نے مزاح فرمایا تھا: ان زاهرا بآدیتنا نحن حاضرہ، کہ زاہر رضی اللہ عنہ ہمارا دیہاتی ہے اور ہم اس کے شہری ہیں یہ واقعہ بھی آپ ﷺ کے قوی و فعلی مزاح پر دلالت کرتا ہے۔

⑤ اسی طرح ایک مرتبہ ام ایمن رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے شوہر وہی تو ہیں جن کی آنکھ میں سفیدی ہے عورت نے کہا بخدا میرے شوہر کی آنکھ میں سفیدی نہیں ہے آپ نے فرمایا نہیں ان کی آنکھ میں سفیدی ہے پھر اس نے کہا کہ بخدا ان کی آنکھ میں سفیدی نہیں ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر شخص کی آنکھ میں سفیدی ہوتی ہے۔ (زبیر بن بکار و بن ابی الدنیا)

⑤ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا مزاح یہ تھا کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو پکڑا دیا اور فرمایا اللہ کا شکر ادا کرو اور دلہن کی طرح اس کا دامن بناؤ یعنی آپ نے ان کو دلہن کہہ کر مزاح فرمایا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمِرَاءِ

باب: جنگ وجدال، لڑائی، جھگڑا

(۱۹۱۸) لَا تُمَارِ أَخَاكَ وَلَا تُمَارِ حُفَّةَ وَلَا تَعِدُّهُ مَوْعِدَةً فَتُخْلِفَهُ.

تَوْجِيہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں تم اپنے بھائی کے ساتھ جھگڑانہ کرو اس کا مذاق نہ اڑاؤ اس کے ساتھ وعدہ کر کے وعدہ خلافی نہ کرو۔

لغات: مِرَاء: جنگ وجدال، لڑائی، جھگڑا۔ رِبْضُ کنارہ، قریب۔

تشریح: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں حضور ﷺ نے تین چیزوں سے منع فرمایا:

- ① آپس میں لڑائی جھگڑانہ کرو، کیونکہ اس سے آدمی کی دینی زندگی متاثر ہو جاتی ہے۔
 - ② ایسی مزاح نہ کرو جس سے دوسرے کی دل شکنی ہو اور اس کے لئے باعث تکلیف ہو لیکن اگر مزاح۔
 - ③ ایسا وعدہ نہ کرو جس کو تم پورا نہ کر سکو، کیونکہ وعدہ پورا کرنا کمال ایمان کی علامت ہے اور قصد وعدہ خلافی کرنا نفاق کی علامت ہے۔
- جدال، مرء، خصومت کے درمیان فرق: مرء کے معنی جھگڑے کے ہیں: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ مرء اور جدال کے مابین فرق ہے مرء کسی کے کلام میں نقص نکال کر اس پر طعن کرنا اور اس سے مقصود متکلم کی تحقیر و اہانت اور اپنی ذہانت و ذکاوت کا اعلان ہوتا ہے اور جدال اس بحث و مباحثہ کو کہتے ہیں جن کا تعلق مذاہب و عقائد سے ہو نیز تیسرا لفظ خصومت ہے اس میں بھی جدال پایا جاتا ہے فرق یہ ہے کہ جدال میں کسی کے مال یا حق پر قبضہ کرنا ہوتا ہے اور خصومت میں کبھی اعتراض ہوتا ہے کبھی نہیں ہوتا اور مرء وجدال میں

اعتراض ضرور ہوتا ہے۔

لڑائی جھگڑا اور جھوٹ ترک کرنے کی فضیلت:

اس باب میں ایسی احادیث ذکر کی ہیں جن میں لڑائی جھگڑا چھوڑنے کی فضیلت کا ذکر ہے، انسان حق پر ہو، پھر بھی دوسرے سے الجھنے اور جھگڑنے کو ترک کر دے یہ کمزوری اور بزدلی نہیں بلکہ کمال ایمان اور اللہ کے ہاں قرب کا ذریعہ ہے، چنانچہ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص لڑائی کے وقت اور اس کے بغیر بھی جھوٹ بالکل چھوڑ دے اور وہ موقع ایسا بھی نہیں کہ وہاں شرعاً جھوٹ بولنا جائز ہو، کیونکہ شرعاً بعض مواقع مثلاً بیوی کو خوش کرنے کے لئے اور حالت جنگ میں اور دو شخصوں میں اصلاح کی غرض سے جھوٹ بولنا جائز ہوتا ہے، تو ایسی شخص کے لئے جنت کے کنارے پر ایک محل بنایا جاتا ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جنت کا ادنیٰ درجہ ہوگا کیونکہ اس نے غلط جھگڑا شروع کر دیا تھا گو اس نے اس میں جھوٹ نہیں بولا اور تنبیہ کے بعد جھگڑا چھوڑ دیا لیکن چونکہ اس نے ناحق جھگڑا کیا تھا، اس لئے فضیلت میں کمی ہوگئی اور چھوڑ دینے کی وجہ سے جنت کے ادنیٰ درجے میں اس کا گھر بنا دیا جاتا ہے۔

”وہو باطل“ ضمیر ”ہو“ کے مرجع میں دو احتمال ہیں: ① یہ ضمیر ”کذب“ کی طرف لوٹ رہی ہے، معنی یہ ہوں گے کہ وہ شخص جھوٹ بولنا چھوڑ دے، اس حال میں کہ وہ جھوٹ ناحق اور محض باطل ہو، یعنی ایسا موقع بھی نہیں کہ جہاں شریعت نے دینی مصلحت کی وجہ سے جھوٹ بولنے کو جائز قرار دیا ہے، جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے، اس احتمال کی رو سے یہ جملہ ”مفعول بہ“ یعنی ”الکذب“ سے حال واقع ہوگا۔

② یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ضمیر ”من“ کی طرف لوٹے، مراد یہ ہے کہ وہ شخص غلطی اور باطل پرہ، اس لحاظ سے یہ جملہ ”ترک“ کی ضمیر فاعل سے حال واقع ہوگا۔

ومن ترك المراء و هو محق دوسرا وہ شخص جو یہ جانتا ہے کہ میں حق پر ہوں، دوسرا غلطی پر ہونے کے باوجود جھگڑا کر رہا ہے، لیکن یہ شخص محض اللہ کی رضا کی خاطر جھگڑا چھوڑ دیتا ہے تو اس کے لئے جنت کے درمیان میں ایک محل تیار کیا جاتا ہے اور جو شخص اخلاق حسنہ کو اختیار کر لے، ہر شخص سے حسن اخلاق سے پیش آئے، اس کے لئے جنت کے اعلیٰ مقام پر محل بنایا جاتا ہے۔ بحث و مباحثہ اور تکرار اگر کسی دینی مسئلہ کی وجہ سے ہو تو یہ جائز ہے بشرطیکہ اس میں ذاتیات اور نفسانی خواہشات کا کوئی اثر نہ ہو۔

جدال و مراء سے بچنے کا طریقہ:

ان دونوں سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی مباحات میں بھی خاموش رہے یہ دونوں عیب ① دراصل اپنی برتری سمجھنے ② اور دوسروں کو حقیر جاننے سے پیدا ہوتے ہیں اور یہ دونوں ایسی شہوتیں ہیں جن پر قابو پانا بہت مشکل ہے جبکہ کبریائی اور عظمت رب کریم کی صفات ہیں جو کسی اور کے لیے زیب نہیں۔ اور اسی طرح دوسروں کی تحقیر بہیمانہ طبیعت کا مقتضی ہے اس لئے کہ درندہ دوسروں کو پھاڑنے اور زخمی کرنے کو پسند کرتا ہے یہ دونوں صفتیں انتہائی مذموم اور مہلک ہیں مراء و جدال سے ان دونوں کو تقویت ملتی ہے نبی کریم ﷺ نے مراء و جدال کے ترک کی تاکید فرمائی ہے۔ فرمایا: لا تمارا خاك ولا تمازحه ولا تعدہ موعدا فتخلفہ۔ یعنی اپنے بھائی کی بات کو مت قطع کر اور نہ اس سے ناشائستہ مذاق کر اور نہ اس سے ایسا وعدہ کر کہ جس کو تو پرانہ کر سکے۔

نیز ارشاد فرمایا: ذروا الهراء فإنه لا تفهم حکمتہ ولا تو من فتنته۔ (طبرانی)

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اَوَّلُ مَا عَدَالِي بَعْدَ عِبَادَةِ الْاَوْثَانِ وَ شَرْبِ الْخَمْرِ مَلَا حَاةُ الرِّجَالِ۔ (ابن ابی الدنیا، طبرانی بیہقی) نیز فرمایا: ماضِل قوم بعد ان ہداهم اللہ الا اولو الجَدَال۔ (ترمذی) ایک جگہ ارشاد ہے: ست من کن فیہ بلغ حقیقۃ الایمان الصیام من الصیف و ضرب الاعداء بالسيف و تعجیل الصلوۃ فی الیوم الاجن۔ (برسات) والصبر علی المصیبات و اسباغ الوضوء علی المکارہ و ترک الهراء و هو صادق۔ (دیلی)

”چھ چیزیں جس آدمی میں ہوں اس نے ایمان کی حقیقت کو پالیا۔ گرمیوں میں روزے رکھنا، تلوار سے اللہ کے دشمنوں سے قتال کرنا، برسات کے موسم میں نماز میں جلدی کرنا، مصیبتوں پر صبر کرنا، ناپسند سمجھنے کے باوجود وہ مکمل کرنا، سچا ہونے کے باوجود جھگڑا ترک کرنا۔“

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص زیادہ جھوٹ بولتا ہے اس کا حسن ختم ہو جاتا ہے جو شخص لوگوں کے ساتھ کج بھتی کرتا ہے اس کا وقار مجروح ہو جاتا ہے جس کو تفکرات زیادہ لاحق ہوں وہ بیمار ہو جاتا ہے اور جس کے اخلاق خراب ہوں وہ خود مبتلائے عذاب رہتا ہے۔

ہذا حدیث حسن رواہ ابو داؤد: اس روایت کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے شواہد کی بناء پر حسن فرمایا اور نہ تو سلمہ بن وردان راوی کے بارے میں شرح نے کلام کیا ہے۔

خصومت کا نقصان:

اوپر بیان کی جا چکی ہے اس کی مذمت کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ آدمی کا جھگڑنے والا ہونا اس کے گنہگار ہونے کے لئے کافی ہے اس لئے کہ اس سے دین تباہ ہو جاتا ہے اور زندگی کا لطف اس سے ختم ہو جاتا ہے اور دل ذکر و فکر میں لگنے کے بجائے خصومت کی الجھنوں میں پھنس کر رہ جاتا ہے خصومت کا ادنیٰ اثر یہ ہے کہ اس سے اچھی بات کرنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے حالانکہ حسن کلام حسن معاشرت کا جزء ہے۔

قال النبی ﷺ ان ابغض الرجال الی اللہ الا الدالخصام۔ (بخاری)

”آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے بغض آدمی وہ ہے جو زیادہ جھگڑا کرنے والا ہے۔“

نیز ارشاد فرمایا: من جادل فی خصومة بغیر علم لم یزل فی سخط اللہ حتی ینزع۔ (ابن ابی الدنیا)

”جو شخص بغیر علم کے جھگڑا کرتا ہے وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں رہتا ہے جب تک جھگڑا ختم نہ کر دے۔“

صرفی نحوی تحقیق: ولا تعدا موعدا فتخلفه: موعدا مصدر میسی ہے یا ظرف زمان و مکان ہے فتخلفہ یہ اخلاف سے ماخوذ ہے یا تو منصوب ہے علامہ طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ منصوب بتقدیر ان ہے اور نہی کا جواب ہے اور اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اپنے بھائی سے ایسا وعدہ نہ کر جس کو تو پورا نہ کر سکے ایسا وعدہ نہ کر جس کے پورا کرنے کی نیت نہ ہو یہ علامت نفاق ہے کہا قال النبی ﷺ آیۃ المنافق ثلاث و فیہ اذا وعد اخلف یا مطلق وعدہ سے منع فرمانا مقصود ہے کہ بسا اوقات اس کے خلاف ہو جاتا ہے۔ ② یا یہ مرفوع ہے اس صورت میں مراد یہ ہوگی کہ ایسا وعدہ نہ کر جس میں خلاف وعدہ لازم آئے تقدیر عبارت ہوگی۔ لا تعدا موعدا

فانت تخلفه لہذا یہ جملہ معطوف علی الانشاء ہوگا۔

وعدہ پورا کرنے کا حکم:

اسی حدیث میں ایسا وعدہ نہ کرو جس کو تم پورا نہ کر سکو، کیونکہ وعدہ پورا کرنا کمال ایمان کی علامت ہے اور قصد وعدہ خلافی کرنا نفاق کی علامت ہے۔ وعدہ کرنا جائز ہے مگر اس کا پورا کرنا لازم ہے۔ قال تعالیٰ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ﴾ (المائدہ: ۱) وقال ﷺ: الوعد مثل الدين أو افضل. (ابن ابی الدینا)۔ وعدہ کر کے پورا کرنے کا پختہ عزم ہے مگر بعد میں کوئی عذر پیش آجائے تو یہ اس وعید میں داخل نہیں ہے اور اس کو علامت نفاق نہیں کہا جائے گا اگرچہ صورت نفاق کی ہے لہذا اس سے بھی بچنا چاہئے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُدَارَاةِ

باب ۵۸: نرمی کا برتاؤ کرنا، خوش طبعی سے پیش آنا

(۱۹۱۹) اسْتَأْذَنَ رَجُلٌ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَأَنَا عِنْدَهُ فَقَالَ بِئْسَ ابْنُ الْعَشِيرَةِ أَوْ أَخُو الْعَشِيرَةِ ثُمَّ آذَنَ لَهُ فَلَاكَ لَهُ الْقَوْلُ فَلَمَّا خَرَجَ قُلْتُ لَهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قُلْتُ لَهُ مَا قُلْتُ ثُمَّ أَلَيْسَ لَهُ الْقَوْلُ قَالَ يَا عَائِشَةُ إِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنْ تَرَكَهُ النَّاسُ أَوْ دَعَاهُ النَّاسُ اتِّقَاءَ فَحْشِهِ.

تو جبینہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے اندر آنے کی اجازت مانگی میں اس وقت نبی اکرم ﷺ کے پاس بیٹھی ہوئی تھی نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یہ اپنے خاندان کا سب سے برافر د ہے (راوی کو شک ہے) اپنے خاندان کا برا بھائی ہے آپ ﷺ نے فرمایا اسے اندر آنے کی اجازت دی تو اس کے ساتھ نرمی سے گفتگو کی جب وہ آدمی چلا گیا تو میں نے عرض کی آپ نے تو اس شخص کے بارے میں یہ بات فرمائی تھی پھر آپ نے اس کے ساتھ نرمی سے گفتگو کی ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ رضی اللہ عنہا! لوگوں میں سب سے برا شخص وہ ہوتا ہے جسے لوگ اس کی بدزبانی سے بچنے کے لیے (اس کے حال پر) چھوڑ دیں۔

لغات: المداراة: نرمی کا برتاؤ کرنا، خوش طبعی سے پیش آنا، دل جوئی کرنا، پیار و محبت سے پیش آنا۔ العشیرۃ: خاندان، قبیلہ۔ الان: نرمی سے پیش آئے۔

مدارات کا حکم:

لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آنے اور ظاہری خوش اخلاقی اور رکھ رکھاؤ کو کہا جاتا ہے، علامہ ابن بطلال رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "المداراة من اخلاق المومنین، وهي خفض الجناح للناس، ولين الكمة، وترك الاغلاظ لهم في القول، وذلك من اقوى أسباب الالفة."

"خاطر مدارات مومنین کے اخلاق میں سے ہے اور مدارات لوگوں کے ساتھ عاجزی، گفتگو میں نرمی اختیار کرنے اور سختی چھوڑنے کو کہتے ہیں جو بلاشبہ باہمی الفت و محبت پیدا کرنے کا ایک قوی سبب ہے۔"

تشریح: یہ مدارات جس طرح مسلمان کے ساتھ کی جاتی ہے، اسی طرح غیر مسلموں کے ساتھ بھی حسن اخلاق سے پیش آنے کا حکم

ہے جبکہ ان کے ضرر سے بچنا مقصود ہو یا انہیں مانوس کر کے دینی نفع پہنچانا پیش نظر ہو۔

مسلمانوں کے تعلقات غیر مسلموں کے ساتھ کیسے ہوں:

- ① موالات: اس سے دلی محبت مراد ہے، یہ صرف مؤمنین کے ساتھ خاص ہے، غیر مؤمن کے ساتھ مؤمن کا یہ تعلق قطعاً جائز نہیں ہے۔
- ② مواسات: اس کے معنی ہمدردی و خیر خواہی اور نفع رسانی کے ہیں، اس قسم کا معاملہ ان کافروں کے ساتھ جائز نہیں، جو مسلمانوں سے برسر پیکار ہوں، باقی سب غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے۔

③ مدارات: اس سے ظاہری خوش خلقی اور دوستانہ برتاؤ مراد ہے، یہ بھی تمام غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے، جبکہ اس سے مقصود ان کو دینی نفع پہنچانا ہو یا وہ اپنے مہمان ہوں یا ان کے شر اور ضرر رسانی سے اپنے آپ کو بچانا مقصود ہو، لیکن اگر کافروں کے ساتھ مدارات کرنے سے اسلام اور اہل اسلام کو نقصان پہنچے تو پھر ان کے ساتھ مدارات کرنے سے احتراز کیا جائے گا۔

④ معاملات: ان سے تجارت یا اجرت و ملازمت اور صنعت و حرفت مراد ہے یہ بھی تمام غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہیں، البتہ اگر ایسی حالت ہو کہ کفار کے ساتھ معاملات کرنے سے عام مسلمانوں کو نقصان پہنچتا ہو تو پھر جائز نہیں، رسول کریم ﷺ، خلفاء راشدین اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کا تعامل اس پر شاہد ہے فقہاء نے اسی بناء پر کفار اہل حرب کے ساتھ اسلحہ فروخت کرنے کو ممنوع قرار دیا ہے، باقی تجارت وغیرہ کی اجازت دی ہے۔ (عمدة القاری، کتاب الادب، باب المداراة مع الناس ۲۲/۱۸۱، تکملة فتح الملہم، کتاب البر والصلة، باب مداراة من یتقی فحشہ ۵/۴۰۰۔ تحفة الاحوذی ۶/۱۱۲)۔

اور ان کو اپنا ملازم رکھنا یا خود ان کے کارخانوں اور اداروں میں ملازم ہونا، یہ سب جائز ہے۔ اس تفصیل سے یہ معلوم ہو گیا کہ قلبی اور دلی دوستی و محبت تو کسی کافر کے ساتھ کسی حال میں جائز نہیں۔

حدیث باب میں نبی کریم ﷺ نے جس شخص کے ساتھ اس کے شر سے بچنے کے لئے نرمی اور خوش اخلاقی کا معاملہ فرمایا، اس سے مراد عیینہ بن حصن فزاری ہے، اس نے باقاعدہ اسلام قبول نہیں کیا تھا صرف ظاہراً مسلمان بنا ہوا تھا لیکن آپ ﷺ نے اس وجہ سے اس کے ساتھ مدارات کا برتاؤ کیا تا کہ اس کے قبیلہ کے لوگ مانوس ہو کر اسلام قبول کر لیں اور مسلمان اس کے شر سے محفوظ رہ سکیں، آپ ﷺ کے بعد حضرت صدیق اکبر کے زمانے میں یہ مرتد ہو گیا تھا جسے قید کر کے لایا گیا۔

مدارات اور مہانت میں فرق:

یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کی ضد ہیں، مدارات مستحب جبکہ مہانت حرام ہے، مدارات یہ ہے کہ دنیا کی بہتری، یا دین کی صلاح یا دین و دنیا دونوں کی بہتری کے لئے دنیا کو خرچ کرنا اور مدارات نرم رویہ اور خوش اخلاقی اختیار کرنے کو بھی کہتے ہیں، اور دنیا کی خاطر دین چھوڑ دینے کو مہانت کہتے ہیں اور یہ بھی مہانت ہے کہ کسی ایسے شخص سے ملنا جلنا رکھا جائے جو کھلم کھلا گناہ کرتا ہے اور یہ شخص اس کے گناہ پر قدرت کے باوجود کوئی روک ٹوک نہیں کرتا، خاموشی اختیار کرتا ہے اور اس قدر صرف نظر کرتا ہے کہ دل سے بھی اس کے گناہ کو برا نہیں سمجھتا اور اگر دل سے برا سمجھے تو یہ مہانت نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْاِقْتِصَادِ فِي الْخُبِّ وَالْبُغْضِ

باب ۵۹: محبت و عداوت میں اعتدال ہونا چاہئے

(۱۹۲۰) قَالَ أَحِبِّبْ حَبِيبَكَ هَوْنًا مَا عَسَى أَنْ يَكُونَ بَغِيضًا يَوْمًا مَا وَابْغِضْ بَغِيضَكَ هَوْنًا مَا عَسَى أَنْ يَكُونَ حَبِيبًا يَوْمًا مَا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مرفوع روایت کے طور پر یہ بات نقل کی ہے (نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے) اپنے دوست کے ساتھ میانہ روی کا رویہ رکھو کیونکہ ہو سکتا ہے وہ کسی دن تمہارا دشمن بن جائے اور اپنے دشمن کے ساتھ میانہ روی کا رویہ رکھو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کسی دن وہ تمہارا دوست بن جائے۔

لغات: الاقتصاد: میانہ روی، اعتدال، کفایت شعاری۔ ہونا: قلیلا کے معنی میں ہے اور ترکیب کے اعتبار سے یہ الفاظ مصدر محذوف کی صفت ہے یعنی ”جنا ہونا“ درمیانی درجہ کی محبت اور حرف ”ما“ سے قلت کے معنی مراد ہیں۔

تشریح: محبت و عداوت میں اعتدال ہونا چاہئے:

اس حدیث سے معاشرت کا ایک اہم حکم ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان کو ہر معاملے میں میانہ روی اور اعتدال کی راہ اختیار کرنی چاہئے، محبت و عداوت، دوستی اور دشمنی میں بھی افراط تفریط نہ کی جائے مگر خاص طور پر حب و بغض یہ دونوں ایسی شے ہیں کہ آدمی جذبات میں بہہ جاتا ہے اور بوقت محبت و بغض ان کی حدود کو پار کر جاتا ہے نتیجہ پر اس کی نظر نہیں ہوتی، کوئی دوست ہے اسے اتنا قریب نہ کریں کہ گھر کے تمام راز اور خاص خاص باتیں اسے معلوم ہو جائیں کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ایک دن دشمن ہو جائے تو پھر اس سے نقصان ہو سکتا ہے، ایسے ہی کوئی دشمن ہے تو اس کے ساتھ دشمنی میں بھی اعتدال رکھیں، دشمنی میں اتنا تجاوز اور غلو بھی نہ کریں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ کبھی آپ کا دوست ہو جائے تو پھر اس رویے پر شرمندگی اٹھانا پڑے گی۔ آپ ﷺ نے محبت و بغض کے حدود کو متعین فرما کر حسن معاشرت کے اہم اصول کو بیان فرما دیا ہے۔ (تحفة الاحوذی، ابواب البر والصلة، باب ہذا ۶/۱۱۳)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْكِبْرِ

باب ۶۰: تکبر کا بیان

(۱۹۲۱) لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنْ خَوْدَلٍ مِّنْ كِبَرٍ وَلَا يَدْخُلُ النَّارَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنْ اِيْمَانٍ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ شخص جہنم میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے کے وزن جتنا ایمان ہوگا۔

(۱۹۲۲) لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبَرٍ وَلَا يَدْخُلُ النَّارَ سِغِيْنٌ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ إِيْمَانٍ قَالَ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ إِنَّهُ يُعْجِبُنِي أَنْ يَكُونَ ثَوْبِي حَسَنًا وَنَعْلِي حَسَنَةً قَالَ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْجَمَالَ وَلَكِنَّ الْكِبَرَ مَنْ بَطَرَ الْحَقُّ وَغَمَصَ النَّاسَ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں چھوٹی چیونٹی کے جتنا تکبر ہوگا وہ شخص جہنم میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں چھوٹی چیونٹی کے وزن جتنا ایمان ہوگا۔ راوی بیان کرتے ہیں ایک شخص نے عرض کی مجھے یہ اچھا لگتا ہے کہ میرے کپڑے عمدہ ہوں اور جوتا اچھا ہو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جمال کو پسند کرتا ہے لیکن تکبر سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص حق کا انکار کرے اور لوگوں کو حقیر سمجھے۔

(۱۹۲۳) لَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَذْهَبُ بِنَفْسِهِ حَتَّى يُكْتَبَ فِي الْجَبَّارِينَ فَيُصِيبُهُ مَا أَصَابَهُمْ.

ترجمہ: ایسا بن سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ اپنے والد کے حوالے سے نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا آدمی خود کو اتنا بڑا سمجھتا ہے یہاں تک کہ اس کا نام جبارین (تکبر کرنے والوں) میں لکھ دیا جاتا ہے؟ اسے بھی وہی عذاب ہوگا جو ان لوگوں کو ہوگا۔

(۱۹۲۴) قَالَ تَقُولُونَ فِيَّ الْبَيَّةُ وَقَدْ رَكِبْتُ الْحِمَارَ وَلَبِئْسَتِ الشَّمْلَةُ وَقَدْ حَلَبْتُ الشَّاةَ وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ فَعَلَ هَذَا فَلَيْسَ فِيهِ مِنَ الْكِبَرِ شَيْءٌ.

ترجمہ: نافع بن جبیر رضی اللہ عنہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں لوگ میرے بارے میں یہ بیان کرتے ہیں میرے اندر تکبر پایا جاتا ہے حالانکہ میں گدھے پر سوار ہو جاتا ہوں موٹی چادر کو لباس کے طور پر استعمال کرتا ہوں بکری کا دودھ دوہ لیتا ہوں اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص یہ کام کر لیتا ہوں اس میں تکبر نہیں ہوگا۔

لغات: الکبر: لفظ ”کبر“ اور ”تکبر“ دونوں کے معنی ایک ہی ہیں، ینذهب بنفسه: اپنے نفس کو بڑھاتا رہتا ہے، بلند و بالا کرتا رہتا ہے، بنفسه میں باء تعدیہ کے لئے ہے۔ جبارین: جبار کی جمع ہے: سرکش، متکبر۔ الشملة: (شین پر زبر کے ساتھ) پورے جسم کو ڈھانکنے والی معمولی چادر، ج، شائل۔ حلبت: میں دودھ دوہتا ہوں۔

تشریح: کبر اور تکبر کے مابین فرق اور ان کے اقسام:

امام غزالی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر بڑائی کا اثر اعضاء و جوارح پر ظاہر ہو تو تکبر ہے اور اگر دل میں ہو تو کبر ہے نیز فرمایا کہ انسان ظلم و جہول ہے یہ کئی طرح تکبر کرتا ہے:

① کبھی اللہ پر تکبر کر بیٹھتا ہے یہ تکبر کی بدترین قسم ہے اس کی یہ حرکت جہالت و سرکشی ہے جیسا کہ نمرود و فرعون نے تکبر کیا خود اپنے کو رب کہا اور لوگوں سے کہلایا۔

② رسول پر تکبر اس کی صورت یہ ہے کہ اپنے جسم انسانوں کی لائی ہوئی شریعت کی اتباع نہ کرنا محض اپنے کو بڑا سمجھنے کی وجہ سے یہ قسم بھی مذموم ہے اس سے قسم اول کا تکبر پیدا ہوتا ہے۔

③ بندوں پر تکبر کرنا اپنے کو دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں بلند و برتر سمجھنے اور دوسروں کو حقیر تصور کرے۔

کبر، عجب، ریا: کبر بکسر الکاف امام راغب فرماتے ہیں کہ کبر، استکبار اور تکبر تینوں متقارب المعنی الفاظ ہیں: کبر: نفس کی وہ عادت ہے جس کی وجہ سے انسان اپنے کو دوسروں سے فائق و برتر سمجھتا ہے اور اس میں نفس کو لذت حاصل ہوتی ہے کبر کے لئے متکبر علیہ (جس پر کبر ہو) اور متکبر بہ (جس چیز کے ذریعہ تکبر کیا جائے) دونوں کا ہونا ضروری ہے یعنی ایک مرتبہ اپنا اور ایک دوسرے شخص کا رتبہ اپنے مرتبہ کو غیر کے مرتبہ سے فائق سمجھنا کبر ہے

عجب: میں صرف متعجب کا ہونا کافی ہے انسان تنہا ہی بغیر دوسرے کے اپنے افعال پر متعجب ہو سکتا ہے یعنی کسی کمال کو اپنے اندر سمجھنا اور اس کو اپنا حق سمجھنا یہ عجب اور خود پسندی ہے۔

ریا: یعنی دکھلا دایہ اکثر عبادات اور امور دینی میں متحقق ہوتی اور عجب و تکبر امور دینی و دنیوی دونوں میں پائے جاتے ہیں۔
اعتراض: ان احادیث میں ہے کہ جس کے دل میں ایک رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہو تو وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا جبکہ دوسری روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس کے دل میں ایک رائی کے دانے برابر بھی ایمان ہوگا، وہ ضرور جنت میں جائے گا، بظاہر تعارض ہے؟

جواب ①: علامہ خطابی رحمہ اللہ کے نزدیک اس سے ایمان قبول کرنے سے تکبر کرنا مراد ہے کہ ایمان نہ لائے اور اسی حال میں وہ مرجائے تو ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

جواب ②: حدیث میں ”دخول اولی“ یعنی ابتداء میں ہی داخل ہونے کی نفی کا ذکر ہے مطلق دخول کی نفی مراد نہیں ہے بلکہ سزا کے بعد اگر اللہ چاہیں تو پھر جائے گا

جواب ③: جب تک اس کے دل میں تکبر ہوگا، وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا جب کبر سے پاک ہو جائے گا خواہ عذاب کے ذریعہ یا عفو و درگزر کی وجہ سے تو پھر جنت میں داخل ہوگا۔
اسباب تکبر: تکبر کے سات اسباب ہیں:

اول: علم: علم کی وجہ سے عالم بہت جلد تکبر میں مبتلا ہو جاتا ہے وہ اپنے کو بڑا اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے اس حالت میں علم عالم کے لئے آفت ہے اس لئے فرمایا کہ حقیقی علم وہ ہے جس کے ذریعہ عالم اپنے اللہ کو پہچانے اور انجام کے خطرے کا ادراک کرے علم حقیقی سے تواضع، خشوع اور خوف خداوندی پیدا ہوتا ہے۔ قال تعالیٰ: ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ (فاطر: ۲۸)
دوم: عمل و عبادت: زاہد و عابد بھی عزت طلبی، جاہ پسندی اور لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنے جیسے رذائل سے خالی نہیں ہوتا بسا اوقات دین و دنیا دونوں کے معاملات میں ان رذائل کا اظہار اس سے ہو جاتا ہے۔

سوم: حسب و نسب: جو شخص عالی نسب ہو وہ اپنے کو فلاں ابن فلاں سمجھتا ہے اور جو لوگ عالی نسب نہیں مگر علم و عمل میں بڑھے ہوتے ہیں ان کو حقیر سمجھتا ہے۔ قال النبی ﷺ لید عن قوم الفخر باباء ہم و قد صاروا افحافی جہنم اولیکون اھون علی اللہ من الجعلان۔ (ابوداؤد و الترمذی)

چہارم: حسن و جمال: حسن کے ذریعہ عموماً عورتیں فخر و تکبر کرتی ہیں بسا اوقات مردوں میں بھی یہ عیب پایا جاتا ہے حالانکہ حسن و جمال

اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے وہ کسی ذاتی چیز نہیں اس لئے اس پر فخر کرنا اور دوسروں کو حقیر جانتا کیسے روا ہو سکتا ہے۔
پنجم: مال: یہ تکبر بادشاہوں، مالداروں اور تاجروں وغیرہ میں ہوتا ہے حالانکہ مال بھی اللہ کا عطیہ ہے یہ تکبر اس وجہ سے بھی ہوتا ہے کہ انسان فقر کی فضیلت اور مال داری کی آفتوں سے ناواقف ہوتا ہے۔

ششم: طاقت: یہ بھی تکبر کا سبب ہے طاقتور انسان کمزوروں کو حقیر جانتا ہے حالانکہ یہ بھی اللہ کا عطیہ ہے ذاتی چیز نہیں ہے۔
ہفتم: کثرت انصار و اعوان: بعض لوگ اپنے تلامذہ، مددگار، اعوان و اتباع و مریدین کی تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے تکبر کرتے ہیں۔
خلاصہ کلام: یہ ہے کہ تکبر ہر اس نعمت اور چیز سے ہوتا ہے جسے انسان کمال سمجھتا ہے خواہ وہ حقیقت میں کمال ہو یا نہ ہو، نیز بعض اسباب تکبر کو تحریک دینے والے ہوتے ہیں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تکبر پر آمادہ کرنے والی تین چیزیں ہیں: (۱) حسد (۲) ریا (۳) عجب، بعض نے فرمایا چوتھی چیز کینہ بھی ہے۔

کبر کا علاج:

کبر کے علاج کے دو طریق ہیں: (۱) یہ کہ شروع ہی سے اس مرض کی جڑیں اکھاڑ دی جائیں اس کی دوسورتیں ہیں علمی اور عملی۔
پہلا طریقہ: علمی تو یہ ہے کہ انسان اپنے نفس اور خالق نفس کو پہچانے کہ اپنی معرفت سے انسان اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ نفس انتہائی ذلیل اور حقیر چیز ہے جس کے مناسب تواضع، ذلت اور انکساری ہے ان کو اختیار کرنا چاہئے اور خالق نفس کی معرفت سے یقین ہوگا کہ عظمت اور کبریائی جیسے اوصاف صرف اللہ تعالیٰ ہی کی شان کے لائق ہیں ان میں دوسرا شریک نہیں ہو سکتا۔
دوسرا طریقہ: یہ ہے کہ ان تمام اسباب کا ازالہ کیا جائے جس سے انسان میں تکبر پیدا ہوتا ہے یہ طریقہ تفصیل طلب ہے احیاء العلوم میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

فقال رجل: علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رجل کا مصداق مالک رحمۃ اللہ علیہ بن مرارة الرہادی ہیں قاضی عیاض نے بھی یہی فرمایا اور ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی طرف اشارہ کیا۔

يعجبني ان يكون ثوبی حسناً ونعلی حسناً: علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں چونکہ متکبرین لوگوں کی عادت یہ ہوتی ہے کہ لباس فاخرہ کے ذریعہ تکبر کرتے ہیں اس وجہ سے اس شخص نے اچھا لباس اور اچھا جوتا پہننے کے متعلق سوال کیا کہ آیا مطلقاً اچھا لباس وغیرہ پسند آنا اور اس کو استعمال کرنا کبر تو نہیں ہے جبکہ اس میں ریا و سمعہ اور دوسروں کی تحقیر کی نیت نہ ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خود جمیل ہیں اور اچھی ہیئت کو پسند فرماتے ہیں اس لئے یہ چیزیں استعمال کرنا کبر نہیں ہے۔

بعض حضرات نے جمال کا ترجمہ تجل سے کیا ہے جس کے معنی سوال سے بچنا، اپنی ضرورت کا اللہ کے علاوہ کسی سے اظہار نہ کرنا اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجل یعنی عفاف عن سواہ کو پسند فرماتے ہیں کہ کسی سے کوئی سوال نہ کیا جائے اور اپنی ہیئت محتاج جیسی نہ بنائی جائے جس سے ضرورت کا اظہار خود بخود ہوتا ہو۔

ولكن الكبر من بطر الحق و غمض الناس: الکبر یہ بحذف المصناف ہے ای ذوالکبر بطر اس کے معنی دفع اور رد کے ہیں۔ غمض ایک روایت میں غمط ہے دونوں متقارب المعنی ہیں کسی کو حقیر جانا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي حُسْنِ الْخُلُقِ

باب ۶۱: حسن خلق کا بیان

(۱۹۲۵) مَا شَيْئٌ أَثْقَلَ فِي مِيزَانِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ خُلُقٍ حَسَنٍ وَإِنَّ اللَّهَ لَيُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِيءَ.

ترجمہ: حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن مومن کے میزان میں اچھے اخلاق کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہوگی اس کی وجہ یہ ہے کہ بے حیا اور فحش گفتگو کرنے والے شخص سے اللہ تعالیٰ نفرت کرتا ہے۔

(۱۹۲۶) مَا مِنْ شَيْءٍ يُوَضَّعُ فِي الْمِيزَانِ أَثْقَلَ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ وَإِنَّ صَاحِبَ حُسْنِ الْخُلُقِ لَيَبْلُغُ بِهِ دَرَجَةً صَاحِبِ الصَّوْمِ وَالصَّلَاةِ.

ترجمہ: حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ بات نقل کرتی ہیں وہ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے میزان میں جو چیزیں رکھی جائیں گی ان میں اچھے اخلاق سے زیادہ وزنی کوئی اور چیز نہیں ہوگی آدمی اپنے اچھے اخلاق کی وجہ سے (بکثرت نفل) نمازیں پڑھنے اور روزہ رکھنے والا شخص کے مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے۔

(۱۹۲۷) سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ أَكْثَرِ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ الْجَنَّةَ فَقَالَ تَقْوَى اللَّهِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ وَسُئِلَ عَنْ أَكْثَرِ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ النَّارَ فَقَالَ الْفَمُّ وَالْفَرْجُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا کس عمل کی وجہ سے زیادہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی پرہیزگاری کی وجہ سے اور اچھے اخلاق کی وجہ سے پھر آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا کس عمل کی وجہ سے زیادہ لوگ جہنم میں داخل ہوں گے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا منہ اور شرمگاہ کی وجہ سے۔

(۱۹۲۸) أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الصَّبِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو وَهْبٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْمُبَارَكِ أَنَّهُ وَصَفَ حُسْنَ الْخُلُقِ فَقَالَ هُوَ بَسْطُ الْوَجْهِ وَبَذْلُ الْمَعْرُوفِ وَكَفُّ الْأَذَى.

ترجمہ: احمد بن عبدہ ضعی رضی اللہ عنہ نے ابو وہب کے حوالے سے یہ بات نقل کی ہے عبد اللہ بن مبارک نے اچھے اخلاق میں یہ باتیں شمار کی ہیں خندہ پیشانی سے ملنا بھلائی کے کاموں میں خرچ کرنا اور تکلیف دہ چیزوں کو دور کرنا۔

تشریح: عن عبد اللہ بن المبارک انہ وصف حسن الخلق، فقال: هو بسط الوجه، وبذل المعروف، وكف الأذى۔ حضرت عبد اللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ نے حسن خلق کی یہ تعریف کی ہے کہ خندہ پیشانی سے ملنا، بھلائی کو پھیلانا (یا لوگوں پر نفع بخش چیز خواہ وہ مال ہو یا اور کوئی چیز، خرچ کرنا) اور تکلیف (یا تکلیف دہ چیز) کو دور کرنا حسن اخلاق کہلاتا ہے۔ حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: الخلق الحسن الخلق الكريم والبذلة والاحتمال، شعبی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حسن الخلق البذلة والعطية والبشر الحسن۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حسن خلق یہ ہے کہ تو غصہ نہ کر اور کینہ نہ رکھ نیز لوگوں کو ایذا پر صبر کرنا بھی حسن خلق

میں داخل ہے۔

حسن اخلاق کی فضیلت:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: مومن کے ترازو میں قیامت کے دن حسن خلق سے زیادہ وزنی کوئی چیز نہ ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ بخشش اور بیہودہ کلام کرنے والے کو پسند نہیں فرماتے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت: کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ترازو میں حسن اخلاق سے زیادہ وزنی کوئی چیز نہیں رکھی جائے گی اور بے شک خوش اخلاق، حسن خلق کی وجہ سے روزے دار اور نمازی کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے۔

جنت اور جہنم میں لے جانے کے اسباب:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے ان چیزوں کے بارے میں پوچھا گیا جو لوگوں کو جنت میں زیادہ داخل کرانے کا سبب بنیں گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا خوف اور اچھے اخلاق، (جنت میں داخل ہونے کا زیادہ باعث دو چیزیں ہیں تقویٰ اور حسن اخلاق اس سے اشارہ فرمایا حسن معاملہ مع المخلوق کی طرف یعنی لوگوں کے ساتھ حسن سلوک، خندہ پیشانی، نرم گفتگو، کف ازی اور احتمال ازی کے ساتھ پیش آنا یہ بھی دخول جنت کا سبب ہے، لہذا جس شخص کو تقویٰ اور حسن خلق دونوں صفات حاصل ہوں گی وہ بہت جلد جنت میں داخل ہوگا۔)

الفم و الفرج: پھر ان چیزوں کے بارے میں سوال کیا گیا جو بکثرت لوگوں کو جہنم میں داخل کرانے کا ذریعہ بنیں گی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: منہ اور شرمگاہ۔

ان کے بالمقابل دو چیزیں ہیں جن کی وجہ سے اکثر لوگ جہنم میں جائیں گے وہ ”منہ اور شرمگاہ“ ہیں۔ منہ سے زبان مراد ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے، اسے اگر انسان اچھے امور میں استعمال کرے تو باعث رحمت ہے، ناجائز چیزیں منہ سے نکالے تو دنیا و آخرت میں ذلت و رسوائی کے سوا کچھ نہیں اس کی اطاعت بھی زیادہ اور گناہ بھی زائد ہے ایمان و کفر دونوں کی حقیقتوں کا اظہار اسی سے ہوتا ہے اول اعلیٰ درجہ کی اطاعت ہے اور دوسری اعلیٰ درجہ کی معصیت ہے۔ بہر حال جہنم میں داخل کرنے والے اسباب میں سرلیج سبب زبان کو فرمایا گیا ہے اس لئے اس میں بے شمار آفات ہیں۔ غلطی، جھوٹ، غیبت، چغل خوری، فحش گوئی، خصومت، لغو گوئی، خود ستائی، ایذا رسانی، پردہ دری، بات کو بڑھا گھٹا کر پیش کرنا وغیرہ بے شمار عیوب کا تعلق زبان ہی سے ہے اس لئے جلدی ہی جہنم میں داخل کرنے والی چیز ہے کما قیل جرمہ جرمہ صغیر و جرمہ جرمہ کبیر۔

قال النبی ﷺ وھل یکب الناس فی النار علی مناخرھم الا حصائد السننھم، زبان کے شیر سے وہی محفوظ رہ سکتا ہے جو اسے شریعت کی لگام دے اور سنت کی زنجیریں اس میں ڈال دے اور اس وقت آزاد کرے جب کوئی ایسی بات کرنی ہو جو دین و دنیا کے لئے مفید ہو۔ انسان کے اعضاء میں سب سے زیادہ نافرمانیاں زبان سے سرزد ہوتی ہیں اس لئے کہ اس کو حرکت دینے میں نہ کوئی دقت ہے اور نہ تعب و تکان ہوتی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے زبان کو محفوظ رکھنے کے بارے میں بہت تاکید فرمائی ہے فرمایا:

امسک علیک لسانک ولیسعک بیتک ولیبنک علی خطیئتک۔

نیز فرمایا:

من يتكفل لي بما بين لحييه ورجليه اتكفل له الجنة و قال ﷺ اذا صبح ابن آدم اصبحت الاعضاء كلها تذكر اللسان اى تقول اتق الله فينا فانك ان استقممت استقمنا وان اعوججت اعوججنا۔ (ترمذی)

”جو شخص مجھے اپنے دو جڑے اور ٹانگوں کے درمیان کی ضمانت دے دے میں اُکے لئے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ جب ابن آدم صبح کرتا ہے تو تمام اعضاء اس کی زبان سے عرض کرتے ہیں یعنی کہتے ہیں ہمارے بارے میں اللہ سے ڈرا اگر تو سیدھی ہوگی ہم بھی سیدھے ہوں گے اگر تو ٹیڑھی ہوگی تو ہم بھی ٹیڑھے ہوں گے۔“

الفرج: اس سے مراد شہوت فرج ہے جس کی وجہ سے بکثرت آدمی جہنم میں پہنچتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر قوت جماع مصلحت رکھی ہے لیکن اس کو قابو میں رکھنے کا حکم فرمایا ہے جو شخص اس کو قابو میں نہ رکھے اور اس شہوت کو اعتدال میں نہ کرے تو وہ بے شمار آفتوں کی وجہ سے دنیا کو کھو بیٹھتا ہے اور دین بھی ضائع کر دیتا ہے، شیطان کا آدھا لشکر شہوت ہے اور آدھا لشکر غضب۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْإِحْسَانِ وَالْعَفْوِ

باب ۶۲: احسان اور معاف کرنے کا بیان

(۱۹۲۹) قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ الرَّجُلُ أَمْرٌ بِهِ فَلَا يَقْرِنُنِي وَلَا يُضَيِّفُنِي فَيَمْزُجُنِي أَفَأَجْزِيهِ قَالَ لَا أَقْرِبُهُ قَالَ وَرَأَيْتُ رَتَّ الثِّيَابِ فَقَالَ هَلْ لَكَ مِنْ مَالٍ قُلْتُ مِنْ كُلِّ الْمَالِ قَدْ أَعْطَانِي اللَّهُ مِنَ الْإِبِلِ وَالْغَنَمِ قَالَ فَلْيُرْ عَلَيْكَ.

ترجمہ: ابو احوص رضی اللہ عنہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ میں ایک شخص کے پاس سے گزرتا ہوں وہ میری ضیافت نہیں کرتا اور نہ مجھے مہمان بناتا ہے جب وہ میرے پاس سے گزرتا ہے تو کیا میں بھی اسے اسی طرح بدلہ دوں؟ تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا نہیں تم اس کی میزبانی کرو۔

راوی بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے مجھے پھٹے پڑانے کپڑوں میں دیکھا تو دریافت کیا تمہارے پاس مال موجود ہے؟ میں نے عرض کی ہر طرح کا مال موجود ہے اللہ تعالیٰ نے مجھے اونٹ اور بکریاں عطا کی ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تو اس (خوشحالی کا اثر تم پر) نظر آنا چاہئے۔

(۱۹۳۰) لَا تَكُونُوا إِمْعَةً تَقُولُونَ إِنْ أَحْسَنَ النَّاسُ أَحْسَنًا وَإِنْ ظَلَمْنَا ظَلَمْنَا وَلَكِنْ وَطِّنُوا أَنْفُسَكُمْ إِنْ أَحْسَنَ النَّاسُ أَنْ تُحْسِنُوا وَإِنْ أَسَاؤُ فَلَا تَظْلِمُوا.

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا دوسروں جیسا رویہ اختیار نہ کرو کہ تم یہ کہو اگر لوگوں نے اچھائی کی ہے تو ہم بھی اچھائی کر لیں گے اگر انہوں نے زیادتی کی ہے تو ہم بھی زیادتی کریں گے خود کو یہ تلقین کرو اگر لوگوں نے اچھائی کی تو

تم بھی اچھائی کرو گے اگر وہ برائی کریں گے تو تم زیادتی نہیں کرو گے۔

لغات: لایقرینی ولا یضیفنی دوسرا جملہ پہلے کی تفسیر ہے وہ میری ضیافت اور مہمان نوازی نہیں کرتا۔ رث الثیاب بوسیدہ اور پھٹے ہوئے کپڑے۔

فلیو: یہ مجہول کا صیغہ ہے: اس مال کا اثر آپ پر دکھائی دینا چاہئے، نظر آنا چاہئے۔ ائمة: تائبانہ کی ہے نہ کہ تانیث کی۔ ابن الوقت، ہر ایک کی ہاں میں ہاں ملانے والا، کسی بات پر نہ جننے والا، ضعیف الراکی، حالات کے ساتھ چلنے والا۔ صاحب قاموس لکھتے ہیں کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو اپنی کسی رائے پر قائم نہ ہو بلکہ کسی شخص کی تابعداری کرتا ہو نیز اس کا اطلاق اس شخص پر بھی ہوتا ہے جو بغیر دعوت طعام کے لوگوں کے ساتھ طفلی بن کر آجائے نیز وہ شخص بھی اس سے مراد ہو سکتا ہے جو اپنی ضعف رائے کی بناء پر ہر کسی کے ساتھ ہو جائے۔ مگر یہاں مراد وہ شخص ہے جو اپنے نفس کی خواہش و تمنا کی پیروی کرتا ہو بعض فرماتے ہیں وہ شخص مراد ہے جو یہ کہے کہ جس طرح لوگ میرے ساتھ برتاؤ کریں گے میں بھی ویسا ہی برتاؤ ان کے ساتھ کروں گا۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہی آخری معنی یہاں متعین ہیں جیسا کہ تقولون ان احسن الناس الخ سے معلوم ہوتا ہے چنانچہ علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تقولون الخ یہ ائمة کی تفسیر ہے۔ وطنوا: تم اپنے کو تیار اور آمادہ کرو۔ وان اساءوا: اور اگر وہ برائی کریں، بدسلوکی کا برتاؤ کریں۔

روایت السباب کا خلاصہ: یہ ہے کہ تم لوگوں کے ساتھ ہر حال میں احسان و عفو و درگزر کا معاملہ کرو خواہ وہ تمہارے اوپر ظلم و زیادتی کریں اعلیٰ درجہ یہی ہے کہ عفو و درگزر سے کام لیا جائے اگرچہ برائی کا بدلہ اتنی ہی برائی سے دینا جائز و درست ہے۔ قولہ تعالیٰ: ﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ﴾ (نحل: ۱۲۶) عفو و درگزر کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَسِنَّ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ﴾ (الشوری: ۴۰) اور حضور ﷺ نے فرمایا: واعف عمن ظلمک۔ نیز علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے طرق کثیرہ سے ایک روایت نقل کی ہے جس کے الفاظ ہیں:

اول مناد من عند الله يقول ابن الذین اجرهم علی الله فيقوم من عفا فی الدنيا.

”سب سے پہلے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ پکاریں گے اور فرمائیں گے کہاں ہیں وہ لوگ جن کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے۔ پس ہر وہ شخص کھڑا ہوگا جس نے دنیا میں معاف کر دیا ہوگا۔“

معلوم ہوا کہ برائی کا بدلہ اچھائی کے ساتھ دینا اور لوگوں کے ظلم و زیادتی کو معاف کر دینا بہت بڑی فضیلت اور باعث ہے۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فلا تظلموا میں ظلم سے مراد صرف بدلہ لینا تو پھر حدیث شریف میں احسان کی تعلیم ہے کہ اگر کسی نے ظلم کیا تو تم اس سے بدلہ نہ لو بلکہ معاف کر دو۔

عمدہ لباس اور عمدہ غذا میں استعمال کرنا اسلام کے خلاف نہیں:

روایت الباب سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو استعمال کرنا چاہئے عمدہ غذا میں، عمدہ لباس و پوشاک کا پہننا جبکہ وسعت ہو مطلوب و محمود ہے، وسعت ہوتے ہوئے پھٹے حال، گندہ پرانہ گندہ رہنا نہ اسلام کی تعلیم ہے اور نہ اسلام میں پسندیدہ چیز ہے جیسا کہ بہت سے جاہل اس کو پسند کرتے ہیں۔ سلف صالحین اور ائمہ اسلام میں بہت سے اکابر جن کو اللہ تعالیٰ نے مالی وسعت عطا فرمائی تھی اکثر عمدہ اور بیش قیمت لباس استعمال فرماتے تھے خود آپ ﷺ کے بارے میں منقول ہے کہ جب اچھا لباس میسر ہوتا تو

زیب تن فرماتے تھے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ہے کہ آپ نے چار سو گنی قیمت کی چادر استعمال فرمائی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ نفیس اور عمدہ لباس پہنتے تھے۔ ان کے لئے تو کسی صاحب نے پورے سال کے لئے تین سو ساٹھ جوڑوں کا سالانہ انتظام اپنے ذمہ لے لیا تھا ہر روز نیا جوڑا استعمال فرماتے جو ایک مرتبہ استعمال کر لیا دوبارہ اس کو نہ پہنتے تھے بلکہ کسی غریب طالب علم کو دے دیا کرتے تھے۔ بہر حال اظہار نعمت بھی ایک قسم کا شکر ہے اس کے بالمقابل وسعت ہوتے ہوئے پھٹے پرانے کپڑے پہننا ایک قسم کی ناشکری ہے البتہ عمدہ لباس استعمال کرنے میں دو چیزوں سے بچنا لازم ہے۔ اول: ریا و نمود دوسرے فخر و غرور یعنی محض لوگوں کو دکھلانے اور اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے لئے لباس فاخرہ استعمال نہ کرے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي زِيَارَةِ الْإِخْوَانِ

باب ۶۳: مسلمان بھائی کی ملاقات کے لیے جانا۔

(۱۹۳۱) مَنْ عَادَ مَرِيضًا أَوْ زَارَ أَخَاهُ فِي الْحَالَةِ فِي اللَّهِ تَادَاكَ مُنَادٍ أَنْ طَبْتُ وَطَابَ مَمَشَاكَ وَتَبَوَّاتُ مِنَ الْجَنَّةِ مَنَزَلًا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی بیمار کی عیادت کرے یا کسی دینی بھائی کی زیارت کرے تو ایک شخص یہ اعلان کرتا ہے تمہیں مبارک ہو تمہارا چلنا مبارک ہو تم نے جنت میں اپنے لیے جگہ بنالی ہے۔
لغات: الاخوان: اخ کی جمع ہے: مسلمان بھائی۔ مناد: ندا دینے والا۔ طبت: تم اچھے رہے۔ طاب: اچھا ہے، مبارک ہو۔ ممشاك: آپ کا چلنا۔ تبوأت: تو نے ٹھکانا بنالیا۔

تشریح: من عاد مریضاً: حقوق مسلم میں سے ایک حق یہ ہے کہ محض اللہ کے لئے مریض کی عیادت کرے یہ بہت بڑی فضیلت کا باعث ہے، اللہ تعالیٰ کا منادی اس کو دنیا و آخرت کی خوش عیشی پر مبارکباد دیتا ہے۔ عیادت مریض سے متعلق ایک حدیث میں ہے:

اِذَا عَادَ الرَّجُلُ الْمَرِيضَ خَاضَ فِي الرَّحْمَةِ فَإِذَا قَعَدَ عِنْدَهُ انْغَمَسَ فِيهَا.

”جب کوئی شخص کسی مریض کی عیادت کرتا ہے تو وہ رحمت میں ڈوب جاتا ہے۔ جو اُ کے پاس بیٹھتا ہے تو رحمت الہی میں غوطہ لگاتا ہے۔“

نیز ایک روایت میں ہے:

مَنْ أَمَى أَخَاهُ الْمُسْلِمَ عَائِدًا مَشَى فِي خَرَافَةِ الْجَنَّةِ حَتَّى يَجْلِسَ فَإِذَا جَلَسَ غَمَرَتْهُ الرَّحْمَةُ فَإِنْ كَانَ غُدُوَّةً صَلَّى عَلَيْهِ سَبْعُونَ أَلْفَ مَسَاءً صَلَّى عَلَيْهِ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتَّى يُصْبِحَ.

جو اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کے لئے آ رہا ہو تو وہ جنت میں چل رہا ہے یہاں تک کہ بیٹھ جائے اور جب وہ بیٹھ جائے تو رحمت اس کو ڈھانپ لیتی ہے اگر صبح کا وقت ہو تو شام تک ستر ہزار فرشتے اس کے لئے رحمت و بخشش کی دعا کرتے ہیں اور

اگر شام کا وقت ہو تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے لئے دعا کرتے ہیں۔ (ابن ماجہ ۱/۱۳۳۲)

فائدہ: حضرات علماء فرماتے ہیں عیادت عبادت سے لفظاً معنی، عدداً ہر اعتبار سے بڑھی ہوئی ہے۔

- ① عیادت میں یاء ہے جس میں دو نقطے ہیں اور عبادت میں باء جس میں صرف ایک نقطہ ہے۔
- ② معنی کے اعتبار سے عبادت نفلی سے عیادت مریض افضل ہے۔
- ③ عدد کے اعتبار سے یاء کا عدد دس ہے اور باء کا عدد صرف دو ہے۔

زارا خالہ: ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے ملنا جس سے دونوں کو مسرت و خوشی ہوتی ہے محض اللہ کے لئے ہو تو بڑی فضیلت کا سبب ہے۔

ان طبیب: یہ دعا دنیا و آخرت کی خوشی عیشی کے لئے ہے۔ طاب ہم شاک: یہ مصدر ہے ظرف مکان یا زمان ہے یعنی یہ چلنا، یا جہاں تو جا رہا ہے یا جس زمانہ میں جا رہا ہے یہ سب قابل مبارک باد ہیں یعنی اس کا ذریعہ ہے کہ تیرا آخرت کی طرف جانا اس حال میں ہے تو رذائل سے پاک ہے اور خصائل حمیدہ کے ساتھ آراستہ ہے۔ تبوات: اس کے معنی تھیات یعنی تیار کر لیا تو نے منزل اے منزلًا عظیمیا اس سے عیش آخرت کی طرف اشارہ ہے۔

عیادت کا شرعی حکم:

نوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: مریض کی عیادت کرنا بالاجماع سنت ہے، خواہ مریض معروف ہو یا اجنبی، قریب ہو یا بعید اور کس مریض کی عیادت کرنا زیادہ افضل اور زیادہ مؤکدہ ہے؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ (شرح مسلم ج ۱ ص ۱۸۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۱۷۵ھ)

علامہ طبری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جن کی عیادت کرنے سے برکت متوقع ہو ان کی عیادت کرنا مؤکدہ ہے، اور جن کے احوال کی رعایت مطلوب ہوتی ہے ان کی عیادت مسنون ہے اور عام مسلمانوں کی عیادت کرنا مباح ہے اور کافر کی عیادت کرنے کا حکم عنقریب آئے گا۔ بعض علمائے نے اس عموم سے آشوب چشم کے مریض کا استثناء کیا ہے، لیکن آشوب چشم کے بارے میں خصوصیت کے ساتھ حدیث ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے الادب المفرد میں، امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میری آنکھوں میں درد تھا اور رسول اللہ ﷺ نے میری عیادت کی، اس کے برخلاف امام بیہقی اور امام طبرانی رحمہ اللہ نے مرفوعاً روایت کیا ہے: تین مرضوں میں عیادت نہیں ہے، آشوب چشم، پھنسی پھوڑے اور ڈاڑھ کی تکلیف، لیکن یہ حدیث یحییٰ بن ابی کثیر رحمہ اللہ پر موقوف ہے (یعنی مرفوع نہیں ہے) اس حدیث میں عیادت کرنے کا مطلقاً حکم دیا گیا ہے۔ اور اس حکم کو کسی زمانہ کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا۔

عیادت کے اوقات:

اس کا مطلب یہ ہے کہ مرض کی ابتداء میں بھی عیادت کرنا جائز ہے اور یہی جمہور کا قول ہے۔

مریض کی عیادت سے اس کا حال معلوم ہوتا ہے اور اس کے ساتھ الفت کا اظہار ہوتا ہے، بسا اوقات عیادت سے مریض کا دل بہلتا ہے اور اس کی توانائی بحال ہوتی ہے، چونکہ حدیث میں مطلقاً عیادت کرنے کا حکم ہے اس سے معلوم ہوا کہ عیادت کا کوئی خاص وقت مقرر نہیں ہے لیکن عام طور پر دن میں صبح یا شام کے وقت عیادت کی جاتی ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے الادب المفرد میں رات کے وقت عیادت کرنے کا ایک عنوان قائم کیا ہے جس میں خالد بن رفیع رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے تو آدھی رات کو ان کی عیادت کی گئی، اثرم نے نقل کیا ہے: امام احمد رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ گرمیوں میں دن چڑھنے کے بعد فلاں شخص

کی عیادت کی جائے؟ انہوں نے کہا کہ یہ عیادت کا وقت نہیں ہے، امام غزالی رحمہ اللہ نے احیاء العلوم میں یہ وثوق کے ساتھ کہا ہے کہ تین دن سے پہلے عیادت نہ کی جائے اور اس پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ تین دن گزرنے کے بعد ہی مریض کی عیادت کرتے تھے، لیکن یہ حدیث بہت ضعیف ہے، اس کی روایت میں مسلمہ بن علی رحمہ اللہ متفرد ہے اور وہ متروک ہے، امام ابو حاتم رحمہ اللہ سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا یہ حدیث باطل ہے، امام طبرانی رحمہ اللہ نے اوسط میں اس حدیث کے ایک شاہد کا ذکر کیا ہے لیکن اس کی سند میں بھی ایک متروک راوی ہے۔

عیادت کے آداب:

عیادت کے آداب میں سے یہ ہے کہ مریض کے پاس زیادہ دیر نہ بیٹھے جس سے مریض تنگ ہو یا مریض کے گھر والوں کو حرج ہو، ہاں اگر مریض کے پاس زیادہ دیر ٹھہرنے کی ضرورت ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔ (فتح الباری - ج ۱ ص: ۱۱۲-۱۱۳)

مریض کی عیادت کے لئے جائے تو اس کو تکلیف پر صبر کی تلقین کرے اور تسلی آمیز کلمات کہے، اس کے سامنے ایسی باتیں کرے جس سے وہ خوش ہو اور اس کا دل بہلے اس کو وہ احادیث سنائے جن میں یہ ذکر ہے کہ بیماری گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے، اس کو توبہ، استغفار اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کے لئے کہے اور حالت مرض میں نماز پڑھنے اور جو عبادات وہ کر سکتا ہو ان عبادات کی تلقین کرے اور مریض کو اس قسم کی احادیث سنائے، حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مومن اور مومنہ یا مسلم اور مسلمہ بیمار ہو تو اللہ تعالیٰ اس بیماری کی وجہ سے اس کا گناہ مٹا دیتا ہے، ایک روایت میں ہے اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے، اس حدیث کو امام احمد، امام ابویعلیٰ اور امام بزار رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے اور امام احمد کی سند صحیح ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص: ۳۰۱)

اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومن کو جسم میں جو بھی تکلیف ہو وہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے، اس حدیث کو امام احمد اور امام طبرانی رحمہم اللہ روایت کیا ہے، امام احمد رحمہ اللہ کی سند صحیح ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص: ۳۰۱)

حسن بصری رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سخت بیمار ہو گئے ہم ان کی عیادت کے لئے گئے، حسن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ کو اس حالت میں دیکھ کر مجھے بہت افسوس ہوا، حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے بھتیجے ایسا نہ کہو، بخدا مجھے سب سے زیادہ وہی پسند ہے جو سب سے زیادہ اللہ عز وجل کو پسند ہے اور اللہ عز وجل نے فرمایا: ﴿وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ﴾ (الشوری: ۳۰) اور تمہیں جو مصیبت پہنچی ہے تو وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی کے سبب پہنچی ہے اور تمہاری بہت سی خطاؤں کو تو وہ معاف کر دیتا ہے۔ یہ بیماری جو تم دیکھ رہے ہو یہ میرے کئے ہوئے گناہوں میں سے بعض کی سزا ہے پھر باقی گناہوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرمادے گا، اس حدیث کو امام طبرانی رحمہ اللہ نے سند صحیح کے ساتھ بیان کیا ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص: ۳۰۲)

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو بندہ کسی مرض میں مبتلا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو پاک کر کے اٹھاتا اس حدیث کو امام طبرانی رحمہ اللہ نے معجم کبیر میں روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص: ۳۰۲)

بدعقیدہ اور بدکار کی عیادت سے ممانعت:

امام ابوداؤد رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں:

عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْقَدَرِيَّةُ مَجْهُوسٌ هَذِهِ الْأُمَّةُ إِنْ

مَرَضُوا فَلَا تَعُوذُوهُمْ وَإِنْ مَاتُوا فَلَا تَشْهَدُوهُمْ.

”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: منکرین تقدیر اس امت کے مجوس ہیں اگر وہ بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت مت کرو اور اگر وہ مر جائیں تو ان کے جنازہ میں نہ جاؤ۔“

اس حدیث کو امام ابن ماجہ اور امام احمد رحمہما نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۱۲۳)

امام بخاری رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں: عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص قال: لا تعودوا شراب الخمر اذا مرضوا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ شرابی جب بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت مت کرو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحَيَاءِ

باب ۶۴: حیا کا بیان

(۱۹۳۲) الْحَيَاءُ مِنَ الْإِيمَانِ وَالْإِيمَانُ فِي الْجَنَّةِ وَالْبَذَاءُ مِنَ الْجَفَاءِ وَالْجَفَاءُ فِي النَّارِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے حیا ایمان کا حصہ ہے اور ایمان جنت میں لے جاتا ہے بے حیائی ظلم کا حصہ ظلم جہنم میں لے جاتا ہے۔

لغات: الحیاء: وہ خاص صفت جو آدمی کو گناہوں سے روکتی ہے، اور فرائض و حقوق ادا کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔ البذاء: (باء پر زبر کے ساتھ) بدکلامی، بدزمانی، بد خلقی۔ جفاء: سخت دلی، اکھڑ پن، قساوت قلبی۔

تشریح: حیا کی اقسام:

حضرات علماء نے حیا کی مختلف اقسام فرمائی ہیں:

اول: جیسے حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے حیا کی گناہ صادر ہونے کی بناء پر، اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا افرار امنا تو حضرت آدم علیہ السلام نے جواب میں کہا: لا بل حیا منک۔

دوم: حیا تقصیر جیسے ملائکہ کی حیا انہوں نے حیا کی بارگاہ میں عرض کیا: سبحانک ما عبدناک حق عبادتک۔

سوم: حیا اجلال: جیسے حضرت اسرافیل کی حیا کہ وہ اپنے پروں کو اللہ تعالیٰ کی وجہ سے سیٹھے ہوئے ہے۔

چہارم: حیا کرم جیسے حضور ﷺ کی حیا یعنی لوگوں کو کھانا کھانے کے بعد آپ ﷺ کے گھر میں بیٹھے رہنا اور آپ کا حیا ان کو چلے جانے کا حکم نہ فرمانا: قوله تعالیٰ: ﴿إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَجِيبُ مِنْكُمْ﴾ (الاحزاب: ۵۳)

پنجم: حیا حشمت جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حیا کہ حضور ﷺ سے مذی سے متعلق سوال نہ کر سکے بلکہ دوسرے صحابی سے سوال کو کہا۔

ششم: حیا استحقار جیسے حیا موسیٰ علیہ السلام۔ قال انی لتعرض لی الحاجة من الدنيا فاستحي ان اسئلك یا رب

فقال عز وجل سلنی حتی ملح عجبینک... الخ.

حیا انعام: وهو حیا الرب تعالیٰ اذا اذنب العبد۔

حیاء ایک عمدہ خصلت:

اس حدیث میں دو چیزیں بیان کی گئی ہیں ایک حیاء اور دوسرا بذاء، حیاء ایک اچھی خصلت ہے جو انسان کو برائی سے روکتی اور نیکی پر ابھارتی ہے انسان اس کی وجہ سے بہت عیوب و ذنوب سے محفوظ رہتا ہے اسی وجہ سے اس کو ایمان کا اہم شعبہ قرار دیا گیا ہے اس لئے کہ حیاء ایمان کے مقتضیات و لوازم میں سے ہے حیاء کو خصوصاً شعبہ ایمان فرمایا گیا ہے کیونکہ حیاء ایسا خلق ہے جو باقی جملہ شعبہ ایمان کے لئے داعی کی حیثیت رکھتا ہے۔

والایمان فی الجنة: یعنی اہل الایمان فی الجنة بطور شکل اول: الحیاء من الایمان، وکل من الایمان فی الجنة فالحیاء فی الجنة۔ یعنی جب حیاء ایمان کا اہم شعبہ ہے اور ایمان جنت میں داخل ہونے کا ذریعہ ہے تو نتیجہ یہ ہوا کہ حیاء جنت میں داخل ہونے کا ذریعہ ہے۔

استراض: ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”الحیاء خیر کله“ حیاء سارے کا سارا خیر ہے، اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ بسا اوقات شرم و حیاء کی وجہ سے بعض لوگ حق بات دوسروں تک نہیں پہنچا سکتے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کر سکتے، اس لحاظ سے حیاء خیر کیسے ہے؟

جواب: کہ شرم و حیاء اس چیز سے مانع نہیں ہے کیونکہ حیاء گناہوں سے روکتا ہے اور نیکی پر ابھارتا ہے، حق بات کہنے وغیرہ سے مانع بزدلی ہوتی ہے، اس میں جرأت اور دلیری ہے کہ دوسروں کے سامنے حق بات کر سکے اس لئے یہ کہنا شرم و حیاء اس چیز سے مانع ہوتی ہے درست نہیں ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الأدب، باب الرفق والحیاء ۸/ ۸۰۰، ۸۰۶)

والبذاء من الجفاء: اور بذاء یعنی بد کلامی اور بد اخلاقی ایک بری عادت ہے جو سخت دلی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور انسان کو گناہوں کی طرف لے جاتی ہے، ایسا شخص جہنم میں داخل کیا جائے گا۔ بذاء خلاف حیاء کو کہتے ہیں، جب حیاء نہ ہوگی وایسا شخص فاحش اور بد اخلاق ہوگا چونکہ اس میں جفاء یعنی قساوت قلبی اور غلظت پائی جائے گی جس کی وجہ سے وہ گناہوں کا شکار ہوگا اور اس کو جہنم میں داخل کر دیا جائے گا یا تو ہمیشہ کے لئے یا ایک خاص مدت کے لئے۔

علامات شقاوت:

فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شقاوت و بد بختی کی پانچ علامتیں ہیں: (۱) قسوة القلب (۲) جمود العین (۳) قلت الحیاء (۴) رغبۃ الدنیا (۵) طول الاطل۔ بہر حال روایت الباب سے حیاء کی فضیلت اور بے حیائی کی مذمت معلوم ہوتی ہے۔

حیاء پیدا کرنے کا طریقہ:

حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حیاء عجیب چیز ہے اگر مخلوق سے حیاء ہوگی تو کوئی ایسی حرکت نہ ہوگی جس کو مخلوق پسند نہ کرتی ہو۔ اگر خالق سے حیاء ہوگی تو ان افعال سے اجتناب ہوگا جو خالق کے نزدیک ناپسند ہیں۔ مخلوق سے حیاء کرنا تو طبعی امر ہے البتہ خالق سے حیاء کرنے کا طریقہ معلوم کرنا ضروری ہے، سو اس کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی وقت تنہائی کا مقرر کر کے بیٹھے اور اپنی نافرمانیاں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد کیا کرے چند روز میں حیاء کی کیفیت پیدا ہو جائے گی، اور ایک عظیم شعبہ ہاتھ آجائے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الثَّانِي وَالْعَجَلَةِ

باب ۶۵: اچھی عادات اختیار کرنا جلد بازی سے کام نہ لینا

(۱۹۳۳) السَّمْتُ الْحَسَنُ وَالتَّوَدُّدُ وَالْإِقْبَاتُ صَادُجُزْمٌ مِنْ أَرْبَعَةٍ وَعِشْرِينَ جُزْأً مِنَ التَّوْبَةِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن سرجس مزی بن یحییٰ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اچھی عادات اختیار کرنا جلد بازی سے کام نہ لینا اور میانہ روی اختیار کرنا نبوت کا چوبیسواں جز ہے۔

(۱۹۳۴) لَا تَجْعَلْ عَبْدُ الْقَيْسِ إِنْ فُيِكَ خَصَلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللَّهُ الْجِلْمُ وَالْأَنَاقَةُ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے عبدالقیس قبیلہ کے سردار سے یہ فرمایا تھا تمہارے اندر دو خصوصیات ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے بردباری اور جلد بازی نہ کرنا۔

(۱۹۳۵) الْأَنَاقَةُ مِنَ اللَّهِ وَالْعَجَلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ.

ترجمہ: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جلد بازی نہ کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔

لَعَنَاتُ: الثَّانِي: وقار و سنجیدگی، تحمل و بردباری۔ العجلة: سرعت، جلد بازی۔ السميت: نمایاں راستہ، طریقہ۔ أناقة: متانت و سنجیدگی اور وقار۔ السميت الحسن: اس کے معنی پسندیدہ عادت اور اچھے طریقہ کے ہیں۔ التوددة: بضم التاء وفتح الهمزة اس کے معنی ہیں کسی کام کو اطمینان و سکون سے کرنا اس میں جلدی نہ کرنا۔ الاقتصاد: اس کے معنی ہیں افراط و تفریط سے بچ کر درمیانی راہ اختیار کرنا علامہ تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اقتصاد کا اطلاق دو معنی پر ہوتا ہے اول اچھے اور برے فعل کے درمیان راستہ نکالنا مثلاً جو رو عدل کے درمیان یا اسراف اور جور کے درمیان کی راہ اسی طرح بخل اور سخاوت کے درمیان کا راستہ اختیار کرنا یہ سب اقتصاد میں داخل ہے دوم ایسی درمیانی راہ جس کے دونوں جانب افراط و تفریط ہو۔

جزء نبوت ہونے کا مطلب:

① علامہ تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان امور کے جزء نبوت ہونے کا مطلب کسی کو معلوم نہیں اس کی مراد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ ہی خوب جانتے ہیں۔

② علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں روایت کا مطلب یہ ہے کہ یہ امور مثلاً ایسے ہیں کہ ان کے ساتھ انبیاء علیہم السلام متصف ہوتے ہیں اور یہ ان کی عادات سے ہے لہذا یہ تینوں امور فضائل کے اعتبار سے بہت اچھے ہیں جس میں یہ باتیں پائی جائیں گی اس کو انبیاء علیہم السلام کے فضائل کے اجراء میں سے ایک جزء حاصل ہوگا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ نبوت منجبری ہے کہ ایسا شخص جزء نبی ہو کیونکہ نبوت وہی شئی ہے شئی مکتسب نہیں ہے۔

③ یہ امور ثلاثہ ایسے ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام نے ان کی دعوت دی ہے لہذا ان اوصاف کے ساتھ متصف ہونے والا انبیاء علیہم السلام کی طرح داعی کہلائے گا۔

④ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس میں یہ امور پائے جائیں گے اس سے لوگ تعظیم و تکریم کے ساتھ ملاقات کریں گے اور اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو لباس تقویٰ سے آراستہ فرمائیں گے جس طرح انبیاء علیہم السلام کو آراستہ فرماتا ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الأدب، باب الحذر والثانی فی الامور ۷۸۹/۸)

نبوت کے اجزاء کے لئے چوبیس یا پچیس کا عدد کیوں خاص کیا ہے؟

جواب ①: اس عدد سے کثرت بیان کرنا مقصود ہے، اجزاء نبوت کو اس عدد میں منحصر کرنا مقصود نہیں ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الادب، باب الحذر والثانی فی الامور ۷۸۹/۹)

جواب ②: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اجزاء نبوت کے بیان کے لئے اس عدد کی تخصیص کی وجہ اللہ تعالیٰ اور سکے رسول ہی کو معلوم ہے، اس کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں اس لئے اس بحث میں پڑنے کی ضرورت ہی نہیں۔ (الکوب الدری، ۶۸/۳)

جواب ③: بعض نے یہ کہا کہ پیغمبر کی زندگی جن محاسن اور کمالات سے مکمل اور مزین ہوتی ہے، یہ تینوں اوصاف ان کا چوبیسواں حصہ ہیں۔

جواب ④: یا یہ کہ انسانی سیرت کی تعمیر کے سلسلے میں انبیاء علیہم السلام جن خصائل کی تعلیم دیتے اور تلقین فرماتے ہیں، ان کے چوبیس حصوں میں سے ایک حصہ یہ تین چیزیں ہیں، یعنی اچھی سیرت، اطمینان و وقار سے اپنے کام سرانجام دینے کی عادت اور میانہ روی۔ (معارف الحدیث، ۲/۲۳۵)

إِنَّ فِيكَ خَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللَّهُ: علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حلم سے مراد عقل ہے اور اناة سے مراد وقار و متانت اور سنجیدگی ہے۔ حضور ﷺ نے یہ جملہ اس وقت ارشاد فرمایا تھا جب وفد عبدالقیس حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، سب لوگ سواری و سامان کو یونہی چھوڑ کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے مگر اشج عبدالقیس نے سب سواری کو بھی باندھا اور سامان ٹھیک کیا اور طہارت و نظافت کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے ان کو اپنے پاس بٹھایا اور فرمایا: ان فیک خصلتین... الخ۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فطرۃ یہ عادتیں آپ کے اندر رکھی ہیں، یہ سکر اشج نے کہا: تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے ایسی دو خصلتوں پر پیدا فرمایا جنہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ پسند فرماتے ہیں۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الادب، باب الحذر والثانی فی الامور ۷۸۳/۸)

ظاہر ہے کہ بردباری اور سنجیدگی اچھی چیز ہے ہر کام میں عجلت غیر پسندیدہ ہے ایک شخص کو آپ ﷺ نے نصیحت فرمائی: اذا اردت امرًا فقد بر عاقبة فان كان رشدًا فامضه وان كان سوا ذلك فانتہ۔ (ابن المبارک)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا جس میں کسی کام کی تاخیر پر ملامت کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب لکھا کہ امور خیر میں تامل و غور و فکر سے کام لینا رشد کی علامت ہے اور رشید وہی ہوتا ہے جو جلد بازی سے اجتناب کرنے والا ہو اور محروم وہ ہے جو سنجیدگی اور وقار سے محروم ہو۔ مستقل مزاج کامیابی سے ہم کنار ہوتا ہے اور جلد باز ٹھوکر کھاتا ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

مومن بردبار سنجیدہ اور باوقار ہوتا ہے رات کو لکڑیاں جمع کرنے والے کی طرح نہیں جو ہاتھ لگا اٹھالیا۔ علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عجلت کا ہونا شیطان کے وسوسہ سے ہوتا ہے بسا اوقات عجلت کی بناء پر انسان کی نظر نتائج تک نہیں پہنچتی اور اچھے نتائج نہ ہونے کی وجہ سے ندامت اٹھانی پڑتی ہے البتہ خیر کے کاموں میں جلدی کرنا مطلوب و مامور ہے اور عجلت فی النفس العبادات جس سے عبادات اچھی طرح ادا نہ ہوں مذموم ہے اگر کوئی شخص متانت و سنجیدگی سے امور انجام دے گا وہ عواقب میں غور و خوض کرے گا اور صحیح راستہ اختیار کرے گا اور اس کے نتائج بھی عمدہ حاصل ہوں گے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّفْقِ

باب ۶۶: نرم مزاجی

(۱۹۳۶) مَنْ أُعْطِيَ حُظَّهُ مِنَ الرَّفْقِ فَقَدْ أُعْطِيَ حُظَّهُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَنْ حُرِمَ حُظَّهُ مِنَ الرَّفْقِ فَقَدْ حُرِمَ حُظَّهُ مِنَ الْخَيْرِ.

ترجمہ: حضرت ابوورداء رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں جس شخص کو نرمی میں سے حصہ دیا گیا اسے بھلائی میں سے حصہ دیا گیا جس شخص کو نرمی سے محروم رکھا گیا اسے بھلائی سے محروم رکھا گیا۔

لغات: الرفق: بالكسر ضد العنف وهو المداراة بالرفقاء ولين الجانب والطف في اخذ الامر باحسن الوجوه و ايسرها، من اعطي مجهول كاصيغته، حظہ یہ مفعول ثانی ہے ومن حرم یہ بھی مجهول كاصيغته نرمی نہایت عمدہ صفت ہے جو حسن خلق اور سلامتی طبع کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے نرمی ہر حال میں حسن خلق کا ثمرہ ہے چونکہ حسن خلق اس وقت حاصل ہوتا ہے جب قوت غضب و شہوت معتدل ہو اسی سے نرمی ہوتی ہے۔

تشریح: رفق کیا ہے: سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رفقاء سے پوچھا جانتے ہو رفق کیا چیز ہے پھر خود فرمایا ہر امر کو اس کے موقع اصول میں رکھنی کا نام رفق ہے ضرورت ہو تو سختی برتے موقع ہو تو نرمی کرے کیونکہ اکثر طبائع عنف و حدت کی طرف زائد قائل ہیں اس لئے نرمی کی ترغیب کی زیادہ ضرورت ہے۔ بہر حال نرمی ایک عمدہ صفت ہے اور اکثر حالات میں اس کی ضرورت زیادہ رہتی ہے سختی گاہے گاہے پیش آتی ہے۔ انسان کامل وہی ہے جو نرمی و سختی کے مواقع میں فرق کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ بصیرت و شعور سے محروم شخص یہ فرق نہیں کر پاتا۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ کتنا عمدہ ہے وہ ایمان جس کو نرمی سے سنوارا گیا ہو

نرم مزاجی کے فضائل:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن اخلاق کو اختیار کرنے کی تاکید فرمائی ہے، اور جنہیں خاص اہمیت حاصل ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ انسان کو لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آئے، سختی کا رویہ اختیار نہ کرے، نرم مزاجی سے دنیا اور آخرت کی بھلائیاں حاصل ہوتی ہیں، نرم مزاج شخص جس طرح اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے، اسی طرح لوگوں کو بھی محبوب ہوتا ہے، اس کے تعلقات کا دائرہ بہت وسیع ہوتا ہے، اگر وہ کسی ہنر کا مالک ہو تو لوگ اس سے بڑی آسانی سے استفادہ کرتے ہیں، سخت مزاج آدمی اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے اور لوگ بھی

اسے پیار کی نظر سے نہیں دیکھتے اور دنیا و آخرت کی بہت سی بھلائیوں سے وہ محروم ہو جاتا ہے، اس لئے آدمی کو اپنے مزاج میں نرمی اختیار کرنی چاہئے، یہی کامیابی کا راز ہے۔

روایت میں حضور ﷺ نے فرمایا: ”اذا احب الله اهل بيت ادخل عليهم الرفق“ (احمد)

”جب اللہ تعالیٰ کسی گھروالوں سے محبت کرتے ہیں اُن میں نرمی داخل کر دیتے ہیں۔“

نیز ایک دوسری روایت میں ہے:

”ان الله اعطى على الرفق ما لا يعطى على الخرق (جہالت) واذا احب الله عبدا اعطاه الله الرفق ما من اهل بيت يحرمون الرفق الا حرموا محبة الله تعالى. (طبرانی کبیر)

”بیشک اللہ تعالیٰ جتنا نرمی پر دیتے ہیں سختی پر نہیں دیتے اور جب اللہ تعالیٰ کسی آدمی سے محبت کرتے ہیں تو اُسے نرمی عطا فرما دیتے ہیں۔ کوئی گھروالے ایسے نہیں ہیں کہ جن کو نرمی سے محروم کر دیا گیا مگر یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت سے بھی محروم ہو جاتے ہیں۔“

اسی طرح فرمایا: ان الله رفيق يحب الرفيق ويعطى عليه ما لا يعطى على العنف (سختی) (مسلم)

”بیشک اللہ تعالیٰ نرم ہیں اور نرمی کو پسند کرتے ہیں اور نرمی پر وہ کچھ عطا کرتے ہیں جو سختی پر نہیں دیتے۔“

ایک اور روایت میں ہے: تدرؤن من يحرم على النار كل هين لين سهل قريب. (ترمذی)

تم جانتے کہ کون آگ پر حرام ہے، ہر نرم نرمی کرنے والا آسان قریب کرنے والا۔“

ایک روایت ہے: يا عائشة عليك بالرفق لا يدخل في شئ الا زانه ولا ينزع من شئ الا شأنه. (مسلم)

”اے عائشہ! تیرے لئے نرمی کو لازم پکڑو یہ کسی چیز میں داخل نہیں ہوتی مگر اس کو خوبصورت بنا دیتی ہے، اور کسی چیز سے جدا نہیں ہوتی مگر اس کے مرتبے کو گھٹا دیتی ہے۔“

ایک روایت جو مرفوع و موقوف دونوں طرح نقل کی گئی ہے اس طرح سے کہ علم مومن کا دوست، حکم اس کا وزیر، عقل اس کی رہنما عمل، اس کا نگران رفیق اس کا باپ۔ نرمی اس کا بھائی اور صبر اس کی فوج کا امیر ہے۔ (ابو اسنیخ)

بَاب مَا جَاءَ فِي دَعْوَةِ الْمَظْلُومِ

باب ۶۷: مظلوم کی بددعا کا بیان

(۱۹۳۷) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بَعَثَ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ إِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ اتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ فَإِنَّهَا لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللَّهِ حِجَابٌ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو فرمایا مظلوم کی بددعا سے بچنا کیونکہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا۔

تشریح: اتق دعوة المظلوم: یہاں مظلوم سے عام مراد ہے خواہ اس کے ساتھ کسی بھی طرح کا ظلم ہوا ہو جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ

کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو اس وقت خصوصی طور پر حضور ﷺ نے یہ وصیت فرمائی چونکہ بسا اوقات حاکم سے زیادتی ہوتی ہے۔
لیس بینہا و بین اللہ حجاب: یہ سرحت اجابت سے کنایہ ہے اور مراد یہ ہے کہ اس کی بددعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ اس کی
دعا کی قبولیت سے کوئی چیز مانع نہیں ہے بلکہ مظلوم کی بددعا کو اللہ تعالیٰ کے یہاں پیش کیا جاتا ہے چونکہ مظلوم حاق قلب سے بددعا
کرتا ہے اور وہ منکسر القلب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ منکسر القلب شخص کی دعا کو ضرور سنتا ہے۔ (تحفة الاحوذی: ۶/۱۳۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي خُلُقِ النَّبِيِّ ﷺ

باب ۶۸: نبی ﷺ کے اخلاق کا بیان

(۱۹۳۸). حَدَّثَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَشْرَ سِنِينَ فَمَا قَالَ إِلَّا قُطٌّ وَمَا قَالَ لِشَيْءٍ صَنَعْتُهُ لَمْ صَنَعْتُهُ وَلَا لِشَيْءٍ
تَرَكْتُهُ لَمْ تَرَ كُنْتُهُ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ خُلُقًا وَمَا مَسِسْتُ حَزْأً قَطُّ وَلَا حَرِيرًا وَلَا شَيْئًا كَانَ
أَلَيْنَ مِنْ كَفِّ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَلَا شَمَمْتُ مِسْكَ قَطُّ وَلَا عِطْرًا كَانَ أَطْيَبَ مِنْ عَرَقِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کی دس سال خدمت کی آپ نے کبھی بھی مجھے اف نہیں فرمایا اور
میں نے جو کام کیا اس کے بارے میں یہ نہیں فرمایا تم نے یہ کیوں کیا؟ میں نے جو کام نہیں کیا اس کے بارے میں یہ نہیں فرمایا تم نے
اسے کیوں نہیں کیا نبی اکرم ﷺ سب سے زیادہ اچھے اخلاق کے مالک تھے میں نے آپ کے دست مبارک سے زیادہ نرم و ملائم
کوئی ریشم نہیں چھوا اور آپ کی خوشبو مبارک سے زیادہ اور کسی مشک یا عطر کی خوشبو نہیں سونگھی۔

(۱۹۳۹). سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا عَنْ خُلُقِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَتْ لَمْ يَكُنْ فَا حِشًّا وَلَا مُتَفَحِّشًا وَلَا صَخَّابًا فِي
الْأَسْوَاقِ وَلَا يَجْزِي بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ وَلَكِنْ يَغْفُو وَيَصْفَحُ.

ترجمہ: ابو عبد اللہ جدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی اکرم ﷺ کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا
تو انہوں نے فرمایا نبی اکرم ﷺ بد زبانی نہیں کرتے تھے اور بازار میں شور نہیں کرتے تھے آپ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیا
کرتے تھے بلکہ آپ ﷺ معاف کر دیتے تھے اور درگزر سے کام لیتے تھے۔

تشریح: ولا شمت مسکاً قط ولا عطرًا کان اطیب من عرق رسول اللہ ﷺ: آپ ﷺ کے پسینہ کی خوشبو عطر و
مشک سے بھی بڑھ کر تھی اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ پھر آپ ﷺ عطر کیوں استعمال فرماتے تھے؟

شارحین حدیث نے اس کی مختلف وجوہ ذکر کی ہیں:

اول: آپ کے پسینہ کی خوشبو خود آپ کو محسوس نہیں ہوتی تھی۔

دوم: پسینہ ہر وقت نہیں آتا ہے جب پسینہ آتا تو خوشبو محسوس ہوتی تھی لہذا جس وقت پسینہ نہیں آتا تھا تو آپ خوشبو استعمال فرماتے تھے۔

سوم: خوشبو کے استعمال کی سنت کے اجراء کے لئے آپ خوشبو استعمال فرماتے تھے تاکہ بعد کے لوگ اس سنت پر عمل پیرا ہوں۔

چہارم: خوشبو لگانا انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے اور آپ کو ان کی اقتداء کا حکم فرمایا گیا ہے۔ قال تعالیٰ فبهدهم اقتده۔

پنجم: اگرچہ آپ کے پسینہ میں بہت خوشبو تھی مگر بسا اوقات آپ کی ملاقات لطیف مخلوق یعنی فرشتوں سے ہوتی تھی اس وجہ سے مبالغہ آپ مزید خوشبو استعمال فرماتے تھے۔

صغاباً: ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: صغاب بالصّاد والحاء المشددة ای صیاحا وقد جاء بالسين ايضاً۔ اگرچہ یہ صیغہ مبالغہ ہے مگر مبالغہ کے معنی یہاں مراد نہیں ہیں بلکہ محض نسبت کے لئے ہے جیسے خیاط و بقال تو مقصود صغب کے معنی ہیں وقیل المقصود من هذا الكلام مبالغة النفي لانفي المبالغة في قوله تعالى: ﴿وَمَا أَنَا بِظَالِمٍ لِلْعَبِيدِ﴾ (ق: ۲۹) اسواق کی تخصیص اس وجہ سے فرمائی تاکہ اس کے علاوہ دیگر مقامات میں بدرجہ اولیٰ نفی صغب ہو جائے۔ یعنی بازار جیسی جگہ عموماً رفع اصوات کی جگہ ہے حالانکہ آپ بازار میں بیع و شراء فرماتے تھے مگر چیختے بالکل نہیں تھے اور نہ آواز بلند فرماتے تھے، لہذا اس کے علاوہ دوسرے مقامات پر تو کیا آواز بلند فرماتے ہوں گے۔ ولا یجزی السيئة بالسيئة الخ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیتے تھے بلکہ کثیر روایات و واقعات سے ثابت ہے کہ طریق احسن ہی اختیار فرماتے تھے اگر کسی نے آپ کے ساتھ برا سلوک کیا تو آپ اس کو معاف فرما کر اس کے ساتھ احسان کا معاملہ فرماتے تھے عملاً بقول تعالیٰ: ﴿ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ السَّيِّئَةِ﴾ (المومن: ۹۶) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت میں حکم یہ ہے کہ جو شخص تم پر غصہ کا اظہار کرے تم اس کے مقابلہ میں صبر کرو، جو تمہارے ساتھ جہالت سے پیش آئے تم اس کے ساتھ حلم و بردباری کا معاملہ کرو اور جس نے تم کو ستایا تم اس کو معاف کر دو، بعض روایات میں ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو کسی نے گالی دی یا برا کہا تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا اگر تم اپنے کلام میں سچے ہو کہ میں مجرم و خطا کار ہوں تو اللہ تعالیٰ مجھے معاف کرے اور اگر تم نے جھوٹ بولا تو اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے۔

”ولكن يعفو و يصفح“ العفو والصفح متقاربان كما قاله صاحب الجمل و قال بعضهم العفو ترك العقوبة عن الذنب والصفح ترك اللوم والعتاب عليه وقال الرغب الصيفح ترك التثريب وهو ابلغ من العفو ولذلك قالوا فاعفوا واصفحوا وقد يعفوا الانسان ولا يصفح.“
گویا عفو کا تعلق ظاہر سے اور صفح کا تعلق باطن سے اختارہ لکن کوئی، مگر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے برعکس تعبیر فرمائی ہے: ”قال فی شرح الشمائل لكن يعفو ای بباطنه ویصفح ای یعرض بظاهر.“

- ② آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق میں سے دوسرا یہ ہے کہ آپ کو فحش گوئی کی بالکل عادت نہیں تھی۔
- ③ بتکلف اور بالقصد بھی آپ بے حیائی اور بری بات یا عمل نہیں کرتے تھے۔
- ④ عموماً لوگ بازار میں چیخ و پکار اور شور و غل کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بازاروں میں خرید و فروخت ضرور کرتے تھے لیکن شور و غل اور چیخ و پکار نہیں کرتے تھے۔

⑤ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی برا کرتا، غلط انداز سے پیش آتا، آپ اس سے بدلہ نہیں لیتے تھے بلکہ اس کی غلطی کو دل سے بھی معاف فرمادیتے اور ظاہراً بھی درگزر فرمادیتے، اس سے کوئی گرفت نہیں فرماتے تھے اور برائی کا بدلہ اچھائی سے دیتے تھے۔

ان روایات سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال اخلاق، حسن معاشرت، حلم و بردباری اور عفو و درگزر کی صفات معلوم اور ثابت ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ ان سنتوں پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین) (الکوکب الدرر - ۶۸/۳)

لغات: خز: اُون اور ریشم کا بنا ہوا کپڑا۔ حریر بریشم، ریشمی کپڑا۔ الدین: زیادہ نرم۔ اطیب: زیادہ خوشبودار، زیادہ اچھا، عَزَق: پسینہ۔ فاحش: بری بات یا برے فعل کا عادی۔ متفحس: بتکلف اور ارادے سے فحش بات کرنے والا۔ صخاب: بہت چیخنے اور شور مچانے والا۔ یعفو: وہ باطناً درگزر کر دیتے، یعنی دل سے معاف کر دیتے۔ یصفح: وہ ظاہراً معاف فرما دیتے۔ لاشمیت: میں نے نہیں سونگھا۔ مامسست میں نے نہیں چھویا۔ اف: بضم الہمزہ وکسر الفاء المشددة منون وغیر منون دونوں طرح ضبط کیا گیا ہے۔ علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قاضی رحمہ اللہ وغیرہ نے اس میں دس لغات بیان فرمائی ہیں۔ اف: بفتح الفاء ضمہا وکسر ہا بلا تنوین وفتح تنوین یہ چھ لغات ہو گئیں۔

⑦ بضم الہمزہ واسکان الفاء ⑧ بکسر الہمزہ وفتح الفاء ⑨ افی ⑩ اف، بضم الہمزہ فیہما۔ اف اور تف ناخنوں کے میل کے لئے ہے پھر اس کا استعمال ہر اس شے کے لئے ہونے لگا جس کو برا سمجھا جائے اور یہ اسم فعل ہے، واحد، تشبیہ، جمع، مذکر و مؤنث سب کے لئے ایک ہی لفظ مستعمل ہے۔ قال تعالیٰ: ﴿فَلَا تَقُلْ لَهُمَا آفٍ﴾ (الاسراء: ۲۳) علامہ ہرووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر ایسی شے جس سے تکلیف اور گرانی ہو اس کے لئے لفظ اف مستعمل ہے۔

”عشر سنین“ اس روایت میں دس کا ذکر ہے جبکہ مسلم کی روایت میں نو سال کا ذکر ہے، علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اصل مدت خدمت نو سال اور کچھ ماہ ہے کیونکہ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں دس سال قیام فرمایا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ پہلے سال کے درمیان میں حاضر خدمت ہوئے تھے، اس لئے جس روایت میں نو سال کا ذکر ہے ان میں اس مہینے کو نہیں شمار کیا گیا اور جس روایت میں دس سال کا ذکر ہے اس میں اس مہینے کو شمار کیا گیا ہے۔ (شرح مسلم للنووی، کتاب الفضائل، باب حسن خلقه ﷺ - ۲/۲۵۳)۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي حُسْنِ الْعَهْدِ

باب ۶۹: حسن وفا کا بیان

(۱۹۴۰) . مَا غَرْتُ عَلَى أَحَدٍ مِنْ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ مَا غَرْتُ عَلَى خَدِيجَةَ وَمَا بِي أَنْ أَكُونَ أَدْرَكْتُهَا وَمَا ذَاكَ إِلَّا لِكثْرَةِ ذِكْرِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَهَا وَإِنْ كَانَ لَيَذُبُّ الشَّاةُ فَيَمْتَسِّعُ بِهَا صَدَائِقَ خَدِيجَةَ فَيُهْدِيهَا لَهَا .

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے جتنا رشک مجھے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر آتا تھا اور کسی پر نہیں آتا تھا حالانکہ میں نے ان کا زمانہ نہیں پایا یہ رشک صرف اس وجہ سے آتا تھا کیونکہ نبی اکرم ﷺ ان کا تذکرہ اکثر کیا کرتے تھے آپ ﷺ جب بکری ذبح کیا کرتے تھے تو آپ اس کا گوشت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کو بھیجوا کرتے تھے۔

تشریح: حسن وفا اس کے متعلقین کے ساتھ بھی محبت:

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ما غرت علی احد من ازواج النبی ﷺ ما غرت علی خدیجة: نبی کریم ﷺ

کی ازواجِ نبویؐ میں سے کسی پر مجھے اتنی غیرت نہیں آتی جتنی حضرت خدیجہ الکبریٰؓ پر آتی ہے (غارِ یغارِ غیرۃ) کے معنی ہیں: رشک کرنا اور پہلا مانا فیہ ہے اور دوسرا موصولہ یا مصدر یہ ہے اور اس سے پہلے مثل محذوف ہے اور جملہ کا مطلب یہ ہے کہ مجھے ازواجِ مطہراتِ نبویؐ میں سب سے زیادہ رشک حضرت خدیجہ الکبریٰؓ پر آتا ہے۔ اور بخاری و مسلم میں ہے: وما رأیتہا: اور میں نے ان کو دیکھا نہیں تھا اس لئے ان پر غیرت کی کوئی وجہ نہیں تھی، غیرت سوکنوں میں ہوتی اور اور سوکنیں وہ بیویاں ہیں جو ایک ساتھ کسی کے نکاح میں جمع ہوتی ہیں، اور حضرت خدیجہؓ کا زمانہ مقدم ہے اس لئے ان پر غیرت کھانے کی کوئی وجہ نہیں تھی اس کے باوجود حضرت عائشہؓ کو ان پر بہت زیادہ غیرت آتی تھی، کیوں؟ وماذا ذاک الا لکثرة ذکر رسول اللہ ﷺ لہا: اور نہیں تھی وہ غیرت مگر بکثرت نبی ﷺ کے ان تذکرہ کرنے کی وجہ سے یعنی آپ ﷺ حضرت خدیجہؓ کا اتنا زیادہ تذکرہ فرماتے تھے اور اتنی زیادہ تعریف کرتے تھے کہ دل سن کر کباب ہو جاتا تھا بلکہ ایک مرتبہ تو حضرت عائشہؓ نے جھلا کر کہہ دیا تھا کہ آپ قریش کی ایک بڑھیا کو یاد کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان سے بہتر بیوی دی ہے، اس پر آپؐ نے فرمایا: نہیں، ان سے بہتر مجھے کوئی بیوی نہیں ملی، اللہ تعالیٰ نے مجھے ساری اولاد ان سے دی ہے۔

ادب و حرمت کا اس قدر لحاظ: وان کان لیذبح الشاة فیتتبع بہا صدائق خدیجۃ، فیہدیہا لہن: یہ حسن عہد اور ان کے تعلقات کی پاسداری کے طور پر تھا۔ امام حاکم نے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ حضور ﷺ کے پاس بیٹھی تھیں، اتنے میں ایک بڑھیا آئی، آپؐ نے بڑا ادب اور توجہ سے اس کی خیریت دریافت کی، اس نے کہا: میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں، میں ٹھیک ہوں، اس کے جانے کے بعد میں نے پوچھا کہ یہ کون عورت ہے جس پر آپؐ نے اتنی توجہ فرمائی آپؐ نے فرمایا: یہ عورت خدیجہؓ کے پاس آیا کرتی تھی، اس لئے میں اس کے ساتھ اچھے طریقے سے پیش آیا، کیونکہ حسن عہد اور ادب کا لحاظ کرنا ایمان کا حصہ ہے حاکم اور بیہقی رحمہما اللہ نے حضرت عائشہؓ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک بڑھیا نبی کریم ﷺ کے پاس آئی، آپؐ نے پوچھا: تم کیسی ہو؟ تمہارا کیا حال ہے؟ ہمارے بعد تمہارے احوال کیا رہے؟ بڑھیا نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! آپؐ پر قربان! ہمارے احوال اچھے ہیں، پھر جب وہ بڑھیا چلی گئی تو حضرت عائشہؓ نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! آپؐ نے اس بڑھیا کی طرف اتنا التفات کیوں کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یا عائشہ! انہا کانت تاتینا زمان خدیجۃ و ان حسن العہد من الایمان: اے عائشہؓ! یہ بڑھیا ہمارے پاس حضرت خدیجہؓ کے زمانہ میں آیا کرتی تھی اور تعلقات کی پاسداری ایمان کا تقاضا ہے اس لئے میں نے اس کی طرف اتنا التفات کیا۔

لعنات: حسن العہد: ادب و حرمت کی رعایت، احترام و پاسداری، قدیم زمانے کو یاد کرتے ہوئے حسن سلوک کرنا۔ ماغرۃ: میں نے رشک نہیں کیا۔ یتبع بہا: آپ ﷺ بکری کا گوشت دینے کے لئے تلاش اور جستجو فرماتے۔ صدائق صدیقہ کی جمع ہے: سہیلیاں۔ العہد کے چند معانی ہیں: یہاں وفا کے معنی ہیں، کہا جاتا ہے: ہو ثابت العہد: وہ با وفا ہے یعنی پابند وعدہ ہے اور وفا کی عمدگی کی پاسداری سے ہوتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَعَالِي الْأَخْلَاقِ

باب ۷۰: بلند اخلاقی کا بیان

(۱۹۳۱) إِنْ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ وَأَقْرَبُكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَحَاسِنُكُمْ أَخْلَاقًا وَإِنْ أَبْغَضَكُمْ إِلَيَّ وَأَبْعَدَكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ الثَّرَاوُونَ وَالْمُتَشَدِّقُونَ وَالْمُتَفِيهِقُونَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَدْ عَلِمْنَا الثَّرَاوُونَ وَالْمُتَشَدِّقُونَ فَمَا الْمُتَفِيهِقُونَ قَالَ الْمُتَكَبِّرُونَ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ اور میرے سب سے قریب وہ لوگ ہوں گے جو (دنیا میں) اچھے اخلاق کے مالک ہوں گے اور قیامت کے دن میرے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور مجھ سے دور بیٹھنے والے وہ لوگ ہوں گے جو زیادہ باتیں کرتے ہوں اپنی گفتگو کے ذریعے اپنے آپ کو سب سے بڑا سمجھتے ہوں اور تکبر کرتے ہوں لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ ہمیں الثرثارون و المتشدقون کا تو علم ہے لمتفہقون سے کیا مراد ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تکبر کرنے والے ہوں گے۔

تشریح: اس باب میں یہ بیان ہے کہ جن لوگوں میں اعلیٰ درجہ کے اخلاق ہوتے ہیں ان کا مقام و مرتبہ کیا ہے؟ حدیث: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ان من احبکم الی و اقربکم منی مجلسا یوم القیامۃ: احاسنکم اخلاقا: میرے نزدیک (دنیا میں) محبوب تر اور قیامت کے دن مجھ سے قریب تر وہ لوگ ہوں گے جو تم میں سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے ہیں (احاسنکم: ان کا اسم مؤخر ہے) اور جس طرح اللہ تعالیٰ کی نزدیکی بڑی خوبی کی بات ہے اسی طرح نبی ﷺ کی نزدیکی بھی بڑی خوبی کی بات ہے جو قیامت کے دن بلند اخلاق لوگوں کو حاصل ہوگی۔

وان من ابغضکم الی، و ابعداکم منی یوم القیامۃ: الثرثارون، و المتشدقون و المتفہقون: اور تم میں سے میرے نزدیک (دنیا میں) مبغوض تر اور قیامت کے دن مجھ سے بعید تر: وہ لوگ ہوں گے جو بہت زیادہ بک بک کرنے والے ہیں، اور گلا پھاڑ پھاڑ کر چلانے والے ہیں (یا باتوں میں غیر محتاط ہیں) اور تکبر سے بگھانے والے ہیں، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ثرثارون اور متشدقون کو تو ہم جانتے ہیں، متفہقون سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: گھمنڈی لوگ (یہ بلند اخلاق والوں کا مقام و مرتبہ بیان کرنے کے بعد پشت اخلاق والوں کا تذکرہ ہے، تاکہ تقابل سے اچھے اخلاق والوں کا مقام و مرتبہ اور بھی واضح ہو جائے)۔

لعنات: معالی معلّات: کی جمع ہے: رفعت و عزت، بلند مرتبہ اور معالی الاخلاق سے بلند اخلاق مراد ہیں۔ الثرثارون: یہ ثرثار کی جمع ہے: باتونی، فضول بولنے والا، بتکلف بہت بولنے والا۔ المتشدقون متشدد کی جمع ہے: غیر محتاط گفتگو کرنے والا، لوگوں سے استہزاء اور ٹھٹھا مارنے والا۔ المتفہقون: متفہق کی جمع ہے: متکبر لوگ، بڑھا چڑھا کر بات کرنے والا۔

بَاب مَا جَاءَ فِي اللَّعْنِ وَالطَّعْنِ

باب ۷۱: لعن طعن کا بیان

(۱۹۴۲) لَا يَنْبَغِي لِلْمُؤْمِنِ أَنْ يَكُونَ لَعَنًا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا مومن لعنت نہیں کیا کرتا۔

لعنات: اللعن: باب فتح کا مصدر ہے: لعنت کرنا، اللہ کا کسی کو خیر سے محروم کرنا اور الطعن بھی باب فتح کا مصدر ہے: کسی کو طعنہ دینا، کسی کی برائی بیان کرنا، عیب نکالنا، تنقید کرنا، چھیٹنے ڈالنا، کسی کسی نسب میں کیڑے نکالنا۔ یہ دونوں باتیں بھی لوگوں کے دلوں میں کینہ پیدا کرتی ہیں اور جھگڑے مننے کھڑے کرتی ہیں، اس لئے لوگوں کو ان سے بچنا چاہئے، نہ کسی پر لعنت ملامت کرنی چاہئے، نہ کسی کی خردہ گیری کرنی چاہئے اور نہ کسی کے نسب میں کیڑے نکالنے چاہئیں۔

طعن: کسی پر طعنہ زنی کرنا۔ یہ بھی ممنوع ہے فرمایا: ﴿وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ﴾ (الحجرات: ۱۱) چونکہ عیب سے عادۃً کوئی شخص خالی نہیں ہوتا اگر ایک شخص دوسرے کا عیب نکال کر طعنہ دے گا تو اس کے جواب میں دوسرا شخص بھی اس کے عیب نکال کر طعنہ دے گا دونوں نے ایک دوسرے کی تذلیل کی یہ جائز نہیں ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ انسان کی سعادت و خوش نصیبی اس میں ہے کہ اپنے عیوب پر نظر رکھے اور ان کے اصلاح کرے۔ کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس سے پہلے لعنت کے بارے میں ”باب ما جاء في اللعنة“ قائم کیا۔ جس میں تفصیل گزر چکی ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي كَثْرَةِ الْغَضَبِ

باب ۷۲: بہت زیادہ غصہ کرنے کا بیان

(۱۹۴۳) عَلَيْنِي شَيْئًا وَلَا تُكْثِرْ عَلَيَّ لَعَلِّي أَعْيِيهِ قَالَ لَا تَغْضَبْ فَرَدَّدَ ذَلِكَ مَرَارًا كُلُّ ذَلِكَ يَقُولُ لَا تَغْضَبْ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی مجھے کسی چیز کی تعلیم دیں مجھے زیادہ باتیں نہ بتائیں تاکہ میں اس کو محفوظ رکھوں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم غصہ نہ کیا کرو۔

تشریح: غصہ شیطان کے اکسانے سے آتا ہے، اور اس کی وجہ سے انسان حد اعتدال سے نکل جاتا ہے۔ غلط باتیں بکتا ہے اور مذموم حرکتیں کرتا ہے، اور بغض و کینہ اور دیگر برائیاں غصہ پر مرتب ہوتی ہیں، اس لئے اگرچہ غصہ اپنے محل میں صفت محمودہ ہے کیونکہ یہ اللہ کی صفت ہے اور اللہ کے حبیب ﷺ کو بھی موقع محل میں غصہ آتا تھا مگر ہر وقت غصہ کرنا، یا غیر محل میں غصہ کرنا یا حد سے تجاوز کرنا معاشرہ کی خرابی کا باعث ہے اور غصہ سے آدمی کی شخصیت بھی مجروح ہوتی ہے۔

حضرت علامہ بلیاوی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے کہ غصہ کی کثرت قوت عاقلہ کی کمزوری کی دلیل ہے، یعنی حد سے زیادہ غصہ اس شخص کو آتا ہے جس کی قوت عاقلہ کمزور ہوتی ہے اور اگر پہلے سے کمزور نہیں ہوتی تو غصہ کرنے سے کمزور ہو جاتی ہے۔

حضور ﷺ نے غصہ نہ کرنے کی نصیحت کیوں فرمائی:

ممکن ہے کہ حضور ﷺ کو یہ معلوم ہو کہ اس شخص میں کثرت غضب کا مرض ہے اس وجہ سے یہ نصیحت اس کو بار بار فرمائی بعض حضرات فرماتے ہیں کہ دراصل آپ امت کے حکیم ہیں ہر ایک کے لئے اس کے مناسب علاج تجویز فرماتے تھے آپ کو اندازہ ہوا کہ اگر یہ شخص غصہ کو ترک کر دے گا تو باقی تمام امور منہیہ کا ترک اس کے لئے آسان ہوگا۔ اس لئے آپ ﷺ نے صرف ترک غضب ہی پر اکتفاء فرمایا جیسا کہ مشہور واقعہ ہے کہ ایک شخص نے آپ سے اپنے چند گناہ زنا، شرب خمر، قمار، کذب وغیرہ بیان کئے اور عرض کیا کہ ان کو ایک ساتھ چھوڑنا تو مشکل ہے البتہ ان میں سے ایک ایک چھوڑ سکتا ہوں تو آپ ﷺ نے اس کے لئے ترک کذب کا حکم فرمایا حالانکہ دوسرے گناہ بھی کبار تھے۔ اس نے عہد کر لیا کہ میں جھوٹ نہیں بولوں گا اور چلا گیا اب جب بھی کسی گناہ کا ارادہ کرتا تو یہ خیال آتا کہ آپ ﷺ پوچھیں گے فلاں گناہ کیا ہے تو جھوٹ بولنا پڑے گا جس کے ترک کا عہد کر لیا ہے لہذا اس نے سب گناہ چھوڑ دیئے اس طرح اس کے کذب کو چھوڑنے کی وجہ سے سارے گناہ چھوٹ گئے اسی طرح آپ ﷺ نے سائل کو ترک غضب کا حکم فرمایا تاکہ اس کی وجہ سے تمام گناہوں سے باز رہے۔

فرد ذلك مرارًا: شاید بار بار سوال کا منشاء یہ ہو کہ غضب کا ترک تو مشکل ہے کسی دوسری بات کا آپ ﷺ حکم فرمادیں یا غصہ کے بارے میں کچھ اجازت دیں مگر آپ نے اس کے مرض کی تشخیص فرمائی تھی اس وجہ سے اس کا حکم بار بار فرماتے رہے۔

حقیقت غضب:

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر ایک ایسی قوت رکھی ہے جس سے وہ اپنا دفاع کرتا ہے وہ قوت غضب ہے اس کی تخلیق اللہ تعالیٰ نے آگ سے کی ہے جب اس کی مرضی کے خلاف کوئی بات پیش آتی ہے یا اس کو کسی مقصد سے روکا جاتا ہے تو وہ آگ بھڑک اٹھتی ہے اور وہ شعلہ اتنا تیز ہو جاتا ہے کہ دل کا خون جوش مارنے لگتا ہے اور وہ گرم خون تمام رگوں میں اوپر کی طرف پھیل جاتا ہے جس طرح آگ کی لپٹیں اوپر کی طرف اٹھتی ہیں، آدمی کا چہرہ سرخ ہو جاتا ہے کیونکہ چہرہ کی جلد نرم ہوتی ہے اس پر خون کی سرخی ظاہر ہو جاتی ہے یہ حالت اس وقت ہوتی ہے جب اپنے سے کم مرتبہ والے پر غصہ آئے اور یہ جانتا ہو کہ میں اس پر قادر ہوں اگر غصہ اپنے سے بلند مرتبہ والے پر آئے اور اس سے انتقام نہ لے سکتا ہو تو اس وقت خون پھیلنے کے بجائے ظاہری جلد سے وہ خوف قلب میں اکٹھا ہو جاتا ہے اور حزن و الم کا باعث بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت انسان کا چہرہ زرد پڑ جاتا ہے اگر غصہ کسی برابر والے پر آئے تو یہ دونوں کیفیتیں ظاہر ہوتی ہیں اور یہ اضطراب کی صورت ہو جاتی ہے۔

قوت غضب کے درجات:

اس قوت کے تین درجات ہیں تفریط، افراط، اعتدال، تفریط یہ ہے کہ آدمی کے اندر یہ قوت باقی نہ رہے یا کمزور پڑ جائے یہ مذموم ہے ایسے شخص کو بے غیرت کہا جاتا ہے۔ افراط یہ ہے کہ آدمی کے مزاج پر غصہ غالب ہو غصہ کے ہوتے ہوئے اس کو عقل کی سیاست سے سروکار نہ ہو اور نہ دین کی اطاعت کی پرواہ ہو، یہ انتہائی مذموم ہے۔ اعتدال جہاں حمیت کی ضرورت ہو وہاں غصہ آئے جہاں حلم کا موقع ہو وہاں غصہ نہ آئے۔

اسباب غضب: حضرت یحییٰ علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اسباب غضب معلوم کیے تو فرمایا تکبر، فخر، عزت پسندی، حمیت، ان سب

چیزوں سے غصہ پیدا ہوتا ہے اور اس میں شدت کبر، عجب، مزاح، لغو گوئی، عار دلانا، بات کا ٹٹنا، ضد کرنا اور مال و جاہ کی حرص سے ہوتی ہے۔
غصہ کا علاج:

- ① اعوذ باللہ پڑھے، کیونکہ غصہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، اسے دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی جائے۔
 - ② اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرائے کہ میں اللہ تعالیٰ کی کتنی نافرمانیاں کرتا ہوں لیکن وہ مجھ سے درگزر ہی کا معاملہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ مجھ پر اس سے کہیں زیادہ قادر ہے، جتنا میں اس شخص پر قادر ہوں جس پر کہ میں غصہ کر رہا ہوں، لہذا مجھے بھی درگزر سے کام لینا چاہئے۔
 - ③ اپنی مجلس بدل دے، کھڑا ہو تو بیٹھ جائے، بیٹھا ہو تو لیٹ جائے اور زمین سے قریب تر ہو جائے تاکہ یہ کیفیت ختم ہو اور تواضع و سکون حاصل ہو۔
 - ④ ٹھنڈے پانی سے وضو اور غسل کرے۔
 - ⑤ اپنی مجلس بدل دے کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اور بیٹھا ہو تو لیٹ جائے اور زمین سے قریب تر ہو جائے جس سے اس کی تخلیق عمل میں آئی ہے اس سے تواضع پیدا ہوگی اور دل کو سکون حاصل ہوگا۔
 - ⑥ نماز کی طرف متوجہ ہو جائے۔
 - ⑦ غصہ برداشت کرنے کے فضائل تصور کرے۔
 - ⑧ اخلاق رذیلہ کو دور کیا جائے اور ان کی حقیقت سے واقف ہوتا کہ ان سے تنفر پیدا ہو اور ان کے مخالف اخلاق حسنہ کو اختیار کرے۔
 - ⑨ اس وقت یہ سوچے کہ میرا غصہ دراصل اس بات کی علامت ہے کہ فلاں کام میری مرضی اور خواہش کے مطابق کیوں نہ ہو اللہ کی مرضی و منشاء کے مطابق ہو یا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میری مرضی اللہ کی مرضی سے اعلیٰ ہو۔ ہوگا وہی جو اللہ چاہے گا۔
- تین طرح کے مزاج ہوتے ہیں:**

- | | |
|--------------------------------------|--------------------------------------|
| (۱) سریع الغضب سریع الفی. | (۲) بطئی الغضب بطئی الفی |
| (۳) سریع الغضب بطی الفی. | (۴) بطی الغضب سریع الفی |
| (۱) غصہ جلدی آئے اور جلدی اُتر جائے۔ | (۲) غصہ دیر سے آئے اور دیر سے اُترے۔ |
| (۳) غصہ آئے جلدی اور اُترے دیر سے۔ | (۴) غصہ دیر سے آئے لیکن اُترے جلدی |
- یہ آخری قسم سب سے افضل ہے اس لئے کہ اس میں مفسدہ نہیں ہوگا اور جس قدر مفسدہ جس میں ہو تو تنی ہی وہ شر ہوگی۔

باب ما جاء فی کظم الغیظ

باب ۷۳: غصہ پینے اور برداشت کرنے (کی فضیلت) کا ذکر ہے

(۱۹۳۴) مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ يَسْتَطِيعُ أَنْ يُنْفِذَهُ دَعَاكَ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رُؤُوسِ الْحَلَائِثِ حَتَّى يُخَيَّرَكَ فِي آتِي

الْخَوْرِ شَاءَ.

ترجمہ: سہل بن معاذ اپنے والد کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں جو شخص غصے کو پی جائے حالانکہ وہ اس کے اظہار کی طاقت رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے ساری مخلوق کے سامنے بلائے گا اور پھر اسے اختیار دے گا وہ جس حور کو چاہے حاصل کر لے۔

تشریح: غصہ ضبط کرنے کی فضیلت:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص غصہ کرنے کی طاقت کے باوجود نہ کرے، اسے پی جائے تو اسے یہ فضیلت حاصل ہوگی کہ قیامت کے دن تمام مخلوق کے سامنے اللہ تعالیٰ اسے بلائیں گے اور حور پسند کرنے کا اسے اختیار دیں گے کہ جو چاہو تم پسند کر لو، اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کریں گے۔ چنانچہ قرآن مجید میں غصہ پی جانے اور اسے ضبط کرنے کو اہل تقویٰ کی صفات میں شمار کیا گیا ہے ﴿وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ (آل عمران: ۱۳۴) ایک حدیث میں ہے:

من كف غضبه كف الله عنه عذابه. (طبرانی)

”جو شخص اپنے غصے کو روک لے اللہ تعالیٰ اسے اپنے عذاب کو روک لیتے ہیں۔“

اسی طرح ارشاد ہے:

اشد كم من غلب نفسه عند الغضب واحلمكم من عفا عنده القدرة. (ابن ابی الدنيا)

”تم میں سے سب سے سخت وہ آدمی ہے جس کا نفس غصے کے وقت اُس پر غالب آجائے۔ تم میں سے زیادہ حلیم و بردبار وہ ہے جو قدرت کے وقت معاف کر دے۔ (یعنی غصہ نکالنے پر قدرت کے باوجود معاف کر دے)۔“

نیز فرمایا: من كظم غيظا ولو شاء ان يمضيه امضائه ملاء الله قلبه يوم القيامة رضا، وفي رواية ملاء الله قلبه امنا وایمانا. (ابن حبان والبوداد)

”جس شخص نے اپنے غصے کو پی لیا اگر چاہتا تو اس کو جاری کر سکتا تھا تو اللہ تعالیٰ اُس کے دل کو اپنی رضا سے بھر دیں گے اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل کو امن اور ایمان سے بھر دیں گے۔“

نیز فرمایا: ما جرع عبد جرعة اعظم اجرا من جرعة غيظ كظمها ابتغاء وجه. (ابن ماجہ)

”کوئی خوراک انسان کے لئے اتنی اجر عظیم والی نہیں ہے سوائے غصے کے کہ جس کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے آدمی پی لے۔“

ایوب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک لمحہ کی بردباری بہت سے فتنوں کو دبا دیتی ہے، محمد بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جس شخص کے اندر تین باتیں ہوتی ہیں اس کا ایمان مکمل ہوتا ہے۔

① جب خوش ہو تو کسی ایسے کام پر خوش نہ ہو جو غیظ ہے۔

② جب غصہ ہو تو حد سے تجاوز نہ کرے۔

③ قدرت کے باوجود ایسی چیز نہ لے جو اس کی نہ ہو۔

بہر حال غصہ کو دبانا اور اس کا پینا نہایت عمدہ خصلت ہے دنیا میں بھی اس کے بے شمار فوائد ہیں اور آخرت میں بھی اس سے درجات حاصل ہوں گے۔

علی بن حسین رضی اللہ عنہما کا ایک عجیب واقعہ:

امام بیہقی رحمہ اللہ نے ﴿وَالْكُظُمَيْنِ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ﴾ کی تفسیر میں حضرت سیدنا علی بن حسین رضی اللہ عنہما کا ایک عجیب واقعہ نقل فرمایا ہے کہ آپ کی ایک کنیز (لونڈی) آپ کو وضو کر رہی تھی کہ اچانک پانی کا برتن اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما کے اوپر گر پڑا، تمام کپڑے بھیگ گئے اور سر پر کچھ زخم بھی آگیا، غصہ آنا ایک طبعی امر تھا، لونڈی کو خطرہ ہوا تو اس نے فوراً یہ آیت پڑھی: ﴿وَالْكُظُمَيْنِ الْغَيْظَ﴾ (جو لوگوں کے غصے کو پی جاتے ہیں) یہ سنتے ہی خاندان نبوت کے اس بزرگ کا سارا غصہ ٹھنڈا ہو گیا، بالکل خاموش ہو گئے، اس کے بعد اس لونڈی نے آیت کا دوسرا جملہ ﴿وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ﴾ (اور لوگوں سے درگزر کرتے ہیں) پڑھ دیا۔ تو فرمایا کہ میں نے تجھے دل سے معاف کر دیا، لونڈی بھی ہوشیار تھی، اس کے بعد اس نے تیسرا جملہ بھی سنا دیا: ﴿وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ (اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں) جس میں احسان اور حسن سلوک کی ہدایت ہے، حضرت علی نے یہ سن کر فرمایا کہ جا میں نے تجھے آزاد کر دیا۔

لغات: نَفَذَ الْحَكْمَ کے معنی حکم پر عمل کرنا، نَفَذَ الْقَوْلَ: بات کو عملی جامہ پہنانا۔ نَفَذَ الْغَضَبَ: کسی پر غصہ اتارنا، کبھی غصہ بہت آتا ہے مگر کچھ نہیں سکتا کیونکہ جس پر غصہ آ رہا ہے وہ بڑا ہے یا باقتدار ہے یا باختیار ہے یا زور آور ہے اس صورت میں غصہ نکل جانے کا کوئی ثواب نہیں، ثواب اس صورت میں ہے جب آدمی غصہ اتارنے پر قادر ہو اور فی الی الحور شیاء میں مذکور ہے۔ ای فی اخذ ایتھن شاء۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِجْلَالِ الْكَبِيرِ

باب ۷۴: بڑے کے احترام (کی فضیلت)

(۱۹۴۵) مَا أَكْرَمَ شَابٌّ شَيْخًا لِسِنِّهِ إِلَّا قَيِّضَ اللَّهُ لَهُ مَنْ يُكْرِمُهُ عِنْدَ سِنِّهِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو جوان کسی عمر رسیدہ کی (زیادہ) عمر کی وجہ سے اس کا احترام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے کسی کو مقرر کر دیتا ہے جو اس کے بڑھاپے میں اس کا خیال رکھے گا۔
تشریح: لسنہ: اس کی عمر کی وجہ سے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے منقول ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں اکرام کیا کسی جوان نے کسی بوڑھے کا اس کی عمر پر مگر متعین فرمادیتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایسے شخص کو جو اس کے بڑھاپے کے وقت اس کا اکرام کرے گا۔

لسنہ: علامہ مناوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں چونکہ بوڑھے کا اکرام اس وجہ سے کیا کہ وہ ایمان کے اعتبار سے سابق ہے نیز اس کا علم و عمل بھی زیادہ عمر کی بناء پر زیادہ ہی ہوگا۔ الا قیض اللہ: فیض بفتح یاء بمعنی سلط یعنی اللہ تعالیٰ اس کے بڑھاپے کے وقت

اکرام و توقیر کرنے والا شخص متعین فرمادیتے ہیں لان من خدمہ خدمہ بڑھا پا عمر کا وہ حصہ ہے جو عند اللہ وعند الناس قابل تعظیم ہے جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوا ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ عمر میں بڑا شخص ایمان کے اعتبار سے مقدم ہے نیز اس کے اعمال صالحہ بھی زائد ہوں گے جب انسان کی داڑھی سفید ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے حیاء فرماتے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں روایت کتب حدیث میں موجود ہے۔ بہر حال عمر رسیدہ شخص کا اکرام جو بھی کرے گا اللہ تعالیٰ اس عمر میں اس شخص کو بھی اکرام کرائیں گے اس سے معلوم ہوا کہ بوڑھے کا اکرام کرنا اکرام کرنے والے کی زیادتی عمر کا باعث ہے کہ یہ شخص ان شاء اللہ اس عمر کو پہنچے گا اور اس کا بھی اس عمر میں اکرام ہوگا۔

راوی پر کلام: روایت میں جو ابو الرحال الانصاری واقع ہے اس کا صحیح ضبط بفتح الراء وتشدید الحاء المہملہ ہے یہ بصری ہیں ان کا نام محمد بن خالد یا خالد بن محمد ہے اور ہمارے نسخہ احمدیہ میں ابو الرجال بالجیم غلط ہے چونکہ تہذیب التہذیب میں بیان کیا گیا کہ یزید بن بیان عقیلی نے اس روایت کو ابو الرحال بالحاء المہملہ سے نقل کیا ہے نیز حافظ نے ابو الرحال بفتح الراء وتشدید الحاء پرت کا رمز تحریر فرمایا ہے اور ابو الرجال پر خ، م، ہ، ق کا رمز قائم فرمایا ہے۔ نیز حافظ نے ابو الرحال بالحاء کے بارے میں فرمایا کہ عقیلی وغیرہ ان سے روایت کرتے ہیں جیسا کہ اس روایت کی سند میں ہے ان وجوہ کی بناء پر صحیح یہ ہے کہ روایت کے راوی ابو الرجال بالحاء المہملہ ہیں۔ جو انصاری بصری ہیں طبقہ خامسہ کے ضعیف راوی ہیں اور ابو الرجال بالجیم دوسرے راوی ہیں جو ثقہ ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُتَهَاجِرِينَ

باب ۵۷: دو قطع تعلق کرنیوالوں (کی مذمت) کا ذکر ہے

(۱۹۳۶) تَفْتَحُ أَبُو الْجَنَّةِ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيسِ فَيُغْفَرُ فِيهِمَا لِمَنْ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا اِلَّا الْمُتَهَاجِرِينَ يُقَالُ رُدُّوْا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا پیر اور جمعرات کے دن جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں ان دونوں دنوں میں ہر اس شخص کی مغفرت کر دی جاتی ہے جو کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ سمجھتا ہو البتہ آپس میں لا تعلق رہنے والے دو آدمیوں کی بخشش نہیں ہوگی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان دونوں کا معاملہ اس وقت تک (مؤخر) رہے دو جب تک یہ صلح نہیں کر لیتے۔

تشریح: تعلق قطع کرنے کی مذمت: قطع تعلق اتنا بڑا گناہ ہے کہ ایسے لوگوں کی مغفرت بھی نہیں ہوتی، ہفتے میں پیر اور جمعرات کے دن ایسے ایام ہیں کہ ان میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور مشرک کے علاوہ ہر گنہگار کی مغفرت کی جاتی ہے لیکن دو آدمیوں نے آپس میں بغیر کسی شرعی وجہ قطع تعلق کر رکھا ہو تو ان کو واپس کر دیا جاتا ہے، تاکہ وہ آپس میں دل صاف کر لیں، اپنی دشمنی دور کر لیں اس لئے ان ایام میں اعمال صالحہ اور عبادت کا خاص اہتمام کرنا چاہئے اور اگر کسی سے رنجش اور ناچاقی ہو بھی تو ان دنوں سے پہلے پہلے ہی اسے ختم کر لینا چاہئے تاکہ رحمتوں سے استفادہ کیا جاسکے۔

تفتیح ابواب الجنة: جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اس سے کیا مراد ہے، آیا حقیقت میں جنت اس وقت موجود ہے؟ چار قول ذکر کئے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

① اس سے حقیقی معنی مراد ہیں کہ جنت کے واقعی دروازے کھول دیئے جاتے ہیں کیونکہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ جنت اس وقت بھی موجود ہے۔

② یا اس سے مراد یہ ہے کہ جنت میں داخل ہونے سے جو رکاوٹ ہو، اسے ہٹا دیا جاتا ہے۔

③ کہ اس سے عفو و درگزر، بخشش، درجات کی بلندی اور زیادہ ثواب دینا مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ظہور، ان دو ایام میں اہل ایمان کے ساتھ خصوصی انداز سے ہوتا ہے۔

④ قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”فتح ابواب“ اپنے ظاہری معنی پر ہی محمول ہے اور دروازوں کا کھلنا گویا جنت میں داخل ہونے اور مغفرت و بخشش کی ایک علامت ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّبْرِ

باب ۷۶: صبر کی فضیلت کے بارے میں

(۱۹۴۷) اَنَّ نَاسًا مِّنَ الْأَنْصَارِ سَأَلُوا النَّبِيَّ ﷺ فَأَعْطَاهُمْ ثُمَّ سَأَلُوهُ فَأَعْطَاهُمْ ثُمَّ قَالَ مَا يَكُونُ عِنْدِي مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ أَدْخِرَكَ عَنْكُمْ وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللَّهُ وَمَنْ يَسْتَغْفِفْ يُعَفِّهِ اللَّهُ وَمَنْ يَتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللَّهُ وَمَا أُعْطِيَ أَحَدٌ شَيْئًا هُوَ خَيْرٌ وَأَوْسَعُ مِنَ الصَّبْرِ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کچھ انصاریوں نے نبی اکرم ﷺ سے کچھ مانگا تو آپ نے انہیں عطا کر دیا انہوں نے پھر مانگا آپ نے پھر عطا کر دیا پھر آپ نے فرمایا میرے پاس جو بھی چیز آئی ہوگی میں اسے چھپا کر نہیں رکھوں گا جو شخص بے نیازی اختیار کرنے کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بے نیاز کر دیتا ہے جو شخص مانگنے سے بچتا ہے اللہ تعالیٰ اسے (مانگنے سے) بچاتا ہے جو شخص صبر سے کام لیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے صبر کی توفیق دیتا ہے اور کسی بھی شخص کو صبر سے زیادہ بہتر وسیع کوئی چیز نہیں دی گئی تشریح: صبر کے معنی اور اس کی اقسام: صبر کے لغوی معنی: نفس کو روکنا اور اس پر قابو پانا۔ صبر کی تین قسمیں:

① صبر عن المعصیہ: یعنی اپنے نفس کو حرام اور ناجائز امور سے روکنا، اللہ کی نافرمانی اور معصیت سے نفس کو بچا کر رکھنا۔

② صبر علی الطاعة: طاعات و عبادات کی پابندی پر نفس کو مجبور کرنا اور استقامت کے ساتھ تمام احکام بجالانا۔

③ صبر علی المصیبة: مصائب و آفات پر صبر کرنا یعنی جس آزمائش اور تکلیف میں مبتلا ہو جائے، اس پر اللہ سے کسی قسم کا شکوہ و شکایت اور ناراضگی کا اظہار نہ کرے، اللہ کے فیصلے پر ہر طرح راضی رہے۔ یہ ذہن میں رہے کہ مصیبت کے وقت شکوہ و شکایت نہ کرنے کا اصل اعتبار ابتدائی وقت کا ہوتا ہے، ابتداء وقت میں اگر انسان اس مصیبت پر صبر کرے تو اس وقت اسے صبر کرنے کا ثواب ملتا ہے، بعد میں صبر کرنے کا اعتبار نہیں کیونکہ وقت گزرتے کے ساتھ تو صبر آہی جاتا ہے۔

قرآن کریم میں صبر کرنے والوں کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے انہیں لوگوں کا لقب ہے جو تینوں طرح کے صبر میں ثابت قدم رہیں، بعض روایات میں ہے کہ محشر میں غدا دی جائے گی کہ صابرین کہاں ہیں و قرآن میں تقریباً پچانوے مقامات پر صبر کا ذکر آیا ہے۔ قرآن و احادیث میں صبر کے بے شمار فضائل وارد ہیں۔ قرآن کریم میں ستر سے زائد جگہ صبر کا ذکر ہے ان آیات ذیل میں بہت ہی بلند درجات اور خیرات کی نسبت صبر کی طرف کی گئی ہے اور انہیں صبر کا ثمرہ قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً: ﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ آيَةً يَهْتَدُونَ﴾ ﴿يَا مَعْزِرًا كَلِمًا صَبْرًا﴾ (سجده: ۲۳) ... ﴿إِنَّمَا يُوفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (الزمر: ۱۰) ... ﴿وَاصْبِرْ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ (الأنفال: ۴۶) ... ﴿أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ﴾ (البقرہ: ۱۵۷) اسی طرح صبر کے بارے میں احادیث شریفہ بھی مروی ہیں: الصبر نصف الایمان. (ادب نعیم۔ خطیب عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ)

لو كان الصبر رجلاً لكان كريماً والله يحب الصابرين. (طبرانی)

”اگر صبر آدمی کی شکل میں ہوتا تو شریف ہوتا اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔“

الصبر علی ماتکرہ خیر لکم. (ترمذی شریف)

”جس چیز کو تو نا پسند کرتا ہے اس پر صبر تیرے لئے بہتر ہے۔“

الصبر كنز من كنوز الجنة. نیز ایمان کے بارے میں فرمایا الصبر والسماحة۔ اور روایت الباب میں بھی صبر کی بری فضیلت بیان فرمائی گئی ہے کہ صبر سے بڑھ کر اور کوئی خیر اس سے وسیع نہیں ہے۔

حدیث: باب میں آپ ﷺ نے پانچ باتیں ارشاد فرمائیں:

① ما یكون عندی من خیر، فلن ادخره عنکم: ایک دن انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ سے بار بار سوال کرتے، آپ ﷺ انہیں عطا فرماتے رہے، جب موجود سارا مال و متاع آپ ﷺ کے پاس ختم ہو گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو کچھ میرے پاس پھر کبھی مال آئے گا تو وہ بھی میں تقسیم کر دوں گا، ذخیرہ اندوزی نہیں کروں گا، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں زیادہ سے زیادہ مال و دولت وغیرہ خرچ کرنا چاہئے۔ اور خیر سے مراد صرف مال نہیں بلکہ دنیا و آخرت کی ہر بھلائی مراد ہے یعنی خواہ وہ علم دین ہو یا دنیوی ساز و سامان، سب خیر کا مصداق ہے اور من خیر: ما کا بیان ہے اور

② ومن یستغن یغنه الله: اور جو شخص مال داری ظاہر کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ مالدار بنادیتے ہیں۔ یعنی جو قناعت کرتا ہے اور اپنے پاس جو کچھ ہے اس پر راضی رہتا ہے: اللہ تعالیٰ اس کی ہر ضرورت پوری کر دیتے ہیں اس کو مخلوق سے بے نیاز کر دیتے ہیں، اور اس کو دل کا بادشاہ بنادیتے ہیں اور مال داری کی حقیقت دل کی بے نیازی ہے، سامان کی زیادتی کا نام مال داری نہیں۔ اس لئے انسان کی نظر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہونی چاہئے، وہی سب کچھ عطا کرتے ہیں، اللہ کے علاوہ کسی سے امیدیں وابستہ نہیں کرنی چاہئیں۔

③ ومن یتعفف یعفه الله: اور جو پاک دامن بننے کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو پاک دامن بنادیتے ہیں استعفاف میں سوال سے بچنا بھی مراد ہے، یعنی جو لوگوں سے سوال نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس کو سوال کرنے سے بچا لیتے ہیں۔

④ ومن یتصبر یصبره الله: اور جو برداشت سے کام لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو برداشت کی قوت دے دیتے ہیں، یعنی جو صبر کی عادت ڈالتا ہے اس کو صبر کی توفیق مل جاتی ہے، باب سے اسی ٹکڑے کا تعلق ہے۔

⑤ وما اعطى احد شيئا هو و اوسع من الصبر: اور کوئی شخص کوئی چیز نہیں دیا گیا جو صبر سے بہتر اور کشادہ ہو یعنی سب سے اہم وصف صبر و ہمت ہے اور اس کا فائدہ بھی حد و حساب ہے، اس ٹکڑے کا بھی باب سے تعلق ہے کیونکہ اس سے صفت صبر کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔

جو شخص جس قدر لوگوں کی ایذا پر صبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اتنا ہی ثواب عطا فرماتے ہیں، ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جو شخص لوگوں کے ساتھ مل کر رہتا ہے اور ان کی اذیتوں پر صبر کرتا ہے، وہ اس آدمی کے مقابلہ میں اجر و ثواب کے اعتبار سے بڑھ کر ہے جو لوگوں کے ساتھ نہیں رہتا اور ان کی ایذا رسانی پر صبر نہیں کرتا۔“

و فی الباب عن انس رضی اللہ عنہ اخرجہ الطبرانی والحاکم۔ هذا حدیث حسن صحیح اخرجہ البخاری، مسلم و ابو داؤد و النسائی و یروی عنہ فلن اذخره عنکم الخ یہ صیغہ بالذال المہملہ و بالذال المعجمۃ۔ دونوں طرح ضبط کیا گیا اور دونوں کے معنی ایک ہیں یعنی لن احبہ عنکم۔

لعنات: اذخر کی اصل (اذخر) (ذال کے ساتھ) ہے اس کے معنی ہیں جمع کرنا، ذخیرہ کرنا اور اذخر اصل میں اذتخر: باب افتعال سے تھا، مجرد: ذخیر الشبی (ف) ذخیر و ذخیرا کے معنی ہیں: وقت ضرورت کے لئے محفوظ کرنا، ذخیرہ کرنا، اسٹاک کرنا۔ يستعغن از استغنی استغناء: مالدار ہونا، استغنی عنہ: بے نیاز ہونا، استغنی بہ: کسی چیز پر اکتفا کرنا، کافی سمجھنا۔ یغن از أغنی اللہ فلائاً: مالدار کرنا۔ يستعف از استعف استعفاً: پاک دامن ہونے کی خواہش رکھنا، برائی سے بچنا، مجرد۔ عف یعف عفة: پاک دامن ہونا۔ یعف از أعفہ اللہ: پاک دامن بنانا، بری اور ناجائز باتوں سے محفوظ رکھنا۔ يتصبر از تصبر: صبر سے کام لینا، برداشت کرنا، صبر کا اظہار کرنا۔ یصبر از صبرہ: صبر کرنا، برداشت کرنا۔

بَاب مَا جَاءَ فِي ذِي الْوُجْهِينِ

باب ۷۷: ہر ایک کے منہ پر اس کی طرف داری کرنا

(۱۹۳۸) إِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ذَا الْوُجْهِينِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے برا وہ شخص ہوگا جو دو غلہ ہوگا۔

بَاب مَا جَاءَ فِي السَّمَامِ

باب ۷۸: چغل خور کا بیان

(۱۹۳۹) مَرَّ رَجُلٌ عَلَى حَذِيفَةَ بْنِ الْيَمَانِ فَقِيلَ لَهُ إِنَّ هَذَا يُبْلِغُ الْأُمَرَاءَ الْحَدِيثَ عَنِ النَّاسِ فَقَالَ حَذِيفَةُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَاتٌ.

تَوْجِيهًا: ہمام بن حارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک شخص حضرت حذیفہ بن یمان کے پاس سے گزرا تو انہیں بتایا گیا کہ یہ حکمرانوں کے سامنے لوگوں کی چغلیاں کرتا ہے تو حضرت حذیفہ نے فرمایا: کہ میں نے نبی اکرم کو یہ فرماتے ہوئے سنا چغلی کرنے والا شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

تشریح: چغل خوری کی تعریف:

چغل خوری کی تعریف عام طور پر یہ کی جاتی ہے کہ کسی کا قول اس شخص کے بارے میں نقل کرنا جس کے بارے میں کہا گیا ہے مثلاً یہ کہنا کہ فلاں شخص تمہارے متعلق یہ کہہ رہا تھا مگر چغلی کی حقیقت صرف اسی میں منحصر نہیں ہے بلکہ اس کی تعریف اور بھی کی گئی ہیں۔ مثلاً جس چیز کا ظاہر کرنا برا ہو اسے ظاہر کر دینا خواہ اس کو برا لگے جس نے کہا جس کے بارے میں کہا گیا ہے یا کسی تیسرے شخص کو برا معلوم ہو نیز اس کے لئے یہی ضروری نہیں کہ اس کا اظہار زبان ہی سے ہو بلکہ کتاب اور کتایہ بھی زبان کے قائم مقام ہے پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ اس چغلی کا تعلق کلام سے ہو یا منقول عنہ کے کسی عیب و نقص سے ہو بلکہ عموم ہے۔

چغل خوری کی مذمت:

قرآن پاک میں اس کی بڑی مذمت بیان فرمائی گئی ہے۔ قال تعالیٰ: ﴿وَلَا تُطْعَمُوهُنَّ حَلَالٍ مِّمَّهِنَّ ۚ هَتَّازٍ مَشَآءٍ بَنِيْمٍ ۚ﴾ (القلم: ۱۰، ۹) نیز روایات میں بھی چغل خور کے بارے میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں: قال النبی ﷺ لا یدخل الجنة ثمام۔ رواہ البخاری و مسلم عن حذیفہ رضی اللہ عنہ اسی طرح ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً منقول ہے: قال النبی ﷺ احبکم الی اللہ احسنکم اخلاقاً الموطؤون اکتافاً یالفون و یؤمنون و ان ابغضکم الی اللہ المشاؤون بالنميمة المفرقون بین الاخوان الملتصقون للبراء العثرات۔ (الطبرانی) یعنی لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب اللہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو اخلاق میں سب سے اچھے ہوں جن کے پہلو نرم ہیں جو محبت کرنے والے ہیں۔ اور ایمان لانے والے ہوں اور تم میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ وہ لوگ ہیں جو چغلی کرتے ہوں اور بھائیوں میں تفریق کرتے ہوں معصوم لوگوں کی لغزشیں تلاش کرتے ہوں۔

ایک مرتبہ حضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کیا میں تم کو شریکوں سے آگاہ نہ کر دوں عرض کیا گیا ضرور تو حضور ﷺ نے فرمایا: ”المشاؤون بالنميمة المفسدون بین الاحبة الباغون للبراء العیب“ (رواہ محمد عن ابی مالک رضی اللہ عنہ) (الاشعری)

چغل خور کا علاج:

① چغل خور کا اعتبار نہ کیا جائے کیونکہ وہ فاسق ہے۔ حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص تم سے کسی کی چغلی کرتا ہے وہ تمہاری بھی دوسرے سے ضرور چغلی کرے گا گویا وہ شخص قابل اعتبار نہیں ہے بلکہ بیک وقت وہ شخص جھوٹ، غیبت، غدر، خیانت، نفاق، حسن تفریق بین المسلمین جیسے سنگین گناہوں میں مبتلا ہوتا ہے۔

② اس کو نصیحت کر کے اس کے عمل کی برائی اس پر واضح کر دی جائے۔ چغل خور تم نے تین گناہ کئے: (۱) مسلم بھائی سے بغض و عداوت۔ (۲) میرے مطمئن دل اور خالی دماغ کو اضطراب و بے چینی سے بھر دیا۔ (۳) خود اپنی دیانتداری کو مجروح کر دیا۔

③ اس شخص سے اللہ کے لئے بغض رکھے اور اس سے نفرت کرے۔

- ④ اس کے کہنے سے اپنے غیر موجود بھائی کے متعلق بدگمان نہ ہو۔
 ⑤ جو کچھ اس کے سامنے نقل کیا جائے اس کو سن کر مزید معلومات کی جستجو کی جائے۔
 ⑥ جس بات سے چغل خور کو منع کیا جائے اس میں خود مبتلا نہ ہو یعنی اس کی چغلی کسی دوسرے سے نہ کرے۔

غیبت اور غیمہ کے مابین فرق:

بعض حضرات فرماتے ہیں دونوں متحد ہیں مگر رائج قول یہ ہے کہ دونوں کے درمیان عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہے، غیمہ میں کسی شخص کے حال کو دوسرے سے نقل کرنا بطور فساد ہوتا ہے اور غیبت میں فساد کی نیت ضروری نہیں ہے، غیبت کے لئے معتاب کی غیبت لازم ہے جو غیمہ میں ضروری نہیں ہے۔ ہذا حدیث حسن صحیح اخرجہ الشیخان و ابو داؤد۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعِيِّ

باب ۷۹: کم بولنے (کی فضیلت) کا ذکر

(۱۹۵۰) الْحَيَاءُ وَالْعِيُّ شُعْبَتَانِ مِنَ الْإِيْمَانِ وَالْبَذَاءُ وَالْبَيَانُ شُعْبَتَانِ مِنَ التَّفَاقِي.

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا حیا اور کم گوئی ایمان کے دو شعبے ہیں جبکہ نخش گوئی اور بکثرت باتیں کرنا منافقت کے دو شعبے ہیں۔

تشریح: قلت کلام کی فضیلت:

حدیث سے دو امر ثابت ہوتے ہیں: ① الحیاء: اس کے معنی ایسا تغیر و انکسار جو عیب و ملامت کے خوف سے انسان کو پیش آئے امام راغب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حیا کہتے ہیں: انقباض النفس من القبیح (قبح چیزوں کے کرنے سے نفس بند ہو جائے) کو اور ② بعض حضرات نے کہا: انقباض النفس لحوف ارتکاب مایکراہ (نفس کا بند ہونا ایسی چیزوں کے خوف سے جن کو وہ ناپسند کرتا ہے) کا نام حیا ہے۔ شرم و حیا کم بولنا یہ ایمان کے دو شعبے ہیں، یعنی ان کا منشاء اور بنیاد ایمان ہے، جس شخص کا ایمان جتنا مضبوط و مستحکم ہوگا اسی قدر وہ اللہ کی نافرمانی سے شرم و حیا کرے گا اور زیادہ بولنے سے بھی پرہیز کرے گا۔

حیاء کی اقسام:

حیاء کی تین قسمیں ہیں: ① حیا شرعی جس کا مقابل فسق ہے۔ ② حیا عقلی جس کا مقابل جنون ہے۔ ③ حیا عرفی جس کا مقابل ابلہ و پاگل پن ہے، اگر وہ حرام میں ہے تو حیا واجب ہے اور اگر مکروہ میں ہے تو حیا مندوب و مستحب ہے اور اگر مباح میں ہے تو وہ حیا عرفی ہے۔

حدیث شریف میں جس حیا کو ایمان کا شعبہ قرار دیا گیا ہے وہ حیا شرعی ہے یعنی وہ حیا جو دنیا و آخرت کی فضیلت کے خوف سے ہو وہ ہر معروف کے لئے داعی اور ہر منکر سے مانع ہوتی ہے، الحی اس کے معنی قلت کلام کے ہیں جو محمود صفت ہے کیونکہ زیادہ بولنا بہت سے گناہوں کا سبب بن جاتا ہے، غیبت، جھوٹ، لعن و طعن اور بہتان وغیرہ یہ بڑی برائیاں اس میں داخل ہو جاتی ہیں ایسے میں

خاموش رہنا اور بقدر ضرورت گفتگو کرنا ہی بہتر ہوتا ہے تاکہ انسان زبان کے گناہوں سے محفوظ رہے۔

اور جب آدمی کو آیت شریفہ ﴿مَا يَلْفُظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ﴾ (ق: ۱۸) کا تصور ہوگا تو وہ یقیناً خاموش رہنے اور تقلیل کلام کو ترجیح دے گا۔

کلام کی چار قسمیں ہیں: ① وہ کلام جس میں خالص ضرر و نقصان ہو۔ ② وہ کلام جس میں خالص نفع ہو۔ ③ وہ کلام جس میں نفع بھی ہو ضرر بھی ہو۔ ④ وہ کلام جس میں نہ ضرر ہو اور نہ نفع ہو۔

اول اور سوم سے بچنا تو ضروری ہے بشرطیکہ ضرر زائد ہو اور چوتھی قسم جس میں نہ ضرر نہ نفع وہ لایعنی اور لغو کلام ہے اس سے تو سکوت ہونا ہی چاہئے چونکہ ایسے کلام میں مشغول ہونا اپنے اوقات کو ضائع کرنا ہے جو سب سے بڑا نقصان ہے باقی رہی دوسری قسم اگرچہ اس میں نفع ضرور ہے مگر اس میں بھی ریاء و تصنع غیبت وغیرہ کے خطرات موجود ہیں جن کا احساس بولنے والے کو بسا اوقات نہیں ہوتا اس لئے مفید کلام کرنے والا بھی خطرات سے محفوظ نہیں ہے اس وجہ سے آدمی کو بقدر ضرورت کم گو ہونا چاہئے۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

”من صمت نجا وقال اللہ امرنی ان یکون نطقی ذا کراً وصمتی فکراً ونظری عبدة وقال اللہ

من حسن اسلام المرأۃ کہ ما لا یعنیه..... (الحديث)

”جو شخص خاموش رہا وہ نجات پا گیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا بیشک مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے یہ کہ میرا بولنا ذکر ہو اور میرا خاموش رہنا فکر ہو اور میرا دیکھنا عبرت ہو۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آدمی کے سلام کی اچھائی یہ ہے کہ وہ لایعنی چیزوں کو چھوڑ دے۔“

ان روایات سے قلت کلام کی ترغیب معلوم ہوتی ہے۔

② بے حیائی، فحش گفتگو اور زیادہ فصاحت سے کلام کرنا یعنی زیادہ بولنا یہ نفاق کے دو شعبے ہیں، یہ چیزیں نفاق کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں کیونکہ منافق آدمی ہی آخرت کے انجام سے بے خبر ہو کر فحش گفتگو اور بیہودہ کلام کرتا ہے، اس لئے بے ہودہ گوئی اور زیادہ بولنے سے احتراز کرنا چاہئے۔

لغات: العی: کلام سے عاجز ہونا، اپنی مراد اور مقصد کو واضح نہ کر سکرنا، یہاں اس کے معنی: قلت کلام کے ہیں۔ حیاء: شرم و حیا: وقار و سنجیدگی، انسانی مزاج میں وہ تغیر و تبدل تواضع و انکساری جو عیب اور ملامت کے اندیشے سے پیدا ہو، اسے حیاء کہا جاتا ہے۔ البذاء: (با پر زبر کے ساتھ): بدکلامی، بیہودہ گفتگو، بے حیائی کی بات۔ البیان: بتکلف ضرورت سے زیادہ فصاحت کا اظہار کرنا، آزاد گفتگو کرنا جس میں غیبت، جھوٹ، الزام تراشی وغیرہ سے اجتناب نہ کیا جائے، ایسا آدمی چونکہ زیادہ گفتگو کرتا ہے اس لئے یہاں ”البیان“ سے کثرت کلام مراد ہے۔

والبذاء و البیان شعبتان من النفاق: یعنی بے حیائی اور فحش گوئی اور بتکلف اظہار فصاحت اور بے پردہ

بلا ضرورت کلام۔

بَابُ مَا جَاءَ إِنْ مِنَ الْبَيِّنَاتِ سِحْرًا

باب ۸۰: بعض بیان جادو اثر ہوتے ہیں

(۱۹۵۱) أَن رَّجُلَيْنِ قَدِمَا فِي زَمَانِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَخَطَبَا فَعَجِبَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِهِمَا فَالْتَفَتَ إِلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ إِنَّ مِنَ الْبَيِّنَاتِ سِحْرًا أَوْ إِنَّ بَعْضَ الْبَيِّنَاتِ سِحْرٌ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ کے زمانہ اقدس میں دو آدمی آئے انہوں نے خطاب کیا ان کا کلام لوگوں کو بہت پسند آیا نبی اکرم ﷺ نے ہماری طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا کچھ بیان جادو ہوتے ہیں (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں) بعض بیان جادو ہوتے ہیں۔

تشریح: حدیث کا شان و رود: یہ ہے کہ زبرقان اور عمرو بن اہتم رضی اللہ عنہما مدینہ منورہ آئے، پہلے زبرقان نے اپنے قومی مفاخر بیان کئے اور نہایت فصیح تقریر کی، عمرو رضی اللہ عنہ نے اس کا جواب دیا اور اس نے بھی نہایت بلیغ تقریر کی اور زبرقان کا کہنا سن کر ثابت کیا، زبرقان نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! بخدا! عمرو رضی اللہ عنہ جانتا ہے کہ میرے اندر اس کے علاوہ صفتیں ہیں جو اس نے کہی ہیں، مگر میرے فضائل کے اظہار سے اس کو حسد روک دیا ہے، عمرو رضی اللہ عنہ نے اس کا بھی جواب دیا اور پہلے سے بھی زیادہ فصیح تقریر کی۔

اور احیاء العلوم میں ہے کہ ایک دن عمرو نے زبرقان کی تعریف کی، پھر دوسرے دن اس کی برائی کی، تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ماہذا؟ یہ کیا بات ہوئی؟ کل تو نے اس کی تعریف کی تھی اور آج اس کی برائی کر رہا ہے؟ عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: کل میں نے جو کچھ کہا تھا وہ سچ تھا اور آج جو میں نے کہا وہ بھی جھوٹ نہیں، کل اس نے مجھے خوش کیا تھا اس لئے میں نے اس کے وہ فضائل بیان کئے جو میں جانتا تھا، اور آج اس نے مجھے ناراض کر دیا پس میں نے اس کی وہ برائیاں بیان کیں جو میں اس میں پاتا ہوں، پس نبی نے فرمایا: ”ان من البیان لسحراً“: بعض تقریریں جادو اثر ہوتی ہیں، قلوب کو ادھر سے ادھر پھیر دیتی ہیں۔

حضور ﷺ نے بعض بیان کو جادو کیوں فرمایا بطور مدح ہے یا ذم؟

- ① آپ ﷺ نے جادو اس وجہ سے فرمایا کہ جس طرح جادو کا اثر مخفی طور پر ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ قلوب کو مائل کر دیتے ہیں۔
- ② بعض حضرات فرماتے ہیں کہ بعض بیان کو جادو اکتساب معصیت کے اعتبار سے فرمایا کہ جس طرح جادو کے ذریعہ آدمی معصیت کا مرتکب ہو جاتا ہے اسی طرح بعض بیان بھی معصیت کے ارتکاب کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔
- ③ بعض حضرات نے فرمایا جادو کے ساتھ زود اثر ہونے کے اعتبار سے ہے کہ جس طرح جادو کا اثر جلدی ہوتا ہے اسی طرح بعض بیان کا اثر بہت جلد ہوتا ہے۔

علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بیان کی دو قسمیں ہیں۔ اول: جو مافی الضمیر کی ادائیگی کے لیے ہو خواہ کسی طرح ہو یعنی دقائق بلاغت و فصاحت اس میں ہوں یا نہ ہوں دم وہ بیان جو بنا سنوار کر بتکلف ضائع فنی کے ساتھ کیا جائے تاکہ لوگوں کی توجہ کا مرکز بنے اور لوگوں کے قلوب اس طرف مائل ہوں یہی وہ بیان ہے جس کو آپ ﷺ نے جادو فرمایا ہے اگر یہ کلام میلان قلوب الی الحق کا ذریعہ بنے

تو محمود ہے اور اگر میلان الی الباطل کا ذریعہ بنے تو مذموم ہے گویا ان من البیان السحر میں مدحت و مذمت دونوں کا احتمال ہے۔
امام مالک و ابو داؤد رحمہما وغیرہ محدثین نے آپ ﷺ کے اس فرمان کے بارے میں فرمایا کہ حضور ﷺ کا مقصود ایسے کلام کی مذمت کرنا ہے چنانچہ دونوں کی تہویب سے یہی مستفاد ہوتا ہے: قال الزرقانی قال الباجی وابن عبد البر..... و هو مذموم۔
حاصل کلام: ابن عربی نے فرمایا بعض علماء نے اس کو مذمت پر محمول کیا ہے مگر مدح کا احتمال بھی یہی ہے یہی ابن بطل رحمہ اللہ کی رائے ہے کہ بیان مجموع اقسامہ مذموم نہیں ہے۔ کیا يدل عليه من التبعية في قوله من البيان كيف وقد امتن الله تعالى به على عادة حيث قال خلق الانسان و علمه البيان۔ ایک شخص عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کچھ مطالبہ کیا جس کو پورا کرنے سے خلیفہ معذور تھا مگر اس نے ایسا فصیح و بلیغ کلام کیا کہ خلیفہ کے قلب پر اس کا اثر ہوا اور اس کا مطالبہ پورا کر دیا تو اس سائل نے کہا: هذا هو السحر الحلال۔

وفي الباب عن عمار رحمہ اللہ أخرجه أحمد و مسلم و ابن مسعود رحمہ اللہ أخرجه مسلم عبد الله بن الشخير رحمہ اللہ فليُنظر من أخرجه۔ هذا حديث حسن صحيح أخرجه البخاري ومالك وأحمد وأبو داؤد.

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّوَاضُّعِ

باب ۸۱: تواضع کی فضیلت

(۱۹۵۲) مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ وَمَا زَادَ رَجُلًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلَّهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللَّهُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے صدقہ مال میں کمی نہیں کرتا اور معاف کرنے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ آدمی کی عزت میں اضافہ کرتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بلندی عطا کرتا ہے۔
تشریح: ① ما نقصت صدقة من مال: ”نہیں گھٹایا کسی خیرات نے کوئی مال“ یعنی غریبوں پر خرچ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ اس کا عوض دیتے ہیں اور جوڑ کر رکھنے والے بھوکے مر جاتے ہیں، وقت پر ان کی دولت کچھ کام نہیں آتی، ڈاکٹر ہر چیز کے کھانے سے منع کر دیتا ہے اور وہ کھانے پینے کے لئے ترستے رہتے ہیں۔

② وما زاد الله رجلاً بعفو إلا عزاً: اور نہیں بڑھاتے اللہ تعالیٰ کسی شخص کو درگزر کرنے کی وجہ مگر عزت میں، معاف کرنے سے ہمیشہ عزت بڑھتی ہے، تھوڑی دیر کے لئے لوگ چاہئے کچھ کہیں، مگر آخر میں لوگ ایسے شخص کی تعریف کرتے ہیں۔

③ وما تواضع أحد لله إلا رفعه الله: اور جو بھی شخص اللہ کے لئے خاکساری کرتا ہے: اللہ تعالیٰ اس کو سر بلندی عطا فرماتے ہیں مگر لوگ ایسا سمجھتے ہیں کہ خود کو لمبا کھینچنا چاہئے ورنہ لوگ چھوٹا سمجھیں گے، حالانکہ خاکسار اور متواضع ہی کو اللہ تعالیٰ سر بلند کرتے ہیں اسی کا مقام و مرتبہ بلند کرتے ہیں جس کا جی چاہئے تجربہ کر کے دیکھ لے۔ مالک بن دینار: فرماتے ہیں اگر کوئی منادی کرنے والا مسجد کے دروازہ پر یہ اعلان کرے کہ تم میں سے بدترین آدمی باہر آجائے تو بخدا سب سے پہلے باہر نکلنے والا میں ہوں گا الا یہ کہ کوئی شخص اپنی طاقت کے ذریعہ مجھ سے سبقت کر جائے جب ابن المبارک نے ان کا یہ قول سنا تو فرمایا واللہ مالک اسی وجہ

سے وہ مالک ہیں عروہ بن الورد کہتے ہیں تواضع حصول عظمت کا ذریعہ ہے۔ ہر نعمت پر حسد کیا جاسکتا ہے مگر تواضع ایسی نعمت ہے جس پر حسد نہیں کیا جاسکتا۔

تواضع کی فضیلت:

احادیث میں تواضع کے بیشمار فضائل وارد ہوئے ہیں:

① بیہقی رحمہ اللہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر شخص کے ساتھ دو فرشتے ہوتے ہیں جو لگام کے ذریعہ اس کو روکتے ہیں اگر وہ نفس کو اونچا کرتا ہے تو وہ لگام کھینچتے ہیں اور کہتے ہیں اے اللہ تو اس شخص کو پست کر اور اگر وہ اپنے نفس کو پست کرتا ہے تو کہتے ہیں اے اللہ تو اسے اونچا کر۔

② مسند بزار میں روایت ہے فرمایا:

من تواضع لله رفعه الله ومن تكبر وضعه الله ومن اقتصد اغناه الله ومن بذر افقره الله ومن اكثر ذكر الله احبه الله.

”جو شخص اللہ کے لئے عاجزی اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے بلند کرتے، اور جو شخص تکبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے گرا دیتے ہیں۔ جس شخص نے میانہ روی اختیار کی اللہ تعالیٰ اُس کو غنی کر دیں گے۔ جس نے ذخیرہ کیا اللہ تعالیٰ اُسے فقیر کر دیں گے، جو شخص کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُس سے محبت کرتے ہیں۔“

نیز ارشاد فرمایا: ”الكرم التقوى والشرف التواضع واليقين الغنى“ (رواہ ابن ابی الدینار مسلماً والحاکم عن سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ) ”یعنی بڑائی تقویٰ ہے۔ شرف تواضع ہے اور یقین غنی ہے۔“

بَابُ مَا جَاءَ فِي الظُّلْمِ

باب ۸۲: ظلم کی مذمت کے بارے

(۱۹۵۳) الظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

تَوْجِيهًا: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں ظلم قیامت کے دن تاریکیوں کی شکل میں ہوگا۔ تشریح: الظلم ظلمات کا مطلب: اس جملہ کے حضرات شراح نے متعدد معانی بیان فرمائے ہیں:

① ”ظلم“ ظالم شخص کے لئے قیامت کے دن مختلف ظلمتوں کا سبب ہوگا جس طرح مومن کے لئے آخرت میں نور ہوگا جو ان کے آگے اور دائیں طرف ہوگا اور ایک روایت میں ہے کہ بائیں طرف بھی ہوگا اسی طرح ظالم کے ارد گرد مختلف حقوق ضائع کرنے کی بناء پر متعدد ظلمتیں ہوں گی۔

② کہ ظلمات سے مراد شدائد و مصائب ہیں یعنی ظالم کے لئے ظلم مختلف مصائب و شدائد کا ذریعہ ہوگا جو اس کی مختلف معاصی و تضييع حقوق کی بناء پر ہوں گی۔

③ ممکن ہے کہ اس سے مراد تکلیفات اور عقوبات ہوں۔ علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ظلم کم از کم دو معصیتوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اول: وہ جو حقوق اللہ سے متعلق ہیں اس کے بارے میں امید ہے کہ عفو و بخشش ہو جائے۔ دوم: جو حقوق العباد سے متعلق ہے ان کے متعلق روایات میں وارد ہے کہ مظلومین کو ان کے حقوق کے بدلہ میں ظالم کی نیکیاں دے دی جائیں گی اور بالآخر جب حقوق باقی رہ جائیں گے تو مظلومین کے گناہوں کو ظالمین پر ڈال دیا جائے گا جس کی وجہ سے ظالمین باوجود نیکیاں ہونے کے جہنم میں داخل کر دیئے جائیں گے اس طرح ظالم کے لئے مختلف شدائد و مصائب آخرت میں ہوں گے جو اس کے ظلم کا نتیجہ ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَرْكِ الْعَيْبِ لِلنِّعْمَةِ

باب ۸۳: نعمت میں عیب نہ نکالنے کے بارے میں

(۱۹۵۴) مَا عَابَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ طَعَامًا قَطُّ إِذَا اشْتَهَاهُ أَكَلَهُ وَإِلَّا تَرَكَهُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے کبھی کسی کھانے میں عیب نہیں نکالا اگر آپ ﷺ کو کھانا پسند آتا تو آپ ﷺ کھا لیتے ورنہ نہیں کھاتے تھے۔

لغات: ما عاب: عیب نہیں نکالا۔ اشتہا: آپ اس کھانے کو چاہتے، رغبت کرتے۔ اكله: تو اس کو کھا لیتے۔ تشریح: آپ ﷺ کسی کھانے کو برا نہیں کہتے تھے۔ آپ ﷺ کی عادت یہ تھی کہ کسی حلال کھانے میں عیب نہیں نکالتے تھے، اگر رغبت ہوتی تو کھا لیتے ورنہ چھوڑ دیتے۔

عیب دو طرح کا ہوتا ہے:

① خلقت اور پیدائش کے اعتبار سے عیب نکالا جائے، جو اشیاء اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے حلال قرار دی ہیں، ان میں نکتہ چینی

اور عیب نکالا جائے تو یہ ناجائز اور حرام ہے، کیونکہ یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی تخلیق پر اعتراض ہے جو ناجائز ہے۔

② اس کھانے میں بنانے اور تیار کرنے کے اعتبار سے عیب نکالا جائے، مثلاً یوں کہا جائے کہ اس میں فلاں چیز زیادہ ہے یا کم ہے،

یا سالن جل گیا ہے، یا یہ کچا ہے۔ اس طرح کہنے کی گنجائش ہے۔ مگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ روایت میں عیب نکالنے

کی ممانعت چونکہ عام ہے، خواہ وہ خلقت کے اعتبار سے ہو یا بنانے اور تیار کرنے کے اعتبار سے، اس لئے کسی بھی طرح کھانے

میں کوئی اعتراض اور عیب نہ نکالا جائے کیونکہ اگر بنانے میں کوئی عیب نکالا گیا تو اس سے بنانے والے کی دل شکنی لازم آتی ہے،

یہ بھی جائز نہیں، البتہ اگر باورچی کو صحیح بنانے کی وجہ سے تنبیہ کی جائے تاکہ اس کی اصلاح ہو جائے تو اس کی گنجائش ہے بلکہ

بسا اوقات یہ اصلاح ضرور ہوتی ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي تَعْظِيمِ الْمُؤْمِنِ

باب ۸۴: مومن کے احترام کا بیان

(۱۹۵۵) صَعِدَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْمَنْبَرَ فَنَادَى بِصَوْتٍ رَفِيعٍ قَالَ يَا مَعْشَرَ مَنْ أَسْلَمَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يُفِضْ الْإِيمَانُ إِلَى قَلْبِهِ لَا تُؤْذُوا الْمُسْلِمِينَ وَلَا تَعَيِّرُوهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِهِمْ فَإِنَّهُ مَنْ تَتَّبَعَ عَوْرَةَ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ تَتَّبَعَ اللَّهُ عَوْرَتَهُ وَمَنْ تَتَّبَعَ اللَّهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحْهُ وَلَوْ فِي جَوْفِ رَحْلِهِ قَالَ وَنَظَرَ ابْنُ عُمَرَ يَوْمًا إِلَى الْبَيْتِ أَوْ إِلَى الْكُعْبَةِ فَقَالَ مَا أَعْظَمَكَ وَأَعْظَمَ حُرْمَتَكَ وَالْمُؤْمِنُ أَعْظَمُ حُرْمَةً عِنْدَ اللَّهِ مِنْكَ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ منبر پر چڑھے پھر آپ ﷺ نے بلند آواز میں یہ فرمایا اے وہ لوگو جو صرف زبانی طور پر مسلمان ہوئے ہو ایمان جن کے دل تک نہیں پہنچا تم لوگ مسلمانوں کو اذیت نہ پہنچاؤ انہیں عار نہ دلاؤ ان کے عیوب تلاش نہ کرو کیونکہ جو شخص کسی مسلمان کے عیوب تلاش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عیب کو ظاہر کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ جس کے عیب ظاہر کر دے وہ ذلیل ہو جاتا ہے خواہ وہ شخص اپنے گھر کے اندر ہی کیوں نہ ہو۔

راوی بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیت اللہ کی طرف دیکھا (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں) خانہ کعبہ کی طرف دیکھا اور یہ فرمایا تم کتنے عظیم ہو اور تم کتنے زیادہ قابل احترام ہو لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مومن کا احترام تم سے زیادہ ہے۔

تشریح: علامہ طبری رحمہ اللہ نے روایت کو منافقین پر منحصر مانا ہے، مگر شرح سے واضح ہو گیا کہ مومن و منافق دونوں کو شامل ہے۔

روایت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے خصوصی اہتمام کے ساتھ منبر پر تشریف فرما کر بلند آواز سے خطاب فرمایا ”لا تؤذوا المسلمین“ کہ جو لوگ منافق ہیں یا کامل مومن نہیں وہ مومنین کا بلیں کو ایذا و تکلیف نہ پہنچائیں اس لئے کہ ایذا مسلم حرام ہے بلکہ اہل ایمان کو نفع پہنچانا لازم ہے چونکہ جو شخص اہل اسلام کو ایذا پہنچانے کے درپے ہے ظاہر ہے کہ اس کا اسلام دعائی ہے اصلی نہیں ہے، نیز حضور ﷺ نے فرمایا: ”ولا تعیروہم“ یہ ماخوذ ہے تعبیر سے اس کے معنی کسی کو گزشتہ عیب پر شرمندہ کرنا جس کا مطلب ہے کہ مسلمانوں کو گزشتہ عیوب و ذنوب پر شرمندہ نہ کرو اس لئے کہ مسلمان کو رسوا کرنا ناجائز نہیں بالخصوص جب کہ وہ کاملین مومن ہو اور ان ذنوب سے توبہ بھی کر چکا ہو خواہ اس اظہار اس نے نہ کیا ہو اس لئے کہ کامل مومن گناہ کے بعد توبہ کر ہی لیتا ہے۔

بہر حال تعبیر علی ذنب ماض جائز نہیں ہے البتہ اگر کوئی شخص فی الحال گناہ میں مبتلا ہو تو اس کو زجر و توبیخ جائز ہے تاکہ وہ اس گناہ سے باز آجائے۔ ولا تتبعوا: یہ باب افتعال سے ہے اس کے معنی ہیں کہ مسلمانوں کے بارے میں تجسس نہ کرو یعنی کسی مسلمان کا جو عیب ظاہر نہ ہو اس کی جستجو اور تلاش کرنا جائز نہیں ہے ورنہ اس کی سزا یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے عیوب کی جستجو فرمائیں گے اور لوگوں کے درمیان ظاہر فرمائیں گے جس سے رسوائی ہوگی خواہ وہ عیوب کتنے ہی چھپے ہوئے ہوں، بیان القرآن میں ہے کہ چھپ کر کسی کی باتیں سننا یا اپنے کو سوتا ہوا بنا کر باتیں سننا بھی تجسس میں داخل ہے البتہ کسی سے مضرت پہنچنے کا احتمال ہو اور وہ اپنی یا کسی

دوسرے کی حفاظت کی غرض سے مضرت پہنچانے والے کی خفیہ تدبیروں اور ارادوں کا تجسس کرے تو جائز ہے ورنہ جائز نہیں ہے۔

مَا اعْظَمَكَ وَاَعْظَمَ حَرَمَتَكَ: دونوں صیغہ تعجب ہیں الحرمۃ بالضم او بضمین بمعنی العظمتۃ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کعبۃ اللہ کو دیکھ کر فرمایا تو کس قدر عظمت والا گھر ہے کہ تو اللہ کا گھر ہے اور تیری عظمت کس قدر ہے مگر مومن کی عظمت اس کے ایمان کی وجہ سے تجھ سے بھی زائد ہے بیت اللہ اگرچہ عظیم الشان ہے مگر اس کو آباد کرنے والے تو مومنین ہی ہیں قال تعالیٰ: ﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ مَنَ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ...﴾ (التوبہ: ۱۸) اور ظاہر ہے کہ مکان کی عظمت اس کے آباد ہونے سے ہی ہوتی ہے غیر آباد مکان کا مقام آباد کے مقابلہ میں زائد نہیں ہوتا ہے۔

یہ حدیث متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور تمام روایتیں سیوطی رضی اللہ عنہ نے الدر المنثور (۶/ ۹۳) میں ”ولا تجسوا“ کی تفسیر میں جمع کی ہیں، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک دن کعبہ شریف کی طرف دیکھا اور فرمایا: ”اعظمک! واعظم حرمتک! والہومن اعظم حرمة عند اللہ منک!“ یعنی تیرا مرتبہ کس قدر بڑا ہے! اور تیرا احترام کس قدر زیادہ ہے! مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن کا احترام تجھ سے بھی بڑھا ہوا ہے۔

لعنات: صعد بکسر العین البہملہ بمعنی طلع، قال: یہ منادی کا بیان ہے، من اسلم بلسطانہ: اس میں مومن و منافق دونوں داخل ہیں۔ ولم یفرض: ماخوذ من الافضاء ای لم یصل الایمان الی اصلہ و کمالہ۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّجَارِبِ

باب ۸۵: تجربات کا بیان

(۱۹۵۶) لَا حَلِيمَ إِلَّا ذُو عَثْرَةٍ وَلَا حَكِيمَ إِلَّا ذُو تَجْرِبَةٍ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کوئی بھی شخص اس وقت تک حقیقی طور پر بردبار نہیں ہوتا جب تک (زمانے کی) ٹھوکریں نہیں کھا لیتا اور کوئی بھی دانشور اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ تجربات کا سامنا نہ کرے۔ تشریح: تجربہ عربی میں ر کے زیر کے ساتھ ہے اور اردو میں زبر کے ساتھ، تجربہ کے معنی ہیں: سبب پائے جانے پر مسبب کے پائے جانے کا بار بار مشاہدہ کرنا اور تجربہ سے علم ظنی حاصل ہوتا ہے اور یہ بات یہاں اس لئے لائے ہیں کہ معاشرہ کے افراد کے بارے میں تجربات سے جو اچھی یا بری معلوم ہو اس کا لحاظ کرنا چاہئے، اگر تجربہ سے ثابت ہو جائے کہ ایک شخص جھوٹ بولتا ہے تو اس کی بات نہیں ماننی چاہئے اور کوئی شخص خیانت کرتا ہے تو اس کے پاس امانت نہیں رکھنی چاہئے، قس علی ہذا۔

① لَا حَلِيمَ إِلَّا ذُو عَثْرَةٍ: بردبار نہیں مگر لغزش والا، یعنی جس سے کبھی لغزش ہوئی ہے اس کا سوچنے کا انداز بدل جاتا ہے، وہ دوسروں کے بارے میں بھی یہی سوچتا ہے کہ ان سے بھی غلطیاں ہو سکتی ہیں، اس لئے میں بردباری کی صفت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ غلطی کرنے والوں سے درگزر کرتا ہے۔ العثرۃ: کے معنی ہیں: لغزش، ٹھوکر۔ ملا علی قاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس کا مطلب

یہ ہے کہ حلیم وہی شخص ہو سکتا ہے جس سے کوئی لغزش ہوئی ہو کیونکہ لغزش والا شخص عفو کا طالب ہوتا ہے جب اس کو معاف کر دیا جائے تو وہ عفو کے درجہ کو پہنچائے گا کہ وہ کس قدر اہم ہے لہذا جب دوسرے سے خطا صادر ہوگی تو یہ بھی عفو کو دوسروں کے حق میں اختیار کرے گا اس وقت یہ حلیم کہلائے گا۔

② کہ اس کے معنی ہیں کہ کامل حلیم وہ ہوتا ہے جس سے کوئی غلطی صادر ہوئی ہو اور اس کو اس پر شرمندگی ہوئی ہو اگر اس کو معاف کر دیا جائے تو یہ شخص بھی دوسروں کے حق میں ضرور معافی کو اختیار کرے گا، لہذا معلوم ہوگا کہ کامل حلیم یہی شخص ہے۔

③ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ روایت کا مطلب یہ ہے کہ کوتاہیوں سے صرف نظر ایسا شخص کر سکتا ہے جو خود کوتاہیوں کا مرتکب رہا ہو خواہ اس کو معاف کر دیا گیا ہو یا سزا دے دی گئی ہو ایسے شخص میں حلم پیدا ہو جائے گا اور دوسروں کے حق میں وہ شخص حلیم ثابت ہوگا۔

④ یا اس کا مطلب یہ کہ کوئی شخص سرلیج الغضب ہونے کی وجہ سے حلم کو اختیار نہیں کرتا اور اپنے غصہ کو غیروں پر نافذ کر دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ ملامت کا نشانہ بنتا ہے جب بار بار اس سے یہ غلطی (ترک حلم) ہوتی رہے گی تو اس میں حلم پیدا ہوگا تا کہ لوگوں کی ملامت سے بچ جائے۔

⑤ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ روایت کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کتنا ہی حلیم ہو مگر اس سے بھی کبھی نہ کبھی غلطی کا صدور ہو ہی جاتا ہے۔

⑥ ولا حکیم الا ذو تجربۃ: ورد انشمنہ نہیں مگر تجربہ کار، یعنی جب آدمی تجربات سے گزرتا ہے تب اس کی عقل پختہ ہوتی ہے، اس کے بغیر دانشمندی ادھوری رہتی ہے، کہتے ہیں: سل المجرب، ولا تسئل الحکیم: تجربہ کار سے پوچھ، دانشمند سے مت پوچھ۔ چنانچہ دینی اور دنیوی علوم پڑھ کر فارغ ہونے والے جب تک پریکٹس نہیں کرتے ان کے علوم پختہ نہیں ہوتے۔

⑦ اس کا مطلب ہے کہ دانا و عقل مند وہی شخص ہوگا جس کو امور دین و دنیا کا تجربہ ہو اور مصالح و مفاسد کو خوب جانتا ہو ایسا شخص جب بھی کوئی کام کرے گا وہ حکمت مصلحت سے خالی نہ ہوگا بلکہ اس کے انجام دیئے ہوئے امور مستحکم و مضبوط اور دیر پا ہوں گے۔ (قالہ القاری)

⑧ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے طبی حکیم مراد ہے اور معنی یہ ہیں کہ کامل طبیب ایسا شخص ہوتا ہے جس کو امور ذاتیہ کا تجربہ ہو یعنی امراض کی تشخیص اور ادویہ کی تجویز کے ساتھ ساتھ لوگوں کے مزاجوں اور ان کے نفسیات کا ماہر بھی ایسا شخص کامل حکیم یعنی معالج بدن انسانی کہلائے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُتَشَبِّحِ بِمَا لَمْ يُعْطَهُ

باب ۸۶: نعمت کی جھوٹی نمائش کرنا

(۱۹۵۷) مَنْ أُعْطِيَ عَطَاءً فَوَجَدَ فَلْيَجْزِئْهُ وَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيُتَيْنِ فَإِنَّ مَنْ أَتَى فَقَدْ شَكَرَ وَمَنْ كَتَمَ فَقَدْ كَفَرَ وَمَنْ تَحَلَّى بِمَا لَمْ يُعْطَهُ كَانَ كَلَابِيسَ ثَوْبِي زُورٍ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں جس شخص کو کوئی چیز عطیے کے طور پر دی جائے اگر اس کے پاس گنجائش ہو تو وہ اس کے بدلے میں کچھ دے اگر اس کے پاس گنجائش نہ ہو تو تعریف ضرور کرے کیونکہ تعریف کرنے والا شخص شکر یہ ادا

کرتا ہے اور جو شخص اس بات کو چھپائے وہ ناشکری کا مرتکب ہوتا ہے اور جو شخص کسی ایسی چیز کو اپنے پاس ظاہر کرے جو اس کو دی ہی نہیں گئی ہے تو اس نے گویا دھوکہ دہی سے کام لیا۔

تشریح: شان و رواد:

① یہ جملہ حضور ﷺ نے اس وقت ارشاد فرمایا تھا جب ایک عورت نے آپ ﷺ سے سوال کیا کہ میری ایک تو سوتن ہے کیا میں اس سوتن کو چڑانے کے لئے ایسی ہیئت اختیار کر لوں جس سے معلوم ہو کہ میرے شوہر کو مجھ سے زیادہ محبت ہے تو آپ ﷺ نے یہ جملہ ”ومن تحلی... الخ“ ارشاد فرمایا یعنی تو ایسا کرے گی تو اس شخص کی طرح ہوگی جس نے دو جھوٹ بولے ہوں یا دو جھوٹی باتوں کو ظاہر کیا ہو پہلا جھوٹ تو یہ ہوگا تیرے شوہر نے گویا تجھ کو سوتن سے زیادہ عطا کیا ہے اور دوسرا جھوٹ یہ ہوگا کہ تیرا شوہر بہ نسبت سوتن کے تجھ سے زیادہ محبت کرتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

② علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہل عرب میں ایک شخص ایسا لباس پہنتا تھا جیسا کہ معتد لوگ پہنتے ہیں جن کے بارے میں جھوٹ اور جھوٹی شہادت کا شبہ نہیں ہوتا تھا یہ شخص لوگوں کو اعتماد دلانے کے لئے ایسا لباس پہنتا تھا حالانکہ نہایت کاذب تھا اس کے متعلق حضور ﷺ نے یہ مقولہ ”ومن تحلی... الخ“ فرمایا تھا پھر یہ ہر ایسے موقع کے لئے بولا جانے لگا جہاں دھوکہ دینے کے لیے ایسی ہیئت اختیار کی جائے جو قابل اعتماد لوگوں کی ہوتی ہے۔ ہر وہ شخص جو اپنی ایسی کوئی فضیلت، ایسا کوئی فضل و کمال لوگوں کے سامنے ظاہر کرے جو درحقیقت اس میں نہ ہو۔ لہذا ایسا ریا کار شخص کو متقی اور پرہیزگار نہیں، لیکن زہد و تقویٰ کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے، ایسا مفلس و غریب جو نکلتا ہے تو برتری جتانے کے لئے فاخرانہ لباس پہن لیا ہے، ان تمام کا مقصد لوگوں کو دھوکہ دینا ہوتا ہے گھر سے سب کی ظاہری شکل و صورت اور لباس، جھوٹ کا لباس ہے جس کی حدیث میں ممانعت کی گئی ہے۔

استعمال مثنیٰ کی توجیہات:

اول: چونکہ جملہ مذکورہ کی جائے ورود میں مثنیٰ کا صیغہ ہی وارد ہوتا تھا کما مر اس وجہ سے بطور مثال مثنیٰ ہی لایا جائے گا کیونکہ امثال میں تغیر نہیں ہوا کرتا۔

دوم: اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ ایسا شخص جو اپنے لئے جھوٹا فضل و کمال ظاہر کر رہا ہے، یہ گویا سر سے ایزی تک جھوٹ کے ساتھ متصف ہے، ایک جھوٹ کو اس نے چادر بنا لیا، جس سے اوپر کا حصہ چھپ گیا اور دوسرے جھوٹ کو تہبند بنا لیا جس سے نیچے کا حصہ چھپا لیا ہے۔

سوم: ممکن ہے صیغہ تثنیہ میں اشارہ ہو دو مذموم حالتوں کی طرف اذل ایسی چیز کا اظہار جو اس کو حاصل نہیں دوم باطل و کذب کا اظہار۔ لغات: المبتدع: وہ شخص جو شکم سیری کا اظہار کرے، اس سے وہ شخص مراد ہے جو اپنے لئے ایسا کوئی فضل و کمال اور فضیلت ظاہر کرے، جو اس کو حاصل نہ ہو، ایسی شکل و صورت بنالے کہ عام آدمی اس سے دھوکہ کھا جائے کہ یہ بہت نیک اور دیانتدار ہے حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں۔ عطاء: عطیہ، بخشش۔ فوجد: وہ اس کا بدلہ دینے پر قادر ہو۔ فلیجز بہ: اسے چاہئے کہ وہ اس کا بدلہ دے۔ فلیشن: یہ اثناء سے ہے: اس کی تعریف کرنی چاہئے۔ ومن کتمہ: جس نے عطیہ کو چھپایا یعنی نہ تو اس کا بدلہ اور نہ ہی دینے والے کی تعریف کی۔ فقد کفر: اس نے نعمت کی ناشکری کی۔ یعنی عطیہ دینے والے کا حق شکر ادا نہیں کیا۔ ومن تحلی: جو شخص مزین اور

آراستہ ہو۔ بمالہ یعطہ: ایسی چیز کے ساتھ جو اسے عطا نہیں کی گئی، یہ مجہول کا صیغہ ہے، اس کے نائب فاعل کی ضمیر ”ہو“ ”من“ کی طرف راجع ہے اور ”ہ“ ضمیر ”ما“ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ کلابس ثوبی زور: جھوٹ کے دو کپڑے پہننے والے کی طرح۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الشَّانِ بِالْمَعْرُوفِ

باب ۸۷: نیک سلوک پر تعریف کا بیان

(۱۹۵۸) مَنِ صُنِعَ إِلَيْهِ مَعْرُوفٌ فَقَالَ لِفَاعِلِهِ جَزَاكَ اللَّهُ خَيْرًا فَقَدْ أَبْلَغَ فِي الشَّانِ.

ترجمہ: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جس شخص کے ساتھ کوئی بھلائی کی جائے اور وہ اس بھلائی کرنے والے سے یہ کہے اللہ تعالیٰ تمہیں بہترین بدلہ عطا کرے تو اس نے پوری تعریف کر دی۔

تشریح: صنع الیہ معروفاً: صیغہ مجہول ہے اور معرفاً بالنصب مفعول ثانی ہے اور بعض نسخوں میں معروف مرفوع ضبط کیا گیا ہے کما فی مشکوٰۃ والجامع الصغیر۔ ملا علی قاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی من اعطی عطاء کے ہوں گے اور صنع کا نائب فاعل ہونے کی بناء پر مرفوع ہوگا۔ جزاک اللہ خیرا ای خیر جزاء ای اعطاک خیرا من خیر الدنیا والاخرۃ فقد ابلغ فی الشان ای بالغ فی اداء شکرہ۔ یعنی جس آدمی نے کسی احسان کے بدلہ جزاک اللہ خیراً کہہ دیا تو گویا اس نے اعلیٰ درجہ کا شکر ادا کر دیا کیونکہ اس نے محسن کے بدلہ کو اللہ کے حوالہ کر دیا اور اعتراف کر لیا کہ میں شکریہ کی ادائیگی سے قاصر ہوں اور ظاہر ہے کہ اپنے عجز کا اعتراف اور بدلہ کو اللہ کے حوالے کر دینا اپنی عاجزی کے اقرار کے ساتھ ساتھ اللہ کی عظمت کا اقرار بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی جانب سے اس محسن کو بدلہ عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ کا بدلہ اعلیٰ اور اعلیٰ ہوگا بعض حضرات کا مقولہ مشہور ہے:

اذا قصرت یدک بالمکافاة فلیطل لسانک بالشکر والدعاء.

”جب تمہارا ہاتھ احسان کا بدلہ دینے سے قاصر ہو تو پھر تمہاری زبان شکر اور دعا سے طویل (مشغول) ہونی چاہئے۔“

بہر حال روایت سے یہ معلوم ہوا کہ احسان کرنے والے کو جزاک اللہ کے ساتھ دعا دینا بھی شکر کی ایک قسم بلکہ اعلیٰ قسم ہے۔

هذا حدیث حسن جید غریب اخرجہ النسائی و ابن ماجہ و قدروی عن ابوہریرہ ؓ مثله ابوہریرہ ؓ کی روایت کی تخریج بزار و طبرانی نے کی ہے۔ بہر حال روایت باب سے معلوم ہوا کہ احسان کے بدلے میں جزاک اللہ خیراً کہا جائے تو یہ شکر کی اعلیٰ قسم ہے۔

لغات: معروف: بھلائی، احسان، حسن سلوک، عطیہ، نیکی، بعض نسخوں میں یہ لفظ ”معروفاً“ زبر کے ساتھ ہے جبکہ بعض میں ”معروف“ پیش کے ساتھ ہے۔ صنع: مجہول کا صیغہ ہے جس کے ساتھ (نیکی) کی گئی۔ فقد ابلغ فی الشان: تحقیق اس نے اعلیٰ درجہ کی تعریف کی۔

